

کمل اعراب
نظر ثانی و تصحیح
مزید اضافہ عنوانات

اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں راہ راست بتلا دیتے ہیں

اثر و الہدایہ

شرح اردو

ہدایت

اضافہ عنوانات: مولانا محمد عظمت اللہ
مفتی دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

تالیف: مولانا جمیل احمد سکروڈھوی
مدرس دارالعلوم دیوبند



کتاب الایمان

اردو بازار ایم اے بنجار روڈ کراچی پاکستان فون: 32631861

کمل اعراب، نظر ثانی و تصحیح، مزید اضافہ عنوانات

مولانا آفتاب عالم صاحب فاضل و محقق جامعہ دارالعلوم کراچی

مولانا ضیاء الرحمن صاحب فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

مولانا محمد یامین صاحب فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

مطب، نظر ثانی و اضافہ عنوانات والا نسخہ

وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (القرآن)
اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں راہ راست بتلا دیتے ہیں

اشرف الہدایہ

شرح اردو

ہدایۃ

جلد دہم

کتاب الشہادۃ

تا

باب التحالف

اضافہ عنوانات: مولانا محمد عظمت اللہ
بانی دارالافتار جامعہ فاروقیہ کراچی

تالیف: مولانا جمیل احمد سکروڈھوی
مدرس دارالعلوم دیوبند

مکمل اعراب، نظر ثانی و تصحیح، مزید اضافہ عنوانات

مولانا ضیاء الرحمن صاحب فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی
مولانا محمد یامین صاحب فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

اُردو بازار ایم ایس جلیج روڈ
کراچی پاکستان 2213768

دارالاشاعت

مولانا جمیل احمد سکروڈھوی کی تصنیف کردہ شرح ہدایہ بنام ”اشرف الہدایہ“ کے حصہ اول تا پنجم اور ششم تا دہم کے جملہ حقوق ملکیت اب پاکستان میں صرف خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی کو حاصل ہیں اور کوئی شخص یا ادارہ غیر قانونی طبع و فروخت کرنے کا مجاز نہیں۔ سینٹرل کاپی رائٹ رجسٹرار کو بھی اطلاع دے دی گئی ہے لہذا اب جو شخص یا ادارہ بلا اجازت طبع یا فروخت کرتا پایا گیا اسکے خلاف کارروائی کی جائے گی۔ ناشر

اضافہ عنوانات، تسہیل و کمپوزنگ کے جملہ حقوق بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی
طباعت : ستمبر ۲۰۰۹ء علمی گرافکس
صفحات : 325
کمپوزنگ : منظور احمد

قارئین سے گزارش

اپنی حتی الوسع کوشش کی جاتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمد للہ اس بات کی نگرانی کے لئے ادارہ میں مستقل ایک عالم موجود رہتے ہیں۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو ازراہ کرم مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاک اللہ

..... ملنے کے پتے

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت انعام مقابل اشرف المدارس گلشن اقبال بلاک ۲ کراچی
بیت الکتاب بالمقابل اشرف المدارس گلشن اقبال کراچی
مکتبہ اسلامیہ امین پور بازار فیصل آباد
ادارہ اسلامیات ۱۹۰ انارکلی لاہور
بیت العلوم 20 ناہر روڈ لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادی ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
کتاب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
مکتبہ اسلامیہ گامی اڈا۔ ایبٹ آباد
مکتبہ المعارف محلہ جنگلی۔ پشاور

انگلینڈ میں ملنے کے پتے

Islamic Books Centre
119-121, Halli Well Road
Bolton BL 3NE, U.K.

Azhar Academy Ltd.
At Continenta (London) Ltd.
Cooks Road, London E15 2PW

فہرست

کتاب الشہادۃ

۱۳	گواہی کی شرعی حیثیت
۱۴	حدود میں گواہ کیلئے گواہی کے ستر کا حکم
۱۶	مراتب شہادت و زنا میں تعداد شہود
۱۸	حدود و قصاص میں تعداد شہود
۱۸	بقیہ حقوق میں تعداد شہود
۲۱	کن مواقع میں محض ایک عورت کی گواہی معتبر ہے
۲۵	گواہی میں عدالت اور لفظ شہادت کی حیثیت
۲۷	گواہوں کیلئے عدالت کا معیار
۳۰	گواہوں کے تزکیہ اور تعدیل کرنے کا حکم
۳۱	مدعی علیہ کے قول کہ گواہ عادل ہیں کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں
۳۳	مزکی شہود کی تعداد، اقوال فقہاء
۳۴	خفیہ اور اعلانیہ تزکیہ میں مزکی بھی اہلیت شہادت شرط ہے یا نہیں
۳۵	گواہی اور ادائے گواہی کا بیان گواہی کی پہلی قسم، گواہی خود بخود کب ثابت ہو جاتی ہے
۳۶	پہلی قسم میں گواہ اشہد کے لفظ سے گواہی دے گا اشہدنی نہیں کہے گا
۳۷	دوسری قسم..... گواہی کا خود بخود ثابت نہ ہونا
۳۸	اپنی تحریر دیکھ کر اس کے مضمون کی گواہی دینا
۳۹	بغیر مشاہدہ کے کن چیزوں کی گواہی دے سکتا ہے
۴۲	مسند قضاء پر بیٹھے ہوئے شخص کیلئے قاضی ہونے کی گواہی دینے کا حکم
۴۳	کتنی اور کون سی چیزوں کی محض سکر گواہی دینا جائز ہے
۴۴	کسی شخص کے قبضے میں چیز دیکھ کر اسکے مالک ہونے کی گواہی دینے کا حکم
۴۵	مالک اور ملک کے معاینہ کے بعد گواہی دینا جائز ہے
۴۷	غلام اور باندی ہونے کی گواہی سب دی جاسکتی ہے
۴۹	باب من یقبل شہادۃ ومن لا یقبل
۴۹	نابینا کی گواہی قابل قبول نہیں، اقوال فقہاء
۵۲	مملوک کی گواہی قبول نہیں
۵۳	محدود فی القذف کی گواہی کا حکم

۵۵

والد کی بیٹی، پوتے اور بیٹے کی آباؤ اجداد کے حق میں گواہی قابل قبول نہیں

۵۷

میاں بیوی کی ایک دوسرے کے حق میں گواہی قبول نہیں

۵۹

مولیٰ کی غلام اور مکاتب کے حق میں گواہی قبول نہیں

۶۰

بھائی کی بھائی اور چچا کے حق میں گواہی قابل قبول ہے

۶۰

مخنت کی گواہی قبول نہیں

۶۱

نانہ اور مغنیہ کی گواہی مقبول نہیں

۶۱

دائگی شراب پینے والے، پرندوں سے کھیلنے والے کی گواہی قبول نہیں

۶۲

مغنی یا مغنیہ اور مرکب کبیرہ کی گواہی بھی قابل قبول نہیں

۶۳

سوائے فرقہ خطابیہ کے اہل ہوا کی گواہی قابل قبول ہے

۶۵

ذمی کی ذمی کے حق میں گواہی معتبر ہے، اقوال فقہاء

۶۸

حرابی کی ذمی کے حق میں گواہی معتبر نہیں

۶۸

ذمی کی حرابی کے حق میں گواہی قابل قبول ہے

۶۹

جس کی حسنت سینات پر غالب ہوں اور کبار سے اجتناب کرے اس کی گواہی قابل قبول ہے

۷۰

غیر مخنتوں کی گواہی کا حکم

۷۱

خصی کی گواہی قبول ہے

۷۱

ولد الزنا کی گواہی کا حکم

۷۲

خنثی کی گواہی کا حکم

۷۲

عمال کی گواہی جائز ہے

۷۳

دو مردوں نے گواہی دی کہ ان کے باپ نے فلاں شخص کو وصی مقرر کیا ہے اور وصی بھی اس کا مدعی ہے تو ان کی گواہی قابل قبول ہے

۷۳

دو مردوں نے اپنے غائب باپ کے بارے میں گواہی دی کہ اس نے فلاں شخص کو قرضہ وصول کرنے کا وکیل بنایا،

۷۵

وکیل نے دعویٰ کیا یا انکار کیا تو ان دونوں کی گواہی قبول نہیں

۷۵

خالص جرح پر قاضی شہادت نہ سنے اور نہ فیصلہ دے

۷۷

مدعی علیہ نے گواہ قائم کئے کہ مدعی کے گواہ کرایہ کے ہیں تو یہ بینہ قبول نہیں ہونگے

۷۹

گواہی دی اور اپنی جگہ سے نہیں بٹا اور کہا کہ مجھے اپنی بعض گواہی میں وہم ہو گیا ہے گواہی قبول کی جائے گی یا نہیں

۸۱

باب الاختلاف فی الشہادۃ

۸۱

گواہی دعویٰ کے موافق ہو تو قابل قبول ہے ورنہ مردود

۸۲

گواہوں کا گواہی میں لفظاً اور معنیاً اتفاق معتبر ہے

۸۳

ایک نے ہزار کی دوسرے نے ڈیڑھ ہزار کی گواہی دی اور مدعی بھی ڈیڑھ کا دعویٰ کرتا ہے تو ہزار میں شاہدین کی گواہی قبول کی جائیگی

۸۴

مدعی نے مدعی علیہ پر ایک ہی ہزار کا دعویٰ کیا لہذا ڈیڑھ ہزار والے کی گواہی باطل ہے

- ۸۵ گواہوں نے مدعی کے حق میں ہزار روپے کی گواہی دی ایک گواہ نے کہا کہ مدعی علیہ نے پانچ سوا کر دیئے ہیں تو دونوں کی گواہی ہزار میں قابل قبول ہے پانچ سو کے بارے میں گواہی مردود ہوگی
- ۸۶ گواہ پانچ سو کی ادائیگی پر واقف ہو تو ہزار کی گواہی نہ دے یہاں تک کہ مدعی پانچ سو کی ادائیگی کا اقرار کرے
- ۸۷ دو گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں کو یوم الآخر میں مکہ میں قتل کیا گیا اور دو گواہوں نے گواہی دی کہ یوم الآخر میں کوفہ میں قتل کیا گیا تو کس کی گواہی قبول ہوگی
- ۸۸ دو آدمیوں نے گائے چوری پر گواہی دی اور گائے کے رنگ میں دونوں کا اختلاف ہو گیا تو سارق کا ہاتھ کاٹا جائے گا
- ۹۰ ایک گواہ نے غلام ایک ہزار کے بدلے خریدنے پر گواہی دی اور دوسرے نے ڈیڑھ ہزار کے بدلے خریدنے کی گواہی دی گواہی باطل ہے
- ۹۱ بدل کتابت میں گواہوں کی گواہی میں اختلاف کا حکم
- ۹۲ مقدار میں گواہوں کی گواہی میں اختلاف کا حکم
- ۹۳ فصل فی الشہادۃ علی الارث
- ۹۴ مدعی نے دعویٰ کیا کہ مکان اس کے باپ کا ہے اور قابض کو عاریۃ یا ودیعتاً دیا تھا تو مدعی کیلئے باپ کے فوت ہونے پر گواہ پیش کرنا ضروری نہیں ہے
- ۹۵ گواہوں نے یہ گواہی دی کہ مکان پر مدعی یعنی وارث کے باپ کا قبضہ موت تک رہا اور مکان موت تک اس کے قبضہ میں تھا یہ شہادت جائز ہے
- ۹۶ گواہوں نے کسی زندہ سے کہا کہ یہ مکان چند ماہ سے فلاں مدعی کے قبضہ میں تھا، گواہی قابل قبول ہوگی یا نہیں
- ۹۷ مدعی علیہ قابض نے یہ اقرار کیا کہ یہ مکان مدعی کے قبضہ میں تھا، یہ مکان مدعی کے قبضہ میں دیا جائے گا
- ۱۰۰ باب الشہادۃ علی الشہادۃ
- ۱۰۱ شہادت علی الشہادت کون سے حق پر دینا جائز ہے
- ۱۰۲ شہادت علی الشہادت کی شرعی حیثیت
- ۱۰۳ شہادت پر گواہ بنانے کا طریقہ
- ۱۰۴ گواہی پر گواہی دینے کا طریقہ
- ۱۰۵ اشہدنی فلان علی نفسه سے سامع گواہی دے سکتا ہے یا نہیں؟
- ۱۰۶ شہود فرع کی گواہی کب قابل قبول ہے
- ۱۰۷ شہود فرع کا شہود اصل کی تعدیل کا حکم
- ۱۰۸ شہود فرع کا شہود اصل کی تعدیل سے سکوت کریں تو گواہی کا حکم
- ۱۰۹ شہود اصل گواہی سے انکار کر دیں تو شہود فرع کی گواہی قابل قبول نہیں
- ۱۱۰ دو مردوں نے دو مردوں کی گواہی پر ایک عورت پر ہزار روپے کی گواہی دی گواہی قابل قبول ہے یا نہیں
- ۱۱۱ قاضی کا قاضی کو خط شہادت علی الشہادت کے حکم میں ہے
- ۱۱۲ فلاں بنت فلاں تمیمیہ پر ایک ہزار قرض کہنے سے قاضی کا قاضی کو خط اور شہادت علی الشہادت قبول ہے یا نہیں

جھوٹے گواہ کی سزا کا حکم..... اقوال فقہاء

۱۱۳

دو گواہوں نے جھوٹی گواہی کا اقرار کیا ان کی سزا کا حکم..... اقوال فقہاء

۱۱۵

کتاب الرجوع عن الشهادات

۱۱۷

فیصلہ سے پہلے گواہوں کا گواہی سے رجوع کا حکم

۱۱۷

حاکم کی موجودگی میں گواہی سے رجوع ضروری ہے

۱۱۹

حاکم نے گواہوں کی گواہی پر فیصلہ کر دیا پھر گواہوں نے رجوع کر لیا

۱۲۰

ایک نے رجوع کیا تو نصف کا ضامن ہوگا

۱۲۲

ایک مرد اور دس عورتوں نے گواہی دی پھر آٹھ عورتوں نے رجوع کر لیا تو ان پر کوئی ضمان ہے یا نہیں

۱۲۵

دو گواہوں نے ایک عورت پر مہر مثل کے ساتھ نکاح کی گواہی دی پھر دونوں گواہوں نے رجوع کر لیا دونوں پر ضمان لازم نہیں ہے

۱۲۶

گواہوں نے ایک مرد پر ایک عورت سے مہر مثل کے ساتھ نکاح کی گواہی دی، ضمان کا حکم

۱۲۸

مہر مثل سے زیادہ پر گواہی دی پھر رجوع کر لیا دونوں زیادتی کے ضامن ہوں گے

۱۲۸

دو گواہوں نے کسی چیز کو مثل قیمت یا زائد کے عوض فروخت کرنے کی گواہی دی پھر دونوں نے رجوع کر لیا تو ضامن نہ ہوں گے

۱۲۹

دو گواہوں نے کسی مرد پر اپنی بیوی کو دخول سے پہلے طلاق دینے پر گواہی دی پھر رجوع کر لیا نصف مہر کے ضامن ہوں گے

۱۳۰

دو گواہوں نے غلام آزاد کرنے کی گواہی دی پھر دونوں نے رجوع کر لیا تو دونوں غلام کی قیمت کے ضامن ہوں گے

۱۳۱

گواہوں نے قصاص کی گواہی دی پھر قتل کے بعد رجوع کر لیا تو دیت کے ضامن ہوں گے

۱۳۲

شہود فرغ نے رجوع کیا تو ضامن ہوں گے

۱۳۵

شہود اصل سے رجوع کیا اور کہا کہ شہود فرغ کو شہادت پر ہم نے مقرر نہیں کیا تو شہود اصل ضمان نہ ہوگا

۱۳۵

شہود اصل نے کہا کہ ہم نے شہود فرغ کو مقرر کیا تھا درہم نے غلطی کی تو ضامن ہوں گے یا نہیں..... اقوال فقہاء

۱۳۶

شہود اصل اور فرغ دونوں گروہوں نے رجوع کر لیا تو ضمان اصل پر ہے یا فرغ پر

۱۳۷

تزکیہ اور تعدیل کرنے والوں نے تزکیہ سے رجوع کیا وہ ضامن ہوں گے

۱۳۸

دو گواہوں نے یمین اور دونے وجود شرط کی گواہی دی پھر چاروں گواہوں نے رجوع کیا تو ضمان شہود یمین پر ہوگا

۱۳۹

کتاب الوکالة

۱۴۱

کس عقد میں وکالت درست ہے

۱۴۲

تمام حقوق میں وکیل بالخصوص مت بنانا جائز ہے

۱۴۳

تمام حقوق کے ایفاء اور استیفاء میں سوائے حدود و قصاص کے وکالت جائز ہے

۱۴۴

حدود اور قصاص میں من علیہا الحد والقصاص کی جانب سے جواب دہی میں وکالت کا حکم

۱۴۵

توکیل خصوصت میں فریق مخالف کی رضا کا اعتبار کیا جائیگا یا نہیں، اقوال فقہاء

۱۴۷

وکالت کی شرائط میں ایک شرط یہ ہے کہ موکل صاحب تصرف ہو اور اس پر احکام لازم ہوتے ہوں

۱۵۰

آزاد، عاقل، بالغ یا ماذون کیلئے اپنے ہم مثل کو وکیل بنانا جائز ہے

۱۵۱

۱۵۳

ہر وہ عقد جس کی نسبت وکیل اپنی طرف کرے اس کے حقوق وکیل سے متعلق ہونگے

۱۵۶

ہر وہ عقد جس کی نسبت وکیل اپنے مؤکل کی طرف کرتا ہے اس کے حقوق مؤکل سے متعلق ہوں گے

۱۵۸

دوسری قسم کے نظائر

۱۶۰

مؤکل مشتری سے ثمن کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں

۱۶۲

باب الوكالة بالبيع والشراء ----- فصل فی الشراء

۱۶۳

وکیل بالشراء کو جنس اور صفت یا جنس اور انتہائی ثمن بتانا ضروری ہیں

۱۶۴

ایک لفظ کئی جنسوں کا احتمال رکھتا ہو وکالت بالشراء درست نہیں ہے

۱۶۵

وکیل بالشراء کو کہا کہ میرے لئے کپڑا چوپایہ یا مکان خرید تو وکالت جہالت فاحشہ کی وجہ سے باطل ہے

۱۶۷

مؤکل نے گھر کا ثمن اور کپڑے اور دار کی نوع بیان کر دی تو وکالت جائز ہے

۱۶۷

کسی شخص نے دوسرے کو دراہم دیئے اور کہا ان کے عوض میرے لئے طعام خرید تو استحساناً گندم اور اس کے آنے پر اطلاق ہوگا

۱۶۸

وکیل نے چیز خرید کر قبضہ کیا پھر عیب پر مطلع ہوا تو عیب کی وجہ سے رد کر سکتا ہے

۱۶۹

عقد صرف اور سلم میں وکالت جائز ہے

۱۷۰

وکیل قبضہ سے پہلے اپنے ساتھی سے جدا ہو گیا تو عقد باطل ہے

۱۷۱

وکیل بالشراء نے اپنے مال سے ثمن ادا کیا اور بیع پر قبضہ کر لیا تو مؤکل پر رجوع کرنے کا

۱۷۲

اگر بیع وکیل کے ہاتھ میں روکنے سے پہلے ہلاک ہو گئی تو مؤکل کے مال سے ہلاک ہوگی

۱۷۲

وکیل ثمن وصول کرنے کیلئے بیع روک سکتا ہے

۱۷۳

وکیل نے بیع کو رد کیا پھر ہلاک ہو گئی تو اس کا ضمان کو نہا ہوگا، اقوال فقہاء

۱۷۶

ایک شخص نے کسی کو ایک درہم کے بدلے دس رطل گوشت خریدنے کا حکم کیا اس نے بیس رطل ایسا گوشت خرید اچھا

۱۷۶

ایک درہم کے عوض دس رطل فروخت کیا جاتا ہے مؤکل کو کتنے رطل گوشت لازم ہوگا

۱۷۸

مؤکل نے وکیل کو کسی معین چیز خریدنے کا وکیل بنایا تو وکیل اپنے لئے اسے نہیں خرید سکتا

۱۸۰

مؤکل نے غیر معین غلام خریدنے پر وکیل بنایا وکیل نے ایک غلام خرید ا وہ وکیل کا ہوگا، مؤکل کا کب ہوگا؟

۱۸۳

مؤکل نے وکیل کو ایک غلام ہزار روپے کے عوض خریدنے کا حکم دیا وکیل نے کہا میں نے خرید ا اور وہ میرے پاس

۱۸۳

فوت ہو گیا اور مؤکل نے کہا تو نے اسے اپنے لئے خرید ا تھا تو مؤکل کا قول قابل قبول ہوگا

۱۸۶

مؤکل نے وکیل کو معین غلام خریدنے کا حکم دیا دونوں نے اختلاف کیا حالانکہ وہ غلام زندہ ہے تو وکیل کا قول قبول ہوگا

۱۸۶

ایک شخص نے دوسرے سے کہا تو فلاں کے واسطے یہ غلام میرے ہاتھ فروخت کر دے تو اس نے فروخت کر

۱۸۶

دیا پھر قائل نے اسکا انکار کیا پھر وہ دوسرا شخص آ گیا اور اس نے کہا کہ میں نے اسے حکم کیا تھا تو کس کا قول معتبر ہوگا

۱۸۸

ایک شخص نے دوسرے کو دو معین غلام خریدنے کا حکم کیا اور ثمن اس کے سامنے بیان نہیں کئے پھر وکیل نے دو میں سے

۱۸۸

ایک غلام مؤکل کیلئے خرید ا تو جائز ہے

مؤکل نے وکیل کو کہا دونوں کو ایک ہزار کے عوض خرید لے اور دونوں کی قیمت برابر ہے ان میں ایک کو پانچ سو یا اس

سے کم یا زیادہ میں خرید تو مؤکل کو خریداری لازم ہوگی یا نہیں

۱۸۹

صاحبین کا نقطہ نظر

۱۹۱

قرض خواہ نے مقروض کو حکم دیا کہ ایک ہزار کے عوض یہ غلام خرید لے چنانچہ قرضدار نے وہ معین غلام خرید لیا تو یہ

۱۹۲

خریداری مؤکل پر لازم ہوگی

اگر غیر معین غلام خریدنے کا حکم دیا اس نے خرید احکم کرنے والے کے قبضہ سے پہلے اس کے ہاتھ میں غلام ہلاک

ہو گیا تو مشتری کے مال سے ہلاک ہوگا اور حکم کرنے والے نے قبضہ کر لیا پھر فوت ہوا تو

۱۹۸

ایک شخص نے دوسرے کو ایک ہزار درہم دے کر حکم دیا کہ وہ ان کے عوض ایک باندی خریدے وکیل نے باندی خریدی پھر مؤکل نے

کہا کہ تو نے اسکو پانچ سو کے عوض خریدا ہے وکیل نے کہا ایک ہزار کے عوض خریدا ہے تو وکیل کا قول قبول ہوگا

۱۹۹

اور اگر امر نے ہزار روپے نہیں دیئے تو قول امر کا معتبر ہوگا

مؤکل نے وکیل کو معین غلام خریدنے کا حکم دیا اور ثمن بیان نہیں کیا وکیل نے غلام کو خرید لیا مؤکل نے کہا کہ تو نے پانچ سو کے عوض

۲۰۰

خریدا ہے اور وکیل نے کہا کہ ایک ہزار کے عوض خریدا ہے اور بائع نے وکیل کی تصدیق کی تو وکیل کا قول مع الیمین معتبر ہوگا

۲۰۲

فصل فی التوکیل بشراء نفس العبد

غلام نے ایک آدمی کو کہا کہ تو مجھ کو میرے لئے مولیٰ سے ایک ہزار کے عوض خرید اور غلام نے اسے ایک ہزار

دیدئے اگر وکیل نے اس کے مولیٰ سے کہا کہ میں نے اسکو اسکی ذات کیلئے خریدا ہے پس مولیٰ نے غلام کو اس

۲۰۲

شرط پر بیچ دیا غلام آزاد ہوگا اور لاء اسکے مولیٰ کیلئے ہوگی

۲۰۳

اگر مولیٰ کو یہ صورت بیان نہیں کی تو غلام مشتری کا ہوگا

آزاد نے غلام سے کہا تو اپنے مولیٰ سے اپنی ذات کو میرے واسطے خرید غلام نے اپنے مولیٰ سے کہا میری ذات کو

۲۰۶

فلاں کیلئے میرے ہاتھ اس قدر ثمن کے عوض فروخت کر مولیٰ نے ایسے کر دیا تو غلام مؤکل کیلئے ہوگا

۲۰۶

اگر غلام نے اپنے واسطے عقد کیا تو آزاد ہوگا

۲۰۸

غلام نے کہا تو میرے ہاتھ میری ذات فروخت کر دے اور یہ نہیں کہا کہ فلاں کے واسطے آزاد کر تو یہ غلام آزاد ہے

۲۰۹

فصل فی البیع

وکیل بالبیع و الاشراء کن لوگوں کیساتھ عقد کر سکتا ہے کن کیساتھ نہیں

۲۰۹

وکیل بالبیع قلیل و کثیر اور سامان کے ساتھ بیع کر سکتا ہے یا نہیں، اقوال فقہاء

۲۱۱

وکیل بالاشراء کا مثل قیمت کیساتھ اور اتنے ثمن کے ساتھ جس کے مثل لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں عقد کرنا جائز ہے

۲۱۳

عین فاش کی تعریف

۲۱۶

اپنا غلام بیچنے کا وکیل کیا پورے یا آدھے کو فروخت کرنے کی قید نہیں لگائی وکیل آدھا غلام فروخت کرے تو کیا حکم ہے

۲۱۷

غلام خریدنے کا وکیل بنایا وکیل نے آدھا غلام خرید تو خریداری موقوف رہے گی اور اگر بقیہ غلام بھی خرید لیا تو خریداری مؤکل پر لازم ہوگی

۲۱۹

ایک شخص نے کسی کو اپنا غلام فروخت کرنے کا حکم دیا وکیل نے اسکو بیچ دیا ثمن پر قبضہ کیا یا نہیں کیا پھر غلام کو ایسے عیب کی وجہ سے

۲۲۰

جس کے مثل پیدا نہیں ہو سکتا مشتری نے قضاء قاضی سے وکیل کی طرف واپس کیا تو وکیل مؤکل کو واپس کر سکتا ہے یا نہیں

۲۲۲

جس عیب کی مثل عیب پیدا ہو سکتا ہے اس کا بھی یہی حکم ہے

۲۲۳

اگر واپسی وکیل کے اقرار سے ہو تو غلام وکیل پر لازم ہوگا

۲۲۵

ایک آدمی نے دوسرے سے کہا میں نے تجھ کو اپنا غلام نقد کے عوض فروخت کرنے کا حکم کیا لیکن تم نے اس کو ادھار کے عوض بیچا اور وکیل نے کہا کہ تو نے مجھ کو اس کے بیچنے کا حکم کیا تھا اور کچھ نہیں کہا تو مؤکل کا قول معتبر ہوگا

۲۲۶

مضارب اور رب المال کا اختلاف ہو جائے تو مضارب کا قول معتبر ہوگا

۲۲۷

ایک آدمی نے دوسرے کو اپنا غلام بیچنے کا حکم کیا وکیل نے اس غلام کو بیچ دیا اور دشمن کے عوض اسے لے لیا پھر مال رہن وکیل کے قبضے میں ضائع ہو گیا یا وکیل نے دشمن کے بدلے کفیل لے لیا پھر مال اس پر ہلاک ہو گیا تو وکیل پر ضمان واجب نہ ہوگا

۲۲۸

فصل

۲۲۸

ایک شخص نے دو آدمیوں کو وکیل بنایا ایک کیلئے دوسرے کی عدم موجودگی میں تصرف کا اختیار نہیں

۲۲۹

اگر دونوں میں سے ہر ایک وکیل خصوصت ہو تو ایک دوسرے کی عدم موجودگی میں تصرف کر سکتا ہے

۲۳۱

وکیل کسی دوسرے کو وکیل بنانے کا مجاز ہے یا نہیں

۲۳۱

مؤکل کی اجازت کے بغیر وکیل نے آگے وکیل بنایا وکیل ثانی نے وکیل اول کی موجودگی میں تصرف کیا جائز ہے

۲۳۳

مکاتب نے یا غلام نے یا ذمی نے اپنی آزاد مسلمان صغیرہ بیٹی کا نکاح کیا یا اس کیلئے بیچا خرید اتو جائز نہیں

۲۳۴

مرتد جب اپنی ردت میں قتل کیا گیا تو اس کا تصرف اس نے مال میں نافذ ہے لیکن ولدا اور ولد کے مال میں موقوف ہے یہی حکم حربی کا ہے

۲۳۵

باب الوكالة بالخصوص والقبض

۲۳۵

وکیل بالخصوص وکیل بالقبض ہے یا نہیں

۲۳۶

خصوصت کے دو وکیل ہوں تو قرضہ پر دونوں ایک ساتھ قبضہ کر سکتے ہیں

۲۳۷

امام ابو حنیفہؒ کے نقطہ نظر میں قرضہ پر قبضہ کرنے کا وکیل خصوصت کا بھی وکیل ہے

۲۳۹

عین پر قبضہ کا وکیل خصوصت کا وکیل نہیں

۲۴۰

مذکورہ بالا حکم طلاق اور عتاق کا بھی ہے

۲۴۰

وکیل بالخصوص نے قاضی کے پاس اپنے مؤکل پر کچھ اقرار کیا تو وکیل کا اقرار مؤکل پر جائز ہوگا

۲۴۲

مؤکل نے اقرار کا استثناء کیا تعیر استثناء درست ہے یا نہیں

۲۴۵

ایک شخص دوسرے کی جانب سے مال کا کفیل ہو گیا پھر صاحب مال نے کفیل کو مدیون سے مال پر قبضہ کرنے کا وکیل بنایا وکیل بنے گا یا نہیں

۲۴۷

کسی شخص نے دعویٰ کیا کہ میں فلاں غائب کی طرف سے اس کا قرضہ وصول کرنے کا وکیل ہوں قرضدار نے اس کی تصدیق کی تو قرضدار کو حکم دیا جائے گا کہ قرضہ وکیل کے سپرد کرے

۲۴۷

اگر قرضدار مال دیتے وقت وکیل کو ضامن بنادے

کسی شخص نے کہا کہ میں ودیعت پر قبضہ کرنے کا وکیل ہوں، مودع نے اس کی تصدیق کی تو مودع کو حکم نہیں دیا جائے گا کہ وہ اس وکیل کو ودیعت سپرد کرے

۲۵۰

قرضدار نے کسی آدمی کو قرضہ وصول کرنے کا وکیل کیا پھر قرضدار نے دعویٰ کیا کہ قرض خواہ اپنا مال وصول کر چکا ہے قرضدار قرضہ وکیل کو دے دے

۲۵۱

خریدی ہوئی باندی میں عیب کی وجہ سے رد کرنے کا کسی کو وکیل بنایا اور بائع نے دعویٰ کیا کہ مشتری اس عیب پر راضی ہو گیا تھا تو مشتری کی قسم کے بغیر وکیل معیب باندی کو بائع کی طرف واپس نہیں کر سکتا

۲۵۲

ایک شخص نے دوسرے کو دس درہم دیئے تاکہ وہ اس کے بچوں پر خرچ کرے اس نے اپنے پاس سے دس درہم ان پر خرچ کیئے تو یہ دس ان دس کے عوض ہو جائیں گے

۲۵۳

باب عزل الوکیل

۲۵۵

مؤکل وکیل کو وکالت سے معزول کر سکتا ہے

۲۵۵

وکیل کو معزولی کی خبر نہیں پہنچی تو وکالت پر برقرار رہے گا اور اس کا تصرف جائز ہے یہاں تک کہ اسے معزولی کی خبر مل جائے

۲۵۷

مؤکل کی موت، جنون اور ردت سے وکالت باطل ہو جاتی ہے

۲۵۷

مکاتب نے وکیل کیا پھر عاجز آ گیا یا ماذون لہ نے وکیل کیا پھر وہ مجبور ہو گیا یا دوشریکوں نے وکیل کیا پھر وہ جدا ہو گئے تو یہ وجوہ وکالت کو باطل کر دیتی ہیں

۲۵۹

وکیل فوت ہو جائے یا جنون مطبق ہو جائے تو وکالت باطل ہے

۲۵۹

کسی شخص نے دوسرے کو وکیل بنایا پھر خود وہی کام کر لیا تو وکالت باطل ہے

۲۶۲

کتاب الدعویٰ

۲۶۵

دعویٰ صحیح ہونے کی شرطیں

۲۶۵

مدعی پر ترک دعویٰ سے خصوصیت پر جبر نہیں اور مدعی علیہ پر جبر ہے

۲۶۵

دعویٰ کب قبول کیا جائے گا

۲۶۷

زمین کے دعویٰ کیلئے زمین کی حدود اور بعد بیان کرے

۲۶۸

دعویٰ صحیح ہو جائے تو قاضی مدعی علیہ سے اس کے بارے میں سوال کرے تاکہ جہت حکم کھل جائے اگر مدعی علیہ نے

۲۷۱

اقرار کیا تو قاضی مدعی علیہ پر دعویٰ کا حکم کرے گا

۲۷۱

باب الیمین

۲۷۳

مدعی کے پاس گواہ ہوں اور وہ مدعی علیہ سے قسم کا مطالبہ کرے تو مطالبہ کا حق ہے یا نہیں، اقوال فقہاء

۲۷۳

قسم مدعی پر نہیں لوٹائی جائے گی

۲۷۴

ملک مطلق میں قابض کے بینہ قبول نہ ہوں گے اور غیر قابض کے بینہ اولیٰ ہیں

۲۷۴

مدعی علیہ قسم سے انکار کر دے تو اس کے خلاف قاضی فیصلہ دیدے

۲۷۶

قاضی مدعی علیہ سے کہے کہ میں تین دفعہ قسم پیش کرتا ہوں اگر وہ رد کر دے تو اس کے خلاف فیصلہ صادر کر دے

۲۷۷

- ۲۷۸ نکاح کا دعویٰ ہو تو منکر سے قسم لی جائے گی یا نہیں..... اقوال فقہاء
- ۲۸۱ چور سے قسم لی جائے گی اگر قسم سے انکار کیا تو ضامن ہوگا
- ۲۸۲ عورت نے قبل الدخول طلاق کا دعویٰ کیا خاوند سے قسم لی جائے گی اگر قسم سے انکار کر دے تو نصف مہر کا ضامن ہوگا
- ۲۸۳ کسی نے غیر پر قصاص کا دعویٰ کیا اس نے انکار کیا تو قسم لی جائے اگر قسم سے انکار کر دے تو قصاص لازم ہے اور اگر قصاص نفس میں قسم سے انکار کرے تو قید خانہ میں ڈالا جائے
- ۲۸۶ مدعی کے گواہ شہر میں موجود ہوں تو مدعی علیہ اپنی ذات کا تین دن تک کفیل دے تاکہ مدعی علیہ کے روپوش ہونے سے مدعی کا حق ضائع نہ ہو

فصل فی کیفیت الیمین والاستحلاف

- ۲۸۸ قسم کے کھڑے کا بیان
- ۲۹۰ طلاق اور عتاق کی قسم نہیں لی جائے گی
- ۲۹۰ یہودی اور نصرانی سے قسم لینے کا طریقہ
- ۲۹۱ مجوسی سے قسم لینے کا طریقہ
- ۲۹۲ وحشی سے صرف اللہ تعالیٰ کے نام سے قسم لی جائے گی
- ۲۹۲ ان سے عبادت خانوں میں قسم نہ لی جائے گی
- ۲۹۲ مسلمان پر قسم میں زمان و مکان کی تغلیظ واجب نہیں
- کسی نے دوسرے کے بارے میں دعویٰ کیا کہ اس نے میرا غلام ایک ہزار کے عوض خریدا، مدعی علیہ نے اس کا انکار کیا اس سے کن الفاظ میں قسم لی جائے گی
- ۲۹۲ کسی کو میراث میں غلام ملا، دوسرے شخص نے دعویٰ کیا اور مدعی کے پاس پینہ نہیں تو وارث سے اس کے علم پر قسم لی جائے گی

باب التحالف

- ۲۹۶ متعاقدین کا بیع میں اختلاف ہوا ایک نے ثمن کا دعویٰ کیا اور بائع نے اس سے زیادہ کا دعویٰ کیا یا بائع نے بیع کی ایک مقدار کا دعویٰ کیا اور مشتری نے اس سے زیادہ کا دعویٰ کیا ایک نے گواہ قائم کر دیے تو اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا
- ۲۹۷ بائع اور مشتری دونوں رضا مند نہ ہوئے تو قبل القبض پر ایک سے دوسرے کے دعویٰ پر قسم لی جائے گی
- ۲۹۸ کس کی قسم سے آغاز کیا جائے گا..... اقوال فقہاء
- ۲۹۹ عین کی عین کے بدلے یا ثمن کی ثمن کے بدلے بیع کی تو قاضی جس سے بھی پہلے قسم لے اسے اختیار ہے، قسم لینے کا طریقہ
- ۳۰۰ دونوں نے قسم اٹھائی تو قاضی بیع کو فتح کر دے
- ۳۰۱ دونوں نے اجل میں یا شرط اختیار میں یا بعض ثمن کے وصول کرنے میں اختلاف ہو تو تحالف نہیں ہوگا
- ۳۰۲ بیع ہلاک ہو گئی پھر اختلاف ہو تو دونوں سے قسم لی جائے گی یا نہیں، اقوال فقہاء
- ۳۰۳ دو غلاموں میں سے ایک غلام ہلاک ہو گیا پھر اختلاف ہوا ثمن میں تو دونوں سے قسم لی جائے گی یا نہیں
- ۳۰۶ بعض مشائخ کا نقطہ نظر

- ۳۰۹ ایک شخص نے باندی خریدی اور اس پر قبضہ بھی کر لیا پھر اقالہ کیا اور ثمن میں اختلاف ہو گیا دونوں قسم اٹھائیں گے اور پہلی بیع لوٹ آئے گی
- ۳۱۱ ایک شخص نے ایک گرنڈم میں دس درہم بیع مسلم کے طور پر دیئے پھر دونوں نے اقالہ کیا پھر ثمن میں اختلاف کیا مسلم الیہ کا قول قبول ہوگا اور بیع مسلم عود نہیں کرے گی
- ۳۱۱ زوجین کا مہر میں اختلاف ہو ازواج نے دعویٰ کیا کہ ایک ہزار کے عوض نکاح کیا اور عورت دو ہزار کا کہتی ہے جو بھی بینہ قائم کر دے اس کے بینہ قبول ہوں گے
- ۳۱۳ مقنود علیہ وصول کرنے سے پہلے موجد اور مستاجر نے اختلاف کیا تو دونوں قسم کھائیں گے
- ۳۱۵ اگر استیفاء کے بعد اختلاف ہو تو تحالف صحیح نہیں ہے
- ۳۱۶ مقنود علیہ کا کچھ حصہ وصول کرنے کے بعد اختلاف ہو تو دونوں قسم اٹھائیں گے اور بقیہ میں عقد ختم ہوگا
- ۳۱۷ مولیٰ اور مکاتب کے درمیان بدل کتابت میں اختلاف ہو گیا تو تحالف ہوگا
- ۳۱۸ زوجین کا گھر کے سامان میں اختلاف ہو جائے تو کیا حکم ہوگا
- ۳۱۸- زوجین میں سے ایک فوت ہو گیا اور ورثہ نے دوسرے کیساتھ اختلاف کیا جو مردوں اور عورتوں کے لائق ہے وہ زندہ کے لئے ہوگا
- ۳۲۰ فصل فیمن لا یكون ختسما
- ۳۲۰ مدعی علیہ نے کہا کہ یہ چیزیں فلاں غائب نے میرے پاس ودیعت یا بطور رہن رکھی ہیں یا میں نے انہیں غصب کیا ہے، اور اس پر اس نے گواہ بھی قائم کر دیئے تو اس کے بعد مدعی اور اس کے درمیان خصومت قائم ہوگی یا نہیں
- ۳۲۳ مدعی علیہ نے کہا کہ میں نے اس غلام کو فلاں غائب سے خریدا ہے وہ خصم ہوگا
- ۳۲۳ مدعی نے کہا کہ یہ چیز میری چوری ہوئی ہے قابض نے کہا کہ فلاں نے میرے پاس ودیعت رکھا ہے اور بینہ قائم کر دیئے تو خصومت دفعہ نہ ہوگی
- ۳۲۳ مدعی نے کہا کہ میں نے یہ چیز فلاں سے خریدی ہے اور قابض نے کہا کہ اس نے یہ چیز میرے پاس ودیعت رکھی ہے تو خصومت بغیر بینہ کے ساقط ہو جائے گی
- ۳۲۵



کتاب الشہادۃ

ترجمہ یہ کتاب شہادت کے بیان میں ہے

تشریح شہادت کے لغوی معنی ہیں مشاہدہ کے بعد کسی چیز کی صحت کی خبر دینا اور فقہاء کی اصطلاح میں کسی کا حق ثابت کرنے کے لئے قاضی کی مجلس میں لفظ شہادت کے ساتھ سچی بات کی خبر دینے کے ہیں اور تحمل شہادت کا سبب اس چیز کا مشاہدہ کرنا ہے جس کے بارے میں گواہی دی جائے گی۔ یعنی جن چیزوں کو آنکھوں سے دیکھا جاسکتا ہے ان میں دیکھنا ضروری ہے اور جن چیزوں کو کانوں سے سنا جاسکتا ہے ان میں سنا ضروری ہے اور ادائے شہادت کا سبب یہ ہے کہ یا تو اس سے مدعی گواہی طلب کرے اور یا مدعی کے حق کے فوت ہونے کا خوف ہو۔ مگر یہ اس وقت ہوگا جب مدعی کو اس کا شاہد ہونا معلوم نہ ہو اور شہادت کی شرط یہ ہے کہ شاید کامل العقل ہو، ضبط شہادت کی صلاحیت ہو ولایت حاصل ہو۔ اور مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان امتیاز کرنے پر قدرت حاصل ہو۔ اور مدعی علیہ اگر مسلمان ہو تو شاہد کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے۔ شہادت کا کارکن لفظ اشہد ہے اور اس کا حکم شاہدین کے تذکیہ کے بعد قاضی پر مقتضائے شہادت کے مطابق فیصلہ کا واجب ہونا ہے۔

صاحب عنایہ نے فرمایا کہ شہادت بالحق کے محاسن میں سے یہ ہے کہ شہادت بالحق مامور بہا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کا امر فرمایا ہے چنانچہ ارشاد باری ہے **كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ** اور شہادت کے جواز پر یہ آیت دلالت کرتی ہے **وَاسْتَشْهِدُوا شَهِدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ**۔ بلکہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر مدعی گواہوں سے گواہی طلب کرے تو گواہوں کو ان کا رنہ کرنا چاہئے چنانچہ ارشاد ہے۔ **وَلَا يَأْبَى الشَّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا**

کتاب ادب القاضی اور کتاب الشہادات کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ قاضی چونکہ اپنی قضاء میں شہادت شہود کا محتاج ہوتا ہے اس لئے ادب القاضی کے بعد کتاب الشہادات کو ذکر فرمایا۔ علامہ ابن الہمامؒ نے فرمایا کہ ثبوت حق چونکہ شہادت سے ہوتا ہے اس لئے قضاء شہادت پر موقوف ہے اور شہادت اس کا موقوف علیہ ہے اور موقوف علیہ چونکہ موقوف سے پہلے ہوتا ہے اس لئے کتاب الشہادات پہلے اور کتاب ادب القاضی بعد میں ہونا چاہئے تھا۔ مگر اس کا جواب یہ ہے کہ شہادت سے مقصود قضاء ہے اور شہادت اس کا وسیلہ ہے۔ اور مقصود اہم ہونے کی وجہ سے تقدیم کا زیادہ مستحق ہوتا ہے۔ اس لئے کتاب ادب القاضی کو پہلے اور کتاب الشہادات کو بعد میں ذکر کیا گیا۔

گواہی کی شرعی حیثیت

قَالَ الشَّهَادَةُ فَرَضٌ تَلْزَمُ الشُّهُودَ وَلَا يَسْعُهُمْ كِتْمَانُهَا إِذَا طَلَبَهُمُ الْمُدْعَى لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَلَا يَأْبَى الشَّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا وَقَوْلِهِ تَعَالَى وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ اِثْمٌ قَلْبُهُ وَإِنَّمَا يُشْتَرَطُ طَلَبُ الْمُدْعَى لِأَنَّهَا حَقُّهُ فَيَتَوَقَّفُ عَلَى طَلَبِهِ كَسَائِرِ الْحُقُوقِ

ترجمہ گواہی ایسا فرض ہے جو گواہوں پر لازم ہے اور جب مدعی ان سے مطالبہ کرے تو گواہوں کے لئے اس کو چھپانے کی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ باری تعالیٰ نے فرمایا کہ جب گواہوں کو طلب کیا جائے تو ان کا رنہ کریں۔ اور تم گواہی مت چھپاؤ اور جو گواہی چھپاتا ہے اس کا دل گنہگار ہے۔ اور مدعی کا طلب کرنا اس لئے شرط ہے کہ شہادت اس کا حق ہے۔ پس دوسرے حقوق کی طرح شہادت بھی اس کے طلب کرنے پر موقوف ہوگی۔

تشریح صاحب قدوری نے فرمایا کہ شہادت کی ادائیگی اور اس کا تحمل مدعی کے مطالبہ کے وقت گواہوں پر ایسا فرض ہے جو گواہوں پر لازم ہے

اور اس کا چھپانا ناجائز ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ اگر گواہی دینے والے ایک، دو آدمی متعین ہوں تو گواہی دینا فرض عین ہوگا۔ اور اگر بہت سے لوگ ہیں تو فرض کفایہ ہوگا۔ شہادت فرض ہونے پر یہ آیتیں دلیل ہیں،

۱۔ وَلَا يَأْبَى الشَّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا (بقرہ) یعنی جب گواہ بلائے جائیں تو وہ ان کا نہ کریں۔ آیت میں چونکہ مطالبہ کے وقت ان کا کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اس لئے مطالبہ کے وقت حاضر ہونے کا امر ہوگا۔ اور امر وجوب پر دلالت کرتا ہے۔ لہذا شہادت دینا واجب اور لازم ہوگا۔

۲۔ وَلَا تَكْنُمُوا الشَّهَادَةَ یعنی تم گواہی مت چھپاؤ۔ اس آیت میں کتمان شہادت سے منع کیا گیا ہے۔ اور کتمان شہادت سے منع کرنا مستلزم ہے اظہار شہادت کو اور اظہار شہادت نام ہے ادا شہادت کا۔ پس جب کتمان شہادت ممنوع ہے تو اظہار شہادت یعنی ادا شہادت واجب ہوگا۔

۳۔ وَمَنْ يَكْمُمْهَا فَانْهَ اَثْمُ قَلْبِهِ یعنی جو شخص گواہی چھپاتا ہے اس کا دل گنہگار ہے۔ اس آیت میں کتمان شہادت پر وعید ہے۔ اور استحقاق وعید چونکہ ترک واجب سے ہوتا ہے اس لئے شہادت ادا کرنا واجب ہوگا۔ رہی یہ بات کہ آیت میں خاص طور پر قلب کو گنہگار کیوں کہا گیا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قلب رئیس الاعضاء ہے۔ پس جب رئیس الاعضاء گنہگار ہوگا تو دوسرے اعضاء بدرجہ اولیٰ گنہگار ہوں گے۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ مدعی کا طلب کرنا اس لئے شرط ہے کہ شہادت مدعی کا حق ہے۔ پس دوسرے حقوق کی طرح شہادت بھی اس کے طلب کرنے پر موقوف ہے۔ یعنی جس طرح دوسرے حقوق مدعی کے طلب کرنے پر موقوف ہیں اسی طرح شہادت بھی اس کے طلب کرنے پر موقوف ہے۔

اعتراض..... یہاں ایک اعتراض ہے۔ وہ یہ کہ اگر مدعی کو شاہد کا علم نہ ہو اور شاہد اس بات کو جانتا ہو کہ اگر میں نے شہادت نہ دی تو مدعی کا حق باطل ہو جائے گا۔ تو اس صورت میں شاہد پر شہادت دینا واجب ہے حالانکہ یہاں مدعی کا طلب کرنا نہیں پایا گیا۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں صراحۃً طلب کرنا اگرچہ نہیں پایا گیا لیکن دلائل پایا گیا۔ کیونکہ مدعی کی طلب پر ادا شہادت کو واجب کرنے والا مدعی کے حق کو زندہ کرنا ہے۔ اور مدعی کے حق کو زندہ کرنا مذکور فی السؤال میں بھی پایا گیا۔ لہذا یہ بھی طلب مدعی کے معنی میں ہوگا اور جب یہ صورت، طلب مدعی کے معنی میں ہے تو اس کو بھی اس کے ساتھ لاحق کر دیا جائے گا۔

اعتراض..... یہاں ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ کتاب الشہادات کی تشریح کے ذیل میں کہا گیا ہے کہ ادا شہادت کا سبب مدعی کا طلب کرنا ہے۔ اور صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مدعی کا طلب کرنا شرط ہے اور شرط اور سبب کے درمیان چونکہ تغایر ہے۔ اس لئے طلب مدعی شرط اور سبب دونوں کس طرح ہو سکتا ہے۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ سبب اداء طلب مدعی ہے اور سبب یعنی طلب کا موجود ہونا شرط ہے۔ حاصل یہ کہ سبب تو طلب ہے اور طلب کا موجود ہونا شرط ہے۔ پس اس صورت میں ایک چیز کا سبب اور شرط دونوں ہونا لازم نہ آئے گا۔ اور ہدایہ کی تقدیر عبارت اس طرح ہوگی وانما بشرط وجود طلب المدعی یعنی طلب مدعی کو موجود ہونا شرط ہے۔

حدود میں گواہ کے لئے گواہی کے ستر کا حکم

وَالشَّهَادَةُ فِي الْحُدُودِ يُخَيَّرُ فِيهَا الشَّاهِدُ بَيْنَ السِّرِّ وَالْإِظْهَارِ لِأَنَّهُ بَيْنَ حَسَبَتَيْنِ إِقَامَةِ الْحَدِّ وَالتَّوَقُّفِ عَنِ الْهَيْكَلِ وَالسِّرِّ أَفْضَلُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِلَّذِي شَهِدَ عِنْدَهُ لَوْ سَتَرْتَهُ بِثَوْبِكَ لَكَانَ خَيْرًا لَّكَ وَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَنْ سَتَرَ عَلَى مُسْلِمٍ سَتَرَ اللَّهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَفِيمَا نَقَلَ مِنْ تَلْقَيْنِ الدَّرِّ عَنْ النَّبِيِّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَأَصْحَابِهِ دَلَالَةٌ ظَاهِرَةٌ عَلَى فَضِيلَةِ السِّرِّ إِلَّا أَنَّهُ يَجِبُ لَهُ أَنْ يَشْهَدَ بِالْمَالِ فِي السَّرِقَةِ فَيَقُولُ أَخَذَ إِخْيَاءَ لِحَقِّ الْمَسْرُوقِ مِنْهُ وَلَا يَقُولُ سَرَقَ مُحَافَظَةً عَلَى السِّرِّ وَلِأَنَّهُ لَوْ ظَهَرَتْ السَّرِقَةُ لَوَجِبَ الْقَطْعُ

ترجمہ..... اور شہادت فی اللہ وہ میں گواہ کو چھپانے اور ظاہر کرنے کے درمیان اختیار ہے۔ اس لئے کہ گواہ دو اجروں حد قائم کرانے اور مسلمان کی پردہ دہی کرنے سے بچنے کے درمیان ہے۔ لیکن چھپانا افضل ہے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے اُس شخص کو جس نے آپ کے پاس گواہی دی تھی۔ فرمایا کہ اگر تو اُس کو اپنے کپڑے سے چھپاتا تو تیرے واسطے بہتر ہوتا۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی مسلمان کے عیب پر پردہ ڈالا اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کے عیب پر پردہ ڈالیں گے۔ اور دفع حد کی تلقین جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ سے منقول ہے وہ چھپانے کے افضل ہونے پر کھلی دلیل ہے۔ مگر یہ کہ چوری میں گواہ کے لئے مال کی گواہی دینا واجب ہے۔ پس گواہ مسروق منہ، کے حق کو زندہ کرنے کے لئے اخذ (لیا) کہے۔ اور ستر کی محافظت کے پیش نظر سرق (چوری کیا) نہ کہے۔ اور اس لئے کہ اگر سرقہ ظاہر ہو گیا تو قطع ید واجب ہوگا۔ اور ضمان قطع ید کے ساتھ چونکہ جمع نہیں ہوتا اس لئے اس کے حق کا زندہ کرنا بھی حاصل نہ ہوگا۔

تشریح..... شیخ ابوالحسن قدوسیؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص حدود میں گواہ ہو تو اس کو اختیار ہے جی چاہے گواہی دے کر مبتلی بہ کے عیب کو ظاہر کر دے اور جی چاہے گواہی نہ دے کر اس کے عیب کی پردہ پوشی کرے۔ کیونکہ گواہ دونوں صورتوں میں اجر و ثواب کا مستحق ہے۔ اس طور پر کہ اگر اس نے گواہی دی تو حد الہی قائم کرانے کی وجہ سے مستحق ثواب ہوگا اور اگر گواہی نہ دی تو ایک مسلمان کی پردہ داری کرنے سے بچنے کی وجہ سے مستحق ثواب ہوگا۔ بہر حال دونوں صورتوں میں مستحق ثواب ہے۔ لیکن حدود کے بدلہ میں گواہوں کو اگرچہ ستر اور اظہار دونوں کا اختیار ہے مگر ستر یعنی گواہی نہ دینا افضل ہے۔ اس پر نقلی دلیل تو یہ ہے کہ ہزال نامی شخص نے جب حضرت ماعزؓ کو زنا کا اقرار کرنے پر ابھارا اور ماعزؓ نے زنا کا اقرار کیا اور پھر ان کو رجم کا حکم کیا گیا، تو اللہ کے رسول ﷺ نے ہزال سے فرمایا تھا لو سترتہ بنبوک و فی روایۃ بردانک لکان خیراً لک یعنی اگر تو ماعزؓ کو اپنے کپڑے یا اپنی چادر سے چھپاتا یعنی اس کو اقرار زنا پر آمادہ نہ کرتا تو تیرے لئے بہتر ہوتا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حدود کے سلسلہ میں گواہی نہ دینا ہی افضل ہے۔ دوسری حدیث من ستر علی مسلم ستر اللہ علیہ فی الدنیا والاخرۃ یعنی اگر کوئی شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا تو اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائیں گے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ خود بھی ستر ہیں اور ستر ہی کو پسند فرماتے ہیں۔ ستر کے افضل ہونے پر یہ بھی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ سے حدود کو دفع کرنے کے سلسلہ میں تلقین منقول ہے یعنی آپؐ اور آپ کے صحابہؓ حتی الامکان یہ کوشش فرماتے کہ کسی طرح حد دور ہو جائے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ جب حضرت ماعزؓ نے زنا کا اقرار کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ تو نے گھورا ہوگا، تو نے دیکھا ہوگا، یعنی تو نے بوسہ لینے یا دیکھنے کو زنا خیال کیا ہوگا۔ لیکن اس تلقین کے باوجود جب ماعزؓ زنا کا اقرار کرتے ہی رہے تب جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کا امر فرمایا۔ اسی طرح ابو داؤد و نسائی اور ابن ماجہ میں ابوامیہ مخزومی کی روایت ہے۔

ان النبي ﷺ اتى بلصص قد اعترف اعترافاً و لم يوجد معه متاع فقال رسول الله ﷺ ما اخالك سرقت قال فاعاد مرتين او ثلاثا فامر به فقطع

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک چور نے آکر چوری کا اقرار کیا اور اس کے پاس چوری کا سامان موجود نہیں تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا خیال یہ ہے کہ تو نے چوری نہیں کی ہے۔

راوی کہتے ہیں کہ جب اس نے بار بار اقرار کیا تو اس کے ہاتھ کاٹنے کا امر فرمایا اور صحابہؓ سے بھی حد کو دفع کرنے کے سلسلہ میں تلقین منقول ہے۔ چنانچہ منقول ہے کہ ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ایک عورت جس نے اونٹ چرایا تھا لائی گئی۔ ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا اس رقت کیا تو نے چوری کی ہے "قولی لا" تو "لا" کہہ دے یعنی ان کا رک دے فقالت لا فترکھا۔ چنانچہ اس نے لا کہا، تو ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ نے اس کو چھوڑ دیا۔ اسی طرح حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کے پاس سلامہ نامی عورت لائی گئی۔ اس نے چوری کی تھی۔ ابودرداء رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا اس رقت

سلامت تو نے چوری کی ہے ”قولی لا“ تو ”لا“ کہہ دے۔ قَالَتِ لَا اس عورت نے لا کہہ دیا تو ابودرداءؓ نے اس سے حد سرقہ کو دفع کر دیا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابو ہریرہؓ سے حد دفع کرنے کی تلقین منقول ہے۔ پس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے حد دفع کرنے کے سلسلہ میں تلقین کا منقول ہونا حدود میں گواہی نہ دینے کی فضیلت پر کھلی دلیل ہے۔

اور عقلی دلیل..... یہ ہے کہ ستر اور کتمان اس لئے حرام ہیں کہ ستر اور کتمان شہادت کی وجہ سے بندہ کا حق فوت ہو جاتا ہے حالانکہ بندہ اموال کا محتاج ہے اور اللہ تعالیٰ غنی ہیں اللہ کے حق کے فوت ہونے کا کوئی خوف نہیں۔ پس جب حدود کے سلسلہ میں کتمان شہادت میں سے اللہ کے حق کے فوت ہونے کا خوف ہے اور مسلمان کی آبرو کی حفاظت ہے تو شہادت کا ستر ہی افضل ہوگا۔

اعتراض..... لیکن یہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ گواہی نہ دینا باری تعالیٰ کے قول وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ کے معارض ہے۔ اور حدود میں گواہی نہ دینے کے افضل ہونے پر جو احادیث ذکر کی گئیں وہ سب اخبار احاد ہیں۔ اور خبر واحد سے مطلق کتاب کو مقید کرنا بھی ناجائز ہے۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ آیت وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ حقوق العباد کی شہادت پر محمول ہے اور اس پر قرینہ سیاق آیت یعنی آیت مائیت ہے اور اجماع ہے اور باری تعالیٰ کا قول ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین امنوا ولہم عذاب الیم فی الدنیا والاخرۃ ہے۔ یعنی جو لوگ چاہتے ہیں کہ بدکاری کا چرچا ہو ایمان والوں میں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اس آیت میں برائی کا افشاء کرنے سے منع کیا گیا ہے اور برائی کی گواہی دینے میں برائی کا افشاء کرنا ہے۔ اس لئے حدود میں زنا وغیرہ برائیوں کی گواہی نہ دینے کو افضل قرار دیا گیا۔ اور آیت وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ حقوق العباد کی شہادت پر محمول ہے یعنی حقوق العباد کو زندہ کرنے کے پیش نظر گواہی مت چھپاؤ۔

بہر حال حدود میں گواہی چھپانا افضل ہے لیکن حد سرقہ میں سرقہ کی گواہی چھپانا اگرچہ افضل ہے لیکن مال کی گواہی دینا واجب ہے۔ پس مسروق منہ (جس کا مال چوری ہوا) کے حق کو زندہ کرنے کے لئے گواہ یہ کہے کہ فلاں نے اس کا مال لیا ہے اور مسلمان کی پردہ پوشی کے پیش نظر یہ نہ کہے کہ اس نے چوری کیا ہے۔

دوسری دلیل..... یہ ہے کہ قطع ید اور ضمان دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ یعنی اگر مالی مسروقہ چور کے پاس نہ ہو تو چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا مگر اس پر ضمان واجب نہ ہوگا۔ اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ قطع ید حق اللہ ہے اور ضمان حق العبد ہے پس اس جگہ اگر کلیۃً ستر کیا جائے یعنی بالکل اظہار نہ کیا جائے تو قطع ید اور ضمان دونوں کا ابطال ہو جائے گا اور اس میں حق العبد یعنی ضمان بھی ضائع ہو جائے گا۔ حالانکہ حق العبد کو ضائع کرنا ناجائز ہے۔ اور اگر گواہ چوری کا اظہار کریں اور اس کی وجہ سے قطع ید ہو۔ اور ضمان واجب نہ ہو تو اللہ جو غنی ہے اس کو بندہ پر جو محتاج ہے ترجیح دینا لازم آئے گا۔ حالانکہ یہ بھی ناجائز ہے۔ پس جب دونوں صورتیں ناجائز ہیں تو متعین ہو گیا کہ گواہ مال پر شہادت دیں۔ اور سرقہ پر شہادت نہ دیں۔ یعنی صرف یہ گواہی دیں کہ اس نے مال لیا ہے اور یہ نہ کہیں کہ اس نے چوری کیا ہے۔ اس صورت میں بندہ کا حق زندہ ہو جائیگا۔ کیونکہ اس صورت میں چور پر ضمان تو واجب ہوگا لیکن اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ ضمان تو اس لئے واجب ہوگا کہ گواہوں نے مال لینے پر گواہی دی ہے۔ اور قطع ید اس لئے نہیں ہوگا کہ گواہوں نے سرقہ یعنی چوری پر گواہی نہیں دی ہے۔

مراتب شہادت و زنا میں تعداد شہود

قَالَ وَالشَّهَادَةُ عَلَى مَرَاتِبٍ مِنْهَا الشَّهَادَةُ فِي الزَّانِي تُعْتَبَرُ فِيهَا أَرْبَعَةٌ مِنَ الرِّجَالِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَاللَّاتِي يَأْتِيَنِ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةٌ مِنْكُمْ وَلِقَوْلِهِ تَعَالَى ثُمَّ لَمْ يَأْتُوا بِأَرْبَعَةِ شُهَدَاءَ وَلَا يُقْبَلُ فِيهَا

شَهَادَةُ النِّسَاءِ لِحَدِيثِ الزُّهْرِيِّ مَصَّتِ السُّنَّةُ مِنْ لَدُنْ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَالْخَلِيفَتَيْنِ مِنْ بَعْدِهِ أَنْ لَا شَهَادَةَ لِلنِّسَاءِ فِي الْحُدُودِ وَالْقَصَاصِ وَلَا فِيهَا شُبْهَةُ الْبَدَلِيَّةِ لِقِيَامِهَا مَقَامَ شَهَادَةِ الرِّجَالِ فَلَا تُقْبَلُ فِيمَا يَنْدَرِي بِالشُّبُهَاتِ

ترجمہ..... قدوری نے کہا کہ شہادت کے چند مراتب ہیں۔ ان میں سے ایک زنا کی شہادت ہے۔ زنا میں چار مردوں کی شہادت معتبر ہے کیونکہ باری تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری عورتوں میں سے جو زنا کا ارتکاب کریں تو ان پر اپنوں میں سے چار گواہ طلب کرو۔ اور اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ پھر جو لوگ چار گواہ نہ لاسکیں اور زنا میں عورتوں کی گواہی قبول نہ ہوگی کیونکہ حدیث زہری ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد دونوں خلیفہ کے وقت سے لے کر یہ سنت جاری ہے کہ حدود و قصاص میں عورتوں کی گواہی نہیں ہے اور اس لئے کہ عورتوں کی شہادت میں بدلیت کا شبہ ہے۔ کیونکہ عورتوں کی شہادت مردوں کی شہادت کے قائم مقام ہے۔ لہذا ایسے معاملہ میں مقبول نہ ہوگی جو شبہات سے دفع ہو جاتا ہے۔

تشریح..... امام قدوریؒ نے فرمایا کہ شہادت کے چند مراتب (چار مراتب) ہیں

- ۱۔ شہادت فی الزنا ۲۔ زنا کے علاوہ دوسری حدود و قصاص میں شہادت ۳۔ حدود و قصاص کے علاوہ دوسرے معاملات کی شہادت
- ۴۔ عورتوں سے متعلق وہ باتیں جن پر مرد مطلع نہ ہو سکتے ہوں ان میں شہادت۔

اول..... یعنی شہادت فی الزنا میں چار مردوں کی گواہی معتبر ہے۔ کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے والاتی یأتین الفاحشة من نساءکم فاستشهدوا علیہم اربعة منکم یعنی وہ عورتیں جو بدکاری کریں ان پر اپنوں میں سے چار مرد گواہ لاؤ۔ اس آیت میں لفظ ”اربعة“ چار کے عدد اور گواہوں کے مذکر ہونے میں نص ہے۔ چار کے عدد میں نص ہونا ظاہر ہے۔ اور گواہوں کے مذکر ہونے میں اس لئے نص ہے کہ لفظ اربعة مؤنث ہے۔ اور عربی قاعدہ کے اعتبار سے تین سے نو تک یعنی ثلاثہ سے تسعة تک کا عدد اگر مذکر ہوتا ہے تو معدود مؤنث آتا ہے اور عدد اگر مؤنث ہو تو معدود مذکر ہوتا ہے۔ اس جگہ آیت میں چونکہ لفظ اربعة مؤنث ہے اس لئے اس کا معدود مذکر ہوگا۔ پس ثابت ہوا کہ زنا کو ثابت کرنے کے لئے چار مرد گواہوں کا ہونا ضروری ہے نیز سورہ نور کی آیت ہے، والذین یرسومون المحصنات ثم لم یاتوا باربعة شہداء فاجلدوہم ثمانین جلدہ جو لوگ پاکدامن عورتوں کو زنا کی تہمت لگاتے ہیں پھر وہ چار مرد گواہ نہ لاسکیں تو ان کو اسی کوڑے مارو۔ اس آیت سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ زنا کو ثابت کرنے کے لئے چار مرد گواہوں کا ہونا ضروری ہے بعض حضرات نے فرمایا کہ زنا چونکہ دو آدمیوں کا فعل ہے اس لئے ان میں سے ہر ایک پر دو، دو گواہ کا ہونا شرط ہے۔

صاحب قدوری نے فرمایا کہ زنا میں عورتوں کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ دلیل حدیث زہری ہے۔ یعنی رسول اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے بعد صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کے زمانہ سے لے کر یہ سنت جاری ہے کہ حدود و قصاص میں عورتوں کی گواہی معتبر نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ نے خاص طور پر صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کا ذکر اس لئے کیا کہ ان دونوں حضرات کے حق میں مدنی آقا ﷺ نے فرمایا کہ اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر یعنی میرے بعد ان دونوں یعنی ابوبکر اور عمر کا اقتداء کرنا زنا میں عورتوں کی گواہی معتبر نہ ہونے پر عقلی دلیل یہ ہے کہ عورتوں کی گواہی میں بدلیت کا شبہ ہے۔ اور بدلیت کا شبہ اس لئے ہے کہ عورتوں کی گواہی مردوں کی گواہی کے قائم مقام ہوتی ہے۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے

واستشهدوا شہیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامراتان

اور گواہ کرو دو شاہد اپنے مردوں میں سے پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں۔

ملاحظہ فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں گی۔ معلوم ہوا کہ عورتیں گواہی دینے میں اصل نہیں

ہیں بلکہ مرد کی عدم موجودگی میں اس کی قائم مقام ہوتی ہیں۔

سوال..... لیکن یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ عورتوں کی گواہی میں بدلیت کا شبہ ہے۔ حالانکہ آیت فان لم یكونا رجلین سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کی گواہی میں بدلیت کا شبہ نہیں ہے بلکہ حقیقۃً بدلیت ہے۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ حقیقۃً بدلیت اس وقت ہوتی جب دومر گواہ موجود ہونے کی صورت میں ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانا متنع ہوتا حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ دومر گواہ موجود ہونے کے باوجود ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بنانا جائز ہے۔ پس دومر گواہ موجود ہونے کے باوجود ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کا جائز ہونا اس بات کی علامت ہے کہ عورتوں کی گواہی میں حقیقتاً بدلیت نہیں ہے بلکہ بدلیت کا شبہ ہے۔ اور جب عورتوں کی گواہی میں بدلیت کا شبہ ہے تو عورتوں کی گواہی ان معاملات میں قبول نہ ہوگی جو معاملات شبہ سے ساقط ہو جاتے ہیں اور حد زنا چونکہ شبہ سے ساقط ہو جاتی ہے۔ اس لئے حد زنا ثابت کرنے کے لئے بھی عورتوں کی گواہی قبول نہ ہوگی۔

حدود و قصاص میں تعداد شہود

وَمِنْهَا الشَّهَادَةُ بِبَقِيَّةِ الْحُدُودِ وَالْقِصَاصِ تُقْبَلُ فِيهَا شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ لِقَوْلِهِ تَعَالَى وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رَجَالِكُمْ وَلَا يُقْبَلُ فِيهَا شَهَادَةُ النِّسَاءِ لِمَا ذَكَرْنَا.

ترجمہ..... اور ان میں سے بقیہ حدود اور قصاص میں شہادت ہے (چنانچہ) ان میں دومر دوں کی گواہی مقبول ہوگی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اپنے مَرَّ دوں میں سے دومر دوں کو گواہ کرلو۔ اور ان حدود و قصاص میں عورتوں کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ اُن دلائل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کئے ہیں۔ تشریح..... شہادت کا دوسرا مرتبہ حد زنا کے علاوہ دوسری حدود مثلاً حد زنا، حد شرب خمر، اور حد سرقہ اور قصاص میں شہادت ہے۔ چنانچہ حد زنا کے علاوہ دوسری حدود و قصاص میں دومر دوں کی شہادت معتبر ہے اور اس پر دلیل باری تعالیٰ کا قول وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رَجَالِكُمْ ہے آیت میں شہیدین متثنیہ کا صیغہ گواہوں کے دو ہونے پر اور من رجالکم کا لفظ گواہوں کے مرد ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ حد زنا کے علاوہ حدود و قصاص میں بھی عورتوں کی گواہی غیر معتبر ہے۔ دلیل حدیث زہری اور شبہ بدلیت ہے جس کی تقریر گذشتہ تشریح کے تحت گزر چکی ہے۔

بقیہ حقوق میں تعداد شہود

قَالَ وَمَا سِوَى ذَلِكَ مِنَ الْحُقُوقِ يُقْبَلُ فِيهَا شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ أَوْ رَجُلٍ وَامْرَأَتَيْنِ سِوَاءَ كَانَ الْحَقُّ مَالًا أَوْ غَيْرَ مَالٍ مِثْلَ النِّكَاحِ وَالطَّلَاقِ وَالْوَكَالَةِ وَالْوَصِيَّةِ وَنَحْوِ ذَلِكَ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا يُقْبَلُ شَهَادَةُ النِّسَاءِ مَعَ الرِّجَالِ إِلَّا فِي الْأَمْوَالِ وَتَوَابِعِهَا لِأَنَّ الْأَصْلَ فِيهَا عَدَمُ الْقَبُولِ لِنَقْصَانِ الْعَقْلِ وَاخْتِلَالِ الصَّبْطِ وَقُصُورِ الْوِلَايَةِ فَإِنَّهَا لَا تَصْلُحُ لِلْإِمَارَةِ وَلِهَذَا لَا تُقْبَلُ فِي الْحُدُودِ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ الْأَرْبَعِ مِنْهُنَّ وَحَدُّهُنَّ إِلَّا أَنَّهُا قُبِلَتْ فِي الْأَمْوَالِ ضَرُورَةً وَالنِّكَاحِ اعْظَمَ خَطَرًا وَأَقْلَ وَفُوعًا فَلَا يَلْتَحِقُ بِمَا هُوَ أَذْنَى خَطَرًا وَكَثَرُ جُودًا وَلَنَا أَنَّ الْأَصْلَ فِيهَا الْقَبُولُ لَوْجُودِ مَا يَتَنَبَّي عَلَيْهِ أَهْلِيَّةُ الشَّهَادَةِ وَهُوَ الْمَشَاهِدَةُ وَالصَّبْطُ وَالْإِدَاءُ إِذَا بَالَوُلْ يَحْصُلُ الْعِلْمُ لِلشَّاهِدِ وَبِالثَّانِي يَبْقَى وَبِالثَّالِثِ يَحْصُلُ الْعِلْمُ لِلْقَاضِي وَلِهَذَا يُقْبَلُ إِخْبَارُهَا فِي الْأَخْبَارِ وَنُقْصَانِ الصَّبْطِ بِزِيَادَةِ النِّسْيَانِ إِنْ جَبَرَ بِصَمِّ الْأُخْرَى إِلَيْهَا فَلَمْ يَبْقَ بَعْدَ ذَلِكَ إِلَّا الشُّبْهَةُ فَلِهَذَا لَا تُقْبَلُ فِيمَا يَنْدَرِي بِالشُّبْهَاتِ وَهَذِهِ الْحُقُوقُ تَثَبُّتُ مَعَ الشُّبْهَاتِ

وَعَدَمُ قُبُولِ الْأَرْبَعِ عَلَى خِلَافِ الْقِيَاسِ كَيْلًا يَكْثُرُ خُرُوجُهُنَّ

ترجمہ..... اور حدود و قصاص کے علاوہ دوسرے حقوق میں دو مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی مقبول ہے۔ برابر ہے کہ وہ حق مال ہو یا غیر مال ہو جیسے نکاح، طلاق، وکالت، وصیت اور اس کے مانند ہے۔ حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ عورتوں کی گواہی مردوں کے ساتھ (کسی امر میں) قبول نہ ہوگی مگر مال اور اس کے توابع میں۔ کیونکہ عورتوں کی گواہی میں اصل قبول نہ ہونا ہے اس لئے کہ (ان کی) عقل ناقص، ضبط میں خلل اور ولایت میں قصور ہے۔ کیونکہ وہ امیر ہونے کے لائق نہیں ہیں۔ اسی وجہ سے حدود میں ان کی گواہی قبول نہیں ہوتی ہے، اور تنہا چار عورتوں کی گواہی نہیں قبول ہوتی۔ مگر یہ کہ اموال میں ضرورت قبول کی گئی ہے۔ اور نکاح کا مرتبہ چونکہ عظیم اور اس کا واقع ہونا قلیل ہے۔ اس لئے نکاح اس چیز کے ساتھ لاحق نہ ہوگا جس کا درجہ حقیر اور واقع ہونا کثیر ہے۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ عورتوں کی شہادت میں قبول ہونا اصل ہے۔ کیونکہ (عورتوں میں) وہ چیزیں موجود ہیں جن پر شہادت کی اہلیت کا مدار ہے۔ اور وہ مشاہدہ ضبط اور ادا ہے اس لئے کہ مشاہدہ کی وجہ سے (گواہ کو) علم حاصل ہوتا ہے اور ضبط کرنے سے علم باقی رہتا ہے اور ادا کرنے سے قاضی کو علم حاصل ہوتا ہے اسی وجہ سے احادیث میں عورتوں کا خبر دینا مقبول ہے۔ اور نسیان زیادہ ہونے کی وجہ سے ضبط میں جو نقصان ہے وہ اس کے ساتھ دوسری عورت کے ملانے سے پورا ہو گیا۔ پس اس کی بعد کوئی نقصان نہ رہا۔ سوائے شبہ کے اسی وجہ سے ان معاملات میں جو شبہات سے دور ہو جاتے ہیں عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔ اور یہ حقوق تو شبہات کے ساتھ ثابت ہو جاتے ہیں۔ اور چار عورتوں کی گواہی کا قبول نہ ہونا خلاف قیاس ہے تاکہ عورتوں کا نکلنا زیادہ نہ ہو۔

تشریح..... شہادت کا تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ حدود و قصاص کے علاوہ دوسرے حقوق میں دو مردوں کی گواہی یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی معتبر ہے وہ حق خواہ مال کے قبیل سے ہو جیسے بیع یا غیر مال کے قبیل سے ہو جیسے نکاح، طلاق، وکالت، وصیت، عتاق، رجعت اور نسب۔ حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ عورتوں کی شہادت مردوں کے ساتھ کسی معاملہ میں معتبر نہیں ہے۔ سوائے اموال اور ان کے توابع کے یعنی مال اور اس کے تابع چیزوں یعنی اعارہ، اجارہ، کفالہ، میعاد اور شرط خیار وغیرہ میں عورتوں کی گواہی مردوں کے ساتھ معتبر ہے اسی کے قائل امام مالکؒ ہیں اور امام احمدؒ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔

امام شافعیؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ عورتوں کی گواہی میں اصل یہ ہے کہ ان کی گواہی بالکل قبول نہ ہو کیونکہ ان کی عقل میں نقصان ہے اور غلبہ نسیان کی وجہ سے ضبط میں خلل ہے یعنی ان کی یادداشت زیادہ اچھی نہیں اور خلافت اور امارت کی صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے ان کی ولایت میں قصور ہے۔ حالانکہ گواہ کے لئے کامل العقل، تام الضبط اور اہل ولایت ہونا ضروری ہے۔ پس جب عورتوں میں نقصان عقل، اختلال ضبط اور قصور ولایت تینوں باتیں موجود ہیں تو ان کی گواہی کیسے معتبر ہو سکتی ہے۔ چونکہ عورتوں کی گواہی میں قبول نہ ہونا اصل ہے اسی لئے حدود و قصاص میں ان کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔ اور تنہا چار عورتوں کی شہادت معتبر نہیں ہوتی۔

سوال..... رہا یہ کہ جب عورتوں کی گواہی میں اصل یہ ہے کہ قبول نہ ہو تو پھر اموال اور توابع اموال میں ان کی گواہی کیوں قبول کی جاتی ہے۔ جواب..... حضرت امام شافعیؒ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ اموال اور توابع اموال میں عورتوں کی گواہی حقوق العباد کو زندہ کرنے کے لئے قبول کی جاتی ہے۔ کیونکہ اموال اور توابع اموال کا درجہ حقیر اور واقع ہونا کثیر ہے۔ پس اگر اموال اور توابع اموال میں بھی دو مردوں کی گواہی کو ضروری قرار دیا گیا۔ تو چونکہ اموال کے اسباب کثیر الوقوع ہیں اس لئے ہر بار دو مرد گواہ تلاش کرنے میں حرج لاحق ہوگا حالانکہ شریعت اسلام میں حرج کو دور کیا گیا ہے۔ اس لئے اموال اور توابع اموال میں مردوں کے ساتھ عورتوں کی شہادت بھی معتبر قرار دی گئی ہے۔

سوال..... لیکن اگر یہ کہا جائے کہ غیر اموال یعنی نکاح، طلاق وغیرہ کو بھی اموال کے ساتھ لاحق کر کے ان میں بھی مردوں کے ساتھ عورتوں کی گواہی قبول کر لینی چاہئے تھی۔

جواب..... حضرت امام شافعیؒ کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح، طلاق وغیرہ چیزیں درجہ کے اعتبار سے عظیم ہیں اور وقوع کے اعتبار سے قلیل ہیں۔ اور پہلے گزر چکا کہ اموال درجہ کے اعتبار سے حقیر اور وقوع کے اعتبار سے کثیر ہیں اور ایک عظیم المرتبت، قلیل الوقوع چیز کو حقیر المرتبت کثیر الوقوع چیز کے ساتھ لاحق نہیں کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ الحاق کے لئے ضروری ہے کہ ملحق اور ملحق بہ کے درمیان ایک گونہ مناسبت ہو حالانکہ اموال اور غیر اموال یعنی نکاح وغیرہ کے درمیان مذکورہ تفاوت کی وجہ سے کوئی مناسبت نہیں ہے۔ پس جب کوئی مناسبت نہیں ہے تو نکاح وغیرہ غیر اموال کو اموال کے ساتھ لاحق بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔

ہماری دلیل..... یہ ہے کہ عورتوں کی گواہی میں اصل یہ ہے کہ قبول ہو۔ کیونکہ جن چیزوں پر اہلیت شہادت کا مدار ہے۔ یعنی مشاہدہ، ضبط اور اداء وہ چیزیں عورتوں میں موجود ہیں اور ان چیزوں پر اہلیت شہادت کا مدار اس لئے ہے کہ مشاہدہ کے ذریعہ گواہ کو اُس چیز کا علم ہوگا جس کے بارے میں گواہی دیگا۔ اور ضبط یعنی اچھی طرح سنکر، سمجھ کر محفوظ کرنے کی وجہ سے ادائے شہادت تک علم باقی رہے گا۔ اور ادائے شہادت کی وجہ سے قاضی کو علم ہوگا۔ پس جب عورتوں میں وہ چیزیں موجود ہیں جن پر اہلیت شہادت کا مدار ہے تو عورتوں کی شہادت قبول ہوگی۔ چونکہ عورتوں کی شہادت میں اصل یہ ہے کہ قبول ہو۔ اسی وجہ سے احادیث میں عورت کا خبر دینا یعنی روایت کرنا معتبر ہے۔ اور محدثین عورتوں کی روایت کردہ احادیث کو قبول بھی کرتے ہیں۔ پس جب احادیث میں عورت کا خبر دینا معتبر ہے تو ان کی شہادت بھی معتبر ہوگی۔

نقصان الضبط..... الخ سے امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب..... ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگر یہ بات تسلیم بھی کر لی جائے کہ عورت کا ضبط یعنی یادداشت کمزور ہوتی ہے تو اس کے ساتھ دوسری عورت ملانے سے اس کی تلافی ہو جائے گی یعنی کچھ ایک یاد رکھے گی اور کچھ دوسری یاد رکھے گی۔ اس طرح دونوں کا ضبط مل کر ایک مرد کے ضبط کے برابر ہو جائیگا۔ اور جب دوسری عورت کے ملانے سے ضبط پورا ہو گیا تو اس کے بعد اب کچھ نقص نہیں رہا۔ صرف شبہ بدلیت باقی ہے۔ پس شبہ بدلیت کی وجہ سے اُن معاملات میں جو شبہات کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں جیسے حدود و قصاص، عورتوں کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ مگر جو حقوق شبہات کے باوجود ثابت ہو جاتے ہیں اُن میں عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔ اور مذکورہ حقوق یعنی نکاح، طلاق وغیرہ چونکہ شہادت کے باوجود ثابت ہو جاتے ہیں اس لئے ان میں عورتوں کی گواہی قبول ہوگی۔ نکاح اور طلاق کا شبہات کے باوجود ثابت ہونا تو ظاہر ہے کہ کیونکہ یہ دونوں چیزیں ہزل کے ساتھ ثابت ہو جاتی ہیں۔ جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ثلاث جحدھن جحدھن لهن جحد النکاح و الطلاق و العتاق۔ پس جو چیز ہزل کے ساتھ ثابت ہو جاتی ہے وہ شبہات کے ساتھ بدرجہ اولیٰ ثابت ہو جائے گی۔ اور رہی وکالت اور وصیت اور اموال تو ان میں کتاب القاضی الی القاضی اور شہادت علی الشہادت کا قبول کیا جاتا ہے اور کتاب القاضی الی القاضی اور شہادت علی الشہادت کا قبول کیا جانا اس بات کی علامت ہے کہ یہ چیزیں شبہ کے ساتھ بھی ثابت ہو جاتی ہیں۔

صاحب ہدایہ نے امام شافعیؒ کی دلیل میں سے نقصان ضبط کا جواب تو ذکر کیا ہے مگر نقصان عقل اور قصور ولایت کا جواب ذکر نہیں فرمایا ہے۔ صاحب عنایہ کے بیان کے مطابق نقصان عقل کا جواب یہ ہے کہ جس عقل پر تکلیف کا مدار ہے عورتوں کی اُس عقل میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نفس انسانی کے لئے چار مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہ استعداد عقل ہے اسی کا نام عقل سیولانی ہے یہ مرتبہ تو ابتداءً آفرینش میں تمام افراد انسان کو حاصل ہوتا ہے۔ دوسرا مرتبہ یہ ہے کہ نظر و فکر کے ذریعہ نظری اور غیر بدیہی چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے حواس کو جزئیات میں استعمال کر کے بدیہیات کو حاصل کیا جاتا ہے۔ اسی کا نام عقل بالملکہ ہے اور یہی مدار تکلیف ہے۔ تیسرا مرتبہ یہ ہے کہ بغیر کتاب کی احتیاج کے نظریات حاصل ہو جائیں۔ اسی کا نام عقل بالفعل ہے۔ چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ نظریات کو متحضر کر کے ان کی طرف مشاہدہ متوجہ ہو جائے۔ اسی کا نام عقل مستفاد ہے اس تفصیل کے بعد ملاحظہ ہو کہ تکلیف کا مدار عقل بالملکہ پر ہوتا ہے اور عورتوں کے حال کا مشاہدہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان کی عقل بالملکہ میں کوئی نقصان نہیں ہے کیونکہ عورتیں جب جزی امور میں حواس کو استعمال کرتی ہیں تو ان کو بدیہیات حاصل ہو جاتی ہیں اور اگر بھول جائیں تو ذرا سی تنبیہ کافی ہوتی ہے۔ نیز اگر عورتوں کی عقل بالملکہ میں نقصان ہوتا تو ارکان دین کے سلسلہ میں عورتوں اور مردوں کی تکلیف جدا جدا

ہوتی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ دونوں کی تکلیف یکساں ہے۔ پس ثابت ہوا کہ عورتوں کی عقل بالملکہ میں کوئی نقصان نہیں ہے۔

اعتراض لیکن اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ رسول اکرم ﷺ کا ہن ناقصات عقل فرمانا بیان کردہ تقریر کے معارض ہے۔

جواب اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کے قول ہن ناقصات عقل میں عقل سے مراد عقل بالفعل یعنی تیسرا مرتبہ ہے۔ اسی وجہ سے عورتیں ولایت، خلافت اور امارت کی لیاقت نہیں رکھتی ہیں۔ حاصل یہ کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو ناقصات عقل یعنی تیسرے مرتبہ یعنی عقل بالفعل کے اعتبار سے فرمایا ہے۔ اور احکام کی تکلیف کا مدار دوسرے مرتبہ کی عقل یعنی عقل بالملکہ ہے لہذا کوئی تعارض نہیں ہے۔ قصور ولایت کا جواب بھی یہی ہے کہ ولایت کے لئے تیسرے مرتبہ کی عقل یعنی عقل بالفعل ضروری ہے حالانکہ عورت میں یہ عقل ناقص ہے اور جس عقل پر تکلیف کا مدار ہے یعنی عقل بالملکہ اس میں کوئی نقصان نہیں۔

وعدم قبول الاربع الخ سے امام شافعیؒ کے قیاس کا جواب ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ قیاس کا تقاضہ تو یہی ہے کہ جب ایک مرد کہ جگہ دو عورتوں کی گواہی معتبر ہے تو دوسروں کی جگہ چار عورتوں کی گواہی بھی معتبر ہونی چاہئے مگر چونکہ چار عورتوں کی گواہی معتبر ہونے میں عورتوں کا خروج اور باہر نکلنا زیادہ ہوگا۔ حالانکہ یہ ممنوع ہے۔ اس لئے چار عورتوں میں قیاس کو ترک کر دیا گیا۔ اور کہا گیا کہ تنہا چار عورتوں کی گواہی قبول نہ ہوگی۔

کن مواقع میں محض ایک عورت کی گواہی معتبر ہے

قَالَ وَيُقْبَلُ فِي الْوِلَاةِ وَالْبَكَارَةِ وَالْعُيُوبِ بِالنِّسَاءِ فِي مَوْضِعٍ لَا يَطْلُعُ عَلَيْهِ الرَّجَالُ شَهَادَةَ امْرَأَةٍ وَاحِدَةٍ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ شَهَادَةُ النِّسَاءِ جَائِزَةٌ فِيمَا لَا يَسْتَطِيعُ الرَّجَالُ النَّظَرَ إِلَيْهِ وَالْجَمْعُ الْمُحَلَّى بِالْأَلْفِ وَاللَّامِ يُرَادُ بِهِ الْجِنْسُ إِلَى الْجِنْسِ فَيَتَنَاوَلُ الْأَقْلُ وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى الشَّافِعِيِّ فِي اشْتِرَاطِ الْأَرْبَعِ وَلِأَنَّهُ إِنَّمَا سَقَطَتِ الدُّكُورَةُ لِخِفَةِ النَّظَرِ لَأَنَّ نَظَرَ الْجِنْسِ إِلَى الْجِنْسِ أَخَفُّ فَكَذَا يَسْقُطُ اعْتِبَارُ الْعَدَدِ إِلَّا أَنَّ الْمَشْنَى وَالثَّلَاثَ أَحْوَطٌ لِمَا فِيهِ مِنْ مَعْنَى الْإِلْزَامِ ثُمَّ حَكَمَهَا فِي الْوِلَاةِ شَرَحْنَاهُ فِي الطَّلَاقِ فَأَمَّا حُكْمُ الْبَكَارَةِ فَإِنَّ شَهْدَنَ أَنَّهَا بِكَرٍّ يُوجِبُ جُلَّ فِي الْعَيْنَيْنِ سَنَةً وَيُفَرِّقُ بَعْدَهُ لِأَنَّهَا تَأَيَّدَتْ بِمُؤَيَّدٍ إِذَا الْبَكَارَةُ أَصْلٌ وَكَذَا فِي رَدِّ الْمَبِيعَةِ إِذَا اشْتَرَاهَا بِشَرْطِ الْبَكَارَةِ فَإِنَّ قُلْنَ إِنَّهَا ثَيِّبٌ يُحْلِفُ الْبَائِعُ لِيَنْضَمَّ نَكْوَلُهُ إِلَى قَوْلِهِنَّ وَالْعَيْبُ يَثْبُتُ بِقَوْلِهِنَّ فَيَحْلِفُ الْبَائِعُ وَأَمَّا شَهَادَتُهُنَّ عَلَى اسْتِهْلَالِ الصَّبِيِّ لَا تُقْبَلُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ فِي حَقِّ الْإِرْثِ لِأَنَّهُ مِمَّا يَطْلُعُ عَلَيْهِ الرَّجَالُ إِلَّا فِي حَقِّ الصَّلَاةِ لِأَنَّهَا مِنْ أُمُورِ الدِّينِ وَعِنْدَهُمَا تُقْبَلُ فِي حَقِّ الْإِرْثِ أَيْضًا لِأَنَّهُ صَوْتُ عِنْدَ الْوِلَاةِ وَلَا يَحْضُرُهَا الرَّجَالُ عَادَةً فَصَارَ كَشَهَادَتِهِنَّ عَلَى نَفْسِ الْوِلَاةِ.

ترجمہ اور ولادت، بکارت اور عورتوں کی ایسی جگہ کے عیوب میں جس پر مرد مطلع نہیں ہو سکتے ایک عورت کی گواہی قبول کی جائے گی۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جہاں مرد نہیں دیکھ سکتے ہیں اس میں عورتوں کی گواہی جائز ہے۔ اور جمع الف لام کے ساتھ معرف ہے۔ جس سے جنس مراد ہوتی ہے۔ لہذا کمتر کو شامل ہوگا۔ اور یہ حدیث چار عورتوں کی شرط لگانے میں امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہے۔ اور اس لئے کہ مذکور ہونے کی قید ساقط ہوگئی تاکہ دیکھنا خفیف ہو۔ کیونکہ جنس کا جنس کو دیکھنا اخف ہے۔ پس اسی طرح عدد کا اعتبار ساقط ہو جائے گا، مگر یہ کہ دو اور تین ہوں تو زیادہ احتیاط ہے کیونکہ اس میں لازم کرنے کے معنی موجود ہیں پھر ولادت میں ایک عورت کی شہادت کا حکم ہم کتاب الطلاق میں شرح وسط کے ساتھ ذکر کر چکے ہیں رہا بکارت کا حکم پس اگر عورتوں نے گواہی دی کہ یہ عورت باکرہ ہے تو (اس کے) عینین شوہر کو ایک سال کی مہلت دی جائے

گی۔ اور اس کے بعد تفریق کی جائے گی۔ اس لئے کہ گواہی کو ایک تائید مل گئی ہے۔ کیونکہ باکرہ ہونا اصل ہے یوں ہی مبیعہ باندی کے واپس کرنے کا حکم ہے جبکہ اس کو شتر نے باکرہ ہونے کی شرط پر خریدا ہو پس اگر عورتوں نے کہا کہ وہ شیبہ ہے تو بائع سے قسم کی جائے گی تاکہ بائع کا قسم سے ان کا کرنا عورتوں کے قول کے ساتھ منضم ہو جائے اور عیب تو عورتوں کے قول سے ثابت ہو جائے گا۔ پس بائع سے قسم لی جائے گی۔ اور ولادت کے وقت بچہ کے رونے پر عورتوں کی گواہی میراث کے حق میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قبول نہیں ہے۔ کیونکہ بچہ کا رونا ایسی چیز ہے جس پر مرد مطلع ہو سکتے ہیں مگر نماز کے حق میں، کیونکہ نماز امور دین میں سے ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک میراث کے حق میں بھی قبول ہوگی۔ اس لئے کہ استہلال ولادت کے وقت آواز ہے اور عادۃً مرد اس کے پاس موجود نہیں ہوتے۔ پس ایسا ہو گیا جیسے عورتوں کی شہادت نفس ولادت پر۔

تشریح..... شہادت کا چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ ولادت، بکارت اور عورتوں کے بدن پر ایسے مخفی عیوب جن پر عورتیں ہی مطلع ہو سکتی ہوں اور مرد مطلع نہ ہو سکتے ہوں، ان میں ایک عورت کی شہادت کافی ہے۔ حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ ولادت وغیرہ مذکورہ چیزوں میں دو عورتوں کی شہادت قبول ہوگی، ایک عورت کی شہادت کافی نہیں ہے۔ اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک چار عورتوں کی شہادت ضروری ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ شہادت کے باب میں ایک مرد کے قائم مقام دو عورتیں ہوتی ہیں۔ تو دو مردوں کے قائم مقام چار عورتیں ہوں گی۔ پس جس جگہ مردوں کا شہادت دینا ممکن نہ ہو تو اس جگہ چار عورتوں کا شہادت دینا معتبر ہوگا۔

حضرت امام مالکؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ شہادت میں دو باتیں معتبر ہیں۔

۱۔ عدد ۲۔ مذکر ہونا۔

پس ولادت وغیرہ میں مذکر ہونے کا اعتبار تو ساقط ہو گیا۔ یعنی مردوں کا گواہی دینا تو ممکن نہیں ہے لیکن عدد کا اعتبار کرنا ممکن ہے اس لئے ولادت وغیرہ مذکورہ چیزوں میں دو عورتوں کی گواہی ضروری ہے۔

ہماری دلیل..... یہ حدیث ہے قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهَادَةُ النِّسَاءِ جَائِزَةٌ فِيمَا لَا يَسْتَطِيعُ الرَّجُلُ النَّظَرَ إِلَيْهِ یعنی عورتوں کی شہادت اُن چیزوں میں جائز ہے جن چیزوں کو مرد نہ دیکھ سکتے ہوں۔ اس حدیث سے وجہ استدلال اس طور پر ہے کہ لفظ النساء معرف بالالف واللام ہے اور جمع معرف باللام سے جنس مراد ہوتی ہے۔ اور جنس کا اطلاق قلیل و کثیر دونوں پر ہوتا ہے۔ پس لفظ النساء قلیل کو بھی شامل ہوگا اور قلیل کا حقیقی مصداق ایک ہے۔ تو حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ جن چیزوں کو مرد نہ دیکھ سکتے ہوں اُن میں ایک عورت کی شہادت بھی جائز ہے۔ اس حدیث کی تائید حضرت حذیفہؓ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔ حدیث حذیفہؓ یہ ہے ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجاز شہادۃ القابله فی الولادة۔ یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دایہ کی شہادت کو ولادت کے سلسلہ میں جائز قرار دیا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ دایہ ایک عورت ہوتی ہے۔ پس حدیث حذیفہؓ سے بھی ثابت ہوا کہ ولادت وغیرہ میں ایک عورت کی شہادت معتبر ہوتی ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ حدیث شہادۃ النساء جائزۃ، چار عورتوں کی شہادت شرط ہونے میں امام مالکؒ کے خلاف بھی حجت ہے۔

ہماری طرف سے عقلی دلیل..... یہ ہے کہ ولادت وغیرہ چیزوں میں گواہ کے مذکر اور مرد ہونے کی قید اس لئے ساقط ہو گئی ہے تاکہ عورت کی طرف دیکھنا کم از کم ہو۔ کیونکہ عورت کی طرف دیکھنا حرام ہے اور عورت کا عورت کی طرف دیکھنا بہ نسبت مرد کے دیکھنے کے خفیف ہوتا ہے۔ یعنی مرد کا عورت کی طرف دیکھنا جس قدر غلیظ اور بُرا ہے، عورت کا عورت کی طرف دیکھنا اس قدر غلیظ اور بُرا نہیں ہے۔ اور یہ بات اس لئے ہے کہ عورت کی طرف دیکھنے سے دیکھنے والی عورت کے اندر شہوت کم مشتعل ہوتی ہے۔ لیکن اگر دیکھنے والا مرد ہو تو اس میں شہوت زیادہ مشتعل ہوتی ہے اس لئے مرد کے عورت کی طرف دیکھنے کے مقابلہ میں عورت کا عورت کی طرف دیکھنا اخف ہے۔ پس جب عورت کی طرف دیکھنے کو خفیف اور ہلکا کرنے کے لئے گواہوں میں مذکر ہونے کی شرط ساقط کر دی گئی تو اسی مقصد کے پیش نظر عدد کی شرط بھی ساقط کر دی جائے گی۔ کیونکہ عورت کی طرف ایک عورت کے

دیکھنے میں تخفیف ہے نسبت دویا چار عورتوں کے دیکھنے کے۔ یعنی عورت کی طرف ایک عورت کا دیکھنا خفیف ہے اور چند عورتوں کا دیکھنا غلیظ ہے۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ ولادت وغیرہ میں ایک عورت کی گواہی اگرچہ کافی ہے لیکن اگر دویا تین عورتیں ہوں تو اس میں زیادہ احتیاط ہے۔ کیونکہ ولادت وغیرہ کے سلسلہ میں ایک عورت کے گواہی دینے میں بھی لازم کرنے کے معنی موجود ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گواہی دینے والی عورت کا آزاد اور مسلمان ہونا اور لفظ شہادت کے ساتھ گواہی دینا شرط ہے اور یہ گواہی مجلس قاضی کے ساتھ خاص ہے۔

اعتراض یہاں ایک اعتراض ہے وہ یہ کہ آپ نے فرمایا کہ ایک عورت کی گواہی اس لئے کافی ہے تاکہ عورت کی طرف دیکھنا خفیف ہو مگر جب دویا تین عورتیں احتیاطاً گواہی دیں گی تو پھر یہ تخفیف کہاں باقی رہے گی۔

جواب اس کا جواب یہ ہے کہ عورت کی طرف دیکھنے میں تخفیف کا تقاضا تو یہ ہے کہ عدد کا اعتبار نہ ہو یعنی ایک سے زائد کی گواہی واجب نہ ہو۔ اور الزام کے معنی کا تقاضا یہ ہے کہ عدد کا اعتبار ہو یعنی چار عورتوں کی گواہی واجب ہو پس ہم نے دونوں پر عمل کیا اور کہا کہ ایک عورت سے زائد کی گواہی واجب تو نہیں البتہ جائز ہے۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ ولادت کے سلسلہ میں ایک عورت کی شہادت کا حکم باب ثبوت النسب میں بالتفصیل گزر چکا ہے۔ اشرف الہدایہ جلد پنجم میں ملاحظہ کر لیا جائے

اور ہابکارت کا حکم، تو اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی عینین (نامرد) اور اس کی بیوی کے درمیان اختلاف ہو اور عینین شوہر نے کہا کہ میں نے اس کے ساتھ جماع کیا ہے اور بیوی نے اس کا انکار کیا اور ایک عورت یا چند عورتوں نے اس کے باکرہ ہونے کی شہادت دی۔ تو اس کے شوہر کو ایک سال کی مہلت دی جائیگی پس ایک سال گزر جانے پر بھی اگر شوہر نے جماع کر نیک دعویٰ کیا اور بیوی نے انکار کیا تو قاضی عورتوں کو حکم دیگا کہ وہ اس عورت کو دیکھیں باکرہ ہے یا شبہ ہے۔ چنانچہ اگر عورتوں نے کہا کہ یہ ابھی بھی باکرہ ہے تو اس کو اختیار ہوگا کہ چاہے نکاح کو باقی رکھے یا تفریق کرالے اگر اس نے تفریق کو اختیار کیا تو قاضی ان دونوں کے درمیان تفریق کر دے گا۔ کیونکہ عورتوں کی گواہی کو ایک تائید حاصل ہوگی یعنی باکرہ ہونا اس لئے کہ باکرہ ہونا ہی اصل ہے۔ پس عورتوں کی گواہی اصل کے ساتھ مؤید ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی نے باکرہ ہونے کی شرط کے ساتھ ایک باندی خریدی پھر باندی پر قبضہ کرنے سے پہلے یا قبضہ کرنے کے بعد بائع اور مشتری میں اختلاف ہوا یعنی مشتری نے کہا کہ مبیعہ باندی شبہ ہے اور بائع نے کہا کہ باکرہ ہے تو مبیعہ باندی عورتوں کو دکھلائی جائے گی۔ پس اگر عورتوں نے کہا کہ یہ باندی باکرہ ہے تو بیع لازم ہو جائے گی اور مشتری کو خیار عیب کے تحت مبیعہ باندی واپس کرنے کا اختیار نہ ہوگا کیونکہ عورتوں کی شہادت کو ایک تائید بھی مل گئی ہے اور تائید یہ ہے کہ باکرہ ہونا اصل ہے اور عورتوں نے بھی باکرہ ہونے کی شہادت دی ہے۔ پس چونکہ عورتوں کی شہادت اصل سے مؤید ہوگی ہے۔ اس لئے عورتوں کی یہ شہادت معتبر ہوگی۔ اور اگر عورتوں نے مبیعہ باندی کو دیکھ کر کہا کہ یہ شبہ ہے۔ تو مشتری کے لئے فسخ بائع ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ فسخ بائع کا حق قوی ہے اور عورتوں کی شہادت ضعیف ہے۔ اور عورتوں کی شہادت کو کوئی مؤید بھی حاصل نہیں ہوا ہے۔ باقی عورتوں کی شہادت کی وجہ سے مشتری کو خصومت کا حق حاصل ہوگا یعنی عورتوں کی شہادت کی وجہ سے اس کے دعویٰ کی سماعت کی جائے گی۔ اور اس کا اثر یہ ہوگا کہ بائع سے قسم کی جائے گی۔ اگر مشتری نے باندی پر قبضہ کر لیا ہے تو بائع ان الفاظ کے ساتھ قسم کھائے گا۔ خدا کی قسم میں نے حکم بیع کی وجہ سے اس باندی کو باکرہ ہونے کی حالت میں مشتری کے سپرد کیا ہے۔ اور اگر مشتری نے قبضہ نہ کیا ہو تو ان الفاظ کے ساتھ قسم کھائے گا۔ خدا کی قسم میں نے اس باندی کو باکرہ ہونے کی حالت میں فروخت کیا ہے۔ پس اگر بائع قسم کھا گیا تو عقد بیع لازم ہو جائے گا اور مشتری کو خیار عیب کے تحت مبیعہ باندی واپس کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔ اور اگر بائع نے قسم سے انکار کیا تو پھر مشتری کو مبیعہ باندی واپس کرنے کا اختیار ہوگا۔

والعیب یثبت سے ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال..... یہ ہے کہ سابق میں گذر چکا کہ جن عیوب پر مرد مطلع نہ ہو سکتے ہوں ان میں عورتوں کی شہادت کافی ہے۔ لہذا عورتوں کے یہ شہادت دینے کی وجہ سے کہ مبیعہ باندی شیبہ ہے مشتری کو واپس کرنے کا اختیار ہونا چاہئے تھا۔ حالانکہ آپ نے بائع سے قسم لینا ضروری قرار دیا ہے۔ پس بائع سے قسم لینے کو ضروری قرار دینا حدیث شہادۃ النساء جائزہ پر عمل کو ترک کرنا ہے۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ جب عورتوں نے یہ کہا کہ مبیعہ باندی شیبہ ہے تو مبیعہ باندی کافی الحال شیبہ ہونا ثابت ہو گیا۔ پس جب مبیعہ باندی کا عورتوں کی شہادت سے شیبہ ہونا ثابت ہو گیا۔ تو حدیث پر عمل ہو گیا۔ پھر اس کے بعد بائع سے اس پر قسم لی جائے گی۔ کہ یہ باندی جس وقت میرے پاس تھی تو اس میں یہ عیب نہیں تھا یعنی اس وقت یہ شیبہ نہیں تھی۔ اور بائع سے اس قسم کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ مشتری کو اسی عیب کی وجہ سے منع واپس کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ جو عیب بائع کے پاس پیدا ہوا ہو اور جو عیب بائع کے پاس نہ ہو بلکہ بعد میں پیدا ہوا ہو اس کی وجہ سے مشتری کو منع واپس کرنے کا اختیار نہیں ہوتا۔ اس جواب کے بعد کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

صاحب ہدیہ فرماتے ہیں کہ اگر عورتوں نے کسی بچہ کی ولادت کے وقت اس کے رونے کی شہادت دی یعنی یہ کہا کہ فلاں بچہ پیدا ہوتے ہی رویا تھا یعنی زندہ پیدا ہوا تھا پھر مر گیا تو نماز جنازہ کے حق میں بالاتفاق عورتوں کی گواہی قبول ہوگی۔ یعنی عورتوں کی گواہی سے نماز جنازہ کے حق میں بچہ کا زندہ پیدا ہو کر مر جانا ثابت ہو جائے گا۔ اور بالاتفاق اس بچہ کی نماز جنازہ ادا کی جائے گی۔ کیونکہ نماز جنازہ امور دین میں سے ہے اور امور دین میں ایک عورت کی شہادت بھی حجت ہوتی ہے۔ جیسا کہ رمضان کے چاند میں عورت کی شہادت حجت ہے۔ لیکن میراث کے حق میں عورتوں کی شہادت حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک غیر معتبر ہے۔ اور صاحبین کے نزدیک معتبر ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو حاملہ چھوڑ کر مر پھر اس عورت نے بچہ جنا۔ اور ایک عورت یا چند عورتوں نے گواہی دی کہ یہ بچہ ولادت کے وقت رویا تھا۔ یعنی زندہ پیدا ہو کر مر رہا ہے۔ لہذا اس بچہ کو اس کے مرحوم باپ کی میراث ملنی چاہئے تو حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ اس بچہ کے مستحق میراث ہونے کے حق میں ولادت کے وقت رونے پر عورتوں کی گواہی معتبر نہ ہوگی۔ بلکہ دوسرا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔ یہی ایک قول امام شافعیؒ کا ہے اور صاحبین کے نزدیک میراث کے حق میں بھی عورتوں کی گواہی قبول کی جائے گی۔ اسی کے قائل امام مالکؒ اور امام احمدؒ ہیں۔ اور یہی ایک قول امام شافعیؒ کا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ ولادت کے وقت بچہ کا رونا ایسی چیز ہے جس پر مرد مطلع ہو سکتے ہیں۔ اور جن چیزوں پر مرد مطلع ہو سکتے ہوں ان میں عورتوں کی گواہی حجت نہیں ہوتی۔ لہذا ولادت کے وقت بچہ کے رونے پر بھی عورتوں کی گواہی معتبر نہ ہوگی۔ برخلاف نفس ولادت کے، کیونکہ ولادت نام ہے ماں سے بچہ کا جڈا ہونا اور ماں سے بچہ کے جدا ہونے پر مردوں کا مطلع ہونا ناممکن ہے۔ اس لئے نفس ولادت پر عورتوں کی گواہی مقبول ہے۔

صاحبین کی دلیل..... یہ ہے کہ بچہ ولادت کے وقت روتا ہے اور اس وقت عادتاً مرد موجود نہیں رہتے ہیں۔ پس ولادت کے وقت رونے پر عورتوں کا گواہی دینا ایسا ہے۔ جیسے نفس ولادت پر گواہی دینا اور نفس ولادت پر عورتوں کی گواہی معتبر ہے۔ لہذا ولادت کے وقت بچہ کے رونے پر بھی عورتوں کی گواہی معتبر ہوگی۔

امام صاحبؒ کی طرف سے صاحبینؒ کی دلیل کا جواب..... یہ ہے کہ شہادت میں فقط امکان اطلاع معتبر ہے۔ یعنی صرف اس کا اعتبار ہے کہ مردوں کا مطلع ہونا ممکن ہو اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ولادت کے وقت بچہ کے رونے کی آواز کو مردوں کے لئے سنتا ممکن ہے پس جب ولادت کے وقت بچہ کی آواز کو سنتا مردوں کے لئے ممکن ہے تو اس میں عورتوں کی شہادت معتبر نہ ہوگی۔ اور یہی نفس ولادت تو چونکہ وہ بچہ کا اپنی ماں سے جدا ہونے کا نام ہے اور اس عمل میں ”مرد“ عورتوں کے ساتھ شریک نہیں ہوتے اس لئے نفس ولادت پر مردوں کا مطلع ہونا ناممکن ہے۔ اور جب نفس ولادت پر مردوں کا مطلع ہونا ناممکن ہے تو نفس ولادت پر عورتوں کی گواہی معتبر ہوگی۔

گواہی میں عدالت اور لفظ شہادت کی حیثیت

قَالَ وَلَا بُدَّ فِي ذَلِكَ كُلِّهِ مِنَ الْعَدَالَةِ وَلَفْظَةِ الشَّهَادَةِ فَإِنْ لَمْ يَذْكُرِ الشَّاهِدُ لَفْظَةَ الشَّهَادَةِ وَقَالَ أَعْلَمُ أَوْ اتَّقِنُ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهُ أَمَّا الْعَدَالَةُ فَلِقَوْلِهِ تَعَالَى مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ وَالْمَرْضَى مِنَ الشَّاهِدِ هُوَ الْعَدْلُ وَلِقَوْلِهِ تَعَالَى وَاشْهَدُوا ذَوَى عَدْلٍ مِنْكُمْ وَلَا يَأْتِي الْعَدَالَةَ هِيَ الْمَعِينَةُ لِلصِّدْقِ لِأَنَّ مَنْ يَتَعَاطَى غَيْرَ الْكِذْبِ قَدْ يَتَعَاطَاهُ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ الْفَاسِقَ إِذَا كَانَ وَجِيهًا فِي النَّاسِ ذَا مَرْوَةٍ تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ لِأَنَّهُ لَا يُسْتَاجَرُ لَوَجَاهَتِهِ وَيَمْتَنَعُ عَنِ الْكِذْبِ لِمَرْوَتِهِ وَالْأَوَّلُ أَصَحُّ إِلَّا أَنَّ الْقَاضِي لَوْ قَضَى بِشَهَادَةِ الْفَاسِقِ يَصِحُّ عِنْدَنَا وَالْمَسْأَلَةُ مَعْرُوفَةٌ وَأَمَّا لَفْظَةُ الشَّهَادَةِ فَلِأَنَّ النُّصُوصَ نَطَقَتْ بِاشْتِرَاطِهَا إِذَا أُمِرَ فِيهَا بِهَذِهِ اللَّفْظَةِ وَلَا يَنْبَغِي فِيهَا زِيَادَةٌ تَوْكِيدٌ فَإِنَّ قَوْلَهُ أَشْهَدُ مِنَ الْفَاطِ الْيَمِينِ فَكَانَ الْإِمْتِنَاعُ عَنِ الْكِذْبِ بِهَذِهِ اللَّفْظِ أَشَدَّ وَقَوْلُهُ فِي ذَلِكَ كُلِّهِ إشارَةٌ إِلَى جَمِيعِ مَا تَقَدَّمَ حَتَّى يُشْتَرَطَ الْعَدَالَةُ وَ لَفْظَةُ الشَّهَادَةِ فِي شَهَادَةِ النِّسَاءِ فِي الْوِلَادَةِ وَغَيْرِهَا هُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّهُ شَهَادَةٌ لِمَا فِيهِ مِنْ مَعْنَى الْإِلْزَامِ حَتَّى اخْتَصَّ بِمَجْلِسِ الْقَضَاءِ وَيُشْتَرَطُ فِيهِ الْحُرِّيَّةُ وَالْإِسْلَامُ

ترجمہ..... اور شہادت کی تمام صورتوں میں عدالت اور لفظ شہادت ضروری ہے۔ پس اگر شاہد نے لفظ شہادت ذکر نہ کیا۔ اور کہا کہ میں جانتا ہوں یا میں یقین کرتا ہوں۔ تو اس کی شہادت قبول نہ ہوگی۔ بہر حال عدالت تو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور جن گواہوں کو تم پسندیدہ جانو۔ اور پسندیدہ گواہ عادل ہوتا ہے۔ اور اس لئے کہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اپنے میں سے عادل گواہ مقرر کرو۔ اور اس لئے کہ عدالت ہی صدق کو معین کرنے والی ہے۔ کیونکہ جو شخص جھوٹ کے علاوہ دیگر ممنوعات کا مرتکب ہوتا ہے وہ کبھی جھوٹ کا بھی مرتکب ہو جاتا ہے اور ابویوسفؒ سے مروی ہے کہ فاسق آدمی اگر لوگوں میں وجیہ ہو اور صاحب مروت ہو، تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ اس لئے کہ وہ اپنی وجاہت کی وجہ سے اجارہ پر نہیں لیا جائیگا۔ اور اپنی مروت کی وجہ سے جھوٹ بولنے سے باز رہے گا۔ اور قول اول اصح ہے۔ لیکن اگر قاضی نے کسی فاسق کی گواہی پر حکم دیدیا تو ہمارے نزدیک صحیح ہے اور یہ مسئلہ معروف ہے۔ بالفاظ شہادت تو اس لئے کہ نصوص اسی لفظ کے شرط ہونے پر ناطق ہیں۔ کیونکہ نصوص میں اسی لفظ کے ساتھ امر ہے۔ اور اس لئے کہ لفظ شہادت میں زیادہ مضبوطی ہے۔ کیونکہ لفظ اشہد الفاظ یمنین میں سے ہے۔ تو اس لفظ کی وجہ سے جھوٹ سے باز رہنا زیادہ شدید ہے۔ اور مصنف کا قول فی ذالک کلمہ میں تمام انواع شہادت کی طرف اشارہ ہے حتیٰ کہ ولادت اور اس کے علاوہ میں عورتوں کی گواہی کے اندر لفظ شہادت اور عادل ہونا شرط ہے۔ یہی صحیح ہے۔ اس لئے کہ یہ بھی شہادت ہے۔ کیونکہ اس میں لازم کرنے کے معنی ہیں۔ حتیٰ کہ مجلس قاضی کے ساتھ خاص ہے۔ اور اس میں آزادی اور مسلمان ہونا شرط ہے۔

تشریح..... شہادت میں عدل یہ ہے کہ انسان کبار سے اجتناب کرتا ہو، صغائر پر مبصر نہ ہو۔ اس کی صلاح اس کے فساد سے زیادہ ہو۔ اور اس کا صواب (صاحب الرائے ہونا) اس کی خطا سے زائد ہو۔

بہر حال صاحب قدوری نے فرمایا کہ شہادت کے تمام انواع میں گواہوں کا عادل ہونا شرط ہے اور لفظ شہادت شرط ہے یعنی گواہ شہادت کے وقت یہ کہے کہ میں شہادت دیتا ہوں یا میں گواہی دیتا ہوں۔ حتیٰ کہ اگر گواہی کے وقت گواہ نے کہا کہ میں جانتا ہوں یا میں یقین کرتا ہوں تو اس مقدمہ میں اس وقت اس کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ گواہ کا عادل ہونا تو اس لئے شرط ہے کہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ الشَّهَدَاءُ یعنی دو گواہ کرو ان لوگوں میں سے جن کو تم پسند کرتے ہو گواہوں میں حاصل یہ کہ گواہ لوگوں میں پسندیدہ آدمی ہو۔ اور یہ ظاہر ہے کہ فاسق

لوگوں میں پسندیدہ شمار نہیں ہوتا۔ پس اس آیت سے معلوم ہوا کہ شاہد، فاسق آدمی نہ ہو بلکہ اس کا عادل ہونا ضروری ہے۔ دوسری آیت ہے واشہدوا ذوی عدل منکم یعنی تم مسلمانوں میں دو عادل آدمیوں کو گواہ مقرر کرلو۔ اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ گواہ کا عادل ہونا ضروری ہے۔

عقلی دلیل..... یہ ہے کہ شہادت، گواہ کے صادق اور سچا ہونے کی وجہ سے حجت ہوتی ہے۔ اور صادق اور سچائی کو معین کرنے والی یہی عدالت ہے۔ یعنی عادل آدمی ہی سچ بولتا ہے۔ کیونکہ فاسق جو ممنوعات دین کا مرتکب ہوتا ہے وہ کبھی جھوٹ کا بھی مرتکب ہو جاتا ہے۔ اس لئے جب اس کو گناہوں سے پرہیز نہیں ہے تو جھوٹ سے بھی خوف اور ڈر نہ ہوگا۔ پس تہمت کذب کی وجہ سے فاسق کی گواہی رد ہوگی اور جب تہمت کذب کی وجہ سے فاسق کی گواہی رد ہو جاتی ہے تو گواہ کا عادل ہونا شرط اور ضروری ہوگا۔ حضرت امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اگر فاسق آدمی لوگوں میں اپنی وجاہت اور قدر و منزلت رکھتا ہو اور مروت اور انسانیت کا پیکر ہو تو فاسق ہونے کے باوجود اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ کیونکہ وہ اپنی وجاہت اور قدر و منزلت کے پیش نظر جھوٹی گواہی کے لیے فروخت نہیں ہوگا۔ یعنی وہ اپنی وجاہت کی وجہ سے ایسا نہیں کرے گا کہ مدعی سے روپے لے کر جھوٹی گواہی دیدے۔ اور اپنی مروت اور انسانیت کی وجہ سے جھوٹ بولنے سے باز رہے گا۔ یعنی وہ اسکو پسند نہیں کریگا کہ لوگوں میں دروغ گواہ جھوٹا ہو کر متعارف ہو۔ لہذا اسکی مروت اسکو جھوٹ بولنے سے روکے گی۔ پس جب فاسق کی وجاہت اور مروت اس کو جھوٹ بولنے اور جھوٹی گواہی دینے سے روکتی ہے تو وہ متہم بالکذب بھی نہیں ہوگا اور جب متہم بالکذب نہیں ہے تو اس کی شہادت قبول کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ صحیح یہی ہے کہ مطلقاً فاسق کی گواہی قبول نہ ہو خواہ وہ ذی وجاہت ہو یا ذی وجاہت نہ ہو۔ اس لئے کہ باری تعالیٰ کے قول واشہدوا ذوی عدل منکم سے علی الاطلاق معلوم ہوتا ہے کہ غیر عادل یعنی فاسق کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی وہ فاسق صاحب وجاہت ہو یا صاحب وجاہت نہ ہو۔ اور باری تعالیٰ کے قول ان جاءکم فاسق بنیا فتنینو اسے بھی ثابت ہوتا ہے کہ فاسق کی کوئی بات بلا تحقیق قبول نہ کی جائے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ شہادت کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا درحقیقت شاہد کا اکرام و اعزاز ہے چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اکرموا الشہود گواہوں کا اکرام کرو۔ پس فاسق کی شہادت قبول کرنے کا مطلب یہ ہوگا کہ فاسق کا اکرام و اعزاز کیا جائے۔ حالانکہ ہم کو فاسق کی اہانت کا امر کیا گیا ہے۔ چنانچہ مدنی آقا ﷺ نے فرمایا ہے اذا لقیتم الفاسق فالفقه بوجه مکفر یعنی اگر فاسق سے تیری ملاقات ہو جائے تو، تم اس کے ساتھ ترش روئی سے پیش آؤ یعنی خندہ پیشانی سے ملاقات نہ کرو۔ بلکہ منہ بنا کر ترش روئی کے ساتھ ملاقات کرو۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ اصح قول اگرچہ یہ ہے کہ فاسق کی گواہی قبول نہ کی جائے مگر اس کے باوجود اگر قاضی نے فاسق کی گواہی پر فیصلہ دیدیا تو ہمارے نزدیک یہ فیصلہ معتبر اور قابل تنفیذ ہوگا۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک نہ فاسق کی گواہی قبول کی جائے گی اور نہ فاسق کی گواہی پر قاضی کا فیصلہ جائز ہوگا۔ چنانچہ اگر قاضی نے فاسق کی گواہی پر فیصلہ دیدیا تو وہ نافذ نہ ہوگا۔ یہ مسئلہ معروف ہے کتاب القاضی کے اوائل میں، اس پر سیر حاصل کلام کیا جا چکا ہے۔ اور لفظ شہادت یعنی شاہد کا لفظ اشہد کے ساتھ گواہی دینا اس لئے شرط ہے کہ نصوص (قرآن و حدیث) اسی لفظ شہادت کے ساتھ وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے

(۱)۔ اَقِمُوا الشَّہَادَةَ لِلّٰہِ (۲)۔ وَاَشْہِدُوا اِذَا تَبَايَعْتُمْ (۳)۔ وَاَسْتَشْہِدُوا شَہِیدَیْنِ مِنْ رِجَالِکُمْ (۴)۔ وَاَشْہِدُوا ذَوٰی عَدْلِ مِنْکُمْ،

اور حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے اذا علمت مثل الشمس فاشہدوا الا فذع یعنی اگر تجھ کو کسی بات کا علم آفتاب کی طرح واضح طور پر ہو جائے تو، تو گواہی دے، ورنہ اس کو چھوڑ دے۔ پس جب گواہی کے سلسلہ میں نصوص قرآنی اور نص حدیث لفظ شہادت کے ساتھ صراحتہً ناطق ہیں تو گواہی کے باب میں لفظ شہادت کی جگہ دوسرے کسی لفظ کا استعمال کرنا درست نہ ہوگا۔

اعتراض..... یہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ افتتاح صلوة کے لئے لفظ تکبیر پر نص وارد ہے چنانچہ ارشاد ہے ورنک فکبر۔ لیکن اس کے باوجود امام ابو حنیفہؒ نے اللہ اجل اور اللہ اعظم کے ساتھ تکبیر تحریمہ کو جائز قرار دیا ہے۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ تکبیر تعظیم کے لئے ہوتی ہے اور اللہ اعظم واللہ اجل بھی تعظیم پر دلالت کرتے ہیں۔ اس لئے ان دونوں حکموں کو اللہ اکبر کے ساتھ لاحق کر دیا گیا۔ اور لفظ شہادت چونکہ دلالت کرتا ہے مشاہدہ پر اور لفظ اعلم اور اتیقن مشاہدہ پر دلالت نہیں کرتے اس لئے ان دونوں حکموں کو لفظ اشہد کے ساتھ لاحق کرنا ممکن نہ ہوگا۔

دوسری دلیل..... یہ ہے کہ لفظ شہادت چونکہ مشاہدہ پر دلالت کرتا ہے اس لئے شہادت کے لفظ میں تاکید اور مضبوطی زیادہ ہے اور لفظ اشہد چونکہ یسمن اور قسم کے الفاظ میں سے ہے اس لئے اس لفظ شہادت کی وجہ سے شاہد، جھوٹ بولنے سے زیادہ باز رہے گا۔ اور شہادت میں یہی مقصود ہے کہ شاہد جھوٹ بولنے سے پرہیز کرے۔ پس لفظ شہادت میں چونکہ تاکید اور مضبوطی ہے اور جھوٹ بولنے سے باز رہنا زیادہ شدید ہے۔ اس لئے گواہی میں لفظ شہادت کے ساتھ گواہی دینا ضروری قرار دیا گیا ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ماتن کا قول ولا بد فی ذلک کلمہ، سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ شہادت کی تمام انواع میں شاہد کا عادل ہونا اور لفظ اشہد کے ساتھ گواہی دینا شرط ہے۔ حتیٰ کہ ولادت وغیرہ میں عورتوں کو گواہ بنانے کے لئے بھی ان کا عادل ہونا اور لفظ شہادت کے ساتھ گواہی دینا ضروری ہے اور یہی صحیح قول ہے کیونکہ پہلے گذر چکا ہے کہ اس میں بھی الزام کے معنی موجود ہیں۔ اور جب الزام کے معنی موجود ہیں تو ولادت وغیرہ کے سلسلہ میں عورتوں کا خبر دینا محض خبر نہ ہوگا بلکہ شہادت ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ولادت وغیرہ کی شہادت مجلس قضا کے ساتھ خاص ہے اور شہادت دینے والی عورت کا عاقل، بالغ، آزاد اور مسلمان ہونا شرط ہے۔ اور مجلس قاضی اور آزادی اور اسلام یہ سب چیزیں چونکہ شہادت کے لئے شرط ہیں، اس لئے ولادت وغیرہ میں عورتوں کا لفظ شہادت کے ساتھ گواہی دینا ضروری ہے۔ البتہ فقہاء عراق ولادت وغیرہ میں گواہی کے لئے لفظ شہادت کو شرط قرار نہیں دیتے ہیں۔

گواہوں کے لئے عدالت کا معیار

قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ يَفْتَصِّرُ الْحَاكِمُ عَلَى ظَاهِرِ الْعَدَالَةِ فِي الْمُسْلِمِ وَلَا يَسْأَلُ عَنْ خِلَالِ الشُّهُودِ حَتَّى يَطْعَنَ الْخَصْمُ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْمُسْلِمُونَ عُدُولٌ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ الْأَمْحَدُونَ فِي قَذْفٍ وَمِثْلِ ذَلِكَ مَرْوِي عَنْ عُمَرَ وَلَاَنَّ الظَّاهِرَ هُوَ الْأَنْزَجَارُ عَمَّا هُوَ مُحَرَّمٌ دِينَهُ وَبِالظَّاهِرِ كِفَايَةُ إِذْ لَا وُصُولَ إِلَى الْقُطْعِ إِلَّا فِي الْحُدُودِ وَالْقِصَاصِ فَإِنَّهُ يَسْأَلُ عَنِ الشُّهُودِ لِأَنَّهُ يَحْتَاطُ لِاسْقَاطِهَا فَيَشْتَرُطُ الْإِسْتِقْصَاءَ فِيهَا وَلَاَنَّ الشُّبْهَةَ فِيهَا دَارَةٌ وَإِنْ طَعَنَ الْخَصْمُ فِيهِمْ يَسْأَلُ عَنْهُمْ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ لِأَنَّهُ تَقَابُلَ الظَّاهِرِ إِنْ فَيَسْأَلُ طَلَبًا لِلتَّرْجِيحِ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ لَا بُدَّ أَنْ يَسْأَلَ عَنْهُمْ فِي السِّرِّ وَالْعَلَانِيَةِ فِي سَائِرِ الْحُقُوقِ لِأَنَّ الْقَضَاءَ مَبْنَاهُ عَلَى الْحُجَّةِ وَهِيَ شَهَادَةُ الْعُدُولِ فَيَتَعَرَّفُ عَنِ الْعَدَالَةِ وَفِيهِ صَوْنٌ قَضَائِهِ عَنِ الْبُطْلَانِ وَقِيلَ هَذَا اخْتِلَافٌ عَصِرٍ وَزَمَانٍ وَالْفَتَوَى عَلَى قَوْلِهِمَا فِي هَذَا الزَّمَانِ

ترجمہ..... امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ مسلمان کے حق میں حاکم ظاہری عدالت پر اکتفاء کرے اور گواہوں کی حالت دریافت نہ کرے یہاں تک کہ مدعی علیہ طعن کرے۔ بیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان عادل ہیں بعض بعض پر حجت ہیں مگر محدود فی القذف۔ اور اسی کے مانند حضرت عمرؓ سے مروی ہے اور اس لئے کہ مسلمان کا ظاہر حال اُس چیز سے باز رہنا ہے جو اس کے دین میں حرام ہے اور ظاہر پر ہی کفایت ہے کیونکہ یقین تک نہیں پہنچا جاسکتا ہے مگر حد و دو قصاص میں کہ (ان میں) گواہوں کا حال دریافت کرے۔ اس لئے کہ قاضی ان کو ساقط کرنے کا حیلہ تلاش کرتا ہے۔ پس عدالت کے سلسلہ میں بڑے طور پر تفتیش کرنا شرط ہوگا۔ اور اس لئے کہ حدود میں شبہ حد کو دور کر نیوالا ہے۔ اور اگر مدعی علیہ نے گواہوں میں

طعن کیا تو خفیہ اور علانیہ ان گواہوں کے بارے میں دریافت کرے کیونکہ دو ظاہر مقابل ہو گئے۔ پس ترجیح دینے کے واسطے گواہوں کا حال دریافت کرے۔ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ تمام حقوق میں خفیہ اور علانیہ گواہوں کی عدالت دریافت کرنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ قضاء کی بنیاد حجت پر ہے اور حجت عادل گواہوں کی گواہی ہے۔ لہذا عدالت دریافت کرے۔ اور اس میں قاضی کے فیصلہ کے باطل ہونے سے حفاظت ہے اور کہا گیا کہ یہ عہد اور زمانہ کا اختلاف ہے، اور اس زمانہ میں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

تشریح..... اس بات پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ گواہوں کا عادل ہونا ضروری ہے مگر اس اتفاق کے بعد حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ جب مدعی قاضی کی عدالت میں گواہ پیش کرے اور مدعی علیہ گواہوں پر کوئی طعن نہ کرے یعنی یہ نہ کہے کہ مدعی کے گواہ جھوٹے ہیں یا غلام ہیں، یا غیر مسلم ہیں یا محدودنی القذف ہیں یعنی گواہوں میں ایسا کوئی نقص بیان نہ کرے جسکی وجہ سے ان کی شہادت مردود ہو جاتی ہو تو قاضی مسلمان گواہوں میں ان کی ظاہری عدالت پر اکتفاء کرے یعنی ان کو عادل قرار دے ان کی عدالت و دیانت کے بارے میں تفتیش نہ کرے۔

دلیل..... یہ حدیث ہے قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ الْمُسْلِمُونَ عَدُولٌ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ الا محدوداً ففی قذف (ابن ابی شیبہ) یعنی تمام مسلمان عادل ہیں۔ ایک دوسرے کے خلاف حجت ہے سوائے محدودنی القذف کے یعنی محدودنی القذف کی گواہی کسی مسلمان کے خلاف حجت نہیں ہوتی۔ اسی طرح حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام ایک خط تحریر فرمایا تو اس میں بھی المسلمون عدول بعضهم علی بعض الا محدوداً ففی قذف کی عبارت موجود ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مطلقاً مسلمان کی گواہی حجت ہے اس کی عدالت کے بارے میں تحقیق و تفتیش کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

عقلی دلیل..... یہ ہے کہ مسلمان کا ظاہر حال یہ ہے کہ وہ ہر ایسے فعل سے جو اس کے دین میں حرام ہے مثلاً جھوٹ بولنے سے پرہیز گار ہوگا اور اسی ظاہر حال پر اکتفاء کیا جائے گا۔ کیونکہ قطعی اور یقینی طور پر گواہوں کا عادل ہونا معلوم نہیں ہو سکتا ہے چنانچہ اگر قاضی نے مزکی یعنی تعدیل کرنے والے سے گواہ کا حال دریافت کیا اور اس نے گواہ کو عادل بتلایا تو بھی اس کے عادل ہونے کا قطعی یقین نہیں ہو سکتا ہے سوائے اس کے کہ یہ کہا جائے کہ تعدیل کرنے والا مزکی بظاہر جھوٹ نہیں بولے گا۔ پس جس طرح تعدیل کرنے والے کے بارے میں یہ گمان کیا گیا کہ وہ جھوٹ نہیں بولے گا اسی طرح خود گواہوں کی نسبت یہ گمان کیا جائے کہ یہ مسلمان جھوٹ نہیں بولے گا۔ پس اسی ظاہری عدالت پر اکتفا کرنا کافی ہے۔

سوال..... یہاں ایک سوال ہے وہ یہ کہ ”ظاہر“ حق کو دفع کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے ظاہر کے ذریعہ کسی حق کو ثابت نہیں کیا جاتا۔ حالانکہ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ گواہوں کی ظاہری عدالت سے مدعی کے واسطے مدعی بہ کا استحقاق ثابت ہو جائے گا۔

جواب..... اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ اگر کوئی چیز ظاہر کے معارض نہ ہو تو ”ظاہر“ کے لئے بھی کافی ہوتا ہے اور یہاں ایسا ہی ہے کیونکہ ہمارا کلام اس صورت میں ہے جب کہ مدعی علیہ نے گواہوں کے بارے میں طعن نہ کیا ہو اور مدعی علیہ کے طعن نہ کرنے کی وجہ سے کوئی چیز گواہوں میں ظاہری عدالت کے معارض نہیں ہے پس جب ظاہری عدالت کے کوئی چیز معارض نہیں ہے تو گواہوں کی ظاہری عدالت سے مدعی کا حق بھی ثابت ہو جائیگا۔

دوسرا جواب..... یہ ہے کہ ”ظاہر“ استحقاق کو ثابت کرتا ہے اور وہ ظاہر جس سے استحقاق ثابت نہیں ہوتا اس سے مراد استصحاب ہے۔ استحقاق کا ثابت نہ ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ مطلقاً ظاہر سے بھی استحقاق ثابت نہ ہو۔ صاحب قدوری نے فرمایا کہ اگر حدود و قصاص میں مسلمان گواہ گواہی دیں تو قاضی ان کی ظاہری عدالت پر اکتفاء نہ کرے۔ خواہ مدعی علیہ طعن کرے یا طعن نہ کرے بلکہ ان کی عدالت دریافت کرے یعنی دیانت، وامانت کے سلسلہ میں ان کا حال معلوم کرے۔

دلیل..... یہ ہے کہ قاضی چونکہ حدود و قصاص ساقط کرنے کا بہانہ تلاش کرنے میں شریعت کی جانب سے مکلف ہے۔ اس لئے گواہوں کی عدالت کے سلسلہ میں پورے طور پر تفتیش اور کھود کرید کرنا شرط ہوگا تا کہ کوئی ایسی بات نکل آئے جس سے حد ساقط ہو سکے۔

دوسری دلیل..... یہ ہے کہ گواہوں کی ظاہری عدالت پر اکتفاء کرنے کی صورت میں ان کے غیر عادل ہونیکا شبہ باقی رہتا ہے اور حدود میں شبہ کا پیدا ہونا حدود کو ساقط کرتا ہے۔ پس حدود کو ثابت کرنے کے لئے گواہوں کی ظاہری عدالت پر اکتفاء کرنا درست نہ ہوگا بلکہ گواہوں کے حال کا دریافت کرنا ضروری ہوگا۔ اور اگر حدود و قصاص کے علاوہ دوسرے معاملات کے گواہوں میں مدعی علیہ نے طعن کیا یعنی ایسا کوئی نقص بیان کیا جس سے گواہوں کی گواہی مردود ہو جاتی ہو تو ایسی صورت میں قاضی خفیہ اور علانیہ دونوں طرح گواہوں کی عدالت دریافت کرے گا۔ کیونکہ یہاں دو ظاہر معارض اور مقابل ہو گئے۔ ایک ظاہر تو یہ ہے یہ گواہ جھوٹے نہیں ہوں گے اور دوسرا ظاہر یہ ہے کہ مدعی علیہ اپنے طعن میں جھوٹ نہیں ہوگا۔ یعنی مسلمان ہونے کی وجہ سے گواہوں کا ظاہر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ گواہ اپنی گواہی میں جھوٹے نہ ہوں اور ان کی گواہی پر مدعی کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے اور مدعی علیہ کا ظاہر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ مدعی علیہ اپنے طعن میں جھوٹا نہ ہو اور اس طعن کی وجہ سے گواہوں کی گواہی معتبر نہ ہو۔ پس جب دو ظاہر مقابل اور معارض ہو گئے۔ تو ایک ترجیح دینے کے واسطے قاضی گواہوں کا حال دریافت کرے گا۔ چنانچہ تحقیق و تفتیش کے بعد اگر گواہوں کا عادل ہونا ثابت ہو گیا تو گواہوں کے ظاہر کو ترجیح حاصل ہوگی۔ اور اگر ان کا عادل ہونا ثابت نہ ہوا بلکہ مدعی علیہ کا بیان کردہ طعن ثابت ہو گیا تو مدعی علیہ کے ظاہر کو ترجیح حاصل ہوگی۔

حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ تمام حقوق میں خفیہ اور علانیہ گواہوں کا حال دریافت کرنا ضروری ہے خواہ مدعی علیہ نے گواہوں پر طعن کیا ہو یا طعن نہ کیا ہو۔ اسی کے قائل امام احمدؒ اور امام شافعیؒ ہیں۔ امام مالکؒ نے فرمایا کہ گواہ اگر عدالت یعنی دیانت و امانت اور صداقت میں مشہور بین الناس ہوں تو قاضی ان کا حال دریافت نہ کرے اور اگر ان کی جرح معروف ہو یعنی ایسی چیزوں کے ساتھ معروف ہوں جن کی وجہ سے گواہی رد ہو جاتی ہے تو ایسی صورت میں ان کی گواہی رد کر دیا جائے گی۔ اور اگر ان کی عدالت اور جرح مشکوک ہو تو قاضی ان کا حال دریافت کرے گا۔

صاحبین کی دلیل..... یہ ہے کہ قاضی کے فیصلہ کا دار و مدار حجت پر ہے اور حجت نام ہے عادل گواہوں کی شہادت کا اور گواہوں کی عدالت کا حکم چونکہ قاضی کے دریافت کرنے کے بعد ہوتا ہے اس لئے قاضی پر گواہوں کی عدالت اور دیانت کے بارے میں دریافت کرنا ضروری ہوگا۔

دوسری دلیل..... یہ ہے کہ گواہوں کا حال دریافت کرنے کے صورت میں قاضی کا فیصلہ باطل ہونے سے محفوظ ہو جاتا ہے اس طور پر کہ اگر قاضی نے گواہوں کا حال دریافت کئے بغیر کوئی فیصلہ دیا اور بعد میں گواہوں کا غلام ہونا یا کافر ہونا یا محدود فی القذف ہونا ظاہر ہو تو قاضی کا یہ فیصلہ باطل ہو جائیگا۔ اور اگر حال دریافت کرنے کے بعد فیصلہ دیا تو فیصلہ باطل ہونے کے نوبت نہ آئے گی۔ اور قاضی کے فیصلہ کو امکانی حد تک باطل ہونے سے محفوظ کرنا ضروری ہے۔ پس قاضی کے فیصلہ کو باطل ہونے سے بچانے کے لئے گواہوں کا حال دریافت کرنا ضروری قرار دیا گیا۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ حضرت امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے درمیان گواہوں کی ظاہری عدالت پر اکتفاء کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں جو اختلاف ہے۔ وہ کسی حجت اور برہان پر مبنی نہیں ہے۔ بلکہ یہ زمانہ کا اختلاف ہے یعنی امام ابو حنیفہؒ نے گواہوں کی ظاہری عدالت پر اکتفاء کرنے کا حکم اس زمانہ میں دیا ہے جس زمانہ میں صلاح اور نیکی کا غلبہ تھا۔ لوگ بالعموم سچ بولتے تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے اُس زمانے کے اچھا ہونے کی شہادت دی ہے چنانچہ فرمایا ہے خیر القرون قرنیہ الذین یلونہم ثم الذین یلونہم ثم یفشو الکذب اس حدیث میں اللہ کے رسول نے تین زمانوں (عبد صحابہ، عبد تابعین، عبد متابعین) کو اچھا بتلایا ہے اور چوتھے عہد کے بارے میں فرمایا کہ اس زمانہ میں جھوٹ کا بول بالا ہوگا، دروغ گوئی عام ہوگی۔ لوگ جھوٹ کو فراست اور سب سے زیادہ قرار دیں گے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ چونکہ قرن ثانی اور ثالث کے لوگوں میں سے ہیں اس لئے حضرت امام صاحبؒ نے غلبہ خیر کی وجہ سے گواہوں کی ظاہری عدالت پر اکتفاء کیا ہے اور صاحبینؒ چونکہ قرن رابع کے لوگوں میں سے ہیں اس لئے انھوں نے غلبہ شر اور کذب اور جھوٹ کے عام ہونے کی وجہ سے ظاہری عدالت پر اکتفاء نہیں کیا، بلکہ گواہوں کے حال کی تحقیق اور تفتیش کو ضروری قرار دیا ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اس زمانہ میں فتویٰ صاحبینؒ کے قول پر ہے۔ کیونکہ اس زمانہ

میں عوام تو عوام خواص بھی چونکہ دروغ گوئی اور جھوٹ سے محفوظ نہیں۔ اس لئے گواہوں کے سپایا جھوٹا ہونے کی تحقیق اور تفتیش کو ضروری قرار دیا گیا۔

گواہوں کے تزکیہ اور تعدیل کرنے کا حکم

قَالَ ثُمَّ التَّزْكِيَةُ فِي السِّرِّ أَنْ يَبْعَثَ الْمُسْتَوْرَةَ إِلَى الْمُعَدِّلِ فِيهَا النَّسَبُ وَالْحِلُّ وَالْمُصَلَّى وَيَرْدُّهَا الْمُعَدِّلُ وَكُلَّ ذَلِكَ فِي السِّرِّ كَيْلَا يَظْهَرَ فَيُخَدَّعَ أَوْ يُقْصَدَ فِي الْعَلَانِيَةِ لَا بُدَّ أَنْ يَجْمَعَ بَيْنَ الْمُعَدِّلِ وَالْمُسَاهِدِ لِيَنْتَفِيَ شُبْهَةُ تَعْدِيلٍ غَيْرِهِ وَقَدْ كَانَتِ الْعَلَانِيَةُ وَحْدَهَا فِي الصَّدْرِ الْأَوَّلِ وَوَقَعَ الْإِكْتِفَاءُ فِي السِّرِّ فِي زَمَانِنَا تَحَرُّزًا عَنِ الْفِتْنَةِ وَيُرْوَى عَنْ مُحَمَّدٍ تَزْكِيَةُ الْعَلَانِيَةِ بَلَاءً وَفِتْنَةً ثُمَّ قِيلَ لَا بُدَّ أَنْ يَقُولَ الْمُعَدِّلُ هُوَ حُرٌّ عَدْلٌ جَانِزُ الشَّهَادَةِ لِأَنَّ الْعَبْدَ قَدْ يَعْدِلُ وَقِيلَ يُكْتَفَى بِقَوْلِهِ هُوَ عَدْلٌ لِأَنَّ الْحُرِّيَّةَ ثَابِتَةٌ بِالْإِدَارِ وَهَذَا أَصَحُّ

ترجمہ..... پھر خفیہ تزکیہ یہ ہے کہ تعدیل کرنے والے کے پاس خفیہ رقعہ بھیجے جس میں گواہوں کا نسب، ان کا حلیہ اور مسجد تحریر کرے۔ اور تعدیل کرنے والا اس رقعہ کو (جواب لکھ کر حاکم کے پاس) واپس کرے۔ اور یہ سب خفیہ ہونا چاہئے تاکہ ظاہر ہو کر (تعدیل کرنے والے کے ساتھ) مکر نہ کیا جائے یا اس کو ایذا دینے کا ارادہ نہ کیا جائے۔ اور علانیہ تزکیہ میں ضروری ہے کہ قاضی تعدیل کرنے والے اور گواہ دونوں کو جمع کرے تاکہ اس کے علاوہ کی تعدیل کا شبہ جاتا رہے۔ اور صدر اول میں تعدیل فقط علانیہ تھی۔ اور ہمارے زمانے میں خفیہ تعدیل پر اکتفا ہو گیا تاکہ فتنہ سے بچاؤ ہو۔ اور امام محمد سے روایت ہے کہ علانیہ تعدیل بلاء اور فتنہ ہے۔ پھر کہا گیا کہ تعدیل کرنے والے کو یہ کہنا ضروری ہے کہ یہ گواہ آزاد، عادل جائز الشہادت ہے۔ اس لئے کہ کبھی غلام بھی عادل ہوتا ہے اور کہا گیا کہ اپنے اس قول پر کہ وہ عادل ہے اکتفا کرے۔ کیونکہ آزاد ہونا دارالاسلام سے ثابت ہے اور یہی قول اصح ہے۔

تشریح..... تزکیہ اور تعدیل کسی کے عادل اور غیر عادل ہونے کی تحقیق کرنا نام ہے۔ مزی اور معدل، تعدیل اور تزکیہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔ مستورہ، وہ خط ہے جس میں قاضی گواہوں کے نام، نسب، حلیہ اور ان کے محلہ کی مسجد لکھ کر اپنے امین کی معرفت خفیہ طریقہ پر مزی کے پاس بھیجے گا۔ چونکہ اس خط کو عوام کی نظروں سے چھپانا مقصود ہوتا ہے اس لئے اس خط کا نام مستورہ رکھا گیا۔ تزکیہ کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ تزکیہ فی السِّر ۲۔ تزکیہ فی العلانۃ

تزکیہ فی السِّر یہ ہے کہ قاضی گواہوں کی عدالت دریافت کرنے کے لئے مزی اور معدل کے نام ایک خط لکھ کر چپکے سے اپنے امین کے ذریعہ مزی کے پاس روانہ کر دے۔ خط میں گواہوں کا نام، ان کا نسب، ان کا حلیہ اور ان کے محلہ کی مسجد تحریر کر دے۔ اور اگر گواہ بازاری آدمی ہو تو اس کا بازار تحریر کرے۔ اور مناسب یہ ہے کہ مزی (تعدیل کر نیوالا) صالح، زاہد، لوگوں میں زیادہ معتمد و پرہیزگار ہو اور امانت دار اور ذی علم ہو، اور لوگوں سے مل جل کر رہتا ہو، بالکل گوشہ نشین اور صوفی منش نہ ہو کہ اپنی نیک بختی کی وجہ سے ہر شخص کو نیک سمجھتا یا ہر ایک کے کہنے پر اعتماد کر لیتا ہو۔ مزی حریص اور فقیر بھی نہ ہو کیونکہ حریص اور فقیر آدمی مال کے چکر میں آ کر صحیح اطلاع پہنچانے میں ناکام ہو سکتا ہے۔ پس مزی گواہوں کے بارے میں ان کے بڑے بڑوں، دوستوں، ہم پیشہ لوگوں اور ان کے پاس اٹھنے بیٹھنے والوں سے دریافت کرے۔ تحقیق و تفتیش کے بعد اگر مزی کو ان کا عادل ہونا معلوم ہو تو مزی جو خط قاضی کے نام تحریر کرے گا اس میں گواہ کے نام کے نیچے یہ الفاظ تحریر کرے۔ ہو عدل مرضی مقبول جازن الشہادۃ یعنی یہ گواہ میرے نزدیک عادل، پسندیدہ، مقبول اور جائز الشہادت ہے۔ اور اگر ان کا غیر عادل ہونا معلوم ہو تو گواہ کے نام کے نیچے کچھ تحریر نہ کرے تاکہ اس کا پردہ فاش نہ ہو۔ یا سرف (واللہ اعلم) لکھ دے۔ حاصل یہ کہ تحقیق و تفتیش کے نتیجے میں گواہوں کے جن عیوب پر مطلع ہوا ہو ان کو تحریر نہ کرے۔ ہاں اگر مزی کو یہ

اندیشہ ہو کہ عیوب اور فسق کی صراحت نہ کرنے کی صورت میں قاضی ان کی گواہی پر فیصلہ کر سکتا ہے تو اس صورت میں گواہوں کے عیوب کی صراحت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور اگر مزی گواہ کی عدالت اور فسق دونوں پر مطلع نہ ہو سکا تو اس کے نام کے نیچے (مستور) لکھ دے یعنی یہ لکھ دے کہ اس کا حال پوشیدہ ہے۔ مزی تمام باتوں کو لکھ کر قاضی کے امین کے ذریعہ اس خط کو قاضی کے پاس روانہ کر دے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ قاضی کا مزی کے پاس خط بھیجنا اور مزی کا تحقیق کر کے اس کو قاضی کے پاس بھیجنا سب باتیں صیغہ راز میں دینی چاہئیں۔ کیونکہ ظاہر ہونے کی صورت میں گواہ مزی یا مدعی مزی کو رشوت دیکر بے خرید سکتا ہے۔ اور رشوت قبول نہ کرنے کی صورت میں گواہ مزی کو ایذا پہنچا سکتا ہے۔ پس ان خطرات کے پیش نظر پوری کارروائی خفیہ ہونی چاہئے۔

اور تزکیہ فی العلانیہ یہ ہے کہ قاضی، گواہ اور تعدیل کرنے والے مزی دونوں کو مجلس قضا میں جمع کرنے اور تعدیل دریافت کرے اور قاضی مزی سے کہے جس کی تو نے تعدیل کی ہے۔ کیا یہ وہی گواہ ہے مزی کہے ہاں میں نے اسی گواہ کی تعدیل کی ہے۔ گواہ کی طرف اشارہ کرنا اس لئے ضروری ہے تاکہ اس کے علاوہ دوسرے گواہ کی تعدیل کا شبہ نہ رہے۔ کیونکہ کبھی دو آدمی نام و نسب دونوں میں شریک ہو جاتے ہیں تو مزی اگر گواہ کی طرف اشارہ نہیں کرے گا بلکہ اس کا نام اور نسب بیان کر کے تعدیل کرے گیگا تو قاضی کا ذہن اس کے ہم نام اور ہم نسب دوسرے آدمی کی طرف منتقل ہو سکتا ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ صدر اول یعنی عہد رسالت اور عہد صحابہ میں تعدیل فقط علانیہ تھی حتیٰ کہ اگر گواہوں میں سے کسی شخص میں کوئی عیب ہوتا تو مزی اس کو برملا بیان کر دیتا تھا۔ کیونکہ زمانہ خیر کا تھا۔ اور لوگوں کے دلوں میں آخرت کا خوف تھا اس وجہ سے مزی کو نہ مدعی کی طرف سے ایذا رسانی کو خوف ہوتا اور نہ گواہوں کی جانب سے کوئی برا اندیشہ ہوتا رہا موجودہ زمانہ کا حال تو اس زمانہ میں خفیہ تعدیل پر اکتفا کیا جائے گا کیونکہ علانیہ تعدیل کی صورت میں گواہ اور مدعی، مزی کے ساتھ برسر پیکار اور آمادہ جنگ ہو جائیں گے اور ان میں باہمی عداوت اور دشمنی قائم ہو جائے گی۔ پس اس فتنہ سے بچاؤ کی خاطر خفیہ تعدیل ہی کافی ہو جائے گی۔

حضرت امام محمدؒ سے مروی ہے کہ علانیہ تعدیل اور تزکیہ ایک بلا اور فتنہ ہے بعض مشائخ نے فرمایا کہ تعدیل کرنے والا گواہ کے بارے میں ہو عدل جائز الشہادۃ پر اکتفاء نہ کرے۔ بلکہ حراء کا لفظ کہنا بھی ضروری ہے۔ یعنی یہ کہے کہ یہ گواہ آزاد ہے عادل ہے، جائز الشہادۃ ہے کیونکہ بسا اوقات غلام بھی عادل ہوتا ہے حالانکہ اس کی شہادت معتبر نہیں ہوتی اس لئے گواہ کے آزاد ہونے کی وضاحت کرنا بھی ضروری ہے۔ اور بعض مشائخ نے فرمایا کہ گواہ کے بارے میں ہو عدل کہنا کافی ہے خو اور جائز الشہادۃ کہنا شرط نہیں ہے۔ کیونکہ گواہ کے دارالسلام میں ہونے کی وجہ سے آزاد ہونا ظاہر ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہی قول زیادہ صحیح ہے۔ اسی کے قائل شوافع اور امام احمدؒ ہیں۔ اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ مزی کے لئے گواہ کے بارے میں عادل موصی کہنا ضروری ہے۔ ان دونوں وصفوں میں اسے ایک وصف پر اکتفاء کرنا جائز نہیں۔

مدعی علیہ کے قول کہ گواہ عادل ہیں کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں

قَالَ وَفِي قَوْلِ مَنْ رَأَى أَنْ يَسْأَلَ عَنِ الشُّهُودِ لَمْ يَقْبَلْ قَوْلُ الْخَصْمِ أَنَّهُ عَدْلٌ مَعْنَاهُ قَوْلُ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ أَنَّهُ يَجُوزُ تَرْكِتُهُ لَكِنْ عِنْدَ مُحَمَّدٍ يُصْمُّ تَرْكِتُهُ الْآخِرَ إِلَى تَرْكِتِهِ لِأَنَّ الْعَدَدَ عِنْدَهُ شَرْطٌ وَوَجْهُ الظَّاهِرِ أَنَّ فِي زَعْمِ الْمُدَّعَى وَشُهُودِهِ أَنَّ الْخَصْمَ كَاذِبٌ فِي انْكَارِهِ مُبْطِلٌ فِي إِصْرَارِهِ فَلَا يَصْلُحُ مُعَدِّلاً وَمَوْضُوعُ الْمَسْأَلَةِ إِذَا قَالَ هُمْ عَدُولٌ إِلَّا أَنَّهُمْ أَخْطَاؤُا أَوْ نَسُوا أَمَّا إِذَا قَالَ صَدَقُوا أَوْ هُمْ عَدُولٌ صَدَقَةٌ فَقَدْ اعْتَرَفَ بِالْحَقِّ

ترجمہ..... فرمایا کہ جس کے اجتہاد میں گواہوں کا حال دریافت کرنا ضروری ہے (اس کے قول پر) خصم یعنی مدعی علیہ کا قول کہ گواہ عادل ہے قبول نہ

ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ سے مروی ہے کہ مدعی علیہ کی تعدیل جائز ہے لیکن امام محمدؒ کے نزدیک مدعی علیہ کے تزکیہ کے ساتھ دوسرے کا تزکیہ ملا لیا جائے گا۔ کیونکہ امام محمدؒ کے نزدیک عدد شرط ہے۔ اور ظاہر الروایہ کی وجہ یہ ہے کہ مدعی اور اس کے گواہوں کے گمان میں مدعی علیہ اپنے ان کار میں جھوٹا اور اپنے اصرار میں باطل پر ہے۔ لہذا وہ مرکزی ہونے کے لائق نہ ہوگا۔ اور مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ جب مدعی علیہ نے کہا کہ یہ گواہ عادل ہیں مگر یہ چوک گئے یا بھول گئے۔ لیکن اگر مدعی علیہ نے کہا کہ ان گواہوں نے سچ کہا یا یہ گواہ عادل سچے ہیں تو اس نے حق کا اقرار کر لیا۔

تشریح..... گذشتہ سے پیوستہ تشریح کے تحت ذکر کیا گیا کہ اگر مدعی علیہ، مدعی کے گواہوں پر طعن نہ کرے تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک گواہوں کی ظاہری عدالت پر اکتفاء کیا جائے گا۔ ان کی تعدیل اور ان کا حال دریافت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک اس صورت میں بھی گواہوں کی تعدیل اور ان کا حال دریافت کرنا ضروری ہے۔ پس صاحبینؒ کے قول پر تفریع بیان کرتے ہوئے کہا کہ اگر مدعی علیہ نے مدعی کے گواہوں کے بارے میں کہا کہ یہ گواہ عادل ہیں تو ظاہر الروایہ کے مطابق مدعی علیہ کا یہ قول یعنی مدعی علیہ کا گواہوں کی تعدیل کرنا مقبول اور معتبر نہ ہوگا۔ اور نوادر میں صاحبینؒ سے مروی ہے کہ مدعی علیہ کی تعدیل کافی ہے یعنی اگر مدعی علیہ نے مدعی کے گواہوں کے بارے میں کہا کہ یہ گواہ عادل ہیں تو مدعی علیہ کا یہ قول معتبر ہوگا اور ان کی گواہی پر فیصلہ کر دیا جائے گا لیکن امام محمدؒ کے نزدیک مدعی علیہ کی تعدیل کے ساتھ دوسرا تعدیل کرنے والا ملا لیا جائے گا یعنی مدعی علیہ کی تعدیل کے ساتھ ایک دوسرے آدمی کا تعدیل کرنا بھی ضروری ہے۔ کیونکہ حضرت امام محمدؒ کے نزدیک تعدیل میں کم از کم دو مزکیوں اور معدلوں (تعدیل کرنیوالوں) کا ہونا شرط ہے۔ یہ واضح رہے کہ صاحبینؒ کے نزدیک مدعی علیہ کی تعدیل اُسی وقت معتبر ہوگی جب کی مدعی علیہ خود عادل ہو۔ کیونکہ مقید مرکزی (تعدیل کرنے والے) کا عادل ہونا سب کے نزدیک شرط ہے۔ چنانچہ اگر مدعی علیہ فاسق ہو یا اس کا حال پوشیدہ ہو اور مدعی علیہ کے دعویٰ کا ان کا رنہ کیا ہو بلکہ سکوت کیا ہو پھر مدعی کے گواہوں کے بارے میں کہا کہ یہ گواہ عادل ہیں تو مدعی علیہ کی یہ تعدیل درست اور معتبر نہ ہوگی۔ ظاہر الروایہ کی وجہ یہ ہے کہ مدعی اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے گواہ اس وقت پیش کرتا ہے جب مدعی علیہ، مدعی کے دعویٰ کا ان کا رکتا ہو اور اپنے ان کار پر جمار ہے۔ اور مدعی اس کو دعویٰ کا ان کار میں جھوٹا اور باطل پر سمجھتا ہو۔ پس مدعی اور اس کے گواہوں کے اعتقاد میں مدعی علیہ اپنے ان کار میں جھوٹا اور اپنی ہٹ کرنے میں باطل پر ہوگا۔ اور جب مدعی علیہ، مدعی اور اس کے گواہوں کے اعتقاد میں جھوٹا اور باطل پر ہے اور جو شخص جھوٹا اور باطل پر ہو وہ عادل نہیں ہو سکتا تو مدعی علیہ معدل اور مرکزی بننے کے لائق نہ ہوگا۔ کیونکہ مرکزی کے لئے عادل ہونا بالاتفاق شرط ہے۔

و موضوع المسألة..... الخ سے ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال..... یہ ہے کہ مدعی علیہ کا گواہوں کی تعدیل کرنا درحقیقت اپنے اوپر مدعی کے حق کا اقرار کرنا ہے اور مقرر کا عادل ہونا بالاتفاق شرط نہیں ہے لہذا فاسق ہونے کے باوجود مدعی علیہ کی تعدیل مقبول ہونی چاہئے۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ جب مدعی علیہ نے کہا کہ یہ گواہ عادل ہیں لیکن یہ چوک گئے یا بھول گئے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ اس طرح کا کلام کسی حق کا اقرار نہیں ہوتا یعنی مدعی علیہ کے اس کلام کو مدعی کے حق کا اقرار نہیں کہا جاسکتا ہے بلکہ یہ گواہوں کی تعدیل ہے اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کی تعدیل کرنے والے کا عادل ہونا شرط ہے۔ لہذا مدعی علیہ، جو مدعی کے گواہوں کی تعدیل کرنے والا ہے اس کا عادل ہونا بھی شرط ہے۔ حالانکہ مدعی علیہ، مدعی اور گواہوں کے اعتقاد میں دعویٰ کا ان کار کرنے کی وجہ سے جھوٹا اور غیر عادل ہے۔ پس جب مدعی علیہ جھوٹا اور غیر عادل ہے تو اس کا مدعی کے گواہوں کی تعدیل کرنا بھی مقبول اور معتبر نہ ہوگا۔ ہاں اگر مدعی علیہ نے کہا کہ مدعی کے گواہ سچے ہیں یا کہا کہ عادل سچے ہیں تو گویا مدعی علیہ نے اپنے اوپر مدعی کے حق کا اقرار کر لیا اور جب مدعی علیہ نے مدعی کے حق کا اقرار کر لیا تو قاضی، مدعی علیہ کے اقرار کرنے کی وجہ سے فیصلہ کرے گا نہ کہ گواہوں کی گواہی کی وجہ سے۔

مزکی شہود کی تعداد، اقوال فقہاء

قَالَ وَإِذَا كَانَ رَسُولُ الْقَاضِي الَّذِي يُسْأَلُ عَنِ الشُّهُودِ وَاحِدًا جَازًا وَالْإِثْنَانِ أَفْضَلَ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَا يَجُوزُ إِلَّا إِثْنَانٌ وَالْمُرَادُ مِنْهُ الْمَرْكَبُ وَعَلَى هَذَا الْخِلَافِ رَسُولُ الْقَاضِي إِلَى الْمَرْكَبِ وَالْمُتَرَجِّمُ عَنِ الشَّاهِدِ لَهُ أَنَّ التَّرْكِيبَ فِي مَعْنَى الشَّهَادَةِ لِأَنَّ وَلَايَةَ الْقَضَاءِ تُبْتَنَى عَلَى ظُهُورِ الْعَدَالَةِ وَهُوَ بِالتَّرْكِيبِ فَيُشْتَرَطُ فِيهِ الْعَدَدُ كَمَا يُشْتَرَطُ الْعَدَالَةُ فِيهِ وَتُشْتَرَطُ الذِّكُورَةُ فِي الْمَذَكِّي فِي الْحُدُودِ وَالْقَصَاصِ وَلَهُمَا أَنَّهُ لَيْسَ فِي مَعْنَى الشَّهَادَةِ وَلِهَذَا لَا يُشْتَرَطُ فِيهِ لَفْظَةُ الشَّهَادَةِ وَمَجْلِسُ الْقَضَاءِ وَاشْتِرَاطُ الْعَدَدِ أَمْرٌ حُكْمِيٌّ فِي الشَّهَادَةِ فَلَا يَتَعَدَّاهَا

ترجمہ..... اور جب قاضی کا ایسا قاصد (مزکی) جس سے گواہوں کا حال دریافت کیا جائیگا۔ ایک ہو تو جائز ہے اور دو افضل ہیں اور یہ ابوحنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک ہے اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ جائز نہیں مگر دو اور اس سے مراد مزکی ہے اور اسی اختلاف پر قاضی کا اپنی ہے جو مزکی کے پاس بھیجا ہے۔ اور گواہ کا بیان ترجمہ کر نیوالے میں ہے۔ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ تعدیل کرنا گواہی کے معنی میں ہے۔ اس لئے کہ ولایت قضاء، عدالت ظاہر ہونے پر مبنی ہے اور ظہور عدالت چونکہ تزکیہ اور تعدیل سے ہوتا ہے اس لئے تعدیل میں عدد شرط ہوگا جیسا کہ اس میں عدالت شرط ہے اور (جیسے) حدود و قصاص کے گواہوں کی تعدیل کر نیوالے کا ذکر ہونا شرط ہے۔ اور شیخینؒ کی دلیل یہ ہے کہ تزکیہ، شہادت کے معنی میں نہیں ہے۔ اسی وجہ سے تزکیہ میں لفظ شہادت اور مجلس قضاء شرط نہیں ہے۔ اور شہادت میں عدد کا شرط ہونا ایک امر حکمی ہے۔ لہذا وہ شہادت سے متجاوز نہ ہوگا۔

تشریح..... بدر الدین عینی، علامہ ابن الہمام اور صاحب عنایہ نے فرمایا ہے کہ متن میں لفظ یُسْأَلُ مجہول کا صیغہ ہے۔ اور الذی یُسْأَلُ عَنِ الشُّهُودِ رسول کی صفت اور اس کی تفسیر ہے۔ معنی ہوں گے قاضی کا ایسا قاصد جس سے گواہوں کے بارے میں دریافت کیا جائے گا۔ اور جس سے گواہوں کے بارے میں دریافت کیا جاتا ہے۔ وہ مزکی اور معدل کہلاتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ متن میں رسول سے مراد وہ مزکی ہے جس سے قاضی گواہوں کا حال دریافت کرے گا۔ اب حاصل مسئلہ یہ ہوگا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تزکیہ میں ایک شخص کا ہونا کافی ہے۔ یعنی اگر گواہوں کا حال دریافت کرنے کے لئے قاضی نے ایک شخص کو مزکی مقرر کیا ہو تو جائز ہے۔ مگر دو کا ہونا افضل ہے۔ اسی طرح اگر قاضی نے مزکی کی طرف ایک شخص کو قاصد بنا کر بھیجا یا مزکی نے قاضی کی طرف ایک شخص کو قاصد بنا کر بھیجا تو جائز ہے۔ اور اسی طرح گواہ کے بیان کا ترجمہ کرنے والا اگر ایک آدمی ہو تو جائز ہے۔ یعنی جس طرح تزکیہ اور تعدیل کرنے کے لئے ایک شخص کا ہونا کافی ہے دو کا ہونا ضروری نہیں ہے۔ اسی طرح قاضی سے مزکی کی طرف اور مزکی سے قاضی کی طرف پیغام رسانی کے لئے اور گواہ کے بیان کا ترجمہ کرنے کے لئے دو شخصوں کا ہونا ضروری ہے۔ یہی امام شافعیؒ کا قول ہے۔ اسی کے قائل امام مالکؒ ہیں۔ اور امام احمدؒ کی ایک روایت بھی یہ ہے۔ حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ تزکیہ اور پیغام رسانی اور گواہ کے بیان کا ترجمہ کرنے کے لئے دو شخصوں کا ہونا ضروری ہے۔ یہی امام شافعیؒ کا قول ہے اور امام احمدؒ کی ایک روایت بھی یہی ہے۔

امام محمدؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ تزکیہ اور تعدیل کرنا شہادت کے معنی میں ہے کیونکہ قاضی کی ولایت، گواہوں کی عدالت ظاہر ہونے پر موقوف ہے یعنی جب گواہوں کی عدالت ظاہر ہو جائیگی، تب قاضی قضاء اور فیصلہ کرنے کا مجاز ہوگا۔ اور گواہوں کی عدالت کا ظاہر ہونا تزکیہ اور تعدیل پر موقوف ہے یعنی گواہوں کا عادل ہونا اس وقت ظاہر ہوگا جب مزکی ان کی تعدیل اور تزکیہ کرے گا۔ پس جب ولایت قضاء، عدالت ظاہر ہونے پر موقوف ہوئی اور گواہوں کی عدالت کا ظاہر ہونا، تزکیہ پر موقوف ہوا تو نتیجہ کے طور پر ثابت ہوا کہ ولایت قضاء، تزکیہ اور تعدیل پر موقوف ہے اور ولایت قضاء مستفاد ہے ولایت شہادت سے یعنی قاضی بننے کا اہل وہی شخص ہوگا جو شہادت کا اہل ہوتا ہے۔ پس جب ولایت قضاء تزکیہ پر موقوف ہے تو ولایت

شہادت بھی تزکیہ پر موقوف ہوگی، یعنی گواہ گواہی دینے کے اہل اسی وقت قرار پائیں گے جب مزکی ان کے عادل ہوئی شہادت دیگا اور جب گواہوں کا گواہی دینا اسپر موقوف ہے کہ مزکی گواہوں کے عادل ہونے کی شہادت دے تو مزکی کا تزکیہ، شہادت کے ہم معنی ہوا اور جب تزکیہ شہادت کے معنی میں ہوا تو تزکیہ کے لئے وہی شرطیں ہوں گی جو شرطیں شہادت کے لئے ہیں۔

اور شہادت میں جس طرح گواہوں کا عادل ہونا شرط ہے اسی طرح گواہوں کا کم از کم دو ہونا بھی شرط ہے پس جب گواہوں کا شہادت میں کم از کم دو ہونا شرط ہے تو تزکیہ جو شہادت کے ہم معنی ہے اس میں بھی کم از کم دو مزکیوں کا ہونا شرط ہوگا یہی وجہ ہے کہ حدود و قصاص میں چونکہ گواہوں کا مذکر ہونا شرط ہے تو ائمہ اربعہ کا اسپر اتفاق ہے کہ حدود و قصاص کے گواہوں کے تزکیہ اور تعدیل کرنے والوں کا بھی مذکر ہونا شرط ہے۔ حد زنا میں چونکہ گواہوں کا چار ہونا ضروری ہے تو ان کے مزکیوں کا بھی چار ہونا ضروری ہوگا۔

شیخین کی دلیل..... ہے کہ تزکیہ، شہادت کے معنی میں نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ تزکیہ میں نہ لفظ شہادت شرط ہے اور نہ مجلس قضاء شرط ہے حالانکہ یہ دونوں باتیں شہادت میں شرط ہیں پس جب تزکیہ شہادت کے معنی میں نہیں تو تزکیہ میں وہ چیزیں بھی شرط نہ ہوں گی جو شہادت میں شرط ہیں اور اگر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ تزکیہ میں اتنی چیزیں شرط ہیں جو شہادت میں شرط ہیں تو مزکیوں کا دو ہونا تب بھی ثابت نہ ہوگا۔ کیونکہ شہادت میں عدد یعنی دو ہونے کی شرط خلاف قیاس، نص و استشہاد و اشہدین من رجالکم سے ثابت ہے ورنہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ شہادت میں عدد دو کا ہونا شرط نہ ہو کیوں کہ گواہ اگر ایک کے بجائے دو ہوں تو کذب کا احتمال تب بھی رہتا ہے۔ اس لئے کہ کذب کا بالکل انقطاع تو اترا سے ہوتا ہے اور ربا صدق کا راجح ہونا تو وہ عدالت سے ہو جاتا ہے جیسے روایت حدیث میں ایک عادل آدمی کی حدیث بھی قبول کی جاتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ رجحان صدق عدد سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ عدالت سے ثابت ہوتا ہے۔ حاصل یہ کہ یقین تو اترا سے حاصل ہوتا ہے اور عمل ایک عادل کی خبر سے ثابت ہو جاتا ہے پس دو کے عدد سے نہ تو یقین حاصل ہوتا ہے اور نہ عمل کرنا ثابت ہوتا ہے پس ثابت ہوا کہ قیاس، شہادت میں دو کے عدد کا تقاضہ نہیں کرتا ہے بلکہ دو کا عدد شہادت میں خلاف قیاس نص سے ثابت ہے اور قاعدہ ہے کہ جو چیز نص سے خلاف قیاس ثابت ہو وہ دوسرے کی طرف متعدی اور تجاوز نہیں ہوتی پس عدد یعنی دو کا ہونا شہادت سے تزکیہ کی طرف متعدی اور تجاوز نہیں ہوگا اور تزکیہ میں عدد یعنی دو مزکیوں کا ہونا شرط نہ ہوگا۔

خفیہ اور اعلانیہ تزکیہ میں مزکی بھی اہلیت شہادت شرط ہے یا نہیں

وَلَا يُشْتَرَطُ أَهْلِيَّةُ الشَّهَادَةِ فِي الْمَزَكِيِّ فِي تَزْكِيَةِ السَّرِّ حَتَّى صَلَحَ الْعَبْدُ مُزَكِّيًّا فَأَمَّا فِي تَزْكِيَةِ الْعَلَانِيَةِ فَهُوَ شَرْطٌ وَكَذَا الْعَدُّ بِالْإِجْمَاعِ عَلَى مَا قَالَهُ الْخَصَّافُ لِاخْتِصَاصِهَا بِمَجْلِسِ الْقَضَاءِ قَالُوا يُشْتَرَطُ الْأَرْبَعَةُ فِي تَزْكِيَةِ شُهُودِ الزَّانَاءِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ.

ترجمہ..... اور خفیہ تزکیہ میں مزکی کے اندر شہادت کی اہلیت کا ہونا شرط نہیں ہے حتیٰ کہ غلام کا مزکی ہونا جائز ہے۔ بہر حال تزکیہ علانیہ میں تو یہ شرط ہے اور ایسے ہی بالا جماع عدد شرط ہے اس بناء پر جس کو خصاف نے کہا ہے کیونکہ علانیہ تعدیل مجلس قضاء کیسا تھ مختص ہے۔ اور مشائخ نے فرمایا کہ امام محمدؒ کے نزدیک زنا کے گواہوں کی تعدیل کرنے میں چار مردوں کا ہونا شرط ہے۔

تشریح..... صاحب قدوری نے فرمایا کہ خفیہ تعدیل و تزکیہ کی صورت میں مزکی کا شہادت کی اہلیت رکھنا شرط نہیں ہے یعنی جس شخص کو مزکی مقرر کیا گیا ہے اس کا اہل شہادت میں سے ہونا شرط نہیں ہے اگرچہ عادل ہونا شرط ہے چنانچہ غلام کا مزکی ہونا جائز ہے پس اگر قاضی نے غلام کو خود اس کے مولیٰ یا دوسرے کسی آدمی کا تزکیہ اور تعدیل کرنے کے لئے مزکی مقرر کیا تو جائز ہے اسی طرح اگر باپ کو خود اس کے بیٹے کا تزکیہ کرنے کے لئے یا بیٹے کو خود اس کے باپ کا تزکیہ کرنے کے لئے مزکی مقرر کیا تو جائز ہے حالانکہ غلام کا اپنے مولیٰ کے حق میں اور باپ کا اپنے بیٹے کے حق میں اور بیٹے

کا اپنے باپ کے حق میں شہادت دینا جائز نہیں ہے۔ البتہ تزکیہ علانیہ کی صورت میں مزی کا اہل شہادت میں سے ہونا شرط ہے۔ اسی طرح علانیہ طور پر تزکیہ کر نیوالوں کا بقول امام خفاف کے بالا جماع دو ہونا شرط ہے۔ کیونکہ علانیہ تزکیہ اور تعدیل مجلس قضا کے ساتھ خاص ہے۔ اور مجلس قضا کے ساتھ تخص ہونا اس بات کی علامت ہے کہ علانیہ تعدیل، شہادت کے معنی میں ہے اور جب علانیہ تعدیل شہادت کے معنی میں ہے تو شہادت کی طرح تزکیہ میں بھی عدد شرط ہوگا۔ یعنی کم از کم دو مزیوں کا ہونا شرط ہوگا۔ اور دونوں مزیوں کا شہادت کا اہل ہونا بھی ضروری ہوگا۔

اعتراض یہاں ایک اعتراض ہے وہ یہ کہ علانیہ تزکیہ میں عدد (دو) کا شرط ہونا خفیہ تزکیہ میں عدد شرط نہ ہونے کے منافی ہے۔ یعنی علانیہ تزکیہ میں عدد کا شرط ہونا اور خفیہ تزکیہ میں عدد کا شرط نہ ہونا ان دونوں میں منافات ہے کیونکہ جو شخص خفیہ تزکیہ میں مزی ہوتا ہے وہی علانیہ طور پر مزی ہوگا پس جب خفیہ تزکیہ میں عدد شرط نہیں ہے تو علانیہ تزکیہ میں عدد کس طرح شرط ہوگا۔ یا جب علانیہ تزکیہ میں عدد شرط ہے تو خفیہ تزکیہ میں بھی عدد شرط ہونا چاہئے۔

جواب اس کا جواب یہ ہے کہ امام خفافؒ کے نزدیک یہ شرط ہے کہ خفیہ مزی کا علانیہ مزی کا غیر ہوتا ہے یعنی جو خفیہ مزی ہوگا وہ علانیہ مزی نہیں ہوگا۔ اور جو علانیہ مزی ہوگا وہ خفیہ مزی نہیں ہوگا اور جب یہ بات ہے تو ممکن ہے کہ علانیہ تزکیہ میں عدد شرط ہو اور خفیہ تزکیہ میں عدد شرط نہ ہو۔ اور ہمارے نزدیک جو شخص خفیہ تزکیہ و تعدیل کرتا ہے وہی شخص چونکہ علانیہ بھی تزکیہ کرے گا۔ اس لئے عدد (دو) کا ہونا نہ خفیہ تزکیہ میں شرط ہے اور نہ علانیہ تزکیہ میں شرط ہوگا۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ امام محمدؒ نے چونکہ عدد کے حق میں تزکیہ کو شہادت پر قیاس کیا ہے اس لئے مشارح نے فرمایا کہ امام محمدؒ کے نزدیک زنا کے گواہوں کا تزکیہ اور تعدیل کرنے کے لئے چار مزیوں کا ہونا شرط ہے۔ یعنی جس طرح زنا ثابت کرنے کے لئے چار گواہوں کا ہونا ضروری ہے اسی طرح ان کا تزکیہ اور تعدیل کرنے کے لئے بھی چار مزیوں کا ہونا ضروری ہوگا۔ جمیل احمد غفری عنہ

گواہی اور ادائے گواہی کا بیان گواہی کی پہلی قسم، گواہی خود بخود کب ثابت ہو جاتی ہے

فَصْلٌ وَمَا يَتَحَمَّلُهُ الشَّاهِدُ عَلَى ضَرَبَيْنِ أَحَدُهُمَا مَا يَثْبُتُ حُكْمُهُ بِنَفْسِهِ مِثْلُ الْبَيْعِ وَالْإِقْرَارِ وَالْغَضَبِ وَالْقَتْلِ وَحُكْمُ الْحَاكِمِ فَإِذَا سَمِعَ ذَلِكَ الشَّاهِدُ أَوْ رَأَاهُ وَسِعَهُ أَنْ يَشْهَدَ وَإِنْ لَمْ يَشْهَدْ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ عَلِمَ مَا هُوَ الْمُوجِبُ بِنَفْسِهِ وَهُوَ الرُّكْنُ فِي إِطْلَاقِ الْأَدَاءِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى إِلَّا مَنْ شَهِدَ بِالْحَقِّ وَهُمْ يَعْلَمُونَ وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا عِلِمَتْ مِثْلُ الشَّمْسِ فَاشْهَدُوا إِلَّا قَدْ ع

ترجمہ گواہ جس کی گواہی اٹھاتا ہے دو قسم پر ہے۔ اُن میں سے ایک وہ جس کا حکم بذات خود ثابت ہو جاتا ہے جیسے بیع، اقرار، غصب، قتل اور حاکم کا حکم پس جب اس کو گواہ نے سنایا دیکھا تو اس کے لئے جائز ہے کہ وہ گواہی دے اگرچہ وہ اس معاملہ پر گواہ نہ بنایا گیا ہو۔ کیونکہ گواہ کو وہ چیز معلوم ہو گئی ہے جو بذات خود موجب ہے، اور جاننا ادائے شہادت کے جائز ہونے میں رکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سوائے اس کے جو حق کے ساتھ گواہی دے درانحالیکہ لوگ اس کو جانتے ہوں۔ اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب تو آفتاب کے مانند اس کو جان لے تو گواہی دے ورنہ چھوڑ دے۔

تشریح مصنفؒ مراتب شہادت کے بیان سے فراغت کے بعد اب ان چیزوں کے انواع اور اقسام کو ذکر کریں گے جن کی گواہی کو گواہ اٹھاتا ہے یعنی جن چیزوں کا گواہ بنتا ہے۔ چنانچہ گواہ جن چیزوں کا گواہ بن سکتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن کا حکم بذات خود ثابت ہو جاتا ہے ان میں گواہ بنانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ جیسے بیع، اقرار، غصب، قتل حاکم کا حکم۔ پس جب گواہ نے کسی مسموع چیز کو سنا جیسے بیع، اقرار، حاکم کا حکم یا کسی مبصر (جس کا تعلق دیکھنے سے ہو) چیز کو دیکھا مثلاً غصب اور قتل تو گواہ کے لئے محض سکر یا محض دیکھ کر گواہی دینا جائز ہے۔ اگرچہ اس کو گواہ نہ بنایا گیا ہو کیونکہ گواہ کو سکر یا دیکھ کر اس چیز کا علم ہو گیا ہے جو چیز بذات خود موجب ہے۔ تو اس کے لئے شہادت اداء کرنا جائز ہو جاتا ہے اس لئے کہ علم (جاننا) جو ادائے شہادت کے جواز کا رکن ہے وہ پایا گیا۔ اور علم ادائے شہادت کے جواز کا رکن اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے الا من شہد

بالحق وہم یعلمون یعنی جو لوگ حق کو جان کر حق کی گواہی دیتے ہیں اس آیت سے معلوم ہوا کہ گواہی کے لئے علم (جاننا) ضروری ہے اور رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے اذا علمت مثل الشمس فاشہدوا لا فذع یعنی جب تو آفتاب کے مانند اس کو جان لئے تو گواہی دے ورنہ چھوڑ دے حاصل یہ کہ جب کسی کو کسی چیز کے بارے میں یقینی علم حاصل ہو جائے تو اس کے لئے گواہی دینا جائز ہے اور اگر علم نہ ہو تو گواہی دینا جائز نہیں ہے۔ بہر حال اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ گواہی کے لئے اس چیز کا جاننا ضروری ہے جس کی گواہی دی جائے گی۔

اعتراض..... اس جگہ ایک اشکال ہے۔ وہ یہ کہ صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ ادائے شہادت کے جواز کے لئے علم (جاننا) رکن ہے۔ حالانکہ آیت اور روایت دونوں علم کے شرط ہونے پر دلالت کرتے ہیں اور رکن ہونے پر دلالت نہیں کرتے اس طور پر کہ آیت میں وہم یعلمون، حال ہے اور حال شرط ہوتا ہے۔ اور حدیث میں لفظ اذا جو علم پر داخل ہے وہ شرط کے لئے موضوع ہے۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ رکن مجاز استعمال کیا گیا ہے ورنہ صاحب ہدایہ کی مراد بھی لفظ رکن سے شرط ہی ہے اور شرط کو لفظ رکن کے ساتھ اس لئے تعبیر کیا گیا تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ادائے شہادت کو علم کی طرف شدت احتیاج ہے۔

پہلی قسم میں گواہ اشہد کے لفظ سے گواہی دے گا اشہدنی نہیں کہے گا

قَالَ وَيَقُولُ أَشْهَدُ أَنَّهُ بَاعَ وَلَا يَقُولُ أَشْهَدُنِي لِأَنَّهُ كَذَبَ وَلَوْ سَمِعَ مِنْ وَرَاءِ الْحِجَابِ لَا يَجُوزُ لَهُ أَنْ يَشْهَدَ وَلَوْ فُسِّرَ لِلْقَاضِي لَا يَقْبَلُهُ لِأَنَّ النُّعْمَةَ تُشَبِّهُ النُّعْمَةَ فَلَمْ يَحْصُلِ الْعِلْمُ إِلَّا إِذَا كَانَ دَخَلَ الْبَيْتَ وَعَلِمَ أَنَّهُ لَيْسَ فِيهِ أَحَدٌ سِوَاهُ ثُمَّ جَلَسَ عَلَى الْبَابِ وَلَيْسَ فِي الْبَيْتِ مَسْلُكٌ غَيْرُهُ فَسَمِعَ إِقْرَارَ الدَّاحِلِ وَلَا يَرَاهُ لَهُ أَنْ يَشْهَدَ لِأَنَّهُ حَصَلَ الْعِلْمُ فِي هَذِهِ الصُّورَةِ

ترجمہ..... صاحب قدوری نے فرمایا کہ یہ گواہ یوں کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس نے فروخت کیا اور یوں نہ کہے کہ اس نے مجھے گواہ بنایا اس لئے کہ یہ جھوٹ ہے۔ اور اگر اس نے پردہ کے پیچھے سے سنا ہو تو اس کے لئے گواہی دینا جائز نہیں ہے۔ اور اگر اس نے قاضی سے تفسیر کر دی تو قاضی اس کو قبول نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ ایک آواز دوسری آواز کے مشابہ ہوتی ہے۔ لہذا علم حاصل نہ ہوگا۔ مگر جبکہ گواہ مکان میں داخل ہوا اور گواہ کو یہ معلوم ہو گیا کہ مکان میں داخل ہونے والے مدعی علیہ نے سوا کوئی اور نہیں ہے۔ پھر گواہ دروازہ پر بیٹھ گیا۔ اور مکان میں جانے کا اس دروازے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ پھر گواہ نے اندر والے آدمی کا اقرار سنا حالانکہ گواہ اس کو نہیں دیکھتا ہے۔ تو گواہ کے لئے اسکی گواہی دینا جائز ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں علم حاصل ہو گیا ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے دوسرے شخص سے ایسی بات سنی جو مسموعات کے قبیلہ سے ہے مثلاً بیچنا خریدنا یا اقرار کرنا، سنا، اور اس کو کسی کی نے اس پر گواہ بھی نہیں بنایا لیکن گواہی کی ضرورت پڑی تو یہ گواہ (سننے والا) گواہی دیتے وقت یوں کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس نے فروخت کیا ہے یا اس نے خرید کیا ہے یا فلاں کے لئے اپنے اوپر اتنی رقم کا اقرار کیا ہے اور یوں نہ کہے کہ اس نے مجھ کو گواہ بنایا ہے کیونکہ یہ بالکل جھوٹ ہے اور جھوٹ اس لئے ہے کہ اس کو کسی نے گواہ نہیں بنایا ہے جبکہ مدعی علیہ کا کلام منکر یہ خود ہی گواہ بنا ہے اور اگر کسی نے پردہ کے پیچھے سے سنا ہو مثلاً اس کو آواز آئی کہ مکان کے اندر ایک نے کہا کہ میں نے بیچا اور دوسرے نے کہا کہ میں نے خریدا تو گواہ کے لئے جائز نہیں کہ وہ کسی خاص آدمی پر بائع یا مشتری ہونے کی گواہی دے اور اگر اس نے قاضی کے سامنے اس بات کی وضاحت کر دی کہ میں نے پردہ کے پیچھے سے سن کر گواہی دی ہے تو قاضی اس کی گواہی کو قبول نہیں کریگا کیوں کہ آوازیں آپس میں ایک دوسرے کی مشابہ ہوتی ہیں۔ یعنی محض آواز منکر یہ امتیاز نہیں کیا جاسکتا کہ بولنے والا کون ہے بلکہ تکلم مشتبہ ہو جاتا ہے اور مشتبہ چیز علم کا فائدہ نہیں دیتی ہے حالانکہ ادائے شہادت کے لئے گواہ کو اس چیز کا علم ہونا ضروری

ہے۔ جس کے بارے میں وہ گواہی دیکھا پس جب پردہ کے پیچھے سے سکر یقینی علم حاصل نہیں ہوتا تو پردہ کے پیچھے سے سکر گواہی دینا بھی جائز نہ ہوگا۔ ہاں اگر گواہ کمرہ میں داخل ہوا اور اس کو معلوم ہو گیا کہ کمرے میں سوائے مدعی علیہ کے کوئی نہیں ہے پھر گواہ خود کمرے کے دروازے پر بیٹھ گیا اور اس کمرے میں اس دروازے کے علاوہ آمد و رفت کا کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں پھر گواہ نے اندر والے آدمی (مدعی علیہ) کا اقرار سنا حالانکہ گواہ اسکو نہیں دیکھتا ہے مثلاً اس نے اندر سے اقرار کیا کہ میں نے اپنا غلام خالد حامد بن شاہد کے ہاتھ فروخت کیا یا اس نے اندر سے حامد کے لئے ایک ہزار درہم کا اقرار کیا اور گواہوں نے اس کو دیکھا نہیں تو بھی گواہ کو اس کی گواہی دینا جائز ہے کیونکہ اس صورت میں گواہ کو یقینی علم حاصل ہو گیا ہے اور جب گواہ کو یقینی علم حاصل ہو گیا تو گواہی کی شرط پائے جانے کی وجہ سے اس کی گواہی بھی قبول کی جائے گی۔

دوسری قسم..... گواہی کا خود بخود ثابت نہ ہونا

وَمِنْهُ مَا لَا يَثْبُتُ حُكْمُهُ بِنَفْسِهِ مِثْلُ الشَّهَادَةِ عَلَى الشَّهَادَةِ فَإِذَا سَمِعَ شَاهِدًا يَشْهَدُ بِشَيْءٍ لَمْ يُجْزَلْهُ أَنْ يَشْهَدَ عَلَى شَهَادَتِهِ إِلَّا أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْهَا لِأَنَّ الشَّهَادَةَ غَيْرُ مُوجِبَةٍ بِنَفْسِهَا وَإِنَّمَا تَصِيرُ مُوجِبَةً بِالنَّقْلِ إِلَى مَجْلِسِ الْقَضَاءِ فَلَا بُدَّ مِنَ الْإِنَابَةِ وَالتَّحْمِيلِ وَلَمْ يُوجَدْ وَكَذَا لَوْ سَمِعَهُ يَشْهَدُ الشَّاهِدُ عَلَى شَهَادَتِهِ لَمْ يَسْغَ لِلْسَامِعِ أَنْ يَشْهَدَ لِأَنَّهُ مَا حَمَلَهُ وَإِنَّمَا حَمَلَ غَيْرَهُ

ترجمہ..... اور ان میں سے ایک قسم وہ ہے جس کا حکم بذات خود ثابت نہ ہو جیسے گواہی پر گواہی دینا۔ پس جب کسی نے گواہ کو سنا کہ وہ کسی چیز کی گواہی دیتا ہے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس کی گواہی پر گواہی دے۔ مگر یہ کہ وہ اس کو اپنی گواہی پر گواہ بنا دے اس لئے کہ شہادت بذات خود موجب نہیں بلکہ وہ قاضی کی مجلس کی طرف منتقل کرنے سے موجب ہوتی ہے۔ پس ضروری ہے کہ (اصل گواہ) اس کو اپنا نائب بنائے اور اس پر گواہی کا بوجھ رکھے۔ حالانکہ ان میں سے کچھ نہیں پایا گیا اور اسی طرح اگر کسی نے اصل گواہ کو سنا کہ وہ شاہد فرغ کو اپنی گواہی پر گواہ بنا رہا ہے تو سننے والے کے لئے گواہی دینا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ اصل گواہ نے سامع پر گواہی کا بوجھ نہیں رکھا بلکہ اس کے علاوہ پر رکھا ہے۔

تشریح..... مذکورہ دو قسموں میں سے دوسری قسم وہ ہے جس کا حکم بذات خود ثابت نہ ہو بلکہ اس میں گواہ بنانے کی ضرورت پڑتی ہو۔ جیسے شہادت علی الشہادت کہ جب تک اصلی گواہ کسی کو اپنی گواہی پر گواہ نہ بنائیں اس وقت تک شاہد فرغ کے لئے گواہی دینے کا حکم ثابت نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر کسی نے مثلاً زید نے گواہ کو مثلاً بکر کو مجلس قاضی کے علاوہ میں سنا کہ بکر اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ خالد کے حامد پر ایک ہزار درہم قرض ہیں تو شاہد فرغ یعنی زید کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ خالد کے حامد پر ایک ہزار درہم قرضہ ہونے کی گواہی دے۔ ہاں اگر شاہد اصل یعنی بکر اس کو اپنی گواہی پر گواہ بنا دے تو اس شاہد فرغ یعنی زید کے لئے گواہی دینا جائز ہے۔

دلیل..... اس کی دلیل یہ ہے کہ اصول کی شہادت بذات خود حکم واجب نہیں کرتی ہے۔ چنانچہ بکر کے محض گواہ ہونے سے حامد پر قرض واجب نہیں ہوتا بلکہ اصول (اصلی گواہوں) کی شہادت اس وقت حکم واجب کرتی ہے جب اصول اپنی شہادت قاضی کی مجلس میں منتقل کر دیں۔ بہر حال اصل کی شہادت بذات خود موجب حکم نہیں ہے۔ پس جب اصول کی شہادت بذات خود موجب حکم نہیں ہے بلکہ موجب حکم بنانے کے لئے اس کو قاضی کی مجلس میں نقل کرنا ضروری ہے تو اصول (اصل گواہوں) کے لئے ضروری ہے کہ وہ فروغ پر شہادت کا بوجھ رکھیں اور ادائے شہادت میں ان کو اپنا نائب مقرر کریں تاکہ فروغ، اصول کی شہادت کو قاضی کی مجلس میں منتقل کر سکیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ فروغ کا گواہی دینا اصول کے حق میں تصرف کرنا ہے اس طور پر کہ مشہود علیہ (مدعی علیہ) کے خلاف قول نافذ ہونے میں اصول کو ولایت حاصل تھی۔ یعنی اصول کو یہ ولایت حاصل تھی کہ وہ اپنا قول (گواہی) مشہود علیہ کے خلاف نافذ کر دیں۔ مگر جب فروغ نے اصول کی طرف سے گواہی نقل کی تو گویا فروغ نے اصول کی اس ولایت کو

زائل کر دیا جو ولایت اصول کے لئے ثابت تھی۔ اور یہ بات مسلم ہے کہ کسی کو کسی کی ولایت اور حق بغیر اس کی رضا مندی کے زائل کرنا جائز نہیں ہے لہذا شہود فرغ کی شہادت کے لئے بھی اصول کی رضا مندی ضروری ہوگی۔ اور اصول کی رضا مندی یہ ہے کہ اصول، فروع کو اپنی طرف سے شاہد اور نائب مقرر کر دیں۔ پس متن کے مسئلہ مفروضہ میں چونکہ اصول کی طرف سے فروع پر شہادت کا جو جھ رکھنا (شاہد بنانا) پایا گیا اور نہ نائب مقرر کرنا پایا گیا اس لئے فروع کا محض اصول کی گواہی سنا کر گواہی دینا جائز نہ ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی نے حقیقی اور اصلی گواہ سنا کہ وہ اپنی گواہی پر کسی کو گواہ کرتا ہے تو سامع (سننے والے کو) اصلی گواہ کی گواہی پر گواہی دینا جائز نہیں ہے۔ مثلاً حامد نے سنا کہ خالد (اصلی گواہ) اپنی گواہی پر شاہد کو گواہ کرتا ہے تو سامع یعنی حامد کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ خالد (اصلی گواہ) کی گواہی پر گواہی دے۔ کیونکہ اصلی گواہ نے اپنی گواہی کا جو جھ اس سننے والے حامد پر نہیں رکھا بلکہ اس کے علاوہ شاہد پر رکھا ہے۔ ہاں شاہد جس کو خالد نے اپنی گواہی پر گواہ کیا ہے وہ گواہی دے سکتا ہے۔ لیکن حامد گواہی نہیں دے سکتا ہے۔

اپنی تحریر دیکھ کر اس کے مضمون کی گواہی دینا

قَالَ وَلَا يَحِلُّ لِلشَّاهِدِ إِذَا رَأَى خَطَّهُ أَنْ يَشْهَدَ إِلَّا أَنْ يَتَذَكَّرَ الشَّهَادَةَ لِأَنَّ الْخَطَّ يُشْبِهُ الْخَطَّ فَلَمْ يَحْصُلِ الْعِلْمُ قِيلَ هَذَا عَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَعِنْدَهُمَا يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَشْهَدَ وَقِيلَ هَذَا بِالْإِتِّفَاقِ وَإِنَّمَا الْخِلَافُ فِيمَا إِذَا وَجَدَ الْقَاضِي شَهَادَتَهُ فِي دِيَوَانِهِ أَوْ قَضِيَّتِهِ لِأَنَّ مَا يَكُونُ فِي قِمَطَرِهِ فَهُوَ تَحْتَ خَتْمِهِ يُؤْمَنُ عَلَيْهِ مِنَ الزِّيَادَةِ وَالنَّقْصَانِ فَحَصَلَ لَهُ الْعِلْمُ بِذَلِكَ وَلَا كَذَلِكَ الشَّهَادَةُ فِي الصَّلَاةِ لِأَنَّهُ فِي يَدِ غَيْرِهِ وَعَلَى هَذَا إِذَا تَذَكَّرَ الْمَجْلِسَ الَّذِي كَانَ فِيهِ الشَّهَادَةُ أَوْ أَخْبَرَهُ قَوْمٌ مِمَّنْ يَتَّقُ بِهِ أَنَّا شَهِدْنَا نَحْنُ وَأَنْتَ

ترجمہ..... اور گواہ کو یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنا خط دیکھ کر گواہی دے مگر یہ کہ اس کو گواہی یاد آ جائے اس لئے کہ ایک تحریر دوسری تحریر سے مشابہ ہوتی ہے۔ لہذا علم حاصل نہ ہوگا۔ کہا گیا کہ یہ ابو حنیفہ کے قول پر ہے اور صاحبین کے نزدیک اس کو گواہی دینا حلال ہے اور کہا گیا کہ یہ بالاتفاق ہے اور اختلاف اس صورت میں ہے جب قاضی اس کی گواہی اپنی فائل میں پائے یا اپنے حکم نامہ میں پائے اس لئے کہ جو چیز اس کی فائل میں ہے وہ اس کی مہر کے تحت ہے اس میں زیادتی اور کمی سے امن ہے۔ لہذا قاضی کے لئے اس سے علم حاصل ہو جائے گا۔ اور یہ بات اس گواہی میں نہیں ہے جو دستاویز میں لکھی ہے کیونکہ وہ دوسرے شخص کے قبضہ میں ہے۔ اور اسی اختلاف پر جب وہ مجلس یاد آئی جس میں گواہی تھی یا اس کی ایسی قوم نے خبر دی جن پر اس کو اعتماد ہے کہ ہم اور تو گواہ ہوئے تھے۔

تشریح..... صاحب قدوری نے فرمایا ہے کہ اگر گواہ نے بھی دستاویز میں اپنی گواہی کی تحریر دیکھی لیکن جس واقعہ سے گواہی کا تعلق ہے نہ وہ واقعہ یاد آیا اور نہ گواہی دینا یاد آیا۔ تو اس گواہ کے لئے محض تحریر دیکھ کر گواہی دینا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ ایک تحریر دوسری تحریر سے مشابہ ہوتی ہے اور جب ایک تحریر دوسری تحریر سے مشابہ ہوتی ہے تو یہ مشتبہ ہوگئی کہ آیا یہ تحریر اسی گواہ کی ہے یا کسی دوسرے کی ہے۔ اور مشتبہ چیز علم اور یقین کا فائدہ نہیں دیتی ہے۔ لہذا اس تحریر سے علم حاصل نہ ہوگا۔ حالانکہ شہادت کے لئے اس واقعہ کا علم ضروری ہے جس واقعہ سے متعلق شہادت دی جاتی ہے۔ پس جب شہادت دینے کے لئے مشہود بہ کا جاننا ضروری ہے اور مذکورہ تحریر سے علم حاصل نہیں ہوتا تو مذکورہ تحریر کو دیکھ کر گواہی دینا بھی جائز نہ ہوگا۔ صاحب قدوری نے اس مسئلہ میں کسی کا کوئی اختلاف ذکر نہیں کیا ہے البتہ فقیر ابو الیث اور شمس اللامہ وغیرہ نے اختلاف ذکر کیا ہے۔ چنانچہ ان حضرات نے فرمایا ہے کہ تحریر دیکھ کر گواہی دینے کا جائز نہ ہونا حضرت امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔ کیونکہ حضرت امام صاحب تحریر پر عمل نہیں کرتے ہیں بلکہ سامع کے وقت سے لے کر ادائے شہادت کے وقت تک اس کو یاد رکھنا شرط قرار دیتے ہیں۔ اور صاحبین کے نزدیک تحریر دیکھ کر شہادت دینا جائز

ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ تحریر دیکھ کر شہادت کا جائز نہ ہونا متفق علیہ ہے۔ اور اختلاف اس صورت میں ہے جب قاضی نے اپنی فائل میں دیکھا کہ گواہوں نے اس کی عدالت میں گواہی دی ہے۔ لیکن حکم نہیں دیا گیا۔ پھر مشہودہ (مدعی) نے اگر قاضی سے حکم کی درخواست کی مگر قاضی کو اس واقعہ سے متعلق اپنے پاس گواہوں کا گواہی دینا یاد نہ آیا تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس شہادت کی بنیاد پر حکم دینا جائز نہ ہوگا۔ اسی کے قائل امام شافعیؒ ہیں اور امام احمدیؒ ایک روایت بھی یہی ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک جب قاضی نے گواہ کی گواہی کو اپنی فائل اور سل میں اپنی مہر کے تحت پایا تو اس گواہی کی بنیاد پر قاضی کا فیصلہ دینا جائز ہے۔ اسی کے قائل امام مالکؒ ہیں اور یہی ایک روایت امام احمدیؒ ہے۔ اسی طرح اگر قاضی نے اپنے حکم میں گواہوں کی گواہی بھی چونکہ تحریر تھی اس لئے گواہی کو بھی دیکھا مگر قاضی کو اپنا حکم دینا یاد نہ آیا تو حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک یہ حکم جائز نہ ہوگا اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل تو سابق میں گزر چکی ہے کہ ایک تحریر چونکہ دوسری تحریر کے مشابہ ہوتی ہے اس لئے یقینی علم حاصل نہ ہوگا حالانکہ شہادت کے لئے علم (جاننا) شرط ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ جو چیز قاضی کے بستہ اور اس کی فائل میں موجود ہے وہ اسکی مہر کے تحت میں ہے اور جو چیز اس کی مہر کے تحت میں ہو وہ کی بیشی سے بالکل مامون اور محفوظ ہوتی ہے۔ پس جب وہ شہادت جو اس کی فائل یا اس کے حکم نامہ میں ہے کسی زیادتی سے محفوظ ہے تو اس کی وجہ سے قاضی کے لئے شہادت کا علم حاصل ہو جانے کا اور جب علم حاصل ہو گیا تو قاضی کے لئے حکم دینا بھی جائز ہوگا۔ اور اگر گواہ نے اپنی گواہی کسی دستاویز میں پائی اور اس کو یہ بھی علم ہو گیا کہ یہ اسی کی تحریر ہے تو اس کو محض اپنی تحریر دیکھ کر گواہی دینا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ یہ دستاویز قاضی کے علاوہ کے ہاتھ میں ہونے کی وجہ سے کسی زیادتی سے غیر محفوظ ہے۔ اور جب یہ دستاویز غیر محفوظ ہے تو اس سے علم حاصل نہ ہوگا اور جب علم حاصل نہیں ہوا تو اس کو دیکھ کر گواہی دینا بھی جائز نہ ہوگا۔ یہی اختلاف اس وقت ہے جب گواہ نے اس مجلس کو تو یاد کر لیا جس میں گواہی دی تھی مگر واقعہ یاد نہ آ سکا۔ یا ایسی قوم نے اس کو خبر دی جن پر اس کو اعتماد ہے کہ ہم نے اور تو نے گواہی دی تھی مگر واقعہ یاد نہ آ سکا یا ایسی قوم نے اس کو خبر دی جن پر اس کو اعتماد ہے کہ ہم نے اور تو نے گواہی دی تھی مگر گواہی سے متعلق واقعہ یاد نہ آ سکا تو بعض حضرات نے فرمایا کہ ان دونوں صورتوں میں بالاتفاق گواہی دینا جائز نہیں ہے۔ اور بعض نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک جائز ہے۔

بغیر مشاہدہ کے کن چیزوں کی گواہی دے سکتا ہے

قَالَ وَلَا يَجُوزُ لِلشَّاهِدِ أَنْ يَشْهَدَ بِشَيْءٍ لَمْ يَعَيْنَهُ إِلَّا النَّسَبَ وَالْمَوْتَ وَالنِّكَاحَ وَالذُّخُولَ وَوِلَايَةَ الْقَاضِي فَإِنَّهُ يَسْمَعُهُ أَنْ يَشْهَدَ بِهَذِهِ الْأَشْيَاءِ إِذَا أَخْبَرَهُ بِهَا مَنْ يَثِقُ بِهِ وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ وَالْقِيَاسُ أَنْ لَا تَجُوزَ لِأَنَّ الشَّهَادَةَ مُشْتَقَّةٌ مِنَ الْمُشَاهَدَةِ وَذَلِكَ بِالْعِلْمِ وَلَمْ يَحْصُلْ فَصَارَ كَالْبَيْعِ وَجْهُ الاسْتِحْسَانِ أَنَّ هَذِهِ الْأُمُورَ تَخْتَصُّ بِمُعَايِنَةِ أَسْبَابِهَا خَوَاصُّ مِنَ النَّاسِ وَتَتَعَلَّقُ بِهَا أَحْكَامٌ تَبْقَى عَلَى انْقِضَاءِ الْقُرُونِ فَلَوْ لَمْ يَقْبَلْ فِيهَا الشَّهَادَةُ بِالسَّمَاعِ أَدَّى إِلَى الْحَرَجِ وَتَعْطِيلِ الْأَحْكَامِ بِخِلَافِ الْبَيْعِ لِأَنَّهُ يَسْمَعُهُ كُلُّ وَاحِدٍ وَإِنَّمَا يَجُوزُ لِلشَّاهِدِ أَنْ يَشْهَدَ بِالْإِشْتِهَارِ وَذَلِكَ بِالتَّوَاتُرِ أَوْ بِإِخْبَارِ مَنْ يَثِقُ بِهِ كَمَا قَالَ فِي الْكِتَابِ وَيُسْتَرَطُّ أَنْ يُخْبِرَهُ رَجُلَانِ عَدْلَانِ أَوْ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ لِيَحْصِلَ لَهُ نَوْعُ عِلْمٍ وَقِيلَ فِي الْمَوْتِ يَكْفِي بِإِخْبَارِ وَاحِدٍ وَوَاحِدَةٌ لِأَنَّهُ قَلَمًا يُشَاهَدُ حَالَهُ غَيْرُ الْوَاحِدِ إِذَا الْإِنْسَانُ يُهَابَهُ وَيَكْرَهُهُ فَيَكُونُ فِي إِشْتِرَاطِ الْعَدَدِ بَعْضُ الْخُرُوجِ وَلَا كَذَلِكَ النَّسَبَ وَالنِّكَاحَ وَيَنْبَغِي أَنْ يُطْلَقَ آدَاءُ الشَّهَادَةِ وَلَا يُفْسَرُ أَمَّا إِذَا فُسِّرَ لِلْقَاضِي أَنَّهُ يَشْهَدُ بِالسَّمَاعِ

لَمْ يُقْبَلْ شَهَادَتُهُ كَمَا أَنَّ مُعَايَنَةَ الْيَدِ فِي الْأَمْلَاكِ مُطْلَقٌ لِلشَّهَادَةِ ثُمَّ إِذَا فُسِّرَ لَا يُقْبَلُ كَذَا هَذَا

ترجمہ..... گواہ کے لئے ایسی چیز کی گواہی دینا جائز نہیں ہے جس کا اس نے مشاہدہ نہیں کیا ہے سوائے نسب موت، نکاح، دخول اور ولایت قاضی کے اس کے لئے ان چیزوں کی گواہی جائز ہے بشرطیکہ اس کو ان چیزوں میں کسی ثقہ آدمی نے آگاہ کیا ہو اور یہ استحسان ہے اور قیاس یہ ہے کہ جائز نہ ہو اس لئے کہ شہادت، مشاہدہ سے مشتق ہے اور مشاہدہ معاینہ سے ہوتا ہے اور یہ حاصل نہیں ہوا تو یہ بیع کے مثل ہو گیا۔ اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ یہ امور ایسے ہیں جنکے اسباب کے معاینہ کیساتھ خاص خاص لوگ مختص ہیں اور ان امور کے ساتھ ایسے احکام متعلق ہوتے ہیں جو مدتیں گزرنے تک باقی رہتے ہیں۔ پس اگر ان امور میں باہر سننے پر گواہی قبول نہ ہو تو حرج لاحق ہوگا اور احکام معطل ہو جائیں گے۔ برخلاف بیع کے اس لئے کہ اس کو ہر شخص سنتا ہے اور سننے پر گواہ کو گواہی دینا اشتہار کے ساتھ جائز ہے ورنہ اشتہار تو اتر سے حاصل ہوگا۔ یا ثقہ آدمی کے خبر دینے سے۔ جیسا کہ قدوری میں کہا ہے اور شرط ہے گواہ کو دو عادل آدمی خبر دیں یا ایک مرد اور دو عورتیں عادل خبر دیں تاکہ اس کے لئے ایک گونہ علم حاصل ہو۔ اور کہا گیا ہے کہ موت کی گواہی میں ایک مرد یا ایک عورت کے خبر دینے پر اکتفا کرے اس لئے کہ بہت کم ایک آدمی کے علاوہ میت کے حال کا مشاہدہ کرتا ہے۔ کیونکہ آدمی موت سے ہیبت اور کراہت کرتا ہے تو عدد کی شرط لگانے میں کچھ حرج ہوگا۔ اور نسب اور نکاح ایسا نہیں ہے۔ اور مناسب ہے کہ اداۓ شہادت کو مطلق رکھے۔ اور اس کی تفسیر نہ کرے لیکن اگر اس نے قاضی کے سامنے تفسیر کر دی کہ وہ سنکر گواہی دیتا ہے تو قاضی اس کی گواہی کو قبول نہیں کرے گا۔ جیسے املاک میں قبضہ کا مشاہدہ شہادت کی اجازت دیتا ہے پھر اگر گواہ نے تفسیر کر دی تو قبول نہ ہوگی اسی طرح یہاں ہے۔

تشریح..... مسئلہ ”گواہ کے لئے ایسی چیزوں کے بارے میں گواہی دینا جس کا اس نے مشاہدہ نہ کیا ہو جائز نہیں ہے البتہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں بغیر مشاہدہ کے مختص ثقہ لوگوں سے سنکر گواہی دینا جائز ہے۔

۱۔ نسب ۲۔ موت ۳۔ نکاح ۴۔ دخول ۵۔ ولایت قاضی

نسب سے مراد یہ ہے کہ مثلاً حامد نے لوگوں سے سنا کہ شاہد فلاں کا بیٹا ہے لیکن امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خبر دینے والی جماعت ایسی ہو جس کا جھوٹ پر اتفاق بعید از عقل ہو اور صاحبینؒ کے نزدیک دو عادل آدمی کافی ہیں۔ پس اگر حامد نے نسب کو اس طرح سنا ہو تو اس کو یہ گواہی دینا حلال ہے کہ شاہد فلاں کا بیٹا ہے۔ موت کی صورت یہ ہے کہ گواہ مثلاً حامد نے لوگوں سے سنا کہ فلاں مر گیا ہے یا لوگوں کو دیکھا کہ اس کے ساتھ تکفین و تدفین مردوں جیسا معاملہ کرتے ہیں تو گواہ کے لئے اسکی موت کی گواہی دینا جائز ہے اگرچہ اس کا مشاہدہ نہ کیا ہو۔ نکاح کی صورت یہ ہے کہ گواہ نے لوگوں سے کہتے ہوئے سنا کہ فلاں مرد نے فلاں عورت سے نکاح کیا ہے۔ تو گواہ نے اگرچہ نکاح کا مشاہدہ نہیں کیا ہے مگر اس کو نکاح کی گواہی دینا جائز ہے اور دخول کی صورت یہ ہے کہ گواہ نے لوگوں سے سنا کہ فلاں عورت فلاں مرد کی بیوی ہے۔ اور اس نے اس کے ساتھ دخول کیا ہے اگرچہ اس نے عقد نکاح اور دخول کا مشاہدہ نہ کیا ہو۔ اور ولایت قاضی کی صورت یہ ہے کہ ایک آدمی نے لوگوں سے سنا کہ فلاں اس شہر کا قاضی ہے اور اس کو دیکھا کہ لوگوں میں فیصلے جاری کرتا ہے تو اس آدمی کو یہ گواہی دینا جائز ہے کہ فلاں شخص فلاں شہر کا قاضی ہے۔ اگرچہ امام المسلمین کی طرف سے اس کو قاضی بنانے کا مشاہدہ نہ کیا ہو۔ بہر حال ان پانچ چیزوں کے بارے میں ثقہ لوگوں سے سنکر گواہی دینا جائز ہے اگرچہ ان کا مشاہدہ نہ کیا ہو۔ لیکن یہ حکم احتسابی ہے ورنہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ محض سنکر گواہی دینا جائز نہ ہو کیونکہ شہادت، مشاہدہ سے مشتق ہے اور مشاہدہ دیکھ کر ہوتا ہے نہ کہ سُن کر۔ حالانکہ مذکورہ پانچ چیزوں میں معاینہ اور دیکھنا نہیں پایا گیا تو یہ چیزیں بیع کے مانند ہو گئیں یعنی جس طرح محض سنکر بغیر دیکھے بیع کی شہادت دینا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح بمقتضائے قیاس محض سن کر ان چیزوں کی گواہی دینا بھی ناجائز ہے۔ ”وَذَلِكَ بِالْعِلْمِ“ میں علم سے مراد معاینہ اور دیکھنا ہے۔ یعنی مشاہدہ، علم (معاینہ) سے ہوتا ہے۔ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کے اسباب کا معائنہ خاص خاص لوگ کرتے ہیں۔ اُن پر عام لوگ مطلع نہیں ہو پاتے۔ حالانکہ ان چیزوں کے ساتھ ایسے احکام متعلق ہوتے ہیں جو مدتیں گزرنے کے باوجود

بھی باقی رہتے ہیں۔ مثلاً نسب، موت اور نکاح کے ساتھ میراث متعلق ہے اور دخول کے ساتھ کمال مہر، عدت، ثبوت احسان اور نسب متعلق ہیں۔ یعنی اگر مرد کا عورت کے ساتھ دخول متحقق ہو جائے تو مرد پر پورا مہر واجب ہوگا۔ طلاق کی صورت میں عورت پر عدت واجب ہوگی۔ عورت و مرد دونوں محض شمار ہوں گے، بچہ پیدا ہو گیا تو اس کا نسب ثابت ہوگا۔ پس اگر ان چیزوں میں محض سننے پر گواہی قبول نہ ہو تو حرج لاحق ہوگا۔ اور بہت سے احکام معطل ہو جائیں گے۔ مثلاً پچاس سال کے بعد ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ یہ چیز میرے والد کی میراث ہے یا عورت نے میت پر اپنے مہر کا دعویٰ کیا حالانکہ نہ اس شخص کی ولادت کے مشاہدہ کے گواہ موجود اور نہ اس عورت کے اس میت کے ساتھ نکاح کے مشاہدہ کے گواہ موجود ہیں۔ اب اگر ان دونوں صورتوں میں اُن حضرت کی گواہی قبول نہ ہو جنہوں نے نہ مدعی کی ولادت کو دیکھا ہے اور نہ اس عورت کے نکاح کا مشاہدہ کیا ہے بلکہ محض لوگوں سے سنا ہے۔ تو پہلی صورت میں میراث اور دوسری صورت میں مہر کا حکم بے کار ہو جائے گا۔ میراث اور مہر کے مدعی حرج میں مبتلا ہو جائیں گے۔ اور سب سے بڑی دلیل تو یہ ہے کہ ہم اس بات کی شہادت دیتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابوطالب کے بیٹے ہیں۔ اگرچہ ہم نے ان کی ولادت کا مشاہدہ نہیں کیا ہے۔ اور ہم اس بات کے شاہد ہیں کہ تمام صحابہ وفات پا گئے ہیں اگرچہ ہم نے ان میں سے کسی کی موت کا مشاہدہ نہیں کیا اور ہم شہادت دیتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ رسول اللہ ﷺ کی بیوی ہیں۔ اگرچہ ہم نے ان کے نکاح کا مشاہدہ نہیں کیا ہے۔ اور ہم شہادت دیتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے عائشہؓ کے ساتھ دخول کیا ہے اگرچہ ہم نے دخول کا مشاہدہ نہیں کیا ہے۔ اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ شریح بن حارث قاضی تھے اگرچہ ہم نے ان کو قاضی بنانے کا مشاہدہ نہیں کیا ہے۔ ان نظائر سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ پانچ چیزوں میں محض سُن کر گواہی دینا جائز ہے۔ اس کے برخلاف بیع کے ایجاب و قبول کا ہر شخص معائنہ کرتا ہے۔ یعنی ہر شخص دیکھتا ہے کہ فلاں نے فلاں کے ہاتھ بیع کی ہے کسی خاص آدمی کے دیکھنے کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ اس لئے بغیر مشاہدہ کے محض سُن کر بیع کی گواہی دینا جائز نہیں ہے۔ اور نسب وغیرہ مذکورہ پانچوں چیزوں کا معائنہ اور مشاہدہ چونکہ خاص خاص لوگوں کے ساتھ مختص ہوتا ہے اس لئے ان میں سننے پر اکتفاء کیا جائیگا تا کہ حرج لاحق نہ ہو۔

وانما یَجُوزُ للشَّاهد ان یشہد..... الخ سے ایک سوال کا جواب ہے،

سوال..... یہ ہے کہ مذکورہ پانچ چیزوں میں محض سُن کر گواہی دینے کا جائز ہونا کتاب اللہ کے مخالف ہے اس لئے کہ کتاب اللہ یعنی الامن شہد بالحق و ہم یعلمون میں شہادت کے لئے علم یعنی مشہود بہ کے جاننے کو شرط قرار دیا گیا ہے حالانکہ بغیر معائنہ اور مشاہدہ کے علم حاصل نہیں ہوتا۔ لہذا مذکورہ چیزوں میں محض سُن کر بغیر معائنہ کے استسنا گواہی کو جائز قرار دینا کتاب اللہ کے خلاف ہے۔ جو سراسر غلط ہے۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ علم، جس طرح مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے اسی طرح کسی بات کے مشہور ہونے سے بھی ہوتا ہے۔ یعنی اگر کسی نے کوئی بات ایسی سُنی جو عام لوگوں میں مشہور ہو تو اس اشتہار سے بھی سننے والے کو علم حاصل ہو جاتا ہے۔ اور یہ اشتہار یا تو تواتر سے ہوگا یعنی خبر دینے والی اتنی بڑی جماعت ہو جس کا جھوٹ پر اتفاق بعید از عقل ہو۔ یا یہ اشتہار ثقہ آدمی کے خبر دینے سے ہوگا۔ جیسا کہ قدوری میں مذکور ہے البتہ تواتر کی صورت میں اشتہار حقیقی ہوگا۔ اور ثقہ آدمی کے خبر دینے کی صورت میں اشتہار حکمی ہوگا۔ حاصل یہ ہوا کہ سننے پر گواہ کو گواہی دینا اس وقت جائز ہے جب یہ سننا اشتہار کے ساتھ ہو یعنی وہ بات مشہور ہوگئی ہو یا اشتہار خواہ حقیقی ہو خواہ حکمی ہو۔ صاحب قدوری نے فرمایا ہے کہ ثقہ آدمی سے سُن کر مذکورہ پانچ چیزوں میں گواہی دینا جائز ہے مگر خبر دینے والے ثقہ لوگوں کے سلسلہ میں کوئی عدد ذکر نہیں کیا۔ البتہ صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ عدد شرط ہے۔ چنانچہ صاحبینؒ کے نزدیک دو عادل مرد خبر دیں یا ایک عادل مرد اور دو عادل عورتیں خبر دیں، تو اُن سے سُن کر گواہی دینا جائز ہے، اور یہ شرط اس لئے ہے تا کہ گواہ کو مشہود بہ کے بارے میں ایک گونہ علم حاصل ہو سکے۔ اور حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک فقط اشتہار حقیقی معتبر ہے یعنی گواہ کے لئے سُن کر گواہی دینا ایسی وقت جائز ہے جبکہ اس نے عام طور پر لوگوں سے سنا ہو، ان کے نزدیک دو عادل مردوں سے سنا گواہی دینے کے لئے کافی نہ ہوگا۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ موت کی گواہی دینے کے لئے ایک عادل مرد یا ایک عادل عورت سے سنا بھی کافی ہے۔

دلیل..... یہ ہے کہ مردہ سے چونکہ انسان ڈرتا بھی ہے اور کراہت بھی کرتا ہے اس لئے اس کا حال مشاہدہ کرنے والے ایک آدمی کے علاوہ بہت کم ہوتا ہے یعنی بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ دو چار آدمی موت کا مشاہدہ کرتے ہوں بلکہ اس سے کراہت اور ہیبت کی وجہ سے اکاؤ کا آدمی اس کا مشاہدہ کرتا ہے پس ایسی صورت میں موت کی خبر دینے کے لئے دو عادل مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شرط لگانا مضنی الی الحرج ہوگا۔ اور شریعت اسلام میں چونکہ حرج کو دور کیا گیا ہے اس لئے موت کی خبر دینے کے لئے ایک عادل مرد یا ایک عادل عورت کا ہونا بھی کافی ہے اس کے برخلاف نسب نکاح اور ولایت قاضی ہے کہ یہ چیزیں جماعت کے درمیان متحقق ہوتی ہیں چنانچہ نکاح تو بغیر دو کی شہادت کے متحقق ہی نہیں ہوتا اور ولادت کے وقت بالعموم بہت سے لوگ موجود ہوتے ہیں اور امام المسلمین جب کسی کو عہدہ قضاء سپرد کرتا ہے اس وقت بھی بالعموم مسلمانوں کی جماعت کثیرہ موجود ہوتی ہے پس موت اور باقی چیزوں میں اس فرق کی وجہ سے موت کی خبر دینے کے لئے عدد کی شرط نہیں لگائی گئی ہے اور باقی چیزوں کی خبر دینے کے لئے عدد کو شرط قرار دیا گیا ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا ہے کہ جن چیزوں کو سن کر ان کے بارے میں گواہی دینا جائز ہے ان کی گواہی کو مطلق رکھنا چاہئے۔ قاضی کے سامنے اس کی تفسیر و توضیح نہ کرے۔ مثلاً نسب کی گواہی یوں ادا کرے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں فلاں کا بیٹا ہے۔ جیسے یہ گواہی دینا جائز ہے کہ حضرت ابو بکرؓ ابو قحافہ کے بیٹے ہیں اور حضرت عمرؓ خطاب کے بیٹے ہیں حالانکہ ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا ہے اور اگر تفسیر کرتے ہوئے ہوں کہا کہ میں سنکر گواہی دیتا ہوں کہ فلاں فلاں کا بیٹا ہے تو قاضی اس کی گواہی قبول نہیں کرے گا۔ جیسے قبضہ کا مشاہدہ کر کے قبض کی ملک کی گواہی دینا جائز ہے۔ مثلاً یوں کہے کہ یہ شخص فلاں مکان کا مالک ہے۔ تو قاضی اس گواہی کو قبول کریگا اور اگر تفسیر کرتے ہوئے یوں کہا کہ یہ شخص فلاں مکان پر قابض ہے اور میں نے سنا ہے کہ یہی اس کا مالک ہے۔ لہذا میں اسکی ملکیت کی گواہی دیتا ہوں تو یہ گواہی قبول نہ ہوگی۔ اسی طرح یہاں بھی بغیر تفسیر کے نسب وغیرہ کی گواہی دینا جائز ہے اور تفسیر کے ساتھ گواہی دینا جائز نہیں ہے سنکر قاضی کے سامنے تفسیر کے بغیر گواہی دینا اس لئے جائز ہے کہ جب گواہ نے یہ کہا کہ فلاں فلاں کا بیٹا ہے تو معلوم ہو گیا کہ گواہ کے قلب میں اس خبر کی صداقت اور سچائی موجود ہے اور جب اس کے دل میں اسکی سچائی موجود ہے تو گواہ کی یہ گواہی علم کے تحت ہوئی اور علم اور جاننے کی بنیاد پر جو گواہی دی جاتی ہے وہ قبول کی جاتی ہے۔ اس لئے یہ گواہی قبول ہوگی اور اگر گواہ نے یہ کہا کہ میں سن کر گواہی دیتا ہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ گواہ کے دل میں اس خبر کی صداقت موجود نہیں ہے بلکہ سماع (سننا) گواہی کی بنیاد ہے اور جب اس خبر کی صداقت اسکے دل میں موجود نہیں ہے تو یہ گواہی علم کے تحت نہ ہوئی اور جو گواہی علم کے تحت نہ ہو وہ قابل قبول نہیں ہوتی اس لئے یہ گواہی قبول نہ ہوگی۔

مسند قضاء پر بیٹھے ہوئے شخص کے لئے قاضی ہونے کی گواہی دینے کا حکم

وَكَذَا لَوْ رَأَى إِنْسَانًا جَلَسَ مَجْلِسَ الْقَضَاءِ يَدْخُلُ عَلَيْهِ الْخُصُومُ حَلًّا لَهُ أَنْ يَشْهَدَ عَلَى كَوْنِهِ قَاضِيًا وَكَذَا إِذَا رَأَى رَجُلًا وَامْرَأَةً يَسْكُنَانِ بَيْتًا وَيَنْبَسِطُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا إِلَى الْآخَرِ انْبِسَاطَ الْأَزْوَاجِ كَمَا إِذَا رَأَى عَيْنًا فِي بَدَنِ غَيْرِهِ وَمَنْ شَهِدَ أَنَّهُ شَهِدَ دَفْنَ فُلَانٍ أَوْ صَلَّى عَلَى جَنَازَتِهِ فَهُوَ مُعَايَنَةٌ حَتَّى لَوْ فُسِّرَ لِلْقَاضِي قَبْلَهُ

ترجمہ..... اور اسی طرح اگر کسی انسان کو دیکھا کہ وہ مسند قضاء پر بیٹھا ہے اس کے پاس مدعی مدعی علیہ جاتے ہیں تو دیکھنے والے کے لئے اس کے قاضی ہونے کی گواہی دینا جائز ہے اسی طرح جب مرد و عورت کو دیکھا کہ وہ دونوں ایک گھر میں رہتے ہیں۔ اور دونوں میں سے ہر ایک دوسرے کیساتھ میاں بیوی کی طرح بے تکلفی کرتا ہے۔ جیسے اپنے علاوہ کے قبضہ میں کوئی مال عین دیکھا۔ اور جس شخص نے یہ گواہی دی کہ وہ (میں) فلاں شخص کے دفن میں حاضر تھا یا اس کے جنازہ پر نماز پڑھی ہے تو یہ معائنہ ہے۔ حتیٰ کہ اگر اس نے قاضی کے سامنے تفسیر کی۔ تو بھی قاضی اس کو قبول کرے گا۔

تشریح..... صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک آدمی کو مسند قضاء پر تشریف فرما دیکھا۔ اور مدعی اور مدعی علیہ کو اس کے پاس جاتے

دیکھا تو اس دیکھنے والے کے لئے نہ گواہی دینا جائز ہے کہ یہ شخص اس شہر کا قاضی ہے اگرچہ اس نے یہ منظر نہ دیکھا ہو جب امام المسلمین نے اس کو قاضی بنایا تھا۔ اس طرح اگر کسی آدمی نے ایک مرد و عورت کو دیکھا کہ دونوں ایک گھر میں رہتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ میاں بیوی کی طرح بے تکلف برتاؤ کرتے ہیں تو اس کو یہ گواہی دینا جائز ہے کہ یہ عورت اس کی بیوی ہے۔ جیسے اگر کسی کے قبضہ میں کوئی مال عین دیکھا تو یہ گواہی دے سکتا ہے کہ یہ مال اسی قابض کی ملک ہے۔ لیکن اگر قاضی نے اس سے دریافت کیا کہ کیا تو عقد نکاح کے وقت موجود تھا اس نے کہا نہیں۔ تو بھی اس کی گواہی قبول کر لی جائے گی کیونکہ صرف سن کر اس کے لئے گواہی دینا جائز ہے۔ جیسے امہات المؤمنین کے بارے میں رسول اکرم ﷺ کی ازواج ہونگی گواہی دینا جائز ہے پس جب سکر گواہی دینا جائز ہے تو میاں بیوی جیسے تعلقات دیکھ کر گواہی دینا بدرجہ اولیٰ ہوگا۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اس صورت میں اس کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ اس لئے کہ جب گواہ نے قاضی کے سوال کے جواب میں یہ کہا کہ میں نکاح کے وقت موجود نہیں تھا اور میں نے عقد نکاح کا مشاہدہ نہیں کیا ہے تو گویا اس نے قاضی کے سامنے تفسیر کرتے ہوئے یہ کہا کہ میں نے سن کر گواہی دی ہے اور سابق میں گزر چکا ہے کہ گواہ اگر قاضی کے سامنے تفسیر کر دے اور یوں کہے کہ میں سکر گواہی دیتا ہوں تو اس کی گواہی قبول نہیں ہوئی پس اس طرح یہاں بھی اس کی گواہی قبول نہ ہوگی۔

اور اگر کسی نے شہادت دی کہ میں فلاں شخص کے دفن میں حاضر تھا یا میں نے اس پر نماز جنازہ پڑھی ہے تو یہ معائنہ ہے یعنی اس نے دیکھ کر گواہی دی ہے کیونکہ تدفین صرف میت کی ہوتی ہے اور نماز جنازہ بھی صرف میت پر پڑھی جاتی ہے پس تدفین یا نماز جنازہ میں شریک ہونا گویا موت کا مشاہدہ کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر گواہ نے قاضی کے سامنے تفسیر بیان کی تو بھی قاضی اس کو قبول کریگا۔

کتنی اور کون سی چیزوں کی محض سن کر گواہی دینا جائز ہے

ثُمَّ قَصُرَ الْإِسْتِثْنَاءُ فِي الْكِتَابِ عَلَى هَذِهِ الْأَشْيَاءِ الْخَمْسَةِ يَنْفِيُ اعْتِبَارَ التَّسَامُعِ فِي الْوَلَاءِ وَالْوَقْفِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَخْبَرَنَا أَنَّهُ يَجُوزُ الْوَلَاءُ لِأَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ النَّسَبِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْوَلَاءُ لِحِمَّةٍ كُلِّ حِمَّةٍ النَّسَبِ وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهُ يَجُوزُ فِي الْوَقْفِ لِأَنَّهُ يَنْقُيْ عَلَى مَرِّ الْأَعْصَارِ إِلَّا أَنَّا نَقُولُ الْوَلَاءُ يُتَنَبَّى عَلَى زَوَالِ الْمِلْكِ وَلَا بُدَّ فِيهِ مِنَ الْمُعَايَنَةِ فَكَذَا فِيمَا يُتَنَبَّى عَلَيْهِ وَأَمَّا الْوَقْفُ فَالصَّحِيحُ أَنَّهُ يُقْبَلُ الشَّهَادَةُ بِالتَّسَامُعِ فِي أَصْلِهِ دُونَ شَرَائِطِهِ لِأَنَّ أَصْلَهُ هُوَ الَّذِي يَشْتَهَرُ

ترجمہ..... پھر قدوری میں ان پانچ چیزوں پر منحصر کرنا استثناء کو حالات اور وقف میں سننے کے معتبر ہونے کی نفی کرتا ہے۔ اور ابو یوسفؒ سے آخر میں یہ قول مروی ہے کہ ولاء میں جائز ہے کیونکہ ولاء نسب کے مرتبہ میں ہے اس لئے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ ولاء نسبی قرابت کی طرح ایک قرابت ہے اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ وقف میں جائز ہے کیونکہ وقف زمانہ گزرنے کے باوجود باقی رہتا ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ ولاء ملک زائل ہونے پر مبنی ہے۔ حالانکہ اس میں معاہدہ ضروری ہے پس ایسے ہی اس چیز میں جو زوال ملک پر مبنی ہے اور ہا وقف تو صحیح یہ ہے کہ اصل وقف میں سننے سے گواہی قبول کی جائیگی اور اس کے شرائط میں نہیں اس لئے کہ اصل وقف ہی مشہور ہوتا ہے۔

تشریح..... صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ قدوری میں استثناء کو مذکورہ پانچ چیزوں پر منحصر کرنا یعنی یہ کہنا کہ بغیر مشاہدہ کئے محض سکر کسی چیز کے بارے میں گواہی دینا جائز نہیں ہے سوائے نسب، موت، نکاح، دخول اور ولایت قاضی کے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ولاء اور وقف میں بھی سکر گواہی دینا جائز نہ ہو بلکہ اگر گواہ نے غلام آزاد کرنے یا کسی چیز کو وقف کرنے کا خود مشاہدہ کیا ہو۔ تو گواہی دینا جائز ہے اور اگر لوگوں سے سکر گواہی دی تو ناجائز ہے یہی ظاہر الروایۃ ہے لیکن حضرت امام ابو یوسفؒ سے آخری روایت یہ ہے کہ ولاء میں محض سن کر گواہی دینا جائز ہے یعنی اگر حالد نے

لوگوں سے سنا کہ شاہد، خالد کا آزاد کردہ غلام ہے اور حامد نے آزاد کرنے کا مشاہدہ نہیں کیا تو بھی حامد کے لئے جائز ہے کہ وہ یہ گواہی دے کہ شاہد، خالد کا آزاد کردہ غلام ہے۔ لہذا شاہد کی ولاء نسب کے مرتبے میں ہے کیونکہ مدنی آقا رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ولاء نسب کی قربت کی طرح ایک قربت ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ نسب کے بارے میں محض سکر گواہی دینا جائز ہے۔ پس ولاء جو نسب کے مرتبہ میں ہے اس میں بھی لوگوں سے سکر گواہی دینا جائز ہوگا۔ امام ابو یوسفؒ کے اس قول کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ہم اس بات کے شاہد ہیں کہ قمبر حضرت علیؑ کے آزاد کردہ ہیں اور نافع حضرت ابن عمر کے اور بلال حضرت ابو بکر کے، اور عکرمہ رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباسؓ کے آزاد کردہ ہیں حالانکہ ہم نے ان حضرات کے آزاد کرنے کا مشاہدہ نہیں کیا ہے۔ پس جس طرح قمبر اور نافع وغیرہ مولیٰ کے آزاد شدہ ہونے کی گواہی لوگوں سے سکر دینا جائز ہے اسی طرح مذکورہ صورت میں بھی ولاء کے سلسلہ میں سکر گواہی دینا جائز ہے۔ اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ وقف کے بارے میں لوگوں سے سن کر گواہی دینا جائز ہے۔ مثلاً اگر حامد نے لوگوں سے سنا کہ خالد کا فلاں مکان فلاں مسجد کے لئے وقف ہے تو حامد کے لئے یہ گواہی دینا جائز ہے کہ خالد کا فلاں مکان فلاں مسجد کے لئے وقف ہے اگرچہ گواہی یعنی حامد نے وقف کر نیک مشاہدہ نہ کیا ہو۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ وقف بھی مدتہائے دراز گزرنے تک باقی رہتا ہے۔ لہذا اگر وقف میں معائنہ اور مشاہدہ کے گواہ شرط ہوں تو ان کے مرنے کے بعد وقف باطل ہو جائیگا۔ حالانکہ وقف مشاہدہ کے گواہوں کے مرنے کے بعد بھی باقی رہتا ہے پس ثابت ہوا کہ وقف کے سلسلہ میں گواہی، دینے کے لئے مشاہدہ شرط نہیں ہے بلکہ لوگوں سے سکر گواہی دینا بھی جائز ہے۔ صاحب ہدایہ نے امام ابو یوسفؒ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ولاء زوال ملک پر موقوف ہے یعنی مولیٰ ولاء کا اس وقت مستحق ہوگا جب غلام سے مولیٰ کی ملک زائل ہو جائے۔ بہر حال ولاء، زوال ملک پر موقوف ہے اور زوال ملک کی گواہی میں گواہ کے لئے زوال ملک کا معائنہ اور مشاہدہ کرنا بالاجماع شرط ہے۔ پس جو چیز یعنی ولاء زوال ملک پر موقوف ہے اس میں بھی معائنہ اور مشاہدہ شرط ہوگا۔

اور رہا وقف تو صحیح یہ ہے کہ اگر اصل وقف میں لوگوں سے سن کر گواہی دی ہے تو یہ گواہی قبول کر لی جائے گی۔ لیکن وقف کی تفصیلات اور مدت میں سکر گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ اصل وقف میں سن کر گواہی کی صورت یہ ہے کہ مثلاً عام لوگوں میں یہ شہرت ہے کہ فلاں بن فلاں کا مکان دارالعلوم کے لئے وقف ہے۔ پس لوگوں سے سن کر یہ گواہی دینا جائز ہے کہ فلاں بن فلاں کا مکان دارالعلوم کے لئے وقف ہے۔ اور وقف کے شرائط اور تفصیلات پر گواہی کی صورت یہ ہے کہ گواہ پہلے یہ گواہی دے چکے کہ فلاں بن فلاں کا مکان دارالعلوم کے لئے وقف ہے اس کے بعد یہ گواہی دیتے ہیں کہ اس مکان کی اتنی آمد مصارف طلبہ کے لئے ہے اور اتنی کتابوں کے لئے ہے اور اتنی تنخواہوں کے لئے ہے پس لوگوں سے سکر ان تفصیلات کی گواہی دینا جائز نہیں ہے۔ اور وجہ یہ ہے کہ اصل وقف تو لوگوں میں مشہور ہوتا ہے لیکن اس کی تفصیلات اور شرائط مشہور نہیں ہوتیں۔ لہذا اصل وقف جو لوگوں میں مشہور ہوتا ہے لوگوں سے سکر اس کی گواہی دینا جائز ہے۔ اور وقف کی شرائط اور تفصیلات چونکہ لوگوں میں مشہور نہیں ہوتیں اس لئے لوگوں سے سکر ان کی گواہی دینا ناجائز ہے۔

کسی شخص کے قبضے میں چیز دیکھ کر اس کے مالک ہونے کی گواہی دینے کا حکم

قَالَ وَمَنْ كَانَ فِي يَدِهِ شَيْءٌ سِوَى الْعَبْدِ وَالْأَمَةِ وَسِعَكَ أَنْ تَشْهَدَ أَنَّهُ لَهُ لِأَنَّ الْيَدَ أَقْصَى مَا يُسْتَدَلُّ بِهِ عَلَى الْمِلْكِ إِذْ هِيَ مَرْجِعُ الدَّلَالَةِ فِي الْأَسْبَابِ كُلِّهَا فَيُكْتَفَى بِهَا وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُشْتَرَطُ مَعَ ذَلِكَ أَنْ يَقَعَ فِي قَلْبِهِ أَنَّهُ لَهُ قَالُوا وَيَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ هَذَا تَفْسِيرًا لِإِطْلَاقِ مُحَمَّدٍ فِي الرَّوَايَةِ فَيَكُونُ شَرْطًا عَلَى الْإِتِّفَاقِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ دَلِيلُ الْمِلْكِ الْيَدُ مَعَ التَّصَرُّفِ وَبِهِ قَالَ بَعْضُ مَشَائِخِنَا لِأَنَّ الْيَدَ مُتَوَعِّدَةً إِلَى إِنَائَةِ وَمِلْكٍ قُلْنَا وَالتَّصَرُّفُ يَتَوَعَّدُ أَيْضًا إِلَى نِيَابَةِ وَإِصَالَةٍ

ترجمہ..... اور جس شخص کے قبضہ میں کوئی چیز ہو علاوہ غلام اور باندی کے تو تیرے لئے جائز ہے کہ تو یہ گواہی دے کہ یہ اس کی ملک ہے۔ اس لئے کہ قبضہ آخری درجہ کی ایسی چیز ہے جس کے ذریعہ ملک پر استدلال کیا جاتا ہے کیونکہ تمام اسباب میں قبضہ ہی مرجع دلالت ہے لہذا اسی پر اکتفاء کیا جائیگا اور ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ گواہ کے دل میں یہ بات آجائے کہ یہ چیز اسی کی ملک ہے۔ مشائخ نے فرمایا کہ یہ بھی احتمال ہے کہ شہادت قلب امام محمدؒ کی روایت مطلقہ کی تفسیر ہو۔ پس شہادت قلب بالاتفاق شرط ہوگی۔ اور امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ ملک کی دلیل قبضہ مع التصرف ہے۔ اور اسی کے قائل ہمارے بعض مشائخ ہیں۔ اس لئے کہ قبضہ، امانت اور ملک کی طرف منقسم ہوتا ہے۔ ہم جواب دیں گے کہ تصرف بھی نیابت اور اصالت کی طرف منقسم ہوتا ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے قبضہ میں غلام اور باندی کے علاوہ کوئی چیز دیکھی۔ پھر اُس نے اُسی چیز کو دوسرے آدمی کے قبضہ میں دیکھا۔ اور قابض اول نے دوسرے قابض پر دعویٰ کیا کہ اس چیز کا مالک میں ہوں تو اس دیکھنے والے کے لیے یہ گواہی دینا جائز ہے۔ کہ مدعی اس چیز کا مالک ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قبضہ آخری درجہ کی ایسی چیز ہے جس سے اس بات پر استدلال کیا جاسکتا ہے کہ قابض اس کا مالک ہے یعنی گواہ کے حق میں ملک پہچاننے کے لئے قبضہ ہی دلیل ظاہر ہے بشرطیکہ قبضہ کے سلسلہ میں کوئی جھگڑا کرنے والا موجود نہ ہو یعنی قبضہ بظاہر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ قابض ہی شئی مقبوضہ کا مالک ہے کیونکہ شراء، ہبہ، صدقہ، میراث وغیرہ۔ جس قدر بھی ملک کے اسباب ہیں، انجام کار کے اعتبار سے تمام میں ملک پر قبضہ ہی دلالت کرتا ہے مثلاً خالد نے مشاہدہ کیا کہ حامد نے شاہد سے ایک قلم خریدا ہے پس حامد (مشتري) کی ملک اس وقت معلوم ہوگی جب بائع کی ملک معلوم ہو جائے۔ اور بائع کی ملک اس کے قبضہ سے معلوم ہوگی یعنی خریدنے کی وجہ سے مشتری، بیع کا مالک اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ خود بائع بھی اس کا مالک ہو اور بائع کا مالک ہونا بظاہر اس وقت معلوم ہوگا جب بائع اس پر قابض ہو۔ اسی طرح ہبہ بلا شبہ سبب ملک ہے لیکن ہبہ سے موہوب ملے کی ملک اسی وقت ثابت ہوگی جبکہ خود وائے شئی موہوب کا مالک ہو اور وائے شئی موہوب کا مالک ہونا بظاہر قبضہ سے معلوم ہوگا۔ اسی طرح صدقہ، سبب ملک ہے لیکن صدقہ کرنے سے فقیر کی ملک اس وقت ثابت ہوگی جب یہ معلوم ہو جائیگا کہ صدقہ کرنی والا خود بھی اس شئی کا مالک ہے اور صدقہ کرنے والے کا مالک ہونا بظاہر قبضہ سے معلوم ہوگا۔ اسی طرح میراث، یقیناً سبب ملک ہے لیکن وارث میراث کے مال کا اس وقت مالک ہوگا جبکہ یہ معلوم ہو جائے کہ اس مال کا مالک میت (مرنے والا انسان) تھا اور میت کا مالک ہونا اس وقت معلوم ہوگا جب یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اپنی زندگی میں اس مال پر قابض تھا۔ بہر حال جب تمام اسباب ملک میں انجام کار کے اعتبار سے قبضہ ہی ملک کی دلیل ظاہر ہے تو محض قبضہ دیکھ کر یہ گواہی دینا جائز ہے کہ قابض شئی مقبوضہ کا مالک ہے البتہ شہادت کے وقت یہ نہ کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں اس شئی کا مالک ہے اس لئے کہ میں نے یہ چیز اس کے قبضہ میں دیکھی ہے یعنی قاضی کے سامنے دیکھنے کی تفسیر اور توضیح نہ کرے کیونکہ قبضہ ملک کی دلیل ظاہر ہے اور دلیل ظاہر ادائے شہادت کے لئے تو کافی ہے مگر قضائے قاضی کے لئے کافی نہیں ہے۔

حضرت امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ قبضہ دیکھ کر قابض کی ملکیت کی گواہی دینے میں یہ بھی شرط ہے کہ گواہ کے دل میں یہ یقین ہو جائے کہ یہ چیز اسی قابض کی ملک ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ شہادت دینا اس وقت حلال ہوتا ہے جب شاہد کو پورے طور سے مشہود بہ کا علم اور یقین ہو جائے۔ اس لئے کہ حدیث ہے اذا علمت مثل الشمس فاشهد والافدع لیکن جب پورے طور سے علم و یقین کا ہونا محذور ہو جائے تو شہادت قلب کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ یعنی کم از کم قلب ہی اس بات کا شاہد ہو کہ شئی مقبوضہ قابض کی ملک ہے کیونکہ قبضہ قابض کی ملک پر اس لئے دلالت کرتا ہے کہ قبضہ سے قابض کی ملک کا گمان ہوتا ہے لیکن جب گواہ (دیکھنے والے) کے دل میں یہ بات نہیں اتری کہ قابض اس کا مالک ہو سکتا ہے تو وہ کو قاضی کی ملک کا گمان بھی نہ ہوگا۔ اور جب گواہ کو قابض کی ملک کا گمان نہیں ہوا تو قبضہ قابض کی ملک پر دلالت بھی نہیں کرے گا۔ پس ثابت ہوا کہ محض قبضہ، قابض کی ملک پر گواہی دینے کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ قبضہ کے ساتھ گواہ کے دل میں اس بات کا اترنا بھی ضروری ہے

کہ قابض شیء مقبوض کا مالک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی نے جاروب کش کے ہاتھ میں کوئی قیمتی موتی دیکھا یا کسی ایسے جاہل کے قبضہ میں کتاب دیکھی جس کے آباء و اجداد میں کوئی عالم اور پڑھا لکھا نہیں گزرا ہے تو اس دیکھنے والے کے لئے جاروب کش اور جاہل کے مالک ہونے کی گواہی دینا جائز نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محض قبضہ، ملکیت کی شہادت دینے کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ گواہ کے دل میں قابض کے مالک ہونے کا رجحان پیدا ہونا ضروری ہے۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ مشائخ احناف کا خیال یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ کی روایت امام محمدؒ کی مطلق روایت یعنی متن کے مسئلہ کی تفسیر ہے۔ یعنی امام محمدؒ نے متن میں صرف یہ فرمایا ہے کہ قبضہ ہو تو ملک کی گواہی دینا جائز ہے۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ اس کے دل میں یہ آجائے کہ اس کا قبضہ بطور مالک کے ہو تب گواہی دینا جائز ہے۔ پس اگر امام محمدؒ کے بیان کردہ متن کا یہ مطلب ہو تو حضرت امام ابو یوسفؒ کی روایت اس مطلق متن کی تفسیر ہوگی اور گواہ کے دل میں اس یقین کا تناسب کے نزدیک شرط ہوگا۔ حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ ملکیت کی دلیل وہ قبضہ ہے جو مع التصرف ہو یعنی اگر قابض شیء مقبوض میں تصرف کرتا ہے تو قابض کا قبضہ اس کی ملکیت کی دلیل ہوگا اور گواہ کو قبضہ مع التصرف و ملکیت اس کے مالک ہونے کی گواہی دینا جائز ہوگا اور اگر تصرف نہیں کرتا تو قبضہ بلا تصرف ملکیت کی دلیل نہ ہوگا اور گواہ کے لئے اس قبضہ کی بنیاد پر قابض کے مالک ہونے کی گواہی دینا جائز نہ ہوگا یہی ہمارے بعض مشائخ احناف کا قول ہے۔ کیونکہ قبضہ دو قسم کا ہوتا ہے۔

۱۔ امانت کا قبضہ ۲۔ ملک کا قبضہ

یعنی جس طرح آدمی مالک ہونے کی وجہ سے قبضہ کرتا ہے اسی طرح امین ہونے کی وجہ سے قبضہ کرتا ہے پس نفس قبضہ، قابض کے مالک ہونے کی دلیل نہ ہوگا۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ اس کا قبضہ مالکانہ نہ ہو بلکہ امانت کے طور پر ہو اور جب نفس قبضہ قابض کے مالک ہونے کی دلیل نہیں ہے تو محض قبضہ دیکھ کر قابض کے مالک ہونے کی گواہی دینا بھی جائز نہ ہوگا ہاں اگر قبضہ کے ساتھ قابض شیء مقبوض میں تصرف بھی کرتا ہے تو یہ قبضہ مع التصرف اس کے مالک ہونے کی دلیل ہوگا کیونکہ تصرف کا مجاز مالک ہوتا ہے نہ کہ امین پس ثابت ہو گیا کہ خالص قبضہ قابض کی ملکیت کی دلیل نہیں ہے بلکہ قبضہ مع التصرف اس کے مالک ہونے کی دلیل ہے۔

صاحب ہدایہ نے امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ اگر قبضہ کی دو قسمیں ہیں تو تصرف کی بھی دو قسمیں ہیں۔ کیونکہ انسان کبھی تو بذات خود اپنے لئے تصرف کرتا ہے اور کبھی دوسرے کا نائب ہو کر تصرف کرتا ہے جیسے وکیل اور مضارب اپنے لئے تصرف نہیں کرتے بلکہ مَوکَل اور رب المال کے لئے تصرف کرتے ہیں پس اگر قبضہ بلا تصرف کو ملکیت کی دلیل قرار نہ دینے میں قبضہ امانت کا احتمال معتبر ہے تو ہمارے بیان کردہ احتمال (نیابت تصرف) کی بنا پر تصرف بھی ملکیت کی دلیل نہ ہوگا۔ اور اگر نیابت تصرف کا احتمال معتبر نہیں ہے تو قبضہ امانت کا احتمال بھی معتبر نہ ہوگا اور جب قبضہ امانت کا احتمال معتبر نہیں ہے تو خالی قبضہ، قابض کے مالک ہونے کی دلیل ہوگا اور محض قبضہ دیکھ کر قابض کی ملکیت کی گواہی دینا جائز ہوگا۔

مالک اور ملک کے معاینہ کے بعد گواہی دینا جائز ہے

ثُمَّ الْمَسْأَلَةُ عَلَى وُجُوهِ إِنْ عَايَنَ الْمَالِكَ وَالْمَلِكَ حَلَّ لَهُ أَنْ يَشْهَدَ وَكَذَا إِذَا عَايَنَ الْمَلِكَ بِحُدُودِهِ دُونَ الْمَالِكِ اسْتَحْسَنًا لِأَنَّ النَّسَبَ يَثْبُتُ بِالتَّسَامُعِ فَيَحْصُلُ مَعْرِفَتُهُ وَإِنْ لَمْ يُعَايَنِيَهُمَا أَوْ عَايَنَ الْمَالِكَ دُونَ الْمَلِكِ لَا يَحِلُّ لَهُ

ترجمہ..... پھر مسئلہ کی کئی صورتیں ہیں۔ اگر اس نے مالک اور ملک دونوں کا مشاہدہ کیا ہے تو اس لئے گواہی دینا جائز ہے اور اسی طرح اگر اس نے ملک کو اس کے حدود کے ساتھ مشاہدہ کیا ہو اور مالک کو نہ دیکھا ہو تو بھی استحساناً (گواہی دینا حلال ہے) کیونکہ مالک کا نسب لوگوں سے منکر ہو جاتا

ہے لہذا اس کی شناخت حاصل ہو جائیگی۔ اور اگر اس نے مالک اور ملک دونوں کا مشاہدہ نہ کیا ہو یا مالک کا مشاہدہ کیا ہو اور ملک کا نہ کیا ہو تو اس کے لئے گواہی دینا حلال نہیں ہے۔

تشریح..... صاحب ہدایہ نے کہا کہ اس مسئلہ کی چار صورتیں ہیں،

۱۔ گواہ نے مالک اور ملک (مملوک) دونوں کا مشاہدہ اور معائنہ کیا ہو۔ ۲۔ دونوں کا معائنہ نہ کیا ہو۔

۳۔ ملک (مملوک) کا معائنہ کیا اور مالک کا نہ کیا۔ ۴۔ مالک کا معائنہ کیا ہو اور ملک کا معائنہ نہ کیا ہو۔

ان چاروں صورتوں میں ملک سے مراد مملوک ہے۔ پس اگر پہلی صورت ہے یعنی کسی نے مالک کا معائنہ کیا ہے اس طور پر کہ اس نے مالک کو اس کے نام، نسب اور شکل کے ساتھ پہچان لیا اور ملک کا بھی معائنہ کر لیا ہے اس طور پر کہ اس نے شیء مملوک کو اس کے حدود اور حقوق کے ساتھ پہچان لیا اور اس شیء مملوک کو بغیر کسی جھگڑے کے اس کے قبضہ میں بھی دیکھا ہے اور اس دیکھنے والے کے دل میں یہ بات بھی اتر گئی کہ یہ شیء اس قابض کی ہے تو معائنہ اور مشاہدہ کرینو الے آدمی کو یہ گواہی دینا جائز ہے کہ یہ شیء قابض کی ملک ہے اور قابض ہی اس شیء کا مالک ہے کیونکہ گواہ نے علم اور بصیرت کیساتھ گواہی دی ہے اور سابق میں گزر چکا ہے کہ جو گواہی علم اور بصیرت کے ساتھ ہو اس کو قبول کیا جاتا ہے لہذا اس صورت میں بھی گواہ کی گواہی قبول کے قابل ہوگی۔ اور اگر دوسری صورت ہے یعنی گواہ نے مالک اور ملک دونوں کا معائنہ نہیں کیا بلکہ لوگوں سے سنا ہے کہ فلاں شہر میں فلاں کی اس قدر جائیداد ہے حالانکہ گواہ نہ اس جائیداد کو پہچانتا ہے نہ اس پر کسی کا قبضہ دیکھا ہے تو گواہ کو یہ گواہی دینا جائز نہیں ہے کہ یہ جائیداد فلاں بن فلاں کی ملکیت ہے کیونکہ اس صورت میں گواہ کی گواہی محض اٹکل اور اندازے سے ہے حالانکہ ادائے شہادت کے لئے شہود بہ کا علم ضروری ہے پس ادائے شہادت کے لئے شہود بہ کا علم شرط ہے اور یہاں علم پایا نہیں گیا تو اس صورت میں گواہی دینا بھی جائز نہ ہوگا اور تیسری صورت ہے یعنی گواہ نے ملک کا معائنہ تو کیا ہے لیکن نہ تو مالک کی شکل سے آشنا ہے اور نہ اس کے نسب سے واقف ہے بلکہ محض سننے کی بنیاد پر یہ کہتا ہے کہ فلاں جائیداد جس کا میں نے معائنہ کیا ہے وہ فلاں بن فلاں کی طرف منسوب ہے تو اس صورت میں قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کے لئے فلاں بن فلاں کی ملکیت کی گواہی دینا جائز نہ ہو کیونکہ یہ مشہودہ (جسکے لئے گواہی دی گئی) کے مجہول ہونے کے باوجود مالک کے لئے ملک کی گواہی دینا ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ مشہودہ کی جہالت جواز شہادت کے لئے مانع ہے۔ لہذا مشہودہ کی جہالت بھی جواز شہادت کے لئے مانع ہوگی، ہاں استحساناً گواہی دینا جائز ہے اس لئے کہ اس صورت میں ملک تو مشاہدہ سے معلوم ہوگئی اور مالک کا نسب عام لوگوں سے سکر ثابت ہو گیا کیونکہ پہلے گزر چکا ہے کہ نسب کی گواہی دینے کے لئے سماع و سنا، کافی ہے پس اس صورت میں بھی معلوم چیز کی گواہی معلوم شخص کے لئے ہوئی یعنی مشہودہ اور مشہودہ دونوں معلوم ہوئے اور ان دونوں کے معلوم ہونے کی صورت میں گواہی دینا چونکہ جائز ہوتا ہے۔ اس لئے اس صورت میں گواہی دینا استحساناً جائز ہوگا۔ اور چوتھی صورت یعنی گواہ نے مالک کا معائنہ تو کیا ہے لیکن ملک کا معائنہ نہیں کیا ہے تو اس صورت میں بھی گواہ کے لئے گواہی دینا جائز نہیں ہے کیونکہ ملک (مملوک) کا معائنہ نہ کرنے کی وجہ سے مشہودہ معلوم نہیں ہوا حالانکہ ادائے شہادت کے لئے مشہودہ کا پورے طور پر معلوم ہونا شرط ہے پس جب ادائے شہادت کے لئے مشہودہ کا معلوم ہونا شرط ہے اور اس چوتھی صورت میں مشہودہ معلوم نہیں ہے تو اس صورت میں گواہ کے لئے گواہی دینا بھی جائز نہیں ہے۔

غلام اور باندی ہونے کی گواہی کب دی جاسکتی ہے

وَأَمَّا الْعَبْدُ وَالْأَمَةُ فَإِنْ كَانَ يَعْرِفُ أَنَّهَا رَقِيقَانِ فَكَذَلِكَ لِأَنَّ الرَّقِيقَ لَا يَكُونُ فِي يَدِ نَفْسِهِ وَإِنْ كَانَ لَا يَعْرِفُ أَنَّهَا رَقِيقَانِ إِلَّا أَنَّهَا صَغِيرَانِ لَا يُعْبَرُ عَنْ نَفْسِهِمَا فَكَذَلِكَ لِأَنَّهُ لَا يَدُ لَهُمَا وَإِنْ كَانَ كَبِيرَيْنِ فَذَلِكَ مَصْرُفُ الْإِسْتِثْنَاءِ لِأَنَّ لَهُمَا يَدًا عَلَى أَنْفُسِهِمَا فَيَذْفَعُ يَدَ الْغَيْرِ عَنْهُمَا فَانْعَدَمَ دَلِيلُ الْمَلِكِ وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ يَحِلُّ لَهُ أَنْ يَشْهَدَ فِيهِمَا أَيْضًا إِعْتِبَارًا بِالثِّيَابِ وَالْفَرْقِ مَا بَيَّنَّاهُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

ترجمہ..... اور باغلام اور باندی پس اگر کوئی شخص یہ پہچانتا ہو کہ یہ دونوں رقیق ہیں تو ان میں بھی یہی حکم ہے اس لئے کہ رقیق اپنے قبضہ قدرت میں نہیں ہوتا ہے اور اگر یہ نہ جانتا ہو کہ یہ دونوں رقیق ہیں مگر یہ دونوں صغیر ہوں اپنی ذات سے تعبیر نہ کر سکتے ہوں تو بھی یہی حکم ہے کیونکہ ان کے لئے ذاتی اختیار نہیں ہے اور اگر دونوں عاقل ہوں پس یہی استثنیٰ کا محل ہے اس لئے کہ ان دونوں کا اپنی ذات پر قابو ہے لہذا ان دونوں کی ذات پر ان کے قابو کا ثابت ہونا ان دونوں سے غیر کا قبضہ دور کریگا پس ملکیت کی دلیل معدوم ہوگئی اور ابوحنیفہؒ سے روایت ہے کہ اس کے لئے ان دونوں میں بھی کپڑوں پر قیاس کرتے ہوئے گواہی دینا حلال ہے اور فرق وہ ہے جسکو ہم بیان کر چکے ہیں، واللہ اعلم۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے غلام یا باندی کو کسی کے قبضہ میں اس کی خدمت کرتے ہوئے دیکھا تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ ان کے رقیق ہونے کو پہچانتا ہے یا نہیں اگر دیکھنے والا شخص ان کے رقیق ہونے کو پہچانتا ہے تو اس کے لئے یہ گواہی دینا جائز ہے کہ قابض ان کا مالک ہے غلام اور باندی دونوں صغیر (غیر عاقل) ہوں یا کبیر (عاقل) ہوں۔ اس لئے کہ وصف رقیق کے ساتھ ان دونوں کو اپنی ذات پر کوئی قابو نہیں ہے اور دیکھنے والے نے ان کو دوسرے کے قبضہ میں دیکھا ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے دوسرے کے قبضہ میں کپڑا دیکھا ہو اور یہ بات سابق میں گزر چکی ہے کہ اگر کسی نے کسی کے قبضہ میں کپڑا وغیرہ کوئی چیز دیکھی ہو تو دیکھنے والوں کو قابض کی ملکیت کی گواہی دینا جائز ہے۔ پس اسی طرح غلام اور باندی کو کسی کے قبضہ میں دیکھ کر قابض کی ملکیت کی گواہی دینا جائز ہے بشرطیکہ دیکھنے والا (گواہ) ان کے رقیق ہونے کو پہچانتا ہو۔ اور اگر دیکھنے والا ان کے رقیق ہونے کو نہ پہچانتا ہو تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں۔ یا تو غلام اور باندی ایسے صغیر ہوں گے جو اپنی مافی الضمیر بھی ادا نہ کر سکیں اور یا کبیر یعنی ایسے سمجھدار ہوں گے جو اپنی مافی الضمیر ادا کر سکتے ہیں۔ پس اگر ایسے سمجھنے والے ہوں جو اپنی مافی الضمیر بھی ادا نہ کر سکیں تو ایسی صورت میں بھی دیکھنے والے کے لئے قابض کے مالک ہونے کی گواہی دینا جائز ہے کیونکہ اس صورت میں بھی ان کو اپنی ذات پر قابو حاصل نہیں ہے۔ اور دیکھنے والے نے ان کو دوسرے کے قبضہ میں دیکھا ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسے کسی نے دوسرے کے قبضہ میں کپڑا وغیرہ کوئی سامان دیکھا ہو اور کپڑا وغیرہ سامان کسی کے قبضہ میں دیکھ کر چونکہ قابض کے مالک ہونے کی گواہی دینا جائز ہے اس لئے مذکورہ صورت میں بھی گواہی دینا جائز ہے کہ قابض اس غلام اور باندی کا مالک ہے اور اگر وہ سمجھدار ہوں خواہ بالغ ہوں یا غیر بالغ ہوں تو یہی صورت استثناء (سوی العبد والامۃ) کا محل ہے یعنی اس صورت میں محض کسی کا قبضہ دیکھ کر یہ گواہی دینا جائز نہیں ہے کہ قابض اس غلام یا باندی کا مالک ہے۔ کیونکہ اس صورت میں غلام اور باندی کو اپنی ذات پر قابو حاصل ہے۔ چنانچہ اگر وہ اپنے پیدا ہونے کا دعویٰ کر دے تو اسی کا قول معتبر ہوگا اور اس پر کسی کا قبضہ ثابت نہ ہوگا پس جب ان کو اپنی ذات پر قابو حاصل ہے تو یہ ان دونوں سے دوسرے کا قبضہ دور کر دیگا اور جب ان سے دوسرے کا قبضہ دور ہو گیا تو ملکیت کی دلیل (یعنی قبضہ) معدوم ہوگئی اور جب ملکیت کی دلیل معدوم ہوگئی تو دیکھنے والے کے لئے قابض کے مالک ہونے کی گواہی دینا بھی جائز نہ ہوگا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے روایت ہے کہ اگر وہ غلام اور باندی کبیر یعنی سمجھدار ہوں تو بھی دیکھنے والے کو قابض کے مالک ہونے کی گواہی دینا حلال اور جائز ہے اس روایت کی دلیل کپڑوں اور دیگر سامانوں پر قیاس ہے یعنی جس طرح کسی کے قبضہ میں کپڑے دیکھ کر قابض کے مالک ہونے کی گواہی دینا جائز ہے اگرچہ غلام اور باندی کبیر ہوں یعنی سمجھدار ہوں جو اپنے مافی الضمیر کو اداء کر سکتے ہوں یہی صاحبینؒ سے مروی ہے گویا تینوں حضرات نے مذکورہ تمام صورتوں میں قبضہ کو ملکیت کی دلیل قرار دیا ہے چنانچہ اگر کسی نے یہ دعویٰ کیا کہ حامد کے قبضہ میں جو غلام یا باندی ہے میں اس کا مالک ہوں اور قابض اپنے مالک ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تو قابض کا ہی قول قبول ہوگا۔ کیونکہ قبضہ کی وجہ سے ظاہر حال اسی کے موافق ہے لیکن فرق وہ ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں یعنی کپڑوں کا اپنے اوپر ذاتی اختیار نہیں ہوتا ہے لہذا ان پر قابض کا قبضہ معتبر ہوگا اور سمجھدار غلام اور باندی کا چونکہ اپنے اوپر ذاتی اختیار ہوتا ہے اس لئے ان پر کسی کا قبضہ معتبر نہ ہوتا۔ پس جب کپڑوں میں قابض کا قبضہ معتبر ہے تو اس کا قبضہ دلیل ملک ہوگا اور سمجھدار غلام اور باندی میں چونکہ کسی کا قبضہ معتبر نہیں ہے اس لئے قابض کا ظاہری قبضہ اس کے مالک ہونے کی دلیل نہ ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب!

بَابُ مَنْ يَقْبَلُ شَهَادَتَهُ وَمَنْ لَا يَقْبَلُ

ترجمہ..... یہ باب ان لوگوں کے بیان میں ہے جن کی گواہی قبول کی جاتی ہے اور ان لوگوں کے بیان میں ہے جن کی گواہی قبول نہیں کی جاتی ہے۔
تشریح..... گزشتہ فصل میں ان چیزوں کا بیان تھا جس میں شہادت سنی جاتی ہے اور ان چیزوں کا بیان تھا جس میں شہادت نہیں سنی جاتی۔ اس سے فراغت کے بعد اس بات میں ان لوگوں کا بیان کیا جائے گا جن کی شہادت قبول کی جاتی ہے اور جن کی شہادت قبول نہیں کی جاتی مگر چونکہ وہ چیزیں جن میں شہادت قبول کی جاتی ہے یا قبول نہیں کی جاتی شہادت کا مکمل ہیں اور مکمل شرط ہوتے ہیں۔ اور شرط، مشروط پر مقدم ہوتی ہیں اس لئے ان چیزوں کا بیان جن کی شہادت قبول کی جاتی ہے یا نہیں قبول کی جاتی، پہلے کہا گیا اور ان لوگوں کا بیان جن کی شہادت قبول کی جاتی ہے یا قبول نہیں کی جاتی بعد میں کیا گیا۔ صاحب عنایہ نے فرمایا ہے کہ شہادت کے رد ہونے کی اصل اور بنیاد تہمت ہے چنانچہ صاحب شریعت رحمہ اللہ کا ارشاد لا شہادۃ متہم متہم آدمی کی شہادت معتبر نہیں ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ شہادت ایک خبر ہے جو صدق اور کذب کا احتمال رکھتی ہے مگر حجت شرعی اس کا اسوقت ثابت ہوگا۔ جب اس میں صدق کی جانب راجح ہو اور تہمت کے ساتھ جانب صدق راجح نہیں ہوتی پس جب تہمت کے ساتھ جانب صدق راجح نہیں ہوتی تو تہمت کی صورت میں اس کا حجت شرعی ہونا کئی ثابت نہ ہوگا اور جب تہمت کی وجہ سے اس کا حجت شرعی ہونا ثابت نہ ہو تو اس کو رد کر دیا جائیگا تو پس معلوم ہوا کہ تہمت کی وجہ سے شہادت کو رد کر دیا جاتا ہے اور تہمت کبھی تو ایسے معنی کی وجہ سے ہوتی ہے جو خود گواہ میں موجود ہوتے ہیں جیسے فسق کیونکہ جو شخص کذب کے علاوہ دوسرے منوعات دین سے باز نہ رہتا ہو وہ کذب اور جھوٹ بولنے سے بھی باز نہ رہیگا۔ اور جب جھوٹ بولنے سے باز نہ رہا تو وہ یقیناً متہم بالکذب ہوگا اور کبھی تہمت ایسے معنی کی وجہ سے ہوتی ہے جو معنی مشہودہ میں ہوتے ہیں۔ مثلاً ولادت کا رشتہ یعنی اگر شاہد اور مشہودہ کے درمیان ولادت کی قرابت ہو تو شاہد اس بات کے ساتھ متہم ہوگا کہ وہ قرابت کی وجہ سے مشہودہ کو مشہود علیہ پر ناجائز ترجیح دیتا ہے۔ اور کبھی تہمت ایسے خلل کی وجہ سے ہوتی ہے جو مشہودہ اور مشہود علیہ کے درمیان امتیاز کی قدرت نہ ہونے کی وجہ سے ہو۔ جیسے گواہ کا نابینا ہونا۔ اور تہمت کبھی اس چیز سے عاجز ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے جس کو شریعت نے صدق کی دلیل بنایا ہے جیسے محدود فی القذف۔

نابینا کی گواہی قابل قبول نہیں اقوال فقہاء

قَالَ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ الْأَعْمَى وَقَالَ زُفَرٌ وَهُوَ رَوَايَةٌ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ تَقْبَلُ فِيمَا يَجْرِي فِيهِ السَّمَاعُ لِأَنَّ الْحَاجَةَ فِيهِ إِلَى السَّمَاعِ وَلَا خَلَلَ فِيهِ وَقَالَ أَبُو يُونُسَ وَالشَّافِعِيُّ يَجُوزُ إِذَا كَانَ بَصِيرًا وَقَتَ التَّحْمِيلِ لِحُصُولِ الْعِلْمِ بِالْمَعَانِيَةِ وَالْأَدَاءِ يَخْتَصُّ بِالْقَوْلِ وَلِسَانُهُ غَيْرُ مُؤَفٍّ وَالتَّعْرِيفُ يَحْصُلُ بِالنِّسْبَةِ كَمَا فِي الشَّهَادَةِ عَلَى الْمَيِّتِ وَلَسْنَا أَنَّ الْأَدَاءَ يَفْتَقِرُ إِلَى التَّمْيِيزِ بِالْإِشَارَةِ بَيْنَ الْمَشْهُودِ لَهُ وَالْمَشْهُودِ عَلَيْهِ وَلَا يُمَيِّزُ الْأَعْمَى إِلَّا بِالنَّعْمَةِ وَفِيهِ شُبْهَةٌ يُمَكِّنُ التَّحَرُّزَ عَنْهَا بِجِنْسِ الشُّهُودِ وَالنِّسْبَةِ لِلتَّعْرِيفِ الْغَائِبِ دُونَ الْحَاضِرِ فَصَارَ كَالْحُدُودِ وَالْقَصَاصِ وَلَوْ عَمَى بَعْدَ الْأَدَاءِ يَمْتَنِعُ الْقَضَاءُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ لِأَنَّ قِيَامَ الْأَهْلِيَّةِ لِلشَّهَادَةِ شَرْطٌ وَقَتَ الْقَضَاءِ لَصِيرُورَتِهَا حُجَّةً عِنْدَهُ وَقَدْ بَطَلَتْ وَصَارَ كَمَا إِذَا خَرَسَ أَوْ جَنَّ أَوْ فَسَقَ بِخِلَافِ مَا إِذَا مَاتُوا أَوْ غَابُوا لِأَنَّ الْأَهْلِيَّةَ بِالْمَوْتِ قَدْ انْتَهَتْ وَبِالْغَيْبَةِ مَا بَطَلَتْ

ترجمہ..... اور نابینا آدمی کی گواہی قبول نہیں کی جاتی ہے اور امام زفر نے فرمایا اور یہی روایت ابو حنیفہ سے ہے کہ نابینا کی گواہی ان چیزوں میں قبول کی جائے گی جن چیزوں میں تسامع جاری ہوتا ہے کیونکہ ایسی گواہی میں صرف سننے کی ضرورت ہے اور نابینا کی سماعت میں کوئی خلل نہیں ہے۔ اور

امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ نابینا کی گواہی جائز ہے بشرطیکہ وہ تحمل شہادت کے وقت بینا ہو کیوں کہ اُس کو معائنہ سے علم حاصل ہو چکا ہے اور اداء کرنا قول کے ساتھ مختص ہے اور اس کی زبان عیب دار نہیں ہے اور شناخت کرنا مناسب بیان کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے جیسے میت پر گواہی میں ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ”ادا“ مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان اشارہ کے ساتھ امتیاز کرنے کی طرف محتاج ہے اور نابینا بغیر آواز کے امتیاز نہیں کر سکتا ہے اور آواز میں ایک اشتباہ ہے جس سے جنس گواہوں کے ذریعہ احتراز ممکن ہے اور نسب بیان کرنا غائب کی شناخت کے لئے ہے نہ کہ حاضر کی پس حدود و قصاص کے مانند ہو گیا ہے اور اگر ادائے شہادت کے بعد نابینا ہوا تو طرفین کے نزدیک قاضی کا فیصلہ دینا ممتنع ہوگا۔ کیونکہ قضائے قاضی کے وقت شہادت کے لئے اہلیت کا موجود ہونا شرط ہے اس لئے کہ شہادت قضائے قاضی کی وقت ہی حجت ہوئی ہے حالانکہ حجت باطل ہوگئی اور یہ ایسا ہو گیا جیسے جب گواہ گونگا یا مجنون یا فاسق ہو گیا۔ برخلاف اس کے جب گواہ مر گئے ہوں یا غائب ہو گئے ہوں اس لئے کہ شہادت کی اہلیت موت کی وجہ سے پوری ہوگئی اور غائب ہونے کی وجہ سے باطل نہیں ہوئی۔

تشریح..... اس بارے میں اختلاف ہے کہ نابینا آدمی کی شہادت قبول کی جائے گی یا نہیں۔ سو اس میں قدرے تفصیل ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ نابینا حدود و قصاص میں شاید ہوگا یا حدود و قصاص کے علاوہ میں۔ اگر اس نے حدود و قصاص میں شہادت دی ہے تو یہ بالاتفاق غیر مقبول ہے۔ اور اگر حدود و قصاص کے علاوہ میں شاید ہے تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں یا تو ان چیزوں میں شاید ہوگا جن میں عام لوگوں سے سکر گواہی دینا جائز ہے جیسے نسب، موت اور یا ان چیزوں میں شاید ہوگا جن میں لوگوں سے سکر گواہی دینا جائز نہیں ہے بلکہ ان میں مشاہدہ اور معائنہ شرط ہے جیسے بیع، شراء، پس اگر اول ہے یعنی نابینا ان چیزوں میں گواہ ہے جن میں لوگوں سے سن کر گواہی دینا جائز ہے تو امام زفرؒ کے نزدیک نابینا کی گواہی قبول کر لی جائے گی یہی امام ابو حنیفہؒ سے ابن شجاع کی روایت ہے اور اگر ثانی ہے یعنی نابینا ان چیزوں میں گواہ ہے جن میں لوگوں سے سکر گواہی دینا جائز نہیں پس نابینا اگر تحمل شہادت کے وقت بینا اور مشہود بہ غیر منقول ہو تو امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اس صورت میں اس کی گواہی قبول کی جائے گی اور اگر ان دونوں باتوں میں سے کوئی ایک بات منثبی ہو جائے یعنی نابینا تحمل شہادت کے وقت بینا نہ ہو یا مشہود بہ غیر منقول نہ ہو بلکہ شعی منقول ہو تو ائمہ ثلاثہ (ابو حنیفہؒ، صاحبینؒ) کا اس پر اتفاق ہے کہ اس صورت میں نابینا کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ بہر حال ابو یوسفؒ کے نزدیک تحمل شہادت کے وقت گواہ کا بینا ہونا شرط ہے اور طرفین کے نزدیک تحمل شہادت کے وقت سے لیکر قضائے قاضی تک گواہ کا بینا ہونا شرط ہے۔ چنانچہ اگر گواہ ادائے شہادت کے بعد قضائے قاضی سے پہلے نابینا ہو گیا تو قاضی اس شہادت پر فیصلہ دینے کا مجاز نہ ہوگا۔ مذکورہ مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ حدود و قصاص میں نابینا کی گواہی مقبول نہ ہوگی البتہ حدود و قصاص کے علاوہ میں طرفین کے نزدیک نابینا کی گواہی مطلقاً مقبول نہ ہوگی۔ مشہود بہ خواہ ان چیزوں میں سے ہو جن میں لوگوں سے سکر گواہی دینا جائز ہے خواہ ان چیزوں میں سے ہو جن میں لوگوں سے سکر گواہی دینا جائز نہیں ہے۔ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک نابینا کی گواہی مطلقاً جائز ہے۔ حضرت امام زفرؒ نے فرمایا کہ جن چیزوں میں لوگوں سے سکر گواہی دینا جائز ہے ان چیزوں میں نابینا کی گواہی قبول کی جائے گی۔ یہ یہی امام صاحب سے ابن شجاع کی روایت ہے اور امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ نابینا کی شہادت دو شرطوں کے ساتھ جائز ہے ایک تو یہ کہ نابینا آدمی تحمل شہادت کے وقت بینا ہو۔ دوم یہ کہ مشہود بہ کہ (جس کے بارے میں گواہی دی جائے گی) شعی غیر منقول ہو حدود و قصاص میں نابینا آدمی کی گواہی مقبول نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حدود و قصاص شہادت کی وجہ سے دور کر دیئے جاتے ہیں اور نابینا کے حق میں آواز چونکہ مشاہدہ کے قائم مقام ہوتی ہے یعنی بینا آدمی کو جن چیزوں کا علم مشاہدہ سے حاصل ہوتا ہے نابینا آدمی کا علم سننے سے حاصل ہوتا ہے پس نابینا آدمی کے حق میں سننا اور آواز مشاہدہ اور دیکھنے کے قائم مقام ہوئے اور یہ بات مسلم ہے کہ اصل کی یہ نسبت قائم مقام میں ایک گونہ شبہ ہوتا ہے اور یہی مسلم ہے کہ شہادت کی وجہ سے حدود و قصاص ثابت نہیں ہوتے بلکہ ساقط ہو جاتے ہیں لہذا نابینا آدمی کی گواہی سے حدود و قصاص ثابت نہ ہوں گے اور قاضی حدود و قصاص میں نابینا کی گواہی قبول نہیں کرے گا۔

حضرت امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ جواز شہادت کے لئے شاید کا صاحب ولایت اور صاحب عدالت ہونا ضروری ہے اور

ناہینا آدمی کی ولایت اور عدالت میں کوئی نقص نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نایینا کی روایت احادیث قبول کیجاتی ہے پس جب شاہد کا صاحب ولایت اور صاحب عدالت ہونا ضروری ہے اور نایینا کی ولایت اور عدالت میں کوئی نقص نہیں ہے نایینا کی گواہی قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے حضرت امام زفرؒ کی دلیل یہ ہے کہ جن چیزوں میں لوگوں سے سکر گواہی دینا جائز ہے ان چیزوں میں صرف سننے کی ضرورت ہے اور نایینا کی سماعت میں کوئی خلل نہیں ہے بلکہ نایینا سماعت میں نایینا آدمی کی مانند ہے پس جب ان چیزوں میں صرف سننے کی ضرورت ہے اور نایینا آدمی کی سماعت میں کوئی خلل نہیں ہے تو ان چیزوں میں نایینا کی گواہی قبول کر لی جائیگی۔ ہاں نایینا آدمی اگر بہرہ بھی ہو تو اس کی گواہی بالافتقار قبول نہ ہوگی۔

حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ نایینا جب تحمل شہادت کے وقت (گواہی اٹھانے کی وقت) دینا اور آنکھوں والا تھا۔ تو اس کو مشہود بہ کا علم حاصل ہو چکا ہے۔ اور جس شخص کو تحمل شہادت کی وقت مشاہدہ سے مشہود بہ کا علم حاصل ہو جاتا ہے اس کا تحمل (گواہی اٹھانا) درست ہوتا ہے۔ بہر حال جو شخص فی الحال نایینا ہے مگر تحمل شہادت کے وقت آنکھوں والا تھا اس کا تحمل شہادت درست ہو گیا۔ اب رہا شہادت کا ادا کرنا تو وہ صرف کلام سے ہوتا ہے اور نایینا کی زبان میں چونکہ کوئی عیب نہیں ہے اس لئے اس کے کلام میں کوئی خلل بھی نہ ہوگا۔ اور جب نایینا کی زبان میں عیب نہ ہونے کی وجہ سے اس کے کلام میں کوئی خلل نہیں ہے تو اس کا شہادت ادا کرنا بھی درست ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ مذکورہ نایینا کا تحمل شہادت بھی درست ہے اور ادائے شہادت بھی درست ہے اور مانع شہادت یعنی مشہود علیہ (مدعی علیہ) کا نہ پہچانا منقشی ہے۔ کیونکہ نایینا کو مشہود علیہ کا نسب بیان کرنے سے مشہود علیہ کی شناخت ہو جائے گی۔ مثلاً نایینا سے کہا گیا کہ فلاں بن فلاں کے واسطے، مدعی علیہ فلاں بن فلاں پر گواہی دے تو اس نسب بیان کرنے سے نایینا مدعی علیہ کو پہچان جائے گا۔ جیسے میت پر گواہی دینے میں ہوتا ہے مثلاً میت کے قرضخواہوں نے دعویٰ کیا اور گواہ پیش کئے تو گواہ کے لئے میت کی طرف اشارہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ پس وہ اس طرح گواہی دے سکتے ہیں کہ مدعی کا فلاں بن فلاں میت پر اس قدر قرضہ ہے۔ بہر حال جب مذکورہ نایینا کا تحمل شہادت اور ادائے شہادت دونوں درست ہیں اور مانع شہادت منقشی ہے تو مذکورہ نایینا کی گواہی قبول کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

طرفین کی دلیل یہ ہے کہ ادائے شہادت کے لئے ضروری ہے کہ گواہ مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان اشارہ کے ساتھ امتیاز کرے اور نایینا آدمی صرف ان کی آواز سے ان کے درمیان فرق کر سکتا ہے۔ اشارہ کے ساتھ فرق نہیں کر سکتا۔ اور چونکہ ایک کی آواز دوسرے کی آواز کے مشابہ ہوتی ہے اس لئے آواز میں ایک گونہ اشتباہ ہوگا۔ اور جنس گواہوں کے ذریعہ اس اشتباہ سے بچنا بھی ممکن ہے اسطور پر کہ آنکھوں والے بہت سے گواہ موجود ہیں جو مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان اشارہ کے ساتھ فرق کر سکتے ہیں۔ پس جب آنکھوں والے گواہ موجود ہیں تو نایینا جو مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان اشارہ کے ساتھ فرق نہیں کر سکتا اس کو گواہ بنانا کس طرح درست ہوگا۔

والنسبۃ تعریف للغائب دون الحاضر سے ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ نایینا آدمی کا مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان فرق کرنا مدعی اور مدعی علیہ کے نسب بیان کرنے سے ممکن ہے یعنی صرف ان کے آواز پر اکتفاء نہ کیا جائے بلکہ ان کا نسب بھی دریافت کر لیا جائے پس نسب دریافت کرنے سے نایینا گواہ مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان بآسانی فرق کر سکتا ہے۔ اور جب نایینا گواہ مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان نسب کے ذریعہ فرق کر سکتا ہے تو نایینا کی گواہی قبول کر لینی چاہئے۔

جواب اس کا جواب یہ ہے کہ نسب بیان کرنا غائب (غیر موجود) کی شناخت کے واسطے ہوتا ہے نہ کہ حاضر کی شناخت کے واسطے اور زیر بحث مسئلہ میں مدعی اور مدعی علیہ دونوں حاضر ہیں تو بیان نسب ان کی شناخت کے واسطے کیسے ہوگا۔ اور جب بیان نسب ان کی شناخت کے واسطے نہیں ہوا تو نایینا گواہ ان دونوں کے درمیان فرق کرنے پر بھی قادر نہ ہوگا۔ اور جب نایینا گواہ مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان فرق کرنے پر قادر نہیں ہے تو نایینا کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ ادائے شہادت کے لئے مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان فرق اور امتیاز کرنا ضروری ہے۔ بہر حال مذکورہ چیزیں حدود و قصاص کے مانند ہو گئیں۔ پس جس طرح نایینا کی گواہی بالا جماع حدود و قصاص میں جائز نہیں اسی طرح حدود و قصاص کے علاوہ دوسرے چیزوں میں بھی قبول نہ ہوگی۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ گواہ اگر اداۓ شہادت کے وقت بیٹا ہو۔ اور اداۓ شہادت کے بعد قضاۓ قاضی سے پہلے نابینا ہو گیا ہو تو طرفین کے نزدیک اس شہادت کی بنیاد پر قاضی کے لئے حکم کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اس بارے میں ضابطہ یہ ہے کہ تحمل شہادت (گواہی اٹھانے) کے بعد جو چیز اداۓ شہادت کے لئے مانع ہے وہی چیز اداۓ شہادت کے بعد قضاۓ قاضی کے لئے مانع ہے پس تحمل شہادت کے بعد نابینا ہو جانا چونکہ طرفین کے نزدیک اداۓ شہادت کے لئے مانع ہے اس لئے اداۓ شہادت کے بعد گواہ کا نابینا ہو جانا طرفین کے نزدیک قضاۓ قاضی کے لئے بھی مانع ہوگا۔ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک تحمل شہادت کے بعد نابینا ہو جانا چونکہ اداۓ شہادت کے لئے مانع نہیں ہے۔ اس لئے اداۓ شہادت کے بعد نابینا ہو جانا قضاۓ قاضی کے لئے بھی مانع نہ ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کی دلیل..... قیاس ہے۔ یعنی جس طرح اداۓ شہادت کے بعد قضاۓ قاضی سے پہلے گواہ کے غائب ہو جانے کی صورت میں قاضی کے لئے فیصلہ صادر کرنا جائز ہے اس طرح نابینا ہونے کی صورت میں بھی قضاۓ قاضی جائز ہوگا۔

طرفین کی دلیل..... یہ ہے کہ قاضی کے فیصلہ دیتے وقت گواہ کے اندر گواہی کی اہلیت کا ہونا شرط ہے۔ کیونکہ گواہی فیصلہ کے وقت ہی حجت ہوتی ہے۔ حالانکہ فیصلہ کے وقت نابینا گواہ میں گواہی کی اہلیت نہ ہونے کی وجہ سے گواہی کا حجت ہونا باطل ہو گیا اور جب گواہی کا حجت ہونا باطل ہو گیا تو قاضی فیصلہ کرنے کا بھی مجاز نہ ہوگا کیونکہ قاضی بلا حجت حکم اور فیصلہ صادر نہیں کر سکتا اور یہ ایسا ہے جیسے گواہ اداۓ شہادت کے بعد قضاۓ قاضی سے پہلے دیوانہ ہو گیا ہو۔ یا گونگا ہو گیا ہو یا فاسق ہو گیا ہو یعنی جس طرح ان صورتوں میں گواہوں کے اندر بطلان اہلیت کی وجہ سے قاضی کے لئے حکم دینا جائز نہیں ہے۔ اسی طرح گواہ کے نابینا ہونے کی صورت میں بھی قاضی فیصلہ دینے کا مجاز نہ ہوگا۔

بخلاف ما اذا ما تو او غا بوا..... الخ سے امام ابو یوسفؒ کے قیاس کا جواب..... جواب کا حاصل یہ ہے کہ اداۓ شہادت کے بعد اور قضاۓ قاضی سے پہلے اگر گواہ مرجائیں تو مرنے کی وجہ سے ان کی اہلیت باطل نہیں ہوتی۔ بلکہ موت کی وجہ سے ان کی اہلیت اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے اور شی اپنی انتہا کو پہنچ کر ثابت ہوتی ہے باطل نہیں ہوتی۔ بہر حال جب موت کی وجہ سے گواہوں کی اہلیت باطل نہیں ہوتی بلکہ ثابت ہوئی ہے تو قاضی، ان گواہوں کی گواہی پر فیصلہ دے سکتا ہے۔ اسی طرح اداۓ شہادت کے بعد گواہوں کے غائب ہونے سے چونکہ گواہوں کی اہلیت باطل نہیں ہوتی۔ اس لئے گواہوں کے غائب ہونے کے باوجود قاضی ان کی گواہی پر فیصلہ صادر کر سکتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر اداۓ شہادت کے بعد قضاۓ قاضی سے پہلے گواہ نابینا ہو گئے تو نابینا ہونے کی وجہ سے ان کی اہلیت باطل ہو جاتی ہے اور جب نابینا کی اہلیت باطل ہو جاتی ہے تو قاضی ان کی گواہی پر فیصلہ دینے کا بھی مجاز نہ ہوگا۔ کیونکہ فیصلہ کے وقت تک گواہوں کے اندر اہلیت کا موجود رہنا شرط ہے۔

مملوک کی گواہی قبول نہیں

قَالَ وَلَا الْمَمْلُوكُ لِأَنَّ الشَّهَادَةَ مِنْ بَابِ الْوَلَايَةِ وَهُوَ لَا يَلِي نَفْسَهُ فَأَوْلَى أَنْ لَا يَثْبُتَ لَهُ الْوَلَايَةُ عَلَى غَيْرِهِ

ترجمہ..... اور مملوک کی گواہی بھی جائز نہیں۔ اس لئے کہ شہادت، ولایت کے قبیل سے ہے۔ اور مملوک اپنی ذات کا ولی نہیں ہے۔ لہذا اس کے لئے دوسرے پر بدرجہ اولیٰ ولایت ثابت نہ ہوگی۔

تشریح..... صاحب قدوری نے فرمایا کہ نابینا کی طرح مملوک (غلام و باندی) کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔ اسی کے قائل امام مالکؒ اور امام شافعیؒ ہیں۔ حضرت امام احمدؒ نے فرمایا کہ مملوک یعنی غلام کی گواہی آزاد اور غلام دونوں کے خلاف قبول کی جائے گی۔ یہی قول حضرت انسؓ، عثمان غنیؓ اور اسحاق اور داؤد ظاہری کا ہے۔ اور حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ مملوک کی گواہی مملوک کے خلاف تو قبول کر لی جائے گی مگر آزاد کے خلاف قبول نہ ہوگی۔

حضرت امام احمدؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ گواہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ عادل ہو۔ مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان اشارہ کے ساتھ فرق کرنے پر

قادر ہوا اور صاحب ولایت ہو۔ پس غلام اگر عادل ہو تو اس کی گواہی اس لئے قبول کر لی جائے گی کہ وہ مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان اشارہ کے سات فرق کر سکتا ہے۔ اور رہا اس کا صاحب ولایت نہ ہونا تو وہ ایک عارضی یعنی موئی کے حق کی وجہ سے ہے۔ اس لئے نہیں کہ اس کی عقل میں کوئی نقصان ہے یا اس کے حمل شہادت اور ضبط شہادت میں کوئی خلل نہیں ہے۔ بہر حال غلام جب عادل ہے اور مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان اشارہ کے ساتھ فرق بھی کر سکتا ہے۔ اور اس کو اپنی ذات پر ولایت کا حق نہ ہونا ایک عارض کی وجہ سے ہے تو اس کی شہادت کے قبول ہونے میں کیا مانع ہے۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ شہادت ولایت کے قبیلہ سے ہے یعنی جس طرح ولایت میں تنفیذ القول علی الغیر ہوتا ہے اسی طرح شہادت میں بھی تنفیذ القول علی الغیر ہوتا ہے۔ پس جب شہادت ولایت کے قبیلہ سے ہے تو شاہد (گواہ) وہی شخص ہو سکتا ہے جس کو ولایت کا حق حاصل ہوگا۔ اور رہا غلام تو اس کو جب اپنی ذات پر ہی ولایت کا حق حاصل نہیں ہے تو دوسرے پر بدرجہ اولیٰ ولایت کا حق حاصل نہ ہوگا۔ اور جب غلام کو ولایت کا حق حاصل نہیں ہے تو اس کو گواہی دینے کا حق کس طرح حاصل ہوگا۔ ہمارے اس قول کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے عن ابن عباس قَالَ لَا تَجُوزُ شَهَادَةُ الْعَبْدِ۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ غلام کی شہادت جائز نہیں ہے۔ (یعنی)

محدود فی القذف کی گواہی کا حکم

وَلَا الْمَحْدُودُ فِي الْقَذْفِ وَإِنْ تَابَ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً أَبَدًا﴾ وَلَا أَنَّهُ مِنْ تَمَامِ الْحَدِّ لِكُونِهِ مَانِعًا فَيَبْقَى بَعْدَ التَّوْبَةِ كَأَصْلِهِ بِخِلَافِ الْمَحْدُودِ فِي غَيْرِ الْقَذْفِ لِأَنَّ الرَّدَّ لِلْفِسْقِ وَقَدْ ارْتَفَعَ بِالتَّوْبَةِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ تُقْبَلُ إِذَا تَابَ لِقَوْلِهِ تَعَالَى ﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا﴾ اسْتَشْنَى النَّائِبُ قُلْنَا الْإِسْتِثْنَاءُ يَنْصَرِفُ إِلَى مَا يَلِيهِ وَهُوَ قَوْلُهُ تَعَالَى ﴿فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ أَوْ هُوَ اسْتِثْنَاءٌ مُنْقَطِعٌ بِمَعْنَى لَكِنَّ وَلَوْ حَدُّ الْكَافِرِ فِي قَذْفٍ ثُمَّ اسْلَمَ يُقْبَلُ شَهَادَتُهُ لِأَنَّ لِلْكَافِرِ شَهَادَةً فَكَانَ رَدُّهَا مِنْ تَمَامِ الْحَدِّ وَبِالْإِسْلَامِ حَدَّثَتْ لَهُ شَهَادَةٌ أُخْرَى بِخِلَافِ الْعَبْدِ إِذَا حَدَّثَ ثُمَّ أُعْتِقَ لِأَنَّهُ لَا شَهَادَةَ لِلْعَبْدِ أَصْلًا فَتَمَامُ حَدِّهِ بَرَدَ شَهَادَتِهِ بَعْدَ الْعِتْقِ

ترجمہ اور محدود فی القذف کی گواہی بھی جائز نہیں ہے اگرچہ اس نے توبہ کر لی ہو۔ کیونکہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے جن کو حد ماری گئی ہے ان کی گواہی کبھی بھی قبول نہ کرو۔ اور اس لئے کہ ان کی گواہی کو قبول نہ کرنا بھی حد کا تہمہ ہے کیونکہ شہادت کو رد کرنا بھی اس کو بہتان لگانے سے روکنے والا ہے پس شہادت کا رد ہونا توبہ کے بعد بھی باقی رہتا ہے اصل حد باقی رہتی ہے۔ برخلاف محدود فی غیر القذف کے اس لئے کہ (ان کی گواہی) رد کرنا فسق کی وجہ سے ہے اور فسق توبہ کی وجہ سے دور ہو گیا اور امام شافعیؒ نے فرمایا 'الا الذین تابوا' توبہ کر نیوالے کا استثناء فرمایا ہے ہم جواب دیں گے کہ استثناء اس کی طرف لوٹے گا جو اس کے متصل ہے اور وہ باری تعالیٰ کا قول، فأولئک هم الفاسقون ہے۔ یا یہ لیکن کے معنی میں استثناء منقطع ہے اور اگر کافر کو حد قذف ماری گئی پھر وہ اسلام لے آیا۔ تو اس کی شہادت قبول کی جائے گی۔ اس لئے کہ کافر کے واسطے شہادت کا حق تھا لہذا اس کا حد تہمہ اس کی شہادت کا مردود ہونا ہے پھر مسلمان ہونے سے اس کے لئے دوسری شہادت پیدا ہوئی برخلاف غلام کے جب اس کو حد ماری گئی پھر وہ آزاد کر دیا گیا کیوں کہ غلام کے لئے بالکل شہادت کا حق نہ تھا۔ لہذا آزاد ہونے کے بعد اس کی شہادت کا مردود ہونا اس کی حد کا تہمہ ہوگا۔

تشریح محدود فی القذف وہ شخص ہے جس نے کسی مسلمان کو زنا کی تہمت لگائی مگر اس کو ثابت نہ کر سکا تو اس تہمت لگانے کی سزا میں اس کو اسی (۸۰) کوڑے مارے گئے ہوں۔

صاحب قدوری نے فرمایا کہ محدود فی القذف کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ اگرچہ وہ توبہ کر لے۔ اور حضرت امام شافعیؒ امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ توبہ کے بعد محدود فی القذف کی گواہی قبول کی جائے گی۔

ہماری دلیل..... یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے محدود فی القذف کے بارے میں فرمایا ہے وَلَا تُقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةٌ أَبَدًا وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے لفظ ابدًا صراحتہً ذکر فرمایا ہے اور ابد اس کو کہتے ہیں جسکی کوئی انتہا نہ ہو۔ یعنی محدودین فی القذف کی گواہی کبھی بھی قبول نہ کرو۔ پس اللہ تعالیٰ کا لفظ ابد کی تصریح کرنا قبولیت شہادت کے منافی ہے۔ یعنی توبہ کے بعد محدود فی القذف کی گواہی قبول کرنا وَلَا تُقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةٌ أَبَدًا کے منافی ہے اور جب توبہ کے بعد محدود فی القذف کی گواہی کا قبول ہونا لَا تُقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةٌ أَبَدًا کے منافی ہے تو محدود فی القذف کی گواہی توبہ کے بعد بھی قبول نہ ہوگی۔

دوسری وجہ استدلال..... یہ ہے کہ لَا تُقْبَلُوا لَهُمْ میں ضمیر کا مرجع محدودین فی القذف ہے یعنی عدم قبول شہادت کا حکم محدودین فی القذف کے لئے ہے۔ اور محدود فی القذف توبہ کی وجہ سے محدود فی القذف ہونے سے خارج نہیں ہوتا۔ پس جب محدود فی القذف توبہ کرنے کے باوجود محدود فی القذف ہونے سے خارج نہیں ہوتا بلکہ محدود فی القذف ہی رہتا ہے اور محدود فی القذف کے لئے عدم قبول شہادت کا حکم ہے تو توبہ کے بعد بھی محدود فی القذف کی شہادت قبول نہ ہوگی۔

دوسری دلیل..... یہ ہے کہ محدود فی القذف کی گواہی کا قبول نہ ہونا حد قذف کا تتمہ اور تکملہ ہے یعنی قذف اور بہتان کی اصل حد تو اسی کوڑے ہیں اور گواہی کا قبول نہ ہونا اس حد کو مکمل کرتا ہے۔ لہذا جس طرح توبہ کے بعد اصل حد باقی رہتی ہے اور توبہ کی وجہ سے سابق نہیں ہوتی۔ اسی طرح اصل حد پر قیاس کرتے ہوئے اس کا تتمہ اور تکملہ یعنی عدم قبول شہادت بھی باقی رہے گا اور توبہ کی وجہ سے ساقط نہ ہوگا۔ رہی یہ بات کہ گواہی کا قبول نہ ہونا حد قذف کا تتمہ قرار دیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس طرح حد قذف، قاذف کو آئندہ کے لئے بہتان لگانے سے روکتی ہے اسی طرح اس کی گواہی رد ہونا بھی اس کو اس طرح کی بہتان تراشی سے روکتا ہے۔ البتہ اتنا فرق ہے کہ اصل حد (کوڑوں) سے قاذف کے بدن کو تکلیف پہنچے گی۔ اور شہادت رد ہونے سے اس کے دل کو تکلیف پہنچتی ہے نیز قاذف نے بہتان لگا کر چونکہ اپنی زبان سے مقذوف کا دل دکھایا ہے اس لئے اس کی زبان کے جرم کے موافق اس کو حد کے بعد یہ سزا دی گئی کہ اس کی شہادت قبول نہ کی جائے۔ ہاں محدودین فی القذف کے علاوہ دوسرے فاسق مثلاً زانی چور، شراب پینے والے کی گواہی توبہ کرنے کے بعد قبول کر لی جائے گی۔ کیونکہ محدود فی القذف کے علاوہ دوسرے فاسق لوگوں کی گواہی ان کے فسق کی وجہ سے رد کی جاتی ہے چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ان جاء کم فاسق نباء فبینوا العینی فاسق کی خبر قبول نہ کرو بلکہ پہلے اس کے بارے میں تحقیق کر لو۔ اور فاسق کا فسق توبہ سے زائل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے النائب من الذنب کمن لا ذنب له پس فاسق کی گواہی کا رد ہونا اس کے فسق کی وجہ سے ہے اور اس کا فسق توبہ سے دور ہو گیا تو توبہ کے بعد فاسق کی گواہی قبول ہوگی۔ حاصل یہ کہ محدود فی القذف کی گواہی کا قبول نہ ہونا حد قذف کا تتمہ ہے لہذا توبہ کے بعد جب اصل حد باقی رہتی ہے تو اس کا تتمہ بھی باقی رہے گا۔ اور محدود فی القذف کے علاوہ دوسرے فاسق کی گواہی کا رد ہونا کسی حد کا تتمہ نہیں ہے بلکہ محض ان کے فسق کی وجہ سے ہے۔ لہذا جب توبہ سے ان کا فسق زائل ہو جائے گا تو ان کی گواہی بھی قبول کر لی جائے گی۔

امام شافعیؒ امام مالکؒ اور امام احمدؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تائب (توبہ کرنیوالے) کا استثناء فرمایا ہے چنانچہ فرمایا الا الذین تابوا اپوری آیت اس طرح ہے وَلَا تُقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةٌ أَبَدًا و اولئک هم الفاسقون الا الذین تابوا من بعد ذلک ان حضرات کے نزدیک استثناء کا تعلق وَلَا تُقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةٌ أَبَدًا کے ساتھ ہے یعنی محدودین فی القذف کی گواہی قبول نہ کرو مگر یہ کہ توبہ کر لیں۔ اور محدود فی القذف کی توبہ یہ ہے کہ قذف کے سلسلہ میں وہ اپنی تکذیب کرے۔ یعنی یہ کہے کہ میں نے جھوٹی تہمت لگائی ہے حاصل یہ ہے کہ توبہ کے بعد ان کی گواہی قبول کی جاسکتی ہے۔

ہماری طرف سے اس کا جواب..... یہ ہے کہ استثناء اس جملہ کے ساتھ متعلق ہوتا ہے جو جملہ استثناء کے متصل ہوتا ہے اور استثناء کے

متصل ہم الفاسقون ہے۔ لہذا استثناء ہم الفاسقون کے ساتھ متعلق ہوگا۔ اور اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ محدودین فی القذف کی گواہی قبول نہ کرو اور محدودین فی القذف فاسق ہیں۔ الایہ کہ وہ توبہ کر لیں یعنی توبہ کرنے کے بعد وہ فاسق نہ رہیں گے۔ پس توبہ سے ان کا فسق زائل ہوا ہے نہ کہ عدم قبول شہادت کا حکم۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ حرف الا لکن کے معنی میں استثناء منقطع ہے اور استثناء منقطع اس لئے ہے کہ توبہ کرنے والے جنس فاسقین میں داخل نہیں ہیں گویا یوں کہا گیا کہ یہ لوگ فاسق ہیں لیکن جنہوں نے توبہ کر لی وہ فاسق نہیں ہیں۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ اگر کسی کافر کو حد قذف ماری گئی تو اس کے بعد کفار کے خلاف اس کی شہادت قبول نہ ہوگی لیکن اگر حد قذف کے بعد وہ مسلمان ہو گیا تو اس کی شہادت کافر اور مسلمان سب کے خلاف قبول کی جائے گی۔ اس لئے کہ کافر کو کفار کے خلاف گواہی کا حق ہوتا ہے۔ اور جس شخص کو گواہی دینے کا حق ہو اور اس کو حد قذف ماری گئی ہو تو اس کی شہادت کا مردود ہونا اس کی حد کا تہہ ہوتا ہے۔ پس جب یہ محدود فی القذف کافر مسلمان ہو گیا تو اسلام کی وجہ سے اس کے لئے دوسری گواہی کا حق پیدا ہو گیا جو شہادت اولیٰ مردودہ کا غیر ہے۔ یعنی اسلام سے پہلے کافر کو صرف کافر کے خلاف گواہی دینے کا حق تھا اور اسلام کے بعد اس کو کافر اور مسلمان سب کے خلاف گواہی دینے کا حق حاصل ہے پس جب حد قذف کا تہہ شہادت اولیٰ مردودہ ہے نہ کہ شہادت ثانیہ۔ تو شہادت ثانیہ کا قبول نہ ہونا اس کی حد کا تہہ نہ ہوگا۔ اور جب شہادت ثانیہ کا قبول نہ ہونا اس کی حد کا تہہ نہیں ہے تو شہادت ثانیہ یعنی اسلام کے بعد جس شہادت کا حق حاصل ہوا ہے اس کو قبول کر لیا جائے گا۔ اس کے برخلاف غلام کہ جب اس کو حد ماری گئی پھر وہ آزاد کر دیا گیا تو اس کی گواہی قبول نہ ہوگی اس لئے کہ غلام کو قطعاً شہادت کا حق حاصل نہیں ہوتا نہ مسلمان کے خلاف اور نہ کافر کے خلاف بلکہ اس کو آزاد ہونے کے بعد گواہی دینے کا حق حاصل ہوا ہے۔ پس جب آزاد ہونے سے پہلے غلام کو شہادت کا حق نہیں تھا بلکہ آزاد ہونے کے بعد شہادت کا حق حاصل ہوا ہے تو آزاد ہونے کے بعد اس کی گواہی کا رد کرنا بھی اس کی حد قذف کا تہہ ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ حد قذف میں پوری سزا یہ ہے کہ اس کو اسی کوڑے مارے جائیں اور اس کی گواہی رد کی جائے۔ پس گواہی کا رد کرنا بھی سزا کا جز ہوا۔ لہذا آزاد ہونے کے بعد جب غلام کو گواہی کا حق ہوا تو سزا پوری کرنے کے واسطے اس کی گواہی رد کی جائے گی۔

والد کی بیٹی، پوتے اور بیٹے کی آباؤ اجداد کے حق میں گواہی قابل قبول نہیں

قَالَ وَلَا شَهَادَةُ الْوَالِدِ لِوَلَدِهِ وَوَلَدٍ لِوَلَدِهِ وَلَا شَهَادَةُ الْوَلَدِ لِأَبَوَيْهِ وَلَا جَدَّاهُ وَالْأَصْلُ فِيهِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا يُقْبَلُ شَهَادَةُ الْوَلَدِ لِوَالِدِهِ وَلَا الْوَالِدِ لِوَلَدِهِ وَلَا الْمَرْأَةُ لِزَوْجِهَا وَلَا الزَّوْجُ لِامْرَأَتِهِ وَلَا الْعَبْدُ لِسَيِّدِهِ وَلَا الْمَوْلَى لِعَبْدِهِ وَلَا الْأَجِيرُ لِمَنْ اسْتَأْجَرَهُ وَلَا نَ الْفَاعِلُ بَيْنَ الْأَوْلَادِ وَالْأَبَاءِ مُتَّصِلَةً وَلِهَذَا لَا يَجُوزُ آدَاءُ الزَّكَاةِ إِلَيْهِمْ فَتَكُونُ شَهَادَةُ لِنَفْسِهِ مِنْ وَجْهِهِ أَوْ تَتِمَّكُنْ فِيهِ التَّهْمَةُ قَالَ وَالْمُرَادُ بِالْأَجِيرِ عَلَى مَا قَالُوا التِّلْمِيذُ الْخَاصُّ الَّذِي يَعُدُّ ضَرَرَ اسْتِئْذَانِهِ ضَرَرَ نَفْسِهِ وَنَفْعُهُ نَفْعَ نَفْسِهِ وَهُوَ مَعْنَى قَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَا شَهَادَةَ لِلْفَاعِلِ بِأَهْلِ الْبَيْتِ لَهُمْ وَقِيلَ الْمُرَادُ بِهِ الْأَجِيرُ مُسَانَّهُةً أَوْ مُشَاهَرَةً أَوْ مُيَاوَمَةً فَيَسْتَوْجِبُ الْأَجْرَ بِمَنَافِعِهِ عِنْدَ آدَاءِ الشَّهَادَةِ فَيَصِيرُ كَالْمُسْتَأْجَرِ عَلَيْهَا

ترجمہ اور والد کی گواہی اس کے بیٹے اور پوتے کے حق میں قبول نہیں ہے اور بیٹے کی گواہی اس کے والدین اور اجداد کے حق میں قبول نہیں ہے اور اصل اس میں حضور ﷺ کا یہ قول ہے کہ والد کی گواہی اس کے والد کے واسطے قبول نہ ہوگی۔ اور نہ والد کی اس کے والد کے واسطے اور نہ عورت کی اس

کے شوہر کیواسطے اور نہ شوہر کی اس کی دلہن کے واسطے اور نہ غلام کی اس کے آقا کے واسطے اور نہ آقا کی اس کے غلام کیواسطے اور نہ مزدور کی اس کے مستاجر کے واسطے اور اس لئے کہ منافع اولاد اور آباؤ کے درمیان ملے ہوئے ہوتے ہیں اسی وجہ سے ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ پس یہ گواہی ایک اعتبار سے اپنی ذات کے واسطے ہوگی۔ یا اس میں تہمت جاگزیں ہوگی۔ مصنفؒ نے فرمایا کہ بقول حضرات مشائخ کے اجیر سے مراد وہ تلمیذ خاص ہے جو اپنے استاذ کے ضرر کو اپنا ضرر سمجھے اور استاذ کے نفع کو اپنا نفع سمجھے اور آنحضرت ﷺ کے قول کے یہی معنی ہیں کہ جو شخص ایک گھر والوں کے تابع ہو اس کی گواہی اس گھر والوں کے واسطے قبول نہیں بعض مشائخ نے فرمایا کہ اجیر سے وہ نوکر مراد ہے جو سالانہ یا ماہانہ یا روزانہ مقرر ہو کہ ادائے گواہی کے وقت اپنے منافع کی وجہ سے اجرت کا مستحق ہوتا ہے۔ پس ایسا ہو جائے گا جیسے وہ شخص جس کو گواہ دینے کے لئے اجرت پر لیا گیا ہو۔

تشریح..... صاحب قدوری نے کہا کہ والد کی گواہی اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد کے حق میں قبول نہیں ہوگی۔ اور نہ اولاد کی گواہی اس کے والدین اور اجداد کے حق میں قبول ہوگی۔ اس بارے میں یہ حدیث اصل ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ والد کی گواہی اس کے ولد کے حق میں اور ولد کی گواہی اس کے والد کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی۔ اور نہ عورت کی گواہی اس کے شوہر کے حق میں قبول ہوگی اور نہ شوہر کی گواہی اس کی بیوی کے حق میں قبول ہوگی۔ اور نہ غلام کی گواہی اس کے آقا کے حق میں قبول ہوگی اور نہ آقا کی گواہی اس کے غلام کے حق میں قبول ہوگی اور نہ مزدور کی گواہی اجرت پر لینے والے کے حق میں ہوگی۔ اس حدیث میں ولا العبد لسیدہ کے جملہ پر اعتراض ہے۔

اعتراض..... اس طور پر کہ غلام کے لئے کسی کے حق میں شہادت کا حق نہیں ہوتا۔ اور جب غلام کے لئے کسی کے حق میں شہادت کا حق ثابت نہیں ہے تو پھر ولا العبد لسیدہ ذکر کرنے سے کیا فائدہ ہے۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ ولا العبد لسیدہ کا ذکر طردالباب کے طور پر کیا گیا ہے۔ یعنی جب رسول اکرم ﷺ نے مواضع تہمت کو شمار کرایا تو عبد مع السید کا بھی ذکر کیا۔ گویا رسول اللہ ﷺ نے یوں فرمایا کہ اگر بالفرض کسی جگہ غلام کی گواہی قبول کی جاتی تو تہمت کی وجہ سے اس کے آقا کے حق میں قبول نہ ہوتی۔ بہر حال اس حدیث سے معلوم ہوا کہ والد کی شہادت اس کی اولاد اور اولاد کی اولاد کے حق میں اور ولد کی شہادت اس کے والدین اور اجداد کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی۔

اس پر عقلی دلیل یہ ہے..... کہ اولاد اور آباؤ کے درمیان منافع ملے جلے ہوتے ہیں۔ یعنی باپ کی مملوکہ چیز سے بیٹا اور بیٹے کی مملوکہ چیز سے باپ نفع اندوز ہوتا ہے اور عرف میں اس کو بُرا بھی نہیں سمجھا جاتا۔ اسی وجہ سے باپ کا اپنے بیٹے کو اور بیٹے کا اپنے باپ کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ پس اگر باپ اپنے بیٹے یا پوتے کے حق میں گواہی دے گا۔ یا بیٹا اپنے باپ کے لئے گواہی دے گا۔ تو ان کے درمیان چونکہ منافع متصل اور مشترک ہیں اس لئے یہ شہادت من وجہ اپنی ذات کے واسطے ہوگی یا اس میں کم از کم یہ شبہ ہوگا کہ گواہ نے اپنے نفع کے لئے گواہی دی ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ گواہ کی ایسی گواہی جس سے اس کی ذات کو نفع پہنچتا ہو یا نفع پہنچنے کا شبہ ہو تہمت کی وجہ سے قبول نہیں کی جاتی۔ لہذا والد کی گواہی اولاد کے حق میں اور اولاد کی گواہی والدین کے حق میں قبول نہ ہوگی۔

ساحب ہدایہ نے فرمایا کہ حدیث میں بقول حضرات مشائخ کے اجیر سے مراد وہ خاص متعلم ہے جو اپنے استاذ کے نقصان کو اپنا نقصان اور اس کے نفع کو اپنا نفع خیال کرے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اجیر سے مراد تلمیذ خاص وہ ہے جو استاذ ہی کے ساتھ گھماتا پیتا ہے اور اس کے گھر کا ایک فرد بن کر اس کے اہل و عیال میں رہتا ہو اور اس کے لئے کوئی اجرت بھی متعین نہ ہو۔ گویا ایسے تلمیذ اور شاگرد کی گواہی اس کے استاذ کے حق میں قبول نہ ہوگی۔ اور یہی معنی رسول اکرم ﷺ کی حدیث لا شہادۃ للقانع باہل البیت لہم کے ہیں یعنی جو شخص ایک گھر والوں کے تابع ہو اور انہیں کا کام کاج کرتا ہو تو اس کی گواہی اس کے گھر والوں کے واسطے قبول نہ ہوگی۔ ترمذی کے بیان کے مطابق پوری حدیث یہ ہے عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قال قال رسول اللہ ﷺ لا تجوز شہادۃ خائن ولا خائنة ولا مجلود حدًا ولا ذی عمر علی اخیه ولا مجرب

بشہادۃ زور ولا القانع باهل البيت ولا ظنين فى ولاء ولا قرابة حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ خیانت کرنے والے اور خیانت کرنے والی کی گواہی جائز نہیں ہے۔ اور نہ اس کی جائز ہے جس کو کسی حد میں کوڑے مارے گئے ہوں نہ دشمن کی گواہی اور نہ گواہی کے عادی کی نہ اس کی جواب گھر والوں کے ماتحت ہو اور نہ اس کی جو ملکیت اور قرابتداری سے متم ہو۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ حدیث میں اجیر سے مراد وہ اجیر خاص ہے جو سالانہ یا ماہانہ یا روزانہ کی تنخواہ پر مقرر ہو۔ اور اس اجیر کی گواہی مستاجر کے حق میں اس لئے قبول نہیں کی جائے گی کہ وہ ادائے شہادت کی وقت اپنے منافع کے عوض اجر کا مستحق ہوگا۔ یعنی مدت اجارہ میں اجیر کا پورا کام مستاجر کے لئے ہوتا ہے۔ پس جب اجیر مدت اجارہ میں گواہی دیگا اور گواہی دینا بھی اس کے اعمال میں سے ایک عمل ہے تو یہ گواہی دینا بھی مستاجر کے لئے ہوگا اور اجیر مستاجر سے اس پر اجرت وصول کرے گا۔ پس یہ ایسا ہو گیا جیسے کسی شخص کو گواہی دینے پر کچھ مال دیکر مقرر کیا گیا ہو۔ اور جس شخص کو اجرت دے کر گواہی دینے پر مقرر کیا گیا ہو، اسکی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔ لہذا وہ اجیر جو سالانہ یا ماہانہ یا روزانہ پر مقرر ہو اس کی گواہی بھی قبول نہیں کی جائے گی۔ البتہ مستاجر کے حق میں اجیر مشترک کی گواہی قبول کر لی جائے گی۔ اجیر مشترک وہ اجیر ہے جو کام کے بعد اجرت کا مستحق ہوتا ہے جیسے رنگریز، دھوبی، درزی، اجیر مشترک کے منافع کسی ایک شخص کے لئے نہیں ہوتے بلکہ عام لوگوں کے لئے ہوتے ہیں۔ اور اجیر خاص وہ ہوتا ہے جو مدت مقررہ میں اپنی ذات مستاجر کے سپرد کر دے اگرچہ کام نہ کیا ہو۔ جیسے کسی کو ایک سال یا ایک ماہ یا ایک دن کے لئے نوکر رکھا گیا ہو اسی کو اجیر واحد کہتے ہیں یعنی ایک شخص کا اجیر۔

میاں بیوی کی ایک دوسرے کے حق میں گواہی قبول نہیں

وَلَا يُقْبَلُ شَهَادَةُ أَحَدِ الزَّوْجَيْنِ لِلْآخَرِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ تَقْبَلُ لِأَنَّ الْأَمْلَاكَ بَيْنَهُمَا مُتَمَيِّزَةٌ وَالْأَيْدِي مُتَحَيِّزَةٌ وَلِهَذَا يَجْرَى الْقِصَاصُ وَالْحِسُّ بِالَّذَيْنِ بَيْنَهُمَا وَلَا مُعْتَبَرٌ بِمَا فِيهِ مِنَ النِّفْعِ لِثُبُوتِهِ ضِمْنًا كَمَا فِي الْغَرِيمِ إِذَا شَهِدَ لِمَذْنُوبِهِ الْمُفْلِسُ. وَلَنَا مَا رَوَيْنَاهُ وَلَا الْإِنْتِفَاعَ مُتَّصِلَ عَادَةً وَهُوَ الْمَفْضُودُ فَيَصِيرُ شَاهِدًا لِنَفْسِهِ مِنْ وَجْهِ أَوْ يَصِيرُ مَتَّعًا بِخِلَافِ شَهَادَةِ الْغَرِيمِ لِأَنَّهُ لَا وِلَايَةَ لَهُ عَلَى الْمَشْهُودِ بِهِ

ترجمہ..... اور میاں بیوی میں سے ایک کی گواہی دوسرے کے لئے قبول نہیں کی جائے گی اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ قبول کی جائے گی۔ اس لئے کہ دونوں کے املاک باہم جدا جدا ہیں اور قبضے سمٹے ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے دونوں کے درمیان قصاص اور قرضہ کی وجہ سے قید کرنا جاری ہوگا اور اس نفع کا کوئی اعتبار نہیں ہے جو احد الزوجین کی گواہی میں موجود ہے۔ کیونکہ وہ نفع ضمناً ثابت ہوتا ہے جیسا کہ قرضخواہ میں جب اپنے مفلس مدیوں کے لئے گواہی دے۔ اور ہماری دلیل وہ حدیث ہے جس کو ہم نے روایت کیا ہے۔ اور اس لئے کہ عادتہ زوجین کی منفعت متصل ہوتی ہے اور یہی مقصود ہے۔ پس وہ من وجہ اپنے لئے گواہ ہوگا۔ یا متہم ہوگا برخلاف قرض خواہ کی شہادت کے اس لئے کہ اس کو مشہود بہ کوئی ولایت نہیں ہے۔

تشریح..... صاحب قدوری نے کہا کہ میاں بیوی میں سے ایک کی گواہی دوسرے کے لئے قبول نہ ہوگی۔ اسی کے قائل امام مالکؒ اور امام احمدؒ ہیں اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ قبول کر لی جائے گی۔ اور ابن ابی لیلیٰ، سفیان ثوری اور ابراہیم نخعی رحمہم اللہ علیہم نے فرمایا کہ بیوی کی شہادت اس کے شوہر کے حق میں قبول نہ ہوگی اور شوہر کی گواہی اس کی بیوی کے حق میں قبول کی جائے گی۔

ان حضرات کی دلیل..... یہ ہے کہ شوہر پر چونکہ بیوی کا نفقہ اور کسود واجب ہوتا ہے اس لئے بیوی کا شوہر کے مال میں ایک حق ہے۔ اور جب بیوی کا شوہر کے مال میں حق ہے تو بیوی اپنے شوہر کے حق میں گواہی دینے سے متم ہوگی۔ یعنی لوگ یہ کہیں گے کہ بیوی نے اپنے نفع کے خاطر گواہی دی ہے۔ اور جو شخص گواہی میں متم ہو اس کی گواہی چونکہ قبول نہیں کی جاتی ہے اس لئے بیوی کی گواہی اس کے شوہر کے حق میں قبول نہ ہوگی۔ اور شوہر کی گواہی میں چونکہ اس طرح کی تہمت نہیں ہے اس لئے شوہر کی گواہی اس کی بیوی کے حق میں قبول کر لی جائے گی۔

حضرت امام شافعیؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں میں سے ہر ایک کی ملک بھی خدا ہے اور ہر ایک کا قبضہ بھی سمٹا ہوا ہے۔ تنہا ہر ایک کا قبضہ بھی خدا ہے۔ لہذا ان دونوں میں سے ایک کو دوسرے کی ملک اور دوسرے کے مال میں تصرف کی اجازت نہ ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ اگر زوجین میں سے کسی نے دوسرے کو ناحق قتل کر دیا تو اس پر قصاص واجب ہوتا ہے قاتل خواہ شوہر ہو خواہ بیوی ہو۔ اگر ایک کا قبضہ ہو اور قرضہ خدا کا رہا تو اس میں خواہ خواہ کی وجہ سے قرضہ کو قید کر لیا جاتا ہے خواہ بیوی قرضہ دار اور شوہر قرض خواہ ہو یا اس کا برعکس ہو۔ اور جو شخص ایسا ہو اس کی گواہی اس کے ساتھی کے حق میں قبول کر لی جاتی ہے جیسے ایک بھائی کی گواہی دوسرے بھائی کے حق میں قبول کی جاتی ہے۔

ولا معتبر بما فیہ من النفع..... الخ سے ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال..... یہ ہے کہ زوجین میں سے ایک کی شہادت دوسرے کے لئے قبول کرنے میں خود گواہ کا نفع ہے۔ اس لئے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے ساتھی کے نفع کو اپنا نفع شمار کرتا ہے یعنی اگر کسی بات میں شوہر کا نفع ہے تو بیوی اس کو اپنا نفع شمار کرتی ہے اور اگر بیوی کا نفع ہے تو شوہر اس کو اپنا نفع شمار کرتا ہے۔ پس جب زوجین میں سے کوئی ایک دوسرے کے لئے گواہی دے گا تو اس گواہی سے یقیناً مشہودہ، کا نفع ہوگا اور شاید چونکہ مشہودہ، کی بیوی یا شوہر ہے اس لئے اس گواہی سے خود شاید کا بھی نفع ہوگا۔ اور جس گواہی سے خود شاید کا نفع ہوتا ہو اس کو قبول نہیں کیا جاتا۔ لہذا زوجین میں سے ہر ایک کی گواہی دوسرے کے حق میں قبول نہ ہونی چاہئے۔

امام شافعیؒ کی طرف سے اس کا جواب..... یہ ہوگا کہ گواہی سے نفع مقصود نہیں ہے بلکہ یہ نفع گواہی کے ضمن میں ثابت ہوا ہے اور جو نفع ضمناً ثابت ہو اس کا اعتبار نہیں ہوتا۔ لہذا زوجین میں سے کسی ایک کے گواہی دینے میں خود شاید کا جو نفع ضمناً ثابت ہوا ہے اس کا اعتبار نہ ہوگا۔ اور جب اس نفع کا اعتبار نہیں ہے تو احداً زوجین کی گواہی دوسرے کے لئے قبول کرنے میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے قرضہ خواہ اپنے مفلس قرضہ دار کے لئے گواہی دے تو یہ گواہی قبول کی جاتی ہے اگر قرضہ خواہ کے لئے بھی اس گواہی میں نفع موجود ہے۔ کیونکہ اس گواہی پر قرضہ دار مفلس کے واسطے مال کا حکم ہوا تو قرضہ خواہ کا قرضہ وصول ہونا ممکن ہے مگر چونکہ یہ نفع ایک ضمنی چیز ہے گواہی کا مقصود نہیں ہے۔ اس لئے اس نفع کا اعتبار نہ ہوگا۔

ہماری دلیل..... وہ حدیث ہے جس کو ہم سابق میں روایت کر چکے ہیں یعنی لا تجوز شہادۃ الوالد لولدہ ولا الولد لوالدہ ولا المرأة لزوجہا ولا الزوج لامراتہ یہ حدیث صراحۃً دلالت کرتی ہے کہ بیوی کی گواہی شوہر کے لئے اور شوہر کی گواہی بیوی کے لئے جائز نہیں ہے۔

اور عقلی دلیل..... یہ ہے کہ زوجین کے درمیان منافع عادیہ متصل ہوتے ہیں یعنی شوہر کو بیوی کے مال کی وجہ سے مالدار شمار کیا جاتا ہے۔ اور بیوی کو شوہر کے مال کی وجہ سے مالدار شمار کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ”ووجدک عانیلاً فاعنی“ اور پایا تجھ کو مفلس پھر غنی کر دیا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال سے تجھ کو غنی کر دیا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیوی کے مالدار ہونے سے شوہر کو مالدار شمار کیا جاتا ہے۔ بلکہ بسا اوقات میاں بیوی کے درمیان منافع میں اس قدر اتصال اور انبساط ہوتا ہے کہ اولاد اور والدین کے درمیان نہیں ہوتا یعنی شوہر بیوی پر اور بیوی شوہر پر اس قدر ایثار کرتے ہیں کہ والدین اپنی اولاد پر اور اولاد اپنے والدین پر ایثار نہیں کرتے بلکہ کبھی کبھی تو شوہر اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لئے اپنے والدین سے دشمنی کر لیتا ہے اور بیوی اپنے شوہر کی خوشنودی کے لئے اپنے ماں باپ کو ناراض کر دیتی ہے۔ بہر حال زوجین کے درمیان منافع متصل اور مشترک ہوتے ہیں۔ اور رشتہ زوجیت سے نفع اٹھانا ہی مقصود ہوتا ہے پس جب زوجین کے درمیان منافع متصل اور مشترک ہوتے ہیں اور نفع مقصود بھی ہے تو ان میں سے کسی ایک کا دوسرے کے لئے گواہی دینا من وجہ اپنے لئے گواہی دینا ہوگا یا وہ اپنی شہادت میں اپنے واسطے نفع حاصل کرنے کے ساتھ مہتمم ہوگا۔ اور آدمی اپنے واسطے گواہی دے تب بھی اس کی گواہی رد کر دی جاتی ہے اور اگر اپنی گواہی میں مہتمم ہو تب بھی رد کر دی جاتی ہے اس لئے زوجین میں سے ایک کی گواہی دوسرے کے لئے قبول نہ ہوگی۔

آلف شہادۃ الغریم الخ..... سے امام شافعیؒ کے قیاس کا جواب ہے۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ قرض خواہ کو شہود بہ پر ولایت کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس لئے کہ ”مشہود بہ“ قرضدار کا مال ہے اور قرض خواہ کو قرضدار کے مال پر تصرف کا کوئی اختیار نہیں ہوتا اور قرض خواہ کو جب قرضدار کے مال پر تصرف کا کوئی حق نہیں ہے تو وہ گواہی دینے میں متہم بھی نہ ہوگا اور جب قرض خواہ گواہی میں متہم نہ ہو تو اس کی گواہی جائز اور قابل قبول ہوگی اس کے خلاف مرد کہ اس کو عورت پر نگر اس مقرر کیا گیا ہے وہ عورت کے مال میں عادتہ تصرف کرتا ہے لہذا شوہر اپنی بیوی کے لئے گواہی دینے میں متہم ہوگا۔ اور جب شوہر اپنی گواہی میں متہم ہے تو بیوی کے حق میں اس کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔

جمیل احمد عفی عنہ

مولیٰ کی غلام اور مکاتب کے حق میں گواہی قبول نہیں

وَلَا شَهَادَةُ الْمَوْلَىٰ لِعَبْدِهِ لِأَنَّهُ شَهَادَةٌ لِّنَفْسِهِ مِنْ كُلِّ وَجْهِ إِذَا لَمْ يَكُنْ عَلَى الْعَبْدِ دَيْنٌ أَوْ مِنْ وَجْهِ إِنْ كَانَ عَلَيْهِ دَيْنٌ لِأَنَّ الْحَالَّ مَوْقُوفٌ مُّرَاعَى وَلَا لِمُكَاتِبِهِ لِمَا قُلْنَا وَلَا شَهَادَةُ الشَّرِيكِ لِشَرِيكِهِ فِيمَا هُوَ مِنْ شَرِكَيْهِمَا لِأَنَّهُ شَهَادَةٌ لِّنَفْسِهِ مِنْ وَجْهِ لَا شَرِيكَ لَهُمَا وَلَوْ شَهِدَ بِمَا لَيْسَ مِنْ شَرِكَيْهِمَا تُقْبَلُ لِإِنْتِغَاءِ التَّهْمَةِ

ترجمہ اور آقا کی گواہی اس کے غلام کے حق میں قبول نہ ہوگی اس لئے کہ یہ من کل وجہ اس کی ذات کے واسطے شہادت ہے بشرطیکہ غلام پر قرضہ نہ ہو یا من وجہ اگر اس پر قرضہ ہو اس لئے کہ غلام کی حالت موقوف قابل لحاظ ہے اور مولیٰ کی گواہی اس کے مکاتب کے واسطے بھی جائز نہیں ہے اسی دلیل کی وجہ سے جوہم نے بیان کی اور ایک شریک کی گواہی اس کے دوسرے شریک کے واسطے ایسی چیز میں جائز نہیں ہے۔ جو ان دونوں کی شرکت میں ہے کیونکہ یہ من وجہ اس کی ذات کے واسطے شہادت ہے اس لئے کہ دونوں کی شرکت ہے اور اگر ایسی چیز میں گواہی دی جو ان دونوں کی شرکت میں نہیں ہے تو قبول کر لی جائے گی کیونکہ کوئی تہمت نہیں ہے۔

تشریح صاحب قدوری نے فرمایا ہے کہ آقا کی شہادت خود اس کے غلام کے حق میں قبول نہیں کی جائے گی دلیل سابق میں مذکورہ حدیث، ولا المولى لعبدہ ہے۔

اور دلیل عقلی یہ ہے کہ آقا کا اپنے غلام کے حق میں گواہی دینا خود آقا کے لئے من وجہ شہادت ہے یا من کل وجہ شہادت ہے۔ کیوں کہ غلام کی دو حالتیں ہیں یا تو لوگوں کا اس پر قرضہ ہوگا یا نہیں اگر اس پر لوگوں کا قرضہ ہو تو مولیٰ کا اس کے حق میں گواہی دینا من وجہ اپنے لئے گواہی دینا ہے اس لئے کہ قرضدار غلام کی حالت انجام دیکھنے پر موقوف ہے یعنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ قرض خواہ حضرات اپنے قرضہ میں اس غلام کو فروخت کر دیں تو اس صورت میں یہ غلام قرض خواہوں کا ہوگا اور مولیٰ کیلئے اجنبی ہوگا اور اجنبی ہونے کی وجہ سے مولیٰ کا اس کے حق میں گواہی دینا اپنے لئے گواہی دینا نہیں ہوگا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مولیٰ بذات خود قرض خواہوں کا قرضہ ادا کرے اور یہ غلام مولیٰ کا ہی باقی رہے پس اس صورت میں چون کہ یہ غلام مولیٰ کا ہے اس لئے مولیٰ کا اس کے حق میں گواہی دینا اپنے لئے گواہی دینا ہوگا کیونکہ کہ غلام اور غلام کی ملک میں جو کچھ ہے سب مولیٰ کا ہوگا ہے بہر حال غلام کے قرضدار ہونے کی صورت میں ایک اعتبار سے آقا کا اپنے قرضدار غلام کے حق میں گواہی دینا اپنے لئے گواہی دینا ہے۔ اور ایک اعتبار سے اپنے لیے گواہی دینا نہیں ہے لہذا دونوں کا لحاظ کرتے ہوئے کہا جائیگا کہ قرضدار اور غلام کے حق میں مولیٰ کا گواہی دینا من وجہ اپنے لئے گواہی دینا ہے۔ اور اگر غلام پر قرضہ نہ ہو تو مولیٰ کا بل کے حق میں گواہی دینا من کل وجہ اپنے لئے گواہی دینا ہے۔ کیونکہ غلام بھی مولیٰ کا ہوتا ہے اور غلام کی ملک میں جو کچھ ہو وہ بھی مولیٰ کا ہوتا ہے۔ پس جب غلام اور غلام کی ملکیت سب کا مالک مولیٰ ہے تو مولیٰ کا اپنے غلام کے لئے گواہی دینا خود اپنے لئے گواہی دینا ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ گواہ کا اپنے لئے من کل الوجوہ گواہی دینا بھی ناجائز ہے پس جب من کل وجہ اور من وجہ دونوں طرح گواہ کا اپنے لئے گواہی دینا ناجائز ہے اور آقا کے اپنے غلام کے حق میں گواہی دینے سے یہ لازم آتا ہے تو مولیٰ کا اپنے غلام کے حق میں گواہی دینا ناجائز ہوگا۔ اور اگر اس نے

گواہی دے بھی دی تو قاضی اس کو قبول نہیں کرے گا۔

اور آقا کی شہادت اس کے مکاتب کے حق میں بھی قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ مکاتب کی حالت بھی انجام دیکھنے پر موقوف ہے اس لئے کہ مکاتب نے اگر بدل کتابت ادا کر دیا تو وہ مولیٰ کے لئے اجنبی ہوگا۔ اور اس کے حق میں مولیٰ کی شہادت قبول ہوگی اور اگر وہ بدل کتابت ادا نہ کر سکا تو وہ مولیٰ کا رفیق اور غلام ہوگا۔ اور اس کے حق میں مولیٰ کا شہادت دینا شہادت لفسہ ہوگا۔ بہر حال ایک صورت میں شہادت لفسہ لازم آتا ہے اور ایک صورت میں لازم نہیں آتا۔ لہذا دونوں کا اعتبار کرتے ہوئے آقا کے اپنے مکاتب کے حق میں گواہی دینے سے من وجہ اپنے حق میں گواہی دینا لازم آئے گا۔ اور سابق میں گذر چکا ہے کہ یہ ناجائز اور ناقابل قبول ہے اس لئے آقا کی شہادت اس کے مکاتب کے حق میں قبول نہ ہوگی۔ اور اگر مال شرکت میں ایک شریک نے کسی پر کوئی دعویٰ کیا اور دوسرے شریک نے اس کے واسطے گواہی دی تو یہ گواہی بھی قبول نہ ہوگی اس لئے کہ مال مدعی بہ مدعی اور شاہد کے درمیان مشترک ہے۔ لہذا شاہد کی شہادت مال کے کچھ حصہ میں وہ خود شاہد ہی کے واسطے ہوگی۔ اور یہ باطل ہے۔ اور جب بعض مال کی شہادت باطل ہوگئی تو پورے مال کی شہادت باطل ہو جائے گی۔ کیوں کہ شہادت ایک ہے اس میں تجزی (ٹکڑے ٹکڑے) نہیں ہو سکتی کہ ایک ہی شہادت بعض مال میں درست ہو۔ اور بعض میں باطل ہو۔ اور اگر ایک شریک نے اپنے شریک کے واسطے ایسی چیز میں شہادت دی جو ان کی شرکت میں نہیں ہے تو یہ گواہی قبول ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں شہادت لفسہ لازم نہ آنے کی وجہ سے شاہد متہم نہ ہوگا اور جب شاہد اپنی شہادت میں متہم نہیں ہوگا، تو اس کی شہادت بھی قبول کر لی جائے گی۔

بھائی کی بھائی اور چچا کے حق میں گواہی قابل قبول ہے

وَتَقْبَلُ شَهَادَةُ الرَّجُلِ لِأَخِيهِ وَعَمِّهِ لِإِنْعَادِ التُّهْمَةِ لِأَنَّ الْأَمْلَاقَ وَمَنَافِعَهَا مُتَبَايِنَةٌ وَلَا بَسْوَطَةَ لِبَعْضِهِمْ فِي مَالِ الْبَعْضِ

ترجمہ..... اور آدمی کی شہادت اس کے بھائی اور چچا کے لئے قبول کی جائے گی کیونکہ تہمت معدوم ہے۔ اس لئے کہ املاک اور منافع الگ الگ ہیں اور بعض کو بعض کے مال میں کچھ انبساط نہیں ہے۔

تشریح.... صاحب قدوری نے کہا کہ ایک بھائی کی شہادت دوسرے بھائی کے لئے اور بھتیجے کی شہادت اس کے چچا کے لئے اور قرابت ولادت کے علاوہ تمام قریب تداروں میں ایک کی شہادت دوسرے کے لئے قبول کی جائے گی۔

دلیل..... یہ ہے کہ ولادت کے علاوہ تمام قریب تداروں کی املاک اور منافع الگ الگ ہوتے ہیں۔ اور بلا تکلیف ایک کو دوسرے کے مال میں تصرف کا اختیار بھی نہیں ہوتا۔ پس جب ان کی املاک اور منافع الگ الگ ہیں اور باہم ایک کو دوسرے کے مال میں بلا تکلف تصرف کرنے کا اختیار بھی نہیں ہوتا تو ان میں سے اگر ایک نے دوسرے کے حق میں گواہی دی تو گواہ اپنی گواہی میں متہم نہ ہوگا۔ اور جب گواہ اپنی گواہی میں متہم نہیں ہوا تو اس کی گواہی قبول کر لی جائے گی۔

مخنت کی گواہی قبول نہیں

قَالَ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ مُخْنَبٍ وَمَرَادُهُ الْمُخْنَبُ فِي الرَّدْيِ مِنَ الْأَفْعَالِ لِأَنَّهُ فَاسِقٌ فَأَمَّا الَّذِي فِي كَلَامِهِ لَيْنٌ وَفِي أَعْضَائِهِ تَكْسَرٌ فَهُوَ مَقْبُولُ الشَّهَادَةِ

ترجمہ..... اور مخنت کی گواہی مقبول نہیں ہے۔ اور مصنف کی مراد وہ مخنت ہے جو لواطت کراتا ہے اس لئے کہ جوہ فاسق ہے اور رہا وہ شخص جس کی

باتوں میں نرمی اور اعضاء میں پیدائشی چمک ہو تو اس کی گواہی مقبول ہے۔

تشریح..... صاحب قدوری نے کہا کہ منکھ کی گواہی بھی قبول نہیں کی جائے گی مگر مصنفؒ کی مراد منکھ سے وہ منکھ ہے جو لوگوں کو اپنے ساتھ لواطت پر قدرت دیتا ہے۔ اور زیب و زینت میں عورتوں کی مشابہت اختیار کرتا ہے اور زخموں کی طرح منکھ منکھ کر چلتا ہے اور زمانہ لہجہ میں گفتگو کرتا ہے۔ ایسے منکھ کی گواہی مقبول نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ایسا شخص فاسق ہے (چنانچہ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے لعن اللہ المحنثین من الرجال اللہ تعالیٰ منکھ مردوں پر لعنت کرے) اور سابق میں گذر چکا ہے کہ فاسق کی گواہی قبول نہیں ہوتی لہذا منکھ کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔ ہاں اگر کسی شخص کی گفتگو میں فطری نرمی اور اعضاء میں پیدائشی اور قدرتی لوج اور چمک ہو اور کسی گندے فعل کے ساتھ معروف نہ ہو تو اس کی گواہی قبول کر لی جائے گی۔

نائحہ اور مغنیہ کی گواہی مقبول نہیں

وَلَا نَائِحَةٍ وَلَا مُغْنِيَةٍ لِأَنَّهُمَا تَرْتَكِبَانِ مُحَرَّمًا فَإِنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ نَهَى عَنِ الصَّوْتَيْنِ الْأَحْمَقَيْنِ النَّائِحَةِ وَالْمُغْنِيَةِ

ترجمہ..... اور (پیشہ کے طور پر) رونے والی عورت اور گانے والی عورت کی شہادت مقبول نہیں ہے۔ اس لئے کہ وہ دونوں عورتیں فعل حرام کی مرتکب ہیں۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے دو احمق آوازوں یعنی رونے اور گانے کی آوازوں سے منع فرمایا ہے۔

تشریح..... صاحب قدوری نے کہا ہے کہ پیشہ کے طور پر رونے اور گانے بجانے والی عورتوں کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ یہ دونوں عورتیں فعل حرام کی مرتکب ہیں اور یہ فعل اس لئے حرام ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں بیہودہ آوازوں سے منع فرمایا ہے۔ پس جب یہ دونوں آوازیں حرام ہیں۔ اور مذکورہ عورتوں نے ان آوازوں کا ارتکاب کیا ہے تو یہ دونوں عورتیں فاسق ہوئیں اور فاسق کی گواہی قبول نہیں کی جاتی لہذا ان عورتوں کی گواہی قبول نہ ہوگی۔

دامی شراب پینے والے، پرندوں سے کھیلنے والے کی گواہی قبول نہیں

قَالَ وَلَا مُدٍّ مِنَ الشَّرْبِ عَلَى اللَّهْوِ لِأَنَّهُ ارْتَكَبَ مُحَرَّمًا دَيْنَهُ وَلَا مَنْ يَلْعَبُ بِالطُّبُورِ لِأَنَّهُ يُوَرِّثُ غَفْلَةً وَلَا أَنَّهُ قَدْ يَقِفُ عَلَى عَوْرَاتِ النِّسَاءِ بِصُعُودِ سَطْحِهِ لِيُطَيِّرَ طَيْرَهُ وَفِي بَعْضِ النُّسخِ وَلَا مَنْ يَلْعَبُ بِالطُّبُورِ وَهُوَ الْمُغْنَى

ترجمہ..... اور لہو کے طور پر دامی طور سے شراب پینے والے کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی کیونکہ اس نے ایسی چیز کا ارتکاب کیا ہے جو اس کے دین میں حرام ہے اور نہ اُس کی گواہی جو پرندوں سے کھیل کرے اس لئے کہ پرندہ بازی غفلت پیدا کرتی ہے اور اس لئے کہ کبھی پرندہ اڑانے کو اپنے کوٹھے کی چھت پر چڑھنے سے عورتوں کے واجب الستر اعضاء پر نظر پڑ جاتی ہے اور بعض نسخوں میں یوں ہے کہ اور نہ اس کی گواہی قبول ہوگی جو طنبور سے کھیلے اور وہ مغنی ہے۔

تشریح..... صاحب قدوریؒ نے فرمایا کہ لہو کے طور پر برابر شراب پینے والے کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی کیونکہ شراب پینا حرام ہے لہذا یہ شخص حرام کا مرتکب ہوا اور حرام کا مرتکب فاسق ہوتا ہے اور فاسق کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔ لہذا اس کی گواہی بھی قبول نہیں ہوگی۔ صاحب قدوری نے ادا ن (دامی طور سے پینے کی) شرط اس لئے لگائی تاکہ اس کا شرابی ہونا لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جائے کیوں کہ اگر کوئی شخص اپنے گھر میں شراب پینے کے ساتھ متہم ہے اور لوگوں کے سامنے یہ فعل ظاہر نہیں ہوا تو اس کی گواہی قبول ہوگی اگرچہ گھر میں شراب پینا بھی گناہ کبیرہ ہے۔ ہاں اگر لوگوں پر شراب پینے کا فعل ظاہر ہو جائے یا وہ شراب پی کر نشہ کی حالت میں باہر نکلے اور بچے اس کا تسخر کریں تو چونکہ اس طرح کا آدمی جھوٹ سے پرہیز نہیں کرتا اس لئے اس کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ اور پرندوں سے کھیل کرنے والے کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی اس لئے کہ پرندہ بازی آدمی کے اندر غفلت

پیدا کرتی ہے اور غفلت کی وجہ سے اس پر نسیان کا غلبہ ہوگا اور نسیان کی وجہ سے مشہود بہ کے اندر کمی زیادتی کا امکان پیدا ہوگا اور اس امکان کے ہوتے ہوئے گواہی قبول نہیں ہوتی۔ لہذا پرند بازی گواہی قبول نہ ہوگی۔

دوسری دلیل..... یہ ہے کہ پرند باز پرند اڑانے کے لئے اپنے کو ٹھٹھے کی چھت پر چڑھتا ہے پس جب وہ چھت پر چڑھے گا تو معاملہ اس کی نظر غیر محرم عورتوں پر پڑے گی اور غیر محرم عورتوں کو دیکھنا حرام ہے لہذا مرتکب حرام ہونے کی وجہ سے اس کی شہادت قبول نہ ہوگی صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ قدوری کے بعض نسخوں میں طیور کی جگہ ظنور کا لفظ ہے۔ اور ظنور ایک قسم کا باج ہے اب سلب یہ ہوگا کہ ظنور سے لعب کر نیوالا غیر مقبول الشہادت ہے اور ظنور سے لعب کر نیوالا معنی ہوتا ہے تو گویا یہ کہا کہ معنی کی گواہی مقبول نہیں ہے۔ مگر اس نسخہ کی بناء پر اگلی عبارت "ولا من یغنی للناس" لانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

معنی یا مغنیہ اور مرتکب کبیرہ کی گواہی بھی قابل قبول نہیں

قَالَ وَلَا مَنْ يُغْنِي لِلنَّاسِ لِأَنَّهُ يَجْمَعُ النَّاسَ عَلَى ارْتِكَابِ كَبِيرَةٍ. قَالَ وَلَا مَنْ يَأْتِي بَابًا مِنَ الْكَبَائِرِ الَّتِي يَتَعَلَّقُ بِهَا الْحَدُّ لِلْفِسْقِ قَالَ وَلَا مَنْ يَدْخُلُ الْحِمَامَ مِنْ غَيْرِ إِزَارٍ لِأَنَّهُ كَشَفَ الْعَوْرَةَ حَرَامًا أَوْ يَأْكُلُ الرِّبْوَا أَوْ يُقَامِرُ بِالْشَّرْطِ وَالشُّطْرَنْجِ لِأَنَّهُ كُلُّ ذَلِكَ مِنَ الْكَبَائِرِ وَكَذَلِكَ مَنْ تَفَوُّتَهُ الصَّلَاةُ لِلِاسْتِغَالِ بِهِمَا فَمَّا مُجَرَّدُ اللَّعِبِ بِالشُّطْرَنْجِ فَلَيْسَ بِفِسْقٍ مَانِعٍ مِنَ الشَّهَادَةِ لِأَنَّهُ لِلِاجْتِهَادِ فِيهَا مَسَاعًا وَشَرْطٌ فِي الْأَصْلِ أَنْ يَكُونَ أَكْلُ الرِّبْوَا مَشْهُورًا بِهِ لِأَنَّ الْإِنْسَانَ فَلَمَّا يَنْجُو عَنْ مُبَاشَرَةِ الْعُقُودِ الْفَاسِدَةِ وَكُلِّ ذَلِكَ رِبْوَا. وَقَالَ وَلَا مَنْ يَفْعَلُ الْأَفْعَالَ الْمُسْتَحْقِرَةَ كَالْبُولِ عَلَى الطَّرِيقِ وَالْأَكْلِ عَلَى الطَّرِيقِ لِأَنَّهُ تَارِكٌ لِلْمُرُورَةِ وَإِذَا كَانَ لَا يَسْتَحْيِي عَنْ مِثْلِ ذَلِكَ لَا يَمْتَنِعُ عَنِ الْكُذْبِ فَيَتَّهِمُ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ مَنْ يُظْهِرُ سَبَّ السَّلَفِ لِيُظْهِرَ فِسْقَهُ بِخِلَافِ مَنْ يَكْتُمُهُ

ترجمہ..... اور اس کی گواہی بھی مقبول نہیں ہے جو لوگوں کو گانا سنائے اس لئے کہ وہ لوگوں کو کبیرہ کے ارتکاب پر اکٹھا کرتا ہے۔ اور اس کی گواہی بھی مقبول نہیں ہے جو ایسے کبار میں سے کسی کبیرہ گناہ کا ارتکاب کرے جن کے ساتھ حد متعلق ہوتی ہے کیوں کہ ایسا شخص فاسق ہے اور نہ اس کی گواہی قبول ہوگی جو حرام میں بغیر تہبند کے داخل ہو اس لئے کہ شرمگاہ کا کھولنا حرام ہے یا سود کھانے یا زرد اور شطرنج کے ساتھ جو اکیلے اس لئے کہ ہر ایک کبار میں سے ہے اور اسی طرح اس شخص کی گواہی قبول نہ ہوگی جس کی نماز ان دونوں کی وجہ سے فوت ہو جاتی ہو۔ رہائش شطرنج سے کھیلنا تو وہ ایسا فاسق ہے جو مانع شہادت ہے۔ کیوں کہ اس میں اجتہاد کو گنجائش ہے اور مبسوط میں یہ شرط ہے کہ سود کھانے والا سود کھانے میں مشہور ہو اس لئے کہ انسان عقود فاسدہ کے ارتکاب سے بہت کم نجات پاتا ہے اور ہر ایک ربوہ ہے اور نہ اس کی گواہی قبول ہوگی جو خفیف رکیک حرکات کرتا ہے جیسے راستہ میں پیشاب کرنا اور راستہ میں کھانا کیوں کہ وہ مروت کا تارک ہے اور جب وہ ایسے کام سے شرم نہیں کرتا تو جھوٹ بولنے سے بھی نہیں رکے گا۔ لہذا اہم ہوگا اور اس شخص کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی جو اسلاف کو بر ملا بر اہل کہتا ہو کیونکہ اس کا فسق ظاہر ہے برخلاف اس شخص کے جو اس کو چھپائے رکھتا ہو۔

تشریح..... صاحب قدوری نے فرمایا کہ جو شخص دوسرے لوگوں کو گانا سناتا ہے اس کی گواہی قبول نہیں کی جائے گی جیسا کہ سننے والوں کی گواہی مقبول نہیں ہے کیوں کہ یہ شخص لوگوں کو کبیرہ گناہ پر اکٹھا کرتا ہے اور گناہ کبیرہ پر لوگوں کو جمع کرنا خود کبیرہ گناہ ہے اور گناہ کبیرہ کے مرتکب کی گواہی قبول نہیں کی جاتی لہذا لوگوں کو گانا سنانے والے کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔ ہاں اگر کوئی شخص تنہائی میں اپنا دل بہانے کے لئے گانا گائے تو بقول امام سرخسی کے یہ گانا مکروہ نہیں ہے کیوں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ اپنے بھائی براء بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے اور براء بن مالک رضی اللہ عنہ نے ان سے کہا کہ باوجود براء بن مالک رضی اللہ عنہ کا گانا گارہے تھے شیخ الاسلام خواہر زادہ نے کہا کہ گانا گانا مطلقاً مکروہ ہے لوگوں کو سنانے

کے لئے بھی اور تنہائی میں دل بہلانے کے لئے بھی۔ اور حدیث انسؓ کو اس پر محمول کرتے ہیں کہ براء بن مالکؓ مباح اشعار پڑھ رہے تھے جن میں وعظ اور حکمت کی باتیں تھیں اور مباح اشعار کے پڑھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

صاحب قدوری نے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے ایسے کبیرہ گناہ کا ارتکاب کیا جس کے ساتھ حد متعلق ہوتی ہے جیسے سرقت، زنا وغیرہ تو اس کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی کیوں کہ ایسے گناہ کے ارتکاب کی وجہ سے یہ شخص فاسق ہو گیا ہے اور فاسق کی گواہی قبول نہیں کی جاتی لہذا اس کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔ گناہ کبیرہ کی تفسیر میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ کبار رسالت ہیں جن کو رسول اکرم ﷺ نے ایک معروف حدیث میں ذکر کیا ہے:-

۱۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا۔ ۲۔ میدان جہاد سے فرار اختیار کرنا۔ ۳۔ والدین کی نافرمانی کرنا

۴۔ ناحق کسی کو قتل کرنا۔ ۵۔ مومن کو تہمت لگانا۔ ۶۔ شراب پینا۔ ۷۔ زنا

بعض حضرات نے ان سات پر سود کھانے اور یتیم کا مال ناحق طور پر کھانے کا بھی اضافہ کیا ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ جو کام حرام لعینہ ہے وہ گناہ کبیرہ ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ ہر وہ گناہ جس پر حد وارد ہوئی ہو وہ کبیرہ گناہ کہلاتا ہے اور بعض نے کہا کہ جو کام مسلمانوں کے نزدیک شنیع اور معیوب ہو اور اس میں اللہ اور اس کے دین کی ہتک حرمت ہوتی ہو وہ کبیرہ گناہ ہے اور بعض نے کہا کہ کسی گناہ پر اصرار کرنا کبیرہ ہے صحیح بات یہ ہے کہ گناہ ایک اضافی چیز ہے یعنی ہر گناہ ایسا ہے جس کے اوپر بھی گناہ ہے اور نیچے بھی گناہ ہے۔ پس نیچے کے گناہ کے اعتبار سے اس کو کبیرہ کہا جائے گا اور اوپر کے اعتبار سے صغیرہ کہا جائے گا۔

صاحب قدوری نے فرمایا کہ جو شخص بغیر ازار کے برہنہ حمام میں داخل ہو یعنی ستر عورت کھول کر جائے اس کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ شرمگاہ اور واجب الستر بدن کا کھولنا حرام ہے اور حرام کا مرتکب فاسق ہوتا ہے۔ اور فاسق کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ لہذا اس کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے لعن اللہ الناظر والمنظر والیہ یعنی اللہ تعالیٰ شرمگاہ کو دیکھنے والے اور جس کی شرمگاہ کو دیکھا گیا دونوں پر لعنت کرے۔ حاصل یہ کہ شرمگاہ کھولنے والا لعنت کا مستحق ہے اور شہادت ایک کرامت ہے۔ پس جو شخص لعنت کا مستحق ہے وہ شہادت کا مستحق نہیں ہوتا۔ جام سے غسل کرنے کی وہ جگہ مراد ہے جو ہوٹل میں تیار کر دی جاتی ہے اور پھر مرد و عورت ہر طرح کا آدمی آ کر اس میں غسل کرتا ہے۔

صاحب قدوری نے کہا کہ سود کھانے والے کی گواہی بھی قبول نہیں کی جائے گی اور زنا یا شہارنچ کے ساتھ جو اکیلے والے کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔ دلیل یہ ہے کہ سود خوری اور قمار بازی دونوں کبیرہ گناہ ہیں اور سابق میں گزر چکا ہے کہ کبیرہ گناہ کے مرتکب کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔ لہذا سود خور اور قمار بازی کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔ لیکن مبسوط میں یہ شرط مذکور ہے کہ سود خور اگر سود خوری میں مشہور بین الناس ہو تو اس کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ اور اگر سود خوری میں مشہور نہ ہو تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ کیونکہ انسان بالعموم عقود فاسدہ کا مرتکب ہوتا ہے اور بہت کم لوگ ایسے ہیں جو عقود فاسدہ سے بچ جاتے ہیں اور عقود فاسدہ بھی ربا اور سود کے معنی میں ہے۔ پس اگر مطلقاً سود خوری کے ساتھ بتا شخص کی گواہی کو رد کر دیا گیا تو دنیا میں بہت کم لوگ مقبول الشہادت رہ جائیں گے۔ اور اس صورت میں وقت کا پیش آنا ایک بدیہی امر ہے۔ حالانکہ شریعت اسلام میں وقت اور حرج کو دور کیا گیا۔ لہذا اسی سود خوری کی گواہی مردود ہوگی۔ جو سود خوری میں مشہور ہو۔ اور نزد کے ساتھ کھیلنے والا بغیر شرط کے مرد و الشہادت ہے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا ہے ملعون من لعب بالنرد یعنی نزد کے ساتھ کھیلنے والا شخص ملعون ہے۔ ملعون شخص عدل کیسے ہو سکتا ہے۔ پس جب نزد کے ساتھ کھیلنے والا ملعون اور غیر عادل ہے تو اس کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ گواہی عادل کی قبول ہوتی ہے نہ غیر عادل کی۔ نزد ایک قسم کا کھیل جس کو آذر شیر بن بابک شاہ ایران نے ایجاد کیا تھا۔ اور شہارنچ کے ساتھ کھیلنے والے کی گواہی اس وقت مردود ہوگی جبکہ تین باتوں میں سے ایک بات پائی جائے

۱۔ یا تو شہارنچ کے ساتھ جو اکیلے ہو۔ ۲۔ یا شہارنچ میں مشغول ہونے کی وجہ سے نماز فوت ہوتی ہے۔

۳۔ یا شطرنج کھیلنے میں جھوٹی قسمیں زیادہ کھاتا ہو۔

کیونکہ تینوں چیزیں کبار میں سے ہیں۔ مصنف نے تیسری بات کا ذکر نہیں فرمایا ہے کیونکہ اول کی دو باتوں کا وقوع غالب ہے رہا محض شطرنج کھیلنا تو وہ فسق نہیں ہے اور جب فسق نہیں ہے تو مانع شہادت بھی نہ ہوگا اور بغیر مذکورہ تین باتوں کے محض شطرنج کھیلنا اس لئے فسق نہیں کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے چنانچہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک شطرنج کھیلنا حلال اور جائز ہے پس جو چیز دو جلیل القدر علماء کے نزدیک حلال اور جائز ہو اس کا مرتکب فاسق کیسے ہو سکتا ہے اور جس چیز کا مرتکب فاسق نہ ہو اس کی گواہی قبول کی جاتی ہے لہذا محض شطرنج کھیلنے والی کی گواہی قبول کی جائے گی۔

صاحب قدوری نے فرمایا کہ جو شخص خفیف و حقیر حرکات کرتا ہو اس کی گواہی قبول نہ ہوگی جیسے راستہ پر پیشاب کرنا، راستہ پر کھانا، اور بازار میں برسر عام کھانا اور بقول امام کرخیؒ کے صرف تہبند یا پا عجامہ پہن کر راستہ میں چلنا۔ کیونکہ ایسا آدمی مروت اور انسانیت کو ترک کر دیتا ہے اور جب وہ ایسے کاموں سے شرم نہیں کرتا تو جھوٹ بولنے سے بھی شرم نہیں کرے گا اور جو شخص جھوٹ بولنے سے نہ شرماتا ہو وہ اپنی گواہی میں متہم ہوگا اور جو شخص اپنی گواہی میں متہم ہو اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی لہذا اس کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔ اس مسئلہ میں چاروں ائمہ کا اتفاق ہے۔

صاحب قدوری نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص صحابہ، تابعین اور ائمہ مجتہدین کو بر ملا بُرا بھلا کہتا ہو تو اس کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔ کیوں کہ ایسے شخص کا فاسق ہونا ظاہر ہے اور فاسق کی گواہی مقبول نہیں ہے اور اگر ان کے بارے میں برائیوں کا اعتقاد تو رکھتا ہو مگر ان کو ظاہر نہیں کرتا تو یہ شخص عادل اور مقبول الشہادت ہے۔

سوائے فرقہ خطابیہ کے اہل ہوا کی گواہی قابل قبول ہے

وَتَقْبَلُ شَهَادَةَ أَهْلِ الْاَهْوَاءِ إِلَّا الْخَطَابِيَّةَ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا تُقْبَلُ لِأَنَّهُ اغْلَطَ وَجْهَ الْفِسْقِ وَلَنَا أَنَّهُ فِسْقٌ مِنْ حَيْثُ الْإِعْتِقَادُ وَمَا أَوْقَعَهُ فِيهِ إِلَّا تَدِينُهُ فَيَمْتَنِعُ عَنِ الْكُذْبِ وَصَارَ كَمَنْ يَشْرِبُ الْمَثَلْتَ أَوْ يَأْكُلُ مَتْرُوكَ التَّسْمِيَةِ عَامِدًا مُسْتَبِيحًا لِذَلِكَ بِخِلَافِ الْفِسْقِ مِنْ حَيْثُ التَّعَاطِي أَمَّا الْخَطَابِيَّةُ فَهُمْ قَوْمٌ مِنْ غَلَاةِ الرِّأَوْافِضِ يَعْتَقِدُونَ الشَّهَادَةَ لِكُلِّ مَنْ حَلَفَ عِنْدَهُمْ وَقِيلَ يَرَوْنَ الشَّهَادَةَ لِشَيْعَتِهِمْ وَاجِبَةٌ فَتَمَكَّنَتْ التُّهْمَةُ فِي شَهَادَةِ لَظْهَوِرِ فِسْقِهِمْ

ترجمہ..... سوائے فرقہ خطابیہ کے اہل ہوا کی گواہی قبول ہوگی امام شافعیؒ نے فرمایا کہ قبول نہیں کی جائے گی کیوں کہ یہ فسق کے طریقوں میں سے سب سے زیادہ سخت ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ یہ شخص اعتقاد کے اعتبار سے فاسق ہے اس کو اس ہوا میں کسی چیز نے نہیں ڈالا۔ مگر اس کے تین نے پس وہ کذب سے باز رہے گا اور یہ اس شخص کے مانند ہو گیا جو مباح سمجھ کر شربت مثلت پیتا ہے یا اس ذبیحہ کو کھاتا ہے جس پر عہد اللہ کا نام ترک کر دیا گیا ہو۔ برخلاف ایسے فسق کے جو اعمال میں ہو۔ رہا خطابیہ فرقہ تو وہ غالی رافضیوں کا ایک فرقہ ہے۔ جو ہر اس شخص کی شہادت پر اعتقاد رکھتے ہیں جو ان کے سامنے تم قہم کھائے اور بعض نے کہا کہ وہ اپنے گروہ کے واسطے گواہی کو واجب سمجھتے ہیں پس ان کی شہادت میں تہمت متمکن ہوگی کیونکہ ان کا فسق ظاہر ہے۔ تشریح..... اہل ہوا وہ لوگ ہیں جو خواہشات نفسانی کے مطابق اعتقاد رکھتے ہیں یعنی نفس کی مطابقت اور سنت کی مخالفت کرتے ہیں۔ اہل ہوا کے بنیادی چہرے فرتے ہیں۔

۱۔ جبریہ ۲۔ قدریہ ۳۔ روافض ۴۔ خوارج ۵۔ مشبہ ۶۔ معطلہ

پھر ان میں سے ہر ایک کے بارہ بارہ فرقے ہیں تو اس طرح اہل ہوا کے کل فرقے بہتر ہوں گے اور ایک فرقہ اہل حق کا ہوگا۔ یعنی اہل سنت والجماعت۔ ان تمام کے عقائد اور ان میں باہمی اختلاف، علم کلام کی کتابوں میں پوری شرط و وسط کیساتھ مذکور ہے۔ خطابیہ کے بارے میں تین قول

ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ خطابیہ روافض کا ایک غالی فرقہ ہے جو ابو الخطاب محمد بن ابی وہب اجدع کی طرف منسوب ہے ابو الخطاب کوفی میں رہتا تھا اس کا عقیدہ تھا کہ حضرت علی اکبر (بزا خدا) ہے اور جعفر بن محمد صادق (چھوٹا خدا) ہے جب اس کو جعفر صادق کی خدمت میں پیش کیا گیا تو جعفر نے اسے دھتکارا اور دربار سے باہر نکال دیا پس اس نے اپنے الہ (خدا) ہونے کا دعویٰ کیا اور اس کے مریدوں نے کہا کہ جعفر خدا ہے اور ابو الخطاب بڑا خدا ہے۔ عیسیٰ بن موسیٰ بن علی بن عبد اللہ بن عباس نے اس کے ساتھ محاربہ اور جنگ کر کے اس کو قتل کر دیا پھر عیسیٰ نے اس کو سولی دیکر ساری دنیا کے لئے عبرت کا سامان پیدا کر دیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ فرقہ خطابیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ اگر فرقہ خطابیہ میں سے کوئی شخص کسی پر کسی چیز کا دعویٰ کرے تو اس گروہ کے باقی لوگوں پر اس کے حق میں گواہی دینا واجب ہے۔ خواہ اس کا دعویٰ سچا ہو یا جھوٹا ہو۔ اور تیسرا قول یہ ہے کہ خطابیہ کا عقیدہ یہ ہے کہ جو اس کے سامنے قسم کھا جائے اس کے حق میں گواہی دینا درست سمجھتے ہیں۔

اس تفصیل کے بعد صاحب قدوری کی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ احناف کے نزدیک اہل ہوا کی گواہی قبول کی جائے گی لیکن اہل ہوا میں سے فرقہ خطابیہ کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اہل ہوا اہل بدع میں سے کسی کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ اسی کے قائل امام مالکؒ ہیں۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ اہل ہوا کے اعتقادات فاسد ہونے کی وجہ سے ان میں اعتقادی فق ہے اور اعتقادی فق عملی فق سے بدتر ہے لہذا جب اعمال کے اعتبار سے فاسق کی گواہی قبول نہیں ہوتی تو من حیث الاعتقاد فاسق کی گواہی بدرجہ اولیٰ قبول نہ ہوگی۔

ہماری دلیل یہ ہے کہ اہل ہوا کا فاسق ہونا صرف اعتقاد کے اعتبار سے ہے مگر اس کا یہ اعتقاد اس کو حق سمجھ کر ہے یعنی یہ شخص اپنے خیال میں اسی کو حق تصور کرتا ہے پس اس کے خیال کے مطابق اس کا اپنا عقیدہ تدین اور دینداری ہے نہ کہ ترک تدین۔ اور جو شخص متدین اور دیندار ہوتا ہے وہ جھوٹ بولنے سے اجتناب کرتا ہے لہذا اہل ہوا بھی جھوٹ بولنے سے اجتناب کریگا اور جو شخص جھوٹ بولنے سے اجتناب کرتا ہے چونکہ وہ جھوٹ بولنے کے ساتھ متہم نہیں ہوتا اس لئے اس کی گواہی قبول کی جاتی ہے لہذا اہل ہوا کی گواہی بھی قبول کی جائے گی۔ جیسے اگر کسی شخص نے شراب، مثلث کو مباح سمجھ کر پی لیا یا کسی شافعیؒ نے متروک التسمیہ عائد کو مباح سمجھ کر کھالیا تو وہ مردود الشہادت نہ ہوگا۔ شراب، مثلث انکو راہ شہرہ ہے جس کو اس قدر پکایا جائے کہ وہ تہائی جل کر ایک تہائی باقی رہ جائے مگر نشہ آور نہ ہوا ہو تو یہ امام محمدؒ کے نزدیک حرام ہے اور شیخینؒ کے نزدیک اس کا پینا حلال ہے اور اگر کسی جانور کو مسلمان نے ذبح کیا مگر عداۃ اسم اللہ ترک کر دیا تو امام شافعیؒ کے نزدیک اس کا کھانا حلال ہے پس حنفی کا شراب مثلث کو حلال سمجھ کر پینا اور شافعی کا متروک التسمیہ عائد کو حلال سمجھ کر کھانا چوں کہ تدین اور دینداری کے خلاف نہیں ہے اس لئے ان کی گواہی مقبول ہوگی۔ اسی طرح اہل ہوا کا اعتقاد ان کے گمان میں چونکہ صحیح اور درست ہے۔ اس لئے ان کے خیال میں ان کا عقیدہ بھی تدین اور دینداری کے خلاف نہ ہوگا اور جب ان کا اعتقاد تدین اور دینداری کے خلاف نہیں ہے تو ان کی گواہی بھی قبول کی جائے گی۔ اس کے برخلاف عملی فق کہ اس کی گواہی قبول نہ ہوگی کیوں کہ عملی فق کسی ناجائز اور حرام فعل کو مباح سمجھ کر نہیں کرتا بلکہ اس کو حرام سمجھ کر کرتا ہے لہذا جب وہ حرام فعل کا ارتکاب کر سکتا ہے تو جھوٹ کا ارتکاب بھی کر سکتا ہے اور جو شخص جھوٹ بولنے کے ساتھ متہم ہوتا ہے۔ چونکہ اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی اس لئے عملی فاسق کی گواہی قبول نہ ہوگی رہا فرقہ خطابیہ تو ان کی گواہی احناف کے نزدیک بھی قبول نہ ہوگی کیوں کہ قول اول کی بناء پر خطابیہ کے لوگ کافر ہیں اور کفار کی گواہی مسلمانوں کے خلاف قبول نہیں کی جاتی لہذا ان کی گواہی قبول نہ ہوگی اور دوسرے اور تیسرے قول کی بناء پر ان کی شہادت میں جھوٹ بولنے کا شبہ ہے اس طور پر کہ وہ اپنے گروہ کے لوگوں کے حق میں گواہی دینا واجب سمجھتے ہیں خواہ ان کے گروہ کے لوگوں کا دعویٰ سچا ہو یا جھوٹا ہو یا جو ان کے پاس قسم کھائے اس کے لئے گواہی دینا جائز سمجھتے ہیں خواہ وہ اپنی قسم میں جھوٹے ہو یا سچا ہو۔ بہر حال یہ لوگ اپنی شہادت میں متہم بالکذب ہیں اور متہم بالکذب کی گواہی قبول نہیں کی جاتی لہذا ان کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔

ذمی کی ذمی کے حق میں گواہی معتبر ہے، اقوال فقہاء

قَالَ وَ تُقْبَلُ شَهَادَةُ أَهْلِ الذِّمَّةِ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَإِنْ اخْتَلَفَتْ مِلَّةُهُمْ وَقَالَ مَالِكٌ وَالشَّافِعِيُّ لَا تُقْبَلُ لِأَنَّهُ

فَاسْقِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى ﴿وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ فَيَجِبُ التَّوَقُّفُ فِي خَبَرِهِ وَلِهَذَا لَا تُقْبَلُ شَهَادَتُهُ عَلَى الْمُسْلِمِ فَصَارَ كَالْمُرْتَدِّ وَلَنَا أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَجَازَ شَهَادَةَ النَّصَارَى بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَلِأَنَّهُ مِنْ أَهْلِ الْوِلَايَةِ عَلَى نَفْسِهِ وَعَلَى أَوْلَادِهِ الصِّغَارِ فَيَكُونُ مِنْ أَهْلِ الشَّهَادَةِ عَلَى جَنْبِهِ وَالْفُسْقُ مِنْ حَيْثُ الْإِعْتِقَادُ غَيْرُ مَانِعٍ لِأَنَّهُ يَجْتَنِبُ مَا يَعْتَقِدُهُ مُحَرَّمٌ دِينِهِ وَالْكَذِبُ مَحْظُورُ الْأَدْيَانِ كُلِّهَا بِخِلَافِ الْمُرْتَدِّ لِأَنَّهُ لَا وَلايَةَ لَهُ وَبِخِلَافِ شَهَادَةِ الذِّمِّيِّ عَلَى الْمُسْلِمِ لِأَنَّهُ لَا وَلايَةَ لَهُ بِالْإِضَافَةِ إِلَيْهِ وَلِأَنَّهُ يَقُولُ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ يَغِظُهُ قَهْرُهُ إِيَّاهُ وَمَلَلُ الْكُفْرِ وَإِنْ اخْتَلَفْتَ فَلَا قَهْرَ فَلَا يَحْمِلُهُمُ الْغَيْظُ عَلَى التَّقْوَلِ

ترجمہ..... اور ذمیوں کی گواہی آپس میں ایک دوسرے کے خلاف قبول کی جائے گی اگرچہ ان کے ادیان جدا جدا ہوں اور امام مالک اور امام شافعی نے فرمایا کہ ذمیوں کی باہم گواہی قبول نہ ہوگی کیوں کہ وہ فاسق ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کافر ہی فاسق ہے۔ پس اس کی خبر میں توقف کرنا واجب ہے اسی وجہ سے اس کی شہادت مسلمانوں کے خلاف قبول نہ ہوگی۔ لہذا وہ مرتد کے مانند ہو گیا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے نصرانیوں کی گواہی ایک کی دوسرے کے خلاف جائز قرار دی ہے اور اس لئے کہ ذمی اپنی ذلت پر اور اپنی اولاد صغار پر ولایت رکھتا ہے پس اس کو اپنی جنس پر شہادت کی ولایت بھی ہوگی۔ اور فسق من حیث الاعتقاد مانع شہادت نہیں ہے کیوں کہ جس چیز کو وہ اپنے دین میں حرام سمجھتا ہے اس سے پرہیز کرے گا اور جھوٹ بولنا تمام ادیان میں حرام ہے۔ برخلاف مرتد کے اس کے واسطے کوئی ولایت نہیں ہے اور برخلاف مسلمان پر ذمی کے گواہی دینے کے کیوں کہ ذمی کو مسلمان کی طرف نسبت کرتے ہوئے کوئی ولایت نہیں ہے اور اس لئے کہ ذمی مسلمان پر بہتان باندھے گا کیوں کہ مسلمان کا اس حق مقہور اور مغلوب کرنا اس کو غیظ میں مبتلا کرتا ہے اور کفر کی ملتیں اگرچہ مختلف ہیں لیکن کسی نے کسی کو مقہور نہیں کیا ہے۔ پس ان کو غصہ، بہتان باندھنے پر آمادہ نہ کرے گا۔

تشریح..... ذمی وہ غیر مسلم ہے جو امیر المومنین سے اجازت لیکر دارالاسلام میں رہتا ہو صاحب قدوری نے فرمایا کہ ذمیوں میں سے بعض کی شہادت بعض کے خلاف قبول کر لی جائے گی یعنی اگر ایک ذمی دوسرے ذمی کے خلاف گواہی دے تو اس کی باتیں مقبول ہوگی اگرچہ ان کے ادیان مختلف ہوں مثلاً یہودی کا نصرانی کے خلاف اور نصرانی کا یہودی کے خلاف گواہی دینا جائز ہے امام مالک اور امام شافعی نے فرمایا کہ ذمیوں کی گواہی آپس میں ایک دوسرے کے خلاف مطلقاً قبول نہ ہوگی خواہ ان کی ملتیں متفق ہوں یا مختلف ہوں۔ ابن ابی لیلیٰ نے فرمایا کہ اگر شاہد اور مشہود علیہ دونوں کا دین ایک ہو تو گواہی قبول کر لی جائے گی ورنہ نہیں۔

ابن ابی لیلیٰ کی دلیل..... یہ حدیث ہے: لَا شَهَادَةَ لِأَهْلِ مِلَّةٍ عَلَى أَهْلِ مِلَّةٍ أُخْرَى إِلَّا الْمُسْلِمِينَ فَشَهَادَةُ مَتَّهِمٍ مَقْبُولَةٌ عَلَى أَهْلِ الْمِلَّةِ یعنی ایک ملت کے ماننے والے کی شہادت دوسری ملت کے ماننے والے کے خلاف قبول نہ ہوگی۔ مگر مسلمان کی ان کی شہادت تمام ادیان والوں کے خلاف مقبول ہے۔

امام مالک اور امام شافعی کی دلیل..... یہ ہے کہ کافر فاسق ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ کافر ہی ظالم ہیں اور ظالم فاسق ہوتا ہے۔ لہذا کافر فاسق ہوا۔ اور فاسق کی خبر فوراً قبول نہیں کی جاتی، بلکہ اس میں توقف کرنا واجب ہے چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے اِنْ جَاءَ كُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا اَلَا كُفْرًا فَاَسْقِ تَبَيَّنُوا اگر کوئی فاسق تمہارے پاس خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لو۔ یعنی فوراً قبول نہ کرو بلکہ توقف کرو۔ خلاصہ یہ کہ فاسق کی خبر اور شہادت قبول نہیں ہوتی اور کافر بھی چونکہ فاسق ہے لہذا اس کی شہادت بھی قبول نہ ہوگی۔ اسی فاسق ہونے کی وجہ سے کافر کی شہادت مسلمان کے خلاف قبول نہیں ہوتی پس کافر مرتد کے مانند ہو گیا۔ یعنی جس طرح مرتد کی گواہی مرتد اور غیر مرتد کے حق میں اور ان کے خلاف قبول نہیں ہوتی۔ اسی طرح کافر کی گواہی کافر اور غیر کافر دونوں کے حق میں قبول ہوگی نہ دونوں کے خلاف قبول ہوگی۔ ہدایہ کے اکثر نسخوں میں

والکافرون هم الفاسقون ہے حالانکہ قرآن پاک میں والکافرون هم الظالمون ہے۔ اس کی تصحیح کرتے ہوئے صاحب فتح القدیر نے فرمایا ہے کہ نہایہ میں یہ عبارت اس طرح ہے للکافرین هم الفاسقون یعنی اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے فرمایا ہے کہ وہ فاسق ہیں اور فاسق اس لئے ہیں کہ قرآن میں کفار کو ظالم کہا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا والکافرون هم الظالمون اور ظالم فاسق ہوتا ہے۔ لہذا کافر بھی فاسق ہوگا۔

ہماری دلیل..... یہ حدیث ہے ان النبی ﷺ اجاز شہادۃ النصارى بعضهم على بعض یعنی رسول اللہ ﷺ نے نصاریٰ کی شہادت بعض کی بعض کے خلاف جائز قرار دی ہے احناف کی طرف سے بیان کردہ اس دلیل پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ دلیل دعویٰ کے مطابق نہیں ہے۔ کیونکہ دعویٰ یہ ہے کہ ذمیوں میں بعض کی شہادت بعض کے خلاف جائز ہے اگرچہ ان کی ملتیں مختلف ہوں اور دلیل میں جو حدیث ذکر کی گئی ہے اس میں شاہد اور مشہود علیہ دونوں کی ملت ایک ہے یعنی نصرانیت، اگر صاحب ہدایہ نصاریٰ کی جگہ اہل الکتاب کا لفظ ذکر کرتے اور یوں فرماتے ان النبی ﷺ اجاز شہادۃ اهل الكتاب تو دلیل دعویٰ کے موافق ہو جاتا۔ ابن ماجہ میں جابر بن عبد اللہ کے طریق سے یہ حدیث مذکورہ الفاظ سے موجود بھی ہے چنانچہ جابر بن عبد اللہ سے روایت ہے ان النبی ﷺ اجاز شہادۃ اهل الكتاب بعضهم على بعض۔

احناف کی دوسری دلیل..... یہ ہے کہ کافر کو اپنی ذات پر بھی ولایت حاصل ہے اور اپنی نابالغ اولاد پر بھی اور جس شخص کو ولایت حاصل ہوتی ہے وہ شہادت کا بھی اہل ہوتا ہے لہذا کافر، شہادت کا اہل ہوگا۔ البتہ کافر کی گواہی اس کی جنس (کافر) کے خلاف تو قبول کر لی جائے گی لیکن اس کی جنس کے علاوہ (مسلمانوں) کے خلاف قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے لن يجعل الله للکافرین علی المؤمنین سبیلاً یعنی ہرگز نہ دے گا اللہ کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ کی راہ اور مسلمانوں کے خلاف گواہی دینے میں چونکہ کفار کا غلبہ ہے اس لئے مسلمانوں کے خلاف کفار کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ اور ہا امام شافعیؒ اور امام مالک کا یہ کہنا کہ کافر، فاسق ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ کافر کافسق اعتقادی ہے اور سابق میں گزر چکا ہے کہ فسق اعتقادی مانع شہادت نہیں ہوتا۔ لہذا کافر کافسق اعتقادی مانع شہادت نہ ہوگا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان جس چیز کو اپنے دین میں حرام سمجھتا ہے اس سے پرہیز کرتا ہے اور جھوٹ تمام ادیان میں ممنوع اور حرام ہے لہذا کافر بھی جھوٹ کے ممنوع ہونے کی وجہ سے اس سے پرہیز کرے گا۔ اور کافر جب جھوٹ سے پرہیز اور اجتناب کرے گا تو وہ جھوٹ کے ساتھ متہم بھی نہ ہوگا۔ اور جب کافر جھوٹ کے ساتھ متہم نہیں ہے تو اس کی گواہی بھی قبول ہو جائے گی۔

بخلاف المرتد..... الخ سے امام شافعیؒ کے قیاس کا جواب ہے۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ..... مرتد کو نہ اپنی ذات پر ولایت ہوتی ہے اور نہ اپنی اولاد و صغار پر۔ پس جب مرتد کو نہ اپنی ذات پر ولایت حاصل ہے اور نہ اپنی اولاد پر تو کسی دوسرے پر کس طرح ولایت حاصل ہوگی اور جب مرتد کو بالکل ولایت حاصل نہیں ہے تو اس کو شہادت کا بھی حق حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ شہادت کا حق اسی کو حاصل ہوتا ہے جس کو ولایت کا حق حاصل ہے۔

بخلاف شہادۃ الذمی علی المسلم..... الخ سے امام شافعیؒ کے دوسرے قیاس کا جواب ہے۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ..... مسلمان کے خلاف ذمی کی شہادت قبول نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ذمی کو مسلمان پر کوئی ولایت حاصل نہیں ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد لن يجعل الله للکافرین علی المؤمنین سبیلاً پر شاہد ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ذمی مسلمان پر بہتان باندھے گا۔ کیونکہ مسلمان کا اس کو مقبور اور زیر نگین بنا کر رکھنا اس کو غیظ و غضب میں مبتلا رکھے گا۔ پس ذمی اپنے غیظ و کدور کرنے کے لئے مسلمان پر بہتان باندھ سکتا ہے اور اس احتمال کی صورت میں شہادت قبول ہونے کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔ اور کفر کی ملتیں اگرچہ مختلف ہیں لیکن دار الاسلام میں ایک مذہب کا کافر دوسرے مذہب کے کافر کو چونکہ مقبور اور مغلوب نہیں کر سکتا اس لئے ان کے اندر آپس میں کوئی غیظ بھی نہ ہوگا اور جب آپس میں غیظ و غصہ نہیں ہے تو ایک دوسرے پر بہتان بھی نہ باندھے گا اور جب باہم بہتان تراشی کا احتمال ختم ہو گیا تو ان کی آپس میں ایک دوسرے کے خلاف گواہی بھی قبول ہو جائے گی۔

ابن ابی لیلیٰ کی پیش کردہ حدیث لا شہادۃ لاهل ملۃ علی اهل ملۃ اخری..... الحدیث۔ حدیث کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث باری تعالیٰ کے قول والذین کفروا اولیاء بعض کے مخالف ہے کیونکہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کفار آپس میں ایک دوسرے کی ولی ہیں اور ان کو آپس میں ولایت کا حق حاصل ہے اور حدیث سے اس کی نفی ہوتی ہے پس کتاب اللہ کے مقابلہ میں حدیث متروک ہو جائے گی۔

حربی کی ذمی کے حق میں گواہی معتبر نہیں

قَالَ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ الْحَرْبِيِّ عَلَى الذِّمِّيِّ أَرَادَ بِهِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ الْمُسْتَأْمِنُ لِأَنَّهُ لَا وَلَايَةَ لَهُ عَلَيْهِ لِأَنَّ الذِّمِّيَّ مِنْ أَهْلِ دَارِنَا وَهُوَ أَعْلَى حَالًا مِنْهُ

ترجمہ..... اور ذمی کے خلاف حربی کی گواہی قبول نہ ہوگی واللہ اعلم اس سے مراد وہ حربی ہے جو امان لے کر دارالاسلام میں آیا ہو۔ اس لئے کہ حربی کو ذمی پر کوئی ولایت نہیں ہے۔ کیونکہ حربی ہمارے دارکار بننے والا ہے اور وہ حربی سے اچھی حالت میں ہے۔

تشریح..... صاحب قدوری نے فرمایا کہ حربی کی شہادت ذمی کے خلاف قبول نہ ہوگی۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ حربی سے مراد وہ حربی ہے جو امان لے کر دارالاسلام میں آیا ہو یعنی حربی مستامن کی گواہی ذمی کے خلاف قبول نہیں کی جائے گی۔

دلیل یہ ہے..... کہ حربی مستامن کو ذمی پر کوئی ولایت نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ حربی مستامن دارالحرب کا باشندہ ہے اور ذمی دارالاسلام کا رہنے والا ہے۔ اور حکماء دارین کا اختلاف ولایت کو منقطع کر دیتا ہے۔ یعنی دارالحرب اور دارالاسلام میں سے ایک دار کے رہنے والے کو دوسرے دار کے رہنے والے پر ولایت کا حق حاصل نہیں ہوتا۔ پس جب حربی مستامن کو ذمی پر ولایت کا حق حاصل نہیں ہے تو حربی مستامن کی گواہی ذمی کے خلاف قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ شہادت کا اہل وہی ہوتا ہے جو اہل ولایت میں سے ہو۔

دوسری وجہ..... یہ ہے کہ ذمی کی حالت حربی مستامن سے بدرجہا بہتر ہے یعنی ذمی اہل اسلام سے زیادہ قریب ہے۔ اور ذمی اہل اسلام سے زیادہ قریب اس لئے ہے کہ ذمی نے اسلام کا خلیفہ یعنی جزیہ قبول کر لیا ہے اور اس وجہ سے بھی کہ مسلمان کی طرح ذمی کا خون محفوظ ہو گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کسی ذمی کو ناحق قتل کر دیا تو مسلمان کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ اور اگر مسلمان کسی حربی مستامن کو قتل کر ڈالے تو اس کے قصاص میں مسلمان کو قتل نہیں کیا جاتا۔ بہر حال ذمی کی حالت، حربی مستامن سے بہت بہتر ہے اور اسلام سے قریب ہونے میں اعلیٰ حال والے کے خلاف ادنیٰ حال والے کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔ لہذا ذمی کے خلاف حربی مستامن کی گواہی قبول نہ ہوگی۔

نوٹ..... صاحب ہدایہ نے حربی سے حربی مستامن اس لئے مراد لیا ہے کہ حربی غیر مستامن کی گواہی ناممکن ہے کیونکہ شہادت کے لئے قاضی کی مجلس ضروری ہے اور قضاء کے لئے دارالاسلام میں مصراہ شہر کا ہونا شرط ہے پس حربی غیر مستامن جو دارالحرب میں مقیم ہے وہ اس شرط کو کس طرح پورا کر سکتا ہے۔ اور اگر حربی دارالاسلام میں بغیر امان کے داخل ہو کر مجلس قضاء میں حاضر ہو گیا تو اس کو چونکہ قہر اور غلبہ پکڑا جائے گا اس لئے وہ غلام ہوگا اور غلام کی گواہی کسی کے حق میں قبول کی جاتی ہے اور نہ کسی کے خلاف قبول کی جاتی ہے۔

ذمی کی گواہی حربی کے حق میں قابل قبول ہے

وَتُقْبَلُ شَهَادَةُ الذِّمِّيِّ عَلَيْهِ كَشَهَادَةِ الْمُسْلِمِ عَلَيْهِ وَعَلَى الذِّمِّيِّ وَتُقْبَلُ شَهَادَةُ الْمُسْتَأْمِنِينَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ إِذَا كَانُوا مِنْ أَهْلِ دَارٍ وَاحِدَةٍ وَإِنْ كَانُوا مِنْ دَارَيْنِ كَالرُّومِ وَالتُّرْكِ لَا تُقْبَلُ لِأَنَّ اخْتِلَافَ الدَّارَيْنِ يَقْطَعُ الْوَلَايَةَ وَلِهَذَا يَمْنَعُ التَّوَارُثُ بِخِلَافِ الذِّمِّيِّ لِأَنَّهُ مِنْ أَهْلِ دَارِنَا وَلَا كَذَلِكَ الْمُسْتَأْمِنُ

ترجمہ..... اور ذمی کی شہادت حربی کے خلاف قبول کی جائے گی۔ جیسا کہ مسلمان کی شہادت حربی اور ذمی کے خلاف قبول کی جاتی ہے۔ اور جو حربی امان لے کر آئیں ان میں بعض کی گواہی بعض کے خلاف قبول ہوگی بشرطیکہ دونوں ایک ملک کے ہوں اور اگر دونوں مختلف ملک کے ہوں جیسے روم اور ترک تو قبول نہ ہوگی۔ اس لئے کہ اختلاف دارین ولایت کو منقطع کر دیتا ہے اس لئے باہمی میراث ممنوع ہے۔ برخلاف ذمی کے کہ وہ دار الاسلام میں سے ہے۔ اور متامن ایسا نہیں ہے۔

تشریح..... صاحب قدوری نے کہا کہ ذمی کی شہادت حربی کے خلاف قبول کی جائے گی کیونکہ اسلام سے قریب تر ہونے کی وجہ سے ذمی کا حال اعلیٰ ہے اور حربی کا حال ادنیٰ ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ اعلیٰ حال والے کی گواہی ادنیٰ حال والے کے خلاف قبول کی جاتی ہے۔ لہذا ذمی کی گواہی حربی کے خلاف قبول کی جائے گی۔ جیسے مسلمان کی شہادت حربی متامن اور ذمی کے خلاف اسی نکتہ کی وجہ سے قبول کی جاتی ہے۔ اور اگر چند حربی امان کے کردار الاسلام میں رہتے ہوں تو ان کی آپس میں ایک دوسرے کے خلاف گواہی قبول کر لی جائے گی بشرطیکہ شاہد اور مشہود علیہ ایک ہی ملک کے باشندے ہوں یعنی دونوں ایک ہی بادشاہ کی رعیت میں ہوں اور اگر دونوں متامن حربیوں کے ملک علیحدہ ہوں مثلاً ایک روم کا باشندہ ہو اور دوسرا ترک کا باشندہ ہو تو ان کی گواہی ایک دوسرے کے خلاف قبول نہ ہوگی۔ اس لئے کہ ملکوں کا اختلاف ولایت کو ختم کر دیتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اختلاف دارین کی وجہ سے باہمی میراث ممنوع ہے۔ یعنی اگر وارث ایک ملک کا باشندہ ہو اور مورث دوسرے ملک کا باشندہ ہو تو ان میں میراث جاری نہیں ہوگی۔

بخلاف الذمی..... الخ سے ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال..... یہ ہے کہ جب اختلاف دارین ولایت کو قطع کر دیتا ہے تو ذمی کی گواہی متامن حربی کے خلاف قبول نہ ہونی چاہئے تھی۔ اس لئے کہ ذمی دار الاسلام میں رہتا ہے اور حربی دار الحرب میں رہتا ہے اور یہی اختلاف دارین ہے۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ ذمی چونکہ دار الاسلام میں رہتا ہے۔ اس لئے دار الاسلام کی شرافت کی وجہ سے ذمی کے لئے ولایت عامہ ثابت ہوگی۔ جیسا کہ مسلمان کے لئے ولایت عامہ ثابت ہے اور اسی ولایت عامہ کی وجہ سے مسلمان کی گواہی حربی اور ذمی دونوں کے خلاف قبول ہوتی ہے۔ پس اسی طرح ذمی کے واسطے ولایت عامہ ثابت ہونے کی وجہ سے ذمی کی گواہی حربی کے خلاف قبول کی جائے گی۔

سوال..... لیکن اب یہ سوال ہوگا کہ جب ذمی کو دار الاسلام کی شرافت کی وجہ سے ولایت عامہ حاصل ہے تو ذمی کی گواہی مسلمان کے خلاف بھی قبول ہونی چاہئے۔ حالانکہ ذمی کی گواہی مسلمان کے خلاف قبول نہیں کی جاتی۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ قیاس کا تقاضا تو یہی تھا کہ ذمی کی گواہی مسلمان کے خلاف بھی قبول کی جائے۔ لیکن اس قیاس کو نص لیں یجعل اللہ للکفارین علی المؤمنین سبیلاً کی وجہ سے ترک کر دیا گیا۔ اور حربی متامن کے بارے میں چونکہ اس طرح کی کوئی نص موجود نہیں ہے۔ اس لئے حربی متامن کے خلاف ذمی کی گواہی قبول کر لی جائے گی۔ اور متامن چونکہ دار الاسلام کا باشندہ نہیں ہے اس لئے اس کو ولایت عامہ حاصل نہ ہوگی۔ اور جب متامن کو ولایت عامہ حاصل نہیں ہے تو اس کی گواہی ذمی کے خلاف قبول نہ ہوگی۔ یہ خیال رہے کہ اہل ذمہ اگر مختلف ملکوں کے ہوں تو ان کی گواہی ایک دوسرے کے خلاف قبول کر لی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل ذمہ ذمی ہونے سے پہلے مختلف ملکوں کے تھے لیکن جب وہ ذمی بن کر دار الاسلام میں رہنے لگے تو سب دار الاسلام کے رہنے والے شمار ہوں گے۔ اور سب کا ملک دار الاسلام ہی شمار ہوگا۔ اور جب سب کا ملک دار الاسلام ہو گیا تو اختلاف دارین کہاں رہا۔

جس کی حسنات سیرات پر غالب ہوں اور کبائر سے اجتناب کرے اس کی گواہی قابل قبول ہے

وَإِنْ كَانَتْ الْحَسَنَاتُ أَغْلَبَ مِنَ السَّيِّئَاتِ وَالرَّجُلُ يَجْتَنِبُ الْكِبَائِرَ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُ وَإِنْ أَلَمَ بِمَعْصِيَةِ هَذَا هُوَ الصَّحِيحُ فِي حَدِّ الْعَدَالَةِ الْمُعْتَبَرَةِ إِذْ لَا بُدَّ لَهُ مِنْ تَوْقِي الْكِبَائِرِ كُلِّهَا وَبَعْدَ ذَلِكَ يُعْتَبَرُ الْغَالِبُ كَمَا ذَكَرْنَا فَا مَّا

الْإِلْمَامُ بِمَعْصِيَةِ لَا يَنْقَدُحُ بِهِ الْعَدَالَةُ الْمَشْرُوطَةُ فَلَا يَرُدُّ بِهِ الشَّهَادَةُ الْمَشْرُوعَةُ لِأَنَّ فِي إِعْتِبَارِ اجْتِنَابِهِ الْكُلَّ سَدَّ بَابِهِ وَهُوَ مَفْتُوحٌ أَحْيَاءٌ لِلْحَقُوقِ

ترجمہ..... اور اگر (کسی شخص کی) نیکیاں اس کی برائیوں پر غالب ہوں اور کبیرہ گناہوں سے پرہیز رکھتا ہو تو اس کی شہادت قبول ہوگی اگرچہ کسی صغیرہ گناہ کا ارتکاب کر لیا ہو عدالت معتبرہ کی تعریف میں یہی صحیح ہے۔ کیونکہ تمام کبیرہ گناہوں سے بچنا ضروری ہے اور اس کے بعد غالب کا اعتبار کیا جائے گا۔ جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ پس چونکہ صغیرہ گناہ کے مرتکب ہو جانے سے عدالت مشروط میں نقص نہیں آتا اس لئے اس کی وجہ سے شہادت مشروط کو رد نہیں کیا جائیگا۔ کیونکہ تمام صغیرہ گناہوں سے بچنے کا اعتبار کرنے میں شہادت کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ حالانکہ حقوق کو زندہ کرنے کے لئے یہ دروازہ کھلا ہوا ہے۔

تشریح..... صاحب قدوری نے کہا کہ شہادت میں جو عدالت شرعاً معتبر ہے اس کی تعریف یہ ہے کہ گواہ ایسا آدمی ہو جو فرائض کو ترک نہ کرتا ہو۔ اور کبار اور اصرار علی الصغیرہ سے پرہیز رکھتا ہو۔ اور اس کی نیکیاں اس کی چھوٹی چھوٹی برائیوں پر غالب ہوں۔ حاصل یہ کہ کبار اور اصرار علی الصغیرہ سے بچنا تو نہایت ضروری ہے اس کے بعد غالب کا اعتبار ہوگا یعنی اگر نیکیاں اس کی برائیوں سے زیادہ ہوں تو اس کی گواہی قبول کی جائے گی اگرچہ اس نے کسی صغیرہ گناہ کا ارتکاب کر لیا ہو۔ کیونکہ گناہ صغیرہ کے ارتکاب سے اس عدالت میں کوئی نقصان واقع نہیں ہوتا جو عدالت شہادت میں شرط ہے۔ اور جب گناہ صغیرہ کے ارتکاب سے عدالت میں نقصان واقع نہیں ہوتا تو اس کی وجہ سے شہادت مشروط ساقط نہ ہوگی۔ اور گناہ صغیرہ کے ارتکاب سے نقصان اس لئے واقع نہیں ہوتا کہ اگر عدالت کے لئے تمام صغیرہ گناہوں سے بچنے کو ضروری قرار دیا جائے تو شہادت کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا۔ حالانکہ لوگوں کے حقوق کو زندہ کرنے کے لئے شہادت کا دروازہ کھلا ہوا ہے کیونکہ انبیاء کے بعد کوئی ایسا شخص نہیں ہے جس سے کسی نہ کسی صغیرہ کا ارتکاب نہ ہوتا ہو۔ پس جب یہ بات ہے اور شہادت کا دروازہ بھی کھلا ہوا ہے تو شہادت کے لئے تمام صفات سے بچنا ضروری ہوگا۔

غیر مختون کی گواہی کا حکم

قَالَ وَتُقْبَلُ شَهَادَةُ الْأَقْلَفِ لِأَنَّهُ لَا يَخْلُ بِالْعَدَالَةِ إِلَّا إِذَا تَرَكَهُ اسْتِخْفَافًا بِالِدِّينِ لِأَنَّهُ لَمْ يَبْقَ بِهَذَا الصَّنِيعِ عَدْلًا

ترجمہ..... اور غیر مختون کی شہادت مقبول ہو سکتی ہے کیونکہ یہ اس کی عدالت میں خلل نہیں ہے مگر جب اس نے اس کو دین میں حقیر سمجھ کر چھوڑا ہو کیونکہ وہ اس حرکت سے عادل نہیں رہے گا۔

تشریح..... اَقْلَفُ غیر مختون، بے ختنہ، ختنہ ہمارے نزدیک سنت ہے اور اس کے قائل امام مالکؒ ہیں۔ اور امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک واجب ہے۔ ختنہ کے لئے امام ابو حنیفہؒ نے کوئی وقت مقرر نہیں فرمایا ہے۔ البتہ متاخرین نے سات سال سے دس سال تک کا وقت مقرر کیا ہے۔ اور بعض نے ولادت کے ساتویں دن یا ساتویں دن کے بعد کو متعین کیا ہے۔ کیونکہ حسنین کی ختنہ ولادت سے ساتویں دن ہوئی یا ساتویں دن کے بعد ہوئی اور بعض نے کہا کہ بچہ جب دسویں سال میں ہو تو اس کی ختنہ کی جائے گی۔

بہر حال صاحب قدوری رقم طراز ہیں کہ غیر مختون کی گواہی قبول کی جائے گی اس لئے کہ ختنہ ہمارے نزدیک سنت ہے اور ترک سنت عدالت میں خلل نہیں ہوتی۔ لہذا ختنہ کا نہ ہونا اس کی عدالت میں خلل نہ ہوگا اور جب غیر مختون ہونا اس کی عدالت میں خلل نہیں ہے تو اس کی گواہی بھی قبول ہوگی۔ ہاں اگر سنت سے اعراض کر کے دین کو حقیر سمجھ کر اس نے ختنہ کو ترک کیا ہے تو یقیناً اس کی گواہی قبول نہ ہوگی کیونکہ وہ اس حرکت سے عادل کیا مسلمان بھی باقی نہ رہا۔ اور جب عادل نہ رہا بلکہ مسلمان ہی نہ رہا تو اس کی گواہی کس طرح قبول ہو سکتی ہے لیکن اگر کسی عذر کی وجہ سے ختنہ کو ترک کیا ہو تو اس کی گواہی قبول ہوگی۔

خصی کی گواہی قبول ہے

قَالَ وَالْخَصْيَ فَإِنَّ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَبِلَ شَهَادَةَ عِلْقَمَةَ الْخَصْيِ وَ لِأَنَّهُ قُطِعَ عُضْوُ مِنْهُ ظُلْمًا فَصَارَ كَمَا إِذَا قُطِعَتْ يَدُهُ

ترجمہ..... اور خصی کی گواہی قبول ہے۔ اس لئے کہ حضرت عمرؓ نے علقمہ خصی کی گواہی قبول کی ہے اور اس لئے کہ خصی کا ایک عضو ظلماً کاٹا گیا ہے پس ایسا ہو گیا جیسا کہ ہاتھ کاٹا گیا ہے۔

تشریح..... خصی وہ شخص ہے جس کے خصیتین نکال دیئے گئے ہوں۔ صاحب قدوری نے کہا کہ خصی کی گواہی قبول کی جاتی ہے۔

اور دلیل یہ ہے کہ..... حضرت عمرؓ نے قدامہ بن مظعون کے خلاف شراب پینے کے سلسلے میں علقمہ خصی کی گواہی قبول کی ہے۔ قدامہ بن مظعون صحابی ہیں غزوہ بدر اور دیگر تمام غزوات میں شرکت کی ہے۔ عبد اللہ بن عمرؓ اور حفصہ رضی اللہ عنہا بہت عمر کے ماموں ہیں۔ حضرت عمرؓ نے ان کو بحرین کا عامل مقرر فرمایا تھا مگر پھر معزول فرمایا تھا۔ مختصر واقعہ یہ ہے کہ عبد القیس بن البحرین کے سردار جارد نے قدامہ بن مظعون کے خلاف گواہی دی کہ یہ شراب پیتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کیا تیرے ساتھ کوئی دوسرا گواہ ہے۔ علقمہ خصی نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے اس کو شراب پیتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنے بہنوئی قدامہ کو کوڑے لگوائے اور ان کو معزول کر دیا۔

دوسری دلیل..... یہ ہے کہ خصی کا عضو (خصیتین) ظلماً کاٹا گیا ہے۔ پس ایسا ہو گیا جیسے کسی کا ہاتھ کاٹا گیا ہو۔ اور یہ بات مسلم ہے کہ اگر کسی کے تمام اعضاء ظلماً کاٹ دیئے گئے ہوں تو اس سے اس کی عدالت ساقط نہیں ہوتی اور جب عدالت ساقط نہیں ہوئی تو اس کی گواہی بھی قبول کر لی جائے گی۔ ہاں اگر کسی نے برضاء و رغبت اپنا خصیہ نکال ڈالا ہو تو اس کی گواہی قبول نہ ہوگی۔

ولد الزنا کی گواہی کا حکم

قَالَ وَوَلَدُ الزِّنَاءِ لِأَنَّ فَسْقَ الْآبَوَيْنِ لَا يُوجِبُ فَسْقَ الْوَلَدِ كَكُفْرِهِمَا وَهُوَ مُسْلِمٌ وَقَالَ مَالِكٌ لَا تُقْبَلُ فِي الزِّنَاءِ لِأَنَّهُ يَجِبُ أَنْ يَكُونَ غَيْرُهُ كَمِثْلِهِ فَيَتَّهِمُ قُلْنَا أَلْعَدْلُ لَا يَخْتَارُ ذَلِكَ وَلَا يَسْتَجِبُهُ وَالْكَلَامُ فِي الْعَدْلِ

ترجمہ..... اور ولد الزنا کی گواہی بھی قبول ہوگی۔ اس لئے کہ والدین کا فسق اولاد کے فسق کو واجب نہیں کرتا ہے۔ جیسے والدین کا کفر حالانکہ ولد مسلمان ہے اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ زنا کے مقدمہ میں ولد الزنا کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ وہ اس بات کو پسند کرے گا کہ اس کے علاوہ بھی اس کے مثل ہو تو وہ متہم ہوگا۔ ہم کہتے ہیں کہ عادل آدمی جھوٹی گواہی اختیار نہیں کرے گا اور نہ اس کو پسند کرے گا۔ اور گفتگو عادل میں ہے۔

تشریح..... صاحب قدوری نے فرمایا ہے کہ ولد الزنا کی گواہی قبول نہ ہوگی کیونکہ زنا کا ارتکاب کرنے سے والدین فاسق ہوئے ہیں اور والدین کا فاسق ہونا ان کے کافر ہونے سے بڑھ کر نہیں ہے۔ اور والدین کا کافر ہونا مسلمان بیٹے کی شہادت سے مانع نہیں ہے۔ یعنی والدین کے کافر ہونے کے باوجود مسلمان بیٹے کی شہادت قبول کی جاتی ہے۔ پس والدین کے فاسق ہونے کی صورت میں بیٹے کی شہادت بدرجہ اولیٰ قبول ہوگی۔ اس کی تائید باری تعالیٰ کے قول وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى سے بھی ہوتی ہے۔ کیونکہ آیت کی روشنی میں والدین کا گناہ اولاد کے سر نہیں تھوپا جاسکتا ہے۔ حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ ولد الزنا کی گواہی زنا کے مقدمہ میں قبول نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ وہ اس بات کو پسند کرے گا کہ دوسرا بھی اس کے مثل ہو۔ جیسا کہ مثل مشہور ہے کہ گہرا یہ چاہتا ہے کہ ساری دنیا مجھ جیسی ہو جائے۔ اور جب وہ اس بات کو پسند کرے گا تو وہ زنا کے مقدمہ میں اپنی گواہی میں متہم ہوگا اور متہم کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ لہذا اس کی گواہی زنا کے مقدمہ میں قبول نہ ہوگی۔

ہماری طرف سے جواب..... یہ ہے کہ ہمارا کلام اس صورت میں ہے جب ولد الزنا عادل ہو اور عادل آدمی محض اس وجہ سے کہ دوسرا آدمی بھی مجھ جیسا ہو جائے، جھوٹی گواہی اختیار نہیں کرے گا اور نہ دوسرے کی نسبت ایسا پسند کرے گا۔ اور جب یہ بات ہے تو ولد الزنا اپنی گواہی میں متہم نہ ہوگا اور جب ولد الزنا اپنی گواہی میں متہم نہیں ہے تو اس کی گواہی قبول کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔

خنثی کی گواہی کا حکم

قَالَ وَشَهَادَةُ الْخُنْثَى جَائِزَةٌ لِأَنَّهُ رَجُلٌ أَوْ امْرَأَةٌ وَشَهَادَةُ الْجَنَسَيْنِ مَقْبُولَةٌ بِالنَّصِّ

ترجمہ..... اور خنثی کی گواہی جائز ہے کیونکہ وہ مرد ہے یا عورت ہے اور نص کی رو سے دونوں کی گواہی مقبول ہے۔
تشریح..... خنثی وہ ہے جس کے اندر مرد و عورت دونوں کی علامت پیدائشی ہو۔ پس اگر خنثی عادل ہو تو اس کی گواہی قبول ہوگی۔ کیونکہ یہ مرد ہوگا یا عورت ہوگی اور قرآن سے ثابت ہے کہ دونوں کی گواہی مقبول ہے چنانچہ ارشاد ہے واستشهدوا شہیدین من رجالکم فان لم یکونوا رجلین فرجل وامرأتان۔ احتیاط یہ ہے کہ خنثی کے ساتھ ایک مرد اور ایک عورت گواہی دے۔ کیونکہ خنثی اگر عورت ہوگی تو اس صورت میں ایک مرد اور دو عورتیں گواہ ہوں گی۔ اور اگر خنثی مرد ہے تو اس صورت میں دو مرد گواہ ہوں گے اور عورت زائد ہوگی۔ اور یہ بھی مناسب ہے کہ حدود و قصاص میں خنثی کی گواہی قبول نہ کی جائے کیونکہ خنثی میں عورت ہونے کا بھی احتمال ہے حالانکہ حدود و قصاص میں عورتوں کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔

عمال کی گواہی جائز ہے

قَالَ وَشَهَادَةُ الْعُمَّالِ جَائِزَةٌ وَالْمَرَادُ عُمَّالُ السُّلْطَانِ عِنْدَ عَامَّةِ الْمَشَائِخِ لِأَنَّ نَفْسَ الْعَمَلِ لَيْسَ بِفَسَقٍ إِلَّا إِذَا كَانُوا أَعْوَانًا عَلَى الظُّلْمِ وَقِيلَ الْعَامِلُ إِذَا كَانَ وَجِیْہًا فِی النَّاسِ ذَا مَرْوَةٍ لَا يُجَازِفُ فِی کَلَامِهِ تَقْبَلُ شَهَادَتُهُ كَمَا مَرَّ عَنْ أَبِي یُوسُفَ فِی الْفَاسِقِ لِأَنَّهُ لَوْ جَاهَتَهُ لَا يُقَدِّمُ عَلَى الْكُذْبِ حِفْظًا لِلْمَرْوَةِ وَلِمَهَابَتِهِ لَا يُسْتَأْجَرُ عَلَى الشَّهَادَةِ الْكَاذِبَةِ

ترجمہ..... اور عمال کی گواہی جائز ہے اور عامۃ المشائخ کے نزدیک سلطان کے عمال مراد ہیں۔ کیونکہ نفس عمل فسق نہیں ہے مگر جب یہ لوگ ظلم پر مدد گار ہوں اور کہا گیا کہ عامل جب لوگوں میں وجیہ صاحب مروت ہو، اپنے کلام میں بے ہودہ گو نہ ہو تو اس کی شہادت قبول ہوگی۔ جیسا کہ فاسق کے بارے میں ابو یوسف سے گزر چکا ہے۔ اس لئے کہ وہ اپنی وجاہت کی وجہ سے جھوٹ پر اقدام نہیں کرے گا تا کہ اس کی مروت محفوظ رہے اور اپنی ہیبت کی وجہ سے جھوٹی گواہی پر اجرت پر نہیں لیا جائے گا۔

تشریح..... صاحب قدوری نے کہا کہ عمال کی گواہی جائز ہے اور عمال سے سلطان کے وہ عمال مراد ہیں جو حقوق واجبہ وصول کرنے میں سلطان کی مدد کرتے ہیں۔ جیسے خراج اور سوائم کی زکوٰۃ وصول کرنے والے حضرات، کیونکہ خود عمل کوئی فسق نہیں۔ اور عامل ہونا فسق اس لئے نہیں کہ بڑے بڑے صحابہ عمال تھے۔ ہاں اگر عمال سلطان بادشاہ کے ظلم پر مددگار ہوں جیسے آج کل سلطان کے ظلم پر سلطان کی مدد کرتے ہیں تو ان کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ ظلم پر مدد کرنے کی وجہ سے ان کی عدالت ساقط ہوگئی۔ ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ عامل اگر ظلم پر مددگار ہو مگر لوگوں میں باوجاہت اور بامروت ہو۔ اور بے نیکی اور بے ہودہ باتیں نہ کرتا ہو تو اس کی گواہی بھی قبول کر لی جائے گی۔ جیسا کہ امام ابو یوسفؒ سے فاسق کے سلسلہ میں گزر چکا ہے کہ فاسق اگر باوجاہت اور بامروت ہو تو اس کی گواہی قبول کر لی جائے گی۔ کیونکہ ظلم پر مدد کرنے والا عامل اپنی وجاہت کی وجہ سے جھوٹ بولنے پر اقدام نہیں کرے گا تا کہ اس کی مروت محفوظ رہے اور اپنی ہیبت کی وجہ سے جھوٹی گواہی پر اجیر اور مزدور نہیں بنایا جاسکتا ہے۔ پس جب

وجاہت اور بیعت کی وجہ سے جھوٹ کی تہمت ختم ہو گئی تو گواہی قبول کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔

دومردوں نے گواہی دی کہ ان کے باپ نے فلاں شخص کو وصی مقرر کیا

ہے اور وصی بھی اس کا مدعی ہے تو ان کی گواہی قابل قبول ہے

قَالَ وَإِذَا شَهِدَ الرَّجُلَانِ أَنَّ أَبَاهُمَا أَوْصَى إِلَى فَلَانٍ وَالْوَصِيُّ يَدَّعِي ذَلِكَ فَهُوَ جَائِزٌ إِسْتِحْسَانًا وَإِنْ أَنْكَرَ الْوَصِيُّ لَمْ يَجْزُ وَفِي الْقِيَاسِ لَا يَجُوزُ وَإِنْ ادَّعَى وَعَلَى هَذَا إِذَا شَهِدَ الْمَوْصِي لَهُمَا بِذَلِكَ أَوْ غَرِيْمَانِ لَهُمَا عَلَى الْمَمِيَّتِ دَيْنٌ أَوْ لِلْمَمِيَّتِ عَلَيْهِمَا دَيْنٌ وَشَهِدَ الْوَصِيَّانِ أَنَّهُ أَوْصَى إِلَى هَذَا الرَّجُلِ مَعَهُمَا وَجْهٌ الْقِيَاسِ أَنَّهَا شَهَادَةٌ لِلشَّاهِدِ لِعَوْدِ الْمَنْفَعَةِ إِلَيْهِ وَجْهٌ الْإِسْتِحْسَانِ لِلْقَاضِي وَلَايَةُ نَصْبِ الْوَصِيِّ إِذَا كَانَ طَالِبًا وَالْمَوْتُ مَعْرُوفًا فَيَكْفِي الْقَاضِي بِهَذِهِ الشَّهَادَةِ مُؤَنَّةُ التَّعْيِينِ لَا أَنْ يَثْبُتَ بِهَا شَيْءٌ فَصَارَ كَالْقُرْعَةِ وَالْوَصِيَّانِ إِذَا أَقْرَأَ أَنَّ مَعَهُمَا ثَالِثًا يَمْلِكُ الْقَاضِي نَصْبَ ثَالِثٍ مَعَهُمَا لِعِجْزِهِمَا عَنِ التَّصَرُّفِ بِاعْتِرَافِهِمَا بِخِلَافِ مَا إِذَا أَنْكَرَ أَوْ لَمْ يَعْرِفِ الْمَوْتُ لِأَنَّهُ لَيْسَ لَهُ وَلَايَةُ نَصْبِ الْوَصِيِّ فَتَكُونُ الشَّهَادَةُ هِيَ الْمَوْجِبَةُ وَفِي الْغَرِيْمَيْنِ لِعِلْمِيَّتِ عَلَيْهِمَا دَيْنٌ تُقْبَلُ الشَّهَادَةُ وَإِنْ لَمْ يَكُنِ الْمَوْتُ مَعْرُوفًا لِأَنَّهُمَا يَقْرَأْنَ عَلَى أَنْفُسِهِمَا فَيَثْبُتُ الْمَوْتُ بِاعْتِرَافِهِمَا فِي حَقِّهِمَا

ترجمہ..... اور اگر دومردوں نے گواہی دی کہ ان کے باپ نے فلاں شخص کو وصی مقرر کیا ہے اور وصی بھی اس کا مدعی ہے تو یہ استحساناً جائز ہے اور اگر وصی منکر ہو تو جائز نہیں ہے اور قیاس میں جائز نہیں اگرچہ مدعی ہو اور اسی پر اگر دو شخصوں نے جن کے واسطے وصیت کی گئی اس کی گواہی دی یا دو قرض خواہوں نے جن کا میت پر قرضہ ہے یا جن پر میت کا قرضہ ہے یا دو وصیوں نے یہ گواہی دی کہ میت نے اس شخص کو ہم دونوں کے ساتھ وصی بنایا ہے قیاس کی وجہ یہ ہے کہ وہ گواہی خود گواہ کے واسطے ہے کیونکہ اس گواہی کی منفعت خود گواہ کو پہنچتی ہے۔ اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ قاضی کو وصی مقرر کرنے کا خود اختیار ہے جبکہ اس کا طالب ہو۔ اور موت معروف ہو۔ پس قاضی اس شہادت کی وجہ سے تعین کی تکلیف سے کفایت کرے گا۔ یہ نہیں کہ اس گواہی کی وجہ سے کوئی چیز ثابت کی جائے گی۔ پس یہ قرضہ کے مانند ہو گیا۔ اور دونوں وصیوں نے جب یہ اقرار کر لیا کہ دونوں کے ساتھ ایک تیسرا وصی ہے تو قاضی ان دونوں کیساتھ ایک تیسرا وصی مقرر کرنے کا مالک ہوگا کیونکہ یہ دونوں اپنے اقرار کی وجہ سے تصرف کرنے سے عاجز ہیں۔ برخلاف اس کے جب وصی نے ان کا کیا یا موت معروف نہ ہو اس لئے کہ قاضی کو وصی مقرر کرنے کی ولایت نہیں ہے۔ پس یہی گواہی موجب ہوگی۔ اور دونوں قرضداروں کی صورت میں جن پر میت کا قرضہ ہے گواہی قبول ہو جائے گی اگرچہ موت معروف نہ ہو۔ کیونکہ یہ دونوں اپنی ذات پر قرضہ کا اقرار کرتے ہیں۔ پس ان دونوں کے حق میں ان دونوں کے اعتراف سے موت ثابت ہو جائیگی۔

تشریح..... اس عبارت میں پانچ مسئلے مذکور ہیں

۱۔ دومردوں نے یہ گواہی دی کہ ہمارے مرحوم باپ نے حامد کو وصی مقرر کیا ہے اور وصی یعنی حامد بھی اس کا مدعی ہے۔

۲۔ دو شخصوں نے جن کے واسطے مال کی وصیت کی گئی ہے یہ گواہی دی کہ فلاں مرحوم نے حامد کو اپنا وصی مقرر کیا ہے اور حامد بھی اپنے وصی ہو نہ کا مدعی ہے۔

۳۔ دو قرض خواہوں نے جن کا میت پر قرضہ ہے یہ گواہی دی کہ فلاں میت نے حامد کو اپنا وصی مقرر کیا ہے اور حامد بھی اس کا مدعی ہے۔

۴۔ دو قرضداروں نے جن پر میت کا قرضہ ہے یہ گواہی دی کہ فلاں میت نے حامد کو اپنا وصی مقرر کیا ہے اور حامد بھی اس کا مدعی ہے۔

۵۔ دو وصیوں نے یہ گواہی دی کہ فلاں میت نے حامد کو ہمارے ساتھ اپنا وصی مقرر کیا ہے اور حامد بھی اس کا مدعی ہے۔

ان پانچوں مسئلوں کا حکم یہ ہے کہ شہادت قیاساً جائز نہیں ہے یہی قول امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا ہے البتہ استحساناً جائز ہے اور اگر وصی یعنی حامد اپنے وصی ہونے کا منکر ہو تو یہ شہادت نہ قیاساً جائز ہے اور نہ استحساناً جائز ہے۔ وصی کے مدعی ہونے کی صورت میں قیاس کی وجہ یہ ہے کہ مذکورہ پانچوں مسائل میں گواہی کا نفع خود گواہوں کو پہنچتا ہے اور ہر وہ گواہی جس کا نفع خود گواہ کو پہنچتا ہو قبول نہیں کی جاتی۔ لہذا مذکورہ مسائل میں گواہوں کی گواہی قبول نہ ہوگی۔

رہی یہ بات کہ مذکورہ مسائل میں گواہی کا نفع خود گواہ کو کس طرح پہنچتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے مسئلہ میں گواہوں یعنی دونوں وارثوں کا یہ فائدہ ہے کہ ان کا ایک کارگز اہل گیا جو ان کے حقوق کو زندہ کرے گا اور ان کو ان کا حق میراث دیگا۔ دوسرے اور تیسرے مسئلہ میں یہ فائدہ ہے کہ گواہ یعنی موصی لہما اور قرضخواہ، وصی کے ذریعہ اپنا مال وصیت اور مال دین وصول کریں گے۔ چوتھے مسئلہ میں یہ فائدہ ہے کہ گواہ یعنی قرضدار وصی کو قرضہ کا مال دے کر خود بری ہو جائیں گے اور پانچویں مسئلہ میں یہ فائدہ ہے کہ گواہوں یعنی دونوں وصیوں کو مال کے اندر تصرف کرنے اور دوسروں سے مطالبہ کرنے میں ایک مددگار مل جائے گا۔ بہر حال پانچوں صورتوں میں گواہوں کا کچھ نہ کچھ نفع ہے۔ اور جس گواہی میں گواہوں کا نفع شامل ہو وہ گواہی تہمت کے وجہ سے قبول نہیں کی جاتی۔ لہذا مذکورہ صورتوں میں بھی مذکورہ گواہوں کی گواہی قبول نہ ہوگی۔

استحسان کی وجہ..... یہ ہے کہ قاضی کو وصی مقرر کرنے کا خود اختیار ہے جب کہ وصی اپنے وصی ہونے پر راضی ہو۔ اور میت کا مرنا لوگوں میں معروف و مشہور ہو۔ یعنی اگر میت کا مرنا ثابت ہو جائے اور اس کا کوئی وصی نہ ہو یا میت کا وصی ہو لیکن اس نے اپنے عاجز ہونے کا دعویٰ کر دیا ہو تو دونوں صورتوں میں قاضی کے لئے وصی مقرر کرنے کا اختیار ہے تاکہ لوگوں کے اموال ضائع ہونے سے محفوظ ہو جائیں ہاں۔ قاضی پر یہ واجب ہے کہ وہ ایسے شخص کو وصی منتخب کرے جو امانتدار، دیانتدار، ہوشیار اور کارگز اہل ہو پس مذکورہ مسائل میں حامد کا وصی ہونا گواہوں کی گواہی سے ثابت نہیں ہوا بلکہ اس کا وصی ہونا تو قاضی ہی کے حکم سے ثابت ہوا ہے۔ البتہ اس گواہی سے قاضی وصی کو دیانت و امانت کی شرط کے ساتھ متعین کرنے کی زحمت سے بچ گیا، یعنی قاضی کو وصی تلاش کرنے کی جو زحمت اٹھانا پڑتی اس گواہی کی وجہ سے اس زحمت سے بچ گیا ہے۔ اس گواہی کی مثال ایسی ہے جیسے قمر عدسے سے کسی چیز کو ثابت نہیں کیا جاتا بلکہ دوسرے مقاصد کے لئے قمر عدسہ الا جاتا ہے۔ مثلاً قاضی نے کسی جگہ کا بیڑا ہوا اور طے کیا کہ فلاں کو اتنا دیا جائے اور فلاں کو اتنا دیا جائے مگر یہ طے نہیں کیا کہ کس کو کس جانب دیا جائے بلکہ انہوں نے قمر عدسے سے خود یہ کام کر لیا تو قمر عدسے والے سے قاضی اس زحمت سے بچ گیا۔ اسی طرح قاضی کو میت کے واسطے وصی مقرر کرنا پڑتا تو غور کرنا پڑتا کہ اس کام کے لئے کون مناسب ہے اور کون مناسب نہیں ہے۔ پس قاضی نے حامد کو اپنے اختیار سے وصی مقرر کیا ہے اور مذکورہ گواہی سے اس کا وصی ہونا ثابت نہیں کیا ہے بلکہ گواہی سے صرف تلاش کرنے کی زحمت سے بچ گیا ہے۔

حاصل یہ کہ یہ شہادت، درحقیقت شہادت نہیں ہے بلکہ وصی کا تعین کرنے میں قاضی کی مدد کرنا ہے اور جب یہ شہادت حقیقت شہادت نہیں ہے تو یہ کہنا کہ اس شہادت کا نفع گواہوں کو پہنچتا ہے، غلط ہے بلکہ یوں کہا جائے کہ قاضی کے وصی مقرر کرنے سے ان لوگوں کو نفع پہنچا ہے۔ خود ان کی گواہی چونکہ حقیقت گواہی نہیں ہے اس لئے ان کی اپنی ظاہری گواہی سے ان کو کوئی نفع نہیں پہنچا ہے۔

والوصیان اذا قرأ..... الخ سے ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال..... یہ ہے کہ پانچویں مسئلہ میں جب میت کے لئے پہلے دو وصی مقرر ہیں تو قاضی کو تیسرا وصی مقرر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ لہذا تیسرا وصی پہلے دو وصیوں کی شہادت سے مقرر ہوگا اور جب تیسرا وصی پہلے دو وصیوں کی شہادت سے مقرر ہوا ہے اور اس شہادت میں دونوں وصیوں کا بھی نفع ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا تو یہ دونوں وصی اپنی شہادت میں متہم ہوں گے۔ اور متہم فی الشہادت کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ لہذا ان کی گواہی بھی

قبول نہ ہونی چاہئے تھی۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں وصیوں نے جب یہ اقرار کیا کہ ہمارے ساتھ ایک تیسرا شخص بھی وصی ہے تو گویا ان دونوں نے اس بات کا اقرار کر لیا کہ ہم دونوں کام پورا کرنے سے عاجز ہیں۔ اور جب یہ دونوں کام پورا کرنے سے عاجز ہو گئے تو قاضی کے لئے یہ اختیار ہو گیا کہ وہ ان کے ساتھ ایک تیسرا وصی مقرر کرے پس یہ تیسرا وصی قاضی کے مقرر کرنے سے مقرر ہوا ہے نہ کہ دونوں وصیوں کی شہادت سے ان کی شہادت سے صرف یہ فائدہ ہوا ہے کہ قاضی وصی تلاش کرنے کی زحمت سے بچ گیا ہے۔ بہر حال تیسرا وصی جب قاضی کے مقرر کرنے سے مقرر ہوا ہے اور ان وصیوں کے مقرر کرنے سے مقرر نہیں ہوا تو ان کا اپنی شہادت میں متہم ہونے کا سوال بھی پیدا نہ ہوگا ہاں اگر وصی اپنے وصی ہونے کا منکر ہو یا میت کا مرنا لوگوں میں مشہور نہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں مذکورہ حضرات کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ وصی کے منکر ہونے کی صورت میں قاضی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اس کو وصایہ قبول کرنے پر مجبور کرے اور موت میت مشہور نہ ہونے کی صورت میں بھی قاضی کو وصی مقرر کرنے کی ولایت حاصل نہیں ہے۔ پس جب دونوں صورتوں میں قاضی کو وصی مقرر کرنے کی ولایت نہیں ہے تو ان دونوں صورتوں میں مذکورہ گواہوں کی گواہی سے وصی ہونا ثابت ہوگا اور پہلے گزر چکا ہے کہ مذکورہ حضرات اپنی شہادت میں متہم ہیں اور متہم کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ لہذا ان دونوں صورتوں میں بھی ان کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ البتہ چوتھی صورت میں جب دو قرضداروں نے جن پر میت کا قرضہ ہے یہ گواہی دی کہ میت نے حامد کو اپنا وصی مقرر کیا ہے تو یہ گواہی قبول ہوگی اگرچہ میت کا مرنا لوگوں میں مشہور نہ ہو۔ اس لئے کہ یہ دونوں حضرات اپنی ذات پر قرضہ کا اقرار کرتے ہیں۔ لہذا تہمت منقش ہوگئی۔ کیونکہ اس اقرار میں ان کا نفع کم اور نقصان زیادہ ہے۔ اور جب نقصان زیادہ ہے تو یہ خود ان کی ذات کے خلاف شہادت ہوئی۔ اور انسان کی شہادت (اقرار) اپنی ذات کے خلاف مقبول ہوتی ہے۔ لہذا ان کی شہادت بھی مقبول ہوگی۔ اور رہا میت کا مرنا تو وہ ان دونوں کے اقرار سے ثابت ہو جائے گا۔

دو مردوں نے اپنے غائب باپ کے بارے میں گواہی دی کہ اس نے فلاں شخص کو قرضہ وصول

کرنے کا وکیل بنایا، وکیل نے دعویٰ کیا یا ان کا کیا تو ان دونوں کی گواہی قبول نہیں

وَإِنْ شَهِدَا أَنَّ أَبَاهُمَا الْغَائِبَ وَكَتَلَهُ بِقَبْضِ دُيُونِهِ بِالْكُوفَةِ فَادَّعَى الْوَكِيلُ أَوْ أَنْكَرَ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَتُهُمَا لِأَنَّ الْقَاضِيَ لَا يَمْلِكُ نَصْبَ الْوَكِيلِ عَنِ الْغَائِبِ فَلَوْ ثَبَتَ أَنَّهَا يَثْبُتُ بِشَهَادَتِهِمَا وَهِيَ غَيْرُ مُوجِبَةٍ لِمَكَانِ التَّهْمَةِ

ترجمہ..... اور اگر دو آدمیوں نے گواہی دی کہ ان کے غائب باپ نے فلاں کو کوفہ میں اپنے قرضہ وصول کرنے کا وکیل کیا ہے۔ پس وکیل نے دعویٰ کیا یا ان کا کیا تو ان دونوں کی شہادت قبول نہ ہوگی کیونکہ غائب کی طرف سے قاضی کو وکیل مقرر کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ پس اگر وکالت ثابت ہو تو ان دونوں کی گواہی سے ثابت ہوگی۔ اور ان دونوں کی گواہی تہمت کی وجہ سے موجب نہیں ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر دو شخصوں نے یہ گواہی دی کہ ہمارے باپ نے جو غائب ہے فلاں شخص مثلاً خالد کو اس بات کا وکیل کیا ہے کہ وہ کوفہ میں اس کے قرضوں کو وصول کرے گا تو ان کی یہ گواہی قبول نہ ہوگی وکیل خواہ اپنے وکیل ہونے کا مدعی ہو خواہ منکر ہو۔

دلیل..... یہ ہے کہ قاضی کو کسی غائب کی طرف سے وکیل مقرر کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ لہذا یہ وکالت قاضی کے حکم سے ثابت نہ ہوگی بلکہ ان گواہوں کی گواہی سے ثابت ہوگی۔ اور اس گواہی میں تہمت ہے بایں طور کہ بیٹوں نے اپنے باپ کے حق میں گواہی دی ہے اور تہمت کی وجہ سے گواہی قبول نہیں ہوتی۔ لہذا ان دونوں کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔

خالص جرح پر قاضی شہادت نہ سنے اور نہ فیصلہ دے

قَالَ وَلَا يَسْمَعُ الْقَاضِي الشَّهَادَةَ عَلَى جَرَحٍ مُجَرَّدٍ وَلَا يَحْكُمُ بِذَلِكَ لِأَنَّ الْفِسْقَ مِمَّا لَا يَدْخُلُ تَحْتَ الْحُكْمِ

لَاَنَّ لَهُ الرَّفْعَ بِالتَّوْبَةِ فَلَا يَتَحَقَّقُ الْإِلْزَامُ وَلَاَنَّ فِيهِ هَتَكَ السِّرِّ وَالسُّتْرَ وَاجِبٌ وَالْإِشَاعَةُ حَرَامٌ وَإِنَّمَا يُرَخَّصُ ضَرُورَةً أَحْيَاءِ الْحُقُوقِ وَذَلِكَ فِيمَا يَدْخُلُ تَحْتَ الْحُكْمِ إِلَّا إِذَا شَهِدُوا عَلَى إِقْرَارِ الْمُدْعَى بِذَلِكَ لَاَنَّ الْإِقْرَارَ مِمَّا يَدْخُلُ تَحْتَ الْحُكْمِ

ترجمہ..... خالص جرح پر قاضی شہادت نہ سنے گا اور نہ اس کے مطابق حکم دے گا۔ اس لئے کہ فسق ان چیزوں میں سے ہے جو حکم قضا کے تحت داخل نہیں ہوتا ہے کیونکہ وہ توبہ سے دور ہو جاتا ہے۔ تو الزام متحقق نہ ہوگا۔ اور اس وجہ سے کہ ایسا کرنے میں پردہ دردی ہے حالانکہ چھپانا واجب ہے اور پھیلانا حرام ہے اور پردہ دردی حقوق زندہ کرنے کی ضرورت سے جائز ہوتی ہے اور یہ ایسی چیز کے دعویٰ میں ہے جو حکم قضا کے تحت داخل ہوتا ہے لیکن اگر گواہوں نے گواہی دی اس بارے میں مدعی کے اقرار پر (تو قاضی حکم دے گا) اس لئے اقرار ان چیزوں میں سے ہے جو حکم قضا کے تحت داخل ہوتا ہے۔
تشریح..... جرح طعن کرنا، عیب لگانا، جرح کی دو قسمیں ہیں:-

۱۔ جرح مجرد ۲۔ جرح غیر مجرد

جرح مجرد وہ ہے جس کی وجہ سے نہ شریعت کا حق واجب ہوتا ہو اور نہ بندہ کا حق واجب ہوتا ہو اور جرح مجرد حاکم کے حکم کے تحت بھی داخل نہیں ہوتا ہے۔ مثلاً مدعی علیہ نے کہا کہ مدعی کے گواہ فاسق ہیں یا زانی ہیں یا شرابی ہیں یا سودخور ہیں۔ تو یہ مدعی کے گواہوں پر جرح مجرد ہے کیونکہ یہ کہنے سے حد واجب نہیں ہوتی۔ اب اگر مدعی علیہ اس پر گواہ پیش کر دے تو یہ جرح مجرد پر گواہی ہے اور جس جرح کی وجہ سے شریعت یا بندہ کا حق واجب ہوتا ہو اس کو جرح غیر مجرد کہتے ہیں۔ اور جرح غیر مجرد حاکم کے حکم کے تحت داخل ہوتی ہے۔ مثلاً مدعی علیہ نے کہا کہ مدعی کے گواہوں نے زنا کیا ہے یا چوری کی ہے، یا شراب پی ہے تو اس سے چونکہ شریعت کا حق یعنی حد واجب ہوتی ہے اس لئے یہ جرح غیر مجرد ہے اور اگر مدعی علیہ نے کہا کہ میں نے مدعی کے گواہوں سے ایک ہزار روپیہ کے عوض اس بات پر صلح کی ہے کہ وہ میرے خلاف گواہی نہ دیں اور میں ایک ہزار روپیہ ادائیگی کر چکا ہوں لیکن انہوں نے یہ شرط پوری نہیں کی اور میں اس جرح سے پہلے ہی سے اپنے ادا کئے ہوئے ایک ہزار روپیہ کو مانگ رہا ہوں تو اس سے چونکہ بندے کا حق یعنی گواہوں پر ایک ہزار روپیہ کا واپس کرنا واجب ہوتا ہے اور یہ قاضی کے حکم کے تحت بھی داخل ہوتا ہے اس لئے یہ بھی جرح غیر مجرد ہے اب اگر مدعی علیہ کے گواہوں نے اس پر گواہی دیدی تو یہ جرح غیر مجرد پر گواہی ہوگی۔

اس تمہید کے بعد مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ مدعی نے اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کئے مگر مدعی علیہ نے ان گواہوں پر جرح مجرد کرتے ہوئے کہا کہ مدعی کے یہ گواہ فاسق ہیں یا زانی ہیں یا شرابی ہیں یا سودخور ہیں اور مدعی علیہ نے اپنی اس جرح مجرد پر گواہ بھی پیش کر دیئے تو قاضی اس جرح مجرد پر مدعی علیہ کے گواہوں کی گواہی قبول نہ کریگا اور نہ اس جرح کے مطابق حکم دیگا۔

دلیل..... یہ ہے کہ قاضی شہادت اس لئے قبول کرتا ہے تاکہ اس شہادت کی بنیاد پر حکم دے جب حکم دینے کے واسطے شہادت قبول کی جاتی ہے تو ضروری ہے کہ مشہود بہ ایسی چیز ہو جو حاکم کے حکم کے تحت داخل ہو سکتی ہو اور جرح مجرد جس کا حاصل مدعی کے گواہوں کو فاسق کہنا ہے وہ حاکم کے حکم کے تحت داخل نہیں ہوتا کیونکہ حاکم کا حکم مشہود بہ کا لازم کرنا ہے حالانکہ قاضی اور حاکم کی وسعت میں فسق کو لازم کرنا نہیں ہے کیوں کہ فسق ایسی چیز ہے جس کو توبہ کے ذریعہ دور کیا جاسکتا ہے۔ پس جب فسق کو توبہ کے ذریعہ دور کیا جاسکتا ہے تو فسق میں الزام کے معنی متحقق نہ ہوں گے اور جب اس میں الزام کے معنی متحقق نہیں ہوتے تو یہ حاکم کے حکم کے تحت بھی داخل نہ ہوگا اور جب فسق حکم حاکم کے تحت داخل نہیں ہوتا تو اس پر شہادت بھی قبول نہ ہوگی کیونکہ شہادت اسی چیز پر قبول کی جاتی ہے جو چیز حاکم کے حکم کے تحت داخل ہو سکتی ہو۔

دوسری دلیل..... یہ ہے کہ مدعی علیہ کے گواہوں کا مدعی کے گواہوں کے فاسق ہونے یا زنا کار ہونے یا شراب نوش ہونے یا سودخور ہونے کی

گواہی دینا یعنی جرح مجرد پر گواہی دینا خود مدعی علیہ کے گواہوں کو فاسق کر دیتا ہے اور فاسق کی گواہی قبول نہیں ہوتی لہذا مدعی علیہ کے گواہوں کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔ رہی یہ بات کہ مذکورہ گواہی سے مدعی علیہ کے گواہ کیوں فاسق ہو جاتے ہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس گواہی سے مسلمانوں یعنی مدعی کے گواہوں کی پردہ دری ہوگی اور ان کی بدکاری لوگوں میں مشہور ہوگی حالانکہ برائیوں کو چھپانا واجب اور بلا ضرورت پھیلانا حرام ہے چنانچہ حق جل مجدہ کا ارشاد ہے ان الذین یحبون ان تشیع الفاحشۃ فی الذین امنوا الھم عذاب الیم فی الدنیا والآخرۃ یعنی جو لوگ چاہتے ہیں کہ چرچا ہو بدکاری کا ایمان والوں میں ان کے لئے دنیا اور آخرت میں دردناک عذاب ہے۔ ملاحظہ ہو باری تعالیٰ نے فاحشہ اور بدکار کے افشاء پر وعید شدید بیان فرمائی ہے اور وعید فعل حرام پر آتی ہے لہذا فاحشہ اور بدکاری کا پھیلانا فعل حرام ہوا اور فعل حرام کا مرتکب فاسق ہوتا ہے۔ لہذا بدکاری اور برائیوں کو پھیلانے والا فاسق ہوگا پس جب مدعی علیہ کے گواہ نے قاضی کی بھری مجلس میں مدعی کے گواہوں کو زنا کار، شراب نوش اور سود خور اور فاسق و فاجر کہا تو مدعی علیہ کے گواہ اشاعت فاحشہ کی وجہ سے خود فاسق ہو گئے اور فاسق کی گواہی چونکہ قبول نہیں کی جاتی اس لئے مدعی علیہ کے گواہوں کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔ البتہ شریعت اور بندوں کے حقوق کو زندہ کرنے کی غرض سے اشاعت فاحشہ کی اجازت دی گئی ہے اور حقوق کو زندہ کرنا قاضی کے حکم کے تحت بھی داخل ہوتا ہے اس کی تفصیل جرح غیر مجرد کی تعریف کے تحت گزر چکی ہے۔ الا اذا شہدوا۔۔۔۔ الخ منقطع ہے اور اس کا تعلق لان الفسق مما لا یدخل تحت الحکم سے ہے حاصل یہ ہے کہ مدعی علیہ کے گواہوں نے اگر مدعی کے گواہوں کے فاسق ہونے کی گواہی دی اور یہ کہا کہ یہ فاسق ہیں یعنی زنا یا شراب نوشی یا سود خوری کے عادی ہیں تو یہ گواہی قبول نہیں کی جاتی کیوں کہ فسق قاضی کے حکم کے تحت داخل نہیں ہوتا ہے۔ لیکن اگر مدعی علیہ کے گواہوں نے گواہی دی کہ مدعی نے یہ اقرار کیا ہے کہ میرے گواہ فاسق ہیں تو قاضی اس گواہی کو قبول کریگا۔ اور اس کے مطابق حکم دیگا کیونکہ اقرار ایسی چیز ہے جو قاضی کے حکم کے تحت داخل ہوتی ہے۔

مدعی علیہ نے گواہ قائم کئے کہ مدعی کے گواہ کرایہ کے ہیں تو یہ بینہ قبول نہیں ہوں گے

قَالَ وَلَوْ اَقَامَ الْمُدْعٰی عَلَیْهِ الْبَیِّنَۃَ اَنَّ الْمُدْعٰی اسْتَاَجَرَ الشُّهُوْدَ لَمْ تُقْبَلْ لِاَنَّهُ شَہَادَۃٌ عَلٰی جَرَحٍ مُّجَرَّدٍ وَالْاِسْتِیْجَارُ وَاِنْ كَانَ اَمْرًا زَائِدًا عَلَیْهِ فَلَا خَصْمَ فِیْ اِثْبَاتِہٖ لِاَنَّ الْمُدْعٰی عَلَیْہِ فِیْہِ ذَالِکَ اَجْنَبِیٌّ عَنْہُ حَتّٰی لَوْ اَقَامَ الْمُدْعٰی عَلَیْہِ الْبَیِّنَۃَ اَنَّ الْمُدْعٰی اسْتَاَجَرَ الشُّهُوْدَ بِعَشْرَۃٍ دَرَاهِمَ لَیُوْذُوْا الشَّہَادَۃَ وَاَعْطَاهُمُ الْعَشْرَۃَ مِنْ مَّالِ الْبَدِیْ كَانَ فِیْ یَدِہٖ تُقْبَلُ لِاَنَّهُ خَصْمٌ فِیْ ذَالِکَ ثُمَّ یُثْبِتُ الْجَرَحُ بِنَاءً عَلَیْہِ وَکَذًا اِذَا اَقَامَہَا عَلٰی اَنِّیْ صَالِحَتْ هٰؤُلَاءِ الشُّهُوْدُ عَلٰی کَذًا مِنْ الْمَالِ وَدَفَعْتُهُ اِلَیْہُمْ عَلٰی اَنْ لَا یَشْہَدُوْا عَلٰی بِہَذَا الْبَاطِلِ وَقَدْ شَہَدُوْا وَطَالَبَہُمْ بِرَدِّ ذَالِکَ الْمَالِ وَلِهَذَا قُلْنَا اِنَّہٗ لَوْ اَقَامَ الْبَیِّنَۃَ اَنَّ الشَّاھِدَ عَبْدٌ اَوْ مُحْدُوْدٌ فِیْ قَذْفٍ اَوْ شَارِبٌ خَمْرٍ اَوْ قَاذِفٌ اَوْ شَرِیْکُ الْمُدْعٰی تُقْبَلُ

ترجمہ..... اور اگر مدعی علیہ نے اس بات پر بینہ پیش کیا کہ مدعی نے گواہوں کو اجرت پر لیا ہے تو یہ گواہی قبول نہ ہوگی۔ اس لئے کہ یہ جرح مجرد پر شہادت ہے اور اجرت پر لینا اگرچہ جرح مجرد پر ایک امر زائد ہے لیکن مدعی علیہ اس کے ثابت کرنے میں خصم نہیں ہے۔ کیونکہ مدعی علیہ اس بارے میں مدعی سے اجنبی ہے۔ حتیٰ کہ اگر مدعی علیہ نے بینہ پیش کیا کہ مدعی نے دس درہم کے عوض گواہوں کو اس لئے اجرت پر لیا ہے تاکہ وہ گواہی ادا کریں اور ان گواہوں کو دس درہم اس مال میں سے دیئے ہیں جو مال مدعی کے قبضہ میں (میرا) موجود تھا تو مدعی علیہ کا یہ بینہ قبول ہوگا۔ کیونکہ مدعی علیہ اس بارے میں خصم ہو گیا ہے۔ پھر جرح اسی بنا پر ثابت ہوگی۔ اور اسی طرح اگر مدعی علیہ نے اس بات پر بینہ قائم کیا کہ میں نے ان گواہوں سے اس قدر مال پر یہ صلح کی تھی کہ میرے خلاف اس باطل بات کی تائید میں ان کو دے بھی چکا حالانکہ وہ گواہی دے چکے۔ اور مدعی

علیہ نے ان سے اس مال کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ اسی وجہ سے ہم نے کہا کہ اگر مدعی علیہ نے بینہ پیش کیا کہ گواہ غلام ہے یا محدود فی القذف ہے یا شراب نوش ہے یا بہتان لگانے والا ہے یا مدعی کا شریک ہے تو مدعی علیہ کا یہ بینہ قبول ہوگا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ مدعی نے اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے مجلس قاضی میں جن گواہوں کو پیش کیا ہے اگر مدعی علیہ نے ان پر جرح کرتے ہوئے اس بات پر گواہ پیش کئے کہ مدعی نے مذکورہ گواہ اجرت پر حاصل کئے ہیں تو مدعی علیہ کا یہ بینہ قبول نہ ہوگا کیونکہ مدعی علیہ کی طرف سے جرح مجرد پر شہادت پیش کرنا ہے۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ جرح مجرد پر شہادت قبول نہیں کی جاتی۔ لہذا مدعی علیہ کی طرف سے پیش کردہ مذکورہ شہادت بھی قبول نہ ہوگی۔

والاستیجار و ان کان امراً زائداً علیہ..... سے ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال..... یہ ہے کہ مدعی علیہ کا یہ کہنا کہ مدعی نے کرایہ کے گواہ پیش کئے ہیں یہ جرح مجرد نہیں ہے بلکہ اس میں ایک امر زائد کو ثابت کیا گیا ہے اور وہ امر زائد مدعی کا گواہوں کو کرایہ پر حاصل کرنا ہے اور امر کو ثابت کرنا مدعی کے حق کو ثابت کرنا ہے البتہ اس سے ضمناً جرح بھی ثابت ہو جاتی ہے اس طور پر کہ جب اس نے یہ کہا کہ یہ کرایہ کے گواہ ہیں تو گویا یہ کہا کہ یہ گواہ جھوٹے اور فاسق و فاجر ہیں۔ بہر حال جب مدعی علیہ نے اصل مدعی کے حق استیجار کو ثابت کیا ہے اور جرح ضمناً ثابت ہو گئی ہے تو یہ جرح مجرد نہ رہی بلکہ جرح غیر مجرد ہو گئی کیونکہ جس جرح میں بندے کا حق ثابت ہوتا ہو وہ جرح غیر مجرد کہلاتی ہے۔ اور سابق میں گزر چکا ہے کہ جرح غیر مجرد پر جو شہادت پیش کی جاتی ہے اس کو قبول کیا جاتا ہے لہذا مدعی علیہ کی اس شہادت کو بھی قبول کیا جانا چاہئے۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ گواہوں کو اجرت پر لینے کو ثابت کرنا اگرچہ جرح مجرد پر ایک امر زائد ہے لیکن مدعی علیہ مدعی کے واسطے کسی حق کو ثابت کرنے میں چونکہ مدعی کی طرف سے کوئی نائب اور خصم نہیں ہے بلکہ اس بارے میں اس سے اجنبی ہے اور مدعی علیہ کا اجرت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے مدعی علیہ کا مدعی کے واسطے حق استیجار کو ثابت کرنا معتبر نہ ہوگا۔ اور جب مدعی کے واسطے حق استیجار کو ثابت کرنا معتبر نہ رہا تو محض جرح باقی رہی اور محض جرح اور جرح مجرد پر گواہی قبول نہیں ہوتی۔ لہذا مدعی علیہ کی طرف سے پیش کردہ مذکورہ گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔ ہاں اگر مدعی علیہ نے اس بات پر گواہی پیش کی کہ مدعی نے دس درہم کے عوض گواہوں کو کرایہ پر لیا ہے تاکہ وہ گواہی دیں اور یہ دس درہم میرے مال سے دیئے ہیں جو مدعی کے قبضہ میں موجود تھا تو مدعی علیہ کے یہ گواہ قبول ہوں گے اور قاضی اس کے مطابق حکم دے گا کیونکہ مدعی علیہ نے جب یہ کہا کہ مدعی نے اجرت کی رقم یعنی دس درہم میرے مال میں سے دیئے ہیں تو مدعی علیہ اس بارے میں مدعی کا خصم ہو گیا پھر جرح اس پر مبنی ہو کر ثابت ہوگی۔ یعنی مدعی علیہ نے اصلاً تو یہ کہا ہے کہ اجرت کی رقم میرے مال سے دی گئی ہے مگر اس پر یہ بات بھی مبنی ہوگی کہ مدعی کے گواہ جھوٹے اور فاسق و فاجر ہیں اور یہ بہر حال مدعی علیہ کی طرف سے جرح ہے مگر چونکہ اس جرح میں بندہ یعنی مدعی علیہ کا حق بھی ثابت ہوتا ہے اس لیے یہ جرح مجرد نہ ہوگی بلکہ جرح مرکب اور غیر مجرد ہوگی اور جرح غیر مجرد پر گواہی قبول کی جاتی ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا۔ لہذا اس صورت میں بھی مدعی علیہ کی طرف سے پیش کردہ گواہی قبول کی جائے گی۔ اسی طرح اگر مدعی علیہ نے اس بات پر بینہ پیش کیا کہ میں نے مدعی کے ان گواہوں سے اس قدر مال پر یہ صلح کی تھی کہ میرے خلاف اس غلط بات کی گواہی نہ دیں حالانکہ ان گواہوں نے میرے خلاف گواہی دی ہے اور میں ان کو وہ مال دے چکا ہوں۔ پس مدعی علیہ نے ان گواہوں سے مطالبہ کیا کہ وہ میرا مال واپس کر دیں تو مدعی علیہ کا بینہ قبول ہوگا۔ کیونکہ یہ جرح غیر مجرد ہے اور جرح غیر مجرد پر بینہ قبول ہوتا ہے۔ ہاں اگر مدعی علیہ نے یہ نہ کہا ہو کہ میں ان کو مال ادا کر چکا ہوں تو یہ جرح مجرد ہوگی اور اس پر بینہ قبول نہ ہوگا۔ چونکہ جرح مجرد پر شہادت قبول نہیں ہوتی اور جرح غیر مجرد پر قبول ہوتی ہے۔ اس لئے صاحب ہدایہ نے کہا کہ اگر مدعی علیہ نے اس بات پر بینہ قائم کیا کہ مدعی کے گواہ غلام ہیں یا محدود فی القذف ہیں یا شراب نوش ہیں یا بہتان تراش ہیں یا مدعی کے مال میں مدعی کے شریک ہیں تو مدعی علیہ کا یہ بینہ قبول ہوگا۔ کیونکہ ان تمام

صورتوں میں جرح غیر مجرد ہے۔ اور جرح غیر مجرد پر بینہ قبول ہوتا ہے لہذا ان صورتوں میں بھی مدعی علیہ کا بینہ قبول ہوگا ان صورتوں میں جرح غیر مجرد اس لئے ہے کہ جرح غیر مجرد اس کو کہتے ہیں جس میں اللہ یا بندے کا حق ثابت ہوتا ہے۔ اور مذکورہ صورتوں میں یہ بات موجود ہے کیونکہ مدعی علیہ نے جب یہ کہا کہ مدعی کے گواہ غلام ہیں تو گویا مدعی علیہ نے گواہوں کے رقیق ہونے کو ثابت کیا۔ اور رقیق ہونا حکماً ایک قسم کا ضعف ہے اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ رقیق کی ولایت کو سلب کر لیا جاتا ہے اور کسی کی ولایت کو سلب کرنا اللہ کا حق ہے۔ پس گواہوں کو غلام کہہ کر اللہ کا یہ حق ثابت کیا گیا ہے۔ اور جب یہ کہا کہ مدعی کے گواہ محدود فی القذف ہیں تو گویا یہ کہا کہ اس کی شہادت مردود ہے۔ اور کسی کی شہادت کو مردود کرنا یہ بھی اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور جب یہ کہا کہ مدعی کے گواہ شراب نوش ہیں انہوں نے شراب پی ہے تو گویا یہ کہا کہ ان پر حد شرب خمر واجب ہے۔ اور حد شرب خمر بھی اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور جب یہ کہا کہ مدعی کے گواہ بہتان تراش ہیں تو گویا یہ کہا کہ ان پر حد قذف واجب ہے اور حد قذف میں اگرچہ بندے کا بھی حق ہے اور اللہ کا بھی حق ہے مگر اللہ کا حق غالب ہے بہر حال ان صورتوں میں چونکہ اللہ کا حق ثابت ہوتا ہے اس لئے ان تمام صورتوں میں جرح غیر مجرد ہوگی۔ اور اگر مدعی علیہ نے اس پر بینہ قائم کیا کہ مدعی کے گواہ مال دعویٰ میں مدعی کے ساتھ شریک ہیں تو مدعی کے گواہ اپنی شہادت میں متہم ہو گئے۔ اور متہم کی گواہی مردود ہوتی ہے۔ لہذا مدعی علیہ کا بینہ قبول ہوگا اور مدعی کے گواہوں کی گواہی مردود ہوگی۔

گواہی دی اور اپنی جگہ سے نہیں ہٹا اور کہا کہ مجھے اپنی بعض گواہی میں وہم ہو گیا ہے گواہی قبول کی جائے گی یا نہیں

قَالَ وَمَنْ شَهِدَ وَلَمْ يَسْرَحْ حَتَّىٰ قَالَ أَوْهَمْتُ بَعْضَ شَهَادَتِي فَإِنْ كَانَ عَدْلًا جازَتْ شَهَادَتُهُ وَمَعْنَىٰ قَوْلِهِ أَوْهَمْتُ أَيْ أَخْطَأْتُ بِنِسْيَانٍ مَا كَانَ بِحَقِّ عَلَيَّ ذِكْرَهُ أَوْ بِزِيَادَةٍ كَانَتْ بَاطِلَةً وَوَجْهُهُ أَنَّ الشَّاهِدَ قَدْ يَتَلَبَّىٰ بِمِثْلِهِ لِمَهَابَةِ مَجْلِسِ الْقَضَاءِ فَكَانَ الْعَذْرُ وَاصِحًا فَيَقْبَلُ إِذَا تَدَارَكَهُ فِي آوَانِهِ وَهُوَ عَدْلٌ بِخِلَافٍ مَا إِذَا قَامَ عَنِ الْمَجْلِسِ ثُمَّ عَادَ وَقَالَ أَوْهَمْتُ لِأَنَّهُ يُوْهِمُ الزِّيَادَةَ مِنَ الْمُدْعَىٰ بِتَلْيِيسٍ وَخِيَانَةٍ فَوَجِبَ الْإِحْتِيَاظُ وَلَا يَحِلُّ لِلْمَجْلِسِ إِذَا اتَّحَدَ لِحَقِّ الْمُلْحَقِ بِأَصْلِ الشَّهَادَةِ فَصَارَ كَكَلَامٍ وَاحِدٍ وَلَا كَذَلِكَ إِذَا اخْتَلَفَ وَعَلَىٰ هَذَا إِذَا وَقَعَ الْغَلْطُ فِي بَعْضِ الْحُدُودِ أَوْ فِي بَعْضِ النَّسَبِ وَهَذَا إِذَا كَانَ مَوْضِعُ شَهَادَةٍ قَامًا إِذَا لَمْ يَكُنْ فَلَا بَأْسَ بِإِعَادَةِ الْكَلَامِ مِثْلُ أَنْ يَدْعَ لَفْظَةَ الشَّهَادَةِ وَمَا يَجْرِي مَجْرَىٰ ذَلِكَ وَإِنْ قَامَ عَنِ الْمَجْلِسِ بَعْدَ أَنْ يَكُونَ عَدْلًا وَعَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يَقْبَلُ قَوْلُهُ فِي غَيْرِ الْمَجْلِسِ إِذَا كَانَ عَدْلًا وَالظَّاهِرُ مَا ذَكَرْنَا

ترجمہ..... اور جس شخص نے گواہی دی اور (اپنی جگہ سے) نہیں ہٹا یہاں تک کہ اس نے کہا کہ مجھے اپنی بعض گواہی میں وہم ہو گیا۔ پس اگر وہ عادل ہے تو اس کی گواہی جائز رہے گی۔ اور ماتن کے قول اوہمٹ کے معنی یہ ہیں کہ جو مجھے حق طور پر ذکر کرنا تھا وہ بھول کر میں چوک گیا۔ یا جو غلط تھا اس کو زیادہ کر گیا۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مجلس قضاء کی ہیبت سے گواہ کبھی ایسی بات میں مبتلا ہو جاتا ہے لہذا عذر واضح ہے۔ پس جب اپنے وقت میں اس کا تدارک کر لیا اور وہ عادل ہے تو گواہی قبول ہو جائے گی۔ برخلاف اس کے اگر وہ مجلس سے کھڑا ہو گیا پھر واپس آ کر کہا کہ میں وہم میں پڑ گیا کیونکہ اس میں مدعی کی طرف سے بطور تلیس یا خیانت کے زیادتی کا وہم ہے لہذا احتیاط واجب ہے۔ اور اس لئے کہ مجلس اگر متحد ہو تو ملحق اصل شہادت کے ساتھ مل جاتی ہے تو یہ کلام واحد کے مانند ہو گیا۔ اور جب مجلس مختلف ہو تو ایسا نہیں ہے۔ اور اسی پر جب بعض حدود یا نسب میں غلطی واقع ہو۔ اور یہ اس وقت ہے جب شبہ کا موقع ہو لیکن اگر مقام شبہ نہ ہو تو کلام کا اعادہ کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ مثلاً گواہ لفظ شہادت چھوڑ دے یا اس کے قائم مقام ہو اگرچہ مجلس سے کھڑا ہو گیا ہو بعد اس کے کہ وہ عادل ہو اور امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ غیر مجلس میں بھی اس کا قول

قبول ہوگا بشرطیکہ وہ عادل ہو اور ظاہر وہ ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے گواہی دی اور ابھی تک مجلس قاضی سے جدا نہیں ہوا بلکہ اسی جگہ کھڑے کھڑے کہا کہ گواہی میں مجھ سے کچھ چوک ہوگئی ہے تو قاضی کے نزدیک اگر اس کا عادل ہونا ظاہر ہو تو اس کی گواہی جائز رہے گی۔ چوک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ جس چیز کو بیان کرنا ضروری تھا بھول کر اس کو بیان نہ کر سکا۔ یا جس چیز کا بیان کرنا غلط تھا وہ زیادہ کر دیا۔

جواز شہادت کی دلیل..... یہ ہے کہ مجلس قاضی کی ہیبت سے گواہ کبھی اس طرح کی بھول چوک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پس گواہ کا عذر واضح ہے اور جب گواہ کا عذر واضح ہے تو اس کی شہادت قبول ہوگی بشرطیکہ گواہ عادل ہو اور اس غلطی کا تدارک اس کے وقت میں کر لے اور تدارک کا وقت قاضی کی مجلس سے جدا ہونے سے پہلے ہے۔ اور اگر گواہ قاضی کی مجلس سے اٹھ کر چلا گیا اور پھر واپس آ کر کہا کہ مجھ سے گواہی دینے میں کچھ چوک ہوگئی ہے تو اس کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں یہ وہم ہے کہ مدعی نے گواہ کو لالچ دے کر کچھ اضافہ کر لیا ہو۔ مثلاً ابتداءً کہا کہ مدعی کے مدعی علیہ پر پانچ سو روپیہ ہیں۔ پھر مجلس قاضی سے جدا ہونے کے بعد واپس آ کر کہا کہ مجھ سے گواہی میں غلطی ہوگئی مدعی کے مدعی علیہ پر پانچ سو روپیہ بلکہ ایک ہزار روپیہ ہیں اور یہ بھی وہم ہے کہ مدعی علیہ نے گواہ کو لالچ دے کر کچھ کمی کر لی ہو۔ مثلاً گواہ نے ابتداءً کہا کہ مدعی کے مدعی علیہ پر ایک ہزار روپیہ ہیں۔ پھر قاضی کی مجلس سے جدا ہونے کے بعد واپس آ کر کہا کہ ایک ہزار نہیں بلکہ پانچ سو روپیہ ہیں۔ بہر حال مجلس قاضی سے جدا ہونے کی صورت میں چونکہ مدعی یا مدعی علیہ کی طرف سے خیانت اور فریب کا وہم ہے۔ اس لئے اس گواہی کو قبول نہ کر کے احتیاط کرنا واجب ہے اور مجلس قاضی سے جدا نہ ہونے کی صورت میں چونکہ یہ وہم نہیں ہے اس لئے اس صورت میں گواہی قبول کر لی جائے گی۔

دوسری دلیل..... یہ ہے کہ مجلس سے جدا نہ ہونے کی صورت میں چونکہ گواہ کی مجلس متحد ہے۔ اور اتحاد مجلس متفرقات کو جمع کرتا ہے، یعنی ایک مجلس میں اگر متفرق کلام ہوں تو وہ ایک ہی کلام شمار ہوتا ہے۔ اس لئے گواہ کا کلام ملحق (جس زیادتی یا کمی کو لاحق کیا گیا ہے) اصل شہادت کے ساتھ مل کر کلام واحد ہو جائے گا۔ اور گواہ کی شہادت ثانیہ یعنی گواہی میں ترمیم قبول کر لی جائے گی لیکن جب گواہ قاضی کی مجلس سے جدا ہو گیا تو اس کے دونوں کلاموں کے درمیان اختلاف مجلس کی وجہ سے انقطاع ہو گیا ہے اور جب دونوں کلاموں کے درمیان انقطاع ہو گیا تو ملحق (جس کو لاحق کیا گیا ہے) اصل شہادت کے ساتھ لاحق نہ ہوگا اور اس کی شہادت قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ اس نے اپنا ابتدائی کلام تو خود ہی رد کر دیا ہے۔ لہذا اس کو قبول کرنے کا کیا سوال پیدا ہوگا اور ثانی کلام خیانت کی تہمت کی وجہ سے قبول نہ ہوگا۔ اتحاد مجلس اور اختلاف مجلس کی وجہ سے احکام میں جو فرق ہے یہی فرق اس وقت ہوگا جب کسی حد یا نسب بیان کرنے میں غلطی واقع ہو جائے۔ مثلاً گواہوں نے زنا کی گواہی دیتے ہوئے کہا کہ فعل زنا فلاں مکان کی شرعی جانب میں واقع ہوا ہے۔ پھر اگر مجلس قاضی میں کھڑے کھڑے کہا کہ نہیں بلکہ غربی جانب میں واقع ہوا ہے تو یہ شہادت اور ترمیم قبول کر لی جائے گی۔ اور اگر مجلس سے جدا ہونے کے بعد دوبارہ واپس آ کر کہا تو اس کی یہ شہادت قبول نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی کا نسب بیان کرتے ہوئے کہا خالد بن شاہد بن حامد پھر مجلس کے اندر اندر کہا نہیں بلکہ خالد بن عارف بن حامد تو اس کی شہادت اور ترمیم قبول کر لی جائے گی۔ اور اگر مجلس سے جدا ہونے کے بعد واپس آ کر کہا تو قبول نہ کی جائے گی۔

وہذا اذا كان سے صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ اتحاد مجلس کی صورت میں گواہ کی طرف سے پیش کردہ ترمیم کا قبول کیا جانا اور اختلاف مجلس کی صورت میں قبول نہ کیا جانا اس وقت ہے جب کہ فریب اور خیانت کے شبہ کا مقام ہو۔ اور اگر شبہ کا مقام نہ ہو تو اعادہ کلام اور ترمیم جائز ہے خواہ مجلس متحد ہو خواہ مختلف ہو بشرطیکہ گواہ عادل ہو مثلاً ابتداءً گواہ غلطی سے کہنا بھول گیا حالانکہ اس لفظ کا تلفظ شہادت کے لئے شرط ہے یمدش یمدش علیہ کا نام بھول کر چھوڑ دیا یا ان میں سے کسی کی طرف اشارہ کرنا بھول گیا پھر بعد میں خیال آیا اور کلام کا اعادہ کر لیا تو یہ جائز ہے خواہ مجلس کے اندر اندر اعادہ کیا ہو خواہ مجلس بدل جانے کے بعد اعادہ کیا ہو لیکن گواہ کا عادل ہونا شرط ہے۔ اور اگر گواہ کا عادل ہونا ظاہر نہ ہو تو قاضی لوگوں سے دریافت

کرے گا، اگر انہوں نے کہا کہ یہ گواہ عادل ہے تو بھی اس کی شہادت اور ترمیم قبول کر لی جائے گی اور اگر کہا کہ غیر عادل ہے تو اس کی شہادت قبول نہ ہوگی۔ اب تک کی تمام تفصیل ظاہر الروایہ کے مطابق ہیں لیکن امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ گواہ اگر عادل ہو تو اس کا قول اور ترمیم جس طرح اتحاد مجلس کی صورت میں قبول ہوگا اسی طرح اختلاف مجلس کی صورت میں بھی قبول ہوگا مقام خواہ شبہ کا ہو یا شبہ کا نہ ہو۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ظاہر الروایہ وہی ہے جو تفصیل ہم ذکر کر چکے ہیں۔

جلیل احمد عفی عنہ

بَابُ الْاِخْتِلَافِ فِي الشَّهَادَةِ

ترجمہ..... یہ باب گواہی میں اختلاف کرنے کے بیان میں ہے

تشریح..... شہادت میں گواہوں کے اتفاق کرنے کے احکام کے بعد اختلاف شہادت کے احکام کو بیان کیا جا رہا ہے اور طبیعت کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ اختلاف شہادت کو اتفاق شہادت سے موخر کیا جائے۔ کیونکہ اتفاق اصل ہے اور اختلاف جہل اور کذب وغیرہ عارض کی وجہ سے ہوتا ہے پس جب اختلاف شہادت طبعاً موخر ہے تو اس کو وضعاً بھی موخر کر دیا گیا تاکہ وضع اور طبع کے درمیان تناسب باقی رہے۔

گواہی دعویٰ کے موافق ہو تو قابل قبول ہے ورنہ مردود

قَالَ الشَّهَادَةُ إِذَا وَافَقَتِ الدَّعْوَى قُبِلَتْ وَإِنْ خَالَفَتْهَا لَمْ تُقْبَلْ لِأَنَّ تَقَدُّمَ الدَّعْوَى فِي حُقُوقِ الْعِبَادِ شَرْطُ قُبُولِ الشَّهَادَةِ وَقَدْ وَجَدْتُ فِيْمَا يُوَافِقُهَا وَانْعَدَمَتْ فِيْمَا يُخَالِفُهَا

ترجمہ..... گواہی اگر دعویٰ کے موافق ہو تو قبول ہوگی اور اگر دعویٰ کے مخالف ہو تو قبول نہ ہوگی کیونکہ بندوں کے حقوق میں دعویٰ کا مقدم ہونا قبولیت شہادت کے لئے شرط ہے اور یہ ایسی گواہی میں پایا گیا جو دعویٰ کے موافق ہے اور ایسی گواہی میں جو دعویٰ کے مخالف ہو یہ بات معدوم ہے۔

تشریح..... دعویٰ کہتے ہیں ایسے شخص کی مجلس میں اپنے حق کا مطالبہ کرنا جس کو حق ثابت ہونے کے بعد چھکارا دینے کا اختیار حاصل ہو۔

صاحب قدوری نے کہا کہ شہادت اگر دعویٰ کے موافق ہو تو قبول ہوگی اور اگر مخالف ہو تو قبول نہ ہوگی۔ موافق ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دعویٰ اور شہادت نوع، کم، کیف، زمان، مکان، فعل، انفعال، وضع، ملک، نسبت کے اعتبار سے متحد ہوں۔ چنانچہ اگر ایک شخص نے دوسرے پر دس دینار کا دعویٰ کیا اور شاہد نے دس درہم کی شہادت دی تو نوع میں اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے شہادت دعویٰ کے موافق نہ ہوگی اور اگر ایک شخص نے دوسرے پر دس درہم کا دعویٰ کیا اور گواہ نے تیس درہم کی گواہی دی تو کیمت کے اعتبار سے اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے شہادت دعویٰ کے موافق نہ ہوگی۔ اور اگر ایک شخص نے دوسرے پر سرخ کپڑا چرانے کا دعویٰ کیا اور گواہ نے سفید کپڑے کی گواہی دی تو کیف میں اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے شہادت دعویٰ کے موافق نہ ہوگی۔ اور اگر کسی نے دعویٰ کیا کہ فلاں نے میرے باپ کو یوم نحر میں دیوبند میں قتل کیا ہے اور گواہ نے گواہی دی کہ یوم فطر میں سہارنپور میں قتل کیا ہے تو زمان اور مکان میں اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے شہادت دعویٰ کے موافق نہ ہوگی۔ اور اگر کسی نے دعویٰ کیا کہ فلاں نے میرا مشکیزہ پھاڑ کر اس کے اندر کی چیز کو ضائع کر دیا ہے اور گواہ نے گواہی دی کہ یہ مشکیزہ خود مدعی کے پاس پھٹا ہے تو فعل و انفعال میں اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے شہادت دعویٰ کے موافق نہ ہوگی اور اگر کسی نے دعویٰ کیا کہ فلاں نے غریبی جانب کی زمین کا اور گواہ نے غریبی جانب کی زمین کی گواہی دی تو وضع میں اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے شہادت دعویٰ کے موافق نہ ہوگی۔ اور اگر کسی نے دعویٰ کیا کہ فلاں چیز میری ملک ہے اور گواہ نے گواہی دی کہ اس کے لڑکے کی ملک ہے تو ملک میں اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے شہادت دعویٰ کے موافق نہ ہوگی۔ اور اگر کسی نے دعویٰ کیا کہ فلاں شخص میرا غلام ہے اس کو میری فلاں باندی نے جنا ہے۔ گواہ نے گواہی دی کہ اس کے علاوہ دوسری باندی نے جنا ہے تو نسبت میں اتحاد نہ ہونے کی وجہ سے شہادت دعویٰ کے موافق نہ ہوگی۔ بہر حال

مذکورہ چیزوں میں اگر اتحاد پایا گیا تو شہادت دعویٰ کے موافق ہوگی ورنہ مخالف ہوگی۔ اور اس کی وجہ کہ موافقت کی صورت میں شہادت قبول ہوگی۔ اور مخالفت کی صورت میں قبول نہ ہوگی یہ ہے کہ حقوق العباد میں قبولیت شہادت کے لئے دعویٰ کا مقدم ہونا شرط ہے اور موافقت کی صورت میں یہ شرط موجود ہے لہذا شہادت قبول ہوگی اور مخالفت کی صورت میں یہ شرط معدوم ہے لہذا شہادت قبول نہ ہوگی۔ رہی یہ بات کہ قبولیت شہادت کے لئے دعویٰ کا مقدم ہونا شرط کیوں ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ قاضی فصل خصوصیات کے لئے مقرر ہوتا ہے۔ پس فصل خصوصیات کے لئے خصوصیت کا پہلے ہونا ضروری ہے اور خصوصیت سے دعویٰ ہی مراد ہے لہذا دعویٰ کا پہلے ہونا ضروری ہوگا۔ اور موافقت کی صورت میں یہ شرط اس لئے موجود ہے کہ شہادت کہتے ہیں دعویٰ کی تصدیق کرنے کو۔ لہذا جب گواہ شہادت دے گا تو گویا وہ دعویٰ کی تصدیق کرے گا اور تصدیق کے لئے ضروری ہے کہ جس چیز کی تصدیق کی جائے گی وہ پہلے سے موجود ہو۔ پس موافقت کی صورت میں دعویٰ کا مقدم ہونا پایا گیا اور جب تقدم دعویٰ جو قبولیت شہادت کی شرط ہے پایا گیا تو شہادت بھی قبول ہوگی۔ اور مخالفت کی صورت میں شاہد کا صدق معتبر ہوتا ہے نہ کہ مدعی کا۔ لہذا شاہد جب دعویٰ کی مخالفت کرے گا تو گویا اس نے دعویٰ کی تکذیب اور تردید کی اور جب دعویٰ کی تکذیب اور تردید ہوگی تو دعویٰ کا ہونا نہ ہونا برابر ہو گیا۔ اور جب دعویٰ کا ہونا نہ ہونا برابر ہو گیا تو تقدم دعویٰ جو قبولیت شہادت کی شرط ہے نہیں پایا گیا اور جب قبولیت کی شرط نہیں پائی گئی تو شہادت قبول نہ ہوگی۔

گواہوں کا گواہی میں لفظاً اور معناً اتفاق معتبر ہے

قَالَ وَيُعْتَبَرُ اتِّفَاقُ الشَّاهِدَيْنِ فِي اللَّفْظِ وَالْمَعْنَى عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ فَإِنْ شَهِدَا أَحَدُهُمَا بِالْأَلْفِ وَالْآخَرُ بِالْفَيْنِ لَمْ تُقْبَلِ الشَّهَادَةُ عِنْدَهُ وَعِنْدَهُمَا تَقْبُلُ عَلَى الْأَلْفِ إِذَا كَانَ الْمُدْعَى يَدْعِي الْأَلْفَيْنِ وَعَلَى هَذَا الْمِائَةُ وَالْمِائَتَانِ وَالْطَّلَقَةُ وَالطَّلَقَانِ وَالطَّلَقَةُ وَالثَّلَاثُ لَهُمَا اتِّفَاقٌ عَلَى الْأَلْفِ أَوْ الطَّلَقَةِ وَتَفَرَّدَ أَحَدُهُمَا بِالزِّيَادَةِ فَيُثْبِتُ مَا احْتَمَمَا عَلَيْهِ دُونَ مَا تَفَرَّدَ بِهِ أَحَدُهُمَا فَصَارَ كَالْأَلْفِ وَالْأَلْفِ وَالْخُمْسُ مِائَةٌ وَلَا بِي حَنِيفَةَ أَنَّهُمَا اخْتَلَفَا لَفْظًا وَذَلِكَ بِدَلٍّ عَلَى اخْتِلَافِ الْمَعْنَى لِأَنَّهُ يُسْتَفَادُ بِاللَّفْظِ وَهَذَا لِأَنَّ الْأَلْفَ لَا يُعْبَرُ بِهِ عَنِ الْأَلْفَيْنِ بَلْ هُمَا جُمْلَتَانِ مُتَبَايِنَتَانِ فَحَصَلَ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا شَاهِدٌ وَاحِدٌ فَصَارَ كَمَا إِذَا اخْتَلَفَ جِنْسُ الْمَالِ

ترجمہ..... اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں گواہوں کا لفظ اور معنی میں متفق ہونا معتبر ہے، پس اگر ان میں سے ایک گواہ نے ایک ہزار کی گواہی دی اور دوسرے نے دو ہزار کی گواہی دی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گواہی قبول نہ ہوگی اور صاحبینؒ کے نزدیک ہزار پر گواہی قبول ہوگی بشرطیکہ مدعی دو ہزار کا دعویٰ کرتا ہو اور اسی پر ایک سو، اور دوسو، ایک طلاق اور دو طلاق، ایک طلاق اور تین طلاق کا اختلاف ہے۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ دونوں گواہوں نے ایک ہزار یا ایک طلاق پر اتفاق کیا اور ایک گواہ زیادتی کے ساتھ متفرد ہے پس جس پر دونوں متفق ہیں وہ ثابت ہو جائیگا اور جن کے ساتھ ان میں سے ایک متفرد ہے وہ ثابت نہ ہوگا پس یہ ایک ہزار اور ڈیڑھ ہزار کے مانند ہو گیا۔ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ دونوں گواہوں نے لفظاً اختلاف کیا ہے اور یہ معنی کے اختلاف پر دلالت کرتا ہے کیوں کہ معنی لفظ سے مستفاد ہوتا ہے اس لئے کہ لفظ الف (ایک ہزار) سے الفین (دو ہزار) کی تعبیر نہیں ہوتی ہے بلکہ دونوں جملہ جدا جدا ہیں۔ پس ان میں سے ہر ایک پر ایک گواہ حاصل ہوا لہذا ایسا ہو گیا جیسے جنس مال میں اختلاف کیا ہو۔

تشریح..... صاحب قدوری نے فرمایا کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک گواہوں کا لفظ اور معنی دونوں کے اعتبار سے متفق ہونا ضروری ہے لیکن اگر ترادف کی وجہ سے لفظی اختلاف ہو گیا تو یہ مانع شہادت نہ ہوگا مثلاً ایک گواہ نے ہبہ کی گواہی دی اور دوسرے نے عطیہ کی گواہی دی تو یہ گواہی قبول ہوگی اگرچہ لفظی اختلاف ہے مگر یہ اختلاف ترادف کی وجہ سے ہے۔ اس لئے کہ ہبہ اور عطیہ دونوں مترادف ہیں۔ بہر حال امام صاحبؒ کے نزدیک دونوں گواہوں کا لفظ میں بھی متفق ہونا ضروری ہے اور معنی میں متفق ہونا بھی ضروری ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک صرف معنی میں متفق ہونا ضروری

ہے لفظوں میں متفق ہونا ضروری نہیں ہے چنانچہ مدعی نے اگر کسی پردہ ہزار روپیہ کا دعویٰ کیا اور پھر اس پر پینہ پیش کیا مگر ایک گواہ نے ایک ہزار روپیہ کی گواہی دی اور دوسرے نے دو ہزار روپیہ کی گواہی دی تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ گواہی قبول نہ ہوگی اور صاحبینؒ کے نزدیک کمتر پر قبول کر لی جائے گی یہی اختلاف اس وقت ہے جب کہ مدعی دوسروں پر پینہ کا دعویٰ کرے اور اس کا ایک گواہ ایک سو کی گواہی دے اور دوسرا دوسو کی گواہی دے یا بیوی نے دعویٰ کیا کہ میرے شوہر نے مجھ کو دو طلاقیں دی ہیں مگر گواہوں میں سے ایک نے ایک طلاق کی گواہی دی اور دوسرے نے دو طلاق کی گواہی دی یا عورت نے تین طلاق کا دعویٰ کیا مگر ایک گواہ نے ایک طلاق کی گواہی دی اور دوسرے نے تین طلاقیں کی گواہی تو امام صاحبؒ کے نزدیک یہ گواہی باطل ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک کمتر پر قبول کر لی جائے گی۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ دونوں گواہوں نے کمتر پر تو اتفاق کر لیا ہے یعنی تین کے مسئلہ میں ایک ہزار پر اور شرح کے مسئلہ میں ایک سو پر اور ایک طلاق پر تو دونوں گواہ متفق ہیں! البتہ ایک گواہ نے کچھ زیادتی کی ہے یعنی تین کے مسئلہ میں ایک ہزار کی زیادتی کی ہے اور شرح کے مسئلہ میں ایک سو کی اور ایک طلاق یا دو طلاق کی زیادتی کی ہے پس جب مقدار پر دونوں گواہ متفق ہیں یعنی ایک ہزار یا ایک سو یا ایک طلاق وہ مقدار ثابت ہو جائے گی اور جس مقدار پر فقط ایک نے گواہی دی ہے یعنی مزید ایک ہزار یا مزید ایک سو یا مزید ایک طلاق یا دو طلاقیں، وہ مقدار گواہ کے لئے رہ جانے کی وجہ سے ثابت نہ ہوگی۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے دوسرے پر ڈیڑھ ہزار روپیہ کا دعویٰ کیا مگر ایک گواہ نے ایک ہزار کی گواہی دی اور ایک نے ڈیڑھ ہزار کی گواہی دی تو شاہدین کے ایک ہزار پر لفظاً اور معناً اتفاق کر لینے کی وجہ سے ایک ہزار پر گواہی بالاتفاق قبول کر لی جاتی ہے لہذا اسی طرح مذکورہ مسئلہ میں بھی کم تر مقدار پر گواہی قبول کر لی جائے گی۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جب ایک گواہ نے ایک ہزار کی گواہی دی اور دوسرے نے دو ہزار کی گواہی دی تو دونوں نے لفظاً اختلاف کیا ہے۔ اور اختلاف لفظ دالالت کرتا ہے اختلاف معنی پر کیوں کہ معنی لفظ ہی سے مستفاد ہوتا ہے۔ پس جب لفظوں میں اختلاف ہو گیا تو معنی میں بھی اختلاف ہوگا اور اختلاف لفظ اختلاف معنی پر اس وجہ سے بھی دالالت کرتا ہے کہ مثلاً لفظ الف (ایک ہزار) سے دو ہزار کی مقدار کو تعبیر نہیں کیا جاتا ہے اور لفظ الفین (دو ہزار) سے ایک ہزار کی مقدار کو تعبیر نہیں کیا جاتا ہے۔ پس دونوں گواہوں میں سے ہر ایک کا کلام دوسرے کے کلام کے مغائر ہوگا۔ کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک کے کلام کا مدلول دوسرے کے کلام کے مدلول کا مغائر اور مبائن ہے۔ اور جب یہ بات ہے تو ہر کلام پر ایک گواہ یا یعنی ایک ہزار پر ایک گواہ رہا اور دو ہزار پر ایک گواہ رہا۔ اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ شہادت دو گواہوں کی گواہی کا نام ہے۔ لہذا کسی ایک کے کلام پر بھی شہادت تامہ نہیں پائی گئی۔ اور جب شہادت تامہ نہیں پائی گئی تو اس کو قبول بھی نہیں کیا جائے گا۔ اور یہ ایسا ہو گیا جیسے گواہوں نے جنس مال میں اختلاف کیا ہو۔ مثلاً ایک گواہ نے ہزار درہم کی اور دوسرے نے ایک سو دینار کی گواہی دی ہو تو یہ گواہی قبول نہیں کی جاتی۔ پس اسی طرح ایک ہزار اور دو ہزار کے اختلاف کی صورت میں بھی گواہی قبول نہ ہوگی۔

ایک نے ہزار کی دوسرے نے ڈیڑھ ہزار کی گواہی دی اور مدعی بھی ڈیڑھ

کا دعویٰ کرتا ہے تو ہزار میں شاہدین کی گواہی قبول کی جائے گی

قَالَ وَإِنْ شَهِدَا أَحَدُهُمَا بِالْفِ وَالْأُخْرَ بِالْفِ وَخَمْسَ مِائَةٍ وَالْمُدَّعَى يَدَّعِي الْفَا وَخَمْسَ مِائَةٍ قُبِلَتِ الشَّهَادَةُ عَلَى الْآلِفِ لِاتِّفَاقِ الشَّاهِدَيْنِ عَلَيْهَا لَفْظًا وَمَعْنَى لِأَنَّ الْآلِفَ وَالْخَمْسَ مِائَةَ جُمْلَتَانِ عَطَفَ أَحَدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَى وَالْعَطْفُ يَقْرِرُ الْأَوَّلَ وَنَظِيرُهُ الطَّلَاقُ وَالطَّلَاقُ وَالنِّصْفُ وَالْمِائَةُ وَالْمِائَةُ وَالْخَمْسُونَ بِخِلَافِ الْعَشْرَةِ وَالْخَمْسَةِ عَشَرَ لِأَنَّهُ لَيْسَ بَيْنَهُمَا حَرْفُ الْعَطْفِ فَهُوَ نَظِيرُ الْآلِفِ وَالْآلِفَيْنِ

ترجمہ..... اور اگر دو گواہوں میں سے ایک گواہ نے ایک ہزار کی اور دوسرے گواہ نے ڈیڑھ ہزار کی گواہی دی اور مدعی بھی ڈیڑھ ہزار کا دعویٰ کرتا ہے تو ایک ہزار پر گواہی قبول ہوگی۔ کیونکہ دونوں گواہوں نے ایک ہزار پر لفظاً اور معناً اتفاق کر لیا ہے اس لئے کہ ایک ہزار اور پانچ سو دو جملہ ہیں ان دونوں میں سے ایک کا دوسرے پر عطف کیا گیا ہے اور عطف اول کو ثابت کرتا ہے۔ اور اس کی نظیر ایک طلاق اور ڈیڑھ طلاق ہے اور ایک سو اور ڈیڑھ سو ہے۔ برخلاف دس اور پندرہ کے اس لئے کہ ان کے درمیان حرف عطف نہیں ہے۔ پس یہ ایک ہزار اور دو ہزار کی نظیر ہے۔

تشریح..... گزشتہ مسئلہ میں گزر چکا ہے کہ حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک شاہدین کا لفظ اور معنی میں متفق ہونا قبولیت شہادت کی شرط ہے۔ اسی پر متفرع کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر دونوں گواہوں میں سے ایک نے ایک ہزار درہم کی گواہی دی اور دوسرے نے ایک ہزار پانچ سو درہم کی گواہی دی اور مدعی بھی ڈیڑھ ہزار کا دعویٰ کرتا ہے تو ایک ہزار درہم پر گواہی قبول ہو جائیگی۔ اور وجہ یہ ہے کہ دونوں گواہ ایک ہزار پر لفظاً بھی متفق ہیں اور معنی بھی متفق ہیں۔ معنی متفق ہونا تو ظاہر ہے۔ کیونکہ ڈیڑھ ہزار کے ضمن میں ایک ہزار بھی موجود ہے۔ اور لفظاً اتفاق اس لئے ہے کہ الالف والخمس مائة (ایک ہزار اور پانچ سو) دو جملہ ہیں۔ دوسرے جملہ کا پہلے جملہ پر عطف کیا گیا ہے یعنی خمس مائة کا الالف پر عطف کیا گیا ہے۔ اور عطف اول یعنی معطوف علیہ کو ثابت کرتا ہے۔ لہذا جس گواہ نے ایک ہزار اور پانچ سو کی گواہی دی اس نے بھی اولاً ایک ہزار کی گواہی دی ہے۔ پس ایک ہزار پر دونوں گواہوں کا اتفاق پایا گیا۔ اور جب ایک ہزار پر دونوں گواہ لفظاً اور معناً دونوں طرف متفق ہو گئے تو قبولیت شہادت کی شرط پائی جانے کی وجہ سے ایک ہزار پر گواہی قبول کر لی جائے گی۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ اگر ایک گواہ نے کسی کی طرف سے ایک طلاق کی گواہی دی اور ایک نے ایک طلاق اور نصف طلاق کی گواہی دی اور مدعی ایک اور نصف طلاق کا دعویٰ کرتا ہے تو ایک طلاق ثابت ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر ایک گواہ نے ایک سو درہم کی گواہی دی اور ایک نے ایک سو پچاس درہم کی گواہی دی اور مدعی بھی ایک سو پچاس کا دعویٰ کرتا ہے تو ایک سو درہم کی گواہی ثابت ہو جائے گی۔ لیکن اگر ایک گواہ نے دس درہم کی گواہی دی اور ایک نے پندرہ درہم کی گواہی دی تو چونکہ خمسة عشر میں خمسة اور عشر کے درمیان حرف عطف نہیں ہے اس لئے خمسة عشر ایک حکم ہوگا اور خمسة عشر، اور صرف عشر کے درمیان بتائیں ہوگا پس گواہ ایک گواہ نے جس پر گواہی دی ہے دوسرے نے اس کے خلاف پر گواہی دی ہے۔ اور جب ایسا ہے دونوں گواہوں کا متفق ہونا نہیں پایا گیا۔ اور جب گواہوں کا اتفاق نہ ہو سکا تو گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔ پس یہ ایک ہزار اور دو ہزار کی نظیر ہے۔

فوائد..... ایک ہزار اور ایک ہزار پانچ سو کی صورت میں ایک ہزار پر ایک ایک سو اور ایک سو پچاس کی صورت میں ایک سو پر گواہی اس وقت قبول ہوگی جبکہ یہ عبارت عربی میں ہو یا اردو میں حرف و اور درمیان میں لائے۔ مثلاً یوں کہے ایک ہزار اور پانچ سو، ایک سو اور پچاس۔ اور اگر اردو کے محاورہ کے مطابق گواہ ایک ہزار پانچ سو یا پندرہ سو کہے یا ڈیڑھ ہزار کہے تو گواہی قبول نہ ہونی چاہئے جیسے ایک سو پچاس یا ڈیڑھ سو کہنے میں یہی حکم ہے کیونکہ قبولیت شہادت کا مدار حرف عطف پر تھا اور وہ اس صورت میں پایا نہیں گیا۔ جمیل

مدعی نے مدعی علیہ پر ایک ہی ہزار کا دعویٰ کیا لہذا ڈیڑھ ہزار والے کی گواہی باطل ہے

وَأَنَّ قَالِ الْمُدَّعَى لَمْ يَكُنْ لِي عَلَيْهِ إِلَّا الْآلَفُ فَشَهَادَةُ الَّذِي شَهِدَ بِالْآلِفِ وَالْخَمْسِ مِائَةِ بَاطِلَةٌ لِأَنَّهُ كَذِبُهُ الْمُدَّعَى فِي الْمَشْهُودِ بِهِ وَكَذَا إِذَا سَكَتَ إِلَّا عَنْ دَعْوَى الْآلِفِ لِأَنَّ التَّكْذِيبَ ظَاهِرٌ فَلَا بُدَّ مِنَ التَّوْفِيقِ وَلَوْ قَالِ كَانَ أَصْلُ حَقِّي أَلْفًا وَخَمْسُ مِائَةٍ وَلَكِنِّي اسْتَوْفَيْتُ خَمْسَ مِائَةٍ أَوْ أَبْرَأْتَهُ مَعَهَا قَبِلْتُ لِتَوْفِيقِهِ

ترجمہ..... اور اگر مدعی نے کہا کہ مدعی علیہ پر میرا ایک ہزار کے سوا کچھ نہ تھا تو اس شخص کی گواہی جس نے ایک ہزار اور پانچ سو کی گواہی دی ہے، باطل ہے۔ کیونکہ مدعی نے مشہود بہ میں خود اس کی تکذیب کی ہے اور اسی طرح جبکہ ایک ہزار کے دعویٰ کے علاوہ سے سکوت کیا ہو اس لئے کہ تکذیب ظاہر

ہے۔ لہذا توفیق ضروری ہے اور اگر مدعی نے کہا کہ میرا اصلی حق ایک ہزار اور پانچ سو تھا۔ لیکن میں نے پانچ سو وصول کر لئے یا مدعی کو پانچ سو سے بری کر دیا تو اس کے توفیق دینے کی وجہ سے گواہی قبول ہو جائے گی۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر دو گواہوں میں سے ایک گواہ نے ایک ہزار کی گواہی دی اور ایک نے ڈیڑھ ہزار کی گواہی دی اور مدعی نے دعویٰ کیا کہ میرا ایک ہزار کے علاوہ مدعی علیہ پر کچھ نہیں تھا۔ تو جس گواہ نے ڈیڑھ ہزار کی گواہی دی ہے اس کی گواہی باطل ہو جائیگی اور اس کی گواہی باطل ہونے کے بعد چونکہ دعویٰ پر ایک گواہ باقی رہ گیا ہے اور ایک گواہ کی گواہی سے کچھ ثابت نہیں ہوتا ہے اس لئے فقط ایک آدمی کی گواہی سے ایک ہزار بھی ثابت نہ ہوگا زیادتی یعنی ڈیڑھ ہزار پر گواہی دینے والے کی گواہی اس لئے باطل ہے کہ جس مقدار کی اس نے گواہی دی ہے مدعی نے خود اس کی تکذیب کی ہے پس مدعی کے تکذیب کرنے کے بعد اس کی گواہی کے قبول ہونے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہے کہ مدعی نے فقط پانچ سو میں اس کی تکذیب کی ہے اور ایک ہزار میں اس کی تکذیب نہیں کی ہے۔ لہذا ایک ہزار میں اس کی شہادت کو معتبر مان کر قاضی کو ایک ہزار کا فیصلہ کر دینا چاہئے جیسا کہ اگر کسی نے کسی کے لئے ڈیڑھ ہزار روپیہ کا اقرار کیا ہو مگر مقررہ، نے پانچ سو میں اس کی تکذیب کی اور ایک ہزار میں تصدیق کی۔ تو قاضی ایک ہزار روپیہ کا فیصلہ کر دے گا اس کا جواب یہ ہے کہ مدعی نے گواہ کی تکذیب کی تو گویا اس کو فاسق قرار دیا اور فاسق کی شہادت معتبر نہیں ہوتی ہے اس لئے اس گواہ کی شہادت معتبر نہ ہوگی اور دوسرا گواہ چونکہ اکیلا ہے اس لئے اسکی گواہی پر فیصلہ نہ ہوگا اور رہا اقرار تو مقررہ اقرار کرنے والے کا عادل ہونا شرط نہیں ہے لہذا مقررہ کے مقرر کو فاسق قرار دینے کے باوجود اس کا اقرار معتبر ہوگا اور قاضی اس کے اقرار پر فیصلہ کر دے گا اسی طرح اگر مدعی نے ایک ہزار کا دعویٰ کیا اور باقی کے بارے میں سکوت کیا نہ تصدیق کی اور نہ تکذیب کی تو بھی قاضی مدعی کے لئے ایک ہزار کا فیصلہ نہ دے گا کیوں کہ مدعی نے جب ایک ہزار کا دعویٰ کیا تو گویا پانچ سو کے بارے میں ڈیڑھ ہزار پر گواہی دینے والے گواہ کی تکذیب کی حاصل یہ ہے کہ اس صورت میں بھی مدعی کی طرف سے تکذیب ظاہری طور پر ثابت ہے اور جب مدعی کی طرف سے تکذیب ثابت ہے تو مدعی کے دعویٰ اور ڈیڑھ ہزار پر گواہی دینے والے کی گواہی میں توفیق دیئے بغیر شہادت بھی قبول نہ ہوگی اور جب ایک گواہ کی شہادت قبول نہیں ہوتی تو دوسرے گواہ کے تباہ ہونے کی وجہ سے اس کی گواہی پر بھی کوئی فیصلہ نہ دیا جائے گا۔ ہاں اگر مدعی نے کہا کہ میرا اصلی حق تو ڈیڑھ ہزار ہی تھا مگر میں نے پانچ سو روپیہ وصول کر چکا یا میں نے مدعی علیہ کو پانچ سو روپیہ سے بری کر دیا تو مدعی کے اپنے دعویٰ اور گواہ کی گواہی کے درمیان توفیق دینے کی وجہ سے اس کی گواہی قبول ہو جائے گی۔ یعنی مدعی کے دعویٰ اور گواہ کی گواہی کے درمیان اس طرح موافقت ہوگئی کہ گواہ نے اصلی معاملہ یعنی ڈیڑھ ہزار کی گواہی دی۔ اور مدعی نے درمیانی واقعہ بیان کیا کہ میں نے اس میں سے پانچ سو روپیہ وصول پائے یا معاف کر دیئے۔ جس کی گواہ کو خبر نہ تھی لہذا میں نے ایک ہزار کا دعویٰ کیا پس اس طرح چونکہ دعویٰ اور گواہی میں موافقت ہوگئی اس لئے ڈیڑھ ہزار پر جو گواہی دی گئی ہے وہ بھی قبول کر لی جائیگی اور قاضی ایک ہزار پر اپنا فیصلہ دیدے گا۔

گواہوں نے مدعی کے حق میں ایک ہزار کی گواہی دی ایک گواہ نے کہا کہ مدعی علیہ نے پانچ

سوا دکر دیئے ہیں تو دونوں کی گواہی ہزار میں قابل قبول ہے پانچ سو کی گواہی مردود ہوگی

قَالَ وَإِذَا شَهِدَا بِالْأَلْفِ وَقَالَ أَحَدُهُمَا قَضَاهُ خَمْسِمِائَةَ قُبِلَتْ شَهَادَتُهُمَا بِالْأَلْفِ لِتَفَاقُهِمَا عَلَيْهِ وَلَمْ يُسْمَعْ قَوْلُهُ أَنَّهُ قَضَاهُ خَمْسَ مِائَةٍ لِأَنَّهُ شَهَادَةٌ قَرْدٍ إِلَّا أَنْ يَشْهَدَ مَعَهُ آخَرُ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ يُقْضَى بِخَمْسِمِائَةٍ لِأَنَّ شَاهِدَ الْقَضَاءِ مَضْمُونُ شَهَادَتِهِ أَنْ لَا ذَيْنَ إِلَّا خَمْسُ مِائَةٍ وَجَوَابُهُ مَا قُلْنَا

ترجمہ..... اور اگر دونوں گواہوں نے ایک ہزار کی گواہی دی اور ان میں سے ایک نے کہا کہ مدعی علیہ نے پانچ سو دکر دیئے ہیں تو ہزار پر

دونوں کی گواہی قبول ہوگی کیونکہ اس مقدار پر دونوں گواہ متفق ہیں اور گواہ کا قول کہ مدعی علیہ نے مدعی کو پانچ سو ادا کر دیئے ہیں مسوع نہ ہوگا۔ کیوں کہ یہ ایک شخص کی گواہی ہے مگر یہ کہ دوسرا شخص اس کے ساتھ ہو اور ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ پانچ سو کا حکم کیا جائے گا کیونکہ پانچ سو درہم ادا کرنے کی گواہی دینے والے گواہ کی شہادت کا مضمون یہ ہے کہ قرضہ صرف پانچ سو درہم ہے اور اس کا جواب وہی ہے جو ہم نے کہا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی دوسرے شخص پر ایک ہزار روپیہ کا دعویٰ کیا اور دو گواہوں نے مدعی کے حق میں ایک ہزار روپیہ کی گواہی دیدی مگر ایک گواہ نے کہا کہ مدعی علیہ ان میں سے پانچ سو روپیہ ادا کر چکا ہے تو ایک ہزار پر دونوں کی گواہی قبول ہو جائے گی اور ایک گواہ کا یہ کہنا کہ مدعی علیہ نے پانچ سو روپیہ ادا کر دیئے ہیں مسوع اور قابل قبول نہ ہوگا۔ ایک ہزار پر دونوں کی گواہی تو اس لئے مقبول ہوگی کہ دونوں گواہ ایک ہزار روپیہ پر متفق ہیں اور پانچ سو روپیہ ادا کرنے کا قول اس لئے قبول نہیں کیا جائے گا کہ یہ فقط ایک شخص کی گواہی ہے حالانکہ ایک شخص کی گواہی سے کوئی حق ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے لیکن اگر دوسرا شخص بھی اس کے ساتھ ہو اور پانچ سو روپیہ ادا کرنے کی گواہی دے تو گواہی قبول ہو جائے گی۔ حضرت امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ قاضی صرف پانچ سو روپیہ کا حکم دیگا یعنی اس شہادت کے نتیجہ میں مدعی علیہ پر صرف پانچ سو روپیہ ادا کرنا واجب ہوگا۔

دلیل..... یہ ہے کہ جس گواہ نے پانچ سو روپیہ ادا کرنے کی گواہی دی ہے اس کی گواہی کا مضمون یہ ہے کہ مدعی علیہ کے ذمہ فقط پانچ سو روپیہ کا قرضہ ہے پس یہ ایسا ہو گیا گویا ایک گواہ نے ایک ہزار کی گواہی دی ہے اور دوسرے نے پانچ سو روپیہ کی گواہی دی ہے اور ایسی صورت میں قاضی مقدار اقل پر فیصلہ دینے کا مجاز ہوتا ہے جیسا کہ سابق میں گذر چکا کہ اگر گواہوں نے ایک ہزار دو ہزار میں اختلاف کیا ہو تو صاحبینؒ کے نزدیک اقل یعنی ایک ہزار پر فیصلہ دے دیا جائے گا پس اسی طرح یہاں بھی مقدار اقل یعنی پانچ سو روپیہ کا فیصلہ دے دیا جائیگا لیکن یہ خیال رہے کہ اس مسئلہ میں امام محمدؒ امام ابو یوسفؒ کے خلاف ہیں اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ شاہدین کے مقدار اقل اور مقدار اکثر میں اختلاف کرنے سے مقدار اقل کا حکم اس وقت دیا جاتا ہے جبکہ ایک گواہ نے ابتداءً مقدار اقل پر شہادت دی ہو جیسا کہ الف اور الفین کے مسئلہ میں گذر چکا ہے اور اس مسئلہ میں یہ بات نہیں ہے کیونکہ اس مسئلہ میں یہ ہے کہ ابتداءً دونوں گواہوں نے ایک ہزار پر گواہی دی مگر بعد میں جب پانچ سو روپیہ ادا کرنے کی گواہی دے دی تو گویا اس نے یہ کہا کہ مدعی کے مدعی علیہ پر صرف پانچ سو روپیہ واجب الادا ہیں۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ کی دلیل کا جواب وہ ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں یعنی ابتداءً ایک ہزار کی گواہی پر تو دونوں گواہ متفق ہیں مگر پانچ سو روپیہ ادا کرنے پر صرف ایک شخص گواہ ہے اور ایک شخص کی گواہی قبول نہیں کی جاتی لہذا پانچ سو روپیہ ادا کرنے کی گواہی مردود ہوگی اور ایک ہزار پر دونوں گواہوں کے متفق ہونے کی وجہ سے ایک ہزار پر گواہی قبول ہوگی۔

گواہ پانچ سو کی ادائیگی پر واقف ہو تو ہزار کی گواہی نہ دے یہاں تک کہ مدعی پانچ سو کی ادائیگی کا اقرار کرے

قَالَ وَيَنْبَغِي لِلشَّاهِدِ إِذَا عَلِمَ بِذَلِكَ أَنْ لَا يَشْهَدَ بِالْفِ حَتَّى يُقَرَّ الْمُدَّعَى أَنَّهُ قَبَضَ خَمْسَ مِائَةٍ كَيْلَا يَصِيرَ مُعِينًا عَلَى الظُّلْمِ وَقَالَ فِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ رَجُلَانِ شَهِدَا عَلَى رَجُلٍ بِقَرْضِ أَلْفٍ دِرْهَمٍ فَشَهِدَ أَحَدُهُمَا أَنَّهُ قَدْ قَضَاهَا فَالشَّهَادَةُ جَائِزَةٌ عَلَى الْقَرْضِ لِاتِّفَاقِهِمَا عَلَيْهِ وَتَفَرُّدُ أَحَدُهُمَا بِالْقَضَاءِ عَلَى مَا بَيَّنَّا وَذَكَرَ الطَّحَاوِيُّ عَنْ أَصْحَابِنَا أَنَّهُ لَا تَقْبَلُ وَهُوَ قَوْلُ زُفَرٍ لِأَنَّ الْمُدَّعَى اكْتَذَبَ شَاهِدَ الْقَضَاءِ قُلْنَا هَذَا إِكْذَابٌ فِي غَيْرِ الْمَشْهُودِ بِهِ الْأَوَّلِ وَهُوَ الْقَرْضُ وَمِثْلُهُ لَا يَمْنَعُ الْقَبُولَ

ترجمہ..... اور گواہ کیلئے مناسب ہے کہ جب اس کو یہ معلوم ہو جائے کہ مدعی علیہ نے پانچ سو روپیہ ادا کئے ہیں تو وہ ہزار کی گواہی نہ دے یہاں تک کہ مدعی یہ کہے کہ میں نے پانچ سو روپیہ پر قبضہ کر لیا ہے تاکہ وہ ظلم پر اعانت کرنے والا نہ ہو۔ اور جامع صغیر میں کہا کہ دو شخصوں نے ایک شخص پر ایک ہزار قرضہ کی گواہی دی پھر دونوں میں سے ایک نے کہا کہ مدعی علیہ نے یہ قرضہ ادا کر دیا ہے تو قرض پر گواہی جائز ہے کیونکہ دونوں گواہ قرض پر

متفق ہیں اور ادا کرنے کی گواہی میں ایک متفرد ہے چنانچہ ہم بیان کر چکے ہیں اور طحاویؒ نے ہمارے اصحاب سے روایت کی کہ یہ گواہی قبول نہ ہوگی اور یہی امام زفر کا قول ہے اس لئے کہ مدعی نے ادائیگی کے گواہ کو جھوٹا قرار دیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ جھٹلانا اول مشہودہ کے علاوہ میں ہے اور مشہودہ اول قرض ہے۔ اور ایسا جھٹلانا قبول شہادت کے لئے مانع نہیں ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص پر ایک ہزار روپیہ قرضہ کا دعویٰ کیا اور اس دعویٰ پر مدعی کے پاس دو گواہ موجود ہیں مگر ان میں سے ایک گواہ کو یہ معلوم ہے کہ مدعی علیہ نے پانچ سو روپیہ مدعی کو ادا کر دیئے ہیں، تو یہ گواہ ایک ہزار روپیہ کی گواہی اس وقت تک نہ دے جب تک کہ مدعی یہ اقرار نہ کر لے کہ میں نے پانچ سو روپیہ مدعی علیہ سے وصول کر لئے ہیں کیونکہ اگر مدعی کے اقرار سے پہلے گواہ نے یہ گواہی دیدی کہ مدعی کے مدعی علیہ پر ایک ہزار روپیہ قرض ہیں تو یہ گواہ مدعی کی ظلم پر اعانت کرنے والا ہوگا۔ اس طور پر کہ مدعی علیہ کے ذمہ مدعی کے ایک ہزار روپیہ قرض کی گواہی پرتو دونوں گواہ متفق ہیں لیکن ایک گواہ اس بات پر شاہد ہے کہ مدعی علیہ ان میں سے پانچ سو روپیہ ادا کر چکا ہے تو گذشتہ میں گواہی گزر چکا ہے کہ ایک ہزار کے قرضہ پر دونوں گواہوں کے متفق ہونے کی وجہ سے ایک ہزار روپیہ مدعی علیہ کے ذمہ پر ثابت ہو جائے گا اور گواہی قبول ہوگی اور پانچ سو کی ادائیگی پر صرف ایک گواہ ہونے کی وجہ سے یہ گواہی قبول نہ ہوگی اور قاضی مدعی علیہ پر ایک ہزار کا فیصلہ کرے گا۔ اور اس صورت میں مدعی علیہ کا حق ضائع ہوگا یعنی مدعی علیہ نے جو پانچ سو روپیہ ادا کئے ہیں یہ ضائع ہو جائیں گے اور یہ سراسر مدعی علیہ پر ظلم ہے اور اس ظلم میں وہ گواہ بھی مدعی کے ساتھ شریک ہے جس کو یہ معلوم ہے کہ مدعی، مدعی علیہ سے پانچ سو روپیہ وصول کر چکا ہے مگر اس کے باوجود ایک ہزار روپیہ قرضہ کی گواہی دے بیٹھا۔ لیکن جب مدعی نے پانچ سو روپیہ وصول کرنے کا اعتراف کر لیا تو وہ گواہ جس کو اس وصولیابی کا علم ہے ایک ہزار کی گواہی دینے سے ظلم پر اعانت کرنے والا نہ ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں مدعی کے اعتراف کرنے کی وجہ سے قاضی مدعی علیہ پر ایک ہزار کا فیصلہ نہ کرے گا بلکہ فقط پانچ سو روپیہ کا فیصلہ کرے گا۔ بہر حال اگر ایک گواہ کو پانچ سو روپیہ ادا کرنے کا علم ہو تو اس کے لئے ایک ہزار کی گواہی دینا اس وقت تک حلال نہ ہوگا جب تک مدعی، مدعی علیہ کی طرف سے پانچ سو روپیہ وصول کرنے کا اعتراف نہ کر لے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ جامع صغیر میں اس طرح ہے کہ دو آدمیوں نے ایک شخص کے خلاف ایک ہزار روپیہ قرضہ کی گواہی دی مثلاً یہ کہا کہ خالد کا حامد پر ایک ہزار روپیہ قرضہ ہے پھر دونوں میں سے ایک نے کہا کہ مدعی علیہ یعنی حامد یہ قرضہ ادا کر چکا ہے تو یہ قرضہ مدعی علیہ پر ثابت ہو جائے گا۔ کیونکہ دونوں گواہ مدعی علیہ کے ذمہ قرضہ ہونے پر متفق ہیں اور قرضہ ادا کرنے کی گواہی میں چونکہ فقط ایک گواہ ہے اور ایک گواہ کی گواہی سے قرضہ کی ادائیگی ثابت نہیں ہوتی لہذا قرضہ ادا کرنا ثابت نہ ہوگا۔

جامع صغیر اور قدوری کے مسئلہ میں یہ فرق ہے کہ جامع صغیر کے مسئلہ میں ایک گواہ نے پورا قرضہ یعنی ایک ہزار ادا کرنے کی گواہی دی ہے اور قدوری کے مسئلہ میں بعض دین یعنی پانچ سو روپیہ ادا کرنے کی گواہی دی ہے امام طحاویؒ نے علمائے احناف سے یہ روایت کی ہے کہ مذکورہ مسئلہ میں قرض میں بھی گواہی قبول ہوگی یعنی ان کی گواہی سے مدعی علیہ کے ذمہ ایک ہزار روپیہ ثابت نہ ہوگا۔ یہی قول حضرت امام زفرؒ کا ہے۔

اس کی دلیل..... یہ ہے کہ مدعی نے جب ایک ہزار روپیہ کا دعویٰ کیا تو گویا اس نے اس گواہ کو جھوٹا قرار دیا جو پانچ سو روپیہ وصول کرنے کی بھی شہادت دیتا ہے کیونکہ اس گواہ کے مطابق تو مدعی علیہ کے ذمہ پانچ سو روپیہ ہیں اور مدعی کے دعویٰ کے مطابق ایک ہزار روپیہ ہیں تو گویا مدعی نے اس گواہ کی تکذیب کی۔ اور تکذیب کرنا اور جھٹلانا اس کو فاسق قرار دینا ہے۔ گویا مدعی نے اس گواہ کو فاسق قرار دیا ہے اور فاسق کی گواہی قبول نہیں ہوتی۔ لہذا اس گواہ کی گواہی اس کے فق کی وجہ سے قبول نہ ہوگی اور دوسرے گواہ کی گواہی اس کے تہاء ہونے کی وجہ سے قبول نہ ہوگی پس ثابت ہوا کہ قرض کو ثابت کرنے کے لئے بھی ان کی گواہی قبول نہیں ہے۔

ہمارا جواب..... لیکن ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ مدعی نے مشہودہ اول یعنی ایک ہزار قرض میں اس گواہ کو جھوٹا قرار نہیں دیا ہے یعنی اس

نے ایک ہزار روپیہ قرضہ کی جو گواہی دی ہے مدعی نے اس گواہ میں اسکو چھوٹا قرار نہیں دیا ہے بلکہ مشہود بہ ثانی یعنی پانچ سو روپیہ اداء کرنے کی گواہی میں اسکو چھوٹا قرار دیا ہے اور اس طرح کا جھٹلانا قبولیت شہادت کے لئے مانع نہیں ہے جیسے دو گواہوں نے گواہی دی کہ حامد کا خالد پر ایک ہزار روپیہ قرض ہے پھر ان دونوں گواہوں نے گواہی دی کہ حامد پر عارف کا ایک ہزار روپیہ قرضہ ہے اس پر حامد نے ان گواہوں کی تکذیب کی تو حامد جو اولاً مشہود لہ ہے اس کے لئے قاضی ایک ہزار کا فیصلہ کر دیا اگرچہ حامد نے اپنے خلاف ایک ہزار کی گواہی میں ان کی تکذیب اور تفسیق کی ہے کیونکہ حامد کی طرف سے یہ تفسیق (گواہوں کو فاسق قرار دینا) اضطرابی چیز ہے حالانکہ گواہی کو وہ تفسیق رد کرتی ہے جو اختیاری ہو۔ حاصل یہ ہے کہ مدعی کو اپنے گواہوں کی تکذیب کرنا یقیناً تفسیق ہوگا اس لئے کہ مدعی کی طرف سے یہ بات اختیاری چیز ہے اور مدعی علیہ کا مدعی کے گواہوں کی تکذیب کرنا تفسیق نہ ہوگا کیوں کہ مدعی علیہ اپنے اوپر سے مدعی کا حق دور کرنے کے لئے ضرورت مند اور مضطر ہے اور ضرورت مند اور مضطر کی تکذیب تفسیق نہیں ہوتی ہے۔

دو گواہوں نے گواہی دی کہ فلاں کو یوم النحر میں مکہ میں قتل کیا گیا اور دو گواہوں نے گواہی

دی کہ یوم النحر میں کوفہ میں قتل کیا گیا تو کس کی گواہی قبول ہوگی

قَالَ وَإِذَا شَهِدَ شَاهِدَانِ أَنَّهُ قُتِلَ زَيْدًا يَوْمَ النَّحْرِ بِمَكَّةَ وَشَهِدَ آخَرَانِ أَنَّهُ قُتِلَهُ يَوْمَ النَّحْرِ بِالْكُوفَةِ وَاجْتَمَعُوا عِنْدَ الْحَاكِمِ لَمْ يُقْبَلِ الشَّهَادَتَيْنِ لِأَنَّ أَحَدَهُمَا كَاذِبٌ بَيِّنٌ وَلَيْسَتْ إِحْدَاهُمَا بِأُولَى مِنَ الْأُخْرَى فَإِنْ سَبَقَتْ إِحْدَاهُمَا وَقَضِيَ بِهَا ثُمَّ حَضَرَتِ الْأُخْرَى لَمْ تُقْبَلْ لِأَنَّ الْأُولَى قَدْ تَرَجَّحَتْ بِاتِّصَالِ الْقَضَاءِ بِهَا فَلَا تَنْتَقِضُ بِالثَّانِيَةِ

ترجمہ..... اور جب دو گواہوں نے گواہی دی اس نے زید کو یوم النحر میں مکہ میں قتل کیا ہے اور دوسرے دو گواہوں نے گواہی دی کہ اس نے زید کو یوم النحر میں کوفہ میں قتل کیا ہے اور دونوں گواہوں کے دونوں فریق قاضی کی عدالت میں اکٹھے ہو گئے۔ تو دونوں شہادتیں قبول نہ ہوں گی اس لئے کہ ان دونوں فریقوں میں سے ایک یقینی طور پر جھوٹا ہے اور ان میں سے ایک دوسرے سے اولی نہیں ہے پس اگر ان میں سے ایک فریق نے سبقت کی اور قاضی نے اس پر حکم صادر کر دیا پھر دوسرا فریق حاضر ہوا تو اس کی گواہی قبول نہ ہوگی کیونکہ پہلی گواہی کے ساتھ حکم قضاء کے متصل ہونے کی وجہ سے پہلی گواہی راجح ہوگی ہے لہذا وہ دوسرے گواہی سے نہیں ٹوٹے گی۔

تشریح..... پہلے بیان ہو چکا ہے کہ شاہدین کا مکان اور جائے حادثہ میں اختلاف قبولیت شہادت کے لئے مانع ہے اسی کی نظیر میں یہ مسئلہ پیش خدمت ہے اگر دو گواہوں نے یہ شہادت دی کہ بکر نے زید کو دسویں ذی الحج میں مکہ المکرمہ میں قتل کیا ہے پھر اسی وقت قاضی کے حکم صادر کرنے سے پہلے دوسرے دو گواہوں نے گواہی دی کہ بکر نے زید کو دسویں ذی الحج میں کوفہ میں قتل کیا ہے تو دونوں شہادتیں قبول نہ ہوں گی۔

دلیل..... یہ ہے کہ ایک فعل یعنی ایک آدمی کا قتل دو مکانوں میں چونکہ ناممکن ہے اس لئے ان دونوں شہادتوں میں سے ایک شہادت یقینی طور سے جھوٹی ہوگی اور مرجح نہ ہونے کی وجہ سے کسی ایک کو ترجیح بھی حاصل نہ ہوگی پس جب دونوں شہادتیں برابر درجہ کی ہیں اور ایک کو دوسری پر ترجیح بھی حاصل نہیں ہے تو تعارض کی وجہ سے دونوں کو رد کر دیا جائیگا ہاں اگر دو گواہوں نے پہلے گواہی دی اور قاضی نے اس کے مطابق فیصلہ کر دیا پھر دوسرے دو گواہوں نے شہادت دی تو یہ دوسری شہادت قبول نہ ہوگی کیونکہ پہلی شہادت کیساتھ چونکہ قاضی کا حکم متصل ہو گیا ہے اس لئے پہلی شہادت راجح ہوگی اور دوسری شہادت قضائے قاضی کے متصل نہ ہونے کی وجہ سے مرجوح ہے اور مرجوح کی وجہ سے راجح کو نہ توڑا جاتا ہے اور نہ چھوڑا جاتا ہے لہذا پہلی شہادت کو راجح ہونے کی وجہ سے قبول کیا جائے گا اور دوسری شہادت کو مرجوح ہونے کی وجہ سے رد کر دیا جائے گا۔

دو آدمیوں نے گائے چوری پر گواہی دی اور گائے کے رنگ میں دونوں کا اختلاف ہو گیا تو سارق کا ہاتھ کاٹا جائے گا

قَالَ وَإِذَا شَهِدَا عَلَى رَجُلٍ أَنَّهُ سَرَقَ بَقْرَةً وَاخْتَلَفَا فِي لَوْنِهَا قُطِعَ وَإِنْ قَالَ أَحَدُهُمَا بَقْرَةٌ وَالْآخَرُ ثَوْرًا لَمْ يَقْطَعْ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا لَا يَقْطَعُ فِي الْوَجْهَيْنِ جَمِيعًا وَقِيلَ الْإِخْتِلَافُ فِي لَوْنَيْنِ يَتَشَابَهُانِ كَالسَّوَادِ وَالْحُمْرَةِ لَا فِي السَّوَادِ وَالْبَيَاضِ وَقِيلَ هُوَ فِي جَمِيعِ الْأَلْوَانِ لَهُمَا أَنَّ السَّرْقَةَ فِي السَّوَادِ غَيْرُهَا فِي الْبَيَاضِ. فَلَمْ يُتِمَّ عَلَى كُلِّ فِعْلٍ نَصَابُ الشَّهَادَةِ وَصَارَ كَالْغَضَبِ بَلْ أَوْلَى لِأَنَّ أَمْرَ الْحَدِّ أَهَمُّ وَصَارَ كَالدُّكُورَةِ وَالْأُنُوثَةِ وَلَهُ أَنَّ التَّوْفِيقَ مُمَكِّنٌ لِأَنَّ التَّحْمُلَ فِي اللَّيَالِي مِنْ بَعِيدٍ وَاللَّوْنَانِ يَتَشَابَهُانِ أَوْ يَجْتَمِعَانِ فِي وَاحِدٍ فَيَكُونُ السَّوَادُ مِنْ جَانِبٍ وَهَذَا يَبْصُرُهُ وَالْبَيَاضُ مِنْ جَانِبٍ آخَرَ وَهَذَا يُشَاهِدُهُ بِخِلَافِ الْغَضَبِ لِأَنَّ التَّحْمُلَ فِيهِ بِالنَّهَارِ عَلَى قُرْبٍ مِنْهُ وَالدُّكُورَةُ وَالْأُنُوثَةُ لَا يَجْتَمِعَانِ فِي وَاحِدَةٍ وَكَذَا الْوُقُوفُ عَلَى ذَلِكَ بِالتَّقَرُّبِ مِنْهُ فَلَا يَشْتَبَهُ

ترجمہ..... اگر دو شخصوں نے ایک شخص کے خلاف یہ گواہی دی کہ اس نے گائے چوری کی ہے اور دونوں نے اس کے رنگ میں اختلاف کیا تو چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔ اور اگر دونوں میں سے ایک نے کہا کہ گائے تھی اور دوسرے نے کہا تیل تھا تو اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائیگا۔ یہ حکم امام ابو حنیفہ کے نزدیک ہے اور صاحبین نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں نہ کاٹا جائے گا۔ اور کہا گیا کہ اختلاف ایسے درنگوں میں ہے جو باہم مشابہ ہوں۔ جیسے سیاہ اور سرخ نہ کہ سیاہ اور سفید میں اور کہا گیا کہ یہ اختلاف تمام رنگوں میں ہے۔ صاحبین نے فرمایا کہ سیاہ گائے کی چوری سفید گائے کی چوری کا غیر ہے۔ پس ہر فعل پر شہادت کا نصاب پورا نہیں ہوا۔ اور یہ غصب کے مانند ہو گیا بلکہ بدرجہ اولیٰ۔ کیونکہ حد لگانے کا معاملہ زیادہ اہم ہے۔ اور یہ اختلاف زراور مادہ کے اختلاف کے مانند ہو گیا۔ اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ توفیق ممکن ہے اس لئے کہ راتوں میں ایسی گواہی کا اٹھانا دوسرے سے واقع ہوتا ہے۔ اور دونوں رنگ یا تو متشابہ ہوں گے یا ایک میں جمع ہوں گے۔ پس سیاہی ایک جانب ہو اور یہ اس کو دیکھے اور سفیدی دوسری جانب ہو اور یہ اس کو دیکھے۔ برخلاف غصب کے کیونکہ اس میں شہادت کا اٹھانا دن میں نزدیک سے ہوتا ہے اور زراور مادہ ہونا ایک جانور میں جمع نہیں ہوتے۔ اور اسی طرح جانور سے نزدیک ہو کر اس پر آگاہی ہو سکتی ہے تو کوئی اشتباہ نہ ہوگا۔

تشریح..... شاہدین نے آ کر مشہود بہ کے کیف میں اختلاف کیا تو یہ اختلاف بھی قبولیت شہادت کے لئے مانع ہے۔ چنانچہ اس کی نظیر یہ مسئلہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے آدمی پر گائے چوری کرنے کا دعویٰ کیا اور اس گائے کا رنگ بیان نہیں کیا اور بینہ پیش کر دیا مگر دونوں گواہوں میں سے ایک نے سرخ رنگ کی گائے چوری کرنے پر شہادت دی اور دوسرے نے سیاہ رنگ کی گائے چوری کرنے پر شہادت دی یا گواہوں کا یہ اختلاف سیاہ اور سفید میں ہوا تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ شہادت قبول ہوگی اور چور کا ہاتھ کاٹ دیا جائے گا۔ اور صاحبین اور ائمہ ثلاثہ، امام مالک، امام شافعی، اور امام احمد نے فرمایا کہ یہ شہادت قبول نہ ہوگی اور چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ اور اگر مسروق منہ، (مالک) نے مسروقہ گائے کا رنگ متعین کر دیا مثلاً یہ کہا کہ وہ گائے سرخ رنگ کی تھی پھر شاہدین میں سے ایک نے سرخ رنگ پر گواہی دی اور دوسرے نے سیاہ رنگ پر گواہی دی تو یہ گواہی بالاجماع قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں مدعی نے اپنے ایک گواہ کی تکذیب کر دی ہے لہذا اس کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ اور دوسرا گواہ چونکہ اکیلا رہ گیا اس لئے اس کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔ بہر حال اگر مسروق منہ، نے رنگ متعین نہ کیا اور گواہوں نے رنگ متعین کرنے میں اختلاف کر دیا تو امام صاحب کے نزدیک یہ گواہی قبول ہوگی دونوں گواہوں کے بیان کردہ دونوں رنگ خواہ آپس میں ایک دوسرے کے مشابہ ہوں جیسے سیاہ اور سرخ یا مشابہ نہ ہوں جیسے سیاہ اور سفید اور صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ گواہی قبول نہ ہوگی۔ اور اگر ایک گواہ نے گائے چوری کرنے کی گواہی دی اور ایک نے

نیل چوری کرنے کی گواہی دی تو یہ گواہی باتفاق احناف قبول نہ ہوگی اور چور کا ہاتھ نہ نکاٹا جائے گا۔ اسی کے قائل ائمہ ثلاثہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد ہیں۔ بعض مشائخ نے کہا کہ امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف ایسے دو رنگوں میں ہے جو باہم مشابہ ہوں جیسے سیاہ اور سرخ یعنی اگر ایک گواہ نے کہا کہ مسروقہ گائے کا رنگ سیاہ ہے اور دوسرے نے کہا کہ سرخ ہے تو امام صاحب کے نزدیک یہ گواہی قبول نہ ہوگی۔ اور چور کا ہاتھ نہ نکاٹا لیا جائیگا اور صاحبین کے نزدیک یہ گواہی قبول نہ ہوگی۔ اور چور کا ہاتھ نہ نکاٹا جائے گا اور اگر گواہوں نے ایسے دو رنگوں میں اختلاف کیا جو باہم مشابہ نہیں ہے مثلاً ایک نے سیاہ رنگ کی گواہی دی اور ایک نے سفید رنگ کی گواہی دی تو یہ گواہی امام صاحب اور صاحبین دونوں کے نزدیک قبول نہ ہوگی اور بعض نے کہا کہ امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف تمام رنگوں میں ہے یعنی امام صاحب کے نزدیک مطلقاً دو رنگوں میں اختلاف کرنے کی صورت میں گواہی قبول ہو جائیگی دونوں رنگ خواہ آپس میں مشابہ ہوں یا مشابہ نہ ہوں اور صاحبین کے نزدیک دونوں صورتوں میں گواہی قبول نہ ہوگی۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ سیاہ گائے کی چوری اور ہے اور سفید گائے کی چوری اور ہے یعنی ہر ایک گواہ نے ایک گائے کی چوری پر گواہی دی ہے لہذا کسی گائے کی چوری پر بھی نصاب شہادت (دو گواہ ہونا) پورا نہیں ہوا اور جب نصاب شہادت نہیں پایا گیا تو یہ شہادت قبول بھی نہ ہوگی اور یہ غصب کے مانند ہو گیا جیسے اگر ایک گواہ نے کہا کہ غاصب نے سفید رنگ کی گائے غصب کی ہے اور ایک نے کہا کہ سیاہ رنگ کی غصب کی ہے تو اس گواہی سے یہ غصب ثابت نہیں ہوتا اسی طرح اختلاف کی صورت میں چوری بھی ثابت نہ ہوگی بلکہ چوری بدرجہ اولیٰ ثابت نہ ہونی چاہئے کیوں کہ حد مارنے کا معاملہ زیادہ سخت ہے اس لئے کہ غصب تو شہادت نسامع الرجال سے بھی ثابت ہو جاتا ہے اور شہادت علی الشہادت سے بھی اور حدان دونوں سے ثابت نہیں ہوتی پس جب گواہوں کے کئی مخصوب کے رنگ میں اختلاف کرنے کی صورت میں گواہی قبول نہیں ہوتی تو اس طرح کے اختلاف سے حد سرقہ بدرجہ اولیٰ ثابت نہ ہوگی اور یہ ایسا ہو گیا جیسے زور مادہ کا اختلاف ہے یعنی جس طرح گواہوں کے زور مادہ میں اختلاف کرنے سے ان کی گواہی قبول نہیں ہوتی اسی طرح رنگ میں اختلاف کرنے کی صورت میں بھی گواہی قبول نہ ہوگی۔

حضرت امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ رنگ کے سلسلہ میں گواہوں نے جو اختلاف کیا ہے اس میں تطبیق اور توفیق دینا ممکن ہے اس لئے کہ چوریاں اکثر و بیشتر رات میں ہوتی ہیں اور دیکھنے والا دور سے دیکھتا ہے کیونکہ اگر دیکھنے والا قریب میں ہو تو چور چوری ہی نہ کر سکے گا۔ پس جب رات میں گواہی کا اٹھانا یعنی دیکھنے والے کا دیکھنا دور سے واقع ہوتا ہے اور دونوں رنگ یا تو آپس میں مشابہ ہونگے جیسے سیاہ اور سرخ اور یا دونوں رنگ مشابہ نہ ہوں گے جیسے سیاہ اور سفید مگر دونوں رنگ ایک جانور میں جمع ہوں گے۔ اس طور پر کہ جانور کی ایک جانب سیاہ ہو اور دوسری جانب سفید ہو پس پہلی صورت میں تو دور سے دیکھنے میں چونکہ اشتباہ ہو سکتا ہے اس لئے گواہوں کے بیان میں قدرے اختلاف ہو گیا۔ لہذا اس اختلاف کو نظر انداز کر کے ان کی گواہی قبول کر لی جائے گی۔ اور دوسری صورت میں جب ایک جانب میں سفیدی اور دوسری جانب میں سیاہی ہے تو ممکن ہے کہ ایک گواہ نے ایک جانب کو دیکھا ہو اور دوسرے نے دوسری جانب کو دیکھا ہو اور ہر ایک نے اپنے دیکھے ہوئے کے موافق گواہی دی۔ لہذا اس صورت میں بھی گواہی قبول ہوگی۔ اس کے برخلاف غصب کہ غصب دن میں ہوتا ہے اور نزدیک سے ہوتا ہے۔ لہذا گواہوں کا دیکھنا بھی دن میں ہوگا اور نزدیک سے ہوگا۔ اور جب یہ بات ہے تو غصب میں گواہوں کا اختلاف مقبول نہ ہوگا اور زور مادہ ہونا چونکہ ایک جانور میں جمع نہیں ہو سکتے اور جانور سے نزدیک ہو کر اس پر اطلاع حاصل کرنا بھی ممکن ہے اس لئے اس میں اشتباہ بھی نہ ہوگا اور جب اشتباہ نہیں تو توفیق دینے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اور جب توفیق کی ضرورت نہیں ہے تو اس صورت میں بھی شہادت قبول نہ ہوگی۔

ایک گواہ نے غلام ایک ہزار کے بدلے خریدنے پر گواہی دی اور دوسرے نے ڈیڑھ ہزار

کے بدلے خریدنے کی گواہی دی گواہی باطل ہے

قَالَ وَمَنْ شَهِدَ لِرَجُلٍ أَنَّهُ اشْتَرَى عَبْدًا مِنْ فُلَانٍ بِأَلْفٍ وَشَهِدَ آخَرُ أَنَّهُ اشْتَرَى بِأَلْفٍ وَخَمْسٍ مِائَةِ فَالْشَّهَادَةُ

بَاطِلَةٌ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ اثْبَاتُ السَّبَبِ وَهُوَ الْعَقْدُ وَيَخْتَلِفُ بِاخْتِلَافِ الثَّمَنِ فَاخْتَلَفَ الْمَشْهُودُ بِهِ وَلَمْ يُتِمَّ الْعَدَدُ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ وَلِأَنَّ الْمُدَّعِيَ يُكْذِبُ أَحَدَ شَاهِدَيْهِ وَكَذَلِكَ إِذَا كَانَ الْمُدَّعَى هُوَ الْبَائِعُ وَلَا فَرْقَ بَيْنَ أَنْ يَدَّعِيَ الْمُدَّعَى أَقْلَ الْبَائِعِينَ أَوْ أَكْثَرَهُمَا لِمَا بَيَّنَّا

ترجمہ..... اور اگر ایک شخص نے کسی کے لئے گواہی دی کہ اس نے ایک غلام فلاں سے ایک ہزار کے عوض خریدا ہے اور دوسرے نے گواہی دی کہ اس نے ڈیڑھ ہزار کے عوض خریدا ہے تو یہ شہادت باطل ہے کیونکہ یہاں سبب یعنی عقد بیع ثابت کرنا مقصود ہے اور سبب اختلاف ثمن سے مختلف ہو جاتا ہے لہذا جس چیز کی گواہی دی گئی وہ مختلف ہو گیا اور ہر عقد پر عدد پورا نہیں ہوا اور اس لئے کہ مدعی اپنے دو گواہوں میں سے ایک کو جھوٹا بتلاتا ہے اور اسی طرح اگر بائع خود مدعی ہو اور اس میں کوئی فرق نہیں کہ مدعی دونوں مالوں میں سے کم کا دعویٰ کرے یا زیادہ کا دعویٰ کرے دلیل وہی ہے جس کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص مثلاً خالد نے دعویٰ کیا کہ حامد نے اپنا غلام ایک ہزار یا ڈیڑھ ہزار کے عوض میرے ہاتھ فروخت کیا ہے اور بائع یعنی حامد نے اس کا انکار کر دیا تو مدعی بیع یعنی مشتری (خالد) نے بینہ پیش کیا لیکن ایک گواہ نے ایک ہزار کے عوض خریدنے کی گواہی دی اور ایک نے ڈیڑھ ہزار کے عوض خریدنے کی گواہی دی تو یہ گواہی باطل اور ناقابل قبول ہے کیونکہ بیع کا دعویٰ کرنے سے مشتری کا مقصود سبب یعنی عقد بیع کو ثابت کرنا ہے اور عقد بیع ثمن کے اختلاف سے مختلف ہو جاتا ہے اس لئے کہ ایک ہزار کے عوض خریدنا اور ہے اور ڈیڑھ ہزار کے عوض خریدنا اور ہے اور ڈیڑھ ہزار کے عوض خریدنا اور ہے گویا ایک گواہ نے ایک عقد پر گواہی دی اور دوسرے نے دوسرے عقد پر گواہی دی اور جب ایسا ہے تو دونوں عقدوں میں سے کسی عقد پر نصاب شہادت پورا نہیں ہوا اور جب نصاب شہادت (دو گواہ) پورا نہیں ہوا تو کسی عقد پر کسی کی گواہی قبول نہ ہوگی بلکہ دونوں کی شہادت باطل اور لغو ہوگی۔ دوسری دلیل..... یہ ہے کہ مدعی یعنی مشتری اپنے دونوں گواہوں میں سے ایک کو خود جھوٹا قرار دے رہا ہے یعنی اگر مشتری نے ایک ہزار کے عوض خریدنے کا دعویٰ کیا ہے تو ڈیڑھ ہزار کے عوض خریدنے کی گواہی دینے والا مدعی کے نزدیک کاذب ہوگا اور اگر مشتری نے ڈیڑھ ہزار کے عوض خریدنے کا دعویٰ کیا ہے تو ایک ہزار کے عوض خریدنے کی گواہی دینے والا مدعی کے نزدیک کاذب ہوگا بہر حال مدعی جب ایک ہزار کی تکذیب کر رہا ہے تو اس کی گواہی قبول نہ ہوگی اور دوسرا گواہ چونکہ اکیلا رہ گیا ہے اس لئے اس کی گواہی بھی قبول نہ ہوگی۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ شہادت اس وقت بھی باطل ہوگی جبکہ مدعی بیع بائع ہو اور گواہوں میں اختلاف ہو مثلاً بائع یعنی حامد نے دعویٰ کیا کہ میں نے ایک غلام ایک ہزار یا ڈیڑھ ہزار کے عوض خالد کو فروخت کیا ہے اور مشتری یعنی خالد اس کا منکر ہے تو مدعی یعنی بائع نے بینہ پیش کیا مگر ان میں سے ایک گواہ نے ایک ہزار کے عوض فروخت کرنے کی گواہی دی اور ایک نے ڈیڑھ ہزار کے عوض فروخت کرنے کی گواہی دی تو سابقہ دلیلوں کی وجہ سے یہ گواہی بھی باطل اور ناقابل قبول ہوگی۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ مدعی بائع ہو یا مشتری اور وہ قتل مال (ایک ہزار) کا دعویٰ کرے یا اکثر مال (ڈیڑھ ہزار) کا دعویٰ کرے مسئلہ کے حکم میں کوئی فرق نہیں ہے جیسا کہ دلائل سے اس کی تفصیل ذکر کر دی گئی ہے۔

بدل کتابت میں گواہوں کی گواہی میں اختلاف کا حکم

وَكَذَلِكَ الْكِتَابَةُ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ هُوَ الْعَقْدُ إِنْ كَانَ الْمُدَّعَى هُوَ الْعَبْدُ فَظَاهِرٌ وَكَذَا إِذَا كَانَ هُوَ الْمَوْلَى لِأَنَّ الْعَقْدَ لَا يَثْبُتُ قَبْلَ الْإِدَاءِ فَكَانَ الْمَقْصُودُ اثْبَاتُ السَّبَبِ وَكَذَا الْخُلْعُ وَالْإِعْتَاقُ عَلَى مَالٍ وَالصُّلْحُ عَنْ دَمِ الْعَمْدِ إِذَا كَانَ الْمُدَّعَى هُوَ الْمَرْأَةُ وَالْعَبْدُ وَالْقَاتِلُ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ اثْبَاتُ الْعَقْدِ وَالْحَاجَةُ مَاسَّةٌ إِلَيْهِ وَإِنْ كَانَتْ الدَّعْوَى مِنْ جَانِبِ آخَرَ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ دَعْوَى الدَّيْنِ فِيمَا ذَكَرْنَا مِنْ

الْوُجُوهُ لِأَنَّهُ يَثْبُتُ الْعَفْوُ وَالْعِتْقُ وَالطَّلَاقُ بِاعْتِرَافِ صَاحِبِ الْحَقِّ فَبَقِيَ الدَّعْوَى فِي الدَّيْنِ وَفِي الرِّهْنِ إِنْ كَانَ الْمُدَّعَى هُوَ الرَّاهِنُ لَا يَقْبَلُ لِأَنَّهُ لَا حَظَّ لَهُ فِي الرِّهْنِ فَعَرَبَتِ الشَّهَادَةُ عَنِ الدَّعْوَى وَإِنْ كَانَ هُوَ الْمُرْتَهَنُ فَهُوَ بِمَنْزِلَةِ دَعْوَى الدَّيْنِ وَفِي الْإِجَارَةِ إِنْ كَانَ ذَلِكَ فِي أَوَّلِ الْمُدَّةِ فَهُوَ نَظِيرُ الْبَيْعِ وَإِنْ كَانَ بَعْدَ مُضَيِّ الْمُدَّةِ وَالْمُدَّعَى هُوَ الْأَجْرُ فَهُوَ دَعْوَى الدَّيْنِ

ترجمہ..... اور یہی حکم کتابت کا ہے اس لئے کہ مقصود عقد ہے اگر مدعی غلام ہو تو ظاہر ہے اور ایسے ہی جب مولیٰ مدعی ہو۔ اس لئے کہ آزادی بدل کتابت ادا کرنے سے پہلے ثابت نہیں ہوتی ہے۔ پس مقصود سب کو ثابت کرنا ہوگا۔ اور یہی حکم خلع، اعتاق علی مال اور صلح عن دم العمد کا ہے جبکہ مدعی عورت، غلام، قاتل ہو۔ کیونکہ مقصود عقد کو ثابت کرنا ہے اور اس کی ضرورت بھی ہے۔ اور اگر دعویٰ دوسری جانب سے ہو تو مذکورہ صورتوں میں یہ قرضہ کے دعویٰ کے مرتبہ میں ہے۔ کیونکہ عفو، عتق اور طلاق صاحب حق کے اعتراف سے ثابت ہو جائے گا۔ پس قرضہ کا دعویٰ باقی رہا۔ اور رہن کی صورت میں اگر مدعی راہن ہو تو شہادت قبول نہ ہوگی۔ اس لئے کہ رہن میں راہن کا کچھ حق نہیں ہے تو شہادت دعویٰ سے خالی ہوئی۔ اور اگر مدعی، مرتہن ہو تو وہ دین کے دعویٰ کے مرتبہ میں ہے۔ اور اجارہ کی صورت میں یہ اختلاف اگر ابتدائے مدت میں ہوا تو یہ بیع کی نظیر ہے اور اگر مدت گزرنے کے بعد ہوا اور اجارہ پر دینے والا مدعی ہے تو یہ قرضہ کا دعویٰ ہے۔

تشریح..... علامہ ابن الہمام نے فرمایا کہ ایک ہی نوع کے آٹھ مسئلے ہیں۔ ان میں سے ایک مسئلہ تو گذشتہ عبارت میں ذکر کر دیا گیا یعنی عقد بیع کی صورت میں گواہوں نے شہن میں اختلاف کیا ہو۔ دوسرا مسئلہ عقد کتابت کا ہے جو پیش نظر عبارت میں مذکور ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک غلام نے اپنے مولیٰ پر کتابت کا دعویٰ کیا اور مولیٰ نے عقد کتابت کا ان کا کر دیا۔ پھر مدعی یعنی غلام نے بینہ پیش کیا لیکن ان میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ بدل کتابت ایک ہزار روپیہ ہے۔ اور ایک نے گواہی دی کہ بدل کتابت ایک ہزار پانچ سو روپیہ ہے تو یہ گواہی قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ یہاں عقد کتابت کو ثابت کرنا مقصود ہے اور عقد کتابت، بیع کی طرح بدل کتابت کے مختلف ہونے سے مختلف ہو جاتی ہے پس جب ایک گواہ نے ایک ہزار روپیہ بدل کتابت ہونے کی گواہی دی اور ایک نے ڈیڑھ ہزار روپیہ بدل کتابت ہونے کی گواہی دی۔ اور ایک ہزار روپیہ بدل کتابت کے ساتھ عقد کتابت اور ہے اور ڈیڑھ ہزار بدل کتابت کے ساتھ عقد کتابت اور ہے گویا یہ دو عقد کتابت ہو گئے اور کسی عقد کتابت پر نصاب شہادت نہیں پایا گیا اور جب کسی عقد کتابت پر نصاب شہادت نہیں پایا گیا بلکہ ہر ایک پر فقط ایک گواہ ہے تو یہ شہادت، نصاب پورا نہ ہونے کی وجہ سے قبول نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر مولیٰ عقد کتابت کا مدعی ہو اور غلام منکر ہو۔ اور گواہوں نے ایک ہزار اور ڈیڑھ ہزار کے ساتھ اختلاف کیا ہو تو ان کی شہادت قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ شہادت بھی درحقیقت عقد کتابت کو ثابت کرنے کے لئے ہے یاں طور کہ مولیٰ کا مقصود غلام کی آزادی ہے اور آزادی بدل کتابت کی ادائیگی سے پہلے ثابت نہیں ہوتی ہے اور بدل کتابت کی ادائیگی بغیر عقد کتابت کے تحقیق نہیں ہو سکتی۔ پس ثابت ہوا کہ عقد کتابت ہی مقصود ہے اور شاہدین کے اختلاف کی وجہ سے عقد کتابت چونکہ مختلف ہو جاتا ہے۔ اس لئے کسی بھی عقد کتابت پر نصاب شہادت پورا نہیں ہوا۔ اور نصاب شہادت جب تک پورا نہ ہو اس وقت تک شہادت قبول نہیں ہوتی اس لئے یہ شہادت بھی قبول نہ ہوگی۔ تیسرا مسئلہ، خلع کا ہے، چوتھا اعتاق علی مال کا ہے اور پانچواں صلح عن دم العمد کا ہے۔ لیکن یہ مسئلہ مسائل ثلاثہ، مسئلہ عقد بیع اور مسئلہ عقد کتابت کی طرح اس وقت ہوں گے جب کہ مسئلہ خلع میں عورت مدعی ہو، اور اعتاق علی مال میں غلام مدعی ہو، اور صلح عن دم العمد میں قاتل مدعی ہو۔ ان کی تفصیل یہ ہے کہ عورت نے دعویٰ کیا کہ میں نے اپنے شوہر سے خلع کرا لیا ہے اور شوہر اس کا منکر ہے۔ پھر عورت کی طرف سے دعویٰ خلع پر پیش کردہ گواہوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی کہ بدل خلع ایک ہزار ہے اور دوسرے نے ڈیڑھ ہزار کی گواہی دی تو یہ گواہی قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ عورت کا مقصود عقد خلع کو ثابت کرنا ہے۔ اور گواہوں کے بدل خلع میں اختلاف کرنے کی وجہ سے عقد خلع مختلف ہو گیا۔ اور کسی بھی عقد خلع پر چونکہ نصاب شہادت پورا نہیں ہوا۔ اس لئے

دونوں گواہوں میں سے کسی کی گواہی قبول نہ ہوگی۔

چوتھے مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ غلام نے اپنے مولیٰ پر اعتناق علی مال کا دعویٰ کیا اور مولیٰ اس کا منکر ہے پھر غلام نے اپنے دعویٰ پر دو گواہ پیش کئے مگر ایک نے گواہی دی کہ اعتناق کا عوض ایک ہزار ہے اور دوسرے نے گواہی دی کہ اعتناق کا عوض ڈیڑھ ہزار ہے، تو یہ گواہی قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ غلام کا مقصود عقد اعتناق علی مال کو ثابت کرنا ہے اور گواہوں کے مقدار مال میں اختلاف کرنے کی وجہ سے عقد اعتناق علی مال مختلف ہو گیا۔ اور کسی بھی عقد اعتناق پر چونکہ نصاب شہادت موجود نہیں ہے۔ اس لئے کسی کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ اور پانچویں مسئلہ کی تفصیل یہ ہے کہ قاتل نے اولیائے مقتول پر صلح عن دم العمد کا دعویٰ کیا اور اولیائے مقتول نے اس کا انکار کیا پھر قاتل نے اپنے دعویٰ پر دو گواہ پیش کئے مگر ایک گواہ نے گواہی دی کہ بدل صلح ایک ہزار ہے اور دوسرے نے گواہی دی کہ بدل صلح ڈیڑھ ہزار ہے پس گواہوں کے اختلاف کرنے سے عقد صلح مختلف ہو گیا ہے اور کسی بھی عقد پر پورا نصاب شہادت موجود نہیں ہے۔ لہذا نصاب شہادت پورا نہ ہونے کی وجہ سے یہ شہادت بھی قبول نہ ہوگی۔ حاصل یہ کہ تینوں مسائل میں مدعی کا مقصود عقد کو ثابت کرنا ہے اور اس کی ضرورت بھی ہے اور گواہوں کے اختلاف کرنے سے عقد مختلف ہو گیا ہے اور کسی بھی عقد پر چونکہ نصاب شہادت موجود نہیں ہے اس لئے یہ شہادت مردود اور غیر مقبول ہوگی۔ ان تینوں مسائل میں اگر دعویٰ دوسری جانب سے ہو یعنی مولیٰ شوہر اور ولی مقتول کی جانب سے ہو۔ مثلاً مولیٰ نے دعویٰ کیا کہ میں نے ڈیڑھ ہزار پر تجھ کو آزاد کیا ہے۔ اور غلام کہتا ہے کہ ایک ہزار پر آزاد کیا بیٹا شوہر نے دعویٰ کیا کہ میں نے ایک ہزار پانچ سو روپیہ پر تجھ سے خلع کیا ہے اور عورت کہتی ہے کہ ایک ہزار پر خلع کیا ہے اور ولی مقتول نے کہا کہ میں نے تجھ سے ڈیڑھ ہزار پر صلح کی ہے اور قاتل کہتا ہے کہ ایک ہزار پر صلح کی ہے تو یہ ایسا ہے جیسا کہ ان حضرات نے قرضہ کا دعویٰ کیا ہو۔ کیونکہ صاحب حق یعنی ولی مقتول کے اعتراف کرنے سے غفو ثابت ہو گیا اور مولیٰ کے اعتراف کرنے سے عتق ثابت ہو گیا اور شوہر کے اعتراف کرنے سے طلاق ثابت ہو گئی۔ پس جب یہ چیزیں محض اعتراف کرنے سے ثابت ہو گئیں تو ان حضرات کی طرف سے محض دین اور قرض کا دعویٰ باقی رہا اور قرض میں وہ تمام صورتیں جاری ہوں گی جو شروع باب میں ذکر کی گئیں ہیں مثلاً مدعی یعنی مولیٰ، زوج اور ولی مقتول نے اگر ایک ہزار یا پانچ سو کا دعویٰ کیا ہے اور گواہوں نے ایک ہزار اور ایک ہزار پانچ سو کیساتھ اختلاف کیا تو ایک ہزار پر بالاتفاق گواہی قبول کر لی جائے گی اور اگر دو ہزار کا دعویٰ کیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک یہ گواہی قبول نہ ہوگی۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک ایک ہزار پر قبول کر لی جائیگی اور اگر ان حضرات نے اقل مالین یعنی ایک ہزار کا دعویٰ کیا اور گواہوں نے اختلاف کیا تو تکذیب، توفیق اور سکوت کی صورتوں کا اعتبار کیا جائیگا یعنی اگر مدعی نے زائد کے بارے میں اپنے گواہ کی تکذیب یا زائد کے بارے میں سکوت کیا تو یہ گواہی رد ہو جائے گی اور اس سے مال کی کوئی مقدار ثابت نہ ہوگی اور اگر مدعی کے قول اور گواہ کی گواہی میں توفیق، بیان ممکن ہو تو اس گواہی کو قبول کر لیا جائے گا ان صورتوں کی تفصیل اگر ذہن میں نہ ہو تو شروع باب میں ملاحظہ کر لیا جائے۔

چہاں مسئلہ دین کا ہے چنانچہ اگر راہن مدعی ہو یعنی راہن نے دعویٰ کیا کہ فلاں کے پاس میرا فلاں سامان رہن ہے اور مرتہن اس کا منکر ہے پھر راہن نے گواہ پیش کئے تو ایک گواہ نے کہا کہ فلاں مرتہن کے پاس فلاں سامان ایک ہزار دین کے عوض رہن رکھا گیا ہے اور دوسرے گواہ نے کہا کہ ڈیڑھ ہزار کے عوض رکھا گیا ہے تو راہن کا یہ بینہ قبول نہ ہوگا کیوں کہ دین اداء کرنے سے پہلے راہن کا شئی مرہون میں کوئی حصہ نہیں ہوتا چنانچہ ادائے دین سے پہلے راہن اگر شئی مرہونہ کو واپس لینا چاہے تو اسکو یہ حق نہ ہوگا پس جب ادائے دین سے پہلے راہن کو شئی مرہونہ واپس لینے کا حق نہیں ہے تو اس کا دعویٰ غیر مفید ہوگا اور جب اس کا دعویٰ غیر مفید ہے تو وہ نہ ہونے کے درجہ میں ہوگا گویا دعویٰ نہیں پایا گیا اور جب دعویٰ نہیں پایا گیا تو راہن کی طرف سے پیش کردہ شہادت بغیر دعوے کے رسی اور پہلے نزر چکا ہے کہ بغیر دعوے کے کوئی شہادت قبول نہیں ہوتی ہے لہذا راہن کی طرف سے پیش کردہ یہ شہادت بھی قبول نہ ہوگی اور اگر مرتہن مدعی ہو یعنی مرتہن نے دعویٰ کیا کہ فلاں مرہون سامان کے عوض فلاں پر میرا اسقدر قرض ہے اور راہن اس کا منکر ہے پھر مرتہن نے گواہ پیش کئے اور گواہوں نے اختلاف کیا ایک نے دین کی مقدار ایک ہزار بتلائی دوسرے نے ڈیڑھ ہزار بیان کی تو اقل مالین یعنی ایک ہزار پر یہ گواہی قبول کر لی جائے گی اس کی دلیل یہ ہے کہ مرتہن کو چونکہ شئی مرہونہ واپس کر کے عقد رہن توڑنے کا

ہر وقت اختیار ہے اس لئے مرتہن کے حق میں عقد رہن غیر لازم ہوگا اور جب عقد رہن مرتہن کے حق میں غیر لازم ہے تو عقد رہن عدم کے درجہ میں ہوگا۔ اور مرتہن کی طرف سے صرف دین کا دعویٰ معتبر ہوگا گویا مرتہن نے راہن پر دین کا دعویٰ کیا ہے اور دین کی صورت میں گواہوں کے ایک ہزار اور ڈیڑھ ہزار کے اختلاف کیساتھ اقل یعنی ایک ہزار پر گواہی قبول کر لی جاتی ہے جیسا کہ سابق میں گزرا لہذا یہاں بھی ایک ہزار پر گواہی قبول کر کے مرتہن کے لئے ایک ہزار کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اور راہن دین کے ضمن میں ایک ہزار کے عوض ثابت ہو جائے گا۔

ساتواں مسئلہ اجارہ کا ہے لیکن اس کی دو صورتیں ہیں۔ آجر (اجرت پر دینے والا) اور مستأجر (اجرت پر لینے والا) کے درمیان اجرت کی مقدار میں اجارہ کی اول مدت میں اختلاف ہوگا یا مدت اجارہ گزر جانے کے بعد اختلاف ہوگا یہ اختلاف اگر اول مدت میں ہوا تو یہ بیع کی نظیر ہوگی یعنی جس طرح بیع میں گواہوں کے اختلاف کرنے سے ان کی شہادت قبول نہیں ہوتی اسی طرح اجارہ میں بھی اختلاف شاہدین کی وجہ سے ان کی شہادت قبول نہ ہوگی۔ کیوں کہ اس صورت میں عقد اجارہ کو ثابت کرنا مقصود ہے اور عقد اجارہ اختلاف اجرت کی وجہ سے مختلف ہو گیا ہے کیوں کہ ایک گواہ نے گواہی دی کہ مقدار اجرت ایک ہے اور ایک نے کہا کہ مقدار اجرت ڈیڑھ ہزار ہے پس اس اختلاف کی وجہ سے عقد اجارہ ایک نہ رہا بلکہ دو ہو گئے ایک ایک ہزار کے عوض دوسرا ڈیڑھ ہزار کے عوض اور چونکہ شئی نصاب شہادت موجود نہیں ہے اس لئے یہ شہادت قبول نہ ہوگی اور اجارہ ثابت نہ ہوگا اور اگر یہ اختلاف مدت اجارہ گزر جانے کے بعد ہوا تو اس کی بھی دو صورتیں ہیں مدعی آجر اجرت پر دینے والا ہوگا یا مستأجر اجرت پر لینے والا ہوگا۔ اگر مدعی آجر ہے اور اس نے اکثر یعنی ڈیڑھ ہزار کا دعویٰ اجرت کیا ہے اور شاہدین نے ایک ہزار اور ڈیڑھ ہزار کے ساتھ اختلاف کیا ہے تو اقل مالین یعنی ایک ہزار پر شہادت قبول کر لی جائیگی اور آجر کے لئے ایک ہزار کا فیصلہ کر دیا جائیگا اس لئے کہ جب مدت اجارہ گزر گئی تو صرف اجرت کی مقدار میں جھگڑا رہا اور یہ ایسا ہو گیا جیسے ایک شخص نے دوسرے پر ڈیڑھ ہزار کا دین کا دعویٰ کیا ہو لیکن گواہوں میں سے ایک نے ایک ہزار کی گواہی دی اور ایک نے ڈیڑھ ہزار کی گواہی دی۔ تو ایک ہزار پر گواہی قبول کر لی جاتی ہے۔ اسی طرح یہاں بھی چونکہ آجر کی طرف سے محض دین کا دعویٰ ہے اس لئے ایک ہزار پر گواہی قبول ہو جائے گی۔ اور اگر مدعی، مستأجر ہے اور آجر منکر ہے تو اس نے جس قدر کا اعتراف کیا ہے وہی اجرت قرار پائے گی۔ اور شاہدین کا اتفاق یا اختلاف اس پر اثر انداز نہ ہوگا کیونکہ مستأجر نے اگر اکثر یعنی ڈیڑھ ہزار کا اقرار کیا ہے تو آجر اور مستأجر کے درمیان کوئی جھگڑا ہی نہ ہوگا۔ اور اگر ایک ہزار کا اقرار کیا ہے تو آجر مینہ کے ذریعہ بھی ایک ہزار سے زائد نہ لے سکے گا۔ کیوں کہ آجر کی طرف سے ڈیڑھ ہزار کا دعویٰ ہوگا اور اس پر مینہ پیش کریگا۔ اور گواہوں میں اختلاف ہوگا تو پہلے گزر چکا کہ اس صورت میں اقل یعنی ایک ہزار پر مینہ قبول کیا جائے گا۔ لہذا یہاں بھی مستأجر کی اقرار کردہ مقدار اجرت واجب ہوگی خواہ قلیل ہو یا کثیر ہو۔

مقدار مہر میں گواہوں کی گواہی میں اختلاف کا حکم

قَالَ فَأَمَّا النِّكَاحُ فَإِنَّهُ يَجُوزُ بِالْفِ إِنْ حَسَنًا وَقَالَ هَذَا بَاطِلٌ فِي النِّكَاحِ أَيْضًا ذَكَرَ فِي الْأَمَالِيِّ قَوْلَ أَبِي يُونُسَ مَعَ قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَلَهُمَا أَنَّ هَذَا اخْتِلَافٌ فِي الْعَقْدِ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ مِنَ الْجَانِبَيْنِ السَّبَبُ فَاشْبَهَ الْبَيْعَ وَلَا بِيَّ حَنِيفَةَ أَنَّ الْمَالَ فِي النِّكَاحِ تَابِعٌ وَالْأَصْلُ فِيهِ الْحِلُّ وَالْأَزْدِ وَاجٍ وَالْمِلْكُ وَلَا اخْتِلَافٌ فِيمَا هُوَ الْأَصْلُ فَيُثَبَّتُ ثُمَّ إِذَا وَقَعَ الْاخْتِلَافُ فِي التَّبَعِ يُقْضَى بِالْأَقْلَ لِاتِّفَاقِهِمَا عَلَيْهِ وَيَسْتَوِي دَعْوَى أَقْلَ الْمَالَيْنِ أَوْ أَكْثَرِهِمَا فِي الصَّحِيحِ ثُمَّ قِيلَ الْاخْتِلَافُ فِيمَا إِذَا كَانَتِ الْمَرْأَةُ هِيَ الْمُدَّعِيَّةُ وَفِيمَا إِذَا كَانَ الْمُدَّعِي هُوَ الزَّوْجُ إِجْمَاعٌ عَلَى أَنَّهُ لَا تَقْبَلُ لِأَنَّ مَقْصُودَهَا قَدْ يَكُونُ الْمَالَ وَمَقْصُودُهُ لَيْسَ إِلَّا الْعَقْدُ وَقِيلَ الْخِلَافُ فِي الْفَصْلَيْنِ وَهَذَا أَصَحُّ وَالْوَجْهُ مَا ذَكَرْنَاهُ

ترجمہ..... اور ہا نکاح تو (ابوحنیفہؒ کے نزدیک) وہ استحساناً ایک ہزار روپیہ کے عوض جائز ہو جائے گا۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ یہ گواہی نکاح میں بھی باطل ہے اور امالی میں امام ابو یوسفؒ کے قول کو امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ اور صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ اختلاف عقد میں ہے۔ کیونکہ دونوں طرف سے سبب ہی مقصود ہے پس بیع کے مشابہ ہو گیا۔ اور ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ نکاح میں مال تو تابع ہوتا ہے اور اصل میں حلت، ازدواج اور ملک بضع ہے اور جو چیز اصل ہے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ پس اصل ثابت ہو جائے گا۔ پھر جب تابع میں اختلاف ہو تو اقل مال کا فیصلہ کیا جائے گا۔ کیونکہ دونوں گواہ اقل مال پر متفق ہیں اور دعویٰ اقل مالین کا ہو یا اکثر مالین کا صحیح قول میں دونوں برابر ہیں پھر کہا گیا کہ اختلاف اس صورت میں ہے جب عورت مدعیہ ہو۔ اور اس صورت میں جبکہ مدعی شوہر ہو اس پر اجماع ہے کہ شہادت قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ عورت کا مقصود کبھی مال ہوتا ہے اور شوہر کا مقصود صرف عقد ہوتا ہے۔ اور کہا گیا کہ اختلاف دونوں صورتوں میں ہے اور یہی اصح ہے اور اس کی وجہ وہ ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

تشریح..... مذکورہ آٹھ مسائل میں سے آٹھواں مسئلہ نکاح کا ہے اس کی صورت یہ ہے کہ عورت مدعی ہے کہ میرا نکاح فلاں کیساتھ ڈیڑھ ہزار روپیہ پر ہوا۔ لیکن شوہر نے کہا کہ ایک ہزار روپیہ پر نکاح ہوا۔ پھر عورت نے گواہ پیش کئے تو ایک گواہ نے ایک ہزار روپیہ کے عوض نکاح کی گواہی دی۔ اور ایک نے کہا کہ مہر ڈیڑھ ہزار روپیہ مقرر کیا گیا تھا، تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ نکاح ایک ہزار روپیہ پر استحساناً جائز ہو جائے گا۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ یہ گواہی نکاح میں بھی باطل ہے یعنی نہ شہادت قبول ہوگی اور نہ نکاح کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اور امالی میں ابو یوسفؒ کا قول، حضرت امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ذکر کیا ہے یعنی استحساناً امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بھی نکاح جائز ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ میاں بیوی دونوں کا مقصود سبب یعنی عقد نکاح کو ثابت کرنا ہے اور گواہوں کے اختلاف کی وجہ سے عقد نکاح مختلف ہو گیا یا اس طور کہ ایک ہزار روپیہ کے عوض نکاح اور ہے اور ڈیڑھ ہزار روپیہ کے عوض اور ہے اور کسی پر شہادت کا نصاب موجود نہیں ہے۔ لہذا نہ ایک ہزار کے عوض نکاح جائز ہوگا اور نہ ڈیڑھ ہزار کے عوض جائز ہوگا۔ اور عقد نکاح میں گواہوں کا یہ اختلاف عقد بیع میں اختلاف کے مشابہ ہو گیا ہے یعنی جس طرح عقد بیع میں گواہوں کے ایک ہزار اور ڈیڑھ ہزار کے ساتھ اختلاف کرنے کی وجہ سے شہادت قبول نہیں ہوتی۔ اور بیع درست نہیں ہوتی۔ اسی طرح عقد نکاح میں گواہوں کے اختلاف کرنے کی وجہ سے نہ شہادت قبول ہوگی اور نہ عقد نکاح جائز ہوگا۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ گواہوں کا اختلاف مقدار، مہر یعنی مال میں ہے اور مال، نکاح کے اندر تابع ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نکاح کے وقت اگر مہر کا ذکر بالکل نہ کیا گیا ہو تب بھی نکاح درست ہو جاتا ہے۔ بہر حال مال نکاح کے اندر تابع ہے۔ اور تابع کے اندر اختلاف کرنے سے اصل (عقد نکاح) کے اندر اختلاف کرنا لازم نہیں آتا۔ پس جب تابع یعنی مال کے اندر اختلاف کرنے سے اصل یعنی عقد نکاح کے اندر اختلاف کرنا لازم نہیں آتا تو اصل یعنی عقد نکاح ثابت ہو جائے گا۔ اور عقد نکاح پر گواہی قبول کر لی جائے گی۔

دوسری دلیل..... یہ ہے کہ نکاح کے اندر اصل ملک بضع کا حلال ہونا، زوجیت کا ثابت ہونا اور بضع کا مالک ہونا ہے۔ کیونکہ نکاح انھیں مقاصد کے لئے مشروع ہوا ہے اور ہا مال یعنی شوہر پر مہر کا لازم ہونا تو وہ بضع کی شرافت کو ظاہر کرنے کے لئے ہے کیونکہ شوہر کو مفت، بضع کا مالک بنانے سے بضع کی شرافت ختم ہو جاتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ نکاح کے اندر مال اصل نہیں بلکہ تابع ہے اور گواہوں نے اصل میں کوئی اختلاف نہیں کیا بلکہ تابع یعنی مال کی مقدار میں اختلاف کیا ہے کہ ایک نے ایک ہزار کی گواہی دی اور ایک نے ڈیڑھ ہزار کی گواہی دی پس جس میں کوئی اختلاف نہیں یعنی عقد نکاح وہ تو ثابت ہو جائے گا۔ اور جس میں اختلاف ہے یعنی تابع اس میں اقل یعنی ایک ہزار کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ کیونکہ ایک ہزار پر دونوں متفق ہیں۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ مدعی نے کم مال کا دعویٰ کیا ہو یا زیادہ کا دعویٰ کیا ہو صحیح قول میں دونوں برابر ہیں۔ یعنی دونوں صورتوں میں کم مال پر فیصلہ دیا جائے گا۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ بعض مشائخ کا قول یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ عورت کا مقصود کبھی مال یعنی مہر ہوتا ہے لیکن شوہر کا مقصود صرف عقد نکاح ہوتا ہے۔ پس جب شوہر مدعی ہوگا تو اس کا مقصود فقط نکاح کو ثابت کرنا ہوگا اور گواہوں میں چونکہ اختلاف ہے اس لئے عقد نکاح ثابت نہ ہوگا اور شہادت قبول نہ ہوگی۔ اور جب عورت مدعیہ ہے تو اس صورت میں چونکہ

مال مقصود ہے اس لئے گواہوں کا اختلاف بھی مال کی مقدار میں ہوگا نہ کہ اصل نکاح میں اور جب اصل نکاح میں اختلاف نہیں ہے تو اصل نکاح ثابت ہو جائے گا۔ اور مال کی مقدار میں چونکہ اختلاف ہے اس لئے اقل مقدار پر فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اور بعض مشائخ نے کہا کہ دونوں صورتوں میں اختلاف ہے مدعی خواہ عورت ہو خواہ شوہر ہو۔ اور یہی زیادہ صحیح ہے اور فریقین کے دلائل سابق میں گزر چکے ہیں۔ جمیل احمد عفی عنہ،

فصل فی الشہادۃ علی الارث

ترجمہ..... یہ فصل میراث پر گواہی دینے کے بیان میں ہے

تشریح..... اب تک شہادت کے ان احکام کا ذکر تھا جو زندوں کے ساتھ متعلق ہیں اور اس فصل میں ان احکام کا بیان ہے جو مردوں کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں۔ موت چونکہ وجود احویات کے بعد ہوتی ہے اس لئے میت سے متعلق شہادت کا بیان بھی بعد میں کیا گیا ہے۔

مدعی نے دعویٰ کیا کہ مکان اس کے باپ کا ہے اور قابض کو عاریۃ یا ودیعتاً دیا تھا تو مدعی کے لئے باپ کے فوت ہونے پر گواہ پیش کرنا ضروری نہیں ہیں

قَالَ وَمَنْ أَقَامَ بَيِّنَةً عَلَى دَارِ أَنْهَا كَانَتْ لِأَبِيهِ أَعَارَهَا أَوْ أَدْعَاهَا الَّذِي هِيَ فِي يَدِهِ فَإِنَّهُ يَأْخُذُهَا وَلَا يُكَلِّفُ الْبَيِّنَةَ أَنَّهُ مَاتَ وَتَرَكَهَا مِيرَاثًا لَهُ وَأَصْلُهُ أَنَّهُ مَتَى ثَبَتَ الْمِلْكُ لِلْمُورِثِ لَا يُقْضَى بِهِ لِلْوَارِثِ حَتَّى يَشْهَدَ الشُّهُودُ أَنَّهُ مَاتَ وَتَرَكَهَا مِيرَاثًا لَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ هُوَ يَقُولُ إِنَّ مِلْكَ الْوَارِثِ مِلْكُ الْمُورِثِ فَصَارَتِ الشَّهَادَةُ بِالْمِلْكِ لِلْمُورِثِ شَهَادَةً بِهِ لِلْوَارِثِ وَهُمَا يَقُولَانِ إِنَّ مِلْكَ الْوَارِثِ مُتَّحِدٌ فِي حَقِّ الْعَيْنِ حَتَّى يَجِبَ عَلَيْهِ الْإِسْتِبْرَاءُ فِي الْجَارِيَةِ الْمُورُوثَةِ وَيَحِلُّ لِلْوَارِثِ الْعَيْنِي مَا كَانَ صَدَقَةً عَلَى الْمُورِثِ الْفَقِيرِ فَلَا بُدَّ مِنَ النَّقْلِ إِلَّا أَنَّهُ يُكْفَى بِالشَّهَادَةِ عَلَى قِيَامِ مِلْكَ الْمُورِثِ وَقَدْ ثَبُوتِ الْإِنْتِقَالِ ضَرُورَةٌ وَكَذَا عَلَى قِيَامِ يَدِهِ عَلَى مَا نَذَرْنَاهُ أَنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى وَقَدْ وَجَدَتِ الشَّهَادَةُ عَلَى الْيَدِ فِي مَسْأَلَةِ الْكِتَابِ لِأَنَّ يَدَ الْمُسْتَعِيرِ وَالْمُودِعِ وَالْمُسْتَأْجِرِ قَائِمَةٌ مَقَامَ يَدِهِ فَاعْنَى ذَلِكَ عَنِ الْحِجْرِ وَالنَّقْلِ

ترجمہ..... اور اگر کسی نے مکان کی بابت یہ بینہ قائم کیا کہ یہ مکان اس کے (مدعی کے) باپ کا تھا۔ اس نے قابض کو عاریۃ یا ودیعتاً پر دیا تھا تو مدعی اس مکان کو لے لیگا۔ اور اس بات پر بینہ کی تکلیف نہ دی جائے گی کہ اس کا باپ مر گیا اور یہ مکان اس کے لئے میراث چھوڑا ہے اور اس کا ضابطہ یہ ہے کہ بٹرفین کے نزدیک جب ملک مورث کے لئے ثابت ہوگی تو اس ملک کا وارث کے لئے حکم نہیں دیا جائیگا یہاں تک کہ گواہ اس بات کی گواہی دیں کہ مورث مر گیا اور اس نے وارث کے لئے یہ چیز چھوڑی ہے (اس میں) امام ابو یوسف کا اختلاف ہے وہ فرماتے ہیں کہ وارث کی ملک ہی مورث کی ملک تھی پس مورث کے لئے ملکیت کی گواہی دینا وارث کے لئے ملکیت کی گواہی ہوگی اور طرفین فرماتے ہیں کہ وارث کی ملک مال عین کے حق میں جدید ہوتی ہے حتیٰ کہ باریہ مورث میں وارث پر استبراء کرنا واجب ہے اور مورث فقیر پر جو چیز صدقہ تھی۔ مالدار وارث کے لئے حلال ہے پس ملک کا منتقل ہونا ضروری ہے مگر یہ کہ مورث کی موت کے وقت مورث کی ملکیت قائم ہونے کی گواہی پر اکتفا کیا جائے گا کیونکہ انتقال ضروری ثابت ہے اور اسی طرح اس کے قبضہ کے قیام پر چنانچہ ہم انشاء اللہ اسکو ذکر کریں گے اور مسئلہ کتاب میں مورث کے قبضہ کی گواہی پائی گئی اس لئے کہ مستعیر، مودع اور مستأجر کا قبضہ مورث کے قبضہ کے قائم مقام ہے پس مدعی کے باپ کے قبضہ نے منتقل ہونے کی شہادت سے بے نیاز کر دیا۔

تشریح صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص مثلاً عارف نے اس بات پر بینہ قائم کیا کہ فلاں مکان میرے باپ کا تھا اس نے قابض کے پاس ودیعت لورامانت رکھا تھا یا اس کو عاریۃ دیا تھا یا اس کو کرایہ پر دیا تھا تو یہ مدعی جس نے بینہ پیش کیا ہے یعنی عارف اس بینہ کی وجہ سے اس مکان کو لے لیا یعنی قاضی مدعی کی واسطے مکان کا فیصلہ کر دیگا اور مدعی یعنی عارف کو اس بات کی تکلیف نہیں دی جائے گی کہ وہ اس پر بینہ پیش کرے کہ اس کا باپ مر گیا ہے اور یہ مکان اس کے لئے بطور میراث چھوڑا ہے یہ حکم امام صاحب اور صاحبین کے درمیان متفق علیہ ہے لیکن تخریج میں اختلاف ہے صاحب ہدایہ نے کہا کہ میراث کی شہادت کے سلسلے میں طرفین کے نزدیک ضابطہ یہ ہے کہ جب مورث (میت) کے لئے ملکیت ثابت ہوگئی تو اس ملکیت کا حکم وارث کے لئے نہیں کیا جائیگا۔ بلکہ گواہوں کے ذریعہ وارث کو یہ ثابت کرنا پڑیگا کہ اس کا مورث مثلاً باپ مر چکا ہے اور اس نے میرے لئے یہ چیز مثلاً مکان میراث کے طور پر چھوڑا ہے گویا طرفین کے نزدیک وارث کو دو شہادتیں پیش کرنی پڑیں گی ایک شہادت کے ذریعہ مورث مثلاً باپ کی ملکیت ثابت کر لے گا اور دوسری شہادت کے ذریعہ مورث کی موت اور اپنے لئے اس چیز مثلاً مکان کا میراث ہونا ثابت کریگا اور اس ضابطہ میں حضرت امام ابو یوسف کا اختلاف ہے چنانچہ قاضی ابو یوسف نے فرمایا کہ جب بینہ کے ذریعہ موت کی ملکیت ثابت ہوگئی تو وارث کی ملکیت بھی ثابت ہوگئی کیونکہ جو مورث کی ملکیت تھی وہ وارث کی ملکیت ہے پس جس گواہی سے مورث کی ملکیت ثابت ہوگئی ہے اسی گواہی سے وارث کی ملکیت بھی ثابت ہوگئی وارث کی ملکیت ثابت کرنے کے لئے کسی علیحدہ شہادت کی ضرورت نہیں ہے اس ضابطہ کی رو سے امام ابو یوسف کے نزدیک متن کا مسئلہ بالکل واضح ہے یعنی جس بینہ کے ذریعہ مدعی یعنی عارف کا باپ یعنی مورث کے لئے مکان کا مالک ہونا ثابت کیا گیا ہے اسی بینہ کے ذریعہ وارث یعنی عارف کا بطور میراث مالک مکان ہونا ثابت ہو جائیگا۔ وارث کی ملکیت ثابت کرنے کے لئے کسی علیحدہ بینہ کی قطعاً ضرورت نہیں ہے لیکن طرفین کے نزدیک بظاہر متن کے مسئلہ اور ان کے بیان کردہ ضابطہ میں تخالف ہے بایں طور کہ طرفین کے نزدیک ضابطہ تو یہ ہے کہ دو بینہ درکار ہیں ایک مورث کی ملکیت ثابت کرنے کے لئے اور دوسرا وارث کی ملکیت ثابت کرنے کے لئے اور متن کے مسئلہ میں ایک ہی بینہ کو کافی سمجھا گیا ہے چنانچہ فرمایا ”ولا یکلف البینۃ“ یعنی وارث کو دوسرے بینہ کی زحمت نہیں دیجائیں اس کا جواب یہ ہے کہ ضابطہ تو یہی ہے کہ وارث دو شہادتیں پیش کریگا ایک مورث کی ملکیت ثابت کرنے کے لئے دوسری اپنی ملکیت ثابت کرنے کے لئے مگر اس مسئلہ میں ایک ہی شہادت کافی ہو جائے گی۔ ضابطہ کے مطابق دو شہادتوں کی ضرورت اس لئے ہے کہ جس مال عین میں میراث ثابت ہوئی اس میں وارث کی ملک نئی اور جدید ہوتی ہے چنانچہ جو باندی وارث کو میراث میں ملتی ہے وارث پر اس کا استبراء کرنا واجب ہے جیسے مشتری پر استبراء کرنا واجب ہوتا ہے اور جو چیز مورث فقیر کو بطور صدقہ دی گئی تھی وہ مالدار وارث کو حلال ہو جاتی ہے اگر وارث کی ملک جدید اور نئی نہ ہوتی تو نہ اس پر استبراء واجب ہوتا اور نہ وہ صدقہ کا مال حلال ہوتا پس جب وارث کی ملک جدید اور نئی ہے تو مورث کی طرف ملک کا منتقل ہونا ضروری ہے یعنی دوسرا بینہ اس بات کی گواہی دے کہ مورث مر گیا ہے اور اس نے میراث میں یہ چیز چھوڑی ہے حاصل یہ کہ پہلے بینہ سے مورث کی ملک ثابت ہوگی اور دوسرے بینہ سے اس ملک کا مورث سے وارث کی طرف منتقل ہونا ثابت ہوگا۔ اس ضابطہ پر متن کے مسئلہ کے علاوہ اور بہت سے مسائل متفرع ہیں اور متن کے مسئلہ میں ایک شہادت پر اکتفاء اس لئے کیا جائے گا کہ جب مورث کی موت کی وقت مورث کی ملکیت موجود ہونے پر شہادت دی گئی تو مورث کی موت کے وقت مورث کی ملکیت ثابت ہوگئی۔ اور جب مورث کی موت کے وقت مورث کی ملکیت شہادت سے ثابت ہوگئی تو اس کے مرتے ہی وہ ملکیت غیر اختیاری طور پر وارث کی طرف منتقل ہو جائے گی۔ پس جب ملکیت خود بخود وارث کی طرف منتقل ہوگئی تو اس کو ثابت کرنے کے لئے بینہ پیش کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اور جب بینہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں رہی تو صرف مورث کی ملکیت ثابت کرنے کیلئے ایک بینہ کافی ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر مورث کی موت کے وقت بینہ کے ذریعہ کسی چیز پر اس کا قبضہ ثابت کر دیا گیا تو قبضہ ثابت کرنے سے اس کی ملک ثابت ہو جائے گی اور مورث کی ملک ثابت ہونے کے بعد مورث کے مرتے ہی وہ ملک وارث کی طرف خود بخود منتقل ہو جائے گی۔ حاصل یہ کہ مورث کے قبضہ کو بینہ سے ثابت کرنے کے بعد نہ اس کی ملک پر بینہ پیش کرنے کی ضرورت ہے اور نہ وارث کی طرف منتقل ہونے پر بینہ پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ اس

کی پوری تفصیل کسی دوسرے موقع پر ذکر کریں گے۔

متن کے مسئلہ میں بھی مورث کے قبضہ پر گواہی پائی گئی اس طور پر کہ متن کے مسئلہ میں مستعیر (عاریہ پر لینے والے) مودع (امین) اور مستاجر (اجرت پر لینے والے) کا قبضہ بینہ کے ذریعہ ثابت ہو گیا ہے اور ان تینوں حضرات کا قبضہ مورث کے قبضہ کے قائم مقام ہے یعنی مستعیر، مودع اور مستاجر کے قبضہ کو ثابت کرنا درحقیقت مورث کے قبضہ کو ثابت کرنا ہے اور جب مورث کا قبضہ ثابت ہو گیا تو اس کی ملک بھی ثابت ہو گئی اور جب مورث یعنی مدعی (عارف) کے باپ کی ملک ثابت ہو گئی تو وہ ملک مورث کے مرتے ہی خود بخود وارث یعنی عارف کی طرف منتقل ہو جائے گی، وارث کی ملک کو ثابت کرنے کے لئے کسی بینہ کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

گواہوں نے یہ گواہی دی کہ مکان پر مدعی یعنی وارث کے باپ کا قبضہ موت

تک رہا اور مکان موت تک اس کے قبضہ میں تھا یہ شہادت جائز ہے

وَأَنَّ شَهِدُوا أَنَّهَا كَانَتْ فِي يَدِ فُلَانٍ مَاتَ وَهِيَ فِي يَدَيْهِ جَازَتْ الشَّهَادَةُ لِأَنَّ الْأَيْدِيَ عِنْدَ الْمَوْتِ تَنْقَلِبُ يَدَ بَلَدٍ بِوَاسِطَةِ الصَّمَانِ وَالْأَمَانَةُ تَصِيرُ مَضْمُونَةً بِالتَّجْهِيلِ فَصَارَ بِمَنْزِلَةِ الشَّهَادَةِ عَلَى قِيَامِ مَلِكِهِ وَقَتِ الْمَوْتِ

ترجمہ..... اور اگر لوگوں نے یہ گواہی دی کہ یہ مکان فلاں کے قبضہ میں تھا اس حال میں مرا کہ یہ مکان اس کے قبضہ میں موجود تھا تو یہ گواہی جائز ہے اس لئے کہ موت کے وقت جو قبضہ ہے وہ بواسطہ ضمان کے بدل کر ملک کا قبضہ ہو جاتا ہے اور امانت مجہول چھوڑنے سے مضمون ہو جاتی ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ موت کی مدت مدعی کے باپ کی ملک موجود ہونے پر گواہی ہو۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ گرا گواہوں نے یہ گواہی دی کہ اس مکان پر مدعی یعنی وارث کے باپ کا قبضہ موت تک رہا اور وہ اس حال میں مرا کہ مکان اس کے قبضہ میں تھا تو یہ شہادت جائز ہے اور اس شہادت کے نتیجہ میں وارث اس مکان کا مالک ہو جائے گا۔ مورث یعنی مدعی کے باپ کے قبضہ کی تین صورتیں ہیں۔

۱۔ یہ کہ اس کا قبضہ مالکانہ تھا۔ ۲۔ یہ کہ اس کا قبضہ غاصبانہ تھا۔ ۳۔ یہ کہ اس کا قبضہ بطور امانت تھا۔

پہلی صورت..... میں تو بلا تردد مورث کی مملو کہ چیز اس کے بیٹے کی ملک میں منتقل ہو جائے گی۔ کیونکہ مورث کے مرتے ہی اس کی تمام مملو کہ چیزیں اس کے ورثاء کی طرف ملک میں منتقل ہو جاتی ہے۔

دوسری صورت..... میں مورث کا قبضہ چونکہ غاصبانہ تھا اس لئے مورث کے مرنے سے شےء مغضوب اس پر مضمون ہو گئی اور غاصب پر جب شےء مغضوب کا ضمان واجب ہو جاتا ہے تو غاصب اس کا مالک ہو جاتا ہے۔ پس جب غاصب یعنی مورث ضمان واجب ہو جانے سے شےء مغضوب کا مالک ہو گیا تو مورث کے مرنے کے بعد وارث اس کا مالک ہو جائے گا۔

تیسری صورت..... میں مورث کا قبضہ اگرچہ بطور امانت تھا لیکن جب اس نے یہ بیان نہیں کیا کہ یہ کس کی امانت ہے اور یوں ہی مجہول چھوڑ کر مر گیا تو یہ مورث آخرت میں اس کا ضمان ہو گا اور مورث جب اس کا ضمان ہوا تو یہ اپنی ملک چھوڑ کر مرا اور مورث جب اپنی ملک چھوڑ کر مرتا ہے تو وارث اس کا مالک ہو جاتا ہے۔ لہذا اس وقت مورث کا قبضہ تھا خواہ قبضہ ملک ہو یا قبضہ غصب ہو یا قبضہ امانت ہو تو وارث اس شےء کا مالک ہو جائے گا۔ اور اس گواہی کی کوئی ضرورت نہیں کہ مورث کی ملکیت بھی قائم تھی لیکن یہ سب اس صورت میں ہے کہ مدعی کا وارث ہونا معدوم ہو۔

گواہوں نے کسی زندہ سے کہا کہ یہ مکان چند ماہ سے فلاں مدعی کے قبضہ میں تھا، گواہی قابل قبول ہوگی یا نہیں ؟

وَإِنْ قَالُوا لِرَجُلٍ حَتَّى نَشْهَدَ أَنَّهَا كَانَتْ فِي يَدِ الْمُدَّعَى مُنْذُ أَشْهُرٍ لَمْ تُقْبَلْ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهَا تُقْبَلُ لِأَنَّ الْيَدَ مَقْصُودَةٌ كَالْمِلْكِ وَلَوْ شَهِدُوا أَنَّهَا كَانَتْ مِلْكَهُ تُقْبَلُ فَكَذَا هَذَا وَصَارَ كَمَا إِذَا شَهِدُوا بِالْأَخْذِ مِنَ الْمُدَّعَى وَجْهَ الظَّاهِرِ وَهُوَ قَوْلُهُمَا إِنَّ الشَّهَادَةَ قَامَتْ بِمَجْهُولٍ لِأَنَّ الْيَدَ مُنْقَضِيَّةٌ وَهِيَ مُتَنَوِّعَةٌ إِلَى مِلْكٍ وَأَمَانَةٍ وَضَمَانٍ فَتَعَدَّرَ الْقَضَاءُ بِإِعَادَةِ الْمَجْهُولِ بِخِلَافِ الْمِلْكِ لِأَنَّهُ مَعْلُومٌ غَيْرُ مُخْتَلِفٍ وَبِخِلَافِ الْأَخْذِ لِأَنَّهُ مَعْلُومٌ وَحُكْمُهُ مَعْلُومٌ وَهُوَ جُوبُ الرَّدِّ وَلِأَنَّ يَدَ ذِي الْيَدِ مُعَايِنٌ وَيَدُ الْمُدَّعَى مُشْهُودٌ بِهِ وَلَيْسَ الْخَبَرُ كَالْمُعَايِنَةِ

ترجمہ..... اور اگر گواہوں نے کسی زندہ آدمی سے کہا کہ یہ مکان چند ماہ سے فلاں مدعی کے قبضہ میں تھا۔ تو یہ گواہی قبول نہ ہوگا۔ اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ یہ گواہی قبول ہوگی۔ اس لئے کہ ملک کی طرح قبضہ بھی مقصود ہوتا ہے۔ اور اگر گواہ یہ گواہی دیتے کہ یہ مکان اس کی ملک تھا تو قبول کر لی جائے گی۔ پس ایسے ہی قبضہ کی گواہی دیتے کی صورت میں بھی قبول کر لی جائے گی۔ اور یہ ایسا ہو گیا جیسے گواہوں نے مدعی سے لے لینے کی گواہی دی اور ظاہر الرویۃ میں جو طرفین کا قول ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ شہادت ایک مجہول قبضہ پر قائم ہوئی ہے اس لئے کہ مدعی کا قبضہ زائل ہو چکا ہے حالانکہ قبضہ تین طرح کا ہوتا ہے: قبضہ ملک، قبضہ امانت، قبضہ ضمان۔ پس مجہول قبضہ کے اعادہ کا حکم دینا مستعذر ہے برخلاف ملک کے اس لئے کہ وہ معلوم اور غیر مختلف ہے اور برخلاف لے لینے کے اس لئے کہ وہ معلوم ہے اور اس کا حکم معلوم ہے اور وہ واپس کرنے کا واجب ہوتا ہے اور اس لئے کہ قبضہ بعض کا قبضہ تو مشاہد ہے اور مدعی کے قبضہ کی گواہی دی گئی ہے حالانکہ خبر مشاہدہ کے مانند نہیں ہوتی۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک مکان ایک زندہ آدمی مثلاً خالد کے قبضہ میں ہے دوسرے آدمی مثلاً حامد نے دعویٰ کیا کہ یہ مکان میرا ہے اور مدعی علیہ (خالد) نے اس کا انکار کیا پھر مدعی یعنی حامد نے پینہ پیش کیا اور گواہوں نے یہ کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ مکان مدعی یعنی حامد کے قبضہ میں تھا تو یہ گواہی قبول نہ ہوگی اور اس گواہی کے نتیجہ میں یہ مکان مدعی کو واپس نہیں کرایا جائے گا۔ طرفین کا قول بھی یہی ہے اور ظاہر الرویۃ بھی یہی ہے اور حضرت امام ابو یوسفؒ سے روای ہے کہ مذکورہ گواہی قبول کر کے مکان مدعی کی طرف واپس کرایا جائے گا۔ متن راجل کے حسی کی قید اس لئے ذکر کی گئی ہے کہ اگر گواہ میت کے لئے یہ گواہی دیں کہ موت کے وقت کے مکان اس میت کے قبضہ میں تھا تو یہ گواہی بالاجماع قبول ہوگی اور یہ مکان وارث کی طرف منتقل ہو جائے گا۔ بہر حال مختلف فیہ مسئلہ میں امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ قبضہ اس طرح مقصود ہوتا ہے جس طرح ملک مقصود ہوتی ہے اور ملک کے بارے میں حکم یہ ہے کہ گواہ اگر یہ گواہی دیں کہ یہ مکان جو اس وقت مدعی علیہ یعنی خالد کے قبضہ میں ہے مدعی یعنی حامد کی ملک تھا تو یہ گواہی قبول ہوتی ہے اسی طرح جب گواہوں نے یہ گواہی دی کہ یہ مکان مدعی یعنی حامد کے قبضہ میں تھا تو بھی گواہی قبول ہوگی اور مکان مدعی کو واپس کرایا جائے گا اور یہ ایسا ہو گیا کہ جیسے گواہوں نے یہ گواہی دی کہ یہ مکان تو مدعی یعنی حامد کے قبضہ میں تھا لیکن مدعی علیہ جو اس وقت قابض ہے اس نے مدعی یعنی حامد سے لے لیا تھا تو اس صورت گواہی قبول کر لی جاتی ہے اور مکان مدعی کو واپس کر دیا جاتا ہے پس اسی طرح جب گواہ یہ گواہی دیں کہ یہ مکان مدعی یعنی حامد کے قبضہ میں تھا تو اس گواہی کو بھی قبول کر لیا جائے گا اور مکان مدعی کا واپس کر دیا جائے گا۔ ظاہر الرویۃ یعنی طرفین کے قول کی وجہ یہ ہے کہ فی الحال مدعی (حامد) کا قبضہ موجود نہیں ہے اور ماضی میں جس قبضہ کی گواہوں نے گواہی دی ہے وہ تین طرح کا ہو سکتا ہے

۱۔ مالکانہ قبضہ۔ یعنی یہ مکان مدعی کے قبضہ میں اس لئے ہو کہ مدعی اس کا مالک تھا۔

۲۔ امانت کا قبضہ۔ یعنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مکان مدعی کے قبضہ میں ودیعت اور امانت کے طور پر تھا۔

۳۔ ضمان کا قبضہ۔ یعنی یہ مکان مدعی کے قبضہ میں بطور غصب کے تھا یعنی مدعی نے غصب کر کے اس مکان پر قبضہ کر لیا تھا۔

بہر حال جب ایسا ہے تو مدعی کا قبضہ مجہول ہوا اور شہادت مجہول قبضہ پر قائم ہوئی حالانکہ مجہول چیز کے بارے میں قاضی کا حکم کرنا مستعذر ہے، پس جب مجہول چیز کے بارے میں قضائے قاضی مستعذر ہے تو قیام جہالت کے ساتھ اس قبضہ کے اعادہ کا حکم کرنا بھی مستعذر ہوگا۔ یعنی مدعی علیہ (قابض) کا قبضہ ختم کرا کر مدعی کو دوبارہ قبضہ نہیں دلایا جائے گا۔

بِخِلَافِ الْمَلِكِ..... الخ سے امام ابو یوسفؒ کے قیاس کا جواب ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ اگر گواہوں نے یہ گواہی دی کہ اس مکان کا مالک مدعی (حامد) ہے تو اس گواہی کو اس لئے قبول کر لیا جائے گا کہ ملک معلوم ہے غیر مختلف ہے یعنی ملک فقط ایک ہی طرح کی ہوتی ہے اگرچہ اس کے اسباب مختلف ہوتے ہیں پس جب ملک معلوم اور غیر مختلف ہے تو گواہی معلوم چیز پر قائم ہوئی اور جب گواہی معلوم چیز پر قائم ہوئی تو قاجی کا فیصلہ کرنا بھی ممکن ہے اور جب قاضی کا فیصلہ کرنا ممکن ہے تو قاجی مذکورہ گواہی کے نتیجہ میں یہ حکم کرے گا کہ یہ مکان مدعی (حامد) کا ہے لہذا اس کو مدعی کی طرف واپس کیا جائے۔

و بِخِلَافِ الْاِخْذِ..... الخ سے دوسرے قیاس کا جواب ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ جب گواہوں نے یہ گواہی دی کہ مدعی علیہ (قابض) نے یہ مکان مدعی سے لے لیا تھا یعنی غصب کر لیا تھا تو شہادت کے ذریعہ معلوم ہو گیا کہ مدعی علیہ کا یہ قبضہ غاصبانہ ہے اور اس کا حکم بھی معلوم ہے یعنی مدعی (منغوب منہ) کی طرف اس کا واپس کرنا واجب ہے، لہذا اس صورت میں بھی قاضی اس مکان کو مدعی کی طرف واپس کرنے کا حکم کرے گا۔

طرفین کی طرف سے دوسری دلیل..... یہ ہے کہ قابض یعنی مدعی علیہ کا قبضہ آنکھوں سے مشاہد ہے اور مدعی کے قبضہ کی فقط شہادت دی گئی ہے، اور شہادت ایک خبر ہے اور خبر مشاہدہ کے برابر ہرگز نہیں ہو سکتی ہے۔ کیونکہ مشاہدہ مفید یقین ہوتا ہے اور خبر مفید ظن ہوتی ہے... پس مشاہدہ کے ذریعہ جو قبضہ ثابت ہے وہ راجح ہوگا اور خبر یعنی شہادت کے ذریعہ جو قبضہ ثابت ہوا ہے وہ مرجوح ہوگا... اور ترجیح راجح کو حاصل ہوتی ہے نہ کہ مرجوح کو، لہذا مدعی علیہ یعنی قابض کے قبضہ کو ترجیح حاصل ہوگی اور مکان اسی کے قبضے میں رہے گا، مدعی کی طرف واپس نہیں کرایا جائے گا۔

مدعی علیہ قابض نے یہ اقرار کیا کہ یہ مکان مدعی کے قبضے میں تھا، یہ مکان مدعی کے قبضہ میں دیا جائے گا

وَإِنْ أَقَرَّ بِذَلِكَ الْمُدْعَى عَلَيْهِ دُفِعَتْ إِلَى الْمُدْعَى لِأَنَّ الْجَهَالََةَ فِي الْمَقَرِّ بِهِ لَا تَمْنَعُ صِحَّةَ الْإِقْرَارِ وَإِنْ شَهِدَ شَاهِدَانِ أَنَّ أَقَرَّ أَنَّهَا كَانَتْ فِي يَدِ الْمُدْعَى دُفِعَتْ إِلَيْهِ لِأَنَّ الْمَشْهُودَ بِهِ هُنَا الْإِقْرَارُ وَهُوَ مَعْلُومٌ.

ترجمہ..... اور اگر مدعی علیہ نے اس کا اقرار کیا تو یہ مکان مدعی کو واپس دلایا جائے گا۔ اس لئے کہ مقربہ کا مجہول ہونا اقرار کی صحت کو مانع نہیں ہے۔ اور اگر دو گواہوں نے یہ گواہی دی کہ مدعی علیہ نے یہ اقرار کیا ہے کہ یہ مکان مدعی کے قبضہ میں تھا تو یہ مکان مدعی کو واپس دلایا جائے گا اس لئے کہ اس جگہ مشہودہ اقرار ہے اور وہ معلوم ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مدعی علیہ (قابض) نے یہ اقرار کیا کہ یہ مکان مدعی کے قبضہ میں تھا تو یہ مکان مدعی کے قبضہ میں واپس دیا جائے گا، کیونکہ جس چیز کا اقرار کیا ہے اگر وہ مجہول ہو یعنی یہ معلوم نہ ہو کہ کس قسم کا قبضہ مدعی کو حاصل تھا تو بھی یہ اقرار صحیح ہے اور مقربہ کی جہالت صحت اقرار کے لئے مانع نہیں ہے لہذا مدعی علیہ کے اقرار کے موافق وہ مکان مدعی کو واپس دیا جائے گا اگرچہ اس سے مدعی کی ملکیت ثابت نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر دو گواہوں نے یوں گواہی دی کہ مدعی علیہ نے یہ اقرار کیا ہے کہ یہ مکان اس مدعی کے قبضہ میں تھا تو بھی مدعی کو واپس دلا دیا جائے گا کیونکہ گواہوں نے جس چیز کی گواہی دی ہے وہ اقرار ہے اور اقرار ایک معلوم چیز ہے اگرچہ مقربہ یعنی نوعیت قبضہ مجہول ہے۔ اور پہلے گزر چکا ہے

کہ مقررہ کی جہالت مانع اقرار نہیں ہے۔ لہذا اس صورت میں بھی گواہی کے موافق وہ مکان مدعی کو واپس دلایا جائے گا اگرچہ اس سے مدعی کی ملکیت ثابت نہ ہوگی۔

جلیل احمد عفی عنہ

باب الشَّہَادَةُ عَلَى الشَّہَادَةِ

ترجمہ..... یہ باب گواہی پر گواہی دینے کے بیان میں ہے

تشریح..... شہادت علی الشہادت چونکہ شہادت اصول کی فرع ہے اس لئے شہادت علی الشہادت کو مؤخر کیا گیا۔ کیونکہ اصل فرع پر مقدم ہوتا ہے۔ شہادت علی الشہادت کی صورت یہ ہے کہ اصل گواہ جنہوں نے معاملہ کا مشاہدہ کیا ہے یا براہ راست سنا ہے شہادت میں اپنا نائب بنا کر مجلس قاضی میں بھیج دیں۔

شہادت علی الشہادت کون سے حق پر دینا جائز ہے

قَالَ الشَّہَادَةُ عَلَى الشَّہَادَةِ جَائِزَةٌ فِي كُلِّ حَقٍّ لَا يَسْقُطُ بِالشُّبْهَةِ وَهَذَا إِسْتِحْسَانٌ لِشِدَّةِ الْحَاجَةِ إِلَيْهَا إِذْ شَهِدَ الْأَصْلُ قَدْ يَعْجِزُ عَنْ آدَاءِ الشَّہَادَةِ لِبَعْضِ الْعَوَارِضِ فَلَوْ لَمْ يَجْزِ الشَّہَادَةُ عَلَى الشَّہَادَةِ آذَى إِلَى اتِّوَاءِ الْحَقُوقِ وَلِهَذَا جَوَّزْنَا الشَّہَادَةَ عَلَى الشَّہَادَةِ وَإِنْ كَثُرَتْ إِلَّا أَنَّ فِيهَا شُبْهَةً مِنْ حَيْثُ الْبَدَلِيَّةُ أَوْ مِنْ حَيْثُ أَنَّ فِيهَا زِيَادَةً اِحْتِمَالٍ وَقَدْ أَمَكَّنَ الْإِحْتِرَازُ عَنْهُ بِجِنْسِ الشُّهُودِ فَلَا تُقْبَلُ فِيمَا يَنْدَرِيءُ بِالشُّبْهَاتِ كَالْحُدُودِ وَالْقِصَاصِ

ترجمہ..... گواہی پر گواہی دینا ہر ایسے حق میں جائز ہے جو شبہ سے ساقط نہ ہوتا ہو، اور یہ استحسان ہے۔ کیونکہ اس کی ضرورت زیادہ ہے اس لئے کہ اصل گواہ کبھی بعض عوارض کی وجہ سے عاجز ہوتا ہے پس اگر شہادت علی الشہادت جائز نہ ہو تو حقوق کو رائیگاں کر دینے کا سبب ہوگا۔ اسی وجہ سے ہم نے شہادت علی الشہادت کو جائز قرار دیا، اگرچہ شہود فرع کثیر ہوں۔ لیکن اس میں شبہ ہے بدلت کے اعتبار سے یا اس اعتبار سے کہ اس میں زیادہ احتمال ہے حالانکہ جس شہود کے ذریعہ اس سے احتراز ممکن ہے۔ لہذا ایسی چیزوں میں قبول نہ ہوگی جو شبہات سے دور ہو جاتی ہیں... جیسے حدود اور قصاص۔

تشریح..... صاحب قدوریؒ نے فرمایا کہ شہادت علی الشہادت ہر ایسے حق میں جو شبہ کی وجہ سے ساقط نہ ہوتا ہو استحساناً جائز ہے اگرچہ قیاساً جائز نہیں ہے۔ وجہ قیاس یہ ہے کہ شہادت عبادت بدنیہ ہے جو شاہد اصل پر لازم ہوئی ہے اور شہادت مشہود لہ کا حق نہیں ہے کیونکہ مشہود لہ کو شاہدوں کے ساتھ مختصہ کرنے کا حق ہے اور نہ گواہی دینے پر مجبور کرنے کا حق ہے۔ بہر حال شہادت ایک عبادت بدنیہ ہے اور شہادہ اصل پر لازم ہے اور عبادات بدنیہ میں نیابت جاری نہیں ہوتی۔ لہذا شہادت علی الشہادت جو نیابت ہی ہے وہ بھی جای نہ ہوگی اور جائز نہ ہوگی۔ لیکن لوگوں کے حقوق کو زندہ کرنے کے لئے اس جگہ قیاس کو ترک کر دیا گیا ہے۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ شہادت علی الشہادت کی شدید ضرورت ہے اس لئے کبھی شہود اصل (اصلی گواہ) عوارض کی وجہ سے ادائے شہادت سے عاجز ہو جاتے ہیں۔ مثلاً شہود اصل بیمار ہوں یا سفر میں ہوں یا اپنی کسی مصروفیت کی وجہ سے مجلس قاضی میں نہ جاسکتے ہوں تو ایسی صورت میں اگر شہادت علی الشہادت کو جائز نہ رکھا جائے تو لوگوں (مدعیان) کے حقوق تلف ہو جائیں گے حالانکہ لوگوں کے حقوق کو تلف کرنا ناجائز ہے اور ان کو زندہ کرنا واجب ہے۔ پس اسی حاجت شدیدہ کی وجہ سے شہادت علی الشہادت کو جائز قرار دیا گیا اگرچہ شہود فرع کثیر ہوں۔

شہود فرع کے کثیر ہونے کے دو مطلب ہیں، ایک یہ کہ شہود اصل نے دو گواہ اپنے نائب مقرر کئے، پھر ان نائبوں نے اپنے نائب مقرر کئے، پھر

انہوں نے اپنے نائب مقرر کئے..... علیٰ ہذا القیاس۔ اس صورت میں اِنْ کُتِرَتْ، وَ اِنْ بُعِدَتْ کے معنی میں ہوگا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ شہود اصل دو ہیں، اُن میں سے ہر ایک نے اپنی گواہی پر دو، دو گواہ مقرر کئے، پھر شہود فرع چاروں میں سے ہر ایک نے اپنی گواہی پر دو، دو گواہ مقرر کئے تو اس صورت میں وَ اِنْ کُتِرَتْ اپنے معنی میں رہے گا، اور معنی یہ ہوں گے کہ شہود فرع کی تعداد کتنی ہی زائد کیوں نہ ہو جائے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ فروع کی شہادت میں ایک گونہ شبہ ہے، شبہ یا تو اس اعتبار سے ہے کہ فروع اصول کے بدل ہیں اور بدل کی طرف اس وقت رجوع کیا جاتا ہے جب انسان اصل سے عاجز ہو جائے اور یہاں بھی ایسا ہی ہے۔ یعنی شہادت فروع کی طرف، شہادت اصل سے مجز کے وقت رجوع کیا جاتا ہے۔ بہر حال شہادت فروع بدل ہے اور بدل میں اصل کی بہ نسبت ایک گونہ شبہ ہوتا ہے یا شہادت فروع میں اس اعتبار سے شبہ ہے کہ اس میں احتمال کذب زیادہ ہے، یعنی اصل گواہوں میں اُن کے معصوم نہ ہونے کی وجہ سے جھوٹ کا احتمال تھا لہذا فروع میں احتمال اور زیادہ ہوگا۔ بہر حال شہادت فروع میں ایک گونہ شبہ ہے اور جنس شہود یعنی شہود اصل کے ذریعہ شہادت فروع سے بچنا بھی ممکن ہے اس طور پر کہ اصول کی تعداد زیادہ ہو۔ اگر بعض کو عذر پیش آ گیا تو باقی دوسرے شہود اصل گواہی دیدیں گے۔ بہر حال جب شہادت فرع میں شبہ ہے اور شہود اصل کے ذریعہ اس سے بچنا بھی ممکن ہے تو شہود فرع کی شہادت ایسی چیزوں میں قبول نہ ہوگی جو چیزیں شہادت کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں... جیسے حدود و قصاص۔

شہادت علی الشہادت کی شرعی حیثیت

وَيَجُوزُ شَهَادَةُ شَاهِدَيْنِ عَلَى شَهَادَةِ شَاهِدَيْنِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا يَجُوزُ إِلَّا الْأَرْبَعُ عَلَى كُلِّ أَصْلٍ اِثْنَانِ لِأَنَّ كُلَّ شَاهِدَيْنِ قَائِمَانِ مَقَامَ شَاهِدٍ وَاحِدٍ فَصَارَ كَالْمُرَاتَيْنِ وَلَنَا قَوْلُ عَلِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ لَا يَجُوزُ عَلَى شَهَادَةِ رَجُلٍ إِلَّا شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ وَلِأَنَّ نَقْلَ شَهَادَةِ الْأَصْلِ مِنَ الْحَقُوقِ فَهُمَا شَهِيدَا بِحَقِّ ثُمَّ شَهِيدَا بِحَقِّ الْآخَرِ فَتَقْبَلُ وَلَا تَقْبَلُ شَهَادَةُ وَاحِدٍ عَلَى شَهَادَةِ وَاحِدٍ لِمَا رَوَيْنَا وَهُوَ حُجَّةٌ عَلَى مَالِكٍ وَ لِأَنَّهُ حَقٌّ مِنَ الْحَقُوقِ فَلَا بُدَّ مِنْ نَصَابِ الشَّهَادَةِ

ترجمہ..... اور دو گواہوں کی گواہی پر دو گواہوں کی گواہی جائز ہے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ چار سے کم جائز نہیں ہیں ہر اصلی گواہ پر دو گواہ ہیں اس لئے کہ ہر دو شاہد فرع ایک اصلی گواہ کے قائم مقام ہیں پس دو عورتوں کے مانند ہو گیا۔ اور ہماری دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ایک آدمی کی شہادت پر جائز نہیں مگر دوسروں کی شہادت۔ اور اس لئے کہ اصل کی گواہی نقل کرنا حقوق میں سے ہے۔ پس ان دونوں نے پہلے حق کی گواہی دی پر انہیں دونوں نے دوسرے حق کی گواہی دی پس یہ گواہی قبول ہوگی۔ اور ایک کی شہادت ایک پر قبول نہ ہوگی اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی ہے۔ اور یہ امام مالکؒ کی خلاف حجت ہے اور اس لئے کہ اصل کی گواہی نقل کرنا حقوق میں سے ایک حق ہے... لہذا شہادت کا نصاب ضروری ہے۔

تشریح..... صاحب قدوریؒ نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک دو اصلی گواہوں کی گواہی پر دو فرع گواہوں کی گواہی جائز ہے یعنی دونوں فرع گواہ پہلے ایک اصلی گواہ کی گواہی کو نقل کریں گے پھر یہی دونوں دوسرے اصلی گواہ کی گواہی نقل کریں گے۔ اس طرح دو فرع گواہ دونوں اصلی گواہوں کی گواہی نقل کر سکتے ہیں۔ حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دو اصلی گواہوں کی گواہی نقل کرنے کے لئے چار فرع گواہوں کو ہونا ضروری ہے۔ یعنی دو فرع ایک اصلی گواہ کی گواہی نقل کریں گے اور دوسرے دو فرع گواہ دوسرے اصلی گواہ کی گواہی نقل کریں گے۔ حضرت امام مالکؒ کے نزدیک ایک فرع گواہ کافی ہے، یعنی ایک فرع گواہ ایک بار ایک اصلی گواہ کی گواہی نقل کرے گا اور ایک بار دوسرے اصلی گواہ کی گواہی نقل کرے گا۔ پس اس طرح ایک فرع گواہ کافی ہے۔ علامہ بدر الدین عینیؒ نے فرمایا کہ یہ امام مالکؒ کا مذہب نہیں ہے بلکہ ان میں سے ایک روایت ہو سکتی ہے، ان کا مذہب وہی ہے جو ہمارا مذہب ہے۔ یہی علامہ ابن البہائمؒ نے فرمایا ہے۔ امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ دو فرع گواہ ایک اصلی گواہ کے قائم مقام ہوتے ہیں جیسے دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہوتی

ہیں، پس جب ایک اصلی گواہ کے قائم مقام دوفرعی گواہ ہوں گے تو دو اصلی گواہ ہوں کی قائم مقامی کے لئے چار فرعی گواہوں کا ہونا ضروری ہوگا۔

حضرت امام مالکؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ فرعی گواہ اصل گواہ کی گواہی کو مجلس قضائے پہنچانے کے لئے بمنزلہ قاصد کے ہوتا ہے۔ پس ایسا ہو گیا گویا اصلی گواہ نے خود قاضی کی مجلس میں حاضر ہو کر گواہی دی ہے اور اصلی گواہ اگر بذات خود گواہی دیتے تو ہر ایک تنہا تنہا گواہی دیتا۔ لہذا جب ان کی طرف سے فرعی گواہ، گواہی نقل کرے گا تو وہ بھی تنہا کافی ہوگا۔ یعنی ایک باریکی گواہی نقل کرے گا اور ایک بار دوسرے کی گواہی نقل کرے گا دوسری دلیل قیاس ہے یعنی حضرت امام مالک نے نقل شہادت کو روایت احادیث پر قیاس کیا ہے۔ یعنی جس طرح روایت احادیث میں ایک آدمی کی روایت ایک آدمی سے مقبول ہے۔ اسی طرح ایک آدمی کی شہادت کو ایک آدمی کا نقل کرنا اور روایت کرنا بھی جائز ہے۔

ہماری دلیل..... حضرت علیؓ کا قول ہے ”لَا يَجُوزُ عَلَى شَهَادَةِ رَجُلٍ إِلَّا شَهَادَةُ رَجُلَيْنِ“ یعنی ایک آدمی کی شہادت پر دوسروں کی شہادت ضروری ہے مطلب یہ ہے کہ دوفرعی گواہ ایک بار ایک اصلی گواہ کی گواہی نقل کریں اور ایک بار دوسرے اصلی گواہ کی گواہی نقل کریں اس طرح ہر ایک اصلی گواہ کی گواہی پر دوفرعی گواہ بھی ہو جائیں گے اور فرعی گواہوں کی تعداد دو سے بڑھ کر چار بھی نہ ہوگی۔ جیسا کہ فقیہ مرتاض حضرت امام شافعیؒ نور اللہ مرقدہ نے فرمایا ہے۔

دوسری دلیل..... یہ ہے کہ اصلی گواہ کی گواہی کو نقل کرنا حقوق الناس میں سے ہے اور کسی حق کو ثابت کرنے کے لئے نصاب شہادت (دو گواہوں) کا ہونا ضروری ہے۔ پس دوفرعی گواہوں نے ایک اصلی گواہ کی گواہی نقل کی تو گویا انھوں نے ایک حق پر شہادت دی اور اس پر نصاب شہادت بھی پورا ہو گیا پھر انھیں فرعی گواہوں نے جب دوسرے اصلی گواہ کی گواہی نقل کی تو گویا انھوں نے پہلے حق کے علاوہ دوسرے حق پر گواہی دی اور اس پر بھی نصاب شہادت پایا گیا اور یہ بات بھی مسلم ہے کہ دو گواہ یکے بعد دیگرے مختلف حقوق پر گواہی دے سکتے ہیں۔ پس جب شہود اصل میں سے ہر ایک کی شہادت نقل کئے پر نصاب شہادت پایا گیا تو مذکورہ دونوں فرعی گواہوں کی گواہی قبول کر لی جائے گی۔ برخلاف دو عورتوں کی شہادت کے کیونکہ دو عورتیں چونکہ ایک مرد کے مرتبہ میں ہوتی ہیں۔ اس لئے صرف دو عورتوں سے نصاب پورا نہیں ہوتا۔ اور جب دو عورتوں سے نصاب پورا نہیں ہوتا۔ اور جب دو عورتوں سے نصاب شہادت پورا نہیں ہوتا تو ان کی شہادت پر قاضی کا فیصلہ بھی مرتب نہ ہوگا۔ صاحب ہدایہ نے ایک فرعی گواہ کی گواہی ایک اصلی گواہ کی گواہی پر قبول نہ ہونے کی دلیل لما روینا سے بیان فرما کر کہا کہ یہی قول حضرت علیؓ ہے، حضرت امام مالکؒ کے خلاف حجت ہے کیونکہ اس قول میں یہ بات بصراحت موجود ہے کہ ایک اصلی گواہ کی گواہی کو نقل کرنے کے لئے دوفرعی گواہ ضروری ہیں۔ حالانکہ امام مالکؒ ایک فرعی گواہ کو کافی سمجھتے ہیں۔ امام مالکؒ کے خلاف عقلی دلیل یہ ہے کہ شہادت نقل کرنا ایک قسم کا حق ہے اور کسی بھی حق کو ثابت کرنے کے لئے نصاب شہادت ضروری ہے۔ لہذا اصل گواہ کی گواہی کو نقل کرنے کے لئے دوفرعی گواہوں کا ہونا ضروری ہے ایک فرعی گواہ کافی نہ ہوگا۔ جیسا کہ ہمارے بزرگ حضرت امام مالکؒ کا قول ہے۔ اس کے برخلاف روایت احادیث کہ وہ چونکہ حقوق میں سے نہیں ہے اس لئے احادیث کو ایک آدمی بھی ایک آدمی سے روایت کر سکتا ہے۔

شہادت پر گواہ بنانے کا طریقہ

وَصِفَةُ الْأَشْهَادِ أَنْ يَقُولَ شَاهِدُ الْأَصْلِ لِشَاهِدِ الْفُرْعِ أَشْهَدُ عَلَى شَهَادَتِي أَنِّي أَشْهَدُ أَنَّ فُلَانًا ابْنُ فُلَانٍ أَقَرَّ عِنْدِي بِكَذَا أَوْ أَشْهَدُنِي عَلَى نَفْسِهِ لِأَنَّ الْفُرْعَ كَالنَّائِبِ عَنْهُ فَلَا بُدَّ مِنَ التَّحْمِيلِ وَالتَّوَكُّيلِ عَلَى مَا مَرَّ وَلَا بُدَّ أَنْ يَشْهَدَ كَمَا يَشْهَدُ عِنْدَ الْقَاضِي لِيُنْقَلَهُ إِلَى مَجْلِسِ الْقَضَاءِ وَإِنْ لَمْ يَقُلْ أَشْهَدُنِي عَلَى نَفْسِهِ جَزَاءٌ لِأَنَّ مَنْ سَمِعَ أَقْرَارَ غَيْرِهِ حَلٌّ لَهُ الشَّهَادَةُ وَإِنْ لَمْ يَقُلْ لَهُ أَشْهَدُ

ترجمہ..... اور اپنی گواہی پر گواہ پر گواہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ شاہد اصل، شاہد فرع سے یوں کہے کہ تو میری شہادت پر شہادت دے کہ میں شہادت

دیتا ہوں کہ فلاں بن فلاں نے میرے پاس ایسا ایسا اقرار کیا ہے اور مجھے اپنی ذات پر شاہد کر لیا ہے اس لئے کہ فرعی گواہ گویا اصلی گواہ کا نائب ہے۔ پس گواہی لا دانا اور وکیل بنانا ضروری ہے جیسا کہ سابق میں گذرا۔ اور ضروری ہے کہ اصلی گواہ اسی طرح شہادت دے جیسے قاضی کے پاس شہادت دیتا ہے تاکہ شاہد فرع اس کو قاضی کی مجلس میں منتقل کرے اور اگر اصلی گواہ نے اشہدنی علیٰ نفسہ نہ کہا ہو تو بھی جائز ہے کیونکہ جس شخص نے دوسرے کا اقرار اس کے لئے گواہی دینا حلال ہو جاتا ہے اگرچہ مقر یا مدعی علیہ نے اس سے اشہد نہ کہا ہو۔

تشریح..... شاہد اصل کا شاہد فرع کو اپنی شہادت پر گواہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ شاہد اصل شاہد فرع سے یوں کہے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ فلاں بن فلاں نے میرے سامنے فلاں بن فلاں کے لئے فلاں حق کا اقرار کیا ہے اور مقرر نے اپنی ذات پر مجھے گواہ مقرر کیا ہے۔ شہادت فرع میں شاہد اصل کے شاہد فرع کو اپنی شہادت پر گواہ کرنے کی شرط اس لئے لگائی ہے کہ شاہد فرع گویا شاہد اصل کا نائب ہے اور نائب بنانا ضروری ہے بغیر نائب بنائے کوئی شخص نائب نہیں ہو سکتا ہے۔ لہذا شاہد اصل کا شاہد فرع کو اپنی گواہی پر گواہ کرنا ضروری ہوگا۔ نیز شہادت علی الشہادت اسی وقت حجت ہوگی جبکہ شاہد فرع شاہد اصل کی شہادت کو قاضی کی مجلس میں منتقل کرے اور شاہد فرع، شاہد اصل کی شہادت کی مجلس قاضی میں اسی وقت منتقل کرنے کا مجاز ہوگا جبکہ شاہد اصل نے اس پر شہادت کا بوجھ لا دیا ہو۔ بہر حال ثابت ہوا کہ شہادت علی الشہادت کے لئے تکمیل یعنی شاہد اصل کا شاہد فرع کو اشہد علی شہادتہ کی کہہ کر اس پر شہادت کا لا دنا اور اس کو حامل شہادت بنانا ضروری ہے اور شاہد فرع چونکہ شاہد اصل کا وکیل ہے اس لئے اس کو وکیل بنانا بھی ضروری ہے۔ اس کی تفصیل ”فصل مایتحملة الشاہد“ کے تحت گزر چکی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ جب شاہد فرع، شاہد اصل کا نائب ہے تو صاحب ہدایہ نے لَآئَ الْفُرْعِ كَالنَّائِبِ عَنْہُ کیوں فرمایا ”لَآئَ الْفُرْعِ نَائِبٌ“ کیوں نہیں کہا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شاہد فرع، شاہد اصل کا اس کی شہادت میں نائب نہیں ہوتا بلکہ مشہود بہ میں نائب ہوتا ہے اس لئے کالنائب فرمایا۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ شاہد اصل، شاہد فرع کے سامنے اس طرح شہادت ادا کرے جس طرح قاضی کے سامنے ادا کرتا ہے تاکہ شاہد فرع، شاہد اصل سے سن کر من وعن قاضی کی مجلس میں منتقل کر سکے۔ یعنی جس طرح اصل بیان کرے گا اسی طرح فرع اس کو قاضی کی مجلس میں لے جائے گا۔ اور اگر شاہد اصل نے شاہد فرع سے یہ نہ کہا ہو کہ مقرر نے مجھ کو اپنی ذات پر گواہ کر لیا تھا تو یہ بھی جائز ہے کیونکہ جس شخص نے دوسرے کا اقرار اس کے لئے گواہی دینا حلال ہے، اگرچہ مقرر نے یہ نہ کہا ہو کہ تو میری ذات پر گواہ ہو جا۔

گواہی پر گواہی دینے کا طریقہ

وَيَقُولُ شَاهِدُ الْفُرْعِ عِنْدَ الْاَدَاءِ اَشْهَدُ اَنَّ فُلَانًا اَشْهَدَنِي عَلَى شَهَادَتِهِ اَنَّ فُلَانًا اَقْرَءَ عِنْدَهُ بَكْذَا وَقَالَ لِي اَشْهَدُ عَلَى شَهَادَتِي بِذَلِكَ لِانَّهُ لَا بُدَّ مِنْ شَهَادَتِهِ وَذِكْرِهِ شَهَادَةُ الْاَصْلِ وَذِكْرِهِ التَّحْمِيلُ وَلَهَا لَفْظُ اطْوَلُ مِنْ هَذَا وَاَقْصَرُ مِنْهُ وَخَيْرُ الْأُمُورِ أَوْسَطُهَا

ترجمہ..... اور گواہی اداء کرتے وقت شاہد فرع یوں کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں شخص نے مجھ کو اپنی گواہی پر گواہ کر لیا ہے کہ فلاں آدمی نے اصل گواہ کے سامنے فلاں حق کا اقرار کیا ہے اور اصلی گواہ نے مجھ سے کہا تو میری اس گواہی پر گواہ ہو۔ اس لئے کہ شاہد فرع کی شہادت ضروری ہے اور اس کا اصلی گواہ کی گواہی ذکر کرنا اور اس (شاہد فرع) کا شاہد فرع کو گواہ کرنے کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے اور شہادت فرع کے لئے مذکورہ بالا لفظ سے زیادہ اور کم بھی جائز ہے اور امور میں اوسط بہتر ہوتا ہے۔

تشریح..... صاحب قدوری نے فرعی گواہ کی گواہی کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ شاہد فرع مجلس قاضی میں ادائے شہادت کے وقت یوں کہے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ فلاں بن فلاں نے مجھ کو اپنی گواہی پر گواہ کیا ہے کہ فلاں بن فلاں نے اس کے پاس فلاں بن فلاں کے لئے اس حق کا

اقرار کیا ہے اور مجھ سے کہا کہ تو میری اس گواہی پر گواہ ہو جا۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ پوری عبارت کہنے کی وجہ یہ ہے کہ شاہد فرع کی شہادت ضروری ہے لہذا وہ کہے گا کہ میں شہادت دیتا ہوں۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ شاہد فرع اپنے اوپر شہادت کا بوجھ لا دینے کا ذکر کرے لہذا وہ کہے گا کہ شاہد اصل نے مجھ سے کہا ہے کہ تو میری اس شہادت پر شاہد ہو جا صاحب ہدایہ نے کہا کہ اداء کے وقت شاہد فرع مذکورہ بالا عبارت سے طویل عبارت میں بھی اپنا مقصود ادا کر سکتا ہے اور کم عبارت میں بھی طویل عبارت مثلاً شاہد فرع قاضی کے سامنے یوں کہے کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ فلاں نے میرے سامنے شہادت دی ہے کہ فلاں کے لئے فلاں پر اس قدر مال ہے اور مجھ کو اپنی شہادت پر شاہد بنایا ہے اور مجھ کو حکم دیا ہے کہ میں اسکی شہادت پر شہادت دوں۔ لہذا میں اب اس کی شہادت پر شہادت دیتا ہوں۔ اور کم عبارت مثلاً شاہد فرع قاضی کے سامنے یوں کہے کہ میں فلاں کی شہادت پر فلاں چیز کے بارے میں شہادت دیتا ہوں۔ اور قدوری میں مذکور عبارت درمیانی ہے نہ اس میں طول ہے اور نہ اختصار ہے اور خیر الامور اوسطھا کا قاعدہ مشہور ہے اس لئے طویل اور مختصر دونوں عبارتیں چھوڑ کر یہ عبارت اختیار کی گئی ہے۔

أَشْهَدَنِي فَلَانٌ عَلَى نَفْسِهِ بَعَسَ سَامِعٍ گواہی دے سکتا ہے یا نہیں؟

وَمَنْ قَالَ أَشْهَدَنِي فَلَانٌ عَلَى نَفْسِهِ لَمْ يَشْهَدْ السَّامِعُ عَلَى شَهَادَتِهِ حَتَّى يَقُولَ إِشْهَدَ عَلَى شَهَادَتِي لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ التَّحْمِيلِ وَهَذَا ظَاهِرٌ عِنْدَ مُحَمَّدٍ لِأَنَّ الْقَضَاءَ عِنْدَهُ بِشَهَادَةِ الْفُرُوعِ وَالْأَصُولِ جَمِيعًا حَتَّى اشْتَرَكُوا فِي الضَّمَانِ عِنْدَ الرُّجُوعِ وَكَذَا عِنْدَهُمَا لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنْ نَقْلِ شَهَادَةِ الْأَصُولِ لِتَضْيِيقِ حُجَّةٍ فَيُظْهِرُ تَحْمِيلُ مَا هُوَ حُجَّةٌ

ترجمہ..... اگر کسی نے کہا کہ فلاں نے مجھے اپنی ذات پر گواہ کیا ہے سماع اس کی گواہی پر گواہی نہ دے یہاں تک کہ اصلی گواہ یوں نہ کہے کہ تو میری گواہی پر گواہ ہو جا اس لئے کہ گواہی لا دنا ضروری ہے اور یہ امام محمدؒ کے نزدیک ظاہر ہے کیونکہ امام محمدؒ کے نزدیک قاضی کا حکم دینا فروغ اور اصول دونوں کی شہادت سے ہوتا ہے حتیٰ کہ رجوع کے وقت دونوں فریق تاوان میں شریک ہوتے ہیں اور ایسے ہی شیخینؒ کے نزدیک کیونکہ اصول کی شہادت نقل کرنا ضروری ہے تاکہ حجت ہو جائے۔ پس جو چیز حجت ہے اس کا لا دنا ضروری ہوگا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ شاہد مثلاً عارف نے کہا کہ فلاں مثلاً واصف نے اپنی ذات پر مجھ کو گواہ بنایا ہے اور ایک شخص مثلاً خالد نے گواہ یعنی عارف کے اس قول کو سنا تو خالد، شاہد فرع بن کر شاہد اصل (عارف) کی گواہی پر گواہی دینے کا مجاز نہ ہوگا۔ ہاں اگر شاہد اصل (عارف) شاہد فرع (خالد) سے یہ کہے کہ تو میری گواہی پر گواہ ہو جا تو پھر شاہد فرع (خالد) کے لئے شہادت علی الشہادت کا جواز ہے۔ دلیل یہ ہے کہ شہادت علی الشہادت کے لئے تکمیل (شاہد فرع پر شہادت کو لا دنا) بالاتفاق ضروری ہے امام محمدؒ کے نزدیک تو اس لئے کہ شاہد فرع کو حق یعنی مشہود بہ کیا کوئی علم نہیں ہوتا بلکہ وہ تو شاہد اصل کی شہادت کو اس کا وکیل بن کر مجلس قاضی کی طرف منتقل کرتا ہے اور قاضی اصول و فروغ دونوں کی شہادت پر حکم صادر ہوتا ہے چنانچہ اگر اصول و فروغ دونوں نے شہادت سے رجوع کر لیا تو امام محمدؒ کے نزدیک تاوان میں دونوں فریق شریک ہوں گے دونوں کے شریک ہونے کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ نصف تاوان کا فیصلہ اصول پر کیا جائیگا اور نصف کا فیصلہ فروغ پر کیا جائے گا بلکہ مراد یہ ہے کہ مشہود علیہ کو اختیار ہوگا کہ وہ اصول سے تاوان کا مطالبہ کرے یا فروغ سے تاوان کا مطالبہ کرے جیسے غاصب سے اگر کسی مغضوب کو غصب کر لیا گیا تو مغضوب منہ کو اختیار ہوتا ہے کہ وہ غاصب سے تاوان کا مطالبہ کرے یا غاصب الغاصب سے تاوان کا مطالبہ کرے بہر حال امام محمدؒ کے نزدیک شاہد فرع، وکیل بن کر شہادت نقل کرتا ہے اور وکیل اسی وقت وکیل ہو سکتا ہے جب کہ مؤکل اس کو اس کام کا حکم کرے لہذا شاہد فرع بھی اسی وقت وکیل ہوگا جب اس کو شاہد اصل، نقل شہادت کا امر کرے گا اور نقل شہادت کے امر کرنے ہی کا نام تکمیل شہادت ہے پس ثابت ہوا کہ محمدؒ کے نزدیک تحمل شہادت ضروری

ہے اور یہ شیخینؒ کے نزدیک تکمیل شہادت اس لئے ضروری ہے کہ شیخینؒ کے نزدیک شاہد فرع، شاہد اصل کا وکیل نہیں ہوتا حتیٰ کہ اگر شاہد اصل نے شاہد فرع سے یہ کہا کہ تو میری شہادت پر شہادت دیدے اور پھر شاہد اصل نے اس کو منع کر دیا تو اس کا منع کرنا صحیح نہ ہوگا، اور شاہد فرع کا شاہد اصل کی شہادت پر شہادت دینا جائز ہوگا اگر شاہد فرع، شاہد اصل کا وکیل ہوتا جیسا کہ امام محمدؒ نے کہا ہے تو شاہد اصل کے منع کرنے کے بعد شاہد فرع کو شہادت دینے کا حق نہ ہوتا کیوں کہ موکل کے منع کرنے کے بعد وکیل، وکیل نہیں رہتا ہے۔ بہر حال شاہد فرع اگرچہ شاہد اصل کا وکیل نہیں ہے لیکن شہادت اصول کو حجت بنانے کے لئے ضروری ہے کہ شاہد فرع اصول کی شہادت کو قاضی کی مجلس میں نقل کریں کیوں کہ شہادت فی نفسہ حجت نہیں ہوتی بلکہ اس وقت حجت ہوتی ہے جب اس کو قاضی کی مجلس میں منتقل کر دیا جائے بحر حال معلوم ہوا کہ شاہد فرع پر شہادت اصول کو حجت بنانے کے لئے مجلس قاضی میں نقل کرنا ضروری ہے اور نقل کرنے کے لئے تکمیل ضروری ہے یعنی شاہد فرع، اصول کی شہادت نقل کرنے کے اسی وقت مجاز ہوں گے جبکہ شاہد اصل نے ان پر اس شہادت کو لا دیا اور اس کا ذمہ دار بنایا ہو پس ثابت ہوا کہ تکمیل شہادت شیخینؒ کے نزدیک بھی ضروری ہے۔

شہود فرع کی گواہی کب قابل قبول ہے

قَالَ وَلَا تُقْبَلُ شَهَادَةُ شُهُودِ الْفُرُوعِ إِلَّا أَنْ يَمُوتَ شُهُودُ الْأَصْلِ أَوْ يَغِيْبُوا مَسِيرَةَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَصَاعِدًا أَوْ يَمْرَضُوا مَرَضًا لَا يَسْتَطِيعُونَ مَعَهُ حُضُورَ مَجْلِسِ الْحَاكِمِ لِأَنْ جَوَّازَهَا لِلْحَاجَةِ وَإِنَّمَا تَمُسُّ عِنْدَ عَجْزِ الْأَصْلِ وَبِهَذِهِ الْأَشْيَاءِ يَتَحَقَّقُ الْعِجْزُ وَإِنَّمَا إِعْتَبَرْنَا السَّفَرَ لِأَنَّ الْمُعْجِزَ بَعْدَ الْمَسَافَةِ وَمُدَّةَ السَّفَرِ بَعِيدَةً حُكْمًا حَتَّى أُدِيرَ عَلَيْهَا عِدَّةٌ مِنَ الْأَحْكَامِ فَكَذَا سَبِيلُ هَذَا الْحُكْمِ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ كَانَ فِي مَكَانٍ لَوْ عَدَا لِإِدَاءِ الشَّهَادَةِ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَبِيتَ فِي أَهْلِهِ صَحَّ الْأَشْهَادُ أَحْيَاءَ لِحُقُوقِ النَّاسِ قَالُوا الْأَوَّلُ أَحْسَنُ وَالثَّانِي أَوْفَقُ وَبِهِ أَخَذَ الْفَقِيهَةُ أَبُو الْوَلِيدِ

ترجمہ..... اور شاہد فرع کی شہادت قبول نہ ہوگی مگر یہ کہ شاہد اصل مرجائیں یا تین دن یا زائد کی مسافت پر غائب ہو جائیں یا ایسے بیمار ہو جائیں کہ اس کے ساتھ حاکم کی مجلس میں حاضر نہ ہو سکیں اس لئے کہ شہادت علی الشہادت کا جواز ضرورت کی وجہ سے ہے اور ضرورت پڑے گی شاہد اصل کے عاجز ہونے کی وقت اور ان چیزوں سے عجز متحقق ہو جاتا ہے اور ہم نے سفر کا اعتبار اس لئے کیا کہ عاجز کرنے والی مسافت کی دوری ہے اور سفر کی مدت حکماً بعید ہے حتیٰ کہ اس پر بہت سے احکام کا مدار ہے! اسی طرح اس حکم کی راہ ہے اور ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ اگر اصلی گواہ ایسے مقام پر ہوں کہ اگر اداۓ شہادت کے لئے صبح کو روانہ ہوں تو وہ اپنے گھر رات نہ گزار سکیں تو ان کے لئے اپنی شہادت پر گواہ کرنا جائز ہے تاکہ لوگوں کے حقوق زندہ ہوں۔ مشائخ نے کہا کہ اقوال اول احسن اور قول ثانی زیادہ آسان ہے اسی کو فقہ ابو الولید نے اختیار کیا ہے۔

تشریح..... صاحب قدوری نے کہا کہ شاہد فرع کی شہادت تین وجہوں میں سے ایک وجہ کیساتھ قبول کی جاسکتی ہے

۱۔ یا تو شاہد اصل مر گئے ہوں۔ ۲۔ یا شاہد اصل مدت سفر یعنی تین دن تین رات یا اس سے زائد کی مسافت پر غائب ہوں۔

۳۔ یا شاہد اصل ایسی بیماری میں مبتلا ہوں جس بیماری کے ساتھ قاضی کی مجلس میں حاضری دشوار ہو۔

وکیل یہ ہے کہ شہادت علی الشہادت کو بر بنائے ضرورت جائز قرار دیا گیا ہے جیسا کہ اول باب میں گذر چکا ہے اور ضرورت اس وقت پیش آتی ہے جب کہ شاہد اصل گواہی دینے سے عاجز ہوں اور مذکورہ تینوں صورتوں میں شاہد اصل کا گواہی دینے سے عاجز ہونا متحقق ہے پس چونکہ مذکورہ تینوں صورتوں میں شاہد اصل کے عاجز ہونے کی وجہ سے شہادت علی الشہادت کی ضرورت موجود ہے اس لئے ان تینوں صورتوں میں شہادت علی الشہادت کو قبول کر لیا جائے گا صاحب ہدایہ نے کہا کہ مدت سفر کا اعتبار اس لئے کیا گیا کہ شاہد اصل کو مجلس قاضی میں حاضر ہو کر گواہی دینے سے عاجز

کرنے والی چیز مسافت کی دوری ہے اور مدت سفر حکماً بعید ہے کیونکہ بعد مسافت کی وجہ سے مدت سفر بہت سے احکام کا مدار ہے چنانچہ مدت سفر کے ارادے سے سفر کرنا نماز میں قصر کرتا ہے رمضان میں افطار کی اجازت دیتا ہے مدت صبح کو ایک دن ایک رات سے بڑھا کر تین دن تین رات کر دیتا ہے قربانی اور جمعہ کا وجوب ساقط کر دیتا ہے عورت کے لئے بلا محرم اور شوہر کے ٹکنا حرام کر دیتا ہے پس مسافت سفر میں عاجز ہونے کی وجہ سے جس طرح یہ احکام مرتب ہوتے ہیں اسی طرح یہ حکم یعنی شہادت علی الشہادت کا جواز بھی مرتب ہوگا۔ حضرت امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ شہود اصل اگر ایسے مقام پہ ہوں کہ ادائے شہادت کے لئے صبح چل کر رات میں اپنے گھر پہنچنا ممکن نہ ہو تو حرج دور کرنے کے لئے اور لوگوں کے حقوق زندہ کرنے کے لئے شہادت علی الشہادت جائز ہے۔

مشائخ نے فرمایا کہ قول اول یعنی مدت سفر کے اعتبار کا قول احسن ہے کیونکہ اس قدر مسافت سے شرعاً بجز تحقق ہو جاتا ہے جیسا کہ سابقہ احکام میں ذکر کیا گیا پس یہ قول حکم شرع کے موافق ہے اور جو قول حکم شرع کے موافق ہو وہ یقیناً احسن ہوگا اسلئے یہ قول احسن ہے اور دوسرا قول یعنی ابو یوسفؒ کا قول زیادہ آسان ہے کیونکہ اس قول میں لوگوں کے لئے آسانی ہے اسی کو فقیہ ابواللیث اور بہت سے مشائخ نے اختیار کیا ہے علامہ بدر الدین عینی، ذخیرہ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ امام محمدؒ سے مروی ہے کہ شہادت علی الشہادت بہر صورت جائز ہے چنانچہ اگر شہود اصل مسجد کے ایک کونے میں ہوں اور شہود فرع دوسرے کونے میں ہوں تو بھی شہادت علی الشہادت جائز ہے۔

شہود فرع کا شہود، اصل کی تعدیل کا حکم

قَالَ فَإِنْ عَدَّلَ شُهُودُ الْأَصْلِ شُهُودَ الْفُرْعِ جَازَ لِأَنَّهُمْ مِنْ أَهْلِ التَّزْكِيَةِ وَكَذَآ إِذَا شَهِدَ شَاهِدَانِ فَعَدَّلَ أَحَدُهُمَا الْآخَرَ صَحَّ لِمَا قُلْنَا غَايَةَ الْأَمْرِ أَنَّ فِيهِ مَنَفَعَةً لَهُ مِنْ حَيْثُ الْقَضَاءُ بِشَهَادَتِهِ لَكِنَّ الْعَدْلَ لَا يَتَّبِعُهُ بِمِثْلِهِ كَمَا لَا يَتَّبِعُهُ فِي شَهَادَةِ نَفْسِهِ كَيْفَ وَأَنَّ قَوْلَهُ مَقْبُولٌ فِي حَقِّ نَفْسِهِ وَإِنْ رُدَّتْ شَهَادَةُ صَاحِبِهِ فَلَا تُهْمَةُ

ترجمہ..... پس اگر شہود اصل کی شہود فرع نے تعدیل کر دی تو یہ جائز ہے اس لئے کہ وہ تعدیل کے اہل ہیں اور اسی طرح اگر دو گواہوں نے گواہی دی پھر ایک نے دوسرے کو عادل بتلایا تو صحیح ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اس میں تعدیل کرنے والے کا نفع ہے اس طور پر کہ اس کی شہادت کے ساتھ قاضی کا فیصلہ متعلق ہو گیا ہے لیکن عادل اس جیسی بات کے ساتھ متہم نہیں ہوتا ہے جیسا کہ وہ اپنی ذاتی گواہی میں متہم نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ متہم ہوگا حالانکہ اس کا قول اپنی ذات کے حق میں مقبول ہے اور اگر اس کے ساتھی کی گواہی رد کر دی گئی تو بھی کوئی تہمت نہیں ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شہود فرع نے شہود اصل کی شہادت پر شہادت دی تو اس کی چار صورتیں ہیں،

۱۔ قاضی یا تو شہود اصل اور شہود فرع دونوں فریقوں کے عادل ہونے سے واقف ہوگا۔ ۲۔ یا دونوں سے واقف نہیں ہوگا۔

۳۔ یا اصول سے واقف ہوگا فرع سے واقف نہیں ہوگا۔ ۴۔ یا فرع سے واقف ہوگا مگر اصول سے واقف نہیں ہوگا۔

پہلی صورت میں قاضی بلا تاثر فیصلہ کرے گا اور دوسری صورت میں اصول اور فرع دونوں کی عدالت کے بارے میں تحقیق کرے گا۔ تیسری صورت میں فرع کی عدالت کے بارے میں تحقیق کرے گا۔ اور چوتھی صورت میں اصول کی عدالت کے بارے میں تحقیق کرے گا چنانچہ اگر فرع نے اصول کی تعدیل کی یعنی فرع نے کہا کہ اصول عادل ہیں تو فرع کی تعدیل کرنے سے اصول کی عدالت ثابت ہو جائے گی۔ اس پر آئمہ اربعہ متفق ہیں۔ دلیل یہ ہے کہ شہود فرع مڑکی بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں لہذا ان کا تعدیل و تزکیہ معتبر ہوگا اسی طرح اگر دو آدمیوں نے گواہی دی مثلاً حامد اور خالد نے کسی مقدمہ میں گواہی دی اور ان دونوں میں سے ایک مثلاً حامد کا عادل ہونا قاضی کو معلوم ہے اور خالد کا عادل ہونا معلوم نہیں ہے۔ پس حامد نے اپنے ساتھ خالد کی تعدیل کی یعنی حامد نے خالد کا عادل ہونا بتلایا تو یہ بھی جائز ہے دلیل سابق میں گذر چکی ہے کہ حامد جس کا عادل

ہونا قاضی کو معلوم ہے وہ مزکی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اور جو شخص مزکی بننے کی صلاحیت رکھتا ہے اس کا تزکیہ اور تعدیل کرنا درست ہوتا ہے لہذا حامد کا تعدیل کرنا بھی درست ہوگا۔ یہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ حامد تعدیل کرنے میں متمم ہے کیونکہ اس تعدیل کا نفع خود تعدیل کرنے والے یعنی حامد کو بھی پہنچ رہا ہے اس طور پر کہ اس کے تعدیل کرنے کی وجہ سے خوش اس کی شہادت پر فیصلہ دے دیا جائیگا ورنہ اگر یہ تعدیل نہ کرتا تو اسکے ساتھ کی شہادت غیر عادل ہونے کی وجہ سے رد ہو جاتی لیکن جب اس نے اپنے ساتھی یعنی خالد کی تعدیل کی تو اس کے نتیجے میں خود اس کی شہادت بھی قبول ہو جائے گی بہر حال اس تعدیل میں تعدیل کرنے والے کا چونکہ ایک گونہ نفع موجود ہے۔ اس لئے تعدیل کرنے والا یعنی حامد اپنی تعدیل میں متمم ہوگا اور جو شخص اپنی تعدیل میں متمم ہوتا ہے اس کا تعدیل کرنا معتبر نہیں ہوتا لہذا حامد کا تعدیل کرنا بھی معتبر نہ ہونا چاہیے تھا اس کا جواب یہ ہے کہ احد الشاہدین یعنی حامد جس کا عادل ہونا قاضی کو معلوم ہے وہ چونکہ عادل ہے اور عادل آدمی اس طرح کے شہادت سے متمم نہیں ہوتا، ہے اس لئے یہ بھی متمم نہ ہوگا جیسا کہ خود اس کی اپنی شہادت میں نفع کا یہ شبہ موجود ہے لیکن اس کے باوجود متمم نہیں ہے۔ نفع کا شبہ اس طور پر ہے کہ لوگ یہ کہہ سکتے ہیں کہ حامد نے اس لئے گواہی دی ہے تاکہ لوگوں میں یہ بات مشہور ہو جائے کہ قاضی اس کی بات نانتا ہے اور اس کی شہادت پر فیصلہ دیتا ہے حالانکہ واقع میں اس کے لئے اس مقدمہ میں کوئی شہادت کا حق نہیں تھا۔ پس جس طرح اس احتمال نفع سے حامد اپنی گواہی میں متمم نہیں ہوتا اسی طرح تعدیل کرنے میں بھی متمم نہ ہوگا۔

صاحب ہدایہ مزید ترقی کر کے فرما رہے ہیں کہ تعدیل کرنے والا گواہ یعنی حامد تعدیل کرنے میں کیونکر متمم ہوگا حالانکہ تعدیل کرنے سے اس کے واسطے حقیقت میں کوئی ایسا نفع نہیں ہے جو ترک تعدیل سے فوت ہو جاتا ہو کیونکہ اس کا قول یعنی اس کی شہادت فی نفسہ مقبول ہے اگرچہ نصاب شہادت نہ ہونے کی وجہ سے اس پر فیصلہ نہیں دیا جاسکتا ہے۔ اور اگر اس کے ساتھی گواہ کی گواہی رد کر دی گئی ہو تو اس صورت میں یہ ممکن ہے کہ کوئی دوسرا عادل گواہ حامد کے ساتھ مل کر گواہی دیدے اور پھر قاضی ان دونوں کی شہادت پر فیصلہ کر دے۔ ملاحظہ کیجئے کہ ترک تعدیل سے حامد (تعدیل کرنے والے کا) کوئی نفع فوت نہیں ہوا ہے۔ اور جب ترک تعدیل سے کوئی نفع فوت نہیں ہوا تو تعدیل سے کوئی نفع حاصل نہیں ہوگا اور جب تعدیل کرنے سے کوئی نفع حاصل نہیں ہوا تو حامد اپنی تعدیل میں متمم بھی نہیں ہوا اور جب متمم نہیں ہوا تو اس کا تعدیل کرنا بھی درست نہ ہوگا۔

مشہود فرع شہود اصل کی تعدیل سے سکوت کریں تو گواہی کا حکم

قَالَ وَإِنْ سَكَتُوا عَنْ تَعْدِيلِهِمْ جَازَ وَيَنْظُرُ الْقَاضِي فِي حَالِهِمْ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَا تُقْبَلُ لِأَنَّهُ لَا شَهَادَةَ إِلَّا بِالْعَدَالَةِ فَإِنْ لَمْ يَعْرِفُوْهَا لَمْ يَنْقُلُوا الشَّهَادَةَ فَلَا تُقْبَلُ وَلِأَبِي يُوسُفَ أَنَّ الْمَاخُوذَ عَلَيْهِمُ النَّقْلُ دُونَ التَّعْدِيلِ لِأَنَّهُ قَدْ يَخْفَى عَلَيْهِمْ وَإِذَا نَقَلُوا يَتَعَرَّفُ الْقَاضِي الْعَدَالَةَ كَمَا إِذَا حَضَرُوا بِأَنْفُسِهِمْ وَشَهِدُوا

ترجمہ..... اور اگر فروع نے اپنے اصول کی تعدیل سے سکوت کیا تو فروع کی شہادت جائز ہے۔ اور اصول کے حال میں قاضی نظر کرے گا۔ اور یہ ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے۔ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ فروع کی شہادت نہ ہوگی کیونکہ بغیر عدالت کے کوئی گواہی نہیں ہوتی ہے پس اگر فروع کو اصول کی عدالت معلوم نہیں ہے تو انھوں نے شہادت نقل نہیں کی ہے لہذا شہادت قبول نہ ہوگی۔ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ فروع پر صرف نقل کرنا واجب ہے نہ کہ تعدیل کرنا۔ اس لئے کہ کبھی فروع پر اصول کی عدالت پوشیدہ ہوتی ہے اور جب انھوں نے اصول کی گواہی نقل کی تو قاضی ان کی عدالت دریافت کرنے کی خود زحمت کرے گا جیسے اگر اصول خود حاضر ہو کر گواہی دیتے۔

تشریح..... صاحب قدوری نے کہا کہ اگر قاضی نے مشہود فرع سے مشہود اصل کی عدالت کے سلسلہ میں دریافت کیا مگر مشہود فرع نے اصول کی تعدیل کرنے سے سکوت کیا یعنی یہ نہ کہا کہ وہ عادل ہیں اور نہ یہ کہا کہ وہ غیر عادل ہیں یا یہ کہا کہ ہم کو اصول کا عادل ہونا معلوم نہیں ہے یا یہ کہا کہ ہم

آپ کو، اصول کی عدالت کے بارے میں کوئی خبر نہیں دیں گے تو ان صورتوں میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک فروع کی شہادت جائز ہے لیکن قاضی اصول کے حال میں نظر کرے گا۔ یعنی فروع کے علاوہ دوسرے اہل تزکیہ حضرات سے دریافت کرے گا چنانچہ اگر فروع کے علاوہ دوسرے حضرات مزکین نے اصول کی تعدیل کر دی تو قاضی اس شہادت پر فیصلہ صادر کرے گا۔ اور اگر تعدیل نہ کی تو قاضی فیصلہ نہ دے گا۔ حضرت امام محمدؒ نے فرمایا کہ ان صورتوں میں فروع کی شہادت ہی قبول نہ ہوگی۔

امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ فروع کی شہادت اس لئے قبول کی جاتی ہے کہ انھوں نے اصول کی شہادت نقل کی ہے اور اصول کی شہادت بغیر عدالت اصول کے شہادت نہیں ہوتی ہے یعنی بغیر عدالت کے کوئی شہادت، شہادت نہیں ہوتی ہے۔ پس جب فروع کو اصول کی عدالت کا علم نہیں ہے تو بغیر عدالت کے اصول کی شہادت ثابت نہ ہوگی اور جب اصول کی شہادت ثابت نہیں ہوئی تو فروع کی طرف سے ان کی شہادت کا نقل کرنا بھی نہ ہوگا اور جب فروع کی طرف سے اصول کی شہادت کو نقل کرنا متحقق نہیں ہوا تو فروع کی شہادت بھی قبول نہ ہوگی۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ شہود فروع پر صرف شہادت نقل کرنا لازم ہے اور اپنے اصول کی تعدیل کرنا لازم نہیں ہے کیونکہ بسا اوقات فروع پر اصول کی عدالت پوشیدہ ہوتی ہے۔ لہذا جب فروع نے قاضی کے سامنے اس گواہی کو نقل کر دیا جو گواہی اصول نے فروع پر لادی تھی۔ تو فروع اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو گئے لیکن قاضی کو، فروع کے علاوہ دوسرے مزکین سے اصول کی عدالت دریافت کرنے کی زحمت اٹھانی پڑے گی۔ چنانچہ اگر ان حضرات نے اصول کی تعدیل کر دی تو قاضی اس شہادت پر فیصلہ دے گا، اور اگر تعدیل نہ کی تو فیصلہ نہیں دے گا جیسا کہ اگر اصول خود حاضر ہو کر شہادت ادا کرتے تو قاضی کو مزکین سے ان کا حال دریافت کرنا پڑتا۔ اسی طرح مذکورہ صورت میں بھی قاضی، اصول کا حال دریافت کریگا۔

شہود اصل گواہی سے انکار کر دیں تو شہود فروع کی گواہی قابل قبول نہیں

قَالَ وَإِنْ أَنْكَرَ شُهَدَاؤُ الْأَصْلِ الشَّهَادَةَ لَمْ تُقْبَلْ شَهَادَةُ شُهَدَاءِ الْفُرْعِ لِأَنَّ التَّحْمِيلَ لَمْ يَنْبُتْ لِلتَّعَارُضِ بَيْنَ الْخَبَرَيْنِ وَهُوَ شَرْطُ

ترجمہ اور اگر شہود اصل نے شہادت کا انکار کیا تو شہود فروع کی شہادت قبول نہ ہوگی۔ کیوں کہ دونوں کے درمیان تعارض کی وجہ سے تحمیل ثابت نہیں ہوئی۔ حالانکہ تحمیل شرط ہے۔

تشریح صاحب قدوری نے کہا کہ اصول نے شہادت کا انکار کیا مثلاً یہ کہا کہ اس مقدمہ میں ہمارے لئے کوئی شہادت نہیں ہے۔ پھر فروع نے ان کی شہادت پر شہادت دی تو شہود فروع کی شہادت قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ شہود اصل کا شہادت سے انکار کرنا درحقیقت تحمیل یعنی اپنی گواہی پر گواہ کرنے سے انکار کرنا ہے۔ حالانکہ شہود فروع کی شہادت قبول ہونے کے لئے تحمیل شرط ہے۔ پس جب شرط قبولیت نہیں پائی گئی تو ان کی شہادت قبول بھی نہ ہوگی۔ صاحب ہدایہ نے اسی دلیل کو اس طرح بیان فرمایا کہ جب اصول نے شہادت کا انکار کیا یعنی یہ کہا کہ اس مقدمہ میں ہم شاہد نہیں ہیں اور جب ہم خود شاہد نہیں ہیں تو کسی دوسرے کو گواہ کرنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے گویا شہود اصل نے تحمیل کا انکار کیا اور شہود فروع نے ان کی شہادت پر شہادت دے کر گویا یہ کہا کہ تحمیل پائی گئی یعنی اصول نے ہم کو گواہی پر گواہ کیا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں میں تعارض ہے۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ تعارض کی وجہ سے تحمیل ثابت نہیں ہوتی۔ پس جب تعارض کی وجہ سے تحمیل ثابت نہیں ہوئی تو شہود فروع کی شہادت بھی قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ شہود فروع کی شہادت قبول ہونے کے لئے تحمیل شرط ہے۔

دومردوں نے دومردوں کی گواہی پر ایک عورت پر ہزار روپے کی گواہی دی گواہی قابل قبول ہے یا نہیں

وَإِذَا شَهِدَ رَجُلَانِ عَلَى شَهِادَةِ رَجُلَيْنِ عَلَى فُلَانَةٍ بِنْتِ فُلَانٍ الْفُلَانِيَةِ بِأَلْفِ دِرْهَمٍ وَقَالَا أَخْبَرَانَا أَنَّهُمَا يَعْرِفَانِيهَا فَجَاءَ بَامْرَأَةٍ وَقَالَا لَا نَذَرِي أَحَدًا هَذِهِ أَمَّا لَا فَإِنَّهُ يُقَالُ لِلْمُدَّعِي هَاتِ شَهِدَيْنِ يَشْهَدَانِ أَنَّهَا فُلَانَةٌ لِأَنَّ الشَّاهِدَةَ عَلَى الْمَعْرِفَةِ بِالنِّسْبَةِ قَدْ تَحَقَّقَتْ وَالْمُدَّعِي يَدْعِي الْحَقَّ عَلَى الْحَاضِرَةِ وَلَعَلَّهَا غَيْرَهَا فَلَابُدَّ مِنْ تَعْرِيفِهَا بِبَيْتِكَ النَّسْبَةِ وَنَظِيرُ هَذَا إِذَا تَحَمَّلُوا الشَّاهِدَةَ بِنَيْعِ مُحَدُّودَةٍ يُذَكِّرُ مُحَدُّودَهَا وَشَهِدُوا عَلَى الْمُشْتَرِي لِأَبَدٍ مِنْ آخَرِينَ يَشْهَدَانِ عَلَى أَنَّ الْمُحَدُّودَ بِهَا فِي يَدِ الْمُدَّعِي عَلَيْهِ وَكَذَا إِذَا أَنْكَرَ الْمُدَّعِي عَلَيْهِ أَنَّ الْمُحَدُّودَ الْمَذْكُورَةَ فِي الشَّاهِدَةِ مُحَدُّودٌ مَا فِي يَدَيْهِ

ترجمہ..... اور اگر دومردوں نے دومردوں کی گواہی پر فُلَانَةُ بنت فُلَانٍ پر ایک ہزار درہم کی گواہی دی اور دونوں فرعی گواہوں نے کہا کہ ہم کو اصلی گواہوں نے خبر دی کہ وہ اس عورت کو پہچانتے ہیں پس مدعی ایک عورت کو لایا اور فروغ نے کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ یہ وہی عورت ہے یا وہ نہیں ہے تو مدعی سے کہا جائے گا کہ تو ایسے دو گواہ لا جو یہ گواہی دیں کہ عورت وہی فُلَانہ بنت فُلَانیہ ہے اس لئے کہ نسب پہچاننے پر گواہی تو محقق ہو چکی اور مدعی حق کا دعویٰ کرتا ہے حاضریہ پر، حالانکہ ممکن ہے کہ یہ اس کے علاوہ ہوں پس اس نسب کیساتھ اس کو پہچانا ضروری ہے اور اس کی نظیر یہ ہے کہ جب گواہ لوگ ایسی محدود چیز کی فروختگی کے گواہ ہوئے جس کے حدود و ابلہ ذکر کئے گئے ہیں اور انھوں نے مشتری پر گواہی دی تو دوسرے دو گواہ یہ گواہی دیں کہ جس کے حدود دار بعد ذکر کئے گئے ہیں وہ مدعی علیہ کے قبضہ میں ہے اور ایسے ہی جب مدعی علیہ نے اس بات کا انکار کیا کہ جو حدود گواہی میں مذکور ہوئے ہیں وہ وہی حدود اس کے قبضہ میں ہیں۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ مشہود فروغ نے شہود اصل کی شہادت پر شہادت دی کہ فُلَانہ بنت فُلَانٍ مثلاً زینب بنت حامد قریشی النسل عورت پر فلاں مدعی کا ایک ہزار درہم ہے اور شہود فروغ نے یہ بھی کہا کہ شہود اصل نے ہم کو خبر دی ہے کہ وہ یعنی شہود اصل اس عورت یعنی زینب بنت حامد قریشیہ کو پہچانتے ہیں۔ پھر مدعی ایک عورت کو لایا اور کہا کہ زینب بنت حامد قریشیہ یہ ہے۔ مگر شہود فروغ نے کہا کہ ہمیں معلوم نہیں کہ زینب بنت حامد یہی ہے یا یہ نہیں ہے۔ ایسی صورت میں مدعی سے کہا جائے گا کہ زائد ایسے دو گواہ پیش کرو جو اس بات کی شہادت دیں کہ زینب بنت حامد قریشیہ یہی عورت ہے۔ چنانچہ اس گواہی کے بعد ہی اس عورت پر ایک ہزار درہم کا فیصلہ کیا جائے گا۔ کیونکہ ایک ہزار درہم کی شہادت ایسی عورت کے خلاف گزر چکی، جو نسب کیساتھ معلوم ہوگی۔ یعنی زینب بنت حامد قریشیہ جو نسب کے اعتبار سے معلوم ہے۔ اس پر شہود فروغ ایک ہزار درہم کی شہادت دے چکے ہیں لیکن مدعی جس عورت کو پکڑ کر لایا ہے اور اس پر ایک ہزار درہم کا دعویٰ کرتا ہے۔ اس کے بارے میں یہ معلوم نہیں کہ زینب بنت حامد قریشیہ یہی ہے! ہو سکتا ہے زینب بنت حامد قریشیہ نہ ہو بلکہ اس کے علاوہ ہوں اور مدعی خواہ مخواہ اس کو پکڑ لایا ہو۔ اس لئے یہ بات ضروری ہے کہ مدعی ایسے دو گواہ پیش کرے جو اس پر گواہی دیں کہ زینب بنت حامد قریشیہ یہی ہے۔ تا کہ معلوم ہو جائے کہ شہادت میں ذکر کردہ نسب اسی عورت کا ہے۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ متن کے اس مسئلہ کی نظیر یہ ہے کہ ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ خالد نے حامد کو اپنا مکان جس کے حدود دار بعد یہ ہیں فروخت کیا۔ اور حامد مشتری نے اس پر قبضہ بھی کر لیا ہے اور مجھ کو چونکہ حق شفیعہ حاصل ہے اس لئے مذکورہ مکان مجھ کو دلویا جائے۔ مگر مشتری نے انکار کرتے ہوئے کہا کہ میرے قبضہ میں مذکورہ حدود کیساتھ کوئی مکان نہیں ہے۔ تو اس مدعی یعنی شفیع نے دو گواہ پیش کئے، انھوں نے گواہی دی کہ حامد نے خالد سے فلاں شہر میں ان حدود دار بعد کے ساتھ ایک مکان خریدا ہے لیکن ہم معین طور پر اس مکان کو نہیں پہچانتے ہیں۔ تو مدعی یعنی شفیع سے کہا جائے گا کہ حضور، دو گواہ اور پیش کرو تا کہ وہ اس بات پر گواہی دیں کہ جو حدود دعویٰ اور شہادت میں ذکر کی گئی ہیں۔ اس مدعی علیہ یعنی مشتری کے قبضہ

میں انھیں حدود کے ساتھ مکان موجود ہے کیونکہ اس کے بعد ہی قاضی شفیق کے لئے کوئی فیصلہ کر سکتا ہے۔ جس طرح اس مسئلہ میں مزید دو گواہوں کی اس لئے ضرورت ہے کہ وہ اس پر گواہی دیں کہ مشتری کے قبضہ میں وہی مکان موجود ہے جو مکان دعویٰ اور شہادت علی الشراء میں مذکور ہے۔ اسی طرح متن کے مسئلہ میں مزید دو گواہ اس بات پر گواہی دیں کہ مدعی جس عورت کو لایا ہے یہ وہی عورت ہے جس کا نسب دعویٰ اور شہادت فروغ میں بیان کیا گیا تھا اسی طرح اگر ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ فلاں شخص کے قبضہ میں ان حدود کے ساتھ میرا مکان ہے، اس نے ناحق طریقہ سے قبضہ کر رکھا ہے۔ اس مدعی کے گواہوں نے بھی یہی گواہی دی کہ جو حدود اور بعد دعویٰ میں ذکر کی گئی ہیں ان حدود کا مکان مدعی کی ملک ہے اور مدعی علیہ کے قبضہ میں ناحق طور پر ہے۔ مگر مدعی علیہ نے کہا کہ جو مکان میرے قبضہ میں ہے اس کے حدود اور بعد وہ نہیں ہیں جن کو گواہوں نے ذکر کیا ہے بلکہ اس کے حدود اور بعد وہ ہیں۔ غرض یہ کہ جو حدود شہادت میں مذکور ہوئیں مدعی علیہ نے ان حدود کے ساتھ کسی مکان پر اپنے قابض ہونے کا انکار کیا تو مدعی سے کہا جائے گا کہ حضور دو گواہ اور پیش کرو جو اس بات پر گواہی دیں کہ مدعی علیہ کے قبضہ میں انھیں حدود والا مکان ہے، جو حدود اور بعد پہلی شہادت میں مذکور ہوئیں۔ یہ مسئلہ بھی متن کے مسئلہ کی نظیر ہے۔ یعنی جس طرح متن کے مسئلہ میں مدعی سے دوسرے دو گواہوں کا مطالبہ کیا گیا تھا اسی طرح یہاں بھی مدعی سے دوسرے دو گواہوں کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

قاضی کا قاضی کو خط شہادت علی الشہادت کے حکم میں ہے

قَالَ وَكَذَلِكَ كِتَابُ الْقَاضِي إِلَى الْقَاضِي لِأَنَّهُ فِي مَعْنَى الشَّهَادَةِ عَلَى الشَّهَادَةِ إِلَّا أَنَّ الْقَاضِي لِكَمَالِ دِيَانَتِهِ وَوُفُورِ وَلَايَتِهِ يَتَفَرَّدُ بِالنَّقْلِ

ترجمہ..... اور اسی طرح کتاب القاضی الی القاضی ہے۔ اس لئے کہ یہ شہادت علی الشہادت کے معنی میں ہے مگر یہ کہ قاضی اپنی کمال دیانت اور تمام ولایت کی وجہ سے اصل کی گواہی نقل کرنے میں متفرد ہے۔

تشریح..... صاحب قدوری نے کہا کہ یہی حکم اس وقت ہے جب ایک قاضی نے دوسرے قاضی کو خط لکھا ہو۔ صورت اس کی یہ ہے کہ ایک شہر کے قاضی نے دوسرے شہر کے قاضی کو لکھا کہ دو عادل گواہوں نے میرے سامنے گواہی دی ہے کہ فلاں بن فلاں مدعی کا ایک ہزار درہم زینب بنت حامد قرشیہ پر فی الحال واجب الادا ہے۔ لہذا آپ اس عورت پر یہ حکم صادر فرمائیں جب یہ خط قاضی مکتوب الیہ کو موصول ہوا تو مدعی نے ایک عورت کو حاضر کر کے کہا کہ یہ زینب بنت حامد قرشیہ ہے۔ مگر اس عورت نے زینب بنت حامد قرشیہ ہونے سے انکار کیا تو مدعی سے کہا جائے گا کہ دو گواہ ایسے پیش کرو جو اس پر گواہی دیں کہ یہ عورت وہی زینب بنت حامد قرشیہ ہے، جو قاضی کاتب کے خط میں مذکور ہے تاکہ فیصلہ کرتے وقت قاضی مکتوب الیہ کے لئے اس عورت کی طرف اشارہ کرنا ممکن ہو۔

دلیل..... یہ ہے کہ قاضی کا کاتب کا خط شہادت علی الشہادت کے معنی میں ہے۔ گویا اصل گواہوں کی گواہی کو قاضی کاتب نے فرع بن کر قاضی مکتوب الیہ کے پاس پہنچایا ہے۔

اعتراض..... لیکن اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ قاضی کاتب جب شاہد فرع کے مرتبہ میں ہے تو قاضی کاتب دو شخص ہونے چاہیں کیونکہ شہود فرع کے لئے کم از کم دو ہونا ضروری ہے۔

جواب..... تو اس کا جواب صاحب ہدایہ نے یوں دیا کہ شہود فرع کا بلاشبہ دو ہونا ضروری ہے لیکن قاضی کاتب اپنی دیانت کاملہ اور ولایت عامہ تامہ کی وجہ سے شہود اصل کی گواہی نقل کرنے میں ایلا کافی ہے دو کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

فلاں بنت فلاں تمیمیہ پر ایک ہزار قرض کہنے سے قاضی کا قاضی کو خط اور شہادت علی الشہادت قبول ہے یا نہیں

وَلَوْ قَالُوا فِي هَذَيْنِ الْبَابَيْنِ التَّمِيمِيَّةِ لَمْ يَجْزِ حَتَّى يَنْسُبُوهَا إِلَى فَخِذِهَا وَهِيَ الْقَبِيلَةُ الْخَاصَّةُ وَهَذَا لِأَنَّ التَّعْرِيفَ لَا بُدَّ مِنْهُ فِي هَذَا وَلَا يَتَحَصَّلُ بِالنِّسْبَةِ الْعَامَّةِ وَهِيَ عَامَّةٌ بِالنِّسْبَةِ إِلَى بَنِي تَمِيمٍ لِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَخْصُونَ وَيَحْصُلُ بِالنِّسْبَةِ إِلَى الْفَخْدِ لِأَنَّهَا خَاصَّةٌ وَقِيلَ الْفَرْغَانِيَّةُ نِسْبَةُ عَامَّةٌ وَالْأَوْرُجُ جُنْدِيَّةٌ خَاصَّةٌ وَقِيلَ السَّدْرُ قُنْدِيَّةٌ وَالْبَخَارِيَّةُ عَامَّةٌ وَقِيلَ إِلَى السَّكَّةِ الصَّغِيرَةِ خَاصَّةٌ وَالْإِلَى الْمَحَلَّةِ الْكَبِيرَةِ وَالْمَصْرِ عَامَّةٌ ثُمَّ التَّعْرِيفُ وَإِنْ كَانَ يُتِمُّ بِذِكْرِ الْجَدِّ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ خِلَافًا لِأَبِي يُوسُفَ عَلَى ظَاهِرِ الرِّوَايَاتِ فَلِذَلِكَ الْفَخْدُ يَقُومُ مَقَامَ الْجَدِّ لِأَنَّهُ اسْمُ الْجَدِّ الْأَعْلَى فَتُنَزَّلُ مَنْزِلَةَ الْجَدِّ الْأَدْنَى

ترجمہ..... اور اگر ان دونوں صورتوں شہادت علی الشہادت اور کتاب القاضی الی القاضی میں تمیمیہ کہا تو جائز نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اس عورت کو اس کے فخذ کی طرف منسوب کریں۔ فخذ قبیلہ خاصہ ہے اور یہ عدم جواز اس لئے ہے کہ اس میں شناخت ضروری ہے اور شناخت نسبت عامہ سے حاصل نہیں ہوتی ہے اور تمیمیہ نسبت عامہ ہے، بنو تميم کی طرف نسبت کرتے ہوئے۔ اس لئے کہ وہ ایسی قوم ہے جس کو شمار نہیں کیا جاسکتا ہے اور فخذ کی طرف نسبت کرنے سے شناخت حاصل ہو جاتی ہے۔ کیوں کہ یہ نسبت خاصہ ہے اور کہا گیا ہے کہ فرغانیہ نسبت عامہ اور اورجندیہ نسبت خاصہ ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ سمرقندیہ اور بخاریہ نسبت عامہ ہے اور کہا گیا ہے کہ چچو۔ لے سے کوچے کی طرف نسبت کرنا نسبت خاصہ ہے اور بڑے محلہ اور شہر کی طرف نسبت عامہ ہے۔ پھر امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک امام یوسف کے خلاف ظاہر روایات کے موافق شناخت اگر چہ دادا کے ذکر سے پوری ہو جاتی ہے لیکن فخذ کا ذکر کرنا دادا کے قائم مقام ہے۔ اس لئے کہ فخذ جد اعلیٰ کا نام ہوتا ہے۔ پس اس کی جد ادنیٰ کے مرتبہ میں اتار لیا جائے گا۔
تشریح..... لوگوں کے درمیان تعارف اور امتیاز کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے وجعلنا کم شعوباً وقبائل لتعارفوا۔

قبائل چھ ہیں: (۱)۔ شعب (۲)۔ قبیلہ (۳)۔ فصیلہ (۴)۔ عمارہ (۵)۔ بطن (۶)۔ فخذ

سب سے زیادہ عموم شعب میں ہوتا ہے پھر حسب ترتیب عموم ختم ہوتا چلا گیا چنانچہ فخذ میں سب سے زیادہ خصوص ہوتا ہے اسی وجہ سے کہا گیا کہ شعب قبائل کو جامع ہے اور قبیلہ فصائل کو جامع ہے اور فصیلہ عمار کو جامع ہے اور عمارہ بطون کو جامع ہے اور بطن فخاذ کو جامع ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ فصیلہ، فخذ کے بعد ہوتا ہے گویا ان کے نزدیک سب سے زیادہ خصوص فصیلہ میں ہوتا ہے۔ اس قول کے مطابق ”فخذیہ“ شعب ہے، ”کنانہ“ قبیلہ ہے، ”قریش“ عمارہ ہے، ”قصی“ بطن ہے، ”ہاشم“ فخذ ہے، عباس ”فصیلہ“ ہے۔ یہاں قدوری میں فخذ سے مراد وہ قبیلہ خاصہ ہے جس کے بعد کوئی خاصہ کہنے نہ ہو۔

اس تمہید کے بعد ملاحظہ فرمائیے کہ شہادت علی الشہادت اور کتاب القاضی الی القاضی میں قرضدار عورت کی نسبت بیان کرتے ہوئے کہا کہ زینب بنت حاتم تمیمیہ پر فلاں بن فلاں کے ایک ہزار درہم قرض ہیں تو یہ جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر اس عورت کو اس کے قبیلہ خاصہ کی طرف منسوب کیا یعنی اس کے خاصہ کہنے کی طرف منسوب کیا تو جائز ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نسبت ایسی ہونی چاہئے جس میں آدمی کی شناخت ہو سکے۔ اور یہ بھی مسلم ہے کہ آدمی کی شناخت عام نسبت سے حاصل نہیں ہوتی ہے۔ جیسے تمیمہ اور تمیمہ عام نسبت ہے جو بنو تميم کی طرف منسوب ہے کیونکہ بنو تميم کے بے شمار افراد ہیں پس اس قوم میں نہ جانے کتنی عورتیں ایسی ہوں گی۔ جن کے نام مع ان کے باپ متفق ہیں۔ لہذا صرف تمیمہ کہنے سے کسی عورت کی شناخت نہیں ہو سکتی

ہے۔ ہاں اگر عورت کو اس کے فخذ یعنی خاص قبیلہ کی طرف منسوب کیا تو چونکہ یہ نسبت خاصہ ہے۔ اس لئے اس سے شناخت حاصل ہو جائے گی۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ صوبہ فرغانہ کی طرف نسبت کرنا نسبت عامہ ہے اور اس صوبہ کے ایک شہر اوز جند کی طرف نسبت کرنا نسبت خاصہ ہے لیکن یہ بہت پہلے کی بات ہے ورنہ آجکل اوز جند خود بڑا شہر ہے۔ اوز جند کی طرف نسبت سے بھی پوری شناخت حاصل ہونے میں تامل ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ سمرقند یا بخارا کی طرف نسبت کرنا نسبت عامہ ہے اور ان کے کسی محلہ کی طرف نسبت کرنا نسبت خاصہ ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ چھوٹے کوچ کی طرف نسبت کرنا نسبت خاصہ ہے اور بڑے محلہ اور شہر کی طرف نسبت کرنا نسبت عامہ ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کسی کا تعارف کراتے ہوئے باپ کا ذکر کافی ہے۔ دادا کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور طرفین کے نزدیک دادا کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے لیکن فخذ یعنی خاص کنبہ کا ذکر بھی دادا کے ذکر کے قائم مقام ہے کیونکہ فخذ بھی جد اعلیٰ کے نام پر ہوتا ہے۔ پس اس کو جد ادنیٰ (دادا) کے مرتبہ میں اتار لیا جائے گا۔

جیل احمدی عنہ

جھوٹے گواہ کی سزا کا حکم اقوال فقہاء

﴿فَصَلِّ﴾ قَالَ أَبُو حَنِيفَةَ شَهِدَ الزُّورُ أَشْهَرُهُ فِي السُّوقِ وَلَا أُعْزَرُهُ وَقَالَ لَا نُوجِعُهُ ضَرْبًا وَنَحْسَبُهُ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لَهُمَا مَا رَوَى عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّهُ ضَرَبَ شَهِدَ الزُّورِ أَرْبَعِينَ سَوْطًا وَسَخِمَ وَجْهَهُ وَلَا نَّ هَذِهِ كَبِيرَةٌ تَعْدَى ضَرْبَهَا إِلَى الْعِبَادِ وَلَيْسَ فِيهَا حَدٌّ مُقَرَّرٌ فَيُعْزَرُ وَلَهُ أَنْ شَرِيحًا كَانَ يُشْهَرُهُ وَلَا يَضْرِبُ وَلَا أَنْ الْإِنْرَجَارَ يَحْصِلُ بِالتَّشْهِيرِ فَيَكْتَفَى بِهِ وَالضَّرْبُ وَإِنْ كَانَ مُبَالِغَةً فِي الزَّجْرِ وَلَكِنَّهُ يَقَعُ مَانِعًا عَنِ الرُّجُوعِ فَوَجَبَ التَّخْفِيفُ نَظْرًا إِلَى هَذَا الْوَجْهِ وَحَدِيثُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ مَحْمُولٌ عَلَى السِّيَاسَةِ بِدَلَالَةِ التَّبْلِغِ إِلَى الْأَرْبَعِينَ وَالتَّسْخِيمِ ثُمَّ تَفْسِيرُ التَّشْهِيرِ مَنَقُولٌ عَنْ شَرِيحٍ فَإِنَّهُ كَانَ يَبْعَثُهُ إِلَى سُوقِهِ إِنْ كَانَ سُوقِيًّا وَإِلَى قَوْمِهِ إِنْ كَانَ غَيْرَ سُوقِيٍّ بَعْدَ الْعَصْرِ أَجْمَعَ مَا كَانُوا يَقُولُونَ إِنْ شَرِيحًا يَفْرَأُ عَلَيْكُمْ السَّلَامَ وَيَقُولُ إِنَّا وَجَدْنَا هَذَا شَهِدَ زُورٍ فَاحْذَرُوهُ وَحَذَرُوا النَّاسَ مِنْهُ وَذَكَرَ شَمْسُ الْأَيْمَةِ السَّرْحَسِيُّ أَنَّهُ يُشْهَرُ عِنْدَهُمَا أَيْضًا وَالتَّعْزِيرُ وَالْحَبْسُ عَلَى قَدْرِ مَا يَرَاهُ الْقَاضِي عِنْدَهُمَا وَكَيْفِيَّةُ التَّعْزِيرِ مَا ذَكَرْنَاهُ فِي الْحُدُودِ

ترجمہ..... امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ جھوٹی گواہی دینے والے کو بازار میں تشہیر کروں گا اور اس کو تعزیر نہیں کروں گا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ ہم اس کو ماریں گے اور قید خانہ میں رکھیں گے۔ یہی امام شافعیؒ کا قول ہے۔ صاحبین کی دلیل وہ ہے جو حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ آپ نے جھوٹے گواہ کو چالیس کوڑے مارے اور اس کا منہ کالا کیا اور اس لئے کہ جھوٹی گواہی دینا کبیرہ گناہ ہے۔ جس کا ضرر بندوں کی طرف متعدی ہوتا ہے اور اس میں کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ لہذا اس کی تعزیر کی جائے گی اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ قاضی شرعی جھوٹے گواہ کو تشہیر کرتے تھے اور مارتے نہ تھے اور اس لئے کہ جھوٹی گواہی سے رکنا تشہیر سے حاصل ہو جاتا ہے۔ لہذا اس پر اکتفا کیا جائے گا اور مارنا اگرچہ جرم میں مبالغہ ہے لیکن وہ رجوع سے مانع ہوگا پس اس وجہ کی طرف نظر کرتے ہوئے تخفیف واجب ہے اور حدیث عمرؓ سیاست پر محمول ہے اس دلیل سے کہ کوڑوں کی تعداد چالیس تک پہنچائی اور منہ کالا کیا پھر تشہیر کی کیفیت حضرت شریحؒ سے اس طرح منقول ہے کہ قاضی شرعی جھوٹے گواہ کو عصر کے بعد جس وقت لوگوں کا سب سے زیادہ مجمع ہوتا اس کے بازار میں بھیجتے اگر وہ بازاری ہوتا اور اس کی قوم میں بھیجتے اگر وہ غیر بازاری ہوتا اور لے جانے والے کہتے کہ شریح تم کو سلام کہتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم نے اس کو جھوٹا گواہ پایا سو اس سے خود بچو اور لوگوں کو اس سے بچاؤ۔ اور شمس الاممہؒ نے ذکر کیا کہ صاحبین کے نزدیک بھی تشہیر کی جائے گی اور صاحبین

کے نزدیک تعزیر اور قید خانہ میں رکھنا اسی کے مطابق مناسب خیال کرے اور تعزیر کی کیفیت وہ ہے جس کو ہم نے کتاب الحدود میں ذکر کیا ہے۔
تشریح..... جھوٹی گواہی کو علیحدہ فصل میں اس لئے ذکر کیا ہے کہ اس کے مخصوص احکام ہیں اور آخر میں اسلئے ذکر کیا کہ اصل تو سچی گواہی ہے جھوٹی گواہی یہ ہے کہ گواہ اس بات کا اقرار کرے کہ میں نے جھوٹی گواہی دی ہے۔ یا مثلاً ایک شخص نے گواہی دی ہے کہ خالد کو قتل کر دیا گیا ہے پھر دیکھا کہ خالد زندہ ہے تو یہ گواہی بھی جھوٹی ہوگی۔ الغرض گواہ خود اقرار کرے یا یقین کے ساتھ کسی خارجی دلیل سے اس کا جھوٹا ہونا معلوم ہو جائے۔ بہر حال امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ میں جھوٹے گواہ کی بازار میں تشہیر کروں گا اور اس کو رسوا کروں گا۔ اور اس کی تعزیر نہیں کروں گا یعنی اس کو کوڑے نہیں ماروں گا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اس کو مارا بھی جائے گا اور قید خانہ میں بھی رکھا جائے گا۔ یہی قول امام شافعیؒ، امام مالکؒ، امام احمدؒ اور عامۃ العلماء کا ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل..... وہ اثر ہے جو فاروق اعظمؓ سے مروی ہے کہ آپ نے جھوٹے گواہ کو چالیس کوڑے مارے اور پھر اس کا منہ کالا کیا۔ یہ اثر تعزیر کے مشروع ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ نیز ولید بن ابی مالک سے مروی ہے ان عمرؓ کتب الی عمالہ بالشام ان شاهد الزور یضرب اربعین سوطاً ویسخم وجهہ ویحلق رأسہ ویطال حبسہ یعنی حضرت عمرؓ نے اپنے شام کے عاملوں کو لکھا کہ جھوٹے گواہ کو چالیس کوڑے مارے جائیں اس کا منہ کالا کیا جائے اور اس کا سر منڈا لیا جائے اور دیر تک اس کو قید خانہ میں رکھا جائے۔ اس اثر سے ابھی جھوٹے گواہ کی تعزیر ثابت ہوتی ہے۔ اور حضرت عمرؓ جیسے جلیل القدر اولوا العزم صحابی کی تقلید ہمارے لئے حجت ہے۔

اعترض..... اس استدلال پر یہ اعتراض کیا جاسکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے اس اثر میں منہ کالا کرنے کا ذکر ہے۔ حالانکہ صاحبینؒ اس کے جواز کے قائل نہیں ہیں اور تعزیر میں کوڑوں کی تعداد چالیس کو نہیں پہنچتی ہے یعنی تعزیر میں زیادہ سے زیادہ انتالیس کوڑے مارے جاسکتے ہیں۔ حالانکہ اس اثر میں چالیس کوڑوں کا ذکر ہے۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے اثر سے مقصود امام صاحبؒ کے قول کی نفی کرنا ہے۔ کیونکہ امام صاحبؒ تعزیر کے قائل نہیں ہیں۔ بہر حال یہ اثر اس پر دلالت کرتا ہے کہ جھوٹی گواہی کی تعزیر میں نفس ضرب (مارنا) ثابت ہے۔

صاحبینؒ کی دوسری دلیل..... یہ ہے کہ جھوٹی گواہی، کبیرہ گناہ ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹی گواہی کو بت پرستی سے ملا کر فرمایا ہے فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور۔ جھوٹی گواہی کا کبیرہ گناہ ہونا حدیث سے بھی ثابت ہے

ان النبی ﷺ قَالَ الْاَنْبِیُّکُمْ بِالْکِبْرِ الْکَبْرِ اَنْ یُّرْسَلَ الْاَشْرَکُ بِاللّٰهِ وَعَقُوْکَ الْوَالِدِیْنِ

وَکَانَ مَتَکُنًّا فِجْلَسَ فَقَالَ الْاَوْقُولُ الزُّوْرَ اَوْ شَہَادَۃَ الزُّوْرَ فَمَا زَالَ یَقُوْلُهَا حَتّٰی لَا یَسْکُتُ

اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم کو اکبر کبار سے آگاہ کر دوں؟ ہم نے کہا ضرور اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا آپ ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ اچانک بیٹھ کر فرمایا سنو، جھوٹی بات یا جھوٹی گواہی آپ اس کو برابر فرماتے رہے۔

راوی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے دل میں کہا کہ آپ شاید خاموش نہیں ہوں گے۔ اور ایک روایت میں یہ ہے کہ میں نے اپنے دل میں کہا کہ کاش آپ خاموش ہو جاتے۔ بہر حال جھوٹی گواہی کا نصوص سے گناہ کبیرہ ہونا ثابت ہے اور گناہ کبیرہ بھی ایسا جس کا ضرر بندوں کی طرف متعدی ہوتا ہے کیونکہ جھوٹی گواہی سے لوگوں کے اموال اور ان کے حقوق تلف ہو جاتے ہیں اور اس گناہ کبیرہ پر شریعت میں چونکہ کوئی حد بیان نہیں کی گئی ہے اور لوگوں کے فساد اور ضرر کو دور کرنا بھی ضروری ہے۔ اس لئے جھوٹے گواہ کو ضرور تعزیر کی جائے گی۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ قاضی شریعت جھوٹے گواہ کی تشہیر کی تو کرتے تھے مگر اس کو مارتے نہیں تھے اور قاضی شریعت کا یہ عمل فاروق اعظمؓ، حضرت علیؓ اور صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت کے زمانہ میں تھا۔ ظاہر ہے صحابہ پر قاضی شریعت کا یہ عمل مخفی نہیں رہا ہوگا۔ مگر اس کے باوجود

حضرات صحابہ نے سکوت فرمایا لہذا یہ اجماع کے قائم مقام ہو گیا۔ گویا جھوٹے گواہ کو تعزیر نہ کیا جانا باجماع صحابہ ثابت ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ جھوٹے گواہ کو جھوٹی گواہی دینے سے روکنا مقصود ہے اور یہ مقصد محض تشہیر سے بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ پس جب یہ مقصد تشہیر سے حاصل ہو جاتا ہے تو اسی پر اکتفاء کیا جائے گا۔ مارنے پینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے مارنا پیننا اور تعزیر کرنا اگرچہ اس مقصد میں بہت معاون ہے لیکن ایک نقصان بھی ہے نقصان یہ ہے کہ جھوٹا گواہ جب مار پیٹ کا تصور کرے گا تو مار پیٹ کے ڈر سے جھوٹ کا اقرار نہیں کرے گا۔ اور رجوع نہ کرنے کی صورت میں لوگوں کے حقوق ضائع ہو جائیں گے۔ پس اس نقصان کے پیش نظر تخفیف یعنی تشہیر پر اکتفاء کرنا واجب ہے اور یہی حدیث عمرو و تودہ سیاست پر محمول ہے۔ یعنی حضرت عمر ؓ نے انتظامی مصلحت کے پیش نظر جھوٹے گواہ کو تعزیر فرمائی اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ حضرت عمر ؓ نے شاہد زور کو چالیس کوڑے مارے حالانکہ چالیس کوڑے غلام اور باندی کی حد قذف ہے اور تعزیر کے طور پر کسی بھی حد کی مقدار کوڑے مارنا ممنوع ہے۔ چنانچہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا من بلغ حدا فی غیر حد فهو من المعتدین۔ یعنی اگر کسی ایسے شخص کو حد کی مقدار کوڑے مارے جس پر حد واجب نہیں ہے تو وہ کوڑے مانے والا ظالم ہے۔ پس اس وعید کے باوجود حضرت عمر ؓ کا جھوٹے گواہ کو چالیس کوڑے مارنا تعزیر کے طور پر نہیں ہوگا بلکہ انتظامی مصلحت کے پیش نظر ہوگا۔ دوسرا قرینہ یہ کہ منہ کالا کرنا بھی تعزیر میں داخل نہیں ہے لہذا یہ بھی سیاست پر محمول ہوگا۔

بعض حضرات نے حدیث عمر ؓ میں منہ کالا کرنے سے مراد اس کو رسوا کرنے کو مجازاً منہ کالا کرنے سے تعبیر کر دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے وَاِذَا بُشِّرَ احَدُهُم بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْهَهُ مَسْوُودًا یعنی جب ان میں سے کسی کو لڑکی پیدا ہونے کی خبر دی جائے تو اس کا چہرہ کالا پڑ جاتا ہے یعنی وہ اپنے آپ کو رسوا اور ذلیل تصور کرنے لگتا ہے اور جھوٹے گواہ کی رسوائی تشہیر سے ہو سکتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ حدیث میں منہ کالا کرنے سے مراد اس کی تشہیر کرنا ہے اور یہی امام صاحب کا مذہب ہے۔ پس اس صورت میں حدیث عمر سے امام صاحب کا مذہب ثابت ہوگا نہ کہ صاحبین کا۔

صاحب ہدایہ نے حضرت شریح کے حوالہ سے تشہیر کی کیفیت یہ بیان کی ہے کہ جھوٹے گواہ کا تعلق اگر بازار سے ہوتا تو قاضی شریح اس کو بازار میں بھیجتے ورنہ اس کی قوم میں بھیجتے اور عصر بعد بھیجتے جبکہ لوگوں کا سب سے زیادہ مجمع ہوتا ہے یا ایسی جگہ بھیج دیتے جہاں لوگ کثیر تعداد میں اکٹھے ہوں اور لے جانے والے یہ کہتے کہ شریح آپ لوگوں کو سلام کہتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس شخص کو جھوٹا پایا۔ لہذا تم اس سے پرہیز کرو اور دوسروں کو بھی اس سے پرہیز کراؤ۔ شمس اللائمہ سرخسی نے کہا کہ صاحبین کے نزدیک بھی جھوٹے گواہ کی تشہیر کی جائے گی اور صاحبین کے نزدیک تعزیر اور قید میں رکھنا قاضی کی صوابدید پر متوقف ہوگا۔ اور تعزیر کی کیفیت وہ ہے جس کو ہم کتاب الحدود کی فصل فی التعزیر میں بیان کر چکے ہیں۔

دو گواہوں نے جھوٹی گواہی کا اقرار کیا ان کی سزا کا حکم اقوال فقہاء

وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ شَاهِدَانِ أَقْرَأَا أَنَّهُمَا شَهِدَا بَزُورٍ لَّمْ يُضْرَبَا وَقَالَا يُعْزَرَانِ وَفَائِدَتُهُ أَنَّ شَاهِدَ الزُّورِ فِي حَقِّ مَا ذَكَرْنَا مِنَ الْحُكْمِ هُوَ الْمُقِرُّ عَلَى نَفْسِهِ بِذَلِكَ فَأَمَّا لَا طَرِيقَ إِلَى اثْبَاتِ ذَلِكَ بِالْبَيِّنَةِ لِأَنَّهُ نَفْيٌ لِلشَّهَادَةِ وَالْبَيِّنَاتِ لِلْإثْبَاتِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ اور جامع صغیر میں ہے کہ اگر دو گواہوں نے اقرار کیا کہ انھوں نے جھوٹی گواہی دی ہے تو ان کو مارا نہیں جائے گا اور صاحبین نے فرمایا کہ ان کو تعزیر کی جائے گی اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ جھوٹا گواہ اس حکم کے حق میں جو ہم نے ذکر کیا وہ اپنی ذات پر اس کا اقرار کرنے والا ہے بہر حال بینہ کے ذریعہ اس کو ثابت کرنے کی کوئی راہ نہیں ہے اس لئے کہ یہ تو گواہی کی نفی ہے اور گواہیاں اثبات کے لئے ہوتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

تشریح صاحب ہدایہ نے کہا کہ جامع صغیر میں یہ مسئلہ اس طرح ہے کہ اگر دو گواہوں نے اس کا اقرار کیا کہ ہم نے جھوٹی گواہی دی ہے تو امام صاحب کے نزدیک ان کو مارا نہیں جائے گا اور صاحبین کے نزدیک تعزیر کے طور پر ان کو مارنے کی سزا دی جائے گی۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ جامع

کتاب الشہادۃ..... ۱۱۶ اشرف الہدایہ جلد - دہم
صغیر کی اس واضح عبارت کا فائدہ یہ ہے کہ شاہد کا جھوٹ صرف اس کے اقرار سے ثابت ہو سکتا ہے۔ شاہد کے جھوٹ کو بینہ اور شہادت کے ذریعہ ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ شاہد کے جھوٹا ہونے کو ثابت کرنا درحقیقت شہادت کی نفی ہے اور بینات اور گواہیاں کسی چیز کو ثابت کرنے کے لئے ہوتی ہیں نہ کہ نفی کرنے کے لئے اس لئے شاہد زور کا جھوٹا ہونا صرف اس کے اقرار سے ثابت ہو سکتا ہے۔ شہادت وغیرہ کے ذریعہ اس کو ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے۔ واللہ اعلم

جمیل احمد عفی عنہ



کتاب الرجوع عن الشهادات

ترجمہ..... یہ کتاب شہادتوں سے پھر جانے کے بیان میں ہے

تشریح..... کتاب الرجوع عن الشهادات، کتاب الشہادات کے مناسب ہے بایں طور کہ رجوع عن الشهادات، شہادت کے بعد ہی واقع ہوگا۔ اور اس کتاب کو شہادت زور کی فصل سے اس لئے مؤخر کیا کہ شہادت سے رجوع کرنا اس بات کی علامت ہے کہ شہادت جھوٹی تھی اور جھوٹی شہادت سے رجوع کرنا دینا مرغوب فیہ امر ہے کیونکہ جھوٹی شہادت سے رجوع کرنے کی وجہ سے انسان آخرت کے بڑے عذاب سے نجات پاتا ہے۔

فیصلہ سے پہلے گواہوں کا گواہی سے رجوع کا حکم

قَالَ وَإِذَا رَجَعَ الشَّهُّودُ عَنْ شَهَادَتِهِمْ قَبْلَ الْحُكْمِ بِهَا سَقَطَتْ لِأَنَّ الْحَقَّ إِنَّمَا يَثْبُتُ بِالْقَضَاءِ وَالْقَاضِي لَا يَقْضِي بِكَلَامٍ مُتَنَاقِضٍ وَلَا ضَمَانٍ عَلَيْهِمَا لِأَنَّهُمَا مَا اتَّفَقَا شَيْئًا لَا عَلَى الْمُدَّعَى وَلَا عَلَى الْمُدَّعَى عَلَيْهِ فَإِنْ حَكَمَ بِشَهَادَتِهِمْ ثُمَّ رَجَعُوا لَمْ يَفْسَخِ الْحُكْمُ لِأَنَّ أَحَدَ كَلَامِهِمْ يَنْقِضُ أَوَّلَهُ فَلَا يَنْقُضُ الْحُكْمُ بِالتَّنَاقُضِ وَلِأَنَّهُ فِي الدَّلَالَةِ عَلَى الصِّدْقِ مِثْلُ الْأَوَّلِ وَقَدْ تَرَجَّحَ الْأَوَّلُ بِاتِّصَالِ الْقَضَاءِ بِهِ وَعَلَيْهِمْ ضَمَانٌ مَا اتَّفَقُوا بِشَهَادَتِهِمْ لِإِقْرَارِهِمْ عَلَى أَنْفُسِهِمْ بِسَبَبِ الضَّمَانِ وَالتَّنَاقُضِ لَا يَمْنَعُ صِحَّةَ الْإِقْرَارِ وَسَقَرَزُهُ مِنْ بَعْدِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ.

ترجمہ..... اگر گواہی کے ساتھ حکم کرنے سے پہلے گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کیا تو گواہی ساقط ہو جائے گی اس لئے کہ حق قضاء سے ثابت ہوتا ہے اور قاضی متناقض کلام پر فیصلہ نہیں کرے گا اور ان گواہوں پر تاوان بھی واجب نہ ہوگا کیونکہ انہوں نے مدعی یا مدعی علیہ کی کوئی چیز تلف نہیں کی ہے۔ پس اگر قاضی نے ان کی گواہی پر حکم دیا پھر انہوں نے رجوع کیا تو قاضی کا حکم نسخ نہ ہوگا اس لئے کہ گواہوں کا آخری کلام، ان کے اول کلام کے معارض ہے پس تناقض کی وجہ سے حکم نہیں ٹوٹے گا اور اس لئے کہ سچائی پر دلالت کرنے میں دوسرا کلام اول کے مانند ہے۔ حالانکہ کلام اول اس کے ساتھ قضاء کے متصل ہونے کی وجہ سے راجح ہو گیا اور ان گواہوں پر اس چیز کا تاوان واجب ہوگا جس کو انہوں نے اپنی گواہی سے تلف کیا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنی ذات پر ضمان کے سبب کا اقرار کیا ہے۔ اور تناقض، اقرار صحیح ہونے کے لئے مانع نہیں ہے اور ہم اس کو آئندہ بیان کریں گے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ گواہوں کا اپنی گواہی سے رجوع کرنا قاضی کے فیصلہ کرنے سے پہلے ہوگا یا بعد میں ہوگا۔ اگر اول ہے تو بالاتفاق شہادت ساقط ہو جائے گی یعنی اس شہادت سے مدعی علیہ پر کوئی حق ثابت نہیں کیا جائے گا۔

دلیل..... یہ ہے کہ حق قاضی کے حکم سے ثابت ہوتا ہے اور یہاں ابھی تک قاضی کا کوئی حکم نہیں ہے اور آئندہ بھی قاضی کوئی حکم نہیں کر سکتا ہے۔ کیونکہ گواہوں کے کلام میں تناقض ہے اس طور پر کہ گواہوں نے پہلے گواہی دی اور پھر خود ہی اس کی تردید کر دی اور جس کلام میں تناقض ہو، قاضی اس کے مطابق حکم کرنے کا مجاز نہیں ہوتا۔ پس جب قاضی گواہوں کے کلام میں تناقض کی وجہ سے فیصلہ کرنے کا مجاز نہیں ہے تو مدعی علیہ پر کوئی حق ثابت نہ ہوگا۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ شہادت سے رجوع کرنے کی وجہ سے گواہوں پر کسی طرح کا کوئی تاوان بھی واجب نہ ہوگا کیونکہ تاوان کسی کی کوئی چیز تلف کرنے کی وجہ سے واجب ہوتا ہے حالانکہ یہاں کسی چیز کو تلف کرنا نہیں پایا گیا اس لئے کہ گواہوں نے نہ تو مدعی کی کوئی چیز تلف کی ہے

اور نہ مدعی علیہ کی کوئی چیز تلف کی ہے۔ مدعی علیہ کی کسی چیز کا تلف نہ ہونا اس لئے ہے کہ اگر شہادت واقعہ حق تھی اور گواہوں نے حکم قاضی سے پہلے اس سے رجوع کر لیا تو یہ گواہ کتمان شہادت کرنے والے ہوں گے اور کتمان شہادت کرنے والے پر کوئی تاوان واجب نہیں ہوتا۔ لہذا ان گواہوں پر بھی رجوع عن الشهادات کی وجہ سے کوئی تاوان واجب نہ ہوگا۔ اور اگر ثانی ہے یعنی قاضی گواہوں کی گواہی پر فیصلہ کر چکا ہے تو اس کے بعد گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کیا ہے تو قاضی کا فیصلہ کالعدم نہیں ہوگا بلکہ علیٰ حالہ برقرار رہے گا۔

دلیل..... یہ ہے کہ گواہوں کا آخری کلام ان کے اول کلام کے معارض اور منقض ہے اور کلام منقض عقلاً اور شرعاً ساقط الاعتبار ہے اور ساقط الاعتبار کلام سے حاکم کا حکم نہیں ٹوٹتا ہے۔ لہذا گواہوں کے آخر کلام یعنی رجوع عن الشهادات سے بھی قاضی کا حکم نہیں ٹوٹے گا اور کلام منقض ساقط الاعتبار اس لئے ہے کہ اگر اس کا اعتبار کر لیا جائے تو تسلسل لازم آئے گا۔ باین طور کہ جب گواہوں نے اپنی شہادت سے رجوع کیا تو اس کا اعتبار کرنے کی وجہ سے قاضی کا حکم ٹوٹ گیا۔ پھر اگر وہ اپنے رجوع سے رجوع کر لیں یعنی شہادت کو باقی رکھیں تو چونکہ اس کا بھی اعتبار ہوگا۔ اس لئے قاضی کا حکم باقی رہے گا۔ پھر اگر وہ اپنے رجوع کے رجوع سے بھی رجوع کر لیں تو پھر اس کا بھی اعتبار ہوگا اور قاضی کا حکم ٹوٹ جائے گا۔ پس چونکہ ایک کلام کو دوسرے پر ترجیح نہیں ہے اس لئے یہ تسلسل تا قیامت برابر چلتا رہے گا۔ حالانکہ تسلسل محال ہے اور جو چیز محال کو مستلزم ہو چونکہ وہ خود محال ہوتی ہے اس لئے کلام منقض کا معتبر ہونا محال ہوگا۔

دوسری دلیل..... یہ ہے کہ گواہوں کا دوسرا کلام یعنی رجوع عن الشهادات صداقت پر دلالت کرنے میں کلام اول کے مانند ہے گویا دونوں کلام مساوی ہیں۔ مگر چونکہ کلام اول کے ساتھ قاضی کا حکم متصل ہو گیا ہے۔ اس لئے کلام اول رائج ہوگا۔ اور جب کلام اول رائج ہے تو مرجوع یعنی کلام ثانی کی وجہ سے قاضی کا حکم کالعدم نہیں ہوگا۔

صاحب قدوری نے کہا کہ اس صورت میں گواہوں نے جو کچھ اپنی گواہی سے تلف کیا ہے یعنی ان کی گواہی سے مدعی علیہ کا جو کچھ مال تلف ہوا ہے۔ اس کا تاوان خود ان گواہوں پر واجب ہوگا کیونکہ انہوں نے اپنی ذات پر اس کا اقرار کیا ہے کہ مدعی علیہ نے جو کچھ مال مدعی کو دیا ہے وہ چونکہ ہماری شہادت پر دیا ہے اس لئے رجوع عن الشهادات کی وجہ سے اس کو تلف کرنے والے ہم ہوئے۔ حاصل یہ کہ گواہوں نے ضمان کے سبب کا اقرار کر لیا ہے اور جب سبب ضمان کا اقرار کر لیا ہے یعنی اپنی شہادت سے رجوع کر لیا ہے تو ان پر ضمان واجب ہوگا۔ اگر یہ کہا جائے کہ مدعی علیہ کے مال کے تلف ہونے کی علت قاضی کا حکم ہے یعنی قاضی اگر حکم نہ کرتا تو مدعی علیہ کا یہ مال کیونکر تلف ہوتا۔ لہذا تاوان قاضی پر واجب ہونا چاہئے نہ کہ گواہوں پر، تو اس کا جواب یہ ہے کہ تلف مال کی علت اگرچہ قاضی کا حکم ہے لیکن اس فیصلہ کا سبب گواہوں نے ہی فراہم کیا ہے یعنی گواہ اگر گواہی نہ دیتے تو قاضی ہرگز فیصلہ نہ کرتا۔ گویا قاضی گواہوں کی طرف سے فیصلہ کرنے پر مجبور و مضطر تھا۔ اور ایسے موقع پر حکم سبب فراہم کرنے والے کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ لہذا اس تلف مال کو بھی گواہوں کی طرف منسوب کیا جائے گا اور جب یہ تلف مال گواہوں کی طرف منسوب ہے تو ضمان گواہوں کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ اور جب یہ تلف مال گواہوں کی طرف منسوب ہے تو ضمان گواہوں پر واجب ہوگا نہ کہ قاضی پر اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے راستہ پر کنواں کھودا اور اس میں کوئی راہ گیر گر کر مر گیا تو یہ کنواں کھودنے والا چونکہ مسبب ہے یعنی اس کی ہلاکت کا سبب فراہم کرنے والا ہے اس لئے اس کا تاوان یعنی دیت اسی کنواں کھودنے والے پر واجب ہوگی۔

اعتراض..... رہا یہ اعتراض کہ رجوع عن الشهادات کی وجہ سے جب گواہوں کے کلام میں تناقض ہے اور منقض کلام ساقط الاعتبار ہے تو ان پر اس رجوع کی وجہ سے ضمان واجب نہ ہونا چاہئے تھا۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ گواہوں کے کلام میں بلاشبہ تناقض ہے لیکن یہ تناقض صحت اقرار کے لئے مانع نہیں ہے یعنی گواہوں کا اپنی ذات پر اقرار کرنا تناقض کے باوجود درست ہے۔ انشاء اللہ اس کو آئندہ چل کر بیان کریں گے۔

حاکم کی موجودگی میں گواہی سے رجوع ضروری ہے

وَلَا يَصِحُّ الرَّجُوعُ إِلَّا بِحَضْرَةِ الْحَاكِمِ لِأَنَّهُ فَسَخُ الشَّهَادَةِ فَيَخْتَصُّ بِمَا تَخْتَصُّ بِهِ الشَّهَادَةُ مِنَ الْمَجْلِسِ وَهُوَ مَجْلِسُ الْقَاضِي أَيْ قَاضٍ كَانَ وَلَآنَ الرَّجُوعُ تَوْبَةً وَالتَّوْبَةُ عَلَى حَسَبِ الْجَنَايَةِ فَالْسَّرُّ بِالسَّرِّ وَالْإِعْلَانُ بِالْإِعْلَانِ وَإِذَا لَمْ يَصِحَّ الرَّجُوعُ فِي غَيْرِ مَجْلِسِ الْقَاضِي فَلَوْ ادَّعَى الْمَشْهُودُ عَلَيْهِ رُجُوعَهُمَا وَأَرَادَ يَمِينَهُمَا لَا يَحْلِفَانِ وَكَذَا لَا تُقْبَلُ بَيِّنَتُهُ عَلَيْهِمَا لِأَنَّهُ ادَّعَى رُجُوعًا بَاطِلًا حَتَّى لَوْ أَقَامَ الْبَيِّنَةُ أَنَّهُ رَجَعَ عِنْدَ قَاضِي كَذَا وَضَمَّنَهُ الْمَالَ تُقْبَلُ لِأَنَّ السَّبَبَ صَحِيحٌ.

ترجمہ..... اور رجوع کرنا صحیح نہیں مگر حاکم کی موجودگی میں اس لئے کہ رجوع کرنا فسخ شہادت ہے۔ لہذا اس مجلس کے ساتھ مختص ہوگا جس کے ساتھ شہادت مختص ہے اور وہ قاضی کی مجلس ہے خواہ کوئی قاضی ہو اور اس لئے کہ رجوع عن الشہادت توبہ ہے اور توبہ جنایت کے مطابق ہوتی ہے پس خفیہ گناہ کی خفیہ توبہ ہے اور علانیہ گناہ کی علانیہ توبہ ہے اور جب غیر مجلس قاضی میں رجوع کرنا صحیح نہیں ہے تو اگر مشہود علیہ نے دونوں گواہوں کے رجوع کا دعویٰ کیا اور ان دونوں میں رجوع کرنا صحیح نہیں ہے تو اگر مشہود علیہ نے دونوں گواہوں کے رجوع کا دعویٰ کیا اور ان دونوں سے قسم کا ارادہ کیا تو گواہوں سے قسم نہیں لی جائے گی اور ایسے ہی ان کے خلاف مدعی علیہ کا بیئہ قبول نہ ہوگا اس لئے کہ اس نے رجوع باطل کا دعویٰ کیا ہے۔ حتیٰ کہ اگر مدعی علیہ نے بیئہ قائم کیا کہ اس نے فلاں قاضی کے پاس رجوع کیا ہے اور فلاں قاضی نے اس کو مال کا تاوان دلایا ہے تو یہ بیئہ قبول ہوگا کیونکہ سبب صحیح ہے۔

تشریح..... صاحب قدوری نے فرمایا کہ گواہوں کا اپنی گواہی سے رجوع کرنا صرف قاضی کی مجلس میں معتبر ہوگا قاضی خواہ وہی ہو جس کے پاس گواہی دی گئی تھی یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا قاضی ہو بہر حال رجوع عن الشہادت کے لئے بھی قاضی کی مجلس شرط ہے۔

دلیل..... یہ ہے کہ شہادت سے رجوع کرنا درحقیقت شہادت کو فسخ کرنا ہے۔ لہذا رجوع عن الشہادت اسی مجلس کے ساتھ مختص ہوگا جس کے ساتھ شہادت مختص ہے اور یہ پہلے گزر چکا ہے کہ شہادت قاضی کی مجلس کے ساتھ مختص ہے لہذا رجوع عن الشہادت بھی قاضی کی مجلس کے ساتھ مختص ہوگا۔

اعترض..... اس جگہ ایک اعتراض ہے وہ یہ کہ رجوع عن الشہادت قاضی کی مجلس کے ساتھ مختص نہ ہونا چاہئے کیونکہ رجوع عن الشہادت، گواہوں کا اپنے اوپر مدعی علیہ کے مال کے تاوان کا اقرار کرنا ہے اس لئے کہ گواہوں نے جھوٹی گواہی کے ذریعہ اس کے مال کو تلف کیا ہے اور مال کے تاوان کا اقرار چونکہ قاضی کی مجلس کے ساتھ مختص نہیں ہوتا ہے اس لئے رجوع عن الشہادت بھی قاضی کی مجلس کے ساتھ مختص نہ ہوگا۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ جو چیز ابتداء میں شرط ہوتی ہے وہ بقاء میں بھی شرط ہوتی ہے۔ مثلاً بیع کا موجود ہونا ابتداء صحت بیع کے لئے شرط ہے اور اس کی بقاء صحت فسخ کے لئے شرط ہے۔ پس اسی طرح قاضی کی مجلس چونکہ ابتداء صحت شہادت کے لئے شرط ہے اس لئے قاضی کی مجلس بقاء فسخ شہادت اور رجوع عن الشہادت کے لئے بھی شرط ہوگی۔

دوسرا جواب..... یہ ہے کہ شہادت کے نتیجہ میں مدعی کا مدعی علیہ پر جو استحقاق ثابت ہوا ہے وہ اس وقت تک مرتفع نہیں ہوگا جب تک کہ حجت باقی ہے پس اس استحقاق کو دور کرنے کے لئے حجت کا رفع ضروری ہے اور قاضی کی مجلس کے علاوہ میں شہادت سے رجوع کرنا حجت کو رفع کرنا نہیں ہوگا۔ کیونکہ قاضی کی مجلس کے علاوہ میں شہادت حجت نہیں ہوتی۔ پس جب قاضی کی مجلس کے علاوہ میں شہادت حجت نہیں ہے تو قاضی کی مجلس کے علاوہ میں حجت کو رفع کرنا بھی درست نہ ہوگا اور جب قاضی کی مجلس کے علاوہ میں حجت کو رفع کرنا بھی درست نہیں ہے تو غیر مجلس قاضی میں رجوع عن الشہادت بھی درست نہ ہوگا اور رہا گواہوں کا اقرار بالضمنان تو وہ رفع حجت کے ضمن میں ثابت ہوتا ہے۔ لہذا اقرار بالضمنان رفع حجت کے تابع میں سے ہوگا اور اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ رجوع عن الشہادت کے قاضی کی مجلس کے ساتھ مختص ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ رجوع عن

الشہادت، جنایت کذب سے توبہ ہے۔ اور توبہ جنایت کے مطابق ہوتی ہے۔ یعنی جس درجہ کی جنایت ہوتی ہے اسی درجہ کی توبہ معتبر ہوتی ہے۔ چنانچہ جنایت اگر چھپ کر ہو تو توبہ بھی چھپ کر کافی ہو جائے گی۔ اور اگر جنایت بر ملا ہو تو توبہ بھی علانیہ طور پر ضروری ہے اور جھوٹی گواہی چونکہ قاضی کی مجلس میں جنایت اور جرم ہے اس لئے اس سے توبہ یعنی رجوع عن الشہادت بھی قاضی کی مجلس کے ساتھ مقید اور مختص ہوگا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ قاضی کی مجلس کے علاوہ میں چونکہ شہادت سے رجوع کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے اگر مشہود علیہ (مدعی علیہ) نے دعویٰ کیا کہ گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کیا ہے اور اپنے اس دعویٰ پر بیہ پیش کر دیا یا بیہ تو پیش نہ کر سکا لیکن مدعی علیہ نے گواہوں سے قسم لینا چاہا تو قاضی ان گواہوں کے خلاف نہ تو مدعی علیہ کا بیہ قبول کرے گا اور نہ گواہوں سے قسم لے گا کیونکہ بیہ اور قسم دونوں دعویٰ صحیحہ پر مرتب ہوتے ہیں۔ حالانکہ غیر مجلس قاضی میں رجوع کا دعویٰ باطل ہے۔ پس جب رجوع کا دعویٰ باطل ہے تو اس پر نہ بیہ مرتب ہوگا۔ اور نہ قسم مرتب ہوگی حتیٰ کہ اگر مدعی علیہ نے یہ بیہ قائم کیا کہ گواہوں نے اپنی گواہی سے فلاں قاضی کے سامنے رجوع کیا تھا اور اس قاضی نے میرے لئے مال کا تاوان دینے کا بھی حکم کر دیا تھا۔ مگر اب تک گواہوں نے مجھے کچھ نہیں دیا ہے تو قاضی اس بیہ کو قبول کرے گا کیونکہ اس صورت میں قبول بیہ کا سبب یعنی مجلس قاضی میں رجوع کا دعویٰ صحیح ہے اور جب دعویٰ صحیح ہے تو اس پر بیہ کا ترتیب بھی درست ہوگا۔

حاکم نے گواہوں کی گواہی پر فیصلہ کر دیا پھر گواہوں نے رجوع کر لیا

قَالَ وَإِذَا شَهِدَ شَاهِدَانِ بِمَالٍ فَحَكَمَ الْحَاكِمُ بِهِ ثُمَّ رَجَعَا ضَمِنَا الْمَالَ لِلْمَشْهُودِ عَلَيْهِ لِأَنَّ التَّسْبِيبَ عَلَى وَجْهِ التَّعْدِي سَبَبُ الضَّمَانِ كَحَافِرِ الْبَيْرِ وَقَدْ سَبَبَ لِلْإِتْلَافِ تَعْدِيًا وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا يَضْمَنَانِ لِأَنَّهُ لَا عِبْرَةَ لِلتَّسْبِيبِ عِنْدَ وُجُودِ الْمُبَاشَرَةِ فَلْنَا تَعَدَّرَ إِيحَابُ الضَّمَانِ عَلَى الْمُبَاشِرِ وَهُوَ الْقَاضِي لِأَنَّهُ كَالْمَلْجَأِ إِلَى الْقَضَاءِ وَفِي إِيحَابِهِ صَرَفُ النَّاسِ عَنْ تَقْلِيدِهِ وَتَعَدَّرَ اسْتِيفَاؤُهُ مِنَ الْمُدْعَى لِأَنَّ الْحُكْمَ مَاضٍ فَاعْتَبَرَ التَّسْبِيبُ وَإِنَّمَا يَضْمَنَانِ إِذَا قَبِضَ الْمُدْعَى الْمَالَ دَيْنًا كَانَ أَوْ عَيْنًا لِأَنَّ الْإِتْلَافَ بِهِ يَتَحَقَّقُ وَلِأَنَّهُ لَا مُمَاطَلَةَ بَيْنَ أَخِذِ الْعَيْنِ وَالزَّامِ الدَّيْنِ.

ترجمہ..... اور اگر دو گواہوں نے مال کی گواہی دی پس حاکم نے اس گواہی کے موافق حکم دیا پھر انہوں نے رجوع کیا تو دونوں گواہ مشہود علیہ کے واسطے مال کے ضامن ہوں گے۔ اس لئے کہ تعدی کے طور پر سبب مہیا کرنا ضمان کا سبب ہے۔ جیسے کنواں کھودنے والا اور ان دونوں گواہوں نے بھی ناحق طور سے مال تلف کرنے کا سبب مہیا کیا ہے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ گواہ ضامن نہ ہوں گے۔ کیونکہ ارتکاب کے پائے جانے کے وقت سبب مہیا کرنے کا اعتبار نہیں ہے۔ ہم جواب دیں گے کہ مرتکب پر تاوان واجب کرنا معتذر رہے اور مرتکب قاضی ہے۔ اس لئے کہ قاضی فیصلہ دینے پر مجبور کے مانند تھا۔ اور قاضی پر تاوان واجب کرنے میں لوگوں کا عہدہ قضاء قبول کرنے سے اعراض کرنا (لازم آتا) ہے۔ اور مدعی سے بھی تاوان وصول کرنا معتذر ہے اس لئے کہ حکم نافذ ہو چکا ہے کہ پس سبب مہیا کرنے کا اعتبار کیا جائے گا اور دونوں گواہ اسی وقت ضامن ہوں گے جبکہ مدعی نے مال پر قبضہ کر لیا ہو مال دین ہو یا عین ہو۔ اس لئے کہ قبضہ کرنے ہی سے تلف کرنا متحقق ہوگا اور اس لئے کہ عین لینے اور دین لازم کرنے میں کوئی مماثلت نہیں ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر دو گواہوں نے کسی شخص کے خلاف مال کی گواہی دی پھر قاضی نے اس گواہی کے مطابق حکم دے کر مدعی علیہ کو مال دلادیا، پھر دونوں گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کر لیا تو دونوں گواہ مدعی علیہ کے لئے مال کے ضامن ہوں گے۔ اسی کے قائل امام مالک اور امام احمدؒ ہیں۔ اور امام شافعیؒ کا صحیح قول بھی یہی ہے۔ البتہ امام شافعیؒ کا ایک قول یہ ہے کہ گواہ پر ضمان واجب نہ ہوگا بلکہ قاضی پر واجب ہوگا۔ ہماری دلیل..... یہ ہے کہ ناحق اور تعدی کے طور پر سبب مہیا کرنا، دمان کا سبب ہوتا ہے یعنی اگر کوئی شخص ناحق اور تعدی کے طور پر سبب فراہم

کرے تو حکم اسی سبب کی طرف منسوب ہوتا ہے اور ضمان سبب فراہم کرنے والے پر واجب ہوتا ہے۔ مباشر اور مرتکب فعل پر واجب نہیں ہوتا ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص نے کسی کی زمین یا راستہ میں کٹواں کھودا اور اس میں کوئی آدمی یا جانور گر کر مر گیا تو اس کا ضمان کٹواں کھودنے والے پر واجب ہوگا۔ کیونکہ کٹواں کھودنے والا، تعدی کرنے والا ہے۔ لہذا اگر کرمر نے والے کے تلف ہونے کو اس کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ یعنی یہ کہا جائے گا کہ اسی نے تلف کیا ہے اور جب اس نے تلف کیا ہے تو ضمان تلف اسی پر واجب ہوگا۔ اسی طرح مسئلہ مذکورہ میں مدعی علیہ کے مال کو ناحق اور تعدی کے طور پر تلف کرنے کا سبب ان دونوں گواہوں نے مہیا کیا ہے یعنی ان دونوں گواہوں نے اپنی گواہی سے مدعی علیہ کا مال تلف کیا ہے اور گواہی سے رجوع کر کے اس بات کا بھی اقرار کیا ہے کہ ہم دونوں نے مدعی علیہ کا مال ناحق اور تعدی کے طور پر تلف کیا ہے۔ پس جب دونوں گواہوں نے ناحق اور تعدی کے طور پر مدعی علیہ کا مال تلف کرنے کا سبب مہیا کیا ہے تو ضمان انہیں گواہوں پر واجب ہوگا۔

حضرت امام شافعیؒ کے قول ضعیف کی دلیل..... یہ ہے کہ فعل کے مرتکب اور مباشر کی موجودگی میں سبب فراہم کرنے کا اعتبار نہیں ہوتا ہے۔ یعنی جب حقیقتاً فعل کا ارتکاب کرنے والا موجود ہو تو حکم اسی مرتکب کی طرف منسوب کیا جائے گا سبب کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا۔ پس جب یہ بات ہے تو مدعی علیہ کا مال تلف کرنے والا چونکہ درحقیقت قاضی ہے جس نے حکم دیا ہے اور گواہ محض اس حکم کا سبب ہیں تو قاضی جو مال تلف کرنے والا ہے جب خود موجود ہے تو ضمان قاضی پر واجب ہوگا۔ اور گواہوں پر واجب نہ ہوگا۔ جیسے حامد نے خالد سے کہا کہ تو عارف کا ہاتھ کاٹ دے پس حامد کے اکسانے سے خالد نے عارف کا ہاتھ کاٹ دیا تو اس جرم میں خالد، مرتکب فعل مآخوذ ہوگا اور حامد اکسانے والے کا کچھ اعتبار نہ ہوگا۔

ہماری طرف سے اس کا جواب..... یہ ہے کہ مباشر یعنی قاضی پر ضمان واجب کرنا محذور اور ناممکن ہے کیونکہ قاضی فیصلہ کرنے پر گویا مجبور ہے اس لئے کہ قاضی کے نزدیک جب گواہوں کی عدالت ثابت ہو جائے تو اس پر فیصلہ کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر قاضی اپنے اوپر فیصلہ کرنا فرض نہ سمجھے تو کافر ہو جائے گا اور اگر فرض تو سمجھتا ہے لیکن فیصلہ کرنے میں خواہ مخواہ کی تاخیر کرتا ہے۔ تو گنہگار اور فاسق ہوگا اور اس کو معزول کر کے تعزیر کی جائے گی۔ بہر حال قاضی جب فیصلہ کرنے میں مجبور سا ہے تو وہ فیصلہ کرنے میں معذور ہوگا اور معذور پر کسی طرح کا کوئی تاوان واجب نہیں ہوتا ہے۔ لہذا قاضی پر بھی مدعی علیہ کے لئے مال کا تاوان واجب نہ ہوگا۔ یہاں عبارت میں قاضی کو کالمسجاء مجبور کے مانند اس لئے کہا ہے کہ حقیقتاً مجبور اور مضطرب وہ کہلاتا ہے جس کو دنیاوی عقوبت کا خوف ہو اور یہاں قاضی ایسا نہیں ہے کیونکہ قاضی کو اخروی عقوبت کا خوف ہوتا ہے یعنی قاضی اخروی عقوبت کے خوف سے جلد فیصلہ کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ ورنہ اس کو اس بارے میں دنیاوی عقوبت کا کوئی خوف لاحق نہیں ہوتا۔ قاضی پر ضمان واجب نہ کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر قاضی پر ضمان واجب کیا جاتا تو لوگ یہ مصیبت دیکھ کر عہدہ قضاء قبول کرنے سے گریز کریں گے۔ اور جب تمام لوگ عہدہ قضاء قبول کرنے سے گریز کریں گے تو یہ ضرر عام ہوگا۔ پس اس ضرر عام سے بچنے کے لئے ضرر خاص یعنی قاضی پر ضمان واجب نہ کرنے کو برداشت کرنا پڑے گا اس سے بھی معلوم ہوا کہ قاضی پر ضمان واجب نہ ہوگا۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ مذکورہ تاوان کو مدعی سے وصول کرنا بھی ناممکن ہے۔ کیونکہ قاضی کا فیصلہ ناطق اور نافذ ہو چکا ہے۔ لہذا گواہوں کے رجوع کرنے سے وہ فیصلہ کالعدم اور فسخ نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ گواہوں کے رجوع کرنے کی خبر، ان کے کلام اول یعنی شہادت ادا کرنے سے راجع اور اولیٰ نہیں ہے۔ اور جب گواہوں کا کلام ثانی، کلام اول سے راجع نہیں ہے تو کلام اول یعنی شہادت کی بنیاد پر قاضی نے جو فیصلہ دیا تھا وہ نہیں ٹوٹے گا اور جب قاضی کا فیصلہ نہیں ٹوٹا تو مدعی پر اس مال کا واپس کرنا بھی واجب نہ ہوگا۔ جو مال اس کو قاضی کے فیصلہ کے نتیجہ میں وصول ہوا تھا۔

بہر حال جب نہ تو مباشر (قاضی) پر تاوان واجب کرنا ممکن ہے اور نہ مدعی سے وصول کرنا ممکن ہے تو تعدی اور ناحق طریقہ پر سبب مہیا کرنے کا اعتبار ہوگا۔ یعنی گواہ جنہوں نے گواہی سے رجوع کر کے تعدی کی ہے اور سبب ضمان ہوئے ہیں ان پر ضمان واجب ہوگا۔

وانما یضمنان..... الخ سے صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ دونوں گواہ مدعی علیہ کے لئے اس وقت ضامن ہوں گے جبکہ مدعی نے اس مال پر

قبضہ کر لیا ہو جس مال کا قاضی نے ان کی گواہی پر فیصلہ کیا تھا وہ مال خواہ از قسم دین (سونا، چاندی) ہو خواہ از قسم عین (کپڑا) وغیرہ ہو۔
 دلیل..... یہ ہے کہ گواہ اس لئے ضامن ہوتے ہیں کہ انہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کر کے مدعی علیہ کا مال تلف کیا ہے اور یہ تلف کرنا اس وقت متحقق ہوگا جبکہ مدعی نے اس مال پر قبضہ کر لیا ہو۔ قبضہ کرنے سے پہلے تلف کرنا متحقق نہیں ہوتا ہے۔ پس جب قبضہ کرنے سے پہلے تلف کرنا متحقق نہیں ہوتا بلکہ قبضہ کرنے کے بعد متحقق ہوتا ہے تو گواہ اسی وقت ضامن ہوں گے جبکہ مدعی نے مال پر قبضہ کر لیا ہو۔

دوسری دلیل..... یہ ہے کہ ضمان کی بنیاد مماثلت پر ہے یعنی ضمان اسی چیز کا واجب ہوتا ہے جس کا مثل موجود ہو۔ حالانکہ مدعی کے قبضہ کرنے سے پہلے کوئی مماثلت نہیں ہے اس طور پر کہ گواہوں نے اپنی گواہی سے مدعی علیہ پر جو لازم کیا ہے وہ دین (ما وجب فی الذمہ) ہے۔ پس اگر مدعی کے قبضہ کرنے سے پہلے گواہوں کو ضامن بنادیا گیا تو مدعی علیہ گواہوں سے جو وصول کرے گا وہ عین (متعین) ہوگا۔ گویا مدعی علیہ نے گواہوں سے دین (ما وجب فی الذمہ) کے مقابلہ میں عین (متعین) وصول کیا ہے حالانکہ عین اور دین کے درمیان کوئی مماثلت نہیں ہے اور جب اس صورت میں مماثلت نہیں ہے تو گواہوں کو ضامن بنانا بھی درست نہ ہوگا۔ لیکن جب مدعی نے قبضہ کر لیا تو قبضہ کرنے سے وہ بھی عین (متعین) ہو گیا اور گواہوں سے جو وصول کیا گیا ہے وہ بھی عین (متعین) ہے اور دو مال عین کے درمیان مماثلت موجود ہے لہذا اس صورت میں ضامن بنانا درست ہے۔ یہ واضح رہے کہ مذکورہ دلیل کے اعتبار سے عین و دین میں کوئی فرق نہیں ہے یعنی گواہوں کی گواہی سے مدعی علیہ کے ذمہ (عین) کپڑا وغیرہ واجب ہوا یا دین (سونا، چاندی) واجب ہوا ہو۔ دونوں صورتوں میں مذکورہ دلیل جاری ہوگی۔ البتہ شیخ الاسلام نے عین و دین میں فرق کیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے فرمایا کہ مشہود بآگر عین ہو یعنی گواہوں نے مال عین کپڑا وغیرہ کی گواہی دی ہو تو رجوع کرنے کے بعد گواہوں کو اس کا ضامن بنادیا جائے گا۔ اگرچہ مدعی نے اس پر قبضہ نہ کیا ہو۔ اور اگر مشہود بدین سونا، چاندی ہو تو رجوع کے بعد گواہوں کو اسی وقت ضامن بنایا جائے گا۔ جب مدعی اس پر قبضہ کر لے، قبضہ سے پہلے ضامن بنانا درست نہیں ہے۔

ایک نے رجوع کیا تو نصف کا ضامن ہوگا

قَالَ فَإِنْ رَجَعَ أَحَدُهُمَا ضَمِنَ النِّصْفَ وَالْأَصْلُ أَنَّ الْمُعْتَبَرَ فِي هَذَا بَقَاءُ مَنْ بَقِيَ لَا رُجُوعَ مَنْ رَجَعَ وَقَدْ بَقِيَ مَنْ يَبْقَى بِشَهَادَتِهِ نِصْفُ الْحَقِّ وَإِنْ شَهِدَ بِالْمَالِ ثَلَاثَةٌ فَرَجَعَ أَحَدُهُمْ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ بَقِيَ مَنْ يَبْقَى بِشَهَادَةِ كُلِّ الْحَقِّ وَهَذَا لِأَنَّ الْإِسْتِحْقَاقَ بَاقٍ بِالْحُجَّةِ وَالْمُتْلَفُ مَتَى اسْتَحَقَّ سَقَطَ الضَّمَانُ فَأُولَئِیْ أَنْ يَمْتَنِعَ فَإِنْ رَجَعَ آخَرُ ضَمِنَ الرَّاجِعَانِ نِصْفَ الْحَقِّ لِأَنَّ بَقَاءَ أَحَدِهِمْ يَبْقَى نِصْفُ الْحَقِّ وَإِنْ شَهِدَ رَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ فَرَجَعَتْ امْرَأَةٌ ضَمِنَتْ رُبْعَ الْحَقِّ لِبَقَاءِ ثَلَاثَةِ الْأَرْبَاعِ بِقَاءُ مَنْ بَقِيَ وَإِنْ رَجَعَتَا ضَمِنَتَا نِصْفَ الْحَقِّ لِأَنَّ بِشَهَادَةِ الرَّجُلِ بَقِيَ نِصْفُ الْحَقِّ

ترجمہ..... پھر اگر دو گواہوں میں سے ایک نے رجوع کیا ہو تو آدھے مال کا ضامن ہوگا اور اصل اس بارے میں یہ ہے کہ گواہوں میں سے جو گواہی پر باقی رہا اس کا باقی رہنا معتبر ہے اور جس نے رجوع کیا اس کا رجوع کرنا معتبر نہیں ہے اور جو شخص گواہی پر باقی ہے اس کا نصف حق باقی رہا اور اگر تین آدمیوں نے مال کی گواہی دی پھر ان میں سے ایک نے رجوع کر لیا تو اس پر ضمان نہیں ہے۔ اس لئے کہ جو لوگ اپنی گواہی پر باقی ہیں (ان کی گواہی سے) پورا حق باقی رہتا ہے اور یہ اس لئے کہ استحقاق حجت کے ساتھ باقی ہے اور شیء مختلف (جو چیز تلف کی گئی) جب مستحق ہو گئی تو تلف کرنے والے سے ضمان ساقط ہو جاتا ہے۔ پس بدرجہ اولیٰ رجوع کرنے والے پر وجوب ضمان ممتنع ہوگا پس اگر تین میں سے دوسرے نے بھی رجوع کیا تو دونوں رجوع کرنے والے نصف حق کے ضامن ہوں گے۔ اس لئے کہ ان میں سے ایک کی بقاء سے نصف حق باقی رہتا ہے اور اگر

ایک مرد اور دو عورتوں نے گواہی دی پھر ایک عورت نے رجوع کر لیا تو وہ چوتھائی حق کی ضامن ہوگی۔ اس لئے کہ ایک مرد اور ایک عورت کے باقی رہنے سے تین چوتھائی حق باقی ہے۔ اور اگر دونوں عورتوں نے رجوع کیا تو دونوں نصف کی ضامن ہوں گی۔ اس لئے کہ ایک مرد کی شہادت سے نصف حق باقی رہتا ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر دو آدمی کسی مال کی گواہی دیں پھر ان میں سے ایک رجوع کرے تو رجوع کرنے والا آدھے مال کا ضامن ہو گا۔ جامع کبیر کی شروح میں رجوع عن الشهادات کے سلسلہ میں ایک ضابطہ بیان کیا گیا ہے۔ ضابطہ یہ ہے کہ گواہوں میں سے جو گواہوں پر باقی رہا اس کا باقی رہنا معتبر ہے اور جس نے رجوع کیا اس کا رجوع کرنا معتبر نہ ہوگا۔

دلیل..... یہ ہے کہ مدعی کا مدعی علیہ پر دو گواہوں کی گواہی سے حق ثابت ہوتا ہے اور دو گواہوں سے زائد کا قاضی کے فیصلہ میں اعتبار نہیں ہوتا۔ ہاں اگر دو گواہوں سے زائد مثلاً تین گواہوں نے گواہی دی تو قاضی کا حکم اور دو جو حق تینوں گواہوں کی طرف منسوب ہوگا۔ اس لئے کہ تین گواہوں کی گواہی کا حال برابر ہے۔ ایک کو دوسرے پر کوئی ترجیح نہیں ہے لیکن اگر ان میں سے ایک گواہ نے اپنی گواہی سے رجوع کر لیا تو تینوں گواہوں کے درمیان برابری زائل ہو جائے گی اور یہ ظاہر ہو جائے گا کہ حکم باقی دو گواہوں کی طرف منسوب ہے۔ بہر حال جو گواہ اپنی گواہی پر باقی رہتا ہے اس کا اعتبار ہوتا ہے اور جس نے اپنی گواہی سے رجوع کیا اس کا اعتبار نہیں ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر رجوع کرنے والے کا اعتبار کیا جائے گا تو جس صورت میں گواہ تین ہوں گے اس صورت میں رجوع کرنے والے پر ضمان بھی واجب ہوگا اور نصاب شہادت یعنی دو گواہوں کی وجہ سے مدعی علیہ پر پورا حق بھی باقی رہے گا یہ بالکل مضحکہ خیز بات ہے کہ پورا حق بھی باقی رہے اور گواہ حق کے ایک حصہ کا ضامن بھی ہو۔

پس ثابت ہوا کہ رجوع کرنے والے گواہ کا اعتبار نہ ہوگا اسی ضابطہ کے تحت اگر دو گواہوں میں سے ایک نے اپنی گواہی سے رجوع کر لیا تو رجوع کرنے والا گواہ آدھے مال کا ضامن ہوگا کیونکہ ایک گواہ جو اپنی گواہی پر باقی ہے اس کی گواہی سے آدھا مال باقی رہتا ہے اس وجہ سے کہ دونوں گواہوں سے پورا مال مشہود بہ ثابت ہوتا ہے۔ لہذا ہر ایک کے مقابلہ میں آدھا مال ہوا۔ چنانچہ اگر دونوں گواہ رجوع کر لیتے تو ہر ایک آدھے مال کا ضامن ہوتا۔ پس جب ایک نے رجوع کیا اور ایک اپنی گواہی پر باقی رہا تو رجوع کرنے والا آدھے مال کا ضامن ہوگا اور گواہی پر باقی رہنے والے کی گواہی سے آدھا مال باقی رہے گا۔

اعتراض..... اس موقع پر ایک اعتراض کیا جاسکتا ہے وہ یہ کہ دو گواہوں میں سے ایک کے رجوع کرنے کے بعد صرف ایک گواہ کی گواہی باقی رہنے سے نصف مال کا باقی رہنا ہمیں تسلیم نہیں ہے کیونکہ جو گواہ اپنی گواہی پر باقی رہا ہے وہ ایک فرد ہے اور ایک فرد کی گواہی سے ابتداء کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی۔ پس جس طرح ابتداء ایک فرد کی گواہی سے کوئی چیز ثابت نہیں ہوتی اسی طرح بقاء بھی ایک فرد کی گواہی سے کچھ ثابت نہ ہونا چاہئے حالانکہ آپ نے ایک فرد کے اپنی گواہی پر باقی رہنے سے آدھا مال مشہود بہ باقی رکھا ہے۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ ابتداء کے مقابلہ میں بقاء آسان اور سہل ہوتی ہے۔ لہذا ممکن ہے کہ ابتداء کسی چیز کے ذریعہ کسی شے کو ثابت نہ کیا جاسکتا ہو مگر بقاء اس کے ذریعہ ثابت کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ نصاب زکوٰۃ کا ایک حصہ ابتداء زکوٰۃ واجب نہیں کرتا ہے لیکن بقاء واجب کرتا ہے یعنی اگر کوئی شخص ابتدائے سال میں نصاب کا مالک ہے نہ وہ بلکہ نصاب کے ایک حصہ کا مالک ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی ہے۔ لیکن اگر پورے سال نصاب کا مالک رہا اور پھر اس کا ایک حصہ ضائع ہو گیا تو جس قدر مال موجود ہے اسی کے بقدر زکوٰۃ واجب رہے گی۔ ملاحظہ فرمائیے نصاب زکوٰۃ کا ایک حصہ ابتداء کو واجب زکوٰۃ کو ثابت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے لیکن بقاء ثابت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اسی طرح ایک فرد کی گواہی سے ابتداء اگرچہ مشہود بہ کو ثابت نہیں کیا جاسکتا ہے لیکن بقاء ایک فرد کی گواہی سے آدھے مشہود بہ کو باقی رکھا جاسکتا ہے۔

اور اگر تین آدمیوں نے مال کی گواہی دی پھر ان میں سے ایک نے اپنی گواہی سے رجوع کیا تو اس رجوع کرنے والے پر ضمان واجب نہ ہوگا۔

کیونکہ رجوع کرنے والے کے علاوہ گواہوں کی اتنی تعداد کے بعد بھی دو گواہ باقی ہیں اور دو کی گواہی سے پورا حق ثابت ہو جاتا ہے۔ لہذا اس صورت میں دو گواہوں کی گواہی سے مدعی علیہ پر پورا حق ثابت ہو جائے گا۔ اور رجوع کرنے والا گواہ ضامن اس لئے نہیں ہوگا کہ مشہود بہ پر مدعی کا استحقاق جہت تامہ کے ذریعہ باقی ہے یعنی باقی دو گواہوں کی گواہی سے مدعی کا مدعی علیہ پر پورا حق ثابت ہے اور جب حجت تامہ سے مدعی کا مدعی علیہ پر پورا حق ثابت ہے تو رجوع کرنے والے گواہ نے اپنی گواہی سے رجوع کر کے چونکہ مدعی علیہ کا کچھ تلف نہیں کیا ہے اس لئے اس پر ضمان واجب نہ ہو گا۔ صاحب ہدایہ نے بر سبیل ترقی فرمایا کہ اگر کوئی مال تلف کر دیا گیا اور قاضی نے مالک کے لئے تلف کرنے والے پر ضمان کا فیصلہ کر دیا پھر جب اس مال پر کسی دوسرے نے اپنا حق ثابت کر دیا اور تلف کرنے والے سے ضمان وصول کر لیا تو جو ضمان قضاے قاضی سے مالک کے لئے ثابت ہوا تھا وہ تلف کرنے والے سے ساقط ہو جاتا ہے۔ پس جب باقی ماندہ دو گواہوں سے مدعی علیہ پر مدعی کا پورا حق ثابت ہو گیا تو رجوع کرنے والے گواہ پر مدعی علیہ کے لئے بدرجہ اولیٰ ضمان واجب نہ ہوگا۔ یعنی جب استحقاق ظاہر ہونے کے بعد ضمان ساقط ہو جاتا ہے تو استحقاق ظاہر ہونے کے بعد بدرجہ اولیٰ ضمان لازم نہ ہوگا کیونکہ ضمان لازم نہ ہونا آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ لازم ہونے کے بعد اس کو ساقط کر دیا جائے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ خالد نے حامد کا مال تلف کیا پھر قاضی نے حامد کے لئے متلف (خالد) پر ضمان کا فیصلہ کیا۔ پھر عارف نے تلف کردہ مال پر اپنا استحقاق ثابت کر کے متلف (خالد) سے ضمان لے لیا تو جو ضمان قاضی کے حکم سے حامد کے لئے متلف (خالد) پر ثابت ہوا تھا وہ ساقط ہو جاتا ہے۔ پس اسی طرح جب تین گواہوں میں سے ایک نے اپنی گواہی سے رجوع کیا تو گویا اس نے اپنی گواہی سے جو حق مدعی کے لئے ثابت کیا تھا رجوع کر کے اس حق کو تلف کر دیا ہے اور مدعی علیہ اس حق کا مستحق ہو گیا ہے تو اس رجوع کرنے والے کو مدعی علیہ کے لئے ضمان ہونا چاہئے تھا۔ مگر چونکہ دو گواہ باقی ہیں ان کی گواہی سے پورا حق ثابت ہو جاتا ہے۔ اس لئے ظاہر ہو گیا کہ اس حق کا مستحق مدعی ہے اور مدعی علیہ مستحق نہیں ہے۔ پس جب باقی دو گواہوں کی گواہی سے مدعی کا استحقاق ثابت ہو گیا تو رجوع کرنے والا گواہ مدعی علیہ کے لئے بدرجہ اولیٰ ضامن نہ ہوگا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ اگر تین میں سے ایک کے بعد دوسرے گواہ نے بھی رجوع کر لیا تو یہ دونوں رجوع کرنے والے نصف حق یعنی آدھے مال کے مدعی علیہ کے واسطے ضامن ہوں گے۔ کیونکہ تین گواہوں میں سے ایک گواہ باقی رہنے کی وجہ سے مدعی کا مدعی علیہ پر آدھا حق باقی رہتا ہے گویا رجوع کرنے والے دو گواہوں نے مدعی علیہ کا نصف حق تلف کیا ہے اور جب نصف حق تلف کیا ہے دونوں گواہ نصف حق کے ضامن ہوں گے۔

اعتراض یہاں یہ اعتراض ہے کہ جس گواہ نے اولاً رجوع کیا ہے اس پر بالکل ضمان واجب نہ ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ آپ نے ضابطہ بیان کیا ہے کہ باقی رہنے والے گواہ معتبر ہوتے ہیں اور رجوع کرنے والے معتبر نہیں ہوتے ہیں۔ پاس اول گواہ کے رجوع کرنے کے بعد چونکہ نصاب شہادت باقی تھا۔ اس لئے اس نے کوئی چیز تلف نہیں کی مگر جب اس کے بعد دوسرے گواہ نے رجوع کیا تو اس نے نصف حق تلف کر دیا۔ پس جب اس نے نصف حق تلف کیا ہے تو اسی پر نصف حق کا ضمان واجب ہونا چاہئے اور راجح اول کو اس ضمان میں شریک نہ کرنا چاہئے۔

جواب اس کا جواب یہ ہے کہ جب تین گواہوں نے گواہی دی تو مدعی کا حق تینوں کی گواہی سے ثابت ہوا ہے پھر جب ایک گواہ نے رجوع کیا تو اس گواہ کا کاذب ہونا ظاہر ہو گیا ہے اور دوسرے کے کاذب ہونے کا احتمال ہے۔ پھر جب دوسرے نے رجوع کیا تو معلوم ہوا کہ نصف حق کا اتلاف ابتداء ہی سے ان دونوں کی گواہی سے تھا جب نصف حق دونوں کی گواہی سے تھا پس جب نصف حق دونوں کی گواہی سے تلف ہوا تو ضمان بھی دونوں پر لازم ہوگا۔

اور اگر مال پر ایک مرد اور دو عورتوں نے گواہی دی پھر ایک عورت نے رجوع کر لیا تو یہ عورت چوتھائی حق کی ضامن ہوگی اس لئے کہ ایک مرد اور ایک عورت کے بانی رہنے سے تین چوتھائی حق باقی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہوتی ہیں۔ پس نصف حق دونوں عورتوں کے مقابلہ میں ہوگا اور جب نصف حق دو عورتوں کے مقابلہ میں ہے تو ایک عورت کے رجوع کرنے سے ایک چوتھائی حق تلف ہوا اور تین چوتھائی باقی

رہا اور اگر دو عورتوں نے رجوع کیا تو دونوں نصف حق کی ضامن ہوں گی۔ کیونکہ ایک مرد کی گواہی سے نصف حق باقی رہ گیا ہے اس لئے کہ دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہوتی ہیں۔ لہذا نصف حق مرد کے مقابلہ میں ہوگا اور نصف دونوں عورتوں کے مقابلہ میں ہوگا۔ پس مرد کے مقابلہ میں جو نصف حق تھا وہ باقی رہا اور دو عورتوں کے مقابلہ میں جو نصف حق تھا ان کے رجوع کرنے کی وجہ سے وہ تلف ہو گیا جس کا ضمان ان دونوں پر لازم ہوگا۔

ایک مرد اور دس عورتوں نے گواہی دی پھر آٹھ عورتوں نے رجوع کر لیا تو ان پر کوئی ضمان ہے یا نہیں

وَأَنَّ شَهِدَ رَجُلٌ وَعَشْرُ نِسْوَةٍ ثُمَّ رَجَعَ ثَمَانٍ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِنَّ لِأَنَّهُ بَقِيَ مَنْ يَبْقَى بِشَهَادَتِهِ كُلُّ الْحَقِّ فَإِنْ رَجَعَتْ أُخْرَى كَانَ عَلَيْهِنَّ رُبْعُ الْحَقِّ لِأَنَّهُ بَقِيَ النِّصْفُ بِشَهَادَةِ الرَّجُلِ وَالرُّبْعُ بِشَهَادَةِ الْبَاقِيَةِ فَبَقِيَ ثَلَاثَةُ الْأَرْبَاعِ وَإِنْ رَجَعَ الرَّجُلُ وَالنِّسَاءُ فَعَلَى الرَّجُلِ سُدُسُ الْحَقِّ وَعَلَى النِّسْوَةِ خُمُسَةُ أَسَدَاسِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ عَلَى الرَّجُلِ النِّصْفُ وَعَلَى النِّسْوَةِ النِّصْفُ لِأَنَّهُنَّ وَإِنْ كَثُرْنَ يَقْمَنَ مَقَامَ رَجُلٍ وَاحِدٍ وَلِهَذَا لَا يُقْبَلُ شَهَادَتُهُمْ إِلَّا بِانْتِصَامِ رَجُلٍ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ كُلَّ امْرَأَتَيْنِ قَامَتَا مَقَامَ رَجُلٍ وَاحِدٍ قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فِي نَقْصَانِ عَقْلِيَّهِنَّ عَدَلَتْ شَهَادَةُ اثْنَيْنِ مِنْهُنَّ بِشَهَادَةِ رَجُلٍ وَاحِدٍ فَصَارَ كَمَا إِذَا شَهِدَ بِذَلِكَ سِتَّةُ رِجَالٍ ثُمَّ رَجَعُوا فَإِنْ رَجَعَ النِّسْوَةُ الْعُشْرَةُ دُونَ الرَّجُلِ كَانَ عَلَيْهِنَّ نِصْفُ الْحَقِّ عَلَى الْقَوْلَيْنِ لِمَا قُلْنَا وَلَوْ شَهِدَ رَجُلَانِ وَامْرَأَةٌ بِمَالٍ ثُمَّ رَجَعُوا فَالضَّمَانُ عَلَيْهِمَا دُونَ الْمَرْأَةِ لِأَنَّ الْوَاحِدَةَ لَيْسَتْ بِشَاهِدَةٍ بَلْ هِيَ بَعْضُ الشَّاهِدِ فَلَا يُضَافُ إِلَيْهِ الْحُكْمُ

ترجمہ..... اور اگر ایک مرد اور دس عورتوں نے گواہی دی پھر آٹھ عورتوں نے رجوع کیا تو ان پر کوئی ضمان نہیں ہے اس لئے کہ گواہی کی اتنی تعداد باقی ہے جن کی گواہی سے پورا حق باقی رہتا ہے۔ پس اگر آٹھ کے علاوہ ایک نے رجوع کر لیا تو ان سب پر چوتھائی حق کا ضمان واجب ہوگا۔ اس لئے کہ نصف حق ایک مرد کی گواہی سے باقی ہے اور ایک چوتھائی ایک عورت کی گواہی سے باقی ہے۔ لہذا تین چوتھائی باقی رہا اور اگر مرد اور سب عورتوں نے رجوع کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مرد پر حق کا چھٹا حصہ واجب ہوگا اور عورتوں پر پانچ سدس واجب ہوں گے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ مرد پر نصف حق اور دو عورتوں پر نصف حق واجب ہوگا۔ اس لئے کہ عورتیں اگرچہ کثیر ہیں لیکن ایک ہی مرد کے قائم مقام ہیں۔ اس لئے ان کی شہادت قبول نہ ہو گی مگر ایک مرد کے ملنے کیساتھ اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے عورتوں کے نقصان عقل کے بیان میں فرمایا کہ عورتوں میں سے دو کی شہادت ایک مرد کے برابر ہوتی ہے۔ پس ایسا ہو گیا جیسے جب اس کی چھ مردوں نے گواہی دی۔ پھر سب نے رجوع کر لیا پھر اگر دس کی دس عورتوں نے رجوع کیا نہ کہ مرد نے تو ان پر دونوں قولوں پر نصف حق واجب ہوگا۔ دلیل وہی ہے جو ہم نے بیان کی اور اگر دو مردوں اور ایک عورت نے مال کی گواہی دی پھر ان سب نے رجوع کیا تو دونوں مردوں پر ضمان واجب ہوگا نہ کہ عورت پر اس لئے کہ ایک عورت گواہ نہیں ہوتی بلکہ گواہ کا جز ہوتی ہے۔ پس حکم قضا اس جز کی طرف منسوب نہ ہوگا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک مرد اور دس عورتوں نے کسی مال کی گواہی دی پھر ان میں سے آٹھ عورتوں نے رجوع کیا تو ان پر کوئی ضامن واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ آٹھ عورتوں کے رجوع کرنے کے بعد گواہوں کی اتنی تعداد باقی ہے جن کی گواہی سے پورا حق باقی رہتا ہے۔ یعنی آٹھ عورتوں کے رجوع کرنے کے بعد ایک مرد اور دو عورتیں باقی ہیں اور ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے پورا حق ثابت ہو جاتا ہے۔ لہذا جب ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی سے پورا حق باقی ہے اور رجوع کرنے والی عورتوں کے رجوع کرنے سے حق میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تو رجوع کرنے کی وجہ سے ان پر کوئی ضمان واجب نہ ہوگا۔ اسی کے قائل امام مالکؒ ہیں اور یہی امام شافعیؒ کا ایک قول ہے اور امام احمدؒ نے فرمایا کہ رجوع کرنے والی آٹھ

عورتوں پر چار سہ سہ ضمان واجب ہوگا۔ یہی امام شافعیؒ کا ایک قول ہے۔ اور اگر آٹھ کے علاوہ ایک اور عورت نے رجوع کر لیا تو ان نو عورتوں پر ایک چوتھائی ضمان واجب ہوگا۔ کیونکہ گواہوں میں سے ایک مرد اور ایک عورت باقی رہ گئی ہے اور ایک مرد کی گواہی سے نصف حق باقی رہ گیا اور ایک عورت کی گواہی سے ایک چوتھائی حق باقی رہ گیا ہے۔ پس اس طرح تین چوتھائی حق باقی رہ گیا ہے اور ایک چوتھائی حق چونکہ نو عورتوں کے رجوع کرنے سے تلف ہو گیا ہے۔ اس لئے ان نو عورتوں پر ایک چوتھائی حق کا ضمان واجب ہوگا۔ اور اگر مرد اور دس کی دس تمام عورتوں نے رجوع کیا تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مرد پر ایک سہ سہ اور عورتوں پر پانچ سہ سہ حق کا ضمان واجب ہوگا یہی امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا قول ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ مرد پر نصف حق کا ضمان واجب ہوگا۔ اور دسوں عورتوں پر نصف حق کا ضمان واجب ہوگا۔ اسی کے قائل اصحاب شافعیؒ میں سے ابو العباس ہیں۔

صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ عورتیں اگرچہ کثیر ہیں لیکن سب ایک مرد کے قائم مقام ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بغیر مرد کے ساتھ ملے تنہا عورتوں کی گواہی قبول نہیں ہوتی ہے پس دس عورتوں کی شہادت دو عورتوں کی شہادت کے مانند ہوگئی ہے اور ضمان مرد اور عورتوں پر آدھا آدھا واجب ہے یعنی نصف ضمان مرد پر واجب ہے اور نصف ضمان ان دس عورتوں پر واجب ہے جب کہ شہادت دو عورتوں کی شہادت کے مانند ہے پھر یہ نصف ضمان تمام عورتوں پر برابر واجب ہوگا۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ دس عورتوں میں سے ہر دو عورتیں، ایک مرد کے قائم مقام ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ عورتوں کے نقصان عقل کے باب میں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ عورتوں میں سے دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی شہادت کے برابر ہوتی ہے۔ پس ایک مرد اور دس عورتوں کا شہادت دینا ایسا ہو گیا جیسے چھ مردوں نے شہادت دی ہو پھر ان سب نے رجوع کر لیا ہو تو سب برابر، برابر ایک ایک سہ سہ کے ضامن ہوں گے۔ لہذا اسی طرح ہر دو عورتیں ایک ایک سہ سہ کی ضامن ہوں گی۔ پس اس حساب سے ایک مرد ایک سہ سہ کا ضامن ہوگا اور دس عورتیں پانچ سہ سہ کی ضامن ہوں گی۔ اور اگر دس عورتوں نے رجوع کیا اور مرد نے رجوع نہ کیا تو حضرت امام صاحب اور صاحبینؒ کا اتفاق ہے کہ ان سب پر ایک نصف حق کا ضمان واجب ہوگا کیونکہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ باقی رہنے والے گواہ معتبر ہوتے ہیں اور رجوع کرنے والے معتبر نہیں ہوتے۔ اس ضابطہ کے تحت چونکہ ایک مرد گواہ باقی ہے اس لئے اس کی گواہی سے نصف حق باقی رہے گا۔ اور باقی نصف جو عورتوں کے رجوع کرنے سے تلف ہو گیا ہے اس کا ضمان ان سب پر واجب ہوگا اور اگر دو مردوں اور ایک عورت نے کسی مال کی گواہی دی پھر سب نے رجوع کر لیا تو ضمان صرف دونوں مردوں پر واجب ہوگا۔ عورت پر واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ ایک عورت گواہ نہیں ہوتی ہے بلکہ گواہ کا ایک حصہ ہوتی ہے اور قاضی کا حکم گواہ کی طرف منسوب ہوتا ہے گواہ کا ایک جز و اور ایک حصہ کی طرف منسوب نہیں ہوتا پس مسئلہ مذکورہ میں قاضی کا حکم اس عورت کی طرف منسوب نہ ہوگا بلکہ دونوں مردوں کی طرف منسوب ہوگا اور جب قاضی کا حکم عورت کی طرف منسوب نہیں ہے تو رجوع کرنے کی صورت میں اس عورت پر ضمان بھی واجب نہ ہوگا۔

دو گواہوں نے ایک عورت پر مہر مثل کے ساتھ نکاح کی گواہی دی پھر

دونوں گواہوں نے رجوع کر لیا دونوں پر ضمان لازم نہیں ہے

قَالَ وَإِنْ شَهِدَ شَاهِدَانِ عَلَى امْرَأَةٍ بِالنِّكَاحِ بِمَقْدَارِ مَهْرٍ مِثْلَهَا ثُمَّ رَجَعَا فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِمَا وَكَذَلِكَ إِذَا شَهِدَا بِأَقْلٍ مِنْ مَهْرٍ مِثْلَهَا لِأَنَّ مَنَافِعَ الْبُضْعِ غَيْرُ مُتَقَوِّمَةٍ عِنْدَ الْإِتْلَافِ لِأَنَّ التَّضْمِينَ يَسْتَدْعِي الْمُمَاثَلَةَ عَلَى مَا عُرِفَ وَ إِنَّمَا تُضْمَنُ وَتُسَقِّمُ بِالتَّمْلُكِ لِأَنَّهَا تَصِيرُ مُتَقَوِّمَةً ضَرُورَةً لِلْمَلِكِ إِبَانَةً لِخَطَرِ الْمَحَلِّ

ترجمہ اور اگر دو گواہوں نے کسی عورت پر بعض اس کے مہر مثل کے نکاح کی گواہی دی پھر دونوں گواہوں نے رجوع کیا تو ان پر کوئی ضمان نہ

اشرف الہدایہ جلد-دہم ۱۲۷ کتاب الرجوع عن الشهادات ہوگا۔ اسی طرح اگر دو گواہوں نے مہر مثل سے کم کے عوض نکاح کی گواہی دی۔ اس لئے کہ اطلاق کے وقت منافع بضع غیر مقوم ہیں۔ اس لئے کہ ضامن کرنا مماثلت کا تقاضا کرتا ہے۔ چنانچہ معلوم ہو چکا ہے اور مالک ہونے کی وجہ سے منافع بضع مضمون و مقوم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ ملک کی صورت میں شرافت محل کو ظاہر کرنے کے لئے ضرورہ مقوم ہو جاتے ہیں۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک مرد نے ایک عورت پر نکاح کا دعویٰ کیا خواہ مہر مثل کے عوض یا مہر مثل سے کم کے عوض۔ یعنی مرد نے کہا کہ میرا اس عورت کے ساتھ نکاح ہوا ہے۔ مرد نے اپنے دعویٰ میں خواہ مہر مثل ذکر کیا ہو یا مہر مثل سے کم ذکر کیا ہو دونوں صورتوں میں حکم یہ ہے کہ اگر دو گواہوں نے اس نکاح کی گواہی دی اور قاضی نے ان کی شہادت پر نکاح کا فیصلہ کر دیا۔ پھر دونوں گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کر لیا اور یہ کہا کہ ہم نے جھوٹی گواہی دی ہے تو ان کے رجوع کرنے سے نہ نکاح فسخ ہوگا اور نہ یہ دونوں گواہ دونوں صورتوں میں کسی چیز کے ضامن ہوں گے۔ نکاح تو اس لئے فسخ نہیں ہوگا کہ ہدایہ جلد ۲ فصل فی نکاح المحرمات کے آخر میں گزر چکا ہے کہ اگر قاضی جھوٹی گواہی پر کوئی عقد یا فسخ کا فیصلہ دے دے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کا یہ حکم ظاہر اور باطناً دونوں طرح نافذ ہو جاتا ہے یعنی فیصلہ صادر ہونے کے بعد اگر گواہوں کا جھوٹا ہونا ظاہر ہو گیا تو قاضی کا فیصلہ رد نہیں ہوگا بلکہ علیٰ حالہ ناطق اور نافذ رہے گا۔ پس مذکورہ مسئلہ میں قاضی جب نکاح کا حکم صادر کر چکا ہے تو گواہوں نے اپنی گواہی سے عورت کے منافع بضع کو تلف کیا ہے یعنی منافع بضع جن کی مالک عورت تھی گواہوں نے نکاح کی واہی دے کر ان کو مالک مرد کو بنا دیا ہے اور یہ عورت کے حق میں سراسر اطلاق ہے۔

بہر حال گواہوں نے شہادت دے کر عورت کے منافع بضع کو تلف کیا ہے اور جب صورت میں منافع بضع کو تلف کیا گیا ہو اس صورت میں مانع بضع مقوم نہیں ہوتے اور جو چیز مقوم نہیں ہوتی ہے۔ اس کا ضمان بھی واجب نہیں ہوتا۔ لہذا منافع بضع تلف کرنے کی وجہ سے گواہوں پر بھی عورت کے لئے ان کا ضمان واجب نہ ہوگا، رہی یہ بات کہ اطلاق کے وقت منافع بضع غیر مقوم کیوں ہوتے ہیں تو اس کی دلیل یہ ہے کہ تضمین یعنی اطلاق کی وجہ سے کسی چیز کا ضامن بنانا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ ہلاک شدہ چیز اور شیء مضمون کے درمیان مماثلت موجود ہو۔ حالانکہ یہاں منافع بضع جو تلف کر دیئے گئے اور وہ مال جس کے ساتھ عورت کو ضمان دیا جاسکتا ہے۔ دونوں کے درمیان کوئی مماثلت نہیں ہے کیونکہ مال عین اور منفعت کے درمیان کوئی مماثلت نہیں ہوتی۔ اس کی پوری تفصیل خادم کے قلم سے لکھی ہوئی کتاب ”قوت الاختیار شرح اردو نور الانوار“ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ بہر حال جب منافع بضع اور مال عین کے درمیان مماثلت نہیں ہے تو منافع بضع مضمون بھی نہیں ہو سکتے ہیں اور جو چیز مضمون نہ ہو وہ غیر مقوم ہوتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ منافع بضع غیر مقوم ہیں۔

والنما تضمن وتقوم الخ سے ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر منافع بضع مقوم نہیں ہیں جیسا کہ آپ نے ثابت کیا ہے تو جس وقت شوہر نکاح کے ذریعہ منافع بضع کا مالک ہوتا ہے، اس وقت بھی غیر مقوم ہونے چاہئیں۔ اور شوہر پر بصورت مہر کچھ مال وغیرہ کچھ واجب نہ ہونا چاہئے۔

حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ شوہر جس وقت نکاح کے ذریعہ منافع بضع کا مالک ہوتا ہے اس وقت منافع بضع مقوم ہوتے ہیں اور منافع بضع کے مقوم ہونے کی وجہ سے شوہر پر مہر کی صورت میں ایک ضرورت کی وجہ سے ان کو مضمون اور مقوم مان لیا گیا ہے اور وہ ضرورت محل یعنی ملک بضع کی شرافت کو ظاہر کرنا ہے۔

خلاصہ..... یہ کہ شرافت محل کو ظاہر کرنے کے لئے منافع بضع کو مقوم قرار دے دیا گیا ہے کیونکہ اگر شوہر کو ملک بضع کا مالک مفت بنا دیا جاتا تو وہ اس کی کوئی عظمت اور شرافت محسوس نہ کرتا، حالانکہ ملک بضع حصول نسلی کی وجہ سے عظمت و شرافت کا محل ہے اور جب طلاق کے ذریعہ منافع بضع کو زائل کیا جاتا ہے تو اس وقت چونکہ محل کی عظمت اور شرافت کو ظاہر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے اس صورت میں منافع بضع اپنی اصل

کے مطابق غیر متقوم ہوں گے۔

گواہوں نے ایک مرد پر ایک عورت سے مہر مثل کے ساتھ نکاح کی گواہی دی، ضمان کا حکم

وَكَذَلِكَ إِذَا شَهِدَا عَلَى رَجُلٍ بَعْزُوَيْحٍ أَمْرًا بِمَقْدَارٍ مَّهْرٍ مِثْلَهَا لِأَنَّهُ اتَّلاَفَ بِعَوْضٍ لِمَا أَنَّ الْبُضْعَ مُتَقَوِّمٌ حَالِ الدُّخُولِ فِي الْمَمْلُوكِ وَالْإِتْلَافُ بِعَوْضٍ كَلَّا اتَّلاَفَ وَهَذَا لِأَنَّ مَبْنَى الضَّمَانِ عَلَى الْمُمَآثَلَةِ وَلَا مُمَآثَلَةَ بَيْنَ الْإِتْلَافِ بِعَوْضٍ وَبَيْنَهُ بِغَيْرِ عَوْضٍ

ترجمہ..... اور ایسے ہی جب دو گواہوں نے کسی آدمی کے خلاف مہر مثل کی مقدار کے عوض کسی عورت کے ساتھ نکاح کی گواہی دی اس لئے کہ یہ تلف کرنا بالعوض ہے کیونکہ ملک میں داخل ہونے کی حالت میں بضع متقوم ہوتا ہے اور اتلاف بالعوض اور اتلاف بغیر عوض کے درمیان کوئی مماثلت نہیں ہے۔

تشریح..... گذشتہ مسئلہ کا دوسرا رخ یہ ہے کہ ایک عورت نے ایک مرد کے خلاف یہ دعویٰ کیا کہ میرا اس کے ساتھ مہر مثل کے عوض نکاح ہوا ہے اور مرد اس کا منکر ہے پھر دو گواہوں نے عورت کے دعویٰ کے موافق گواہی دی اور قاضی نے گواہی کے مطابق حکم صادر کر دیا پھر انہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کر لیا تو نہ یہ نکاح فتح ہو گا نہ ہی دونوں گواہ شوہر کے لئے مہر مثل کے ضامن ہوں گے۔ نکاح فتح نہ ہونے کی دلیل تو وہی ہے جو پہلے مسئلہ کے تحت گذر چکی ہے۔ اور گواہوں پر ضمان واجب نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ گواہوں نے بلاشبہ شوہر کا مہر مثل کی مقدار مال اپنی گواہی سے تلف کیا ہے لیکن مہر مثل کے عوض اس کو ملک بضع کا مالک بھی بنایا ہے اور شوہر کی ملک میں داخل ہوتے وقت چونکہ ملک بضع متقوم ہوتا ہے اس لئے مہر مثل کو اس کا عوض اور اس کو مہر مثل کا عوض قرار دینا بھی درست ہے۔ حاصل یہ کہ گواہوں نے اگرچہ شوہر کا مہر مثل کی مقدار مال تلف کیا ہے۔ اس طور پر کہ گواہوں کی گواہی کی وجہ سے شوہر کو مہر مثل کی مقدار مال، مدعیہ عورت کو دینا پڑا ہے حالانکہ وہ یہ مال دینے کے لئے آمادہ نہیں تھا لیکن اس کے عوض اس کو ملک بضع بھی حاصل ہوا ہے۔ پس گواہوں کی طرف سے مہر مثل کا اتلاف بالعوض یعنی ملک بضع کے عوض ہوا اور جو اتلاف بالعوض ہوتا ہے۔ وہ ایسا ہے جیسے کچھ تلف نہیں کیا گیا اور جب گواہوں نے اتلاف بالعوض کی وجہ سے شوہر کا کچھ تلف نہیں کیا ہے تو گواہوں پر کچھ تلف نہ کرنے کی وجہ سے شوہر کے لئے ضمان بھی واجب نہ ہو گا اور اتلاف بالعوض کے عدم اتلاف کے مانند ہو کر گواہوں پر ضمان کا واجب نہ ہونا۔ اس لئے ہے کہ ضمان کا مبنی مماثلت پر ہے یعنی اگر کسی چیز کا مماثل موجود ہے تو اس کا ضمان واجب ہو گا ورنہ نہیں جیسا کہ نوالا نوار کی شرح قوت الاختیار میں خادم نے مفصل کلام کیا ہے اور اتلاف بلا عوض مضمون ہوتا ہے۔ یعنی اگر کسی کا کوئی مال تلف کیا اور اس کو مال متلف کا عوض نہیں حاصل ہوا تو اس تلف کرنے والے پر مال متلف کا ضمان واجب ہو گا۔ اور اتلاف بلا عوض، چونکہ اتلاف بالعوض کے معنی میں نہیں ہے۔ اس لئے اتلاف بالعوض کی صورت میں اتلاف بالعوض کو اتلاف بلا عوض کے ساتھ لاحق کر کے ضمان واجب نہیں ہو گا اور اتلاف بالعوض کا اتلاف بلا عوض کے معنی میں نہ ہوتا، اس وجہ سے ہے کہ ان دونوں کے درمیان کوئی مماثلت نہیں ہے۔ بہر حال جب اتلاف بالعوض کی صورت میں تلف کرنے والے پر ضمان واجب نہیں ہوتا تو گواہوں نے بھی چونکہ شوہر کا مال مہر مثل کیا ہے اور یہ تلف کرنا ملک بضع کے عوض میں ہے اس لئے گواہوں پر بھی ضمان واجب نہ ہو گا۔

مہر مثل سے زیادہ پر گواہی دی پھر رجوع کر لیا دونوں زیادتی کے ضامن ہوں گے

وَإِنْ شَهِدَا بِأَكْثَرَ مِنْ مَّهْرٍ الْمِثْلِ ثُمَّ رَجَعَا ضَمِنَا الزِّيَادَةَ لِأَنَّهُمَا اتَّلَفَا مِنْ غَيْرِ عَوْضٍ

ترجمہ..... اور اگر دونوں گواہوں نے مہر مثل سے زیادہ کی گواہی دی پھر انہوں نے رجوع کیا تو دونوں زیادتی کے ضامن ہوں گے کیونکہ دونوں گواہوں نے مقدار زائد کو بغیر عوض کے تلف کیا ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ ایک عورت نے کسی مرد پر مہر مثل سے زائد کے عوض نکاح کا دعویٰ کیا مثلاً مہر مثل ایک ہزار روپیہ ہیں اور اس نے پندرہ سو روپیہ کے عوض کا دعویٰ کیا اور مرد اس واقعہ کا منکر ہے، پس دو گواہوں نے عورت کے دعویٰ کے مطابق گواہی دے دی اور قاضی نے فیصلہ کر دیا پھر دونوں گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کر لیا تو نہ یہ نکاح فسخ ہوگا اور نہ یہ دونوں گواہ مہر مثل کی مقدار کا ضامن ہوں گے۔ البتہ مہر مثل سے زائد یعنی پانچ سو روپیہ کے ضامن ہوں گے۔ کیونکہ مہر مثل یعنی ایک ہزار کا اتلاف تو اتلاف بعوض ملک بضع ہے اور اتلاف بالعوض کی صورت میں ضمان واجب نہیں ہوتا لہذا مہر مثل کی مقدار کا ضمان گواہوں پر واجب نہ ہوگا مگر چونکہ مہر مثل کی مقدار سے زائد یعنی پانچ سو روپیہ کا اتلاف بلا عوض ہے یعنی ان پانچ سو روپیہ کے عوض شوہر کو کچھ نہیں ملا اس لئے ان پانچ سو روپیہ کا ضمان گواہوں پر واجب ہوگا۔ کیونکہ اتلاف بلا عوض ضمان کو واجب کرتا ہے۔

دو گواہوں نے کسی چیز کو مثل قیمت یا زائد کے عوض فروخت کرنے کی

گواہی دی پھر دونوں نے رجوع کر لیا تو ضامن نہ ہوں گے

قَالَ وَإِنْ شَهِدَا بَيْعَ شَيْءٍ بِمِثْلِ الْقِيَمَةِ أَوْ أَكْثَرَ ثُمَّ رَجَعَا لَمْ يَضْمَنَا لِأَنَّهُ لَيْسَ بِاتِّلَافٍ مَعْنَى نَظَرًا إِلَى الْعَوَضِ وَإِنْ كَانَ بِأَقْلٍ مِنَ الْقِيَمَةِ ضَمِنَا النُّقْصَانَ لَأَنَّهُمَا اتَّفَقَا هَذَا الْجُزْءَ بِلا عَوَضٍ وَلَا فَرْقَ بَيْنَ أَنْ يَكُونَ الْبَيْعُ بَاتًّا أَوْ فِيهِ خِيَارُ الْبَائِعِ لِأَنَّ السَّبَبَ هُوَ الْبَيْعُ السَّابِقُ فَيُصَافِ الْحُكْمُ عِنْدَ سُقُوطِ الْخِيَارِ إِلَيْهِ فَيُصَافِ التَّلَفُ إِلَيْهِمْ

ترجمہ..... اور اگر دو گواہوں نے کسی چیز کو مثل قیمت یا زائد کے عوض فروخت کرنے کی گواہی دی پھر دونوں نے رجوع کر لیا تو ضامن نہ ہوں گے اس لئے کہ یہ عوض کی طرف نظر کرتے ہوئے معنی اتلاف نہیں ہے اور اگر قیمت سے کم کے عوض فروخت کرنے کی گواہی دی تو دونوں نقصان کے ضامن ہوں گے۔ اس لئے کہ ان دونوں نے اس جزء کو بلا عوض تلف کیا ہے اور کوئی فرق نہیں کہ بیع قطعی ہو یا اس میں بائع کا خیار ہو کیونکہ سبب تو بیع سابق ہے پس سقوط خیار کے وقت حکم اسی کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ پس تلف انہیں کی طرف منسوب ہوگا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ مشتری مثلاً حامد نے اپنا یہ غلام جو ہزار روپیہ قیمت کا ہے ہزار روپیہ کے عوض یا ڈیڑھ ہزار روپیہ کے عوض مجھ کو فروخت کر دیا ہے اور بائع اس کا منکر ہے۔ پس مشتری نے گواہ پیش کئے اور ان گواہوں نے بھی مشتری کے دعویٰ کے موافق شہادت دی پھر قاضی کے حکم کے بعد گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کر لیا تو یہ دونوں گواہ بائع کے لئے ضامن نہ ہوں گے۔ کیونکہ گواہوں نے اگرچہ اپنی گواہی سے بائع کی بیع یعنی غلام کو تلف کیا ہے۔ لیکن بائع کو اس کا بھر پور معاوضہ بھی مل گیا ہے۔ لہذا یہ اتلاف بلا عوض ہوا اور سابق میں گذر چکا ہے کہ اتلاف بلا عوض چونکہ عدم اتلاف کے مرتبہ میں ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا ضمان واجب نہیں ہوتا۔ اور جب اتلاف بلا عوض کی صورت میں ضمان واجب نہیں ہوتا تو ان گواہوں پر بھی ضمان واجب نہ ہوگا اور اگر مشتری نے قیمت سے کم کے عوض مثلاً پانچ سو روپیہ کے عوض مذکورہ غلام خریدنے کا دعویٰ کیا اور اسی کے مطابق گواہوں نے گواہی دی اور پھر قاضی کے فیصلے کے بعد گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کر لیا تو دونوں گواہ بائع کے واسطے مقدار نقصان یعنی پانچ سو روپیہ کے ضامن ہوں گے کیونکہ انہوں نے غلام کا وہ جزء جو پانچ سو روپیہ کے مقابلہ میں ہے بلا عوض تلف کیا ہے یعنی غلام کی مالیت ایک ہزار ہے اور بائع کو صرف پانچ سو روپیہ ملے ہیں تو گواہوں نے آدھا غلام بلا عوض تلف کیا ہے اور سابق میں گذر چکا ہے کہ اتلاف بلا عوض کی صورت میں تلف کرنے والے پر ضمان واجب ہوتا ہے۔ لہذا گواہوں پر اس مقدار کا ضمان واجب ہوگا جس کو بلا عوض تلف کیا ہے یعنی پانچ سو روپیہ جو مقدار نقصان ہیں، گواہ ان کے ضامن ہوں گے۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ قیمت سے کم کے عوض بیع کی گواہی دینے کی صورت میں گواہ مقدار نقصان کے ضامن ہوں گے، بیع خواہ قطعی اور نافذ ہو خواہ خیار بائع کی وجہ سے موقوف ہو یہ عبارت دراصل ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال..... یہ ہے کہ جب گواہوں نے کم قیمت کے عوض بیع کی گواہی دی جس میں بائع کو خیار شرط حاصل ہے تو گواہوں نے بائع کی کوئی چیز تلف نہیں

کی ہے کیونکہ گواہوں نے ایسی بیعت کی شہادت دی ہے جس میں بائع کو اختیار شرط حاصل ہے اور جس بیعت میں بائع کو اختیار شرط حاصل ہوتا ہے اس میں بیعت سے بائع کی ملک زائل نہیں ہوتی ہے۔ گویا اس بیعت میں گواہوں کے گواہی دینے کے باوجود بیعت یعنی غلام سے بائع کی ملک زائل نہیں ہوتی ہے لیکن جب اختیار کی مدت (تین دن) گزر گئی اور بائع خاموش رہا تو اس کے خاموش رہنے سے بیعت نافذ ہو گئی اور بیعت اس کی ملک سے نکل گئی۔ لہذا بائع کا مدت اختیار میں خاموش رہنا اور بیعت کو رد نہ کرنا اس بات کی علامت ہے کہ بائع اس بیعت پر خود راضی ہے۔ اور قیمت سے کم کے عوض بیعت اپنی ملک سے نکالنے پر راضی ہے۔ پس جب گواہوں نے کچھ تلف نہیں کیا بلکہ یہ سب کچھ بائع ہی کا کیا ہوا ہے تو گواہوں پر مقدار نقصان کا ضمان کس طرح واجب کیا جاسکتا ہے۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ بیعت بشرط اختیار البائع اگرچہ بائع کی ملک سے بیعت کو نہیں نکالتی اور بائع اپنے اوپر سے ضرر دور کرنے پر قادر ہے بایں طور کہ مدت اختیار میں بیعت منسوخ کر دے مگر مدت اختیار میں بیعت منسوخ نہیں کی بلکہ اس بیعت پر راضی ہو گیا اور اپنے نقصان پر بائع کی رضا مندی گواہوں سے ضمان کو ساقط کر دیتی ہے۔ لیکن بیعت سے بائع کی ملک زائل ہونے کا سبب وہی بیعت سابق ہے جس کو گواہوں نے اپنی گواہی سے ثابت کیا ہے۔ لہذا مدت اختیار گذر جانے کے بعد سقوط اختیار کے وقت بیعت سے بائع کی ملک زائل ہونے کا حکم اسی بیعت سابق کی طرف منسوب ہوگا۔ جس بیعت کو گواہی سے ثابت کیا گیا ہے۔ پس جب زوال ملک کا حکم بیعت سابق کی طرف منسوب ہے اور بیعت سابق گواہوں کی گواہی سے حاصل ہوئی ہے تو اس بیعت کا تلف کرنا گواہوں کی طرف منسوب ہوگا۔ اور جب بیعت کا تلف کرنا گواہوں کی طرف منسوب ہے تو جس قدر بیعت کا اتلاف بلا عوض ہے اس کا ضمان بھی گواہوں پر واجب ہوگا۔

دو گواہوں نے کسی مرد پر اپنی بیوی کو دخول سے پہلے طلاق دینے پر گواہی

دی پھر رجوع کر لیا نصف مہر کے ضامن ہوں گے

وَإِنْ شَهِدَا عَلَى رَجُلٍ أَنَّهُ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ قَبْلَ الدُّخُولِ بِهَا ثُمَّ رَجَعَا ضَمِنَا نِصْفَ الْمَهْرِ لِأَنَّهُمَا أَكْثَرُ ضَمَانًا عَلَى شَرَفِ السَّقُوطِ أَلَا تَرَى أَنَّهَا لَوْ طَاوَعَتِ ابْنَ الزَّوْجِ أَوْ ارْتَدَّتْ سَقَطَ الْمَهْرُ أَصْلًا وَلَا الْفُرْقَةُ قَبْلَ الدُّخُولِ فِي مَعْنَى الْفَسْخِ فَيُوجِبُ سَقُوطَ جَمِيعِ الْمَهْرِ كَمَا مَرَّ فِي النِّكَاحِ ثُمَّ يَجِبُ نِصْفُ الْمَهْرِ ابْتِدَاءً بِطَرِيقِ الْمُتَعَةِ فَكَانَ وَاجِبًا بِشَهَادَتِهِمَا

ترجمہ..... اور اگر دو گواہوں نے کسی مرد پر گواہی دی کہ اس نے اپنی بیوی کو اس کے ساتھ دخول سے پہلے طلاق دے دی پھر انہوں نے رجوع کیا تو دونوں نصف مہر کے ضامن ہوں گے۔ اس لئے کہ ان دونوں نے ایسے ضمان کو موکد کر دیا ہے جو ساقط ہونے کے قریب تھا۔ کیا انہیں دیکھتے ہو کہ عورت اگر ابن زوج سے مطاعت کرے یا مرتد ہو جائے تو مہر بالکل یہ ساقط ہو جاتا ہے اور اس لئے کہ دخول سے پہلے فرقت فسخ کے معنی میں ہے۔ پس وہ پورے مہر کے ساقط ہونے کو واجب کرتا ہے۔ جیسا کہ نکاح میں گذر چکا ہے پھر ابتداء نصف مہر بطریق متعہ واجب ہوگا۔ پس یہ ان دونوں کی گواہی سے واجب ہوگا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت نے دعویٰ کیا کہ میرا شوہر مجھ کو دخول سے پہلے ہی طلاق دے چکا ہے اور شوہر اس کا منکر ہے۔ پھر عورت کے موافق دو گواہوں نے گواہی دی کہ اس عورت کے شوہر نے دخول سے پہلے اس کو طلاق دیدے ہے۔ پس اس گواہی کے مطابق قاضی نے زوجین کے درمیان تفریق کر دی اور اس عورت کا مہر اگر مستمسک تھا تو شوہر پر نصف مہر واجب کر دیا اور اگر مہر مثل تھا تو شوہر پر متعہ واجب کر دیا اس فیصلہ کے بعد دونوں گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کیا تو یہ دونوں گواہ مہر مسمیٰ کی صورت میں نصف مہر کے ضامن ہوں گے۔ اسی کے قائل امام احمد ہیں۔ اور امام مالک اور امام شافعی کی ایک روایت بھی یہی ہے۔

دلیل..... یہ ہے کہ عورت کے ساتھ دخول سے پہلے مہر کے ساقط ہونے کا ہر وقت امکان ہے۔ چنانچہ اگر عورت نے اپنے شوہر کے اس بیٹے کو جو پہلی بیوی سے ہے وہی پر قدرت دے دی یا اس نے شہوت کے ساتھ اس کے بیٹے کا بوسہ لے لیا۔ یا العیاذ باللہ عورت مرتد ہو گئی تو مہر بالکل ساقط ہو جاتا ہے۔ یعنی دخول سے پہلے اس طرح کے نشوز اور نافرمانی کی وجہ سے شوہر کے ذمہ سے مہر بالکل ساقط ہو جاتا ہے۔ بہر حال جو مہر شوہر کے ذمہ ہے دخول سے پہلے وہ مؤکد نہیں ہوتا بلکہ ساقط ہونے کے قریب ہوتا ہے لیکن گواہوں نے طلاق کی گواہی دے کر نصف مہر مؤکد کر دیا ہے۔ کیونکہ طلاق قبل الدخول کی وجہ سے شوہر پر نصف کا ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے اور مؤکد (پختہ کرنے والے) پر وہی واجب ہوتا ہے جو موجب (واجب کرنے والے) پر لازم ہوتا ہے اور گواہ اپنی گواہی سے اگر کسی پر کچھ لازم کرتے اور پھر وہ اپنی گواہی سے رجوع کر لیتے تو ان پر ضمان واجب ہوتا۔ پس اسی طرح جب دو گواہوں نے اپنی گواہی سے نصف مہر مؤکد کیا ہے اور پھر اس سے رجوع کیا ہے تو ان پر بھی ضمان واجب ہوگا۔ موجب پر جو واجب ہوتا ہے مؤکد پر بھی وہی واجب ہوتا ہے۔ علامہ ابن الہمام نے اس کی نظیر میں دو مسئلے ذکر فرمائے ہیں۔

۱۔ اگر محرم نے بحالت احرام حرم کا شکار پکڑ لیا پھر دوسرے آدمی نے اس کو قتل کر ڈالا تو شکار کی جزاء اور تاوان پکڑنے والے پر واجب ہے اور وہ قتل کرنے والے سے رجوع کرے گا۔ کیونکہ قاتل نے شکار قتل کر کے اس کی جزاء کو مؤکد کر دیا ہے ورنہ اگر یہ قتل نہ کرتا تو ہو سکتا تھا کہ پکڑنے والا محرم تو بہ کر لیتا اور اس شکار کو چھوڑ دیتا اور تاوان اس کے ذمہ سے ساقط ہو جاتا۔

۲۔ ایک شخص نے دوسرے شخص کو طلاق قبل الدخول پر اکراہ کیا اور اس نے بحالت اکراہ طلاق دے دی تو شوہر پر نصف مہر واجب ہوا اور شوہر اس کو اکراہ کرنے والے سے واپس لے گا۔ کیونکہ اکراہ کرنے والے شخص نے طلاق دلا کر نصف مہر مؤکد کر دیا ہے۔ ورنہ ہو سکتا تھا کہ عورت ارتداد یا ابن الزوج سے مطاوعت وغیرہ کوئی ایسی حرکت کر بیٹھتی جس کی وجہ سے فرقت واقع ہو جاتی اور مہر بالکلیہ ساقط ہو جاتا۔

اصل مسئلہ پر دوسری دلیل..... یہ ہے کہ دخول سے پہلے فرقت فسخ کے معنی میں ہے کیونکہ مقفوعہ علیہ عین، بضع عورت کی طرف بغیر تصرف کے صحیح، سالم لوٹ آیا اور فسخ نکاح سے پورا مہر ساقط ہو جاتا ہے۔ جس کے کتاب النکاح کے باب المہر میں گذر چکا ہے اور فسخ نکاح سے پورا مہر اس لئے ساقط ہو جاتا ہے کہ فسخ کی صورت میں عقد نکاح ہے یو یا نکاح منعقد ہی نہیں ہوا۔ اور شوہر پر نصف مہر بطریق متعہ ابتداء گواہوں کی گواہی سے واجب ہوتا ہے۔ سب مہر شوہر پر گواہوں کی گواہی سے واجب ہوتا ہے گویا شوہر پر نصف مہر گواہوں کی گواہی سے واجب ہوا ہے پس جب نصف مہر شوہر پر گواہوں کی گواہی سے واجب ہوا تو رجوع کرنے کے بعد شوہر کے لئے ضمان بھی انہیں گواہوں پر واجب ہوگا۔ رہی یہ بات کہ صاحب ہدایہ نے فرقت قبل الدخول کو فسخ کے معنی میں کیوں کہا ہے، براہ راست فسخ کیوں نہیں کہا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ نکاح لزوم کے بعد فسخ کو قبول نہیں کرتا ہے۔ مگر چونکہ مبدل یعنی بضع صحیح سالم بغیر تصرف کے عورت کی ملک کی طرف لوٹ آیا اس لئے یہ فسخ کے مشابہ ہوگا اور عین فسخ نہیں ہوگا۔

دو گواہوں نے غلام آزاد کرنے کی گواہی دی پھر دونوں نے رجوع کر لیا

تو دونوں غلام کی قیمت کے ضامن ہوں گے

قَالَ وَإِنْ شَهِدَا عَلَى أَنَّهُ أَعْتَقَ عَبْدَهُ ثُمَّ رَجَعَا ضَمِنَا قِيمَتَهُ لَا تَنْهَمَا أَتَلَفَا مَالِيَةَ الْعَبْدِ عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ عَوَضٍ وَالْوَلَاءُ لِلْمُعْتَقِ لِأَنَّ الْعِتْقَ لَا يَتَحَوَّلُ إِلَيْهِمَا بِهِذَا الصَّمَانِ فَلَا يَتَحَوَّلُ الْوَلَاءُ إِلَيْهِمَا

ترجمہ..... اور اگر دو گواہوں نے اس بات پر گواہی دی کہ اس نے اپنا غلام آزاد کیا ہے پھر دونوں نے رجوع کیا تو دونوں اس غلام کی قیمت کے ضامن ہوں گے۔ اس لئے کہ ان دونوں نے مولیٰ پر اس غلام کی مالیت مفت تلف کی ہے اور ولاء آزاد کرنے والے کے لئے ہے کیونکہ اس ضمان کی وجہ سے آزاد کرنا ان دونوں گواہوں کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔ پس ولاء بھی ان دونوں کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو شخصوں نے گواہی دی کہ عارف نے اپنا غلام آزاد کر دیا ہے۔ قاضی نے اس کے مطابق فیصلہ دے دیا۔ پھر دونوں گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کیا تو یہ دونوں گواہ مولیٰ کے لئے غلام کی قیمت کے بقدر مال کے ضامن ہوں گے۔ دونوں گواہ خواہ مالدار ہوں، خواہ تنگ دست ہوں کیونکہ ان دونوں نے جو کچھ تلف کیا ہے یعنی غلام وہ مال منقوم ہے اور یہ تلف کرنا بلا عوض ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ بلا عوض تلف کرنا ضمان کو واجب کرتا ہے۔ اس لئے دونوں گواہ مولیٰ کے لئے غلام کی قیمت کے ضامن ہوں گے اور غلام کی ولاء مولیٰ کے لئے ہوگی۔ کیونکہ گواہوں کی گواہی کے ذریعہ آزادی مولیٰ کی طرف سے متحقق ہوئی ہے۔ یعنی آزاد کرنے والا مولیٰ ہی ہے۔ اور حدیث میں فرمایا گیا ہے الولاء لمن اعتق ولاء آزاد کرنے والے کے لئے ہے۔ پس جب ولاء آزاد کرنے والے کے لئے ہوتی ہے اور آزاد کرنے والا اس مسئلہ میں مولیٰ ہے تو اس غلام کی ولاء مولیٰ کے لئے ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کر لیا اور غلام کا ضمان ادا کر دیا اور ضامن ضمان ادا کرنے کے بعد شئی مضمون بہ کا مالک ہو جاتا ہے تو یہ دونوں گواہ ضمان ادا کرنے کے بعد اس غلام کے مالک ہوئے اور اس کے آزاد کرنے والے ہوئے اور یہ دونوں گواہ جب غلام کے آزاد کرنے والے ہوئے تو اس غلام کی ولاء انہیں گواہوں کے لئے ہونی چاہئے اس کا جواب یہ ہے کہ جب گواہوں کے گواہی دینے سے غلام، مولیٰ کی طرف آزاد ہو گیا تو یہ آزادی ضمان ادا کرنے سے گواہوں کی طرف منتقل نہیں ہوگی کیونکہ آزادی، انتقال کو قبول نہیں کرتی ہے۔ پس جب آزادی گواہوں کی طرف منتقل نہیں ہوگی تو ولاء، جو آزادی کے تابع ہے وہ بھی گواہوں کی طرف منتقل نہ ہوگی۔ خلاصہ یہ کہ ولاء، مولیٰ کے لئے ثابت ہے۔

سوال..... لیکن اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مناسب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں ولاء مولیٰ کے لئے نہ ہو کیونکہ مولیٰ آزاد کرنے کا منکر ہے۔ اس لئے کہ اگر مولیٰ آزاد کرنے کا منکر نہ ہوتا تو شہادت کی کیا ضرورت تھی، آزادی پر شہادت دینا اس بات کی دلیل ہے کہ مولیٰ اس کا منکر ہے اور جب مولیٰ آزاد کرنے کا منکر ہے تو اس کے واسطے ولاء کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ مولیٰ بلاشبہ منکر ہے لیکن اس بارے میں قضائے قاضی سے شرعاً اس کی تکذیب کر دی گئی ہے اور جس شخص کی شرعاً تکذیب کر دی جائے اس کا اعتبار نہیں ہوتا۔ پس اس مسئلہ میں بھی مولیٰ کے انکار کا اعتبار نہ ہوگا۔ اور جب مولیٰ کے انکار کا اعتبار نہیں ہے تو آزادی مولیٰ ہی کی طرف سے متحقق ہوگی اور ولاء اسی کو ملے گی۔

گواہوں نے قصاص کی گواہی دی پھر قتل کے بعد رجوع کر لیا تو دیت کے ضامن ہوں گے

وَإِنْ شَهِدُوا بِقِصَاصٍ ثُمَّ رَجَعُوا بَعْدَ الْقَتْلِ ضَمِنُوا الدِّيَةَ لَا يُقْتَصُّ مِنْهُمْ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يُقْتَصُّ مِنْهُمْ لَوْ جُودَ الْقَتْلُ مِنْهُمْ تَسْبِيًا فَاشْبَهَ الْمُكْرَهَ بَلْ أَوْلَى لِأَنَّ الْوَلِيَّ يُعَانِ وَالْمُكْرَهَ يَمْنَعُ وَلَنَا أَنَّ الْقَتْلَ مُبَاشَرَةً لَمْ يُوَجَدْ وَكَذَا تَسْبِيًا لِأَنَّ السَّبَبَ مَا يُفْضِي إِلَيْهِ غَالِبًا وَهَهُنَا لَا يُفْضِي لِأَنَّ الْعَفْوَ مُنْدُوبٌ بِخِلَافِ الْمُكْرَهِ لِأَنَّهُ لَا يُؤْثِرُ حَيَاتَهُ ظَاهِرًا وَلِأَنَّ الْفِعْلَ الْإِخْتِيَارِيَّ مِمَّا يَقْطَعُ النَّسَبَةَ ثُمَّ لَا أَقْلَ مِنَ الشُّبْهَةِ وَهِيَ دَارِنَةٌ لِلْقِصَاصِ بِخِلَافِ الْمَالِ لِأَنَّهُ يَثْبُتُ مَعَ الشُّبْهَاتِ وَالْبَاقِي يُعْرَفُ فِي الْمُخْتَلَفِ

ترجمہ..... اور اگر گواہوں نے قصاص کی گواہی دی پھر قتل کے بعد رجوع کیا تو وہ دیت کے ضامن ہوں گے اور گواہوں سے قصاص نہیں لیا جائے گا اور امام شافعی نے فرمایا کہ گواہوں سے قصاص لیا جائے گا کیونکہ گواہوں کی طرف سے قتل سبب بن کر موجود ہوا ہے۔ لہذا یہ مکرمہ کے مشابہ ہو گیا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اس لئے کہ ولی کی اعانت کی جاتی ہے اور یہ مکرمہ کو منع کیا جاتا ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ قتل مباشرۃ نہیں پایا گیا اور یونہی گواہوں کا سبب قتل ہونا (بھی نہیں پایا گیا) کیونکہ سبب وہ ہے جو عام طور پر سبب تک پہنچا دے اور یہاں گواہوں کی گواہی مفضی نہیں ہے۔ اس لئے کہ

معاف کرنا مستحب ہے۔ برخلاف مکرمہ کے اس لئے کہ ظاہر اودہ اپنی زندگی کو ترجیح دے گا اور اس لئے کہ فعل اختیاری ان چیزوں میں سے ہے جو نسبت کو قطع کرتا ہے پھر شبہ سے تو کم نہیں ہے اور شبہ قصاص کو دور کر دیتا ہے۔ برخلاف مال کے اس لئے کہ وہ شبہات کے ساتھ ثابت ہو جاتا ہے اور اس کا باقی بیان مختلف الروایۃ میں معلوم ہوگا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص مثلاً حامد نے دعویٰ کیا کہ خالد نے میرے باپ کو عمداً ناحق قتل کیا ہے اور خالد اس کا منکر ہے۔ پھر دو گواہوں نے گواہی دی کہ واقعتاً خالد نے حامد کے باپ کو عمداً ناحق قتل کیا ہے قاضی نے اس شہادت پر فیصلہ دیدیا اور حامد نے اپنے باپ کے قصاص میں خالد کو قتل کر ڈالا اس کے بعد گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کر لیا تو یہ گواہ خالد کے ورثاء کے لئے دیت کے ضامن ہوں گے اور دیت گواہوں کے عاقلہ پر واجب ہوگی اور ان گواہوں سے قصاص نہ لیا جائے گا۔ یہی مذہب حضرت امام مالک کا ہے اور حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک گواہوں پر قصاص واجب ہوگا۔ امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ گواہوں نے اگر یہ کہا کہ ہم نے غلطی سے گواہی دی تھی تو وہ دیت کے ضامن ہوں گے اور اگر یہ کہا کہ ہم نے جان بوجھ کر جھوٹی گواہی دی تھی تو ان پر قصاص واجب ہوگا۔

امام احمدؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ خالد تو قصاصاً گواہوں کی گواہی سے قتل کیا گیا ہے گویا اصل قاتل گواہ ہوئے۔ اب اگر گواہوں نے خطا گواہی دے کر رجوع کیا تو یہ قتل خطا ہوا اور اگر عمداً گواہی دے کر رجوع کیا ہے تو یہ قتل عمداً ہوا اور شریعت کے مطابق قتل خطا میں دیت واجب ہوتی ہے اور قتل عمداً میں قصاص واجب ہوتا ہے۔ لہذا خطا گواہی دے کر رجوع کرنے کی صورت میں گواہ دیت کے واجب ہوں گے اور عمداً گواہی دے کر رجوع کرنے کی صورت میں گواہ قصاص کے ضامن ہوں گے۔ یعنی ان پر قصاص واجب ہوگا۔

حضرت امام شافعیؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ گواہ خالد کے قتل میں صرف مسبب ہیں یعنی خالد کو قصاصاً قتل کرنے کا سبب انھیں گواہوں کی گواہی ہے۔ چنانچہ اگر یہ گواہی نہ دیتے تو خالد کو قصاصاً نہ قتل کیا جاتا اور گواہ قتل کے مرتکب نہیں ہیں بلکہ قتل کا مرتکب مقتول کا ولی یعنی حامد ہے۔ اسی طرح مکرمہ یعنی زبردستی کرنے والا مسبب ہے اور مرتکب نہیں ہے مثلاً عارف نے واصف سے کہا کہ تو شاہد کو قتل کر دے۔ اگر تو شاہد کو قتل نہیں کرے گا تو میں تجھ کو قتل کروں گا۔ پس اس اکراہ کی وجہ سے واصف نے شاہد کو قتل کر دیا تو عارف اکراہ کرنے والا اس قتل میں محض مسبب ہے اور قتل کا مرتکب نہیں ہے۔

حاصل..... یہ کہ گواہ مسبب ہونے اور مرتکب قتل نہ ہونے میں مکرمہ (اکراہ کرنے والے) کے مشابہ ہیں اور یہ بات مسلم ہے کہ اکراہ کی صورت میں مکرمہ (اکراہ کرنے والے) کو جو مسبب ہے نہ کہ مرتکب قصاصاً قتل کیا جاتا ہے۔ پس اسی طرح قتل کی گواہی میں چونکہ گواہ مسبب ہے اور غیر مرتکب ہیں اس لئے رجوع عن الشهادات کے بعد ان کو بھی قصاصاً قتل کیا جائے گا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ گواہ مسبب ہونے میں مکرمہ سے بھی بڑھ کر ہیں کیونکہ شہادت، سہیت اور مفضی الی القتل ہونے میں اکراہ سے بڑھ کر ہے اس طور پر گواہوں کی گواہی کے بعد قاتل کا قتل تقریباً یقینی ہو جاتا ہے اور اس کے قتل پر ولی قصاص کی مدد بھی کی جاتی ہے اور کوئی شخص ولی قصاص کو قصاص لینے سے منع نہیں کرتا ہے۔ اس کے برخلاف اکراہ کہ اکراہ کی صورت میں قتل یقینی نہیں ہوتا بلکہ قتل نہ ہونا اغلب ہے۔ اس طور پر کہ جب عارف نے واصف کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ شاہد کو قتل کر دے تو واصف (مکرمہ) کو شرعاً بھی اس قتل سے روکا جاتا ہے اور عاۃً بھی روکا جاتا ہے۔ شرعاً تو اس لئے کہ مکرمہ یعنی واصف کو معلوم ہے کہ میرا یہ قتل شرعاً ممنوع اور حرام ہے لہذا وہ خوف آخرت اور داعیہ ایمان کی وجہ سے خود بھی اس ناحق قتل سے گریز کرے گا اور عاۃً بھی کچھ نہ کچھ انسان اس طرح کی حرکتوں سے روک ہی دیتے ہیں۔ پس جب مکرمہ (مجبور شخص) کو شرعاً اور عاۃً اس قتل سے روکا جاتا ہے تو اکراہ قتل کی طرف زیادہ مفضی نہ ہوگا بہر حال ثابت ہو گیا کہ شہادت، سہیت اور مفضی الی القتل ہونے میں اکراہ سے بڑھ کر ہے اور اکراہ کی صورت میں مکرمہ (اکراہ کرنے والا) کو جو مسبب ہے اس کو قصاصاً بدرجہ اولیٰ قتل یا جائے گا۔

ہماری دلیل..... یہ ہے کہ قتل، ایک فعل کا نام ہے اور وہ فعل قتل گواہوں کی طرف سے پایا نہیں گیا، بلکہ قاتل کے قتل کا مرتکب ولی قصاص ہے اور

ولی قصاص پر قاتل کے قتل کا قصاص لازم نہیں ہوتا۔ پس جب ولی قصاص جو مرتکب قتل ہے اس پر قاتل کے قتل کا قصاص لازم نہیں ہوتا تو اس کے علاوہ یعنی گواہ جنہوں نے قاتل کے قتل کا ارتکاب نہیں کیا ہے۔ ان پر قاتل کے قتل کا قصاص کس طرح لازم ہوگا۔
حاصل..... یہ کہ شہادت سے رجوع کرنے کے بعد گواہوں سے قاتل کے قتل کا قصاص وصول نہیں کیا جائے گا۔

و کذا التسیب..... الخ سے صاحب ہدایہ نے امام شافعیؒ کی دلیل کار ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ گواہ، قاتل کے قتل کا مسبب مہیا کرنے والے بھی نہیں ہیں یعنی گواہوں کی گواہی سبب قتل نہیں ہے، اس لئے کہ کسی کام کا سبب وہ ہوتا ہے جو غالباً اس کام تک پہنچا دے۔
خلاصہ..... یہ کہ مفضی الی اشیء شئ کا سبب ہوتا ہے اور یہاں گواہوں کی گواہی مفضی الی الفضل نہیں ہے یعنی گواہوں کی گواہی کے بعد بھی قاتل کا قتل ضروری نہیں ہے کیوں کہ قاتل کو معاف کرنا مندوب اور مستحب ہے بلکہ ہر معاملہ میں معافی اور درگزر کرنا شریعت کی نظر میں پسندیدہ اور مندوب ہے۔ چنانچہ غیر مدخول بہا مطلقہ کے مہر کے بارے میں باری عز اسم کا ارشاد ہے

أَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى - (بقوہ) ”مردوں کا معاف کر دینا پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے“

مطلب یہ ہے کہ اگر مرد، بیوی کو پورا مہر ادا کر چکا اور دخول سے پہلے طلاق دیدی تو مرد، بیوی سے نصف مہر واپس نہ لے بلکہ عورت کے پاس پورا مہر چھوڑ دے اور درگزر کرے اور سورہ مائدہ میں فرمایا ہے

وَالْجُرُوحُ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ

”زخموں کا بدلہ ان کے برابر ہے پھر جس نے معاف کر دیا تو وہ مجروح گناہ سے پاک ہو گیا“

مطلب یہ ہے کہ زخموں کے قصاص کو معاف کر دینا مجروح کے گناہوں کا کفارہ بن جاتا ہے جیسا کہ بعض احادیث میں اس کی تصریح موجود ہے۔ ان دونوں آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ معاف کرنا اور درگزر کرنا شریعت اسلام میں پسندیدہ اور مندوب ہے اور احادیث میں ہے۔

من كظم غيظاً و هو يقدر على انفاذه ملاً الله قلبه امناً و ايماناً

جس نے نفاذ کی قدرت کے باوجود اپنا غصہ پی لیا اللہ تعالیٰ اس کا قلب امن اور ایمان سے بھر دے گا

غصہ پینے سے مراد معاف کر دینا ہے اور ایک حدیث میں ہے،

نادیٰ مناد یوم القيامة ابن الذین کان اجورهم علی الله فلا یقوم الا من عفا

برز قیامت ایک منادی ندا دے گا کہ وہ لوگ کہاں ہیں؟ جن کا اجر اللہ پر ہے اس ناپرواہی شخص کھڑا ہوگا جس نے لوگوں کو معاف کر دیا۔ وگا۔

ان دونوں روایات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ معاف کرنا اللہ، اور حبیب اللہ دونوں کے نزدیک پسندیدہ اور تقویت ایمان اور ترقی درجات کا ذریعہ ہے۔ بہر حال جب قاتل کو معاف کرنا مندوب اور باعث اجر و ثواب ہے تو اغلب یہ ہے کہ مقتول کا ولی قاتل کو معاف کر دے گا اور جب معاف کرنا اغلب ہے تو شہادت مفضی الی القتل نہ رہی اور جب شہادت مفضی الی القتل نہیں ہے تو یہ شہادت، قتل کا سبب اور گواہ مسبب نہ ہوئے اس کے برخلاف مکرمہ (جس پر اکراہ کیا گیا) ہے کہ جب اس کو کسی نے یہ دھمکی دی۔ اگر تو فلاں مثلاً شاہد کو قتل نہیں کرے گا تو ہم تجھ کو قتل کر دیں گے تو یہ اکراہ بالعموم مفضی الی القتل ہوگا کیونکہ بظاہر یہ ہے کہ مکرمہ (واصف) اپنی زندگی کو ترجیح دے گا یعنی اپنی زندگی کی خاطر مکرمہ (واصف) شاہد کو قتل کرنا گوارا کرے گا اور جب یہ بات ہے تو اکراہ مفضی الی القتل ہونے کی وجہ سے سبب قتل اور اکراہ کرنے والا (عارف) مسبب ہوا۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ قصاصاً مسبب قتل کیا جاتا ہے غیر مسبب قتل نہیں کیا جاتا پس گواہ جو موجب قتل نہیں ہیں قصاصاً ان کو قتل نہیں کیا جائے گا اور مکرمہ (اکراہ کرنے والا) چونکہ مسبب قتل ہے۔ اس لئے اس کو قتل کیا جائے گا اور چونکہ اکراہ کرنے والا مسبب ہے اور گواہ مسبب نہیں ہیں اس لیے گواہوں کو

اکراہ کرنے والے پر قیاس کرنا بھی درست نہ ہوگا جیسا کہ امام شافعیؒ نے قیاس کیا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ ہم اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ گواہ قاتل کے قتل کا سبب ہے لیکن فعل قتل جو ولی قصاص کی طرف پایا گیا ہے وہ ولی کے اختیار صحیح سے پایا گیا ہے اور جو فعل کسی سے اس کے اختیار صحیح سے صادر ہوا ہو۔ اس کی نسبت اسی کی طرف ہوتی ہے دوسرے کی طرف نہیں ہوتی۔ پس یہاں بھی فعل قتل کی نسبت ولی قصاص کی طرف ہوگی اور گواہوں کی طرف نہ ہوگی اور جب فعل قتل گواہوں کی طرف منسوب نہیں ہے تو گواہ قاتل کو قصاصاً قتل کرنے والے نہ ہوں گے اور جب گواہ قاتل کو قتل کرنے والے نہیں ہیں تو ان پر قصاص بھی واجب نہ ہوگا اور اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ گواہوں کی طرف قتل کی نسبت منقطع نہیں ہوئی ہے بلکہ بحیثیت مسبب کے ان کی طرف قتل منسوب ہے تو پھر بھی گواہوں پر قصاص واجب ہونے میں شبہ ضرور ہے کیونکہ قاتل کے قتل کا حقیقی مرتکب تو ولی ہے اور گواہ سبب قتل ہیں۔ لہذا ایک اعتبار سے یعنی سبب قتل ہونے کے اعتبار سے گواہ قاتل ہیں اور ایک اعتبار سے گواہ قاتل ہیں اور ایک اعتبار سے ولی قاتل ہے اور جب ایک اعتبار سے ولی قاتل ہے اور ایک اعتبار سے گواہ قاتل ہیں تو گواہوں پر قصاص واجب ہونے میں شبہ پیدا ہو گیا اور شبہ قصاص کو دور کر دیتا ہے۔ لہذا گواہوں پر سے قصاص دور کر دیا جائے گا یعنی ان پر قصاص واجب نہ ہوگا۔ رہا یہ سوال کہ دیت چونکہ قصاص کا بدل ہے اور قصاص شبہ سے دور ہو جاتا ہے اس لئے دیت بھی شبہ سے دور ہو جانی چاہیے اور گواہوں پر قصاص کی طرح دیت بھی واجب ہونی چاہئے تھی تو اس کا جواب یہ ہے کہ دیت مالی شہادت کے ساتھ ثابت ہو جاتی ہے۔ لہذا دیت مالی، شبہ کے باوجود گواہوں پر واجب ہو جائے گی اور قصاص جو شبہات سے ساقط ہو جاتا ہے۔ اس کے ساقط ہونے سے دیت مالی (جو شبہ سے ساقط نہیں ہوتی) کا ساقط ہونا لازم نہیں آئے گا۔

صاحب عنایہ نے فرمایا کہ مکبرہ بکسر الراء (اکراہ کرنے والے پر) قصاص اس لئے واجب ہوگا کہ مکبرہ بفتح الراء (جس پر اکراہ کیا گیا) کا اختیار فاسد ہوتا ہے اور مکبرہ بکسر الراء کا اختیار صحیح ہوتا ہے اور اختیار صحیح کے مقابلے میں اختیار فاسد معدوم ہو جاتا ہے۔ پس مکبرہ بفتح الراء، مکبرہ بکسر الراء کیلئے بمنزلہ آلہ کے ہو گیا ہے اور فعل قتل جو مکبرہ بفتح الراء کی طرف موجود ہوا ہے۔ وہ درحقیقت مکبرہ بکسر الراء کی طرف سے موجود ہوا ہے اور جب فعل قتل مکبرہ بکسر الراء پر واجب ہوگا نہ کہ مکبرہ بفتح الراء پر۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ اس مسئلہ کا باقی بیان فقیر ابو الیث کی مختلف الروایہ میں مذكور ہے۔

شہود و فرع نے روج کیا تو ضامن ہوں گے

قَالَ وَإِذَا رَجَعَ شُهُودُ الْفُرْعِ ضَمِنُوا لِأَنَّ الشَّهَادَةَ فِي مَجْلِسِ الْقَضَاءِ صَدَرَتْ مِنْهُمْ فَكَانَ التَّلَفُ مُضَافًا إِلَيْهِمْ

ترجمہ اور اگر شہود و فرع نے رجوع کیا تو ضامن ہوں گے۔ کیونکہ شہادت قاضی کی مجلس میں انھیں سے صادر ہوئی ہے۔ لہذا تلف کرنا بھی انھیں کی جانب منسوب ہوگا۔

تشریح صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شہادت علی الشہادت کی صورت میں شہود و فرع نے اپنی شہادت سے رجوع کیا تو بالاتفاق مشہود کا ضامن انھیں پر واجب ہوگا کیونکہ قاضی کی عدالت میں شہود و فرع نے گواہی دی ہے۔ لہذا تلف کرنا بھی انھیں کی جانب منسوب ہوگا اور جب تلف کرنا ان کی جانب منسوب ہے تو ضامن بھی انھیں پر واجب ہوگا۔

شہود اصل سے رجوع کیا اور کہا کہ شہود و فرع کو شہادت پر ہم نے مقرر نہیں کیا تو شہود اصل پر ضامن نہ ہوگا

وَلَوْ رَجَعَ شُهُودُ الْأَصْلِ وَقَالُوا لَمْ نَشْهَدْ شُهُودَ الْفُرْعِ عَلَى شَهَادَتِنَا فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِمْ لِأَنَّهُمْ أَنْكَرُوا السَّبَبَ وَهُوَ الْأَشْهَادُ وَلَا يَبْطُلُ الْقَضَاءُ لِأَنَّهُ خَبَرٌ مُحْتَمَلٌ فَصَارَ كَرَجُوعِ الشَّاهِدِ بِخِلَافِ مَا قَبِلَ الْقَضَاءُ

ترجمہ اور اگر شہود اصل نے رجوع کیا اور کہا کہ ہم نے اپنی شہادت پر شہود و فرع کو شاہد مقرر نہیں کیا ہے تو شہود اصل پر ضامن واجب نہ ہوگا۔ اس

لئے کہ اصول نے سبب یعنی گواہ بنانے سے انکار کیا ہے اور حکم قاضی باطل نہ ہوگا اس لیے کہ یہ خبر محتمل ہے۔ پس ایسا ہو گیا جیسے گواہ نے خود رجوع کیا ہو۔ برخلاف حکم قضا سے پہلے کے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر شہود اصل نے یہ کہا کہ ہم نے شہود فرع کو اپنی شہادت پر شاہد نہیں بنایا ہے اور شہود فرع اپنی شہادت پر باقی ہیں تو شہود اصل پر بالاجماع ضمان واجب نہ ہوگا کیونکہ انھوں نے سبب اتلاف یعنی اپنی شہادت پر شاہد بنانے کا انکار کیا ہے یعنی شہود فرع کی شہادت سے مدعی علیہ کا جو مال تلف ہوا یعنی مدعی کو دینا پڑا۔ اس کا سبب ہم نہیں ہیں کیونکہ ہم نے اپنی شہادت پر شہود فرع کو شاہد نہیں بنایا ہے۔ پس جب شہود اصل سبب اتلاف کے منکر ہیں تو ان پر ضمان اتلاف بھی واجب نہ ہوگا اور شہود فرع کی شہادت پر قاضی جو فیصلہ دے چکا ہے وہ بھی باطل نہ ہوگا کیونکہ شہود اصل کے اپنی شہادت پر شاہد بنانے کا انکار کرنے میں صدق اور کذب دونوں کا احتمال ہے یعنی یہ بھی احتمال ہے کہ شہود اصل اپنے انکار میں سچے ہوں اور یہ بھی احتمال ہے کہ جھوٹے ہوں، پس محض احتمال کی وجہ سے قاضی کا فیصلہ باطل نہ ہوگا۔ جیسا کہ اگر ”گواہ اصلی“ خود قاضی کی عدالت میں گواہی دیتے اور قاضی اس کے مطابق فیصلہ کر دیتا اور پھر یہ اصل گواہ رجوع کرتے تو ان کے رجوع کرنے سے قاضی کا فیصلہ باطل نہ ہوتا اسی طرح ان کے گواہ بنانے کا انکار کرنے سے بھی قاضی کا فیصلہ باطل نہ ہوگا۔ اور اگر قاضی نے شہود فرع کی شہادت پر کوئی فیصلہ نہیں دیا۔ اور فیصلہ دینے سے پہلے ہی شہود اصل نے شہود فرع کو اپنی شہادت پر شاہد بنانے کا انکار کر دیا تو قاضی شہود فرع کی شہادت پر فیصلہ نہیں دے گا۔ جیسا کہ قاضی کے فیصلہ کرنے سے پہلے اگر گواہ، گواہی سے رجوع کر لیں تو قاضی فیصلہ نہیں دیتا ہے۔

شہود اصل نے کہا کہ ہم نے شہود فرع کو مقرر کیا تھا اور ہم نے غلطی کی تو ضامن ہونگے یا نہیں..... اقوال فقہاء
وَ اِنْ قَالُوْا اَشْهَدْنَاھُمْ وَ غَلَطْنَا صَمْنُوْا وَ هٰذَا عِنْدَ مُحَمَّدٍ وَ عِنْدَ اَبِي حَنِیْفَةَ وَ اَبِي یُوْسُفَ لَا ضَمَانَ عَلَیْھُمْ لِاَنَّ الْقَضَاءَ وَقَعَ بِشَھَادَةِ الْفُرُوْعِ لِاَنَّ الْقَاضِیَ یَقْضِیْ بِمَا یَعٰیْنُ مِنَ الْحُجَّةِ وَھِیَ شَھَادَتُھُمْ وَلَہٗ اَنَّ الْفُرُوْعَ نَقَلُوْا شَھَادَةَ الْاَصُوْلِ فَصَارَ کَاَنَّهُمْ حَضَرُوْا

ترجمہ..... اور اگر شہود اصل نے کہا کہ ہم نے فروغ کو گواہ کیا تھا اور ہم نے غلطی کی ہے تو اصول ضامن ہوں گے اور یہ امام محمدؒ کے نزدیک ہے اور امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اصلی گواہوں پر ضامن نہیں ہے۔ اس لئے کہ قاضی کا حکم فروغ کی شہادت پر واقع ہوا ہے کیونکہ قاضی اسی حجت کے ساتھ حکم کرتا ہے۔ جس کا وہ مشاہدہ کرتا ہے اور وہ فروغ کی گواہی ہے اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ فروغ نے اصول کی گواہی نقل کی ہے پس یہ ایسا ہو گیا گویا اصول خود حاضر تھے۔

تشریح..... اگر شہود اصل نے کہا کہ ہم نے فروغ کو اپنی شہادت پر شاہد بنایا تھا لیکن ہم نے غلطی ہوئی یا یوں کہا کہ ہم نے ان کو شاہد بنایا تھا مگر رجوع کر لیا تھا تو ان دونوں قول میں امام محمدؒ کے نزدیک شہود اصل ضامن ہوں گے اور شیخینؒ کے نزدیک شہود اصل پر ضمان واجب نہ ہوگا۔
شیخینؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ قاضی کا فیصلہ فروغ کی شہادت پر واقع ہوا ہے، اس لئے کہ قاضی اس حجت پر فیصلہ صادر کرتا ہے۔ جس کا وہ مشاہدہ کرتا ہے اور قاضی نے فروغ کی شہادت کا مشاہدہ کیا ہے نہ کہ اصول کی شہادت کا کیونکہ فروغ کی شہادت قاضی کی مجلس میں موجود ہوئی ہے نہ کہ اصول کی شہادت۔ بحر حال قاضی نے جب فروغ کی شہادت کا مشاہدہ کیا ہے تو فروغ کی شہادت حجت ہوگی اور اسی کے مطابق قاضی فیصلہ دے گا اور اصل کی شہادت چونکہ مجلس قاضی میں نہیں پائی گئی، اس لئے اصول کی شہادت حجت نہ ہوگی اور جب اصول کی شہادت حجت نہیں ہے اور قاضی نے ان کی شہادت پر فیصلہ نہیں دیا ہے تو ان کا اپنی شہادت سے رجوع کرنا اتلاف کا سبب بھی نہ ہوگا اور جب اصول کا رجوع کرنا مشہود بہ کے اتلاف کا سبب نہیں ہے تو ان پر ضمان بھی واجب نہ ہوگا۔

اشرف الہدایہ جلد - دہم ۱۳۷ کتاب الرجوع عن الشهادات
 امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ شہود فروغ، شہود اصل کی شہادت قاضی کی مجلس کی طرف منتقل کرنے میں شہود اصل کے قائم مقام ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ
 قضائے قاضی کیلئے شہود اصل کا عادل ہونا بھی شرعاً معتبر ہے۔ بہر حال جب فروغ، اصول کے قائم مقام ہیں اور فروغ نے اصول ہی کی شہادت
 قاضی کی عدالت میں نقل کی ہے۔ تو یہ ایسا ہو گیا گویا شہود اصل نے مجلس قاضی میں خود حاضر ہو کر گواہی دی ہے اور پھر مجلس میں حاضر ہو کر رجوع کیا
 ہے، اور ایسا کرنے سے اصول پر ضمان واجب ہوتا ہے، لہذا مذکورہ مسئلے میں بھی اصول پر ضمان واجب ہوگا۔

شہود اصل اور فروغ دونوں گروہوں نے رجوع کر لیا تو ضمان اصل پر ہے یا فروغ پر

وَلَوْ رَجَعَ الْأَصُولُ وَالْفُرُوعُ جَمِيعًا يَجِبُ الضَّمَانُ عِنْدَهُمَا عَلَى الْفُرُوعِ لَا غَيْرَ لِأَنَّ الْقَضَاءَ وَقَعَ بِشَهَادَتِهِمْ
 وَعِنْدَ مُحَمَّدٍ الْمَشْهُودُ عَلَيْهِ بِالْخِيَارِ إِنْ شَاءَ ضَمَّنَ الْأَصُولُ وَإِنْ شَاءَ ضَمَّنَ الْفُرُوعُ لِأَنَّ الْقَضَاءَ وَقَعَ
 بِشَهَادَةِ الْفُرُوعِ مِنَ الْوَجْهِ الَّذِي ذَكَرْنَا وَبِشَهَادَةِ الْأَصُولِ مِنَ الْوَجْهِ الَّذِي ذَكَرْنَا فَيَتَخَيَّرُ بَيْنَهُمَا وَالْجِهَتَانِ
 مُتَعَايِرَتَانِ فَلَا يَجْمَعُ بَيْنَهُمَا فِي التَّضْمِينِ وَإِنْ قَالَ شُهُودُ الْفُرْعِ كَذَبَ شُهُودُ الْأَصْلِ أَوْ غَلَطُوا فِي ذَلِكَ لَمْ
 يُلْتَفَتْ إِلَى ذَلِكَ لِأَنَّ مَا امْضَى مِنَ الْقَضَاءِ لَا يَنْتَقِضُ بِقَوْلِهِمْ وَلَا يَجِبُ الضَّمَانُ عَلَيْهِمْ لِأَنَّهُمْ مَا رَجَعُوا عَنْ
 شَهَادَتِهِمْ إِنَّمَا شَهِدُوا عَلَى غَيْرِهِمْ بِالرُّجُوعِ

ترجمہ اور اگر اصول اور فروغ دونوں گروہ نے رجوع کیا تو شیخین کے نزدیک صرف فروغ پر ضمان واجب ہوگا۔ اس لیے کہ قاضی کا حکم انہیں کی
 شہادت پر واقع ہوا ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک مدعی علیہ کہ اختیار ہے۔ اگر چاہے تو اصول کو ضامن بنائے اور اگر چاہے فروغ کو ضامن بنائے۔ اس
 لئے کہ قضا فروغ کی شہادت پر اس طریقہ سے واقع ہوئی ہے جو شیخین نے ذکر کیا ہے اور اصول کی شہادت پر اس طریقہ سے واقع ہوئی ہے جو امام
 محمدؒ نے ذکر کیا ہے۔ لہذا اس کو دونوں کے درمیان اختیار ہوگا اور دونوں جہتیں باہم متعارض ہیں۔ لہذا ضامن بنانے میں اصول اور فروغ دونوں کو جمع
 نہیں کیا جائے گا اور اگر فروغ نے کہا کہ شہود اصل جھوٹے ہیں یا انہوں نے اس بارے میں غلطی کی ہے تو ان کے اس قول کی طرف توجہ نہیں کی جائے
 گی کیونکہ حکم قضاء جو گزر چکا ان کے قول سے نہیں ٹوٹے گا اور فروغ پر ضمان بھی واجب نہ ہوگا۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنی گواہی سے رجوع نہیں کیا
 ہے بلکہ اپنے علاوہ پر رجوع کرنے کی گواہی دی ہے۔

تشریح صاحب ہدایہ نے کہا کہ اگر اصول اور فروغ دونوں گروہ نے شہادت سے رجوع کیا تو شیخین کے نزدیک فقط فروغ پر ضمان واجب ہوگا
 کیونکہ قاضی کا حکم فروغ کی شہادت پر واقع ہوا ہے اور قاضی کا حکم فروغ کی شہادت پر اس لئے واقع ہوا ہے کہ قاضی اس حجت پر فیصلہ کرتا ہے جس کا
 وہ مشاہدہ کرتا ہے اور فروغ کی شہادت چونکہ قاضی کی مجلس میں موجود ہوتی ہے۔ اس لئے قاضی فروغ کی شہادت اور حجت کا مشاہدہ کرتا ہے اور جب
 قاضی فروغ کی شہادت کا مشاہدہ کرتا ہے تو اسی پر فیصلہ دے گا اور جب قاضی نے فروغ کی شہادت پر فیصلہ دیا ہے تو فروغ کا رجوع کرنا ہی مشہود بہ
 کے اطلاق کا سبب ہوگا اور جب فروغ کا رجوع کرنا اطلاق مشہود کا سبب ہے تو ضمان فروغ ہی پر واجب ہوگا اصول پر واجب نہ ہوگا۔ حضرت امام
 محمدؒ کے نزدیک مدعی علیہ کو اختیار ہے، جی چاہے وہ اصول کو ضامن بنائے اور جی چاہے فروغ کو ضامن بنائے۔

دلیل یہ ہے کہ شیخین کی بیان کردہ دلیل سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی نے فروغ کی شہادت پر فیصلہ دیا ہے اور امام محمدؒ کی بیان کردہ دلیل ”ان
 الفروع نقلوا شهادة الاصول“ سے معلوم ہوتا ہے کہ قاضی نے اصول کی شہادت پر فیصلہ دیا ہے۔ پس شیخین کی بیان کردہ دلیل کا تقاضا ہے کہ
 رجوع کرنے کی صورت میں فروغ پر ضمان واجب ہو اور امام محمدؒ کی بیان کردہ دلیل کا تقاضا ہے کہ اصول پر ضمان واجب ہو اور دونوں پر عمل کرنا چونکہ
 اولیٰ ہے بہ نسبت ایک کو ترک کرنے کے۔ اس لئے دونوں دلیلوں پر عمل کرتے ہوئے مدعی علیہ کو اختیار دیا گیا کہ وہ اصول کو ضامن بنائے لیکن اگر

کوئی یہ اعتراض کرے کہ دونوں دلیلوں کو جمع کر کے آدھے آدھے کا ضامن اصول اور فروع دونوں گروہ کو کیوں نہیں بنایا گیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں دلیلیں بالکل متغائر ہیں کیونکہ شہادت اصول، اصل حق پر ہے اور شہادت فروع، شہادت اصول پر ہے اور ان دونوں کے درمیان کوئی مجانست نہیں ہے اور جب ان دونوں کے درمیان کوئی مجانست نہیں ہے اور اصول اور فروع کو شہادت واحدہ کے حکم میں قرار دے کر ضامن بنانے میں سب کو اکٹھا نہیں کیا جائے گا بلکہ ہر فریق کو علیحدہ علیحدہ ضامن بنانے میں مدعی علیہ کو اختیار ہوگا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ اگر قضائے قاضی کے بعد شہود فروع نے کہا کہ شہود اصل نے مدعی علیہ پر جھوٹی گواہی دی، یا شہود اصل نے اس بارے میں غلطی کی تو شہود فروع کے اس قول کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی، کیونکہ قاضی جو فیصلہ دے چکا ہے وہ ان کے اس قول کی وجہ سے باطل نہ ہوا۔ اس لئے کہ ان کے اس قول میں صدق اور کذب دونوں کا احتمال ہے اور احتمال کی وجہ سے قاضی کا فیصلہ باطل نہیں ہوتا۔ لہذا قاضی کا فیصلہ باطل نہ ہوگا اور اس کہنے کی وجہ سے فروع پر ضمان بھی واجب نہ ہوگا کیونکہ فروع نے اپنی گواہی سے رجوع نہیں کیا ہے بلکہ اس بات کی گواہی دی ہے کہ اصول نے اپنی گواہی سے رجوع کیا ہے اور یہ قطعاً مفید نہیں ہے۔ بہر حال یہ کہنے سے فروع ضامن نہ ہوں گے اور اصول نے بھی چونکہ قاضی کی مجلس میں رجوع نہیں کیا ہے۔ اس لئے وہ بھی ضامن نہ ہوں گے۔

تزکیہ اور تعدیل کرنے والوں نے تزکیہ سے رجوع کیا وہ ضامن ہوں گے

قَالَ وَإِنْ رَجَعَ الْمُزَكُّونَ عَنِ التَّزْكِيَةِ ضَمِنُوا وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا لَا يَضْمَنُونَ لِأَنَّهُمُ اتَّبَعُوا عَلَى الشُّهُودِ خَيْرًا فَصَارُوا كَشُهُودِ الْإِحْصَانِ وَلَهُ أَنَّ التَّزْكِيَةَ اِعْمَالٌ لِلشَّهَادَةِ إِذَا الْقَاضِي لَا يَعْمَلُ بِهَا إِلَّا بِالتَّزْكِيَةِ فَصَارَتْ بِمَعْنَى عِلَّةِ الْعِلَّةِ بِخِلَافِ شُهُودِ الْإِحْصَانِ لِأَنَّهُ شَرَطُ مَحْضٍ

ترجمہ..... اور اگر تزکیہ اور تعدیل کرنے والوں نے تزکیہ سے رجوع کیا تو وہ ضامن ہوں گے اور یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ ضامن نہ ہوں گے۔ اس لئے کہ تعدیل کرنے والوں نے گواہوں کی اچھی تعریف کی ہے۔ پس ایسے ہو گئے جیسے احصان کے گواہ اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ تزکیہ، شہادت کو عمل دلانا ہے۔ اس لئے قاضی شہادت پر عمل نہیں کرے گا مگر تزکیہ سے۔ پس تزکیہ علت العلة کے معنی میں ہو گیا برخلاف احصان کے گواہوں کے کیونکہ یہ شرط محض ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر گواہوں نے کسی کے خلاف مال کی گواہی دی پھر تزکیہ کرنے والوں نے ان گواہوں کا تزکیہ کیا اور قاضی کے مدعی علیہ کے خلاف مال کا فیصلہ کر دیا اور اس فیصلہ کی بنیاد پر مدعی نے مال نہوہ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد تزکیہ کرنے والوں نے اپنے تزکیہ اور تعدیل سے رجوع کر لیا تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تزکیہ کرنے والے مدعی علیہ کے لئے مال مشہود بہ کے ضامن ہوں گے۔ اسی کے قائل امام مالکؒ اور امام محمدؒ ہیں۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ تزکیہ کرنے والے ضامن ہوں گے۔

صاحبینؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ تزکیہ کرنے والوں نے گواہوں کی تعریف کی ہے، کسی دعویٰ پر گواہی نہیں ہے۔ پس قاضی کا وہ فیصلہ جس کی وجہ سے مدعی علیہ کا مال تلف ہوا ہے تزکیہ پر واقع نہیں ہوا ہے بلکہ گواہوں کی گواہی پر واقع ہوا ہے اور جب قاضی کا فیصلہ گواہی پر واقع ہوا اور تزکیہ پر واقع نہیں ہوا تو مدعی علیہ کے مال کا تلف ہونا تزکیہ کرنے والوں کی طرف منسوب نہ ہوگا اور جب ائتلاف تزکیہ کرنے والوں کی طرف منسوب نہیں ہے تو تزکیہ سے رجوع کرنے کی صورت میں تزکیہ کرنے والوں پر ضمان بھی واجب نہ ہوگا۔ اور یہ تزکیہ کرنے والے ایسے ہو گئے جیسے احصان کے گواہ، یعنی اگر چار گواہوں نے عارف کے زنا کی گواہی دی پھر چند گواہوں نے عارف کے محسن یعنی شادی شدہ ہونے کی گواہی دی۔ چنانچہ عارف کو رجم کر دیا گیا۔ پھر احصان کے گواہوں نے احصان یعنی شادی شدہ ہونے کی گواہی سے رجوع کیا تو یہ احصان کے گواہ عارف کے ورثاء کے لئے

دیت کے ضامن نہ ہوں گے پس جس طرح احصان کے گواہ رجوع کرنے سے دیت کے ضامن نہیں ہوتے اسی طرح تزکیہ کرنے والے بھی تزکیہ سے رجوع کرنے کی صورت میں مال مشہود بہ کے ضامن نہ ہوں گے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ تزکیہ گواہی کو کارآمد بنانے کی علت ہے یعنی قاضی اس گواہی کے موافق عمل کرتا ہے جس گواہی کے گواہوں کی تعدیل کردی گئی ہو۔ اور گواہی قاضی کے فیصلہ کی علت ہے۔

حاصل یہ کہ قاضی کے فیصلہ کی علت تو شہادت ہے اور شہادت کا کارآمد ہونے کی علت تعدیل ہے۔ پس تعدیل کرنا علتہ العلة کے معنی میں ہو گیا اور حکم جس طرح علت کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ اسی طرح علتہ العلة کی طرف بھی منسوب ہوتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ قاضی کے حکم کے نتیجے میں مدعی علیہ کے مال کا تلف ہونا جس طرح علت یعنی گواہوں کی طرف منسوب ہے۔ اسی طرح علتہ العلة یعنی تزکیہ کرنے والوں کے تزکیہ اور تعدیل کی طرف بھی منسوب ہے اور جب مال کا اتلاف تزکیہ کرنے والوں کے تزکیہ کی طرف بھی منسوب ہے تو تزکیہ سے رجوع کرنے کی صورت میں تزکیہ کرنے والوں پر بھی ضمان واجب ہوگا۔

بخلاف شہود والا حصان الخ سے صاحبینؒ کے قیاس کا جواب ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ تزکیہ علتہ العلة کے معنی میں ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور احصان یعنی زانی کا شخص ہونا رجم کے لئے شرط ہے اور علتہ العلة نہیں ہے۔ کیونکہ حد زنا کی علت زنا ہے اور احصان کے گواہ زنا کو ثابت نہیں کرتے۔ اس لئے کہ زنا تو احصان سے پہلے ہی ثابت ہو چکا ہے۔ پس جب احصان کے گواہ زنا کو ثابت نہیں کرتے تو احصان، حد زنا یعنی رجم کے لئے علتہ العلة کے معنی میں بھی نہ ہوگا اور جب احصان علتہ العلة کے معنی میں نہیں ہے اور تزکیہ علتہ العلة کے معنی میں ہے تو اس فرق کے ہوتے ہوئے تزکیہ کو احصان پر اور تزکیہ کرنے والوں کو شہود احصان پر قیاس کرنا بھی درست نہ ہوگا۔ صاحب ہدایہ نے تزکیہ کو علتہ العلة کے معنی میں کہا ہے اور علتہ العلة نہیں کہا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شہادت مال مشہود بہ کے اتلاف کی علت نہیں ہے بلکہ سبب ہے جس کی طرف قاضی کا حکم منسوب ہے۔ پس جب شہادت علت نہیں ہے تو تزکیہ علتہ العلة کیسے ہو جائے گا۔ اسی وجہ سے تزکیہ کو علتہ العلة کے معنی میں کہا گیا ہے۔

فوائد علت، سبب، شرط اور علامت کے درمیان فرق یہ ہے کہ علت حکم کے اندر مؤثر ہوتی ہے، سبب بغیر تاثیر کے حکم کی طرف مفضی ہوتا ہے اور شرط نہ حکم کے اندر مؤثر ہوتی ہے اور نہ حکم کی طرف مفضی ہوتی ہے بلکہ حکم کا وجود اس کے وجود پر موقوف ہوتا ہے اور علامت وہ ہے جس پر حکم دلالت کرے لیکن حکم کا وجود اس کے وجود پر موقوف نہ ہو۔ جیسے کسی نے اپنی بیوی سے انت طالق ان دخلت الدار کہا تو انت طالق، وقوع طلاق کی علت اور دخول دار شرط ہے اور شہادت حکم قاضی کے لئے سبب ہے اور ثرین آنے سے پہلے گھٹی بجنا ثرین کی آمد کی علامت ہے۔

دو گواہوں نے یحییٰ اور دونے وجود شرط کی گواہی دی پھر چاروں نے رجوع کیا تو ضمان شہود یحییٰ پر ہوگا

قَالَ وَإِذَا شَهِدَ شَاهِدَانِ بِإِثْمَيْنِ وَشَاهِدَانِ بِوُجُودِ الشَّرْطِ ثُمَّ رَجَعُوا فَالضَّمَانُ عَلَى شُهُودِ الْيَمِينِ خَاصَّةً لِأَنَّهُ هُوَ السَّبَبُ وَالتَّلَفُ يُضَافُ إِلَى مُثَبِّتِي السَّبَبِ دُونَ الشَّرْطِ الْمُحْضِ إِلَّا تَرَى أَنَّ الْقَاضِيَ يَقْضِي بِشَهَادَةِ الْيَمِينِ دُونَ شُهُودِ الشَّرْطِ وَلَوْ رَجَعَ شُهُودُ الشَّرْطِ وَحَدَّاهُمْ اخْتَلَفَ الْمَشَائِخُ فِيهِ وَمَعْنَى الْمَسْأَلَةِ يَمِينُ الْعِتَاقِ وَالطَّلَاقِ قَبْلَ الدُّخُولِ.

ترجمہ اور اگر دو گواہوں نے یحییٰ کی گواہی دی اور دو گواہوں نے وجود شرط کی گواہی دی پھر چاروں نے رجوع کیا تو ضمان خاص طور پر شہود یحییٰ پر واجب ہوگا کیونکہ یہ سبب ہیں اور تلف کرنا سبب ثابت کرنے والوں کی طرف منسوب ہوگا نہ کہ شرط محض ثابت کرنے والوں کی طرف۔ کیا نہیں دیکھتے کہ قاضی شہادت یحییٰ پر فیصلہ دیتا ہے نہ کہ شہود شرط پر اور اگر تہا شہود شرط نے رجوع کیا تو اس میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے اور مسئلہ کے

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ دو شخصوں نے یمین عتاق کی گواہی دی مثلاً یہ گواہی دی کہ خالد نے اپنے غلام سے ان دخلت ہذا الدار فانت طالق کہا ہے یا یمین طلاق قبل الدخول کی گواہی دی۔ مثلاً یہ کہا کہ خالد نے دخول سے پہلے اپنی بیوی کو ان دخلت ہذا الدار فانت طالق کہا ہے۔ پھر دوسرے گواہوں نے وجود شرط کی گواہی دی یعنی اس بات کی گواہی دی کہ غلام یا عورت مکان میں داخل ہو گئی ہے۔ پس قاضی نے غلام کے آزاد ہونے کا یا بیوی کے مطلقہ ہونے کا فیصلہ کیا پھر چاروں گواہوں نے اپنی گواہی سے رجوع کر لیا تو غلام کی قیمت یا نصف مہر کا ضمان خاص طور سے یمین کے گواہوں پر واجب ہوگا۔ یعنی خالد کے لئے ضمان ان گواہوں پر واجب ہوگا جنہوں نے یہ گواہی دی تھی کہ خالد نے اپنے غلام کو ان دخلت ہذا الدار فانت حر، یا اپنی غیر مدخول بہا بیوی کو ان دخلت ہذا الدار فانت طالق کہا ہے۔ اور جن گواہوں نے یہ گواہی دی تھی کہ دخول دار کی شرط پائی گئی ہے ان پر ضمان واجب نہ ہوگا۔ حضرت امام زفرؒ نے فرمایا کہ ضمان چاروں گواہوں پر برابر، برابر واجب ہوگا۔

امام زفرؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ غلام یا نصف مہر دونوں فریقوں یعنی چاروں گواہوں کی گواہی سے تلف ہوا ہے پس جب تلف چاروں کی طرف منسوب ہے تو رجوع کرنے کی صورت میں ضمان بھی چاروں پر برابر، برابر واجب ہوگا۔

ہماری دلیل..... یہ ہے کہ غلام کی آزادی اور عورت کی طلاق کا سبب یہی یمین ہے یعنی انت حر اور انت طالق جو دخول دار پر معلق ہے، یہی غلام کے آزاد ہونے اور بیوی کے مطلقہ ہونے کا سبب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قاضی مولیٰ کے قول انت حر کے بذریعہ شہادت ثابت ہونے کی وجہ سے آزادی کا فیصلہ کرتا ہے اور شوہر کے قول انت طالق کے ثابت ہونے کی وجہ سے طلاق کا فیصلہ کرتا ہے۔

بہر حال آزادی اور طلاق کا سبب، یمین عتاق اور یمین طلاق ہے۔ اور دخول داران کے وقوع کی محض شرط ہے اور تلف کرنا سبب کی طرف منسوب ہوتا ہے نہ کہ شرط کی طرف۔ کیونکہ جب تک سبب کی طرف حکم کو منسوب کرنا ممکن ہوتا ہے اس وقت تک شرط کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا۔ پس جب تلف کرنا سبب کی طرف منسوب ہوتا ہے تو یہاں غلام یا نصف مہر کو تلف کرنا ان گواہوں کی طرف منسوب ہوگا جنہوں نے اپنی گواہی سے سبب ثابت کیا ہے اور ان گواہوں کی طرف منسوب نہ ہوگا جنہوں نے محض شرط ثابت کی ہے۔ اور جب تلف کرنا یمین (سبب) ثابت کرنے والے گواہوں کی طرف منسوب ہے تو رجوع کرنے کی صورت میں ضمان بھی انہیں پر واجب ہوگا، وجود شرط یعنی دخول دار کی گواہی دینے والوں پر ضمان واجب نہ ہوگا۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ اگر فقط شہود شرط نے رجوع کیا تو علماء کا اختلاف ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ اس صورت میں وجود شرط کی گواہی دینے والے گواہ ضامن ہوں گے لیکن صحیح قول یہ ہے کہ اس صورت میں بھی ضامن نہ ہوں گے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ مسئلہ کی مراد یمین طلاق قبل الدخول ہے۔ خادم نے صورت مسئلہ میں دونوں کا لحاظ رکھا ہے۔ یمین طلاق میں قبل الدخول کی قید اس لئے مذکور ہے کہ اگر بعد الدخول یمین طلاق کی گواہی دی گئی تو رجوع کرنے کی صورت میں گواہ مہر کے ضامن نہ ہوں گے کیونکہ دخول کی وجہ سے شوہر پر مہر واجب ہو جاتا ہے۔ خواہ وہ طلاق دے یا نہ دے۔ اور جب مہر شوہر پر دخول کی وجہ سے واجب ہے تو گواہوں نے اپنی گواہی کے ذریعہ کوئی چیز تلف نہیں کی ہے اور جب گواہوں نے کوئی چیز تلف نہیں کی تو ان پر ضمان بھی واجب نہ ہوگا۔



کتاب الوکالۃ

ترجمہ یہ کتاب وکالت کے بیان میں ہے۔

تشریح احکام شہادت بیان کرنے کے بعد وکالت کے احکام ذکر کئے گئے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ شہادت اور وکالت دونوں میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کی صفت ہے چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے ثم الله شهيد على ما يفعلون ایک آیت میں ہے حسبنا الله و نعم الوكيل پہلی آیت میں ”شہید“ اللہ کی صفت ہے۔ اور ایک دوسری آیت میں ”وکیل“ باری تعالیٰ کی صفت ہے۔ دوسری مناسبت یہ ہے کہ شہادت اور وکالت دونوں میں سے ہر ایک کے ذریعہ دوسرے آدمی کی مدد کی جاتی ہے اور اس کے حق کو زندہ کیا جاتا ہے۔ تیسری مناسبت یہ ہے کہ شہادت اور وکالت دونوں میں سے ہر ایک ثواب حاصل کرنے کا سبب ہے۔ ان مناسبتوں کی وجہ سے کتاب الشہادات کے بعد کتاب الوکالت کا ذکر کیا گیا ہے۔ وکالت واؤ کے کسرہ اور فتح دونوں کے ساتھ پڑھا گیا ہے۔ معنی ہیں سپرد کرنا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ وکالت کے معنی حفاظت کرنے کے ہیں۔ اسی سے وکیل، اسم باری حافظ کے معنی میں ہے اور وکالت، توکیل کا اسم بھی ہے۔ توکیل کے معنی ہیں اپنے بجز اور دوسرے پر اعتماد کا اظہار کرنا۔ وکیل وہ شخص کہلاتا ہے جو اس کام کا انجام دے جو کام اس کے سپرد کیا گیا ہے۔ وکیل فکیل کے وزن پر مفعول کے معنی میں مستعمل ہے۔ فقہاء کی اصطلاح میں وکالت یہ ہے کہ ایک آدمی کسی مخصوص اور معلوم تصرف میں دوسرے آدمی کو اپنا قائم مقام مقرر کر دے۔

وکالت کا سبب وہی ہے جو بیع کی مشروعیت کا سبب ہے۔ یعنی تعلق البقاء المقذور بتعاطیہا۔ زندگی کی بقاء باہمی لین دین سے وابستہ ہے اور چونکہ باہمی لین دین کے لئے تصرفات بسا اوقات دوسروں کے سپرد کرنے پڑتے ہیں۔ اس لئے وکالت، مشروع کی گئی اور وکالت کا رکن لفظ وکلت (میں نے وکیل کیا) اور اس کے ہم معنی الفاظ ہیں۔ وکالت کی شرط یہ ہے کہ مؤکل نے جس کام کے لئے وکیل کیا ہے مؤکل خود بھی اس کا مختار اور مجاز ہو وکالت کا حکم یہ ہے کہ وکیل کو اس کام کا تصرف حاصل ہو جاتا ہے جو کام مؤکل نے اس کے سپرد کیا ہے۔ وکالت کی صفت یہ ہے کہ وکالت ایک جائز عقد ہے۔ مؤکل اور وکیل دونوں میں سے ہر ایک کو دوسرے کی رضامندی کے بغیر معزول کر دینے کا حق ہے۔ یعنی مؤکل، وکیل کو بغیر اس کی رضامندی کے معزول کر سکتا ہے۔ عقد وکالت کا جواز قرآن، حدیث، اجماع اور قیاس چاروں دلیلوں سے ثابت ہے۔ قرآن، اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے واقعہ میں فرمایا ہے فابعثوا احدکم بوردکم هذه الى المدينة فليظروا ايها ازكى طعاما فليأتکم برزق منه اصحاب کہف نے سوکراٹھنے کے بعد کہا۔ اب بھیجوا اپنے میں سے ایک کو یہ روپیہ دے کر اس شہر میں پھر دیکھے کون سا کھانا ستھرا ہے سولائے تمہارے پاس اس میں سے کھانا۔ ان حضرات نے ایک شخص کو روپیہ دے کر حلال کھانا خرید کر لانے کی ذمہ داری سپرد کی اور یہی وکالت ہے۔ قرآن پاک نے اس کو بغیر نکیر کے بیان کیا ہے اور قاعدہ ہے کہ قرآن پاک اگر کسی سابقہ امت سے متعلق حکم کو بغیر نکیر بیان کرے تو وہ حکم ہمارے لئے بھی مشروع ہوتا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ وکالت ہمارے لئے بھی مشروع ہے۔

اور حدیث سے وکالت کا جواز اس طرح ثابت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے حکیم بن حزام اور عروہ باری کو قربانی کا جانور خریدنے کے لئے وکیل کیا۔ (ترمذی)

اور عمرو بن امیہ کو امیہ بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے قبول نکاح کے لئے وکیل مقرر کیا اور حضرت رافع کو حضرت میمونہؓ کے قبول نکاح کے لئے وکیل مقرر فرمایا۔ اجماع سے اس طرح ثابت ہے کہ رسول اکرم ﷺ کے عہد سے لے کر آج تک وکالت کے جواز پر امت کا اجماع اور تعامل ہے۔

قیاس اور عقلی دلیل سے اس طرح ثابت ہے کہ بسا اوقات انسان طویل سفر کرنے کی وجہ سے اپنے مال کی حفاظت کرنے سے عاجز ہوتا ہے۔ اور کبھی خرید و فروخت کی صلاحیت نہ ہونے کی وجہ سے خرید و فروخت سے عاجز ہوتا ہے کبھی کثرت مشاغل کی وجہ سے خرید و فروخت سے عاجز ہوتا ہے اور کبھی ضعف اور پیرانہ سالی کی وجہ سے عاجز ہوتا ہے۔ پس یہ تمام عوارض وکالت کے جواز کا تقاضا کرتے ہیں۔ لہذا ان وجوہ اور عوارض کی وجہ سے وکالت کو مشروع کیا گیا۔

کس عقد میں وکالت درست ہے

قَالَ كُلُّ عَقْدٍ جَازٍ أَنْ يَعْقِدَهُ الْإِنْسَانُ بِنَفْسِهِ جَازٌ أَنْ يُوكِّلَ بِهِ غَيْرَهُ لِأَنَّ الْإِنْسَانَ قَدْ يَعِجُزُ عَنِ الْمُبَاشَرَةِ بِنَفْسِهِ عَلَى اعْتِبَارِ بَعْضِ الْأَحْوَالِ فَيَحْتَاجُ إِلَى أَنْ يُوكِّلَ بِهِ غَيْرَهُ فَيَكُونُ بِسَبِيلٍ مِنْهُ دَفْعًا لِلْحَاجَةِ وَقَدْ صَحَّ أَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَكَّلَ بِالشَّرَاءِ حَكِيمَ بْنَ حِزَامٍ وَبِالْتَّزْوِيجِ عُمَرَ بْنَ أُمِّ سَلَمَةَ .

ترجمہ ہر وہ عقد جس کو انسان بذات خود منعقد کر سکتا ہے اس کے واسطے دوسرے کو وکیل کرنا جائز ہے۔ اس لئے کہ انسان کبھی بعض عوارض کی وجہ سے خود ایک کام کرنے سے عاجز ہوتا ہے۔ تو وہ اس بات کی طرف محتاج ہوتا ہے کہ دوسرے کو اس کام کا وکیل کرے۔ پس حاجت کو دور کرنے کے لئے وکالت کی گنجائش ہوگی۔ اور یہ بات صحیح ہے کہ حضور ﷺ نے حکیم بن حزام کو خریدنے کا وکیل کیا ہے اور عمرو بن ام سلمہ کو نکاح کرنے کے واسطے وکیل کیا ہے۔

تشریح وکیل مقرر کرنے کے سلسلہ میں صاحب قدوریؒ نے یہ ضابطہ بیان فرمایا ہے کہ انسان جس عقد کو بذات خود منعقد کر سکتا ہے اس عقد کے لئے دوسرے کو وکیل مقرر کرنا بھی جائز ہے۔ فاضل مصنفؒ نے یہ نہیں کہا کہ جس عقد کو خود منعقد نہیں کر سکتا اس کے لئے وکیل مقرر کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ بعض عقود ایسے ہیں جن کو انسان خود منعقد کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ لیکن ان کے لئے وکیل مقرر کرنا جائز ہے۔ جیسے کسی مسلمان کا کسی ذمی کو شراب خریدنے اور فروخت کرنے کا وکیل بنانا تو امام صاحبؒ کے نزدیک جائز ہے لیکن بذات خود مسلمان کے لئے شراب کی خرید و فروخت جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ مصنف کا بیان کردہ ضابطہ بھی درست نہیں ہے اس لئے کہ ذمی یہ بذات خود تو شراب کی خرید و فروخت کرنے کا مجاز ہے لیکن کسی مسلمان کو وکیل بنانا جائز نہیں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ذمی جس طرح خود شراب کی خرید و فروخت کرنے کا مجاز ہے اسی طرح دوسرے کو اس کی خرید و فروخت کے لئے وکیل کرنا جائز ہے۔ چنانچہ اگر ایک ذمی نے دوسرے ذمی کو شراب کی خرید و فروخت کا وکیل مقرر کیا تو جائز ہے۔ اور ہاں مسلمان کو شراب کی خرید و فروخت کے وکیل بنانے کا عدم جواز، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کو شراب کی خرید و فروخت کا وکیل بنانا اس لئے ناجائز ہے کہ مسلمان کو شراب اور شراب کے کاروبار سے الگ تھلک رہنے کا امر کیا گیا ہے۔ پس اس امر شرعی کی وجہ سے شراب کی خرید و فروخت کے لئے مسلمان کو وکیل مقرر کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ حاصل یہ کہ وکیل تو مسلمان کو بھی مقرر کرنا جائز ہے لیکن چونکہ مسلمان کو شراب سے اجتناب کا امر کیا گیا ہے اس لئے اس عارض کی وجہ سے شراب کی خرید و فروخت کے لئے مسلمان کو وکیل بنانے کا عدم جواز قاعدہ کلیہ اور ضابطہ پر اثر انداز نہ ہوگا۔ بلکہ ضابطہ بدستور ہے گا اور یہ ممانعت عارض کی وجہ سے ہوگی۔ جیسے کوئی شخص یوں کہے کہ ہر وہ شخص جو نکاح صحیح کرے اس کے لئے منکوحہ عورت کے ساتھ وطی کرنا جائز ہے تو اب یہ اعتراض نہ ہوگا کہ یہ عورت اگر حائضہ ہو یا حالت احرام میں ہو تو اس کے ساتھ وطی کرنا جائز نہیں ہے۔ لہذا یہ بیان کردہ ضابطہ کے خلاف ہوا کیونکہ اس کا جواب بھی یہ ہوگا کہ اس عورت کے ساتھ وطی تو بہر صورت جائز ہے لیکن یہاں ممانعت وطی عورت کی جانب سے ایک عارض کی وجہ سے پیش آتی ہے اور وہ عارض اس کا حائضہ ہونا اور حالت احرام میں ہونا ہے اور عارض کی وجہ سے وطی کی ممانعت قاعدہ کے خلاف نہیں کہلاتی۔

بہر حال انسان جو عقد خود کر سکتا ہے اس کے لئے دوسرے کو وکیل بنانا بھی جائز ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ انسان کبھی حالات و عوارض کی وجہ سے کام کرنے سے عاجز ہوتا ہے۔ مثلاً خرید و فروخت کا تجربہ نہیں ہوتا یا اپنی وجاہت اور منصب کی وجہ سے خرید و فروخت نہیں کر پاتا یا پیرانہ سالی کی وجہ سے بازار جانے کی سکت نہیں ہوتی۔ بہر حال ایسے حالات میں چونکہ دوسرے کو وکیل بنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے ضرورت دور کرنے کے لئے دوسرے آدمی کو وکیل بنانے کی اجازت دی گئی ہے۔ حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ چنانچہ ترمذی میں روایت ہے

عن حکیم بن حزام ان رسول اللہ ﷺ بعث معہ بدینار یشتري له اضحیۃ فاشترى اھا بدینار فباعھا بدینارین فرجع واشترى اضحیۃ بدینار و جاء بدینار و اضحیۃ الی رسول اللہ ﷺ فتصدق النبی ﷺ به ودعا له ان یرک له فی تجارتہ

حکیم بن حزام سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ان کو ایک دینار لے کر قربانی کا جانور خریدنے کے لئے بھیجا یعنی وکیل کیا۔ پس حکیم نے ایک جانور ایک دینار کے عوض خرید کر اس کو دو دینار کے عوض بیچ دیا پھر لوٹ کر ایک جانور ایک دینار کے عوض خریدا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک دینار اور ایک جانور لے کر حاضر ہوئے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے دینار تو صدقہ کر دیا۔ اور حکیم بن حزام ﷺ کی تجارت میں ان کے لئے برکت کی دعا کی۔

اسی طرح عروہ باریقی سے مروی ہے:

قَالَ فاعطاه النبی ﷺ دیناراً یشتري اوضاۃ فاشترى شاتین فباع احدھما بدینار و اتاہ بشاة و دینار فدعا له بالبرکۃ فی بیعہ فکان لو اشترى تراباً ریح فیہ (ابو داود)

یعنی رسول اکرم ﷺ نے عروہ باریقی کو قربانی کا جانور یا بکری خریدنے کے لئے ایک دینار دیا۔ موصوف نے دو بکریاں خرید لیں پھر ان میں سے ایک بکری ایک دینار کے عوض فروخت کر دی اور محسن اعظم ﷺ کے پاس ایک بکری اور ایک دینار لے کر حاضر ہوئے۔ رسول اللہ ﷺ نے عروہ کے لئے ان کی بیچ میں برکت کی دعا کی (یہ دعا ایسی قبول ہوئی) کہ اگر عروہ مٹی بھی خریدتے تو اس میں نفع ضرور ہوتا۔

ان دونوں روایتوں سے ثابت ہو گیا کہ خرید و فروخت کے لئے وکیل مقرر کرنا جائز ہے۔ نیز رسول اکرم ﷺ نے عمر بن ام سلمہ کو نکاح کرنے کا وکیل کیا ہے۔ چنانچہ عمر بن ام سلمہ نے بحیثیت وکیل اپنی والدہ ام سلمہؓ کا نکاح رسول اکرم ﷺ کے ساتھ کیا ہے۔ علامہ الترازنیؒ نے فرمایا کہ ام سلمہ کے ساتھ رسول اللہ کے نکاح کے وقت عمر بن ام سلمہ کی عمر ایک سال تھی یا بقول علامہ ابن جوزیؒ تین سال تھی۔ لیکن علامہ ابن عبد البر نے کہا کہ عمر بن ام سلمہ سن شعور کو پہنچ چکے تھے۔ علامہ الترازنی اور علامہ ابن جوزی کے قول کی بناء پر اس حدیث سے استدلال کرنا مشکل ہوگا۔ البتہ علامہ ابن عبد البر کے قول کے مطابق استدلال ممکن ہے۔

تمام حقوق میں وکیل بالخصوص مت بنانا جائز ہے

قَالَ وَیَجُوزُ الْوُکَالَةُ بِالْخُصُومَةِ فِی سَائِرِ الْحُقُوقِ لِمَا قَدْ مَنَّا مِنَ الْحَاجَةِ اِذْ لَیْسَ کُلُّ اَحَدٍ یَهْتَدِیْ اِلَیْ وَجُوْهِ الْخُصُومَاتِ وَقَدْ صَحَّ اَنَّ عَلِیًّا وَکَّلَ فِیْهَا عَقِیلاً وَبَعْدَ مَا اَسَنَّ وَکَّلَ عَبْدُ اللّٰهِ بَنَ جَعْفَرَ

ترجمہ..... اور تمام حقوق میں وکالت بالخصوص مت جائز ہے اس حاجت کی وجہ سے جو ہم بیان کر چکے اس لئے کہ ہر آدمی خصوصاً متوں کے طریقوں کی طرف راہ یاب نہیں ہوتا ہے اور یہ صحیح ہے کہ علیؑ نے خصوصاً مت میں عقیل کو وکیل بنایا اور عقیل کو بوڑھا ہونے کے بعد عبد اللہ بن جعفر کو وکیل بنایا۔

تشریح..... صاحب قدوریؒ نے فرمایا کہ تمام حقوق میں مقدمہ دائر کرنے اور دعویٰ کرنے کے سلسلہ میں وکیل بنانا جائز ہے۔ دلیل حاجت ہے۔

اس لئے کہ ہر آدمی صحیح طور پر مقدمات چلانے اور عدالت کی اونچ نیچ کے طریقوں سے واقف نہیں ہوتا ہے۔ لہذا اس ضرورت کو دور کرنے کے لئے بھی مقدمات کے سلسلہ میں وکیل بنانا جائز ہے اور تہمتی کی تخریج کے مطابق یہ بات ثابت ہے کہ حضرت علیؑ نے خصومات اور مقدمات میں پیروی کے لئے اپنے بھائی عقیل بن ابی طالب کو وکیل مقرر کیا ہے۔ کیونکہ عقیل انتہاء کے ذکی اور حاضر جواب تھے۔ حضرت عقیل کے بوڑھا ہونے کے بعد عبداللہ بن جعفر کو وکیل مقرر کیا کیونکہ یہ بھی نوجوان اور ذکی آدمی تھے۔ پس حضرت علیؑ کا خصومات میں عقیل کو اور عقیل کے بعد عبداللہ بن جعفر کو وکیل مقرر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ خصومات کا وکیل بنانا جائز ہے۔

تمام حقوق کے ایفاء اور استیفاء میں سوائے حدود و قصاص کے وکالت جائز ہے

وَكَذَا بِإِيْفَانِهَا وَإِسْتِيفَانِهَا إِلَّا فِي الْحُدُودِ وَالْقَصَاصِ فَإِنَّ الْوَكَالَهَ لَا تَصِحُّ بِإِسْتِيفَانِهَا مَعَ غِيَبَةِ الْمُوَكَّلِ عَنِ الْمَجْلِسِ لِأَنَّهُمَا تَنْدَرِيءُ بِالشُّبُهَاتِ وَشُبُهَةُ الْعُقُوبِ ثَابِتَةٌ حَالِ غِيَبَةِ الْمُوَكَّلِ بَلْ هُوَ الظَّاهِرُ لِلذَّنْبِ الشَّرْعِيِّ بِخِلَافِ غِيَبَةِ الشَّاهِدِ لِأَنَّ الظَّاهِرَ عَدَمُ الرُّجُوعِ وَبِخِلَافِ حَالَةِ الْحَضَرَةِ لِإِنْتِفَاءِ هَذِهِ الشُّبُهَةِ وَلَيْسَ كُلُّ أَحَدٍ يُحْسِنُ الْإِسْتِيفَاءَ فَلَوْ مُنِعَ عَنْهُ يَنْسُدُّ بَابُ الْإِسْتِيفَاءِ أَصْلًا وَهَذَا الَّذِي ذَكَرْنَاهُ قَوْلَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ لَا يَحْزُرُ الْوَكَالَهَ بِإثْبَاتِ الْحُدُودِ وَالْقَصَاصِ بِإِقَامَةِ الشُّهُودِ أَيْضًا وَقَوْلَ مُحَمَّدٍ مَعَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقِيلَ مَعَ أَبِي يُوسُفَ قِيلَ هَذَا الْإِخْتِلَافُ فِي غِيَبَتِهِ دُونَ حَضَرَتِهِ لِأَنَّ كَلَامَ الْوَكِيلِ يَنْتَقِلُ إِلَى الْمُوَكَّلِ عِنْدَ حُضُورِهِ فَصَارَ كَأَنَّهُ مُتَكَلِّمٌ بِنَفْسِهِ لَهُ أَنَّ التَّوَكِيلَ إِنَابَةٌ وَشُبُهَةُ النِّيَابَةِ يَتَحَرَّرُ عَنْهَا فِي هَذَا الْبَابِ كَمَا فِي الشَّهَادَةِ عَلَى الشَّهَادَةِ وَكَمَا فِي الْإِسْتِيفَاءِ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْخُصُومَةَ شَرْطٌ مَحْضٌ لِأَنَّ الْوَجُوبَ مُضَافٌ إِلَى الْجَنَابَةِ وَالشَّهَادَةُ إِلَى الشَّهَادَةِ فَيجْرِي فِيهِ التَّوَكِيلُ كَمَا فِي سَائِرِ الْحُقُوقِ

ترجمہ..... یہی حکم تمام حقوق کو ادا کرنے اور حاصل کرنے میں ہے۔ سوائے حدود و قصاص کے چنانچہ حدود و قصاص حاصل کرنے کے لئے مجلس سے موکل کی غیبت میں وکالت جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ حدود و قصاص شہادت کی وجہ سے دور ہو جاتے ہیں اور موکل کی عدم موجودگی میں قاتل کو معاف کرنے کا شبہ موجود ہے بلکہ شرعاً منسوب ہونے کی وجہ سے یہی ظاہر ہے برخلاف شہاد کی عدم موجودگی کے اس لئے کہ ظاہر وہ اپنی گواہی سے رجوع نہیں کرے اور برخلاف موکل کی موجودگی کے اس لئے کہ معاف کرنے کا شبہ منقش ہے اور ہر شخص قصاص لینے پر قادر بھی نہیں ہوتا ہے پس اگر اس کو وکیل بنانے سے روکا گیا تو قصاص وصول کرنے کا دروازہ بالکل بند ہو جائے گا اور یہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے۔ ابو حنیفہ کا قول ہے اور ابو یوسف نے کہا کہ گواہ قائم کر کے حدود و قصاص ثابت کرنے کے لئے وکیل بنانا بھی جائز نہیں ہے اور امام محمد کا قول ابو حنیفہ کے ساتھ ہے اور کہا گیا ہے کہ ابو یوسف کے ساتھ ہے اور بعض حضرات نے کہا کہ یہ اختلاف موکل کے غائب ہونے کی صورت میں ہے نہ کہ اس کے حاضر ہونے کی صورت میں۔ اس لئے کہ وکیل کا کلام موکل کی موجودگی میں موکل کی طرف منتقل ہوتا ہے ایسا ہو گیا گویا موکل خود گفتگو کرنے والا ہے۔ امام ابو یوسف کی دلیل یہ ہے کہ وکیل کرنا اپنا نائب مقرر کرنا ہوتا ہے۔ حالانکہ باب حدود و قصاص میں غائب کے شبہ سے بھی گریز کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ شہادت علی الشہادت میں اور جیسے قصاص حاصل کرنے میں ہے اور ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ خصومت ایک شرط محض ہے اس لئے کہ حدود و قصاص کا واجب ہونا جنایت کی طرف منسوب ہوتا ہے اور جرم کا ظاہر ہونا شہادت کی طرف منسوب ہے۔ لہذا اس میں توکیل جاری ہوگی جیسے دیگر حقوق میں جاری ہے۔

تشریح..... صاحب قدوریؒ نے فرمایا کہ حقوق کو ادا کرنے اور حقوق کو وصول کرنے کی واسطے وکیل کرنا بھی جائز ہے سوائے حدود و قصاص کے یعنی حدود و قصاص وصول کرنے کے لئے وکیل کرنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ قاضی کی عدالت میں اگر موکل موجود نہ ہو تو وکیل کو حد یا قصاص وصول کرنے کا

اختیار نہیں ہوتا ہے اور امام شافعیؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ نے فرمایا کہ مؤکل کی عدم موجودگی میں وکیل کے لئے حدود و قصاص وصول کرنا جائز ہے اور اگر مؤکل عدالت میں موجود ہو تو ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ وکیل حدود و قصاص وصول کر سکتا ہے لیکن مؤکل کی عدم موجودگی میں احناف کے نزدیک حدود و قصاص کو وکیل کے لئے وصول کرنا جائز نہیں ہے اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز ہے۔ (یعنی)

ہماری طرف سے اس کا جواب..... یہ ہے کہ حدود و قصاص عقوبات میں سے ہیں۔ اور عقوبات، شبہات کی وجہ سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ اور مؤکل کے عدالت میں موجود نہ ہونے کی صورت میں قاتل کو قصاص سے بری کرنے اور معاف کرنے کا شبہ موجود ہے یعنی یہ امکان موجود ہے کہ مؤکل اگر عدالت میں موجود ہوتا تو وہ بذات خود قاتل کو قصاص سے بری کر دیتا اور معاف کر دیا۔ بلکہ یہ امکان ظاہر اور غالب ہے کیونکہ آیت و ان تعفوا اقرب للتعویٰ اور فمن تصدق به فهو كفارة له کی وجہ سے قاتل اور مجرم کو معاف کر دینا شرعاً مندوب ہے۔ پس جب مؤکل کی طرف سے قاتل کو معاف کرنے کا شبہ موجود ہے اور شبہ کی وجہ سے عقوبات یعنی حدود و قصاص ساقط ہو جاتے ہیں۔ تو مؤکل کی عدم موجودگی میں اس شبہ کی وجہ سے اس کے وکیل کو حدود و قصاص وصول کرنے کا حق حاصل نہ ہوگا۔ چونکہ حدود و قصاص شبہات کی وجہ سے ساقط ہو جاتے ہیں اور کتاب القاضی الی القاضی، شہادت علی الشہادت اور شہادت نساء مع الرجل کے ذریعہ وصول نہیں کیا جاسکتا ہے۔ ہاں اگر حد یا قصاص کی گواہی دینے کے بعد گواہ قاضی کی مجلس سے غائب ہو گیا تو گواہ کی عدم موجودگی میں بھی حدود و قصاص کو وصول کیا جاسکتا ہے اگرچہ گواہ کے اپنی گواہی سے رجوع کرنے کا شبہ موجود ہے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ گواہ اپنی گواہی سے رجوع نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ گواہی سے رجوع کرنا اس کے فسق اور کذب پر مبنی ہے اور مسلمان کے حق میں فسق اور کذب خلاف ظاہر ہے پس فسق اور کذب کے الزام سے بچنے کے لئے ظاہر یہی ہے کہ گواہ اپنی گواہی سے رجوع نہیں کرے گا اور جب گواہ کا اپنی گواہی سے رجوع نہ کرنا ظاہر ہے تو اس کی عدم موجودگی میں حدود و قصاص کو وصول کرنا جائز ہے کیونکہ مؤکل اگر قاتل کو معاف کرنا چاہتا تو معاف کر دیتا لیکن جب معاف نہیں کیا۔ حالانکہ مؤکل عدالت میں موجود ہے تو معاف کرنے کا شبہ باقی نہ رہا اور جب معاف کرنے کا شبہ باقی نہ رہا تو قصاص ساقط نہ ہوگا۔ اور جب قصاص ساقط نہ ہوا تو وکیل اس کو وصول کر سکتا ہے۔

و لیس کل احد..... الخ سے سوال کا جواب ہے۔

سوال..... یہ ہے کہ مؤکل جب قاضی کی عدالت میں موجود ہو تو قصاص وصول کرنے کے لئے وکیل بنانا درست نہ ہونا چاہئے کیونکہ اس صورت میں مؤکل بذات خود قصاص وصول کر سکتا ہے۔

جواب..... کا حاصل یہ ہے کہ ہر آدمی قصاص وصول کرنے پر قادر نہیں ہوتا یا اچھی طرح قصاص وصول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اب ایسی صورت میں اگر وکیل بنانے سے روک دیا جائے تو قصاص وصول کرنے کا دروازہ ہی بند ہو جائے گا۔ کیونکہ وکیل بنانے سے تو آپ نے روک دیا اور بذات خود قصاص وصول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ لہذا قصاص وصول کرنے کا دروازہ ہی بند ہو گیا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ یہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ابو حنیفہؒ کا قول ہے یعنی تمام حقوق میں خصوصیت کا وکیل بنانا اور ان کو ادا کرنے اور وصول کرنے کا وکیل بنانا جائز ہے۔ پھر حدود و قصاص کا استثنیٰ فرمایا اور کہا کہ مؤکل اگر مجلس قاضی میں موجود نہ ہو تو حدود و قصاص وصول کرنے کے لئے وکیل کرنا جائز نہیں ہے۔ اس وضاحت سے یہ معلوم ہوا کہ گواہ قائم کر کے حدود و قصاص کو ثابت کرنے کے لئے وکیل کرنا جائز ہے یہ تفصیل امام ابو حنیفہؒ کا مذہب ہے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اگر مؤکل عدالت میں موجود نہ ہو تو حدود و قصاص وصول کرنے کے لئے وکیل کرنا جائز ہے۔ اور حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ جس طرح حدود و قصاص کرنے کے لئے وکیل کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح حدود و قصاص ثابت کرنے کے لئے وکیل کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

الحاصل..... مؤکل کی عدم موجودگی میں حدود و قصاص وصول کرنے کے لئے وکیل کرنا امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ دونوں بزرگوں کے نزدیک

نا جائز ہے لیکن گواہ پیش کر کے حدود و قصاص ثابت کرنے کے لئے وکیل کرنے میں اختلاف ہے یعنی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حدود و قصاص ثابت کرنے کے لئے وکیل کرنا جائز ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ناجائز ہے۔ اور حضرت امام محمدؒ کا قول مضطرب ہے چنانچہ بعض حضرات نے کہا کہ امام محمدؒ اس مسئلہ میں امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہیں اور بعض نے کہا کہ امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہیں بعض علماء نے کہا کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے درمیان اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ مؤکل عدالت میں موجود نہ ہو لیکن اگر مؤکل عدالت میں موجود ہو تو حدود و قصاص ثابت کرنے کے لئے وکیل کرنا بالاتفاق جائز ہے کیونکہ مؤکل کی موجودگی میں وکیل کا کلام مؤکل کا کلام مؤکل کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ پس ایسا ہو جائے گا گویا مؤکل نے خود گفتگو کی ہے۔ اور جب مؤکل خود گفتگو کرنے والا ہو تو حدود و قصاص ثابت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔

مختلف فیہ مسئلہ میں امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ مؤکل کی عدم موجودگی میں حدود و قصاص ثابت کرنے کے لئے وکیل کرنا درحقیقت اپنا نائب مقرر کرنا ہوتا ہے اور نائب مقرر کرنا ایک قسم کا شبہ ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ حدود اور قصاص میں شبہات سے احتراز کیا جاتا ہے۔ لہذا نیابت کے شبہ کی وجہ سے حدود و قصاص ثابت کرنے کے لئے وکیل کرنا جائز نہیں ہے جیسے شبہ بدلیت کی وجہ سے شہادت علی الشہادت حدود و قصاص میں قبول نہیں کی جاتی ہے۔ اور جیسے معاف کر دینے کے شبہ کی وجہ سے مؤکل کی عدم موجودگی میں قصاص وصول کرنے کے لئے وکیل کرنا جائز نہیں ہے، اسی طرح شبہ نیابت کی وجہ سے حدود و قصاص ثابت کرنے کے لئے وکیل کرنا جائز نہ ہوگا۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ خصومت یعنی مقدمہ دائر کرنا ثبوت حدود و قصاص کے لئے محض ایک شرط ہے بغیر خصومت کے حد اور قصاص کا ثابت ہونا ممکن نہیں ہے اور خصومت شرط محض اس لئے ہے کہ حد کا نفس وجوب نفس جنایت کی طرف منسوب ہوتا ہے اور جنایت کا ظہور نفس شہادت کی طرف اور خصومت یعنی مقدمہ دائر کرنے کی طرف نہ وجوب حد منسوب ہوتا ہے اور نہ ظہور جنایت منسوب ہوتا ہے۔ لہذا خصومت ثبوت حد کے لئے محض ایک شرط ہوئی اور شرط محض حقوق میں سے ایک حق ہے۔ اور سابق میں گذر چکا ہے کہ تمام حقوق میں وکیل کرنا جائز ہے، لہذا خصومت یعنی حدود و قصاص ثابت کرنے کیلئے دوڑ دھوپ کرنے کے واسطے بھی وکیل کرنا جائز ہوگا۔

حدود اور قصاص میں من علیہ الحد والقصاص کی جانب سے جواب دہی میں وکالت کا حکم

وَعَلَىٰ هَذَا الْخِلَافِ التَّوَكُّلُ بِالْجَوَابِ مِنْ جَانِبِ مَنْ عَلَيْهِ الْحَدُّ وَالْقَصَاصُ وَكَلَامُ أَبِي حَنِيفَةَ فِيهِ أَظْهَرُ لِأَنَّ الشُّبْهَةَ لَا تَمْنَعُ الدَّفْعَ غَيْرَ أَنَّ إِقْرَارَ الْوَكِيلِ غَيْرُ مَقْبُولٍ عَلَيْهِ لِمَا فِيهِ مِنْ شُبْهَةِ عَدَمِ الْأَمْرِ بِهِ

ترجمہ یہی اختلاف من علیہ الحد (جس پر حد واجب ہے) کی طرف سے جواب دہی کے لئے وکیل کرنے میں ہے اور اس میں امام ابو حنیفہؒ کا کلام زیادہ ظاہر ہے اس لئے کہ شبہ دفع حدود کو نہیں روکتا ہے مگر یہ کہ مؤکل پر وکیل کا اقرار غیر مقبول ہے کیونکہ اس میں اس بات کا شبہ ہے کہ مؤکل نے اس کو اقرار کا حکم نہ دیا ہو۔

تشریح صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ جس شخص پر حد یا قصاص کا دعویٰ ہے اس کی طرف سے جواب دہی کے لئے وکیل کرنے میں بھی امام صاحب اور امام ابو یوسفؒ کا ایسا ہی اختلاف ہے۔ یعنی امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک من علیہ الحد کی طرف سے جواب دہی کے لئے وکیل کرنا جائز ہے۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ناجائز ہے اور امام محمدؒ کا قول مضطرب ہے اور اس میں امام ابو حنیفہؒ کا قول بہ نسبت اثبات حد کی توکیل کے زیادہ ظاہر ہے۔ یعنی جب امام صاحبؒ کے نزدیک حدود و قصاص ثابت کرنے کے لئے وکیل کرنا جائز ہے تو مؤکل پر سے حدود و قصاص کو دفع کرنے کے لئے وکیل کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ کیونکہ شبہ بدلیت جس کی وجہ سے امام ابو یوسفؒ وکیل کرنے کو ناجائز کہتے ہیں وہ حدود و قصاص کے دفعیہ کو منع نہیں کرتا ہے۔ یعنی شبہات کے باوجود حدود و قصاص کا دفع ہونا ثابت ہو جاتا ہے، چنانچہ قصاص سے معافی شہادت علی الشہادت اور شہادت نساء مع الرجال سے ثابت

ہو جاتی ہے۔ یعنی اگر شہود فرع شہود اصل کی طرف سے یہ گواہی دیں کہ اولیائے مقتول نے قصاص معاف کر دیا ہے یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی دیں کہ اولیائے مقتول نے قصاص معاف کر دیا ہے تو اس شہادت علی الشہادت اور شہادت نساء مع الرجال کی وجہ سے قصاص سے معافی ثابت ہو جاتی ہے، پس جب شہادت کے باوجود حدود و قصاص کا دفع ہونا ثابت ہو جاتا ہے تو شبہ بدلیت کے باوجود من علیہ الحد کی طرف سے جواب دہی کرنے کے لئے اور من علیہ الحد سے حد یا قصاص کو دفع کرنے کے لئے وکیل کرنا بھی جائز ہوگا، ہاں اتنی بات ضروری ہے کہ اگر وکیل مجلس قاضی میں اپنے موکل پر موجب قصاص (قتل) کا اقرار کر لے یعنی یہ اقرار کر لے کہ واقعی میرا موکل قاتل ہے تو وکیل کا یہ اقرار استحساناً قبول نہ ہوگا، اگرچہ قیاساً قبول کر لیا جائے گا۔ قیاس کی وجہ یہ ہے کہ توکیل درست ہونے کے بعد وکیل موکل کے قائم مقام ہوتا ہے، لہذا وکیل کا اقرار موکل کے اقرار کی مانند ہوگا، اور موکل کا اقرار چونکہ خود اس پر درست ہے اس لئے وکیل کا اقرار اپنے موکل پر درست ہوگا۔ استحسان کی وجہ یہ ہے کہ وکیل کا اقرار موکل کے اقرار کے قائم مقام ہوتا ہے اور قصاص ایسی جہت سے وصول نہیں کیا جاتا جو دوسرے کے قائم مقام ہو۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس میں یہ شبہ ہے کہ موکل نے وکیل کو اقرار کا حکم نہ دیا ہو اور بغیر موکل کے حکم کے وکیل اقرار کا مجاز نہیں ہے، اور جب وکیل اقرار کا مجاز نہیں ہے تو شبہ کی بنا پر موکل پر وکیل کا اقرار قبول نہ ہوگا۔

توکیل خصوصت میں فریق مخالف کی رضا کا اعتبار کیا جائیگا یا نہیں، اقوال فقہاء

وَقَالَ أَبُو حَنِيفَةَ لَا يَجُوزُ التَّوَكُّلُ بِالْخُصُومَةِ مِنْ غَيْرِ رِضَاءِ الْخَصَمِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ الْمُوَكَّلُ مَرِيضًا أَوْ غَائِبًا مَسِيرَةَ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فَصَاعِدًا وَقَالَ يَجُوزُ التَّوَكُّلُ بِغَيْرِ رِضَاءِ الْخَصَمِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَلَا خِلَافَ فِي الْجَوَازِ إِنَّمَا الْخِلَافُ فِي الزُّرْمِ لَهُمَا أَنَّ التَّوَكُّلَ تَصَرُّفٌ فِي خَالِصِ حَقِّهِ فَلَا يَتَوَقَّفُ عَلَى رِضَاءِ غَيْرِهِ كَالْتَّوَكُّلِ بِتَقَاضِي الدُّيُونِ وَلَهُ أَنَّ الْجَوَابَ مُسْتَحَقٌّ عَلَى الْخَصَمِ وَلِهَذَا يَسْتَحْضِرُهُ وَالنَّاسُ مُتَفَاوِتُونَ فِي الْخُصُومَةِ فَلَوْ قُلْنَا بِلَزُومِهِ يَتَضَرَّرُ بِهِ فَيَتَوَقَّفُ عَلَى رِضَاهُ كَالْعَبْدِ الْمُشْتَرَكِ إِذَا كَاتَبَهُ أَحَدُهُمَا يَتَخَيَّرُ الْآخَرُ بِخِلَافِ الْمَرِيضِ وَالْمُسَافِرِ لِأَنَّ الْجَوَابَ غَيْرُ مُسْتَحَقٍّ عَلَيْهِمَا هُنَا لِكَ تَمَّ كَمَا يَلْزَمُ التَّوَكُّلَ عِنْدَهُ مِنَ الْمُسَافِرِ يَلْزَمُ إِذَا أَرَادَ السَّفَرَ لِتَحَقُّقِ الضَّرُورَةِ وَلَوْ كَانَتْ الْمَرْأَةُ مُخَدَّرَةً لَمْ تَجْزِ عَادَتُهَا بِالْبُرُوزِ وَحُضُورِ مَجْلِسِ الْحَاكِمِ قَالَ الرَّازِيُّ يَلْزَمُ التَّوَكُّلُ لِأَنَّهَا لَوْ حَضَرَتْ لَا يُمْكِنُهَا أَنْ تَنْطِقَ بِحَقِّهَا لِحَيَانِهَا فَيَلْزَمُ تَوَكُّلُهَا قَالَ وَهَذَا شَيْءٌ اسْتَحْسَنَهُ الْمُتَأَخِّرُونَ

ترجمہ..... اور امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ بغیر خصم کی رضا مندی کے خصوصت کا وکیل کرنا جائز نہیں ہے مگر یہ کہ موکل بیمار ہو یا تین دن کی یا زیادہ کی مدت مسافت پر غائب ہو۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ بغیر خصم کی رضا مندی کے وکیل کرنا جائز ہے، اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے، اور جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ لازم ہونے میں اختلاف ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ وکیل کرنا خالص اپنے حق میں تصرف ہے تو وہ غیر کی رضا مندی پر موقوف نہ ہوگا جیسے قرض وصول کرنے کے لئے وکیل کرنا۔

امام ابو حنیفہؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ خصم پر جواب دہی لازم ہے اسی وجہ سے مدعی خصم کو قاضی کی مجلس میں حاضر کرائے گا۔ اور خصوصت میں لوگوں کی حالتیں متفاوت ہیں، پس اگر ہم اس کے لزوم کے قائل ہو گئے تو اس سے دوسرے کو ضرر پہنچے گا، لہذا اس کی رضا مندی پر موقوف ہے جیسے عبد مشرک، جب اس کو ایک مالک نے مکتب کیا تو دوسرے کو اختیار ہوگا۔ برخلاف بیمار اور مسافر کے کیونکہ یہاں ان دونوں پر جواب دہی لازم نہیں

ہے۔ پھر جسے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسافر کی طرف سے توکیل لازم ہوتی ہے ویسے ہی جب سفر کا ارادہ کرے تو لازم ہوتی ہے کیونکہ ضرورت متحقق ہے اور اگر کوئی پردہ نشین ہو اس کی عادت باہر نکلنے اور مجلس حاکم میں حاضر ہونے کے نہ ہو تو ابو بکر رازی نے کہا کہ اس کا وکیل کرنا لازم ہے، اس لئے وہ حاضر ہو بھی گئی تو اس کے لئے شرم کی وجہ سے اپنے حق کے ساتھ کلام کرنا ممکن نہ ہوگا، لہذا اس کا وکیل کرنا لازم ہوگا۔ مصنفؒ نے کہا کہ اس قول کو متأخرین نے مستحسن قرار دیا ہے۔

تشریح..... صاحب ہدایہؒ نے کہا کہ بغیر خصم کی رضامندی کے خصومت کا وکیل کرنے کے جواز میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ بغیر خصم کی رضامندی کے خصومت کا وکیل کرنا ناجائز ہے، مؤکل خواہ مدعی ہو خواہ مدعی علیہ ہو، مرد ہو یا عورت، پردہ نشین ہو یا غیر پردہ نشین، باکرہ ہو یا شیبہ ہو۔ یعنی اگر مدعی نے بغیر مدعی علیہ کی رضامندی کے خصومت (مقدمہ کی پیروی) کا وکیل کیا تو بھی ناجائز ہے اور اگر مدعی علیہ نے بغیر مدعی کی رضامندی کے خصومت (جواب دہی) کے لئے کیا تو بھی ناجائز ہے ہاں اگر مؤکل بیمار ہو یا تیز دن یا تین دن سے زائد مدت کی مسافت پر غائب ہو تو اس کے واسطے بغیر خصم کی رضامندی کے وکیل کرنا جائز ہے۔ بیماری سے مراد نفس بیماری اور مطلقاً بیماری ہے۔ بعض حضرات نے کہا کہ ایسی بیماری مراد ہے جس کے ساتھ جانور پر سوار ہر کر قاضی کی مجلس میں حاضر ہونا تکلیف یا نقل و حرکت سے مرض بڑھنے کا اندیشہ ہو۔

صاحبینؒ نے کہا کہ بغیر خصم کی رضامندی کے وکیل کرنا جائز ہے یہی قول امام شافعیؒ کا ہے اور اسی کے قائل امام مالکؒ، اور امام احمدؒ ہیں۔

صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے درمیان توکیل بالخصومت کے جواز میں کوئی اختلاف نہیں ہے بلکہ لزوم میں اختلاف ہے۔ یعنی اگر مؤکل نے بغیر خصم کی رضامندی کے کسی کو خصومت کا وکیل کیا تو یہ وکیل کرنا امام صاحبؒ اور صاحبینؒ تینوں کے نزدیک جائز ہے، لیکن لزوم میں اختلاف ہے۔ یعنی امام صاحبؒ کے نزدیک یہ توکیل لازم نہ ہوگی بلکہ خصم کے رد کرنے سے رد ہو جائے گی، اور خصم کے رد کرنے کے بعد اگر وکیل قاضی کی عدالت میں خصومت پیش کرے گا تو خصم پر قاضی کی عدالت میں نہ حاضر ہونا لازم ہوگا اور نہ جواب دینا لازم ہوگا۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ توکیل لازم ہوگی، یعنی خصم کے رد کرنے سے توکیل رد نہیں ہوگی بلکہ خصم پر قاضی کی عدالت میں حاضر ہو کر وکیل کی پیش کردہ خصومت کا جواب دینا لازم ہوگا۔

صاحب ہدایہؒ اس تقریر پر کہ اختلاف لزوم میں ہے قدوری کی عبارت لا یَجُوزُ التَّوَكُّلُ بِالْخُصُومَةِ لَا يُلْزَمُ کے معنی میں ہوگی۔ یعنی جواز بول کر لزوم مراد لیا گیا ہے اور عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ امام صاحبؒ نے فرمایا کہ بغیر خصم کی رضامندی کے توکیل بالخصومت لازم نہ ہوگی، مگر یہ کہ مؤکل بیمار ہو یا تین دن یا تین دن سے زائد مسافت پر غائب ہو اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ بغیر خصم کی رضامندی کے توکیل بالخصومت لازم ہو جائے گی۔

بہر حال امام صاحبؒ کے نزدیک بغیر خصم کی رضامندی کے توکیل بالخصومت لازم نہیں ہوتی بلکہ خصم کے رد کرنے سے رد ہو جاتی ہے الایہ کہ مؤکل بیمار ہو یا مسافر ہو۔ صاحبینؒ کے نزدیک بغیر خصم کی رضامندی کے توکیل بالخصومت لازم ہو جاتی ہے، خصم کے رد کرنے سے رد نہیں ہوتی ہے۔ صاحبینؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ وکیل کرنا خالص اپنے حق میں تصرف ہے کیونکہ مؤکل نے خصومت کا وکیل کیا ہے یا جواب دہی کا وکیل کیا ہے، اور جواب دہی اور خصومت خالص مؤکل کا حق ہے اور اپنے خالص حق میں تصرف کرنا کسی دوسرے کی رضامندی پر موقوف نہیں ہوتا، لہذا خصومت کے لئے وکیل کرنا خصم کی رضامندی پر موقوف نہ ہوگا، جیسے قرضوں کو وصول کرنے کے لئے وکیل کرنا قرضداروں کی رضامندی پر موقوف نہیں ہے۔ کیونکہ مؤکل کا قرض وصول کرنے کے لئے وکیل کرنا خالص اپنے حق میں تصرف ہے لہذا یہ توکیل قرضداروں کی رضامندی پر موقوف نہیں ہوگی اور قرضوں کو ادا کرنے کے لئے وکیل کرنا قرض خواہوں کی رضامندی پر موقوف نہیں ہے کیونکہ قرض ادا کرنے کے لئے وکیل کرنا خالص مؤکل کا حق ہے لہذا یہ وکیل کرنا قرض خواہوں کی رضامندی پر موقوف نہ ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ صاحبینؒ کا یہ کہنا کہ خصومت کے لئے وکیل کرنا مؤکل کا خالص اپنے حق میں تصرف کرنا ہے ہمیں یہ بات

تسلیم نہیں ہے۔ کیونکہ مثلاً مدعی علیہ پر مدعی کے واسطے جواب دہی مدعی کا حق ہے اور مدعی علیہ پر واجب ہے۔ اسی وجہ سے مدعی، مدعی علیہ کو قاضی کی مجلس میں حاضر کرتا ہے۔ پس جب مدعی علیہ پر جواب دہی مدعی کا حق ہے تو جواب دہی خالص مدعی علیہ کا حق نہ رہا۔ اب اگر مدعی علیہ جواب دہی کے لئے کسی کو وکیل کرتا ہے تو یہ وکیل کرنا خالص مدعی علیہ کے حق میں بھی تصوف نہ ہوگا اور جب مدعی علیہ کا وکیل کرنا خالص اس کے حق میں تصرف کرنا نہیں ہے۔ بلکہ مدعی کے حق میں بھی تصرف ہے تو وکیل کرنے کے لئے مدعی کی رضامندی ضروری ہوگی۔ بغیر مدعی کی رضامندی کے مدعی علیہ کی طرف سے وکیل مقرر کرنا جائز نہ ہوگا۔ یہ دلیل صرف اس صورت میں منطبق ہوگی۔ جبکہ مدعی علیہ کی طرف سے وکیل مقرر کیا گیا ہو۔ جیسا کہ خادم نے مثلاً کہہ کر اس کی وضاحت کی ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ ہمیں یہ بات تسلیم ہے کہ وکیل کرنا خالص مؤکل کے حق میں تصرف ہے لیکن انسان کا خالص اپنے حق میں تصرف کرنا اسی وقت صحیح ہوتا ہے جبکہ اس تصرف سے دوسرے آدمی کو ضرر نہ پہنچتا ہو اور اگر دوسرے کو ضرر پہنچتا ہو تو بغیر اس کی رضامندی کے تصرف کرنا جائز نہیں ہوگا۔ یہاں یہی بات ہے یعنی جب مؤکل خصومت کے لئے کسی کو وکیل کرتا ہے تو اس وکیل کرنے سے اس کا مقصد اپنے خصم کو ضرر پہنچانا ہوتا ہے۔ کیونکہ خصومتوں کے سلسلہ میں لوگوں کی حالتیں متفاوت ہوتی ہیں۔ چنانچہ بعض لوگ ایسے ذہین اور چالاک ہوتے ہیں کہ وہ غلط بات کو بھی صحیح ثابت کر دیتے ہیں اور بعض ایسے نابالذ اور غبی ہوتے ہیں کہ وہ صحیح بات بھی صحیح ثابت نہیں کرا پاتے۔ پس بہت ممکن ہے کہ مؤکل کی خصومت کے لئے ایسے ذکی اور شاطر آدمی کو وکیل مقرر کرے جس سے اس کے خصم کو ضرر پہنچتا ہو۔ لہذا اگر ہم یہ کہیں کہ خصومت کے لئے وکیل کرنا جائز ہے اور یہ وکالت لازم ہو جائے گی۔ یعنی خصم کے رد کرنے سے رو نہیں ہوگی۔ تو اس سے اس کے خصم کو ضرر پہنچے گا اور جب مؤکل کے خصم کو ضرر پہنچتا ہے تو خصومت کے لئے وکیل کرنا مؤکل کے خصم کی رضامندی پر موقوف ہوگا۔ بغیر رضامندی کے یہ تو وکیل لازم نہ ہوگی۔

جیسے اگر ایک غلام دو آدمیوں کے درمیان مشترک ہو اور ان دونوں میں سے ایک آدمی عبد مشترک کو مکاتب کردے تو یہ عقد کتابت دوسرے شریک پر لازم نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کو اختیار ہوگا جی چاہے تو عقد کتابت نافذ کردے اور جی چاہے تو اس کو فسخ کردے۔ کیونکہ عبد مشترک کو مکاتب کرنا اگرچہ خالص مکاتب کرنے والے کے حق میں تصرف ہے لیکن اس سے دوسرے شریک کو ضرر پہنچے گا۔ اس لئے اس کو مکاتب کرنا دوسرے شریک کی رضامندی پر موقوف ہوگا۔

اور جیسے ایک شخص نے کسی کا گھوڑا سواری کرنے کے لئے اجرت پر لیا اب اگر مستاجر مذکورہ گھوڑا دوسرے آدمی کو اجرت پر دے تو مستاجر کا گھوڑے کو اجرت پر دینا اگرچہ اپنے حق اور اپنے ملوک میں تصرف ہے لیکن اس کے باوجود جائز نہیں ہے کیونکہ اس میں موجر یعنی اصل مالک کا ضرر ہے اس لئے کہ لوگ سواری کرنے کے سلسلہ میں متفاوت ہیں بعض تجربہ کار ہوتے ہیں۔ ان کے سواری کرنے سے جانور کو بالکل تعب نہیں ہوتا اور بعض ایسے اناڑی اور نا تجربہ کار ہوتے ہیں کہ وہ جانور کو مشقت میں مبتلا کر دیتے ہیں پس اس احتمال ضرر کی وجہ سے مستاجر کے لئے بغیر موجر (مالک) کی رضامندی کے گھوڑے کو اجرت پر دینا جائز نہیں ہے۔ برخلاف قرضہ وصول کرنے کے وکیل کے کیونکہ قرضہ، قرض خواہ کا ایک معلوم اور ثابت حق ہے۔ وکیل قرضدار کو ضرر پہنچائے بغیر اس پر قبضہ کر سکتا ہے۔ اس لئے قرضہ وصول کرنے کے لئے بغیر قرضدار کی رضامندی کے وکیل کرنا جائز ہے۔

رہی یہ بات کہ امام صاحبؒ کے نزدیک مؤکل اگر بیمار یا مسافر ہو تو اس کے لئے بغیر خصم کی رضامندی کے وکیل کرنا کیوں جائز ہے؟

تو اس کا جواب یہ ہے کہ مؤکل (مدعی علیہ) اگر بیمار ہو تو بیماری کی وجہ سے اس پر جواب دہی واجب نہیں ہے اور اگر مسافر ہو تو غیبت کی وجہ سے جواب دہی واجب نہیں ہے۔ اور جب ان پر کسی کے لئے جواب دہی واجب نہیں ہے تو انہوں نے وکیل بنا کر خالص اپنے حق میں تصرف کیا ہے اور اس سے مدعی کو ضرر پہنچانے کا ارادہ بھی نہیں کیا ہے۔ پس بیمار اور مسافر کے پیش نظر وکیل کرنے سے کسی کو ضرر پہنچانے کا ارادہ نہیں ہے اور خالص اپنے حق میں تصرف ہے تو ان کا یہ تصرف خصم کی رضامندی پر موقوف نہ ہوگا۔ بلکہ بغیر اس کی رضامندی کے جائز ہوگا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جس طرح بغیر خصم کے رضامندی کے مسافر کی طرف سے وکیل کرنا جائز ہے۔ اسی طرح جب مؤکل سفر کا ارادہ کرے تو بھی بغیر خصم کی رضامندی کے وکیل کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اس صورت میں بھی وکیل کرنے کی ضرورت متحقق ہے لیکن قاضی اس کے ارادہ سفر میں اس کی تصدیق نہیں کرے گا۔ بلکہ اس کے رفقاء سفر سے دریافت کرے گا یا اس کے وعدہ سفر کا انتظار کرے گا یعنی اگر اس کا ارادہ سفر درست معلوم ہوا تو اس کی طرف سے توکیل قبول کرے گا ورنہ نہیں۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ اگر کوئی عورت پردہ نشین ہو اس کی عادت باہر نہ نکلنے کی ہو اور نہ قاضی کی مجلس میں حاضر ہونے کی ہو تو امام ابو بکر احمد بن الرازی نے فرمایا کہ ایسی عورت کی طرف سے بغیر خصم کی رضامندی کے توکیل لازم ہو جائے گی کیونکہ اگر وہ عدالت میں حاضر بھی ہو سکتی و چونکہ وہ شرم و حیا کی وجہ سے بول نہیں سکتی اور اس کا حق ضائع ہو جائے گا اس لئے اس کا وکیل کرنا جائز اور لازم ہو جائے گا اسی کو علماء متاخرین نے مستحسن قرار دیا ہے۔

وکالت کی شرائط میں ایک شرط یہ ہے کہ مؤکل صاحب تصرف ہو اور اس پر احکام لازم ہوتے ہوں

قَالَ وَمِنْ شَرُطِ الْوَكَالَةِ أَنْ يَكُونَ الْمُوَكَّلُ مِمَّنْ يَمْلِكُ التَّصَرُّفَ وَيَلْزَمُهُ الْأَحْكَامُ لِأَنَّ الْوَكِيلَ يَمْلِكُ التَّصَرُّفَ مِنْ جِهَةِ الْمُوَكَّلِ فَلَا بُدَّ مِنْ أَنْ يَكُونَ الْمُوَكَّلُ مَالِكًا لِمَمْلَكَةٍ مِنْ غَيْرِهِ وَيُشْتَرَطُ أَنْ يَكُونَ الْوَكِيلُ مِمَّنْ يَعْقِلُ الْعَقْدَ وَيَقْضِيهِ لِأَنَّهُ يَقُومُ مَقَامَ الْمُوَكَّلِ فِي الْعِبَارَةِ فَيُشْتَرَطُ أَنْ يَكُونَ مِنْ أَهْلِ الْعِبَارَةِ حَتَّى لَوْ كَانَ صَبِيًّا لَا يَعْقِلُ أَوْ مَجْنُونًا كَانَ التَّوَكُّلُ بَاطِلًا

ترجمہ..... اور وکالت کی شرط میں سے یہ ہے کہ مؤکل ایسا شخص ہو جو تصرف کا اختیار رکھتا ہو اور اس پر احکام لازم ہوتے ہوں۔ اس لئے کہ وکیل کو مؤکل کی طرف سے تصرف کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔ لہذا ضروری ہے کہ مؤکل خود اس تصرف کا مالک ہوتا کہ دوسرے کو اس کا مالک کر سکے اور یہ بھی شرط ہے کہ وکیل ایسا آدمی ہو جو عقد کو سمجھتا ہو اور اس کا قصد کرتا ہو۔ کیونکہ وکیل عبارت بیان کرنے میں مؤکل کا قائم مقام ہوتا ہے۔ لہذا وکیل کا اہل عبارت سے ہونا شرط ہے۔ حتیٰ کہ اگر وکیل لایعقل بچہ ہو یا دیوانہ ہو تو توکیل باطل ہے۔

تشریح..... اس عبارت میں مصنفؒ نے وکالت کی دو شرطیں ذکر کر دی ہیں ان میں سے ایک شرط کا مؤکل کے اندر پایا جانا ضروری ہے اور ایک شرط کا وکیل کے اندر پایا جانا ضروری ہے پہلی شرط یہ ہے کہ مؤکل ایسا شخص ہو جس کو خود تصرف کا اختیار حاصل ہو اور اس کے ذمہ احکام لازم ہوتے ہوں۔ دلیل..... یہ ہے کہ وکیل نائب ہونے کی وجہ سے ولایت صرف مؤکل ہی کی طرف سے حاصل کرتا ہے اور مؤکل ہی کی طرف سے تصرف پر قادر ہوتا ہے اور جو شخص خود کسی چیز پر قادر نہ ہو وہ دوسرے کو کس طرح قدرت دے سکتا ہے۔ لہذا مؤکل کا خود بھی تصرف پر قادر ہونا ضروری ہے تاکہ وہ دوسرے یعنی وکیل کو اس پر قدرت دے سکے۔

علامہ بدر الدین نے مؤکل کے صاحب تصرف ہونے اور اس کے ذمہ احکام لازم ہونے کو مؤکل کے اندر ایک شرط شمار کیا ہے۔ مگر علامہ بن ابیہام صاحب فتح القدیر نے ان کو مؤکل کے اندر دو شرطیں شمار کیا ہے۔

۱۔ مؤکل صاحب تصرف ہو یعنی تصرف کا اختیار اس کو حاصل ہے۔ ۲۔ اس کے ذمہ احکام لازم ہوتے ہیں۔

یہ دوسری شرط صبی مجبور اور عبد مجبور (جس کو تجارت وغیرہ کی اجازت نہ ہو) سے احتراز ہے کیونکہ ان کے ذمہ احکام لازم نہیں ہوتے۔ چنانچہ ان دونوں نے کوئی چیز خریدی تو یہ اس کے مالک نہ ہوں گے۔ یعنی عند ثراء ان کے ذمہ لازم نہ ہوگا۔ پس جب یہ دونوں اپنی خرید کردہ چیز کے مالک نہیں ہوتے تو کسی چیز کی خرید و فروخت کے لئے ان دونوں کا وکیل کرنا کیسے درست ہوگا؟ بہر حال متن کی مذکورہ عبارت دو شرطیں ہوں یا دونوں کا

سوال یہاں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ مؤکل کے اندر یہ شرط لگانا کہ مؤکل خود بھی تصرف کا اختیار رکھتا ہو۔ یہ صاحبین کے قول کی بناء پر تو درست ہے کیونکہ صاحبین کے نزدیک مسلمان کا ذمی کو خمر اور خنزیر کی بیع یا شراء کا وکیل کرنا جائز نہیں ہے۔ لیکن امام صاحب کے نزدیک یہ شرط درست نہیں ہے کیونکہ امام صاحب کے نزدیک مسلمان کا ذمی کو بیع خمر اور شراء خمر کا وکیل کرنا جائز ہے۔ حالانکہ مسلمان (مؤکل) خود اس تصرف کا مالک نہیں ہے۔ یعنی مسلمان شراب کی خرید و فروخت کا شرعاً مجاز نہیں ہے۔ اسی طرح حرم (حالت احرام میں) حلال آدمی یعنی غیر محرم کو شکار کی بیع کا وکیل کر سکتا ہے۔ لیکن مؤکل خود اس کا مالک نہیں ہے۔

جواب حضرت امام صاحب کے قول پر اس کا جواب یہ ہے کہ مؤکل کے تصرف کا مالک ہونے سے مراد یہ ہے کہ مؤکل اصل تصرف کا مالک ہو اگرچہ کسی جگہ عارض نبی کی وجہ سے تصرف کرنا ممنوع ہو۔ پس اصل کے اعتبار سے مسلمان کے لئے شراب کی خرید و فروخت جائز ہے۔ چنانچہ نبی سے پہلے شراب کی خرید و فروخت جائز تھی۔ اگرچہ عارض نبی یعنی اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے منع کرنے سے شراب کی خرید و فروخت مسلمان کے لئے منع ہو گئی ہے۔ اسی طرح محرم اصل کے اعتبار سے شکار کی خرید و فروخت کا مالک ہے۔ اگرچہ عارض نبی یعنی رسول اللہ ﷺ کے منع کرنے سے ممتنع ہو گئی۔ بہر حال جب مسلمان اصل کے اعتبار سے شراب کی خرید و فروخت کا مالک ہے اور محرم شکار کی خرید و فروخت کا مالک ہے تو مؤکل کا مالک تصرف ہونا ثابت ہو گیا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ مالک تصرف ہونے سے مراد یہ ہے کہ مؤکل کے لئے جس تصرف کی شرعاً اہلیت ہو یعنی ایسے طریقہ پر عاقل، بالغ ہو کہ حکم تصرف اس پر لازم ہو جائے۔ پس مؤکل اگر عاقل بالغ ہو تو اس کے لئے دوسرے کو وکیل کرنا جائز ہے۔ اس جواب کے بعد مذکورہ اعتراض واقع نہ ہوگا۔ کیونکہ مسلمان کے لئے شراب کی خرید و فروخت کا ممنوع ہونا اور محرم کے لئے شکار کی خرید و فروخت کا ممنوع ہونا اس کی اہلیت کو ختم نہیں کرتا ہے۔ دوسری شرط جس کا وکیل میں پایا جانا ضروری ہے۔ یہ ہے کہ وکیل ایسا شخص ہو جو عقد کے معنی اور مفہوم کو سمجھتا ہو یعنی یہ سمجھتا ہو کہ بیع سالب ہے اور شراء جالب ہے یعنی بیع کی وجہ سے بائع کی ملک مملوب ہو جاتی ہے اور شراء کی وجہ سے مشتری کے لئے ملک بیع حاصل ہو جاتی ہے اور غبن بیسر اور غبن فاحش سے واقف ہو اور وکیل اس عقد کا قصد کرتا ہو یعنی عقد کرنے میں ہزل کرنے والا نہ ہو بلکہ قصد کرنے والا ہو۔

دلیل یہ ہے کہ عبارت بیان کرنے اور کلام کرنے میں وکیل مؤکل کے قائم مقام ہوتا ہے۔ لہذا وکیل کے اندر عبارت بیان کرنے کی اہلیت اور لیاقت کا ہونا ضروری اور شرط ہے اور عبارت بیان کرنے کی اہلیت چونکہ عقل محیز کے ذریعہ ہوتی ہے اس لئے وکیل کا عاقل ہونا ضروری ہے چنانچہ اگر وکیل غیر عاقل بچہ ہو یا مجنون ہو تو یہ تو وکیل باطل ہوتی ہے۔ کیونکہ ان دونوں کے کلام کے ساتھ کوئی حکم متعلق نہیں ہوتا ہے۔

آزاد، عاقل، بالغ یا ماذون کے لئے اپنے ہم مثل کو وکیل بنانا جائز ہے

وَإِذَا وَكَّلَ الْحُرُّ الْعَاقِلُ الْبَالِغُ أَوْ الْمَآذُونُ مِثْلَهُمَا جَازَ لِأَنَّ الْمُوَكَّلَ مَالِكٌ لِلتَّصَرُّفِ وَالْوَكِيلُ مِنْ أَهْلِ الْعِبَارَةِ وَإِنْ وَكَّلَ صَبِيًّا مُحْجُورًا يَعْقِلُ الْبَيْعَ وَالشِّرَاءَ أَوْ عَبْدًا مُحْجُورًا جَازَ وَلَا يَتَعَلَّقُ بِهِمَا الْحُقُوقُ وَتَتَعَلَّقُ بِمُؤَكِّلِهِمَا لِأَنَّ الصَّبِيَّ مِنْ أَهْلِ الْعِبَارَةِ أَلَّا تَرَى أَنَّهُ يَنْفَعُ تَصَرُّفَهُ بِإِذْنِ وَلِيِّهِ وَالْعَبْدُ مِنْ أَهْلِ التَّصَرُّفِ عَلَى نَفْسِهِ مَالِكٌ لَهُ وَإِنَّمَا لَا يَمْلِكُهُ فِي حَقِّ الْمَوْلَى وَالْوَكِيلُ لَيْسَ تَصَرُّفًا فِي حَقِّهِ إِلَّا أَنَّهُ لَا يَصِحُّ مِنْهُمَا الْإِزَامُ الْعَهْدَةُ أَمَّا الصَّبِيُّ لِقُصُورِ أَهْلِيَّتِهِ وَالْعَبْدُ لِحَقِّ سَيِّدِهِ فَتَلْزَمُ الْمُوَكَّلَ وَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّ الْمُشْتَرِيَ إِذَا لَمْ يَعْلَمْ بِحَالِ الْبَائِعِ ثُمَّ عَلِمَ أَنَّهُ صَبِيٌّ أَوْ مَجْنُونٌ أَوْ مُحْجُورٌ لَهُ خِيَارُ الْفَسْخِ لِأَنَّهُ دَخَلَ فِي الْعَقْدِ عَلَى ظَنِّ أَنَّ

حُقُوقُهُ تَتَعَلَّقُ بِالْعَاقِدِ فَإِذَا ظَهَرَ خِلَافُهُ يَتَخَيَّرُ كَمَا إِذَا عَثَرَ عَلَى عَيْبٍ

ترجمہ..... اور اگر آزاد عاقل، بالغ نے یا ماذون نے اپنے مثل کو وکیل کیا تو جائز ہے اس لئے کہ مؤکل تصرف کا مالک ہے اور وکیل اہل عبارت میں سے ہے۔ اور اگر اس نے مجبور بچہ کو بیع اور شراء کو سمجھتا ہے یا غلام مجبور کو وکیل کیا تو جائز ہے اور ان دونوں کے ساتھ حقوق متعلق نہیں ہوں گے۔ البتہ ان کے مؤکل کے ساتھ متعلق ہوں گے۔ اس لئے کہ بچہ اہل عبارت میں سے ہے۔ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ عاقل بچہ کا تصرف اس کے ولی کی اجازت سے نافذ ہو جاتا ہے اور غلام اپنی ذات پر تصرف کی لیاقت رکھتا ہے۔ تصرف کا مالک ہے صرف اس کو مولیٰ کے حق میں تصرف کا اختیار نہیں ہے۔ اور تو وکیل مولیٰ کے حق میں تصرف نہیں ہے۔ مگر ان دونوں کی طرف سے عہدہ لازم تو صحیح نہیں ہوتا ہے۔ بہر حال بچہ تو اس کی ولایت قاصر ہونے کی وجہ سے اور غلام اس کے مولیٰ کے حق کی وجہ سے پس (یہ حقوق) مؤکل کے ذمہ لازم ہوں گے اور ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ مشتری اگر بالغ کا حال نہ جانتا ہو پھر اس کو معلوم ہوا کہ وہ بچہ یا مجنون یا مجبور غلام ہے تو اس کے لئے بیع فسخ کرنے کا اختیار ہے۔ اس لئے کہ مشتری عقد میں اس گمان کے ساتھ داخل ہوا تھا کہ اس کے حقوق عاقد کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں۔ پس جب اس کے خلاف ظاہر ہوا تو وہ مختار ہوگا جیسے جب وہ بیع کے عیب پر مطلع ہوا ہو۔

تشریح..... صاحب قدوریؒ نے کہا کہ اگر آزاد، عاقل، بالغ، نے یا عبد ماذون لہ فی التجارة نے یا ایسے بچہ نے جو بیع و شراء کے معنی کو سمجھتا ہے۔ اور ماذون لہ فی التجارة ہے۔ کسی اپنے درجہ کے آدمی کو وکیل کیا تو یہ وکیل کرنا صحیح ہے۔ صاحب عنایہ نے کہا کہ جب اپنے ہم مثل کو وکیل کرنا جائز ہے تو اپنے سے اچھی حالت کے انسان کو وکیل کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا عقلی طور سے اس کی تین صورتیں نکلتی ہیں اور تینوں جائز ہیں۔

۱۔ اپنے ہم مثل کو وکیل کرنا جیسے آزاد عاقل، بالغ کا آزاد، عاقل، بالغ کو یا عبد ماذون کا عبد ماذون کو وکیل کرنا۔

۲۔ اپنے سے اچھی حالت کے آدمی کو وکیل کرنا جیسے عبد ماذون کا کسی آزاد عاقل، بالغ کو وکیل کرنا۔

۳۔ اپنے سے کم تر کو وکیل کرنا جیسے آزاد آدمی کا عبد ماذون کو وکیل کرنا۔

تینوں صورتوں کے جواز کی دلیل یہ ہے کہ تینوں صورتوں میں مؤکل تصرف کا مالک ہے اور وکیل اہل عبارت میں سے ہے اور جس وکالت میں مؤکل تصرف کا مالک ہو اور وکیل اہل عبارت میں سے ہو تو وہ وکالت درست ہوتی ہے۔ لہذا مذکورہ تین صورتوں میں بھی وکالت درست اور جائز ہوگی۔

صاحب قدوریؒ نے کہا کہ اگر کسی آزاد، عاقل، بالغ نے کسی ایسے مجبور علیہ (غیر ماذون لہ) بچہ کو وکیل کیا جو بیع و شراء کے معنی کو سمجھتا ہو یا مجبور علیہ (غیر ماذون لہ) غلام کو وکیل کیا تو یہ وکیل کرنا جائز ہے لیکن ان دونوں کیساتھ حقوق بیع متعلق نہیں ہوتے بلکہ ان کے مؤکلوں کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں۔ اسی کے قائل امام احمدؒ ہیں۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ صبی مجبور علیہ اور عبد مجبور علیہ کو وکیل کرنا جائز نہیں ہے۔

احنافؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ وکالت کے صحیح ہونے کے لئے دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ مؤکل تصرف کا مالک ہو اور احکام اس پر لازم ہوتے ہوں۔ دوم یہ کہ وکیل عقد کے معنی اور مفہوم سے واقف ہو اور عبارت بیان کرنے کا اہل ہو۔ یہاں الحمد للہ دونوں شرطیں موجود ہیں۔ کیونکہ مؤکل آزاد، عاقل بالغ ہونے کی وجہ سے تصرفات کا بھی مالک ہے اور اس پر احکام عقد بھی لازم ہوتے ہیں۔ اور وکیل صبی عاقل ہے اور صبی عاقل عبارت بیان کرنے کا اہل ہوتا ہے۔ چنانچہ صبی عاقل کا تصرف اس کے ولی کی اجازت سے نافذ ہو جاتا ہے۔ پس جب صبی عاقل عبارت بیان کرنے کی لیاقت رکھتا ہے اور وکیل ہونے کے لئے یہی ضروری ہے تو صبی عاقل کا وکیل ہونا درست اور جائز ہے اور باغلام تو وہ بھی تصرف کا مالک ہے اور اپنی ذات پر تصرف کا حق رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر غلام اپنے اوپر کسی کے لئے مال کا اقرار کر لے تو آزاد ہونے کے بعد اس پر وہ مال لازم ہو جاتا ہے اور غلام کا اپنے اوپر قصاص اور حدود کا اقرار کرنا درست ہے۔ بہر حال غلام اپنی ذات پر تصرف کا اہل ہے اگرچہ مولیٰ کے حق میں تصرف کا مالک نہیں ہے اور مؤکل کی طرف سے کسی غلام کو وکیل کرنا اس کے مولیٰ کے حق میں تصرف نہیں ہے۔ کیونکہ وکیل کی صحت وکیل کی عبارت اور اہلیت کے ساتھ متعلق ہوتی ہے۔ اور ان دونوں باتوں میں غلام، آدمی ہونے کی حیثیت سے اصل حریت پر باقی ہے۔ یعنی ان دونوں باتوں میں غلام آزاد کے مانند ہے۔ پس جب غلام

اپنی ذات پر تصرف کا مالک ہے اور توکیل مولیٰ کے حق میں تصرف بھی نہیں تو غلام کو وکیل بنانا درست ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ صبی اور غلام پر کوئی ذمہ داری لاگو نہیں ہوگی۔ صبی پر تو اس لئے کہ عدم بلوغ کی وجہ سے اس کی اہلیت اور لیاقت ناقص ہے اور غلام پر اس لئے کہ اس کے مولیٰ کو ضرر ہوگا۔ لہذا مولیٰ کے حق کی وجہ سے مولیٰ سے ضرر دور کرنے کے لئے غلام پر بھی کوئی ذمہ داری لاگو نہ ہوگی۔ بہر حال جب صبی اور غلام پر کوئی ذمہ داری لاگو نہیں ہو سکتی تو ان دونوں کے ساتھ حقوق متعلق نہ ہوں گے۔ بلکہ ان دونوں کے مؤکلوں کے ساتھ حقوق متعلق ہوں گے۔

حضرت امام ابو یوسفؒ سے روایت..... ہے کہ اگر خرید کرتے وقت مشتری کو بائع (وکیل بالبیع) کا حال معلوم نہ ہو سکا کہ وہ آزاد، عاقل، بالغ ہے یا نہیں پھر بعد میں معلوم ہوا کہ بائع صبی ہے یا مجنون ہے یا عبد مجبور علیہ ہے تو ان صورتوں میں مشتری کو عقد بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔ کیونکہ مشتری نے عقد شراء کا معاملہ اس گمان کے ساتھ کیا تھا کہ اس عقد کے جملہ حقوق عاقد (وکیل بالبیع) کے ساتھ متعلق ہیں تو وصف کے خلاف ظاہر ہوا اور پتہ چلا کہ اس عقد کے حقوق عاقد (وکیل بالبیع) کے ساتھ متعلق نہیں ہیں بلکہ اس کے مؤکل کے ساتھ متعلق ہیں تو وصف مرغوب فیہ کے فوت ہونے کی وجہ سے اس کی رضا مندی مختل ہوگئی۔ اور جب رضا مندی مختل ہوگئی تو اس کو اختیار حاصل ہوگا۔ خواہ فسخ کرے خواہ باقی رکھے۔ جیسا کہ مشتری اگر خرید کرنے کے بعد بیع کے عیب پر مطلع ہوا تو مشتری کو خیار عیب کے تحت بیع فسخ کرنے کا پورا پورا اختیار ہے۔

فوائد..... یہاں عبارت میں تین لفظ مذکور ہیں، صبی، مجنون، مجبور اس عبارت کو اگر درست مان لیا جائے تو مجنون سے مراد وہ ہے جس کو کبھی بکھار افادہ ہو جاتا ہے اور وہ بیع و شراء کے مفہوم کو سمجھتا ہے۔ پس اس صورت میں مجنون کا حکم وہی ہوگا جو صبی مجبور اور عبد مجبور کا ہے لیکن صاحب ہدایہ کے تحریر کردہ نسخہ کا حاشیہ پر مجنون کی جگہ مجبور کا لفظ ہے یعنی عبارت اس طرح ہے انہ صبی محجور اور علامہ نسفی کی کافی میں عبارت اس طرح ہے ثم علم انہ صبی محجور او محجور جازلہ الفسخ بظاہر یہی معلوم ہوتا کہ مجنون کا لفظ عبارت میں غلط لکھ دیا گیا ہے۔

ہر وہ عقد جس کی نسبت وکیل اپنی طرف کرے اس کے حقوق وکیل سے متعلق ہوں گے

وَالْعَقْدُ الَّذِي يَعْقِدُهُ الْوَكِيلُ عَلَى صَرِيحٍ كُلُّ عَقْدٍ يُضَيِّفُهُ الْوَكِيلُ إِلَى نَفْسِهِ كَالْبَيْعِ وَالْإِجَارَةِ فَحُقُوقُهُ تَعَلَّقُ بِالْوَكِيلِ دُونَ الْمُوَكَّلِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ تَتَعَلَّقُ بِالْمُوَكَّلِ لِأَنَّ الْحُقُوقَ تَابِعَةٌ لِحُكْمِ التَّصَرُّفِ وَالْحُكْمُ وَهُوَ الْمِلْكُ يَتَعَلَّقُ بِالْمُوَكَّلِ فَكَذَا تَوَابِعُهُ وَصَارَ كَالرَّسُولِ وَالْوَكِيلُ فِي النِّكَاحِ وَلَنَا أَنَّ الْوَكِيلَ هُوَ الْعَاقِدُ حَقِيقَةً لِأَنَّ الْعَقْدَ يَقُومُ بِالْكَلَامِ وَصِحَّةُ عِبَارَتِهِ لِكُونِهِ أَدَمِيًّا وَكَذَا حُكْمًا لِأَنَّهُ يَسْتَعْنِي عَنْ إِضَافَةِ الْعَقْدِ إِلَى الْمُوَكَّلِ وَلَوْ كَانَ سَفِيرًا عَنْهُ لَمَّا اسْتَعْنَى عَنْ ذَلِكَ كَالرَّسُولِ وَإِذَا كَانَ كَذَلِكَ كَانَ أَصِيلًا فِي الْحُقُوقِ فَيَتَعَلَّقُ حُقُوقُ الْعَقْدِ بِهِ وَلِهَذَا قَالَ فِي الْكِتَابِ يَسْلَمُ الْمَبِيعُ وَيَقْبِضُ الشَّمْنُ وَيَطَالِبُ بِالشَّمْنِ إِذَا اشْتَرَى وَيَقْبِضُ الْمَبِيعَ وَيُخَاصِمُ فِي الْعَيْبِ وَيُخَاصِمُ فِيهِ لِأَنَّ كُلَّ ذَلِكَ مِنَ الْحُقُوقِ وَالْمِلْكُ يَثْبُتُ لِلْمُوَكَّلِ خِلَافَةً عَنْهُ اعْتِبَارًا لِلتَّوَكُّلِ السَّابِقِ كَالْعَبْدِ يَتَّهَبُ وَيُضْطَاذُ وَيَخْتَطَبُ هُوَ الصَّحِيحُ قَالَ وَفِي مَسْأَلَةِ الْعَيْبِ تَفْصِيلٌ نَذَكْرُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى

ترجمہ..... وہ عقد جس کو وکیل لوگ منعقد کرتے ہیں دو قسم پر ہے۔ ہر وہ عقد جس کو وکیل اپنی طرف منسوب کرتا ہے جیسے بیع اور اجارہ پس اس کے حقوق وکیل کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں نہ کہ مؤکل کے اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ حقوق مؤکل کے ساتھ متعلق ہوں گے۔ اس لئے کہ حقوق حکم تصرف کے تابع ہیں اور حکم یعنی ملک مؤکل کے ساتھ متعلق ہے۔ پس اسی طرح اس کے تابع بھی اور وکیل، ایلی اور وکیل فی النکاح کے مانند ہوگا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ عقد کرنے والا درحقیقت وکیل ہے اس لئے کہ عقد کلام کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور اس کی عبارت کا صحیح ہونا اس کے آدمی ہونے

کی وجہ سے ہے اور اسی طرح حکماً کیونکہ وہ عقد کو مؤکل کی طرف منسوب کرنے سے مستغنی ہے اور اگر وکیل، مؤکل کی طرف سے سفیر ہوتا تو اس سے مستغنی نہ ہوتا جیسے اپنی اور جب ایسا ہے تو وکیل حقوق میں اصیل ہوا۔ لہذا حقوق عقد اسی کے ساتھ متعلق ہوں گے۔ اسی وجہ سے کتاب میں کہا کہ وکیل، بیع سپرد کرے اور ثمن پر قبضہ کرے اور جب خریدار ہو تو اس سے ثمن کا مطالبہ کیا جائے گا اور بیع پر قبضہ کرے اور عیب کے سلسلے میں وکیل سے محاصمہ کیا جائے گا اور وکیل عیب کے سلسلے میں محاصمہ کرے گا۔ کیونکہ یہ سب باتیں حقوق میں سے ہیں اور مؤکل کے لئے ملک وکیل کا نائب ہو کر ثابت ہوگی۔ تو وکیل سابق پر نظر کرتے ہوئے جیسے غام بہ قول کرے اور شکار کرے اور کڑیاں جمع کرے۔ یہی صحیح ہے۔ مصنف نے کہا کہ عیب کے مسئلہ میں ایک تفصیل ہے جس کو ہم انشاء اللہ ذکر کریں۔

تشریح..... صاحب قدوریؒ نے کہا کہ وہ عقد و جن کو وکیل لوگ منعقد کرتے ہیں ان کی دو قسمیں ہیں۔

۱۔ ایک وہ عقد جس کے حقوق وکیل کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں۔ ۲۔ دوم وہ عقد جس کے حقوق مؤکل کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں۔

پہلی قسم کے لئے ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ عقد جس کو وکیل اپنی طرف منسوب کرے اور اس کا منسوب کرنا صحیح ہو اور مؤکل کی طرف منسوب کرنے سے بے نیاز ہو جیسے بیع اور اجارہ تو اس عقد کے حقوق وکیل کے ساتھ متعلق ہوں گے اور مؤکل کے ساتھ متعلق نہ ہوں گے۔ یعنی اس عقد کے حقوق کی ذمہ داری وکیل پر عائد ہوگی نہ کہ مؤکل پر۔ مثلاً وکیل نے کہا کہ میں نے تیرے ہاتھ پر یہ چیز فروخت کی تو بیع پر سپرد کرنا وکیل کے ذمہ ہے۔ علامہ ابن الہمام نے اس ضابطہ پر نقض وارد کرتے ہوئے کہا کہ وکیل اگر صبی مجبور علیہ ہو یا عبد مجبور علیہ ہو تو ان دونوں کے عقد کے حقوق مؤکل کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں۔ اگرچہ عقد کو وکیل اپنی طرف منسوب کرتا ہے جیسا کہ گذشتہ مسئلہ میں گذرا۔

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ عقد کے حقوق مؤکل کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں یعنی حقوق عقد کی ذمہ داری مؤکل پر عائد ہوتی ہے نہ کہ وکیل پر۔ اسی کے قائل امام مالکؒ اور امام احمدؒ ہیں۔

امام شافعیؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ حقوق عقد، حکم تصرف یعنی ملکیت کے تابع ہیں اور حکم یعنی ملکیت مؤکل کے ساتھ متعلق ہوتی ہے۔ یعنی اگر تصرف عقد وکیل بالبیع نے کیا تو مؤکل ہی ثمن کا مالک ہوگا اور اگر وکیل بالشراء نے تصرف عقد کیا تو مؤکل ہی بیع کا مالک ہوگا۔ بہر حال ملکیت مؤکل کے لئے ثابت ہوتی ہے اور جب ملکیت مؤکل کے لئے ثابت ہوتی ہے تو اس کے تابع یعنی حقوق عقد بھی مؤکل کے لئے ثابت ہوں گے اور مؤکل ہی کے ساتھ متعلق ہوں گے اور اس قسم میں وکیل، اپنی اور وکیل بالزکاح کے مانند ہو گیا اور اپنی اور وکیل بالزکاح بالاتفاق حقوق عقد کے ذمہ دار نہیں ہوتے۔ یعنی حقوق نہ اپنی کی طرف لوٹتے ہیں اور نہ وکیل بالزکاح کی طرف لوٹتے ہیں۔ پس اسی طرح اس قسم میں بھی حقوق عقد وکیل کی طرف عود نہ کریں گے بلکہ مؤکل کی طرف عود کریں گے۔ اپنی کی مثال خالد نے حامد کو شاہد کے پاس بھیجا۔ حامد نے پیغام پہنچایا کہ خالد نے پیغام دیا ہے کہ میں نے تیرا گھوڑا ایک سو روپیہ میں خریدا اور شاہد نے منظور کیا، تو اپنی یعنی حامد کے ساتھ کوئی حق متعلق نہ ہوگا یعنی اس کی کچھ ذمہ داری نہیں ہے۔ اسی طرح وکیل بالزکاح ذمہ دار نہیں ہوتا ہے اور اسی طرح خرید و فروخت کا وکیل بھی ذمہ دار نہیں ہے بلکہ مؤکل ذمہ دار ہے۔

ہماری دلیل..... یہ ہے کہ اس قسم میں عقد کرنے والا حقیقتاً بھی اور حکماً بھی وکیل ہے وکیل حقیقتاً تو اس لئے کہ عاقد ہے کہ عقد کلام کے ساتھ قائم ہوتا ہے اور کلام کرنے والا وکیل ہے نہ کہ مؤکل لہذا عقد کرنے والا وکیل ہوا نہ کہ مؤکل اور وکیل کی عبارت یعنی وکیل کا کلام صحیح بھی ہے۔ مگر وکیل کے کلام کا صحیح ہونا دلیل ہونے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ ایک عاقل آدمی ہونے کی وجہ سے ہے۔ یعنی عاقل آدمی ہونے کی وجہ سے اس کے لئے اجاب و قبول کرنے کی اہلیت بھی موجود ہے تو یہ عقد وکیل ہی کی طرف سے واقع ہوگا اور وکیل ہی عاقد ہوگا اور اس قسم میں وکیل حکماً عاقد اس لئے ہے کہ وکیل عقد کو مؤکل کی طرف منسوب کرنے سے مستغنی ہے اگر وکیل مؤکل کی طرف سے محض سفیر اور قاصد ہوتا تو وہ عقد کو مؤکل کی طرف سے منسوب کرنے سے مستغنی نہ ہوتا۔ جیسے اپنی، مرسل کی طرف عقد منسوب کرنے سے مستغنی نہیں ہے اور وکیل بالزکاح مؤکل کی طرف عقد نکاح منسوب

کرنے سے مستغنی نہیں ہے اور جب ایسا ہے یعنی وکیل اس قسم میں حقیقتاً بھی عاقد ہے اور حکماً بھی عاقد ہے تو وہ حقوق عقد کے سلسلے میں اصل ہوگا اور جب وکیل حقوق عقد کے سلسلہ میں اصل ہے تو حقوق عقد اسی کے ساتھ متعلق ہوں گے اور اسی کی طرف عود کریں گے وکیل حقوق کے سلسلہ میں چونکہ اصل ہوتا ہے اسی لئے صاحب قدوریؒ نے اپنی مختصر القدری میں یا امام محمدؒ نے جامع صغیر یا مبسوط میں فرمایا کہ اگر وکیل بالبیع ہے تو وہ بیع مشتری کے حوالہ کرے گا اور ثمن پر قبضہ کرے گا اور وکیل بالشراء ہے تو اس سے ثمن کا مطالبہ کیا جائے گا اور وہ خود بیع پر قبضہ کرے گا۔ اور اگر وکیل بالبیع ہے اور مشتری بیع کے کسی عیب پر مطلع ہو گیا تو مشتری اس عیب کے سلسلہ میں وکیل ہی سے گفتگو کرے گا اور اگر وکیل بالشراء ہے اور بیع کے کسی عیب پر مطلع ہوا تو اس عیب کے سلسلہ میں وکیل ہی سے گفتگو کرے گا اور اگر وکیل بالشراء ہے اور بیع کے کسی عیب پر مطلع ہوا تو اس عیب کے سلسلہ میں وکیل ہی بالبیع سے گفتگو کرنے کا مجاز ہوگا نہ کہ مؤکل۔

دلیل..... یہ ہے کہ مذکورہ تمام چیزیں حقوق عقد میں سے ہیں۔ اور جملہ حقوق عقد وکیل کی طرف عود کرتے ہیں۔ لہذا مذکورہ تمام چیزیں وکیل کی طرف عود کریں گی اور وکیل ہی ان کا ذمہ دار ہوگا۔

امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب..... والملك يثبت للمؤكل خلافة عنه..... الخ سے امام شافعیؒ کی دلیل کہ حقوق حکم تصرف یعنی ملکیت کے تابع ہیں اور حکم یعنی ملکیت مؤکل کے ساتھ متعلق ہوتی ہے۔ لہذا اس کے تابع بھی مؤکل ہی کے ساتھ متعلق ہوں گے (کا جواب ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ تو وکیل سابق کا اعتبار کرتے ہوئے مؤکل کے لئے ملک اگرچہ ابتداءً ثابت ہوتی ہے لیکن اصلۃً نہیں۔ وکیل کی نیابت سے مؤکل کے لئے ملک ثابت ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ وکیل مؤکل کا نائب ہے تصرف کا استفادہ کرنے میں اور مؤکل وکیل کا نائب ہے۔ ملک ثابت ہونے کے حق میں بہر حال ملکیت مؤکل کے لئے ابتداءً ثابت ہو جاتی ہے۔ اگرچہ اصلۃً نہیں ہوتی بلکہ نیابتاً ثابت ہوتی ہے۔ پس جب مؤکل کے لئے اصلۃً ملک ثابت نہیں ہوتی تو ملک کے تابع ہو کر حقوق عقد بھی مؤکل کے لئے ثابت نہ ہوں گے اور جب مؤکل کے لئے حقوق ثابت نہیں ہوتے تو وکیل کے لئے ثابت ہوں گے۔ ثبوت ملک کے حق میں مؤکل کا وکیل کی طرف سے نائب ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ غلام ہمہ قول کرتا ہے۔ اور شکار مارتا ہے اور لکڑی جمع کرتا ہے۔ یعنی شیء موبہ شکار اور لکڑیوں کا مالک ابتداءً مولیٰ ہی ہوتا ہے۔ لیکن اصلۃً نہیں۔ بلکہ غلام کی نیابت میں مولیٰ کو ملکیت حاصل ہوتی ہے کیونکہ اس سبب سے مالک ہونے میں مولیٰ غلام کا قائم مقام ہے۔ اسی طرح وکیل کی نیابت میں مؤکل کے لئے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ مؤکل کے لئے ملک ثابت کرنے کا یہ طریقہ ابوطاہر دباس کا طریقہ ہے اسی کو اکثر احناف نے پسند کیا ہے۔ شمس الائمہ سرخسیؒ نے کہا کہ طریقہ اصح ہے اور مصنف ہدایہ نے بھی فرمایا کہ یہی صحیح ہے لیکن شیخ ابوالحسن کرخیؒ نے فرمایا کہ خریدنے کی وجہ سے ملک تو ابتداءً وکیل کے لئے ثابت ہوتی ہے لیکن پھر مؤکل کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔ پس جب امام کرخیؒ نے کے نزدیک ملک ابتداءً وکیل کے لئے ثابت ہوتی ہے تو ملک کے تابع ہو کر حقوق عقد بھی وکیل کے لئے ثابت ہوں گے۔ اور مؤکل کے لئے ثابت نہ ہوں گے۔

حاصل..... یہ کہ شیخ ابوطاہر دباس کے نزدیک وکیل کے کسی چیز کو خریدنے کی وجہ سے ملکیت ابتداءً ہی مؤکل کے لئے ثابت ہوتی ہے۔ لیکن اصلۃً نہیں بلکہ وکیل کی نیابت میں اور امام کرخیؒ کے نزدیک ملک ابتداءً تو وکیل کے لئے ثابت ہوتی ہے لیکن پھر مؤکل کی طرف منتقل ہو جاتی ہے۔

ابوطاہر دباس کے قول کے صحیح ہونے کی دلیل یہ ہے کہ اگر وکیل نے اپنی منکوہ کو خریدنا جو دوسرے کی باندی ہے یا اپنے کسی ذی رحم محرم کو خریدنا جو دوسرے کا غلام ہے تو نہ یہ نکاح فاسد ہوتا ہے اور نہ وہ ذی رحم محرم اس پر آزاد ہوتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مشتری یعنی وکیل کے لئے ملکیت ثابت نہیں بلکہ ابتداءً ہی مؤکل کے لئے ملکیت ثابت ہوتی ہے اگرچہ وکیل کی نیابت میں ثابت ہوتی ہے کیونکہ اگر وکیل کے لئے ملک ثابت ہو جاتی تو پہلی صورت میں اس کا نکاح فاسد ہو جاتا۔ اس لئے کہ ملک یمین سے ملک نکاح فاسد ہو جاتا ہے اور دوسری صورت میں خرید کردہ غلام آزاد ہو جاتا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

من ملک ذارحم محرم عتق علیہ

صاحب فتح القدریہ اور صاحب عنایہ نے امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب اور وکیل کے لئے حقوق عقد ثابت کرنے کے لئے اس طرح دلیل بیان کی ہے کہ وکیل کے تصرف کی دو جہتیں ہیں۔

۱۔ وکیل کے کلام سے تصرف کا حاصل ہونا۔ ۲۔ تصرف میں مؤکل کی طرف سے وکیل کا نائب ہونا۔

اب اگر ہم نے جہت اولیٰ کا اعتبار کرتے ہوئے ملک اور حقوق دونوں وکیل کے لئے ثابت کر دی جیسا کہ قیاس کا تقاضا ہے تو مؤکل کا اس کو وکیل کرنا باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ اس صورت میں وکیل، وکیل نہیں رہے گا بلکہ اصل ہو جائے گا۔ حالانکہ وکیل تصرف میں مؤکل کا نائب ہے اور اصل نہیں ہے اور اگر ملک اور حقوق دونوں مؤکل کے لئے ثابت کر دیں تو وکیل کا عقد کے لئے کلام کرنا باطل ہو جائے گا۔ حالانکہ عقد وکیل ہی کے کلام سے حاصل ہوا ہے۔ پس دونوں جہتوں کی رعایت کرتے ہوئے ہم نے ملک تو مؤکل کے لئے ثابت کی ہے۔ کیونکہ وکیل بنانے سے ملکیت حاصل کرنا ہی مقصود ہوتا ہے۔

اسی کی طرف مصنف مصنف ہدایہ نے اعتباراً للتوکیل السابق سے اشارہ کیا ہے اور حقوق وکیل کے لئے ثابت کیے ہیں۔ پس ثابت ہو گیا عقد کی اس قسم اول میں حقوق وکیل کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں۔ اور مؤکل کے ساتھ متعلق نہیں ہوتے۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ مسئلہ عیب میں قدرے تفصیل ہے جس کو ہم انشاء اللہ باب الوکالة بالبیع والشراء کے تحت بیان کریں گے۔

فانتظروا انی معکم من المنتظرین

ہر وہ عقد جس کی نسبت وکیل اپنے مؤکل کی طرف کرتا ہے اس کے حقوق مؤکل سے متعلق ہوں گے

قَالَ وَكُلُّ عَقْدٍ يُضِيفُهُ إِلَى مُوَكَّلِهِ كَالنِّكَاحِ وَالْخُلْعِ وَالصُّلْحِ عَنْ دَمِ الْعَمْدِ فَإِنَّ حُقُوقَهُ تَتَعَلَّقُ بِالْمُؤَكَّلِ دُونَ الْوَكِيلِ فَلَا يُطَالَبُ وَكَيْلُ الزَّوْجِ بِالْمَهْرِ وَلَا يَلْزَمُ وَكَيْلُ الْمَرْأَةِ تَسْلِيمُهَا لِأَنَّ الْوَكِيلَ فِيهَا سَفِيرٌ مَحْضٌ لَا تَرَى أَنَّهُ لَا يَسْتَعْنِي عَنْ إِضَافَةِ الْعَقْدِ إِلَى الْمُؤَكَّلِ وَلَوْ أَصَافَهُ إِلَى نَفْسِهِ كَانَ النِّكَاحُ لَهُ فَصَارَ كَالرَّسُولِ وَهَذَا لِأَنَّ الْحُكْمَ فِيهَا لَا يَقْبَلُ الْفَصْلَ عَنِ السَّبَبِ لِأَنَّهُ اسْقَاطُ فَيْتَلَاشِي فَلَا يُتَصَوَّرُ صُدُورُهُ مِنْ شَخْصٍ وَثُبُوتُ حُكْمِهِ لِغَيْرِهِ فَكَانَ سَفِيرًا

ترجمہ..... اور ہر وہ عقد جو وکیل اپنے مؤکل کی طرف منسوب کرتا ہے۔ جیسے نکاح، خلع اور صلح عن دم العمد تو اس کے حقوق مؤکل کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں نہ کہ وکیل کے ساتھ۔ پس شوہر کے وکیل سے مہر کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا اور عورت کے وکیل پر عورت کو سپرد کرنا لازم نہ ہوگا۔ کیونکہ ان معاملات میں وکیل محض سفیر ہے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ وکیل، مؤکل کی طرف عقد کو منسوب کرنے سے مستغنی نہیں ہے اور اگر وکیل عقد نکاح کو اپنی طرف منسوب کرے گا تو نکاح وکیل کا ہوگا۔ پس وکیل اپنی کے مانند ہو گیا اور یہ اس لئے کہ ان عقود میں حکم سبب سے جدا نہیں لیا تو قبول نہیں کرتا ہے اس لئے کہ وہ اسقاط ہے تو وہ منسحل ہو جاتا ہے۔ لہذا اس کا صدور ایک شخص سے اور اس کے حکم کا ثبوت دوسرے شخص کے لئے ممکن نہیں ہے پس وکیل سفیر ہوا۔

تشریح..... دوسری قسم یعنی جس عقد کے حقوق مؤکل کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں اس کے لئے ضابطہ یہ ہے کہ ہر وہ عقد جس کو وکیل مؤکل کی طرف منسوب کرنے سے مستغنی نہ ہو بلکہ وکیل کی طرف منسوب کرنا ضروری ہو تو اس کے حقوق مؤکل کے ساتھ متعلق ہوں گے نہ کہ وکیل کے ساتھ۔ یعنی جملہ حقوق عقد کا ذمہ دار مؤکل ہوگا اور وکیل ذمہ دار نہ ہوگا۔ مثلاً نکاح، خلع وغیرہ صلح عن دم العمد کہ ان کے حقوق مؤکل کی طرف عود کریں گے۔ نہ کہ وکیل کی طرف۔ چنانچہ عقد نکاح میں اگر کوئی شخص شوہر کی طرف سے وکیل ہو تو مہر کا مطالبہ شوہر (مؤکل) سے کیا جائے گا، نہ کہ وکیل سے

اور اگر عورت کی طرف سے ہو تو عورت کا سپرد کرنا وکیل پر لازم نہ ہوگا۔ بلکہ خود عورت پر اپنے آپ کو سپرد کرنا لازم ہوگا۔ اور عقد خلع میں اگر عورت کی طرف سے وکیل ہو تو بدل خلع کا مطالبہ وکیل سے نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ عورت سے کیا جائے گا۔ اور اگر شوہر کی طرف سے وکیل ہو تو بدل خلع کے مطالبہ کا حق شوہر کو ہوگا نہ کہ وکیل کو۔

اسی طرح صلح عن دم العمد میں اگر اولیائے مقتول کی طرف سے دلیل ہو تو قاتل سے بدل صلح قصاص کے مطالبہ کا حق وکیل کو نہ ہوگا بلکہ اولیائے مقتول کو ہوگا اور اگر قاتل کی طرف سے وکیل ہو تو بدل قصاص کا مطالبہ قاتل سے کیا جائے گا۔ نہ کہ وکیل سے۔ ان عقود میں حقوق موکل کے ساتھ اس لئے متعلق ہوں گے کہ ان عقود میں وکیل محض سفیر اور معبر ہوتا ہے اور سفیر وہ شخص کہلاتا ہے جو دوسرے کا کلام نقل کرے اور اس کی حکایت کرے اور جو شخص دوسرے کا کلام نقل کرتا ہے اس پر دوسرے کے کلام کے احکام لازم نہیں ہوتے۔ جیسے اگر خالد نے شاہد کا وہ کلام نقل کیا جس کا ام سے شاہد نے حامد کو تہمت لگائی تھی تو اس نقل کلام کی وجہ سے خالد نہ تو قاذف (تہمت لگانے والا) شمار ہوگا۔ اور نہ خالد پر قذف کے احکام (حد قذف وغیرہ) لازم ہوں گے۔ پس اسی طرح مذکورہ عقود میں چونکہ وکیل محض سفیر اور موکل کے کلام کا ناقل ہے۔ اس لئے مذکورہ عقود کے احکام اور حقوق کا ذمہ دار وکیل نہ ہوگا۔ بلکہ موکل ہوگا۔ اور مذکورہ عقود میں وکیل کے سفیر محض ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وکیل، موکل کی طرف عقد منسوب کرنے سے مستغنی نہیں ہے بلکہ یہ کہہ گا کہ میرے موکل نے تیرے ساتھ نکاح کیا ہے اور اگر وکیل نے نکاح کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا۔ مثلاً عورت سے کہا کہ میں نے تیرے ساتھ نکاح کیا تو یہ وکیل کا نکاح ہوگا نہ کہ موکل کا اور جب وکیل کا نکاح ہوا تو یہ وکالت کے حکم سے خارج ہو گیا۔ حالانکہ ہمارا کلام وکالت میں ہے بہر حال جب اس قسم میں نقد کو موکل کی طرف منسوب کرنا ضروری ہے اور اپنی طرف منسوب کرنے کا مجاز نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ ان عقود میں وکیل کی حیثیت محض سفیر اور موکل کا کلام نقل کرنے والے کی ہے اس سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں ہے۔ اور جب یہ بات ہے تو اس قسم ثانی میں وکیل کی حیثیت ایسی ہے جیسا کہ قسم اول میں اپنی کی حیثیت ہے اور قسم اول کے تحت گذر چکا کہ رسالت کی صورت میں احکام، رسول (اپنی) کی طرف عود نہیں کرتے بلکہ مرسل کی طرف عود کرتے ہیں۔ پس اسی طرح قسم ثانی میں احکام وکیل کی طرف عود نہیں کریں گے بلکہ موکل کی طرف عود کریں گے۔

وهذا الآن الحكم فيها..... الخ سے صاحب ہدایہ نے پہلی عقلی دلیل..... کی لم اور علت کو بیان فرمایا ہے کیونکہ ہدایہ میں صاحب ہدایہ کی یہ عادت ہے کہ موصوف جب ایک عقلی دلیل کے بعد دوسری عقلی دلیل (وهذا الآن) سے ذکر کرتے ہیں تو اس دوسری دلیل سے پہلی دلیل کی لم اور علت کو بیان کرنا مقصود ہوتا ہے یعنی پہلی دلیل، دلیل انی ہوتی ہے اور دوسری دلیل، دلیل لمی ہوتی ہے۔

علامات کے ذریعہ کسی چیز کے وجود کو سمجھنا دلیل انی کہلاتا ہے جیسے کسی کے رونے سے اس کے غمزہ ہونے کو سمجھنا اور کسی علت کے وجود سے معلول کے وجود کو سمجھنا دلیل لمی کہلاتا ہے۔ جیسے وجود نار سے وجود حرارت کو اور وجود شمس سے وجود ضوء کو سمجھنا۔ (توضیح المنطق مؤلفہ مولانا عبدالرحیم)

پس جب مصنف ہدایہ نے قسم ثانی میں موکل کے ساتھ حقوق عقد متعلق ہونے پر دلیل انی بیان فرمائی ہے یعنی اس قسم ثانی میں وکیل کا سفیر محض ہونا اور موکل کی طرف عقد منسوب کرنے سے مستغنی نہ ہونا اس بات کی علامت ہے کہ حقوق عقد موکل کی طرف عود کریں گے۔ نہ کہ وکیل کی طرف تو اب اس کے بعد وهذا الآن الحكم..... الخ سے وکیل کے سفیر محض ہونے کی لم اور علت یعنی دلیل لمی کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ اس دوسری قسم میں وکیل کے سفیر محض ہونے کی لم اور علت یہ ہے کہ نکاح وغیرہ دوسری قسم کے عقود میں حکم سبب سے جدا نہیں ہوتا۔ یعنی ایسا نہیں ہوتا کہ نکاح (سبب) تو معتقد ہو جائے لیکن خیال شرط کی وجہ سے حکم (ملک بضع) شوہر کے لئے ثابت نہ ہو جیسا کہ بیع میں ہوتا ہے بلکہ سبب (نکاح) کے ساتھ ساتھ حکم بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ اور اس دوسری قسم کے عقود میں حکم سبب سے اس لئے جدا نہیں ہوتا کہ ان عقود میں سبب اسقاط کے قبیلہ سے ہے۔ چنانچہ عقد نزع اور صلح عن دم العمد کا اسقاط کے قبیلہ سے ہونا تو ظاہر ہے۔ بایں طور کہ شوہر عقد خلع میں بضع سے اپنی ملکیت کو ساقط کرتا ہے

اور صلح عن دم العمد میں اولیائے مقتول اپنا حق قصاص ساقط کرتے ہیں۔ اور نکاح اسقاط کے قبیلہ سے اس لئے ہے کہ آدم کی تمام بیٹیاں یعنی عورتیں اصل کے اعتبار سے آزاد ہیں اور ان کا آزاد ہونا اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ نکاح وغیرہ کی وجہ سے ان کا کوئی شخص مالک نہ ہو۔ لیکن شریعت اسلام نے بقائے نسل کی خاطر آزاد ہونے کے باوجود نکاح کی وجہ سے اس پر ایک گونہ ملکیت کو ثابت کیا ہے۔ پس جو ملکیت عورت کے لئے بطریق اصالت حریت کی وجہ سے ثابت تھی۔ نکاح کے ذریعہ عورت نے اس کو ساقط کر دیا ہے اس اعتبار سے نکاح بھی اسقاط کے قبیلہ سے ہوا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ بضع میں اصل حرمت ہوتی ہے لیکن نکاح اس حرمت کو ساقط کر دیتا ہے بہر حال نکاح بھی اسقاط کے قبیلہ سے ہے۔ خلاصہ یہ کہ قسم ثانی سے متعلق تمام عقود میں سبب اسقاط کے قبیلہ سے ہے یعنی مذکورہ عقد نکاح وغیرہ از قبیل اسقاطات ہیں اور جب سبب یعنی مذکورہ عقود اسقاط کے قبیلہ سے ہیں اور ساقط ہونے والی چیز انتہائی مضحک اور کمزور ہوتی ہے تو اس قسم ثانی میں یہ ممکن نہیں ہوگا کہ سبب یعنی عقد تو اصالتاً ایک آدمی سے صادر ہوا اور اس کا حکم دوسرے کے لئے ثابت ہو اور اس طرح مسبب اور حکم کے درمیان فصل واقع ہو جیسا کہ قسم اول میں ہوتا ہے کیونکہ یہ بات جائز نہیں ہے کہ ایک چیز سے وکیل کے حق میں ساقط ہو پھر ثانیاً منتقل ہو کر مومل کے حق میں ساقط ہو۔ اس لئے کہ ساقط شدہ چیز عود نہیں کرتی الا یہ کہ کوئی جدید سبب پایا جائے۔ پس جب یہ بات ہے تو قسم ثانی میں وکیل کے واسطے سے عقد بھی مومل سے صادر ہوگا اور حکم بھی مومل ہی کے لئے ثابت ہوگا اور جب عقد (سبب) کا صدور بھی مومل سے ہوا ہے اگرچہ وکیل کے واسطے سے ہوا ہے اور حکم بھی اسی کے لئے ثابت ہوا ہے تو وکیل محض سفیر اور مومل کی طرف سے کلام کا نقل کرنے والا ہوگا۔ اس سے زیادہ وکیل کی کوئی حیثیت نہ ہوگی۔

دوسری قسم کے نظائر

وَالضَّرْبُ الثَّانِي مِنْ أَخْوَاتِهِ الْعِتْقُ عَلَى مَالٍ وَالْكِتَابَةُ وَالصُّلْحُ عَنِ الْإِنْكَارِ فَأَمَّا الصُّلْحُ الَّذِي هُوَ جَارٍ مَجْرَى النَّيْعِ فَهُوَ مِنَ الضَّرْبِ الْأَوَّلِ وَالْوَكِيلُ بِالْهَيْمَةِ وَالنَّصْدُقُ وَالْإِعَارَةُ وَالْإِيذَاعُ وَالرَّهْنُ وَالْإِقْرَاضُ سَفِيرٌ أَيْضًا لِأَنَّ الْحُكْمَ فِيهَا يَثْبُتُ بِالْقَبْضِ وَأَنَّهُ يَلَاقِي مَحَلًّا مَمْلُوكًا لِلغَيْرِ فَلَا يُجْعَلُ أَصِيلًا وَكَذَا إِذَا كَانَ الْوَكِيلُ مِنْ جَانِبِ الْمُتَمَسِّسِ وَكَذَا الشَّرَكَةُ وَالْمُضَارَبَةُ إِلَّا أَنَّ التَّوَكِيلَ بِالْإِسْتِقْرَاضِ بَاطِلٌ حَتَّى لَا يَثْبُتَ الْمِلْكُ لِلْمُؤْتَكِّلِ بِخِلَافِ الرِّسَالَةِ فِيهِ

ترجمہ..... اور دوسری قسم کے نظائر میں سے مال پر آزاد کرنا، مکاتبت کرنا اور صلح عن الانکار کرنا ہے۔ بہر حال وہ صلح جو بیع کے قائم مقام ہے تو وہ قسم اول سے ہے اور بیکہ کرنے کے لئے، صدقہ کرنے کے لئے، عاریہ دینے کے لئے، ودیعت کے طور پر دینے کے لئے، رہن رکھنے کے لئے، اور قرض دینے کے لئے وکیل بھی سفیر ہے اس لئے کہ ان مسئلوں میں حکم قبضہ سے ساقط ہو جاتا ہے اور قبضہ ایسے محل کے ساتھ ملاتی ہے جو دوسرے کا مملوک ہے۔ لہذا وکیل کو اصل نہیں بنایا جاسکتا ہے اور ایسے ہی اگر ان چیزوں کے چاہنے والے کی طرف سے وکیل ہو اور اسی طرح شرکت اور مضاربت کے لئے مگر قرضہ کرنے کے لئے وکیل کرنا باطل ہے۔ حتیٰ کہ مومل کے لئے ملک ثابت نہ ہوگی۔ برخلاف قرض لینے کے لئے ایلیج بھیجنے کے۔

تشریح..... صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ قسم ثانی کے نظائر بہت سے مسائل ہیں۔

۱۔ اپنا غلام مال کے عوض آزاد کرنے کے لئے وکیل کرنا مثلاً آقا کسی آدمی سے کہے کہ تو میرا غلام اس قدر مال کے عوض آزاد کر دے۔

۲۔ اپنے غلام سے مکاتبت کرنے کے لئے وکیل کرنا مثلاً مولیٰ نے اپنے غلام سے عقد کتابت کرنے کے لئے کسی کو وکیل کیا۔

۳۔ صلح عن الانکار کے لئے وکیل کرنا مثلاً مدعی نے کچھ دعویٰ کیا اور مدعی علیہ نے اس دعویٰ کا انکار کیا۔ مگر مدعی علیہ مدعی سے صلح کے لئے آمادہ ہو گیا اور صلح کے لئے کسی کو وکیل مقرر کیا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ صلح عن الاقرار چونکہ بیع کے قائم مقام ہوتی ہے۔ اس لئے وہ قسم اول کے قبیل سے ہوگی۔ یعنی صلح عن الاقرار میں حقوق وکیل کے ساتھ متعلق ہوں گے نہ کہ مؤکل کے۔ ساتھ اور صلح عن الاقرار بیع کے قائم مقام اس لئے ہوتی ہے کہ اس میں مبادلہ مال بمال ہوتا ہے اور جب صلح عن الاقرار میں مبادلہ مال بمال ہوتا ہے تو اس کا حکم وہی ہوگا۔ جو بیع کا ہوتا ہے اور بیع کا حکم وہ ہے جو قسم اول میں بیان کیا گیا ہے۔ یعنی حقوق عقد وکیل کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں۔

۴۔ ہبہ کے لئے وکیل مقرر کرنا مثلاً کوئی شخص کسی سے کہے کہ تو میرا یہ غلام فلاں کو ہبہ کر دے۔

۵۔ صدقہ دینے کے لئے وکیل کرنا مثلاً کسی سے کہے کہ تو میرا یہ غلام فلاں کو صدقہ کر دے۔

۶۔ عاریۃ دینے کے لئے وکیل کرنا مثلاً یہ کہے کہ تو میری یہ کتاب فلاں شخص کو عاریۃ دے دے۔

۷۔ ودیعت رکھنے کے لئے وکیل کرنا مثلاً یہ کہے کہ تو میرا مال فلاں کے پاس ودیعت رکھ دے۔

۸۔ رہن رکھنے کے لئے وکیل کرنا مثلاً یہ کہے کہ تو میرا یہ گھوڑا فلاں کے پاس رہن رکھ دے۔

۹۔ فرض دینے کے لئے وکیل کرنا مثلاً یہ کہے کہ تو میرا یہ روپیہ فلاں کو قرض دے دے۔

ان تمام مسئلوں میں وکیل سفیر محض ہوگا۔ اور حقوق مؤکل کی طرف غور کریں گے۔

اول کے تین مسئلوں کی دلیل یہ ہے کہ یہ تینوں عقود اسقاط کے قبیلہ سے ہیں۔ اس طور پر کہ عتق علی مال اور مکاتبت میں مولیٰ اپنی ملکیت کو ساقط کرتا ہے۔ اور صلح عن الانکار میں مدعی علیہ خصوصت کو دفع اور ساقط کرتا ہے۔ پس جب یہ تینوں عقود اسقاطات کے قبیلہ سے ہیں۔ تو ان کا حکم قسم ثانی کے عقود (نکاح وغیرہ) کے مانند ہوگا۔ یعنی قسم ثانی کی طرح ان میں بھی وکیل سفیر محض ہوگا۔ اور اس کے ساتھ حقوق متعلق نہ ہوں گے۔ بلکہ مؤکل کے ساتھ متعلق ہوں گے اور جب ان تینوں مسائل کا حکم قسم ثانی کے حکم کے مانند ہے تو ان مسائل مثلاً کو قسم ثانی کی نظیر قرار دینا بالکل درست ہے۔

اور باقی چھ مسائل کی دلیل یہ ہے کہ ان عقود میں حکم محض قبضہ سے ثابت ہو جاتا ہے یعنی ہبہ کی صورت میں شیء موہوب پر موہوب لہ کے قبضہ کرنے سے ہبہ کا حکم یعنی موہوب لہ کا مالک ہونا اور تصرف کا حق حاصل ہو جانا ثابت ہو جاتا ہے۔ اور صدقہ کی صورت میں مال صدقہ پر متصدق علیہ (جس پر صدقہ کیا گیا) کے قبضہ کرنے سے صدقہ کا حکم یعنی متصدق علیہ کی ملکیت اور حق تصرف حاصل ہو جاتے ہیں۔ اور اعارہ کی صورت میں جب مستعیر (عاریت پر لینے والا) شیء مستعار پر قبضہ کر لیتا ہے تو اعارہ کا حکم یعنی شیء مستعار سے نفع اٹھانے کا حق مستعیر کے لئے حاصل ہو جاتا ہے اور ودیعت کی صورت میں مودع (امین) جب مال ودیعت پر قبضہ کرتا ہے تو ودیعت کا حکم ثابت ہو جاتا ہے۔ یعنی مودع پر ودیعت کے مال کی حفاظت کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بغیر تعدی کے مال ودیعت اگر ہلاک ہو گیا تو اس پر تاوان لازم نہ ہوگا۔

اور رہن کی صورت میں شیء مرہونہ پر مرہن کے قبضہ کرنے سے رہن کا حکم مرتہن کے لئے ثابت ہو جاتا ہے۔ رہن کا حکم یہ ہے کہ مرتہن شیء مرہونہ کی حفاظت کرے اور اگر رہن سے قرض نہ وصول ہو سکے تو مرتہن بذریعہ قاضی شیء مرہونہ سے قرضہ وصول کرنے کا مجاز ہے۔ اور قرضہ دینے کی صورت میں مستقرض (قرضہ لینے والا) قبضہ کرتے ہی قرضہ کے مال میں تصرف کا مجاز ہے یہی قرضہ کا حکم ہے۔ بہر حال مذکورہ عقود میں حکم قبضہ کرتے ہی ثابت ہو جاتا ہے اور قبضہ ایسے محل پر واقع ہوا جو غیر وکیل یعنی مؤکل کا مملوک ہے تو اس عقد کا حکم بھی ایسے ہی محل میں ثابت ہوگا جو غیر وکیل یعنی مؤکل کا مملوک ہے اور جب مذکورہ عقود کا حکم ایسے محل میں ثابت ہوا ہے جو غیر وکیل یعنی مؤکل کا مملوک ہے تو ان عقود میں وکیل اصیل نہ ہوگا۔ کیونکہ جس محل پر قبضہ واقع ہوا ہے اس کے اعتبار سے وکیل اجنبی ہے اور جب ان عقود میں وکیل اصیل نہیں ہے تو وہ سفیر اور مالک (مؤکل) کی طرف سے محض کلام نقل کرنے والا ہوگا۔ اور وکیل جب ان عقود میں محض سفیر اور معبر ہے تو حقوق عقد بھی وکیل کے ساتھ متعلق نہ ہوں گے۔ بلکہ مؤکل کے ساتھ متعلق ہوں گے۔ اس کے برخلاف وہ عقود جو کلام سے منعقد ہوتے ہیں اور قبضہ پر موقوف نہیں ہوتے۔ جیسے بیع وغیرہ تو وکیل ان میں اصیل ہے

کیونکہ وکیل تکلم اور کلام کرنے میں اہیل ہے اور وکیل کا کلام وکیل کا مملوک ہے۔ پس جب وکیل کا کلام اس کا مملوک ہے اور وہ کلام کرنے میں اہیل ہے اور کلام کرنے میں اہیل ہونے کی وجہ سے ان عقود میں اہیل ہے تو ان عقود کے حقوق وکیل ہی کے ساتھ متعلق ہوں گے نہ کہ مؤکل کے ساتھ۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اگر ہبہ، صدقہ، عاریت، ودیعت، رہن، قرضہ مانگنے والے کی طرف سے وکیل ہو تو بھی وہ سفیر ہے۔ یعنی اس صورت میں بھی حقوق مؤکل کے ساتھ متعلق ہوں گے نہ کہ وکیل کے ساتھ۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ قرضہ مانگنے کے لئے وکیل کرنا باطل ہے یعنی اگر ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ تو میرے لئے فلاں سے قرض لے آ اور قرض مانگنے میں تو میرا وکیل ہے تو یہ تو وکیل باطل ہے کیونکہ اس صورت میں مؤکل نے وکیل کو دوسرے کے مال میں تصرف کا امر کیا ہے۔ حالانکہ دوسرے کے مال میں تصرف کا حکم کرنا جائز نہیں ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ قرضہ لینے والا قرضہ کا بدل اپنے ذمہ لازم کرتا ہے۔ پس قرضہ مانگنے کے لئے وکیل بنانے کا مطلب یہ ہے کہ مؤکل وکیل سے کہتا ہے کہ تو بدل قرض مثلاً ایک سو روپیہ اپنے ذمہ لازم کر۔ اور اس کا عوض باطل یعنی مال قرض میرے لئے ہوگا۔ یعنی قرض تو میرے لئے ہوگا اور اس کا بدل تجھ پر لازم ہوگا۔ یہ ایسا ہو گیا جیسے کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ فلاں آدمی کی فلاں چیز فروخت کر دے اس شرط پر کہ اس کا شمن میرے لئے ہوگا۔ حالانکہ یہ تو وکیل بالبیع باطل ہے۔ پس اسی پر قیاس کر کے تو وکیل بالاستقراض بھی باطل ہے اور جب قرضہ مانگنے کے لئے وکیل کرنا باطل ہے تو اگر وکیل نے قرضہ مانگ بھی لیا تو اس کا مالک مؤکل نہ ہوگا۔ بلکہ خود وکیل ہوگا اور اگر وکیل کے پاس سے مال قرض ہلاک ہو گیا تو وہ وکیل کا مال ہلاک ہوگا نہ کہ مؤکل کا مال اور اگر قرضہ بکے لئے کسی کو اپنی بنایا تو درست ہے۔ مثلاً ایک شخص دوسرے سے کہتا ہے کہ مجھ کو فلاں آدمی نے تیرے پاس قرضہ لینے کے لئے بھیجا ہے۔ تو یہ درست ہے چنانچہ مقرض (مرسل الیہ) نے اگر نے قرضہ دے دیا تو قرضہ مانگنے والے یعنی مرسل کے لئے ملک ثابت ہو جائے گی۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ اگر عقد شرکت یا عقد مضاربیت کے لئے کسی کو وکیل کیا تو اس عقد کو مؤکل کی طرف منسوب کرنا ضروری ہوگا اور حقوق عقد مؤکل کی طرف عود کریں گے نہ کہ وکیل کی طرف، وکیل محض سفیر اور مہجر ہوگا۔

مؤکل مشنری سے شمن کا مطالبہ کر سکتا ہے یا نہیں

وَإِذَا طَالَبَ الْمُؤَكِّلُ الْمُشْتَرِيَّ بِالثَّمَنِ فَلَهُ أَنْ يَمْنَعَهُ إِيَّاهُ لِأَنَّهُ أَجْنَبِيٌّ عَنِ الْعَقْدِ وَحَقُّوهُ لِمَا أَنَّ الْحَقُّوْقَ إِلَى الْعَاقِدِ فَإِنْ دَفَعَهُ إِلَيْهِ جَارَ وَلَمْ يَكُنْ لِلْوَكِيلِ أَنْ يُطَالِبَهُ بِهِ ثَانِيًا لِأَنَّ نَفْسَ الثَّمَنِ الْمَقْبُوضِ حَقُّهُ وَقَدْ وَصَلَ إِلَيْهِ وَلَا فَايِدَةَ فِي الْأَخْذِ مِنْهُ ثُمَّ الدَّفْعُ إِلَيْهِ وَلِهَذَا لَوْ كَانَ لِلْمُشْتَرِي عَلَى الْمُؤَكِّلِ ذَيْنَ يَقَعُ الْمُقَاصَّةُ وَلَوْ كَانَ لَهُ عَلَيْهِمَا ذَيْنَ يَقَعُ الْمُقَاصَّةُ بِذَيْنِ الْمُؤَكِّلِ أَيْضًا ذُوْن ذَيْنِ الْوَكِيلِ وَبِذَيْنِ الْوَكِيلِ إِذَا كَانَ وَحْدَهُ يَقَعُ الْمُقَاصَّةُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمَحْمَدٍ لِمَا أَنَّهُ يَمْلِكُ الْإِبْرَاءَ عَنْهُ عِنْدَهُمَا وَلَكِنَّهُ يَضْمَنُهُ لِلْمُؤَكِّلِ فِي الْفَصْلَيْنِ

ترجمہ۔۔۔ اور اگر مؤکل نے مشتری سے شمن کا مطالبہ کیا تو مشتری کے لئے مؤکل کو شمن دینے سے منع کر دینے کا اختیار ہے اس لئے کہ مؤکل عقد اور حقوق عقد سے اجنبی ہے کیونکہ حقوق عائد کی طرف رائج ہوتے ہیں۔ پھر اگر مشتری نے مؤکل کو شمن دے دیا تو جائز ہے اور وکیل کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ دوبارہ مشتری سے شمن کا مطالبہ کرے۔ اس لئے کہ نفس شمن جس پر مؤکل نے قبضہ کیا ہے۔ مؤکل ہی کا حق ہے اور وہ مؤکل کو پہنچ گیا ہے اور مؤکل سے لے کر پھر مؤکل کو دینے میں کوئی فائدہ نہیں ہے اور اسی وجہ سے اگر مشتری کا مؤکل پر قرضہ ہو تو مقاصدہ واقع ہو جائے گا اور اگر مشتری کا مؤکل اور وکیل دونوں پر قرضہ ہو تو مؤکل کے قرضہ سے مقاصدہ واقع ہوگا نہ کہ وکیل کے قرضہ سے اور اگر تہا وکیل پر قرضہ ہو تو طرفین کے نزدیک وکیل کے قرضہ سے مقاصدہ واقع ہوگا۔ کیونکہ طرفین کے نزدیک وکیل مشتری کو شمن سے بری کر دینے کا مالک ہے لیکن وکیل دونوں صورتوں میں مؤکل کے لئے شمن کا ضامن ہوگا۔

ساتھ مقاصد واقع ہوگا۔ کیونکہ وکیل طرفین کے نزدیک مشتری کو ثمن سے بلا عوض بری کر دینے کا مالک ہے اور جب وکیل بلا عوض مشتری کو ثمن سے بری کر دینے کا مالک ہے تو مقاصد یعنی ابراء بالعوض کا مالک بدرجہ اولیٰ ہوگا۔ پس ابراء بالعوض کو ابراء بلا عوض پر قیاس کیا گیا ہے۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ وکیل مشتری کو بلا عوض بری کرے یا بعوض بری کرے دونوں صورتوں میں وکیل اپنے موکل کے لئے مقدار ثمن کا ضامن ہوگا۔

یہی بات کہ طرفین کے نزدیک وکیل بلا عوض مشتری کو ثمن سے بری کر دینے کا مالک کیوں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ وکیل کے حق میں ابراء نام ہے قبضہ کے حق کو ساقط کرنے کا اور قبضہ خالص وکیل کا حق ہے۔ چنانچہ موکل اگر وکیل کو قبضہ کرنے سے منع کرنا چاہے تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا اور اگر موکل خود قبضہ کرنا چاہے تو اس کو یہ حق بھی نہیں ہے۔ پس وکیل، مشتری کو قبضہ ثمن سے بری کرنے میں خالص اپنے حق کو ساقط کرنے والا ہے اور اپنا حق ساقط کرنے کا ہر شخص مجاز ہے۔ لہذا وکیل مشتری کو بری کرنے کا مجاز ہے اور جب وکیل بلا عوض مشتری کو بری کرنے کا مالک ہے تو بلا عوض بری کرنے یعنی مقاصد کرنے کا حق ساقط کرنے کا بدرجہ اولیٰ مالک و مختار ہوگا۔ مگر چونکہ وکیل ے قبضہ کرنے کا حق ساقط کر دیا۔ اور اس کی وجہ سے موکل کے لئے ثمن وصول کرنے کا دروازہ بند ہو گیا۔ کیونکہ موکل کو مشتری کی طرف سے ثمن پر قبضہ کرنے کا کوئی حق نہیں ہوتا اس لئے وکیل، موکل کے لئے مقدار ثمن کا ضامن ہوگا۔ جیسے راہن اگر اپنے عبد مرہون کو آزاد کر دے تو وہ آزاد ہو جائیگا۔ کیونکہ عبد مرہون راہن ہی کی ملک ہے۔ اگرچہ مرہون کے قبضہ میں ہے لیکن چونکہ غلام کی مالیت سے مرہون کے لئے اپنا قرضہ وصول کرنا ناممکن ہو گیا۔ اس لئے راہن، مرہون کے لئے مقدار قرض کا ضامن ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ وکیل مشتری کو بلا عوض بری کر دینے کا مالک نہیں ہے کیونکہ مشتری کے ذمہ میں جو ثمن ہے وہ موکل کی ملک ہے پس وکیل کا مشتری کو بری کرنا غیر یعنی موکل کی ملک میں بلا اجازت تصرف کرنا ہے اور بلا اجازت کسی کی ملک میں تصرف کرنا جائز نہیں ہے۔ لہذا وکیل کا مشتری کو بری کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔ جیسے وکیل کا ثمن پر قبضہ کر کے پھر مشتری کو ہبہ کرنا جائز نہیں ہے۔ بہر حال جب وکیل کے لئے ابراء بلا عوض جائز نہیں ہے تو ابراء بالعوض یعنی مقاصد بھی اسی پر قیاس کرتے ہوئے جائز نہ ہوگا۔

بَابُ الْوَكَالَةِ بِالْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ ————— فَصْلٌ فِي الشِّرَاءِ

ترجمہ..... یہ باب خرید و فروخت کی وکالت کے بیان میں ہے۔ پہلا فصل خریدنے کے بیان میں۔

تشریح..... چونکہ وکالت کے ابواب میں سب سے زیادہ کثیر الوقوع اور سب سے زیادہ ضرورت کی چیز وکالت بالبیع والشراء ہے۔ اس لئے وکالت بالبیع والشراء کے احکام پہلے ذکر کیئے گئے۔ اور شرائء کے ذریعہ چونکہ ملک بیع کا اثبات ہوتا ہے۔ اور بیع کے ذریعہ اس کا ازالہ ہوتا ہے اور ازالہ اثبات کے بعد ہوتا ہے۔ اس لئے شرائء سے متعلق احکام پہلے ذکر کیئے گئے اور بیع کی وکالت کے احکام بعد میں ذکر کیئے گئے ہیں۔ علامہ ابن الہمامؒ نے فصل فی الشراء کی اس وجہ تقدیم کو پسند نہیں فرمایا اور نا پسندیدگی کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ شرائء جس طرح بیع کے اندر اثبات ملک کی خبر دیتا ہے۔ اسی طرح ثمن سے ملک زائل کرنے کی خبر بھی دیتا ہے اور بیع جس طرح بیع سے ملک زائل کرنے کی خبر دیتا ہے۔ اسی طرح ثمن میں اثبات ملک کی خبر بھی دیتا ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے کہا ہے کہ شرائء جالب للمبیع اور سالب للثمن ہے اور بیع جالب للثمن اور سالب للمبیع ہے یعنی شرائء کے ذریعہ بیع حاصل کیا جاتا ہے اور ثمن کو اپنی ملک سے نکالا جاتا ہے۔ بہر حال اثبات اور ازالہ پر دلالت کرنے میں شرائء اور بیع دونوں برابر ہیں اور جب دونوں برابر ہیں تو وکالت بالشراء کو مقدم کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

مناسب وجہ یہ ہے کہ شرائء کے مسائل بھی کثیر الوقوع ہیں اور ان کی ضرورت بھی زیادہ پیش آتی ہے۔ کیونکہ اکثر لوگ دوسرے کو اپنے کھا۔

پینے اور پہننے کی چیزوں کو خریدنے کے لئے وکیل بناتے ہیں اور فروخت کرنے کے لئے اس درجہ میں وکیل نہیں بناتے۔ پس وکالت بالشراء کے احکام چونکہ کثیر الوقوع ہیں اور ان کی ضرورت بھی زیادہ پڑتی ہے، اس لئے وکالت بالشراء کے احکام کو وکالت بالبیع کے احکام پر مقدم کیا گیا۔

وکیل بالشراء کو جنس اور صفت یا جنس اور انتہائی ثمن بتانا ضروری ہیں

وَمَنْ وَكَّلَ رَجُلًا بِشِرَاءِ شَيْءٍ فَلَا بُدَّ مِنْ تَسْمِيَةِ جَنْسِهِ وَصِفَتِهِ أَوْ جَنْسِهِ وَمَبْلَغِ ثَمَنِهِ لِيَصِيرَ الْفِعْلُ الْمُوَكَّلُ بِهِ مَعْلُومًا فَيُمْكِنُ الْإِيْتِمَارُ إِلَّا أَنْ يُوَكَّلَهُ وَكَالَةً عَامَّةً فَيَقُولُ ابْتَغِ لِي مَا رَأَيْتَ لِأَنَّهُ قَوْضَى الْأَمْرِ إِلَى رَأْيِهِ فَأَيُّ شَيْءٍ يَشْتَرِيهِ يَكُونُ مُمْتَثِلًا وَالْأَصْلُ فِيهِ أَنَّ الْجِهَالََةَ الْيَسِيرَةَ تَتَحَمَّلُ فِي الْوَكَالَةِ كَجِهَالََةِ الْوَصْفِ اسْتِحْسَانًا لِأَنَّ مَبْنَى التَّوَكُّلِ عَلَى التَّوَسُّعِ لِأَنَّهُ اسْتِعَانَةٌ وَفِي اعْتِبَارِ هَذَا الشَّرْطِ بَعْضُ الْحَرَجِ وَهُوَ مَذْفُوعٌ

ترجمہ..... اور اگر کسی نے کسی آدمی کو کسی چیز کے خریدنے کا وکیل کیا تو اس شے کی جنس اور صفت یا اس کی جنس اور اس کا انتہائی ثمن بیان کرنا ضروری ہے تاکہ جس کام کے لئے وکیل کیا گیا ہے وہ معلوم ہو سکے اور تعمیل حکم ممکن ہو سکے۔ مگر یہ کہ اس کو وکالت عامہ سے وکیل کرے اور کہے کہ میرے لئے وہ چیز خرید لے جس کو تو مناسب خیال کرے اس لئے کہ موکل نے معاملہ اس کی رائے کے سپرد کر دیا ہے۔ پس جس چیز کو وہ خریدے گا حکم کی تعمیل قرار پائے گا اور اس میں ضابطہ یہ ہے کہ وکالت میں استحساناً تھوڑی سی جہالت برداشت ہو جاتی ہے جیسے وصف کا مجہول ہونا۔ اس لئے کہ توکیل کا مدار توسع پر ہے کیونکہ وکالت مدد کا طلب کرنا ہے اور اس شرط کا اعتبار کرنے میں کچھ حرج بھی ہے اور اس کو شرعاً دور کر دیا گیا ہے۔

تشریح..... صاحب قدوری نے فرمایا کہ اگر ایک شخص نے دوسرے شخص کو کسی غیر معین چیز کے خریدنے کا وکیل کیا تو موکل کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس شے کی جنس بیان کرے یعنی غلام یا باندی کا ذکر کرے اور اس کی صفت بیان کرے مثلاً یہ کہے کہ وہ ترکی ہو یا ہندی ہو وغیرہ اَلک، یا موکل اس کی جنس بیان کرے اور اس کے ثمن کی مقدار بیان کرے۔ مثلاً یہ کہے کہ پانچ سو روپیہ کا ایک غلام خرید کر لا۔ ہم نے غیر معین چیز کی قید اس لئے ذکر کی ہے کہ اگر کسی معین چیز کو خریدنے کا وکیل کیا ہو تو اس کی جنس اور صفت بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

یہ بھی خیال رہے کہ یہاں جنس سے منطقہ والی جنس مراد نہیں ہے بلکہ فقہاء والی جنس مراد ہے۔ منطقہ کے نزدیک جو چیز نوع ہوتی ہے فقہاء کے نزدیک اس کو جنس کہا جاتا ہے جیسے انسان منطقہ کے نزدیک نوع ہے اور فقہاء کے نزدیک جنس ہے۔ اس کی پوری تفصیل ”قوت الاختیار“ شرح اردو نور الانوار میں خاص اجنس، خاص النوع اور خاص العین کی بحث میں دیکھی جاسکتی ہے۔

بہر حال اگر ایک آدمی نے کسی کو کسی چیز کے خریدنے کا وکیل کیا تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ وہ چیز معین ہوگی یا غیر معین ہوگی۔ اگر معین ہے تو اس میں جنس وغیرہ کسی چیز کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر غیر معین ہے تو اس کی جنس اور نوع کا بیان کرنا ضروری ہے۔ مثلاً موکل وکیل سے یہ کہے کہ ایک ہندی غلام خرید کر لایا یا ایک ترکی غلام خرید کر لایا اس کی جنس بیان کر دے اور اس کی تخمینی قیمت بیان کر دے۔ مثلاً یوں کہے کہ پانچ سو روپیہ کے لگ بھگ قیمت کا ایک غلام خرید لا۔

دلیل..... یہ ہے کہ وہ کام جس کے لئے کیا گیا ہے اس کی تعمیل اسی وقت ممکن ہے جبکہ وہ کام معلوم ہو اور وہ کام، جنس اور صفت بیان کرنے سے یا جنس اور اس کی قیمت بیان کرنے سے معلوم ہوگا۔ لہذا اس کی جنس اور صفت یا اس کی جنس اور قیمت بیان کرنا ضروری ہے لیکن اگر وکالت عامہ کے طور پر وکیل کیا ہے۔ مثلاً یوں کہا ہے جو چیز مناسب معلوم ہو میرے لئے خرید لا تو اس صورت میں نہ جنس بیان کرنا ضروری ہوگا۔ اور نہ صفت بیان کرنا ضروری ہوگا۔ کیونکہ موکل نے معاملہ وکیل کی رائے کے سپرد کیا ہے۔ لہذا وکیل جو چیز خریدے گا۔ موکل کے حکم کی تعمیل کرنے والا ہوگا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ باب وکالت کے سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ وکالت میں استحساناً جہالت یسیرہ (تھوڑی سی جہالت) برداشت ہو

جاتی ہے یعنی اگر کوئی خفیف سی بات معلوم نہ ہو تو وکالت صحیح رہتی ہے۔ مثلاً وصف مجہول ہو اور مؤکل نے کہا کہ ایک غلام خرید کر لے آؤ۔ تو استحساناً وصف مجہول ہونے کے باوجود وکالت درست رہے گی۔ اگرچہ قیاساً درست نہ ہوگی۔ اور رہی جہالت فاحشہ۔ مثلاً مؤکل نے کہا کہ ایک جانور خرید لاؤ۔ تو یہ وکالت میں بالکل برداشت نہیں ہوتی نہ قیاساً اور نہ استحساناً۔ جہالت یسیرہ کے برداشت ہونے میں وجہ قیاس یہ ہے کہ تسوکیل بالبیع والشراء کونفس بیع اور شراء پر قیاس کیا جائے گا۔ کیونکہ تسوکیل بالبیع مؤکل کی طرف سے بائع کے مانند ہوتا ہے۔ اور تسوکیل بالشراء مؤکل کی طرف سے مشتری کے مانند ہوتا ہے۔ اور بیع اور شراء میں جہالت بالکل برداشت نہیں ہوتی۔ نہ جہالت فاحشہ اور نہ جہالت یسیرہ۔ پس اسی طرح وکالت بالشراء والبیع میں بھی مطلقاً جہالت برداشت نہ ہوگی۔

وجہ استحسان یہ ہے کہ تسوکیل کا مدار توسع پر ہے کیونکہ تسوکیل درحقیقت اپنے کام میں دوسرے سے مدد طلب کرنا ہے اور جہالت یسیرہ کا اعتبار کرنے میں ایک گونہ حرج ہے۔ حالانکہ شریعت اسلام نے حرج کو دور فرمایا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے لا حرج فی الدین پس حرج کو دور کرنے کے لئے۔ وکالت میں جہالت یسیرہ کو برداشت کر لیا جائے گا۔

ایک لفظ کئی جنسوں کا احتمال رکھتا ہو وکالت بالشراء درست نہیں ہے

ثُمَّ إِنْ كَانَ اللَّفْظُ يَجْمَعُ أَجْنَاسًا أَوْ مَا هُوَ فِي مَعْنَى الْأَجْنَاسِ لَا يَصِحُّ التَّوَكُّلُ وَإِنْ بَيَّنَّ الثَّمَنُ لِأَنَّ بَذَلِكَ الثَّمَنِ يُوجَدُ مِنْ كُلِّ جَنْسٍ فَلَا يُدْرِي مُرَادُ الْأَمْرِ لِنَفَاحِشِ الْجَهَالَةِ وَإِنْ كَانَ جَنْسًا يَجْمَعُ أَنْوَاعًا لَا يَصِحُّ إِلَّا بَيَانُ الثَّمَنِ أَوْ النَّوْعِ لِأَنَّهُ بِتَقْدِيرِ الثَّمَنِ يَصِيرُ النَّوْعُ مَعْلُومًا وَبِذِكْرِ النَّوْعِ تَقِلُّ الْجَهَالَةُ فَلَا يَمْنَعُ الْإِمْتِثَالُ مِثَالُهُ إِذَا وَكَّلَهُ بِشِرَاءِ عَبْدٍ أَوْ جَارِيَةٍ لَا يَصِحُّ لِأَنَّهُ يَشْمُلُ أَنْوَاعًا فَإِنَّ بَيَانَ النَّوْعِ أَوْ الثَّمَنِ كَالثَّرَكِيِّ أَوْ الْحَبَشِيِّ أَوْ الْهِنْدِيِّ أَوْ السِّنْدِيِّ أَوْ الْمَوْلِدِ جَارٍ وَكَذَا إِذَا بَيَّنَّ الثَّمَنَ لِمَا ذَكَرْنَاهُ وَلَوْ بَيَّنَّ النَّوْعَ أَوْ الثَّمَنَ وَلَمْ يُبَيِّنْ صِفَةَ الْجَوْدَةِ وَالرِّدَائَةِ وَالسَّطَةِ جَارٍ لِأَنَّهُ جِهَالَةٌ مُسْتَدْرِكَةٌ وَمُرَادُهُ مِنَ الصِّفَةِ الْمَذْكُورَةِ فِي الْكِتَابِ النَّوْعُ

ترجمہ..... پھر اگر ایسا لفظ ہو جو کئی جنسوں کو شامل ہے یا ایسی چیز کو شامل ہے جو جنسوں کے معنی میں ہے تو تسوکیل صحیح نہیں ہے۔ اگرچہ ثمن بیان کر دیا ہو کیونکہ اس ثمن کے عوض ہر جنس میں سے پائی جائے گی۔ پس جہالت فاحش ہونے کی وجہ سے مؤکل کی مراد معلوم نہ ہوگی۔ اور اگر ایسی جنس ہے جو انواع کو جامع ہے تو یہ تسوکیل صحیح نہ ہوگی۔ مگر ثمن یا نوع بیان کر دینے سے۔ اس لئے کہ ثمن کا اندازہ کرنے سے نوع معلوم ہو جائے گی اور نوع ذکر کرنے سے جہالت کم ہو جائے گی۔ پس یہ جہالت تعمیل حکم کے لئے مانع نہ ہوگی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جب کسی کو غلام یا باندی خریدنے کے لئے وکیل کیا تو صحیح نہیں ہے اس لئے کہ یہ بہت سی انواع کو شامل ہے۔ پس اگر نوع بیان کر دی جیسے ترکی، حبشی، ہندی، سندھی، مولد تو جائز ہے اور ایسے ہی جب ثمن بیان کر دیا ہو۔ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی ہے اور اگر نوع یا ثمن بیان کیا۔ اور جید ہونا، ردی ہونا اور درمیانی ہونا۔ بیان نہیں کیا تو بھی جائز ہے۔ اس لئے کہ جہالت مستدرک (یسیرہ) ہے۔ اور قدوری میں صفت مذکورہ سے مصنف کی مراد نوع ہے۔

تشریح..... پہلے بیان کیا گیا ہے کہ اگر مؤکل نے اس چیز کی جنس، نوع اور وصف بیان کر دیئے جس کے خریدنے کا اس کو تسوکیل کیا ہے تو یہ وکالت درست ہے اور اگر ان میں سے کسی کو بیان نہیں کیا بلکہ ایسا لفظ ذکر کیا جو بہت سی جنسوں کو شامل ہے۔ مثلاً یہ کہا کہ تو دابہ (چوپایہ) یا کپڑا خرید لایا ایسا لفظ ذکر کیا ہے، جو بہت سی جنسوں کو شامل تو نہیں ہے لیکن بہت سی جنسوں کے معنی میں ہے۔ مثلاً دار (مکان) خریدنے کا تسوکیل کیا یا رقیق (غلام، باندی) خریدنے کا تسوکیل کیا تو یہ وکالت درست نہ ہوگی۔ اگرچہ اس چیز کا ثمن بیان کر دیا ہو۔

دلیل..... یہ ہے کہ مؤکل نے جو ثمن بیان کیا ہے اتنی مالیت کی چیز ہر جنس میں موجود ہے۔ مثلاً مؤکل نے کہا کہ ایک ہزار روپیہ کی مالیت کا چوپایہ

خرید اتو چوپایا کا اطلاق زمین پر چلنے والے ہر جاندار پر ہوتا ہے اور ہر جنس میں ایک ہزار روپیہ کی مالیت کا جانور موجود ہے۔ چنانچہ ایک ہزار روپیہ کی مالیت کی گائے بھی ہوتی ہے، بکری بھی ہوتی ہے، گھوڑا بھی ہوتا ہے، اونٹ بھی ہوتا ہے، بھینس بھی ہوتی ہے۔ پس جب ثمن بیان کرنے سے جہالت دور نہیں ہوئی بلکہ علیٰ حالہ باقی ہے تو اس کثیر جہالت کی وجہ سے وکیل موکل کی مراد پر مطلع نہیں ہو سکا تو وکیل تعمیل حکم پر بھی قادر نہ ہوگا اور جس صورت میں وکیل تعمیل حکم پر قادر نہ ہو چونکہ اس صورت میں وکالت درست نہیں ہوتی اس لئے مذکورہ صورت میں تو وکیل درست نہ ہوگی۔

اور اگر موکل نے ایسا لفظ ذکر کیا جو بہت سی انواع کو شامل ہوتا ہے مثلاً غلام خریدنے کا وکیل کیا یا باندی خریدنے کا وکیل کیا تو یہ وکالت بھی درست نہ ہوگی۔ لیکن اگر اس کا تخمینہ ثمن بیان کیا یا اس کی نوع بیان کر دی تو یہ وکیل درست ہو جائے گی۔ کیونکہ ثمن بیان کر دینے سے نوع معلوم ہو جاتی ہے اور نوع ذکر کرنے سے جہالت کم ہو جاتی ہے۔ پس جب نوع ذکر کرنے سے جہالت کم ہوگئی تو وکیل تعمیل حکم پر قادر ہوگا۔ اور جب وکیل تعمیل حکم پر قادر ہے تو اس صورت میں وکالت بھی درست ہوگی۔ صاحب ہدایہ نے اس کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر ایک شخص نے دوسرے شخص کو غلام خریدنے کے لئے یا باندی خریدنے کے لئے وکیل کیا تو یہ وکالت درست نہیں ہے۔ کیونکہ لفظ غلام اور لفظ باندی بہت سی انواع کو شامل ہے۔ اس لئے کہ غلام اور باندی ترکی بھی ہوتے ہیں۔ حبشی بھی، ہندی بھی، ہندی بھی، اور مولد بھی اور مولد وہ ہے جو مملکت اسلامیہ میں پیدا ہوا ہو۔ بعض نے کہا کہ مولد وہ عجمی شخص ہے جس نے عرب میں پرورش پائی ہو اور بعض نے کہا کہ مولد وہ ہے جس کا باپ ہندی اور ماں عربی ہو۔

بہر حال لفظ غلام اور لفظ باندی جب بہت سی انواع کو شامل ہے تو جہالت فاحشہ کی وجہ سے وکیل تعمیل حکم پر قادر نہ ہوگا۔ اور جب وکیل کے لئے موکل کے حکم کی تعمیل ناممکن ہوتی ہے۔ تو وکالت درست نہیں ہوتی۔ لہذا مذکورہ صورت میں بھی وکالت درست نہ ہوگی۔ ہاں اگر اس کی نوع بیان کر دی۔ مثلاً یہ کہا کہ ترکی غلام خرید کر لایا حبشی وغیرہ وغیرہ تو یہ وکیل جائز ہے۔ اور اسی طرح اگر نوع تو بیان نہیں کی لیکن اس کا تخمینہ ثمن بیان کر دیا تو بھی مذکورہ دلیل کی وجہ سے وکیل درست ہو جائے گی اور اگر موکل نے نوع بیان کر دی یا تخمینہ ثمن بیان کر دیا لیکن اس کا جید ہونا یا بادی ہونا یا درمیانی ہونا بیان نہیں کیا تو بھی وکیل جائز ہے۔ کیونکہ جہالت کی یہ مقدار اتنی کم ہے جس کو وکالت برداشت کر لیتی ہے اور اتنی مقدار جہالت کی وکالت کے باب میں کوئی پروا نہیں کی جاتی۔ لہذا اس جہالت کے باوجود وکالت درست ہوگی۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ متن میں صفت سے امام قدوریؒ کی مراد نوع ہے۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ وکالت بالشراء کے لئے شئیء کی جنس اور نوع کا بیان کرنا ضروری ہے اور یہ بات بیان کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی۔ تاکہ صاحب قدوری کا کلام صاحب ہدایہ کے بیان کردہ قاعدہ شرعیہ کے موافق ہو جائے اور تمام مشائخ کی تصریحات کے موافق ہو جائے کیونکہ مشائخ نے جنس اور نوع کا بیان کرنا ہی ضروری قرار دیا ہے۔

وکیل بالشراء کو کہا کہ میرے لئے کپڑا یا چوپایہ یا مکان خرید تو وکالت جہالت فاحشہ کی وجہ سے باطل ہے

وَفِي الْجَامِعِ الصَّغِيرِ مَنْ قَالَ لِأَخِي اشْتَرِ لِي ثَوْبًا أَوْ دَابَّةً أَوْ دَارًا فَلَوْ كَالَهُ بِاطْلَةِ لِلْجِهَالَةِ الْفَاحِشَةِ فَإِنَّ الدَّابَّةَ فِي حَقِيقَةِ اللُّغَةِ اسْمٌ لِمَا يَدْبُ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ وَفِي الْعُرْفِ يُطْلَقُ عَلَى الْخَيْلِ وَالْجِمَارِ وَالْبَغْلِ فَقَدْ جَمَعَ أَجْنَاسًا وَكَذَا الثَّوْبُ لِأَنَّهُ يَتَنَاوَلُ الْمَلْبُوسَ مِنَ الْأَطْلَسِ إِلَى الْكِسَاءِ وَلِهَذَا لَا يَصِحُّ تَسْمِيَتُهُ مَهْرًا وَكَذَا الدَّارُ تَشْمَلُ مَا هُوَ فِي مَعْنَى الْأَجْنَاسِ لِأَنَّهَا تَخْتَلِفُ اخْتِلَافًا فَاحِشًا بِاخْتِلَافِ الْأَعْرَاضِ وَالْجِيرَانِ وَالْمَرَافِقِ وَالْمَحَالِ وَالْبُلْدَانِ فَيَتَعَدَّرُ الْإِمْتِنَانُ

ترجمہ..... اور جامع صغیر میں ہے کہ اگر کسی نے دوسرے سے کہا کہ تو میرے لئے کپڑا یا چوپایہ یا مکان خرید کر تو جہالت فاحشہ کی وجہ سے وکالت

باطل ہے کیونکہ دابہ حقیقت لغویہ کے اعتبار سے اس چیز کا نام ہے جو زمین پر چلتا ہے اور عرف میں گھوڑے، گدھے اور خچر پر بولا جاتا ہے۔ پس یہ لفظ کئی جنسوں کو ضائع ہے اسی طرح کپڑا اس لئے کہ وہ اعلیٰ کپڑے سے لے کر ادنیٰ کپڑے تک ہر ایسی چیز کو شامل ہے جو پہنی جائے اس وجہ سے کپڑے کو مہرباننا درست نہیں ہے اور اسی طرح داران چیزوں کو شامل ہے جو اجناس کے معنی میں ہیں۔ اس لئے کہ دار، مقاصد، پڑوسیوں، منافع، محلوں اور شہروں کے اعتبار سے بہت مختلف ہوتا ہے۔ لہذا تعمیل مستعذر ہوگی۔

تشریح..... صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ مؤکل اگر ایسا لفظ ذکر کرے جو بہت سی جنسوں کو شامل ہو تو جامع صغیر میں اس کی صورت اس طرح مذکور ہے اگر کسی نے دوسرے آدمی سے کہا کہ تو میرے لئے کپڑا خرید کر لایا چو پایہ خرید کر لایا مکان خرید کر دے تو یہ وکالت باطل ہے۔ اگرچہ مؤکل تخمینہ شمن بھی بیان کر دے۔ اس کے باوجود اگر وکیل نے خرید کیا تو یہ خریدنا خود وکیل کے لئے ہوگا۔ مؤکل کے لئے نہ ہوگا۔

دلیل..... یہ ہے کہ لفظ دابہ، ثوب، اور دار میں جہالت فاحشہ ہے اس طور پر کہ دابہ کے لغت کے اعتبار سے حقیقی معنی اس چیز کے ہیں جو زمین پر چلتی ہو اور عرف میں دابہ کا اطلاق گھوڑے، گدھے اور خچر پر ہوتا ہے۔ بہر صورت دابہ کے حقیقی معنی مراد ہوں یا عرفی معنی دونوں صورتوں میں لفظ دابہ مختلف جنسوں کو شامل ہے۔ اور کسی لفظ کا مختلف قسم کی جنسوں کو شامل ہونا اس بات کی علامت ہے کہ اس لفظ میں فاحش اور کثیر جہالت ہے۔ اسی طرح لفظ ثوب (کپڑا) چونکہ اطلس (ریشمی کپڑے) یعنی اعلیٰ قسم کے کپڑے سے لے کر ادنیٰ قسم کے کپڑے تک ہر طرح کے پہنے جانے والے کپڑے کو شامل ہے۔ اس لئے ثوب کے لفظ میں بھی کثیر اور فاحش جہالت ہوگی سی جہالت فاحشہ کی وجہ سے (ثوب) کپڑے کو مہر قرار دینا درست نہیں ہے۔ یعنی کپڑے کے لفظ سے اگر مہربان کیا تو یہ معتبر نہ ہوگا۔ بلکہ مہر مثل لازم ہوگا۔ بہر حال کپڑے کا لفظ بھی چونکہ مختلف اجناس کو شامل ہے۔ اس لئے کپڑے کے لفظ میں بھی جہالت فاحشہ ہے۔

اسی طرح لفظ دار (مکان) اگرچہ حقیقتاً مختلف اجناس کو شامل نہیں ہوتا لیکن ایسے مکانوں کو شامل ہوتا ہے جو مختلف اجناس کے معنی میں ہیں کیونکہ مکانوں میں مالیت کے اعتبار سے بہت زیادہ تفاوت ہوتا ہے۔ اس طور پر کہ مکانوں کی اغراض مختلف ہوتی ہیں۔ مثلاً ایک مکان کاروباری دفتر کے لئے موزوں ہے مگر رہائش کے لئے مناسب نہیں ہے اور اس کا برعکس اور پڑوسیوں کے اعتبار سے بھی مکان مالیت میں متفاوت ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک مکان ایسا ہے جس کے پڑوس میں شریف لوگ، بھلے لوگ آباد ہیں اور ایک مکان ایسا ہے جس کے پڑوس میں انتہائی ناخوار اور گھٹیا قسم کے لوگ آباد ہیں۔ ان دونوں مکانوں کی قیمتیں متفاوت ہوں گی۔ منافع کے اعتبار سے بھی مکان مالیت میں متفاوت ہوتے ہیں۔ مثلاً ایک مکان ایسا ہے جس میں دھوپ بھی آتی ہے اور ہوا بھی مسجد سے بھی قریب ہے اور شاہراہ سے بھی۔ اور ایک مکان ایسا ہے جس میں یہ سہولتیں میسر نہیں ہیں۔ تو ان دونوں مکانوں کی بھی قیمتیں متفاوت ہوں گی۔ محلوں کے اعتبار سے بھی مالیت میں تفاوت ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک مکان ایسے محلہ میں واقع ہے جہاں گندگی اور تعفن رہتا ہے اور ایک مکان ایسے محلہ میں واقع ہے جہاں صفائی، ستھرائی کا معقول نظم ہے اور شہری سہولتیں بھی فراہم ہیں۔ تو ان دونوں مکانات میں بھی مالیت کے اعتبار سے تفاوت ہوگا۔ اور شہروں کے اعتبار سے بھی مکانات کی مالیت میں تفاوت ہوتا ہے۔ چنانچہ جو مکان دہلی جیسے شہر میں ہے اس کی مالیت اسی درجہ کے اس مکان سے بہت زیادہ ہوگی۔ جو دیوبند جیسے شہر میں ہے۔ بہر حال جب ان وجوہ سے مکانات مالیت کے اعتبار سے متفاوت ہیں تو لفظ دار چونکہ ہر طرح کے مکان کو شامل ہے اس لئے لفظ دار اگرچہ حقیقتاً مختلف اجناس کے مکانوں کو شامل نہیں ہے لیکن یہ مکانات مالیت کے تفاوت کی وجہ سے مختلف اجناس کے معنی میں ضرور ہیں۔ اور اسی وجہ سے لفظ دار میں جہالت فاحشہ ہے اور جب دابہ، ثوب، اور دار کے الفاظ سے خرید کرنے کا امر کرنے میں جہالت فاحشہ ہے تو اس جہالت فاحشہ کی وجہ سے وکیل کے واسطے تعمیل حکم کرنا بھی مستعذر اور ناممکن ہوگا اور جب وکیل کے لئے تعمیل حکم مستعذر ہے تو یہ وکالت باطل ہو جائے گی اور رہائش کا بیان کرنا تو اس سے بھی جہالت دور نہ ہوگی کیونکہ اس شخص کی مالیت کی چیز ہر جنس میں موجود ہے اور جب ہر جنس میں اتنی مالیت کی چیز موجود ہے تو شمن کے بیان کرنے سے وکیل، مؤکل کی مراد کو نہ سمجھ سکے گا اور جب وکیل، مؤکل کی مراد سے واقف نہ ہو سکے گا تو وہ تعمیل حکم پر بھی قادر نہ ہوگا اور جب وکیل تعمیل حکم پر قادر نہیں ہوا تو مؤکل کے

ثمن بیان کرنے کے باوجود وکالت باطل ہو جائے گی۔

موکل نے گھر کا ثمن اور کپڑے اور دار کی نوع بیان کر دی تو وکالت جائز ہے

قَالَ وَإِنْ سَمَّى ثَمَنَ الدَّارِ وَوَصَفَ جِنْسَ الدَّارِ وَالثَّوْبِ جَارَ مَعْنَاهُ نَوْعَهُ وَكَذَا إِذَا سَمَّى نَوْعَ الدَّابَّةِ بِأَنَّ قَالَ حِمَارًا أَوْ نَحْوَهُ

ترجمہ..... اور اگر موکل نے دار کا ثمن بیان کر دیا اور دار اور کپڑے کی نوع بیان کر دی تو جائز ہے اور جنس سے مراد نوع ہے اور اگر اسی طرح دابہ کی نوع بیان کر دی باس طور کہا کہ وہ گدھایا اس کے مانند ہے۔

تشریح..... امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا کہ دار (مکان) خریدنے کے لئے اگر موکل نے دار کا تخمینہ ثمن بھی بیان کر دیا اور اس کی نوع بھی بیان کر دی۔ مثلاً یہ کہا کہ فلاں محلہ میں تقریباً دس ہزار روپیہ کی مالیت کا میرے لئے ایک مکان خرید لے تو یہ وکالت جائز ہے۔ اور ایسے ہی اگر کپڑا خریدنے کے لئے وکیل کیا اور کپڑے کی نوع بیان کر دی تو یہ وکیل بھی جائز ہے۔ اسی طرح اگر دابہ (چوپایہ) خریدنے کے لئے وکیل کیا اور اس کی نوع بیان کر دی۔ مثلاً یہ کہا کہ میرے لئے ایک گھوڑا یا ایک گدھا خرید لے تو یہ وکیل جائز ہے۔

دلیل..... اس کی دلیل یہ ہے کہ دار اور ثوب اور دابہ کی نوع بیان کرنے سے اس کی جہالت ایک گونہ مرتفع ہو جاتی ہے۔ اور خفیف سی جہالت باقی رہ جاتی ہے اور سابق میں گذر چکا ہے کہ خفیف سی جہالت جواز وکالت کے لئے مانع نہیں ہوتی۔ لہذا مذکورہ صورتوں میں بیان نوع کے بعد وکالت درست ہو جائے گی۔

متن میں جنس سے نوع مراد ہے خادم نے ترجمہ و تشریح میں اسی کی رعایت کی ہے۔ علامہ ابن الہمامؒ نے نہایہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جامع صغیر کی روایت، مبسوط کی روایت کے مخالف ہے۔ اس لئے کہ مبسوط کی روایت کے مطابق جواز وکالت کے لئے دار کا تخمینہ ثمن بیان کرنے کے بعد اس کی نوع کا بیان کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ ثمن کا بیان کر دینا کافی ہے۔ اور جامع صغیر کی روایت کے مطابق دار کا ثمن بیان کرنا کافی نہیں ہے بلکہ اس کی نوع کا بیان کرنا بھی ضروری ہے۔

کسی شخص نے دوسرے کو دراہم دیئے اور کہا ان کے عوض میرے لئے

طعام خرید تو استحساناً گندم اور اس کے آٹے پر اطلاق ہوگا

قَالَ وَمَنْ دَفَعَ إِلَى آخَرَ دَرَاهِمَ وَقَالَ اشْتَرِ لِي بِهَا طَعَامًا فَهُوَ عَلَى الْحِنْطَةِ وَدَقِيقِهَا اسْتِحْسَانًا وَالْقِيَاسُ أَنْ يَكُونَ عَلَى كُلِّ مَطْعُومٍ اعْتِبَارًا لِلْحَقِيقَةِ كَمَا فِي الْيَمِينِ عَلَى الْأَكْلِ إِذَا الطَّعَامُ اسْمٌ لِمَا يُطْعَمُ وَجَهُ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّ الْعُرْفَ أَمْلَكَ وَهُوَ عَلَى مَا ذَكَرْنَاهُ إِذَا ذُكِرَ مَقْرُونًا بِالْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ وَلَا عُرْفٌ فِي الْأَكْلِ فَبَقِيَ عَلَى الْوَضْعِ وَقِيلَ إِنَّ كَثُرَتِ الدَّرَاهِمُ فَعَلَى الْحِنْطَةِ وَإِنْ قَلَّتْ فَعَلَى الْخُبْزِ وَإِنْ كَانَ فِيمَا بَيْنَ ذَلِكَ فَعَلَى الدَّقِيقِ

ترجمہ..... اگر کسی شخص نے دوسرے کو دراہم دیئے اور کہا کہ میرے لئے ان کے عوض طعام خرید کر تو یہ استحساناً گندم اور اس کے آٹے پر واقع ہوگا۔ اور قیاس یہ ہے کہ حقیقت کا اعتبار کرتے ہوئے ہر مطعم پر واقع ہوگا۔ جیسے کھانے کی قسم میں ہوتا ہے اس لئے کہ طعام اس چیز کا نام ہے جو کھائی جاتی ہو اور وجہ استحسان یہ ہے کہ عرف زیادہ قوی اور رائج ہے اور عرف وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا۔ جبکہ خرید و فروخت کے ساتھ ملا کر ذکر کیا جائے اور کھانے میں کوئی عرف نہیں ہے۔ لہذا وہ اصل وضع پر باقی رہے گا اور کہا گیا کہ اگر دراہم کثیر ہوں تو وکالت گندم پر واقع ہوگی اور اگر کم ہوں تو روٹی پر واقع ہو

گی۔ اور درمیانی ہوں تو آٹے پر واقع ہوگی۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے آدمی کو دراہم دیئے دراہم خواہ کثیر ہوں خواہ قلیل ہوں اور یہ کہا کہ ان کے عوض میرے لیے طعام خرید لا۔ تو یہ وکالت استحساناً گندم اور اس کے آٹے پر واقع ہوگی۔ یعنی وکیل صرف گندم یا آٹا خرید کر لانے کا مجاز ہوگا۔ ان کا علاوہ دوسرا غلہ خریدنے کا مجاز نہ ہوگا۔ اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ وکالت ہر اس چیز پر واقع ہوگی جس کو خذاء کے طور پر کھایا جاتا ہے۔

وجہ قیاس..... یہ ہے کہ طعام کا لفظ ہر اس چیز پر بولا جاتا ہے۔ جس کو کھایا جاتا ہو پس طعام کی حقیقت کا اعتبار کرتے ہوئے ہر مطعوم پر وکالت واقع ہوگی۔ جیسے اگر کسی شخص نے یہ قسم کھائی کہ میں طعام نہیں کھاؤں گا تو یہ شخص ہر طعام کے کھانے سے حائث ہو جائے گا۔ خواہ گندم یا اس کا آٹا ہو یا اس کے علاوہ پھل وغیرہ کوئی دوسری چیز ہو۔ پس جس طرح یخین میں طعام کا لفظ ہر معلوم پر واقع ہے۔ اسی طرح وکالت میں بھی طعام کا لفظ ہر مطعوم پر واقع ہوگا۔ وجہ استحسان یہ ہے کہ طعام کا لفظ یخین علی الاکل پر قیاس کرتے ہوئے اگرچہ ہر مطعوم پر بولا جاتا ہے۔ لیکن عرف میں لفظ طعام جب بیع اور شراء کے ساتھ ملا کر بولا جائے۔ مثلاً یوں کہا جائے کہ طعام فروخت کر دیا یا طعام خرید لیا تو اس وقت طعام سے گندم اور اس کا آٹا ہی مراد ہوتا ہے۔ پس قیاس کے اعتبار سے طعام کا اطلاق ہر مطعوم پر ہوتا ہے اور عرف کے اعتبار سے صرف گندم اور اس کے آٹے پر ہوتا ہے۔ اور عرف چونکہ قیاس کی بہ نسبت اقویٰ اور رائج ہوتا ہے۔ اس لئے عرف پر عمل کرتے ہوئے وکالت بالطعام گندم اور اس کے آٹے پر واقع ہوگی۔ اور کھانے کے سلسلہ میں چونکہ کوئی عرف نہیں ہے بلکہ ہر کھانے کے لائق چیز کو کھایا جاتا ہے۔ اس لئے طعام نہ کھانے کی قسم کی صورت میں اپنی اصل اور حقیقت پر باقی رہے گا اور ہر مطعوم کے کھانے سے حائث ہو جائے گا۔ علامہ ابن الہمام نے تحریر کیا ہے کہ طعام کی بیع اور شراء کے موقع پر عرف میں طعام سے گندم اور اس کا آٹا مراد ہونا یہ عرف صرف اہل کوفہ کا ہے۔ کیونکہ اہل کوفہ کے یہاں گندم اور اس کے آٹے کے بازار کا نام سوق طعام تھا۔ ورنہ ان کے علاوہ کے عرف میں ہر مطعوم پر طعام کا لفظ بولا جاتا ہے اور شراء بالطعام کی وکالت ہر طرح کے طعام پر واقع ہوگی۔

ہمارے عرف میں بھی طعام ہر ایسی چیز پر بولا جاتا ہے جو بالفعل بطور غذا کھانے کے لائق ہو۔ اسی پر فتویٰ ہے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ بعض حضرات مثلاً فقیر ابو جعفر نے کہا کہ مؤکل نے اگر شراء بالطعام کا وکیل کیا اور دراہم زیادہ مقدار میں ذکر کیئے تو یہ وکالت گندم پر واقع ہوگی اور اگر دراہم کم مقدار میں ذکر کیئے تو وکالت روٹیوں پر واقع ہوگی اور اگر درمیانی مقدار دراہم ذکر کیئے تو وکالت آٹے پر واقع ہوگی۔ یہ واضح رہے کہ دراہم کی کثرت، قلت اور اوسط کا فیصلہ بھی عرف کے ذریعہ ہوگا۔ اور عرف ہر جگہ اور ہر زمانہ کا مختلف ہوتا ہے۔

وکیل نے چیز خرید کر قبضہ کیا پھر عیب پر مطلع ہوا تو عیب کی وجہ سے رد کر سکتا ہے

قَالَ وَإِذَا اشْتَرَى الْوَكِيلُ وَقَبِضَ ثُمَّ اطَّلَعَ عَلَى عَيْبٍ فَلَهُ أَنْ يَرُدَّهُ بِالْعَيْبِ مَا دَامَ الْمَبِيعُ فِي يَدِهِ لِأَنَّهُ مِنْ حَقُوقِ الْعَقْدِ وَهِيَ كُلُّهَا إِلَيْهِ فَإِنْ سَلَّمَهُ إِلَى الْمُوَكَّلِ لَمْ يَرُدَّهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ لِأَنَّهُ انْتَهَى حُكْمُ الْوَكَالَةِ وَلَا نَّ فِيهِ ابْطَالُ يَدِهِ الْحَقِيقِيَّةِ فَلَا يَتِمَّكُنْ مِنْهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ وَلِهَذَا كَانَ خَصْمًا لِمَنْ يَدْعَى فِي الْمُشْتَرَى دَعْوَى كَالشَّفِيعِ وَغَيْرِهِ قَبْلَ التَّسْلِيمِ إِلَى الْمُوَكَّلِ لَا بَعْدَهُ

ترجمہ..... اور اگر وکیل نے خرید کر قبضہ کر لیا پھر عیب پر مطلع ہوا تو اس کے لئے عیب کی وجہ سے اس کو واپس کرنے کا اختیار ہے بشرطیکہ بیع اس کے قبضہ میں ہو۔ اس لئے کہ عیب کی وجہ سے بیع کو واپس کرنا حقوق عقد میں سے ہے۔ اور تمام حقوق عقد وکیل کی طرف عود کرتے ہیں۔ پس اگر وکیل نے بیع مؤکل کے سپرد کردی ہو تو وکیل عیب کی وجہ سے اس کو واپس نہیں کر سکتا ہے مگر مؤکل کی اجازت سے اس لئے کہ وکالت کا حکم پورا ہو چکا ہے اور اس لئے کہ واپس کرنے میں مؤکل کا حقیقی قبضہ باطل ہو جاتا ہے۔ پس وکیل بغیر مؤکل کی اجازت کے اس پر قادر نہیں ہوگا۔ اسی وجہ سے وکیل

مؤکل کی طرف سپرد کرنے سے پہلے اس شخص کا مدعی علیہ ہوگا جو خرید کردہ چیز میں دعویٰ کرتا ہے جیسے شفع وغیرہ۔ نہ کہ سپرد کرنے کے بعد۔
تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر وکیل بالشراء نے مؤکل کے حکم کے مطابق کوئی چیز خرید کر اس پر قبضہ کر لیا۔ پھر بیع کے کسی عیب پر مطلع ہوا تو اس کی دو صورتیں ہیں۔

بیع وکیل کے قبضہ میں ہوگی یا وکیل، مؤکل کے حوالہ کر چکا ہوگا۔ اگر بیع وکیل کے قبضہ میں ہے تو وکیل خیار عیب کے تحت بغیر مؤکل کی اجازت کے اس بیع کو بائع کی طرف واپس کر سکتا ہے۔ کیونکہ عیب کی وجہ سے بیع کو واپس کرنا حقوق عقد میں سے ہے اور جملہ حقوق عقد وکیل کی طرف لوٹتے ہیں۔ لہذا وکیل عیب کی وجہ سے بیع بائع کی طرف واپس کرنے کا مجاز ہوگا۔ اور اگر وکیل بیع مؤکل کے سپرد کر چکا تو وکیل کو بغیر مؤکل کی اجازت کے بیع بائع کی طرف واپس کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔ کیونکہ بیع، مؤکل کے سپرد کرنے سے وکالت کا حکم پورا ہو چکا ہے اور جب وکالت کا حکم پورا ہو چکا ہے تو وکالت ختم ہوگئی اور وکیل ایک اجنبی شخص ہو گیا اور جب وکیل اجنبی ہو گیا تو اس کو مؤکل کی اجازت کے بغیر بیع واپس کرنے کا کوئی اختیار نہ ہوگا۔

دوسری دلیل..... یہ ہے کہ بیع جب مؤکل کے سپرد کر دی گئی تو اس پر مؤکل کا حقیقی قبضہ ثابت ہو گیا اب اگر وکیل اس کو بائع کی طرف واپس کرتا ہے تو اس سے مؤکل کے حقیقی قبضہ کا باطل کرنا لازم آئے گا۔ حالانکہ بغیر قابض کی اجازت کے کوئی شخص اس کے قبضہ کو باطل کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ اس صورت میں وکیل بغیر مؤکل کی اجازت کے بیع، بائع کی طرف واپس کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ چونکہ وکیل مؤکل کی طرف بیع سپرد کرنے سے پہلے بائع کی طرف بیع واپس کر سکتا ہے اور سپرد کرنے کے بعد واپس نہیں کر سکتا ہے اس لئے اگر خرید کردہ چیز میں کسی نے حق شفعہ یا استحقاق کا دعویٰ کیا تو وکیل اس دعویٰ میں اس وقت مدعی علیہ ہوگا جبکہ وکیل نے بیع مؤکل کی طرف سپرد نہ کی ہو اور اگر وکیل بیع مؤکل کے حوالہ کر چکا ہے تو وکیل مدعی علیہ نہ ہوگا بلکہ مدعی علیہ ہوگا۔

عقد صرف اور سلم میں وکالت جائز ہے

قَالَ وَيَجُوزُ التَّوَكُّلُ بِعَقْدِ الصَّرْفِ وَالسَّلَمِ لِأَنَّهُ عَقْدٌ يَمْلِكُهُ بِنَفْسِهِ فَيَمْلِكُ التَّوَكُّلُ بِهِ دَفْعًا لِلْحَاجَةِ عَلَى مَأْمَرٍ وَمُرَادُهُ التَّوَكُّلُ بِالْإِسْلَامِ دُونَ قَبُولِ السَّلَمِ لِأَنَّ ذَلِكَ لَا يَجُوزُ فَإِنَّ التَّوَكُّلَ يَنْبَغُ طَعَامًا فِي ذِمَّتِهِ عَلَى أَنْ يَكُونَ الثَّمَنُ لغيرِهِ وَلِهَذَا لَا يَجُوزُ

ترجمہ..... اور عقد صرف اور سلم کے لئے وکیل کرنا جائز ہے۔ اس لئے کہ یہ ایسا عقد ہے جس کو مؤکل خود کر سکتا ہے۔ پس حاجت دور کرنے کے لئے اس کے واسطے وکیل کرنے کا بھی اختیار ہوگا۔ جیسا کہ گذر چکا اور مصنف کی مراد عقد سلم کرنے کے لئے وکیل کرنا ہے نہ کہ عقد سلم قبول کرنے کے لئے کیونکہ یہ تو وکیل جائز نہیں ہے اس لئے کہ وکیل ایسا غلہ بیچے گا جو اس کے ذمہ میں ہو اس شرط پر کہ ثمن اس کے غیر کے لئے ہو اور یہ بات جائز نہیں ہے۔
تشریح..... صاحب قدوری نے فرمایا کہ عقد صرف اور عقد سلم کے لئے وکیل کرنا جائز ہے یعنی اگر کسی شخص نے عقد صرف اور یا عقد سلم منعقد کرنے کا کسی کو وکیل کیا تو جائز ہے۔

دلیل..... یہ ہے کہ مؤکل عقد صرف اور عقد سلم بذات خود منعقد کرنے کا مالک ہے اور اول باب وکالت میں گذر چکا ہے کہ انسان جس عقد کو خود منعقد کر سکتا ہے ضرورت دور کرنے کے لئے اس کے واسطے دوسرے کو وکیل بھی کر سکتا ہے۔ پس جب مؤکل عقد صرف اور عقد سلم بذات خود منعقد کر سکتا ہے تو اس کے لئے وکیل کرنے کا مالک بھی ہوگا۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ ایک تو عقد سلم کو منعقد کرنا ہے اور ایک عقد سلم کو قبول کرنا ہے۔ عقد سلم کو منعقد کرنا تو ب السلم کی طرف سے ہوتا ہے

اور قبول کرنا مسلم الیہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ پس متن میں مصنفؒ کی مراد یہ ہے کہ عقد سلم منعقد کرنے کے لئے رب السلم وکیل کر سکتا ہے لیکن عقد سلم قبول کرنے کے لئے مسلم الیہ کی طرف سے وکیل کرنا جائز نہیں ہے۔

عدم جواز کی دلیل یہ ہے کہ مسلم الیہ کا وکیل ایسا اناج فروخت کرے گا جو اس کے ذمہ میں ادھار ہوگا۔ کیونکہ مسلم فیہ مسلم الیہ کے ذمہ میں ادھار ہوتی ہے لیکن جب مسلم الیہ نے وکیل مقرر کر لیا اور وکیل ہی نے عقد سلم کو قبول کیا ہے تو مسلم فیہ وکیل کے ذمہ میں ادھار ہوگی۔ اس شرط پر کہ دشمن دوسرے کے لئے یعنی موکل کے لئے ہو۔ حالانکہ یہ ناجائز ہے کیونکہ اگر کوئی شخص اپنی مملوکہ چیز کو اس شرط پر فروخت کرے کہ دشمن دوسرے کے لئے ہو تو یہ ناجائز ہے۔ پس اسی طرح اگر دین یعنی مسلم فیہ وکیل اپنے ذمہ میں واجب کرے اور دشمن موکل کے لئے ہو تو یہ بھی ناجائز ہوگا۔

اعتراض لیکن اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اول باب میں بیان کردہ قاعدہ کے مطابق مسلم الیہ کی طرف سے عقد سلم قبول کرنے کے لئے وکیل کرنا بھی ناجائز ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ انسان جس کام کو خود کر سکتا ہے اس کے واسطے وکیل بھی کر سکتا ہے۔ پس جب مسلم الیہ عقد سلم خود قبول کر سکتا ہے تو اس کو قبول کرنے کے لئے وکیل کرنا بھی جائز نہ ہونا چاہئے تھا۔

جواب اس کا جواب یہ ہے کہ قیاس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ مسلم الیہ بھی عقد سلم قبول کرنے کا مجاز نہ ہو کیونکہ عقد سلم میں مسلم فیہ (شیع) معدوم ہونے کی وجہ سے عقد سلم ناجائز ہونا چاہئے تھا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کی حدیث ان النبی ﷺ نہی عن بیع ما لیس عند الانسان ورخص فی السلم کی وجہ سے مفلسوں کی حاجت دور کرنے کے لئے۔ خلاف قیاس عقد سلم شروع کیا گیا ہے اور جو چیز خلاف قیاس نص سے ثابت ہوتی ہے وہ مورد نص پر منحصر رہتی ہے۔ اس پر دوسرے کو قیاس کرنا درست نہیں ہوتا ہے۔ لہذا عقد سلم کو خلاف قیاس مسلم الیہ تو قبول کرنے کا مجاز ہے لیکن اس کے لئے وکیل کرنا جائز نہیں ہے۔

وکیل قبضہ سے پہلے اپنے ساتھی سے جدا ہو گیا تو عقد باطل ہے

فَإِنْ فَارَقَ الْوَكِيلُ صَاحِبَهُ قَبْلَ الْقَبْضِ بَطَلَ الْعَقْدُ لِوُجُودِ الْإِفْتِرَاقِ مِنْ غَيْرِ قَبْضٍ وَلَا يُعْتَبَرُ مُفَارَقَةُ الْمُوَكَّلِ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِعَاقِدٍ وَالْمُسْتَحَقُّ بِالْعَقْدِ قَبْضُ الْعَاقِدِ وَهُوَ الْوَكِيلُ فَيَصِحُّ قَبْضُهُ وَإِنْ كَانَ لَا يَتَعَلَّقُ بِهِ الْحُقُوقُ كَالصَّبِيِّ وَالْعَبْدِ الْمَحْجُورِ عَلَيْهِ بِخِلَافِ الرَّسُولَيْنِ لِأَنَّ الرِّسَالَةَ فِي الْعَقْدِ لَا فِي الْقَبْضِ وَيَنْتَقِلُ كَلَامُهُ إِلَى الْمُرْسِلِ فَصَارَ قَبْضُ الرَّسُولِ قَبْضُ غَيْرِ الْعَاقِدِ فَلَمْ يَصِحَّ

ترجمہ پس اگر وکیل قبضہ کرنے سے پہلے اپنے ساتھی سے جدا ہو گیا تو عقد باطل ہو جائے گا کیونکہ بغیر قبضہ کے جدا ہونا پایا گیا اور موکل کا جدا ہونا معتبر نہیں ہے۔ کیونکہ موکل عقد کرنے والا نہیں ہے اور عقد کی وجہ سے قبضہ کا مستحق عائد ہوتا ہے اور وہ وکیل ہے پس وکیل ہی کا قبضہ صحیح ہوگا۔ اگرچہ اس کے ساتھ حقوق متعلق نہ ہوتے ہوں جیسے بچہ وغیرہ مازون، غلام، برخلاف ایلیچوں کے اس لئے کہ ایلیچی کرنا عقد کرنے کے لئے ہے نہ کہ قبضہ کرنے کے لئے اور ایلیچی کا کلام بھیجنے والے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ پس چونکہ ایلیچی کا قبضہ کرنا غیر عائد کا قبضہ کرنا ہوا۔ اس لئے یہ قبضہ صحیح نہ ہوگا۔

تشریح صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر عقد صرف یا عقد سلم کرنے والا وکیل اور اس کا وہ ساتھی جس نے اس کے ساتھ عقد صرف یا عقد سلم کیا ہے قبضہ کرنے سے پہلے دونوں جدا ہو گئے تو یہ عقد باطل ہو جائے گا۔ کیونکہ عقد صرف کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ مجلس عقد میں دونوں عوضوں پر قبضہ متحقق ہو جائے اور عقد سلم درست ہونے کی شرط یہ ہے کہ مجلس عقد میں رأس المال پر مسلم الیہ کا قبضہ متحقق ہو جائے۔ پس جب وکیل اور دوسرا عائد قبضہ کئے بغیر مجلس سے جدا ہو گئے تو عقد صرف اور عقد سلم کے صحیح ہونے کی شرط نہیں پائی گئی اور جب شرط صحت نہیں پائی گئی تو عقد صرف اور عقد سلم باطل ہو جائے گا۔

صاحب قدوری کہتے ہیں کہ قبضہ کرنے سے پہلے مجلس عقد سے موکل کے جدا ہونے کا اعتبار نہ ہوگا۔ اس لئے کہ موکل عائد نہیں ہوتا اور عقد

کی وجہ سے قبضہ کا مستحق عائد ہوتا ہے اور عائد وکیل ہے۔ لہذا بدل صرف پروکیل کا قبضہ صحیح ہوگا۔ نہ کہ موکل کا وکیل خواہ ان لوگوں میں سے ہو جن کے ساتھ حقوق عقد متعلق ہوتے ہیں۔ جیسے بالغ، عبد، ماذون، لہ فی التجارہ۔ خواہ ان لوگوں میں سے ہو جن کے ساتھ حقوق عقد متعلق نہیں ہوتے جیسے نابالغ اور عبد غیر ماذون لہ اور قبضہ کا مستحق عائد اس لئے ہوتا ہے کہ عقد صرف میں قبضہ عقد کا اور عبد غیر ماذون لہ تمتہ اور تکملہ ہوتا ہے۔ لہذا جس سے عقد صرف صادر ہوگا اسی کی طرف سے قبضہ بھی صحیح ہوگا اور مذکورہ صورت میں چونکہ عقد صرف وکیل سے صادر ہوا ہے۔ اس لئے قبضہ بھی وکیل کا صحیح ہوگا اور جب قبضہ وکیل کا صحیح ہے تو مجلس عقد سے اسی کا جدا ہونا معتبر ہوگا۔ موکل کا جدا ہونا معتبر نہ ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر کسی نے عقد صرف یا عقد سلم منعقد کرنے کے لئے کسی کو اپنی بنا دیا تو بدل صرف پر اپنی کا قبضہ کرنا صحیح نہ ہوگا۔ چنانچہ اپنی کے قبضہ کرنے سے عقد صرف درست نہ ہوگا۔ دلیل..... یہ ہے کہ اپنی صرف عقد منعقد کرنے کے واسطے مقرر کیا گیا ہے نہ کہ قبضہ کرنے کے واسطے۔ اور جب یہ بات ہے تو اپنی کا کلام، مرسل (بھیجے والے) کی طرف منتقل ہو جائے گا اور جب اپنی کا کلام مرسل کی طرف منتقل ہو گیا تو عائد مرسل ہوگا نہ کہ اپنی اور جب عائد مرسل ہوگا نہ کہ اپنی تو عائد یعنی مرسل کا قبضہ صحیح ہوگا۔ اور اپنی جو غیر عائد ہے اس کا قبضہ صحیح نہ ہوگا۔

وکیل بالشراء نے اپنے مال سے ثمن ادا کیا اور بیع پر قبضہ کر لیا تو موکل پر رجوع کرے گا

قَالَ وَإِذَا دَفَعَ الْوَكِيلُ بِالْبَشْرَاءِ الثَّمَنَ مِنْ مَالِهِ وَقَبَضَ الْمَبِيعَ فَلَهُ أَنْ يَرْجِعَ بِهِ عَلَى الْمُوَكَّلِ لِأَنَّهُ انْعَقَدَتْ بَيْنَهُمَا مَبَادَلَةٌ حُكْمِيَّةٌ وَلِهَذَا إِذَا اخْتَلَفَا فِي الثَّمَنِ يَتَحَالَفَانِ وَيَرُدُّ الْمُوَكَّلُ بِالْعَيْبِ عَلَى الْوَكِيلِ وَقَدْ سَلِمَ الْمُشْتَرِي لِلْمُوَكَّلِ مِنْ جِهَةِ الْوَكِيلِ فَيَرْجِعُ عَلَيْهِ وَلِأَنَّ الْحَقُوقَ لَمَّا كَانَتْ إِلَيْهِ وَقَدْ عَلِمَهُ الْمُوَكَّلُ فَيَكُونُ رَاضِيًا بِدَفْعِهِ مِنْ مَالِهِ

ترجمہ..... اور اگر وکیل بالشراء نے اپنے مال سے ثمن دے دیا اور بیع پر قبضہ کر لیا تو وکیل کے لئے جائز ہے کہ وہ موکل سے ثمن واپس لے۔ اس لئے کہ وکیل اور موکل کے درمیان حکم مبادلہ منعقد ہو گیا۔ اسی وجہ سے اگر وکیل اور موکل نے ثمن میں اختلاف کیا تو دونوں قسم کھائیں گے اور موکل بیع عیب کی وجہ سے وکیل کو واپس کرے گا اور وکیل کی طرف سے موکل کے لئے بیع سپرد ہو چکی ہے۔ لہذا وکیل، موکل سے اپنا ثمن واپس لے گا۔ اور اس لئے کہ حقوق جب وکیل کی طرف راجع ہیں اور موکل اس کو جانتا بھی ہے تو موکل ثمن وکیل کے مال سے دینے پر راضی ہوگا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر وکیل بالشراء نے اپنے مال میں سے ثمن ادا کر کے بیع پر قبضہ کر لیا تو یہ ثمن کا ادا کرنا وکیل کی طرف سے تبرع نہ ہوگا۔ بلکہ وکیل مذکورہ ثمن موکل سے واپس لے سکتا ہے۔ اسی کے قائل امام مالک، امام شافعی اور امام احمد ہیں۔

دلیل..... یہ ہے کہ یہ وکیل اور موکل کے درمیان حکم مبادلہ ہے اس طور پر کہ وکیل بالغ کے مانند ہے اور موکل مشتری کے مانند ہے اور مبادلہ حکمی کی علامت یہ ہے کہ اگر وکیل اور موکل کے درمیان مقدار ثمن میں اختلاف ہو گیا تو ان دونوں سے قسم لی جاتی ہے اور تحالف (فریقین سے قسم لینا) مبادلہ کے خواص میں سے ہے۔ چنانچہ بالغ اور مشتری کے درمیان اگر مقدار ثمن میں اختلاف ہو جائے اور دونوں کے پاس بینہ نہ ہو تو دونوں سے قسم لی جائے گی۔ اگر کسی نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو اس کے خلاف فیصلہ کر دیا جائے گا۔ اگر دونوں قسم کھا گئے تو قاضی اس بیع کو فسخ کر دے گا۔ بہر حال اس مسئلہ میں وکیل اور موکل کے درمیان مقدار ثمن میں اختلاف کی صورت میں دونوں سے قسم لینا اس بات کی علامت ہے کہ وکیل اور موکل کے درمیان حکم مبادلہ منعقد ہوا ہے اور اگر موکل بیع کے کسی عیب پر مطلع ہو تو وہ اس عیب کی وجہ سے بیع وکیل کی طرف واپس کر سکتا ہے اور عیب کی وجہ سے بیع واپس کرنا یہ بھی مبادلہ کے خواص میں سے ہے۔ بہر حال وکیل اور موکل کے درمیان مبادلہ حکمی پایا گیا اور اس مبادلہ کے تحت وکیل موکل کو بیع سپرد کر چکا ہے پس جب مبادلہ کے تحت وکیل، موکل کو بیع دے چکا ہے تو وکیل کو موکل سے مذکورہ بیع کا ثمن لینے کا اختیار بھی حاصل ہوگا۔

دوسری دلیل..... یہ ہے کہ وکیل ثمن ادا کرنے میں متبرع اس وقت ہوتا جبکہ ہی ثمن مؤکل کی اجازت کے بغیر ادا کیا گیا ہوتا۔ حالانکہ ثمن مؤکل کی اجازت سے ادا کیا گیا ہے۔ اگرچہ مؤکل کی اجازت دلالت پائی گئی اور مؤکل کی اجازت دلالت اس لئے پائی گئی کہ بیع کے جملہ حقوق وکیل کی طرف راجع ہوتے ہیں اور مؤکل کو اس کا علم بھی ہے پس جب بیع کے حقوق وکیل کی طرف راجع ہوتے ہیں تو ثمن کا مطالبہ وکیل ہی سے ہوگا اور جب ثمن کا مطالبہ وکیل سے ہوگا اور مؤکل کو اس کا علم ہے تو گویا مؤکل اس بات پر راضی ہو گیا کہ وکیل اپنے مال میں سے ثمن ادا کر دے اور مؤکل کا اس بات پر راضی ہونا گویا مؤکل کی اجازت ہے۔

حاصل..... یہ کہ وکیل نے اپنے مال میں سے جو ثمن ادا کیا ہے وہ مؤکل کی اجازت سے ادا کیا ہے اور جب مؤکل کی اجازت سے ادا کیا ہے تو وکیل، مؤکل پر تبرع کرنے والا نہیں ہے اور جب وکیل تبرع کرنے والا نہیں ہے تو اس کو مؤکل سے رجوع کرنے کا پورا پورا اختیار حاصل ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر مؤکل ثمن دینے میں چوں چا کرے تو وکیل کو بیع اپنے پاس روک لینے کا اختیار ہے۔

اگر بیع وکیل کے ہاتھ میں روکنے سے پہلے ہلاک ہوگئی تو مؤکل کے مال سے ہلاک ہوگی

فَإِنْ هَلَكَ الْمُبِيعُ فِي يَدِهِ قَبْلَ حَبْسِهِ هَلَكَ مِنْ مَالِ الْمُوَكَّلِ وَلَمْ يَسْقُطِ الثَّمَنُ لِأَنَّ يَدَهُ كَيْدُ الْمُوَكَّلِ فَإِذَا لَمْ يَحْبَسْهُ يَصِيرُ الْمُوَكَّلُ قَابِضًا بِيَدِهِ

ترجمہ..... پس اگر وکیل کے قبضہ میں بیع ہلاک ہوگئی وکیل کے اس کو روکنے سے پہلے تو وہ مؤکل کے مال سے ہلاک ہوگی اور ثمن ساقط نہ ہوگا۔ کوک وکیل کا قبضہ مؤکل کے قبضہ کے مانند ہے۔ پس جب وکیل نے اس کو نہیں روکا تو مؤکل وکیل کے قبضہ سے قابض ہو جائے گا۔

تشریح..... صاحب قدوریؒ کہتے ہیں کہ اگر وکیل بالشراء نے اپنے مال میں سے ثمن ادا کر کے بیع پر قبضہ کر لیا اور بیع وکیل کے قبضہ سے ہلاک ہو گئی۔ حالانکہ وکیل نے ثمن کی وجہ سے بیع اپنے پاس روکی بھی نہیں تھی تو یہ بیع مؤکل کے مال سے ہلاک ہوگی یعنی مؤکل کا مال تلف ہوا نہ کہ وکیل کا۔ حتیٰ کہ ثمن مؤکل کے ذمہ سے ساقط نہ ہوگا اور وکیل کا حق رجوع باطل نہ ہوگا بلکہ وکیل کو مؤکل سے اپنا دیا ہوا ثمن واپس لینے کا اختیار ہوگا۔

دلیل..... یہ ہے کہ وکیل کا بیع پر قبضہ ایسا ہے جیسے مؤکل کا۔ پس جب وکیل نے اپنے ثمن کی وجہ سے بیع کو نہیں روکا تو وکیل کے قبضہ کرنے سے حکما مؤکل قابض ہو جائے گا اور وکیل کے قبضہ میں بیع کا ہلاک ہونا ایسا ہے جیسا کہ مؤکل کے قبضہ میں ہلاک ہونا اور مؤکل کے قبضہ سے ہلاک ہونے کی صورت میں وکیل کا حق رجوع ساقط نہیں ہوتا۔ لہذا اس صورت میں بھی وکیل کا مؤکل سے رجوع بالثمن کا اختیار ساقط نہ ہوگا۔

علامہ بدرالدین عینی نے عینی شرح ہدایہ میں ایک دلیل یہ تحریر فرمائی کہ بیع وکیل کے قبضہ میں امانت ہوتی ہے۔ کیونکہ وکیل نے بیع پر اپنے لئے قبضہ نہیں کیا ہے۔ بلکہ مؤکل کی اجازت سے مؤکل کے لئے قبضہ کیا ہے۔ اور جب مؤکل کی اجازت سے مؤکل کے لئے قبضہ کیا ہے تو یہ قبضہ بطور امانت ہوگا۔ اور بغیر تعدی امانت کے ہلاک ہونے سے امین پر چونکہ تاوان واجب نہیں ہوتا۔ اس لئے اس مسئلہ میں بھی وکیل پر کوئی تاوان واجب نہ ہوگا۔ اور جب امین ہونے کی وجہ سے وکیل پر کوئی تاوان واجب نہیں ہوتا تو وکیل نے جو ثمن بائع کو دیا ہے وکیل وہ ثمن اپنے مؤکل سے واپس لے سکتا ہے۔ مؤکل کے ذمہ سے وہ ثمن ساقط نہ ہوگا۔

وکیل ثمن وصول کرنے کے لئے بیع روک سکتا ہے

وَلَوْ أَنَّ يَحْبَسَهُ حَتَّى يَسْتَوْفِيَ الثَّمَنَ لِمَا بَيَّنَّا أَنَّهُ بَمَنْزِلَةِ الْبَائِعِ مِنَ الْمُوَكَّلِ وَقَالَ زُفَرٌ لَيْسَ لَهُ ذَالِكَ لِأَنَّ الْمُوَكَّلَ صَارَ قَابِضًا بِيَدِهِ فَكَأَنَّهُ سَلَّمَهُ إِلَيْهِ فَيَسْقُطُ حَقُّ الْحَبْسِ فَلَنَا هَذَا مِمَّا لَا يُمَكِّنُ التَّحَرُّزَ عَنْهُ فَلَا يَكُونُ

رَاضِيًا بِسُقُوطِ حَقِّهِ فِي الْحَبْسِ عَلَى أَنَّ قَبْضَهُ مَوْقُوفٌ فَيَقَعُ لِلْمُؤَكَّلِ إِنْ لَمْ يَحْبَسْهُ وَلِنَفْسِهِ عِنْدَ حَبْسِهِ

ترجمہ..... اور وکیل کو اختیار ہے کہ وہ بیع کو روک لے یہاں تک کہ وہ اپنا ثمن وصول کر لے۔ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی کہ وکیل، مؤکل کے ہاتھ فروخت کرنے والے کے مانند ہے اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ اس کے لئے یہ حق نہیں ہے۔ اس لئے کہ مؤکل وکیل کے قبضہ کرنے سے قابض ہو گیا۔ پس گویا وکیل نے بیع مؤکل کے سپرد کر دی ہے۔ لہذا روکنے کا حق ساقط ہو جائے گا۔ ہم جواب دیں گے کہ یہ ایسی بات ہے جس سے بچنا ممکن نہیں ہے۔ پس وکیل بیع روکنے کے سلسلہ میں اپنا حق ساقط کرنے پر راضی نہیں ہوگا۔ علاوہ ازیں وکیل کا قبضہ موقوف ہے۔ پس اگر اس نے بیع نہ روکی تو مؤکل کے لئے واقع ہوگا اور بیع روکنے کی صورت میں اپنے لئے ہوگا۔

تشریح..... صاحب قدوریؒ نے کہا کہ ثمن وصول ہونے سے پہلے پہلے وکیل بیع کو اپنے پاس روک سکتا ہے خواہ وکیل نے بائع کو ثمن دیا ہو یا نہ دیا ہو۔ بہر حال مؤکل سے ثمن وصول کرنے کے خاطر وکیل کو بیع روکنے کی اجازت ہے۔

دلیل..... یہ ہے کہ وکیل اور مؤکل کے درمیان حکماً بیع ہوتی ہے یعنی وکیل بالشراء حکماً بائع ہوتا ہے اور مؤکل مشتری ہوتا ہے اور کتاب البیوع میں گذر چکا ہے کہ بائع کو ثمن وصول ہونے سے پہلے بیع روکنے کا اختیار ہوتا ہے لہذا یہاں بھی وکیل کو جو حکماً بائع ہے ثمن وصول ہونے سے پہلے بیع روکنے کا حق حاصل ہے۔ حضرت امام زفرؒ نے فرمایا کہ وکیل کو اپنے پاس بیع روکنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ اسی کے قائل امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ ہیں۔ (یعنی)

امام زفرؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ وکیل کے بیع پر قبضہ کرنے سے مؤکل حکماً قابض ہو گیا ہے اور ایسا ہو گیا گویا وکیل نے بیع مؤکل کے سپرد کر دی ہے۔ اور جب وکیل، بیع مؤکل کے سپرد کر چکا تو اس کا حق جس بھی ساقط ہو گیا۔ کیونکہ بیع اگر حقیقتاً مؤکل کے قبضہ میں آجاتی تو وکیل کے لئے حق جس بھی حاصل نہ ہوتا۔ لہذا اسی طرح جب بیع حکماً مؤکل کے قبضہ میں واقع ہوگی تو بھی وکیل کا حق جس ساقط ہو جائے گا۔ لیکن ہماری طرف سے اس کے دو جواب ہیں:-

پہلا جواب..... تو یہ ہے کہ وکیل کے قبضہ سے حکماً مؤکل کا قابض ہونا ایسی غیر اختیاری چیز ہے۔ جس سے بچنا ممکن نہیں۔ اور جو چیز غیر اختیاری طور پر ثابت ہو اور اس سے بچنا ممکن نہ ہو اس کو شرعاً عفو قرار دیا جاتا ہے اور وہ عدم کے حکم میں ہوتی ہے۔ پس جب وکیل کے قبضہ کرنے سے مؤکل کا قابض ہونا عدم کے حکم میں ہے تو یہ اس بات کی دلیل نہیں ہوگا کہ وکیل اپنے حق جس کو ساقط کرنے پر راضی ہے اور جب وکیل اپنا حق جس ساقط کرنے پر راضی نہیں ہے تو وکیل کا حق جس ساقط نہ ہوگا بلکہ اس کو ثمن وصول ہونے تک کے لئے بیع روکنے کا پورا پورا حق ہوگا۔

علیٰ ان قبضہ..... الخ سے دوسرا جواب..... ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ ہمیں یہ بات تسلیم نہیں ہے کہ وکیل کے قبضہ کرنے سے مؤکل حکماً قابض ہو جاتا ہے۔ بلکہ ابتداء میں وکیل کا قبضہ موقوف ہوتا ہے۔ چنانچہ اگر وکیل نے بیع کو اپنے پاس نہ روکا تو یہ قبضہ مؤکل کے لئے واقع ہوگا اور اگر وکیل نے بیع کو اپنے پاس روک لیا تو یہ قبضہ خود وکیل کے لئے واقع ہوگا۔ پس جب وکیل کا قبضہ ابتدا میں موقوف اور متردد ہے تو وکیل کے قبضہ سے مؤکل قابض نہ ہوگا۔ اور جب وکیل کے قبضہ سے مؤکل قابض نہ ہو تو وکیل کا حق جس بھی ساقط نہ ہوگا۔

وکیل نے بیع کو روکا پھر ہلاک ہو گئی تو اس کا ضمان کونسا ہوگا، اقوال فقہاء

فَإِنْ حَبَسَهُ فَهَلْكَ كَأَنَّ مَضْمُونًا ضَمَانَ الرَّهْنِ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ وَضَمَانَ الْبَيْعِ عِنْدَ مُحَمَّدٍ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَضَمَانَ الْغَصَبِ عِنْدَ زُفَرٍ لِأَنَّهُ مَنَعَ بِغَيْرِ حَقٍّ لَّهُمَا أَنَّهُ بِمَنْزِلَةِ الْبَائِعِ مِنْهُ فَكَانَ حَبْسُهُ لِاسْتِيفَاءِ الثَّمَنِ فَيَسْقُطُ بِهَلَاكِهِ وَلَا بَيَ يُوْسُفَ أَنَّهُ مَضْمُونٌ بِالْحَبْسِ لِاسْتِيفَاءِ بَعْدَ أَنْ لَمْ يَكُنْ وَهُوَ الرَّهْنُ بِعَيْنِهِ بِخِلَافِ

السَّبْعِ لِأَنَّ السَّبْعَ يَنْفَسُ بِهَلَاكِهِ وَهَلْ هُنَا لَا يَنْفَسُ أَصْلُ الْعَقْدِ قُلْنَا يَنْفَسُ فِي حَقِّ الْمُؤَكَّلِ وَالْوَكِيلِ كَمَا إِذَا رَدَّ الْمُؤَكَّلُ بَعِيْبَ وَرَضِيَ الْوَكِيلُ بِهِ

ترجمہ..... پس اگر وکیل نے بیع کو روکا پھر وہ ہلاک ہوگئی تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ضمان رہن کی طرح مضمون ہوگی۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک ضمان بیع کی طرح مضمون ہوگی۔ یہی قول امام ابو حنیفہؒ کا ہے اور امام زفرؒ کے نزدیک ضمان غصب کی طرح مضمون ہوگی۔ اس لئے کہ بیع ناحق رد کی گئی ہے۔ اور طرفین کی دلیل یہ ہے کہ وکیل، مؤکل کے ہاتھ فروخت کرنے والے کے مرتبہ میں ہے۔ پس وکیل کا بیع کو روکنا ثمن وصول کرنے کے لئے ہے۔ لہذا بیع کے ہلاک ہونے سے ثمن ساقط ہو جائے گا اور ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ بیع اپنا مال وصول کرنے کے لئے روکنے کی وجہ سے مضمون ہے۔ حالانکہ اب تک مضمون نہ تھی اور بعینہ یہی معنی رہن کے ہیں برخلاف بیع کے اس لئے کہ بیع، بیع کے ہلاک ہونے سے فسخ ہو جاتی ہے۔ اور یہاں اصل عقد فسخ نہیں ہوتا ہے۔ ہم جواب دیں گے کہ مؤکل اور وکیل کے حق میں عقد فسخ ہو جاتا ہے جیسا کہ جب مؤکل اس کو عیب کی وجہ سے واپس کرے اور وکیل اس پر راضی ہو جائے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر وکیل بالشراء نے مؤکل سے ثمن وصول کرنے کے خاطر بیع کو اپنے پاس روک لیا اور بیع وکیل کے قبضہ سے ہلاک ہوگئی تو حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بیع شعی ہونے کی طرح مضمون ہوگی۔ یعنی جس طرح شعی ہونے سے ہلاک ہونے کی صورت میں قیمت اور دین میں سے جو کم ہوتا ہے اس کے ساتھ مضمون ہوتی ہے۔ مثلاً شعی ہونے کی قیمت پچاس روپیہ ہے اور مرتہن کا راہن کے ذمہ دین (قرضہ) ساٹھ روپیہ ہے تو شعی ہونے کی قیمت کے ساتھ مضمون ہوگی۔ یعنی پچاس روپیہ کا مرتہن پر ضمان واجب ہوگا اور چونکہ مرتہن کا راہن کے ذمہ ساٹھ روپیہ قرض ہے۔ اس لئے ان میں سے پچاس تاوان کے منہا کرنے کے بعد مرتہن راہن سے دس روپیہ واپس لے گا اور اگر شعی ہونے کی قیمت ساٹھ روپیہ ہو اور راہن کے ذمہ دین پچاس روپیہ ہوں تو شعی ہونے سے مضمون ہوگی یعنی شعی ہونے کے تاوان میں راہن کے ذمہ سے مرتہن کا دین ساقط ہو جائے گا اور راہن کو مرتہن سے مزید کسی رقم کے مطالبہ کا حق نہ ہوگا۔ کیونکہ باقی دس روپیہ کی مقدار مرتہن کے پاس امانت ہے اور امانت کا کوئی تاوان واجب نہیں ہوتا اس لئے مرتہن پر دس روپیہ کا تاوان واجب نہیں ہوگا۔

اسی طرح مذکورہ مسئلہ میں وکیل کے قبضہ سے بیع ہلاک ہونے کی صورت میں بیع قیمت اور ثمن میں سے جو کم ہوگا اس کے ساتھ مضمون ہوگی۔ مثلاً وکیل بالشراء نے بائع سے پندرہ روپیہ ثمن پر معاملہ کیا ہے اور ہلاک شدہ بیع کی قیمت دس روپیہ ہے تو بیع قیمت کے ساتھ مضمون ہوگی۔ یعنی مؤکل کے ذمہ میں وکیل کے لئے ثمن یعنی پندرہ روپیہ واجب ہیں اور مؤکل کے لئے وکیل پر بیع کا تاوان دس روپیہ واجب ہیں تو ثمن میں سے تاوان کے دس روپیہ منہا کرنے کے بعد وکیل مؤکل سے پانچ روپیہ واپس لے گا۔ اور اگر ثمن دس روپیہ ہوں اور بیع کی قیمت پندرہ روپیہ ہوں تو بیع ثمن کے ساتھ مضمون ہوگی۔ یعنی وکیل کا مؤکل پر دس روپیہ کی مقدار ثمن واجب ہے اور مؤکل کے لئے وکیل پر بیع کا تاوان۔ مقدار ثمن یعنی دس روپیہ واجب ہیں۔ لہذا نہ وکیل، مؤکل سے کچھ رجوع کرے گا اور نہ مؤکل، وکیل سے کچھ رجوع کرے گا۔ بہر حال وکیل کے قبضہ سے بیع ہلاک ہونے کی صورت میں امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بیع شعی ہونے کے ضمان کی طرح مضمون ہوگی۔

اور امام محمدؒ کے نزدیک ضمان بیع کی طرح مضمون ہوگی یعنی جس طرح بیع اگر بائع کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے تو مشتری کے ذمہ سے اس کا ثمن ساقط ہو جاتا ہے بیع کی قیمت خواہ ثمن سے کم ہو خواہ زیادہ ہو۔ اسی طرح جب وکیل کے قبضہ سے بیع ہلاک ہوگئی تو مؤکل کے ذمہ سے ثمن ساقط ہو جائے گا۔ خواہ بیع کی قیمت ثمن سے کم ہو خواہ زیادہ اور یہی قول امام ابو حنیفہؒ کا ہے۔

اور امام زفرؒ کے نزدیک وکیل کے قبضہ سے ہلاک شدہ بیع ضمان غصب کی طرح مضمون ہوگی۔ یعنی بیع اگر ذوات الامثال میں سے تھی تو وکیل پر اس کا مثل واجب ہوگا اور مؤکل پر ثمن واجب ہوگا اور اگر ذوات القیم میں سے تھی تو وکیل بیع کی قیمت کا ضامن ہوگا۔ چنانچہ اگر بیع کی قیمت زائد

ہو اور اس کا ثمن کم ہو۔ مثلاً قیمت پندرہ روپیہ ہو اور ثمن دس روپیہ ہو تو موکل ثمن سے زائد مقدار یعنی پانچ روپیہ وکیل سے واپس لے گا۔ اور اگر ثمن زائد ہو اور قیمت کم ہو مثلاً ثمن پندرہ روپیہ ہو اور قیمت دس روپیہ ہو تو موکل ثمن سے زائد مقدار یعنی پانچ روپیہ وکیل سے واپس لے گا اور اگر ثمن زائد ہو اور قیمت کم ہو۔ مثلاً ثمن پندرہ روپیہ ہو اور قیمت دس روپیہ ہو تو قیمت سے زائد مقدار یعنی پانچ روپیہ وکیل، موکل سے واپس لے گا۔ صدر الشریعہ نے شرح وقایہ میں یہی تفصیل ذکر کی ہے۔ اور امام زفرؒ کے قول کے مطابق یہی تفصیل مناسب بھی ہے۔

لیکن صاحب عنایہ نے ذکر کیا ہے کہ اگر ثمن قیمت سے زائد ہو تو وکیل کو موکل سے کچھ رجوع کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ اور اگر قیمت ثمن سے زائد ہو تو موکل مقدار زائد وکیل سے واپس لے سکتا ہے۔ بقول علامہ ابن الہمام کے پیشتر شروع سے یہی مفہوم ہے۔ لیکن میرے (علامہ ابن الہمامؒ) کے نزدیک امام زفرؒ کے قول پر وہی تفصیل ظاہر ہے جو صدر الشریعہ نے ذکر کی ہے۔ کیونکہ جس طرح قیمت زائد ہونے کی صورت میں موکل کو رجوع کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ بہر حال امام زفرؒ کے نزدیک وکیل کے پاس سے ہلاک شدہ بیع ضمان غصب کی طرح مضمون ہوگی۔ اسی کے قائل ائمہ ثلاثہ (امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ) ہیں۔

حضرت امام زفرؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ وکیل کا اپنے پاس بیع کو روکنا ناحق طور پر روکنا ہے کیونکہ اوپر کے مسئلہ میں گزر چکا ہے کہ امام زفرؒ کے نزدیک بیع پر وکیل کے قبضہ کرنے سے موکل قابض ہو جاتا ہے۔ اور وکیل کو بیع روکنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے۔ پس جب وکیل کو بیع روکنے کا کوئی حق حاصل نہیں ہے تو اس کے باوجود وکیل کا اپنے پاس بیع کو روکنا ناحق طور پر روکنا ہے اور کسی چیز کو ناحق طور پر لینا اور اس کو روک کر بیٹھ جانا غصب ہے۔ لہذا وکیل بیع روکنے میں غاصب ہوا اور بیع شے، مغصوبہ ہوئی۔ پس جب یہ شے، مغصوبہ ہلاک ہوگئی تو وکیل (غاصب) پر ضمان غصب واجب ہوگا۔ یعنی جس طرح شے، مغصوبہ ہلاک شدہ کا ضمان واجب ہوتا ہے۔ اسی طرح اس بیع کا ضمان واجب ہوگا جسکی تفصیل امام زفرؒ کے بیان مذہب کے تحت گزر چکی ہے۔

طرفین کی دلیل..... یہ ہے کہ وکیل اور موکل کے درمیان چونکہ حکماً عقد بیع منعقد ہوتا ہے۔ اس لئے وکیل بمنزلہ بائع کے ہوگا اور موکل بمنزلہ مشتری کے ہوگا۔ اور بائع کو اپنا ثمن وصول کرنے کے لئے بیع کو روکنے کا حق ہوتا ہے۔ لہذا وکیل کا بیع کو روکنا بھی موکل سے ثمن وصول کرنے کے لئے ہوگا اور بیع اگر بائع کے پاس سے ہلاک ہو جائے تو مشتری کے ذمہ سے ثمن ساقط ہو جاتا ہے۔ ثمن خواہ قیمت سے زیادہ ہو یا کم ہو۔ اسی طرح جب بیع وکیل کے پاس سے ہلاک ہوگئی تو موکل کے ذمہ سے ثمن ساقط ہو جائے گا۔ ثمن خواہ قیمت سے زیادہ ہو خواہ کم ہو بہر حال اس دلیل سے ثابت ہو گیا کہ طرفین کے نزدیک وکیل کے پاس سے ہلاک شدہ بیع ضمان بیع کی طرح مضمون ہوگی۔

علامہ ابن الہمامؒ اور صاحب عنایہ نے طرفین کی مذکورہ دلیل پر ایک اعتراض اور اس کا جواب ذکر کیا ہے۔

اعتراض..... یہ ہے کہ اگر واقعی وکیل بمنزلہ بائع کے ہے تو بیع ہلاک ہونے کی صورت میں بہر صورت اس پر ضمان واجب ہونا چاہئے تھا۔ خواہ وکیل بیع کو اپنے پاس روکنا خواہ نہ روکنا۔ کیونکہ بیع اگر بائع کے پاس سے ہلاک ہو جائے تو وہ بائع پر مضمون ہوتی ہے۔ یعنی بائع کے مال سے ہلاک شمار ہوتی ہے۔ اگرچہ بائع نے اس کو نہ روکا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ مشتری کے ذمہ سے ثمن ساقط ہو جاتا ہے۔ پس جب وکیل بمنزلہ بائع کے ہے تو اس کے پاس سے ہلاکت بیع کی صورت میں بھی بیع اس پر مضمون ہونی چاہئے تھی۔ یعنی بیع وکیل کے مال سے ہلاکت شمار ہونی چاہئے تھی۔ خواہ وکیل اسے روکتا یا نہ روکتا۔ حالانکہ سابق میں کہا گیا ہے کہ اگر وکیل نے بیع نہ روکی ہو اور وہ اس کے پاس سے ہلاک ہوگئی ہو تو یہ موکل کے مال سے ہلاک ہوگی۔ یعنی موکل کے ذمہ سے ثمن ساقط نہ ہوگا۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ وکیل نے جب اپنے پاس بیع روک لی تو یہ بات متعین ہوگئی کہ وکیل نے بیع پر اپنے لئے قبضہ کیا تھا اور جب وکیل نے بیع پر اپنے لئے قبضہ کیا تھا تو اس کا بائع ہونا یقینی ہو گیا اور جب وکیل کا بائع ہونا یقینی ہو گیا تو بیع ہلاک ہونے کی صورت میں وکیل پر یقیناً ضمان

لازم ہوگا۔ یعنی مؤکل کے ذمہ سے ثمن ساقط ہو جائے گا اور جب وکیل نے بیع اپنے پاس نہیں روکی تو وکیل کا قبضہ کرنا مؤکل کے لئے ہوگا اور وکیل اپنی کے مشابہ ہوگا اور اس کے پاس سے بیع کا ہلاک ہونا امانت کا ہلاک ہونا ہوگا۔ اور امانت کے ہلاک ہونے سے امین پر ضمان واجب نہیں ہوتا۔ لہذا اس بیع کا ضمان وکیل پر واجب نہ ہوگا بلکہ مؤکل پر واجب ہوگا۔ یعنی مؤکل کے مال سے ہلاک ہوگی اور مؤکل کے ذمہ سے ثمن ساقط نہ ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ وکیل کے قبضہ سے ہلاک شدہ بیع مؤکل سے ثمن وصول کرنے کے لئے روکنے کی وجہ سے مضمون ہوئی ہے کیونکہ روکنے سے پہلے بیع مضمون نہ تھی۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے کہ اگر روکنے سے پہلے بیع وکیل کے قبضہ سے ہلاک ہو جائے تو وہ مؤکل کے مال سے ہلاک ہوتی ہے اور وکیل پر اس کا ضمان نہیں آتا۔ بہر حال ثمن وصول کرنے کے خاطر وکیل کے بیع کو اپنے پاس روکنے کی وجہ سے بیع مضمون ہوتی ہے۔ اور یعدہ یہی رہن کے معنی ہیں۔ یعنی جس طرح قرضہ وصول کرنے کے لئے مرتہن، شئی، مرہون اپنے پاس روکتا ہے اسی طرح ثمن وصول کرنے کے لئے وکیل بیع اپنے پاس روکتا ہے۔

حاصل..... یہ کہ ہلاک شدہ بیع شئی، مرہونہ کے مانند ہے اور جب وکیل کے پاس سے ہلاک شدہ بیع شئی، مرہونہ کے مانند ہے تو یہ بیع ضمان رہن کی طرح مضمون ہوگی اور ضمان رہن کی پوری تفصیل امام ابو یوسفؒ کے مذہب کے تحت گذر چکی ہے۔

صاحب ہدایہؒ نے امام ابو یوسفؒ کی طرف سے طرفین کے مذہب کو رد کرتے ہوئے فرمایا کہ وکیل کے پاس سے ہلاک شدہ بیع عقد بیع کی بیع کے مانند نہیں ہے۔ کیونکہ عقد بیع کی صورت میں اگر بیع، بائع کے پاس سے ہلاک ہو جائے تو عقد بیع فسخ ہو جاتا ہے اور اگر وکیل بالشراء کے پاس سے بیع ہلاک ہو جائے تو اصل عقد یعنی وہ عقد جو بائع اور وکیل بالشراء کے درمیان منعقد ہوا تھا۔ فسخ نہیں ہوتا۔

دوسرا استدلال یہ ہے کہ عقد بیع کی صورت میں اگر بائع بیع کو اپنے پاس نہ روکے۔ بلکہ روکنے سے پہلے ہی بیع، بائع کے پاس سے ہلاک ہو جائے تو وہ نفس عقد کی وجہ سے مضمون ہوتی ہے۔ یعنی بائع ہی کے مال سے ہلاک ہوتی ہے اور اگر وکیل بالشراء کے روکنے سے پہلے بیع اس کے پاس سے ہلاک ہو جائے تو وہ مضمون نہیں ہوتی۔ یعنی وکیل پر اس کا کوئی ضمان نہیں آتا۔ بہر حال جب وکیل بالشراء کے پاس سے ہلاک شدہ بیع عقد بیع کی بیع کے مانند نہیں ہے تو وکیل کے پاس سے ہلاک شدہ بیع، ضمان بیع کی طرح کس طرح مضمون ہو سکتی ہے۔

صاحب ہدایہؒ نے طرفین کی طرف سے امام ابو یوسفؒ کی پیش کردہ وجہ فرق کے سلسلہ میں پہلی دلیل کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ وکیل کے پاس سے بیع ہلاک ہونے کی صورت میں اگرچہ وکیل اور اس کے بائع کے درمیان عقد فسخ نہیں ہوتا لیکن وکیل اور اس کے مؤکل کے درمیان فسخ ہو جاتا ہے۔ جیسے اگر مؤکل بیع پر قبضہ کرنے کے بعد بیع کے کسی عیب پر مطلع ہوا اور عیب کی وجہ سے بیع وکیل کو واپس کر دی اور وکیل اس عیب پر راضی ہو گیا تو یہ بیع وکیل پر لازم ہو جائے گی اور وکیل اور مؤکل کے درمیان عقد بیع فسخ ہو جائے گا۔ اگرچہ وکیل اور اس کے بائع کے درمیان فسخ نہیں ہوا۔

بہر حال جب عقد بیع کی صورت میں بھی بائع کے پاس سے بیع ہلاک ہونے کی صورت میں عقد فسخ ہو جاتا ہے۔ اور وکیل بالشراء کے پاس سے ہلاک ہونے کی صورت میں بھی وکیل اور مؤکل کے درمیان عقد فسخ ہو جاتا ہے تو دونوں میں مماثلت پائی گئی اور جب مماثلت پائی گئی تو وکیل کے پاس سے ہلاک شدہ بیع، ضمان بیع کی طرح مضمون ہوگی جیسا کہ طرفین کا مذہب ہے۔

ایک شخص نے کسی کو ایک درہم کے بدلے دس رطل گوشت خریدنے کا حکم کیا اس نے بیس رطل ایسا

گوشت خریدا جو ایک درہم کے عوض دس رطل فروخت کیا جاتا ہے مؤکل کو کتنے رطل گوشت لازم ہوگا

قَالَ وَإِذَا وَكَّلَهُ بِشِرَاءِ عَشْرَةِ أَرْطَالٍ لَحْمٍ بَدْرَهُمْ فَاشْتَرَى عَشْرِينَ رَطْلًا بَدْرَهُمْ مِنْ لَحْمٍ يُبَاعُ مِنْهُ عَشْرَةُ أَرْطَالٍ بَدْرَهُمْ لَزِمَ الْمُؤَكَّلُ مِنْهُ عَشْرَةُ بَنَصْفِ دِرْهَمٍ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا يَلْزَمُهُ الْعَشْرُونَ بَدْرَهُمْ وَذَكَرَ فِي

بَعْضِ النَّسَخِ قَوْلِ مُحَمَّدٍ مَعَ قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٌ لَمْ يَذْكُرِ الْخِلَافَ فِي الْأَصْلِ لِأَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ أَمَرَهُ بِصَرْفِ الدِّرْهِمِ فِي اللَّحْمِ وَظَنَّ أَنَّ سِعْرَهُ عَشْرَةُ أَرْطَالٍ فَإِذَا اشْتَرَى بِهِ عِشْرِينَ فَقَدْ زَادَهُ خَيْرًا وَصَارَ كَمَا إِذَا وَكَلَهُ بِبَيْعِ عَبْدِهِ بِأَلْفٍ فَبَاعَهُ بِأَلْفَيْنِ وَلَا بِيَّ حَنِيفَةَ أَنَّهُ أَمَرَهُ بِشِرَاءِ عَشْرَةٍ وَلَمْ يَأْمُرْهُ بِشِرَاءِ الزِّيَادَةِ فَتَقَدَّرَ شِرَاؤُهَا عَلَيْهِ وَشِرَاءُ الْعَشْرَةِ عَلَى الْمُؤَكَّلِ بِخِلَافٍ مَا إِذَا اسْتَشْهَدَ بِهِ لِأَنَّ الزِّيَادَةَ هُنَاكَ بَدَلٌ مُلْكٍ الْمُؤَكَّلِ فَتَكُونُ لَهُ بِخِلَافٍ مَا إِذَا اشْتَرَى مَا يُسَاوِي عِشْرِينَ رَطْلًا بِدِرْهِمٍ حَيْثُ يَصِيرُ مُشْتَرِيًا لِنَفْسِهِ بِالْإِجْمَاعِ لِأَنَّ الْأَمْرَ يَتَنَاوَلُ السَّمِينَ وَهَذَا مَهْزُولٌ فَلَمْ يَحْصُلْ مَقْصُودُ الْأَمْرِ

ترجمہ..... اور اگر ایک شخص کو کسی نے ایک درہم کے عوض دس رطل گوشت خریدنے کا وکیل کیا۔ پھر وکیل نے ایک درہم کے عوض بیس رطل ایسا گوشت خریدا جو ایک درہم کے عوض دس رطل فروخت کیا جاتا ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مؤکل پر اس میں سے نصف درہم کے عوض دس رطل گوشت لازم ہوگا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ ایک درہم کے عوض بیس رطل گوشت لازم ہوگا۔ اور بعض نسخوں میں امام محمدؒ کا قول امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ مذکور ہے۔ اور خود امام محمدؒ نے بمسوط میں اختلاف ذکر نہیں کیا ہے۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ مؤکل نے وکیل کو ایک درہم گوشت خریدنے کے سلسلہ میں صرف کرنے کا حکم دیا ہے اور گمان کیا کہ گوشت کا بھاد دس رطل ہے۔ پس جب وکیل نے ایک درہم کے عوض بیس رطل خریدا تو وکیل نے مؤکل کے لئے اچھائی کا اضافہ کیا اور یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ اس نے اپنا غلام ایک ہزار درہم میں بیچنے کا وکیل کیا ہو مگر اسے اس کو دو ہزار درہم کے عوض فروخت کیا ہو۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ مؤکل نے وکیل کو دس رطل گوشت خریدنے کا حکم دیا ہے اور زائد خریدنے کا حکم نہیں دیا ہے۔ تو زائد کی خریداری وکیل پر نافذ ہوگی اور دس رطل کی مؤکل پر نافذ ہوگی۔ برخلاف اس مسئلہ کے جس سے امام ابو یوسفؒ نے استشہاد کیا ہے اس لئے کہ یہاں زیادتی مؤکل کی ملک کا بدل ہے تو زیادتی بھی مؤکل کے لئے ہوگی۔ برخلاف اس کے جب ایک درہم کے عوض بیس رطل وہ گوشت خریدا ہو جو ایک درہم کے عوض اس کے بیس رطل کے برابر ہے تو وکیل بالا جماع اپنے لئے خریدنے والا ہوگا۔ اس لئے کہ مؤکل کا حکم موٹے تازے کو شامل ہے۔ اور یہ دہلا ہے۔ لہذا آمر کا مقصود اصل نہ ہوگا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے شخص کو ایک درہم کے عوض دس رطل گوشت خریدنے کا وکیل کیا لیکن اس نے ایک درہم کے عوض بیس رطل خریدا لیا تو اس کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ گوشت ایسا موٹا تازہ ہوگا جو ایک درہم کے عوض دس رطل ہی بکتا ہے لیکن وکیل نے اپنی فراست سے ایک درہم میں بیس رطل خریدا لیا ہے اور یا وہ گوشت ایسا دبلا گھٹیا ہے کہ وہ ایک درہم کے عوض بیس رطل ہی بکتا ہے۔ پس اگر دوسری صورت ہے تو پورے گوشت کی خریداری بالا جماع نافذ ہوگی، اور مؤکل پر نافذ نہ ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں وکیل نے مؤکل کے حکم کی مخالفت کی ہے۔ اس طور پر کہ مؤکل نے موٹا، تازہ گوشت خریدنے کا حکم دیا تھا اور اس نے دبلا اور گھٹیا قسم کا گوشت خریدا ہے اور یہ بات مسلم ہے کہ وکیل اگر مؤکل کے حکم کے خلاف عمل کرتا ہے تو وہ معاملہ وکیل پر نافذ ہوتا ہے، مؤکل پر نافذ نہیں ہوتا لہذا مذکورہ صورت میں بھی پورے گوشت کی خریداری وکیل پر نافذ ہوگی اور مؤکل پر نافذ نہ ہوگی۔ اور اگر پہلی صورت ہے یعنی جو گوشت ایک درہم کے عوض دس رطل بکتا ہے۔ وکیل نے اس کو ایک درہم کے عوض بیس رطل خریدا ہے تو اس میں اختلاف ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ آدھے درہم کے عوض دس رطل کی خریداری تو مؤکل پر لازم اور نافذ ہوگی اور دس رطل کی خریداری وکیل پر نافذ ہوگی۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ پورے بیس رطل کی خریداری ایک درہم کے عوض مؤکل پر لازم اور نافذ ہوگی۔ یہ قدوری کی عبارت کا خلاصہ ہے۔

لیکن صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ قدوری کے بعض نسخوں میں امام محمد کا قول امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ مذکور ہے نہ کہ امام ابو یوسفؒ کے ساتھ۔ اور خود امام محمدؒ نے مبسوط کے کتاب الوکالت میں کوئی اختلاف ذکر نہیں کیا ہے لیکن قدوری کے نسخوں کے اعتبار سے جب امام محمدؒ کا قول مضطرب ہے تو اصلی اختلاف امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے درمیان باقی رہا اسی کی رعایت کرتے ہوئے صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ مؤکل نے وکیل کو گوشت خریدنے کے سلسلہ میں ایک درہم خرچ کرنے کا حکم دیا ہے یعنی مؤکل کا مقصد یہ تھا کہ وکیل ایک درہم کا گوشت خرید کر لادے اور خیال یہ تھا کہ ایک درہم کے عوض دس رطل گوشت آتا ہوگا۔ اس لئے ایک درہم کے عوض دس رطل گوشت خرید کر لانے کا وکیل کر دیا لیکن وکیل نے ایک درہم کے عوض بیس رطل گوشت خریدا تو اس سے وکیل نے مؤکل کے حق میں فائدہ ہی پہنچایا۔ یعنی ایسا کرنے سے وکیل نے مؤکل کی اس کے حکم میں مخالفت نہیں کی ہے۔ بلکہ مؤکل کا خیال، نفس الامر کے خلاف نکلا اور جب وکیل نے مؤکل کی اس کے حکم کی مخالفت نہیں کی ہے بلکہ مؤکل کے عمل کے مطابق عمل کیا ہے۔ تو وکیل کی پوری خریداری ایک درہم کے عوض (بیس رطل) مؤکل پر لازم اور نافذ ہوگی۔

اور یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ ایک شخص نے اپنا غلام ایک ہزار درہم کے عوض فروخت کرنے کا کسی کو وکیل کیا مگر وکیل نے اس کو دو ہزار درہم کے عوض فروخت کیا تو یہ فروخت کرنا بالاتفاق مؤکل کے حق میں جائز ہے۔ کیونکہ یہاں بھی مؤکل کا مقصد ایک ہزار درہم حاصل کرنا نہیں ہے۔ بلکہ غلام فروخت کرنا مقصود ہے۔ البتہ مؤکل کا خیال یہ تھا کہ یہ غلام ایک ہزار درہم کی مالیت کا ہے۔ حالانکہ مؤکل کا یہ خیال نفس الامر کے مطابق نہ تھا۔ پس جس طرح یہاں یہ بیع دو ہزار درہم کے عوض مؤکل پر نافذ ہوگی۔ اسی طرح متبن کے مسئلہ میں بیس رطل گوشت ایک درہم کے عوض مؤکل پر لازم ہوگا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ مؤکل نے وکیل کو دس رطل گوشت خریدنے کا امر کیا ہے اور اس سے زائد خریدنے کا امر نہیں کیا ہے۔ اور مؤکل کا خیال تھا کہ دس رطل گوشت ایک درہم میں مل جائے گا۔ مگر اس کے گمان کے خلاف مطلوبہ دس رطل گوشت نصف درہم میں مل گیا اور وکیل نے مؤکل کے حکم کی مخالفت کر کے دس رطل کے بجائے بیس رطل گوشت خرید کیا پس دس رطل گوشت کی خریداری چونکہ مؤکل کے حکم کے مطابق ہے اس لئے اس کا نافذ مؤکل پر ہوگا۔ اور دس رطل زائد کی خریداری چونکہ مؤکل کے حکم کے خلاف ہے اس لئے اس کا نافذ خود وکیل پر ہوگا نہ کہ مؤکل پر۔

بخلاف ما استشهد..... الخ سے امام ابو یوسفؒ کی تمثیل کا جواب ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ جب ایک شخص نے دوسرے شخص کو ایک ہزار روپیہ کے عوض اپنا غلام فروخت کرنے کا وکیل کیا مگر وکیل نے اس کو دو ہزار روپیہ کے عوض فروخت کر دیا تو ایک ہزار روپیہ زائد مؤکل کے لئے اس لئے ہوگا کہ ایک ہزار روپیہ مؤکل کی ملک کا بدل ہے تو یہ بھی مؤکل کے لئے ملک ہوگا اور وکیل اس زیادتی کا مستحق نہ ہوگا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ اگر وکیل نے ایک درہم کے عوض بیس رطل ایسا گوشت خریدا جو عام طور پر اسی بھاء بکتا ہے تو اس صورت میں بالا جماع یہ گوشت اپنے واسطے خریدنے والا ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں وکیل نے مؤکل کے امر کی مخالفت کی ہے۔ اس طور پر کہ مؤکل کا امر ایسے موٹے تازے گوشت کو شامل تھا جو ایک درہم کے عوض بیس رطل بکتا ہے مگر اس نے ایسا گھٹیا گوشت خریدا ہے جو ایک درہم کے عوض بیس رطل بکتا ہے تو اس صورت میں مؤکل کا مقصود حاصل نہیں ہوا۔ اور جب مؤکل کا مقصود حاصل نہیں ہوا تو یہ خریداری مؤکل پر نافذ نہ ہوگی۔ بلکہ وکیل پر نافذ ہوگی۔

مؤکل نے وکیل کو کسی معین چیز خریدنے کا وکیل بنایا تو وکیل اپنے لئے اسے نہیں خرید سکتا

قَالَ وَلَوْ وَكَّلَهُ بِشَرَاءِ شَيْءٍ بِغَيْرِهِ فَلَيْسَ لَهُ أَنْ يَشْتَرِيَهُ لِنَفْسِهِ لِأَنَّهُ يُؤَدِّي إِلَى تَعْزِيرِ الْأَمْرِ حَيْثُ اعْتَمَدَ عَلَيْهِ وَلَئِنْ فِيهِ عَزْلٌ لِنَفْسِهِ وَلَا يَمْلِكُهُ عَلَى مَا قِيلَ إِلَّا بِمَحْضَرٍ مِنَ الْمُوَكَّلِ فَلَوْ كَانَ الثَّمَنُ مُسَمًّى فَاشْتَرَى بِخِلَافِ جِنْسِهِ أَوْ لَمْ يَكُنْ مُسَمًّى فَاشْتَرَى بِغَيْرِ النُّقُودِ أَوْ وَكَّلَ وَكِيلاً بِشَرَاءِ فَاشْتَرَى الثَّانِي وَهُوَ غَائِبٌ يَثْبُتُ الْمَلِكُ لِلْوَكِيلِ الْأَوَّلِ فِي هَذِهِ الْوُجُوهِ لِأَنَّهُ خَالَفَ أَمْرَ الْأَمْرِ فَقَدْ عَلِيَهُ وَلَوْ اشْتَرَى الثَّانِي بِحَضْرَةِ

الْوَكِيلُ الْأَوَّلُ نَفَذَ عَلَى الْمُوَكَّلِ الْأَوَّلِ لِأَنَّهُ حَصَرَهُ رَأْيُهُ فَلَمْ يَكُنْ مُخَالَفًا

ترجمہ..... اگر موكل نے وكيل کو کسی معین چیز کے خریدنے کا وکیل کیا ہو تو وكيل کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس کو اپنی ذات سے واسطے خرید لے کیونکہ وكيل کا اپنے واسطے خریدنا موكل کا دھوکا دینے کا سبب ہے اس لئے کہ موكل نے اس پر اعتماد کیا ہے۔ اور اس لئے کہ ایسا کرنے میں وكيل کا اپنے آپ کو معزول کرنا ہے حالانکہ وكيل بقول بعض علماء کے اس کا مالک نہیں ہے مگر موكل کی موجودگی میں۔ پس اگر ثمن بیان کر دیا گیا ہو پھر وكيل نے اس کے خلاف جس کے عوض خرید یا شے بیان نہیں ہوا تھا لیکن وكيل نے غیر نقد کے عوض خرید یا وکیل نے کسی دوسرے شخص کو اس کے خریدنے کا وکیل کیا پس دوسرے وكيل نے خرید لیا۔ حالانکہ وكيل اول غائب ہے تو ان صورتوں میں وكيل اول کے لئے ملک ثابت ہو جائے گی۔ کیونکہ وكيل نے ان صورتوں میں موكل کے امر کی مخالفت کی ہے۔ لہذا یہ خریداری اسی پر نافذ ہو جائے گی اور اگر دوسرے وكيل نے وكيل اول کی موجودگی میں خرید اتو خریداری موكل اول پر نافذ ہوگی۔ اس لئے کہ وكيل اول کی رائے موجود ہے۔ لہذا وکیل اول اپنے موكل کے حکم کے مخالف نہ ہوا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے کسی دوسرے شخص کو کسی معین چیز خریدنے کا وکیل کیا ہے تو وكيل کے لئے اس متعینہ چیز کو اپنے واسطے خریدنا جائز نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اگر وکیل نے اس متعینہ چیز کو اپنے واسطے خرید بھی لیا تو یہ خریداری موكل کے لئے ہوگی نہ کہ وکیل کے لئے خواہ وکیل عقد شراء کے وقت اپنے واسطے خریدنے کی نیت کرے خواہ اپنے واسطے خریدنے کی صراحت کرے۔ مثلاً یہ کہے کہ لوگو! تم گواہ رہو میں نے یہ چیز اپنے واسطے خریدی ہے مگر یہ حکم اس وقت ہے جبکہ موكل عقد شراء کے وقت موجود نہ ہو اور اگر موكل عقد شراء کے وقت موجود ہو اور وکیل اپنے واسطے خریدنے کی صراحت کر دے۔ تو اس صورت میں خریداری وکیل کے لئے ہوگی۔

اصل مسئلہ پر دلیل..... یہ ہے کہ متعینہ شے کے خریدنے کے سلسلہ میں موكل نے وکیل پر اعتماد کیا ہے۔ مگر وکیل نے اس متعینہ شے کو اپنے واسطے خرید کر موكل کو دھوکا دیا ہے۔ اور موكل ایک مسلمان ہے اور مسلمان کو دھوکا دینا جائز نہیں ہے۔ لہذا وکیل کا اس متعینہ شے کو اپنے واسطے خریدنا جائز نہ ہوگا۔

دوسری دلیل..... یہ ہے کہ جب وکیل نے اس متعینہ شے کو اپنے واسطے خرید کیا ہے۔ حالانکہ بحکم وکالت موكل کے واسطے خریدنے پر مامور تھا تو گویا وہ اپنے آپ کو وکالت سے معزول کرنا چاہتا ہے۔ حالانکہ موكل کی عدم موجودگی میں وکیل اپنے آپ کو معزول کرنے کا مجاز نہیں ہوتا جیسا کہ موكل، وکیل کی عدم موجودگی میں اس کو معزول کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ کیونکہ معزول کرنا یا معزول ہونا فتح عقد ہے اور فتح عقد بغیر کسی دوسرے ساتھی کے علم کے درست نہیں ہوتا لہذا وکیل کا موكل کی عدم موجودگی میں اپنے آپ کو معزول کرنا درست نہ ہوگا۔ ہاں اگر موكل موجود ہو اور وکیل نے اس متعینہ شے کو اپنے واسطے خریدنے کی صراحت کر دی ہے تو اس صورت میں وکیل کا اپنے آپ کو معزول کرنا چونکہ موكل کی موجودگی میں ہے اس لئے یہ درست ہوگا اور اس متعینہ شے کی خریداری وکیل کے لئے ہوگی نہ کہ موكل کے لئے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ اگر موكل نے کسی کو متعینہ چیز خریدنے کا وکیل کیا ہو اور پھر اس نے موكل کی عدم موجودگی میں اس چیز کو اپنے واسطے خرید لیا ہو تو سابق میں گذر چکا کہ یہ خریداری موكل کے لئے ہوگی اور موكل ہی اس متعینہ شے کا مالک ہوگا۔ وکیل مالک نہ ہوگا۔ مگر تین صورتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ یعنی تین صورتیں ایسی ہیں جن میں خریداری وکیل کے لئے واقع ہوگی۔ اور وکیل ہی اس شے کا مالک ہوگا۔

۱۔ اگر موكل نے ثمن مسمیٰ کے عوض خریدنے کا وکیل کیا پھر وکیل نے اس ثمن مسمیٰ کی جنس کے خلاف کے عوض خرید کیا۔ مثلاً موكل نے دراہم کا ذکر کیا اور وکیل نے دنانیر کے عوض خرید اتو اس صورت میں یہ خریداری وکیل کے لئے ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں وکیل نے موكل کے حکم کی مخالفت کی ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے اور موكل کے حکم کی مخالفت کرنے سے عقد وکیل پر نافذ ہوتا ہے نہ کہ موكل پر لہذا یہ عقد شراء وکیل پر نافذ ہوگا۔ اور وکیل ہی اس متعینہ شے کا مالک ہوگا۔

۲۔ یہ کہ موكل نے ثمن بیان نہیں کیا ہے بلکہ وکیل سے یہ کہہ دیا کہ فلاں متعینہ چیز خرید کر لاؤ مگر وکیل نے نقد یعنی دراہم، دنانیر کے علاوہ دوسری

کسی ملک یا موزونی چیز کے عوض خریداری کی تو اس صورت میں بھی یہ خریداری وکیل کے لئے ہوگی اور وکیل ہی خریدی ہوئی چیز کا مالک ہوگا۔
مؤکل مالک نہ ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں بھی وکیل نے مؤکل کے حکم کی مخالفت کی ہے۔ اس طور پر کہ مؤکل کے شمن بیان نہ کرنے کی وجہ سے شمن متعارف کی طرف لوٹے گا اور متعارف نقد بلد ہے یعنی شہر کا مروجہ سکہ متعارف ہے۔ لہذا مؤکل کا امر اسی نقد بلد کی طرف راجع ہوگا۔
اور یہ ایسا ہوگا گویا مؤکل نے یوں کہا کہ فلاں متعین چیز نقد بلد کے عوض خرید کر لاؤ مگر وکیل نے غیر نقدود کے عوض خریدی تو وکیل مؤکل کے حکم کی مخالفت کرنے والا اور مخالفت کی صورت میں عقد شراء وکیل کے لئے ہوتا ہے اور خرید کی ہوئی چیز کا مالک وکیل ہی ہوتا ہے نہ کہ مؤکل۔ لہذا مذکورہ صورت میں بھی خریدی ہوئی چیز وکیل کے لئے ہوگی۔

۳۔ یہ ہے کہ مؤکل نے ایک شخص کو ایک متعین چیز خریدنے کا وکیل کیا۔ پھر اس وکیل نے دوسرے شخص کو وکیل کیا۔ پھر وکیل ثانی نے وکیل اول کی عدم موجودگی میں اس متعین شے کو خرید لیا تو اس صورت میں بھی یہ خریداری وکیل اول کے لئے ہوگی۔ اور وہی اس شے کا مالک ہوگا کیونکہ اس صورت میں بھی وکیل اول نے اپنے مؤکل کے حکم کی مخالفت کی ہے۔ اس طور پر کہ جب مؤکل نے اس کو وکیل بنایا تھا تو گویا یہ حکم دیا تھا کہ اس متعین شے کو خرید کرنے کے وقت تیری رائے موجود رہنی چاہئے۔ حالانکہ اس صورت میں وکیل اول کی عدم موجودگی کی وجہ سے وکیل اول کی رائے نہیں پائی گئی۔ اور جب وکیل اول کی رائے نہیں پائی گئی تو وکیل اول کی طرف سے مؤکل کے حکم کی مخالفت پائی گئی اور وکیل کے اپنے مؤکل کے حکم کی مخالفت کرنے سے چونکہ عقد وکیل پر نافذ ہوتا ہے نہ کہ مؤکل پر۔ اس لئے اس صورت میں خریداری وکیل اول کے لئے ہوگی نہ کہ اس کے مؤکل کے لئے اور اگر وکیل ثانی نے وکیل اول کی موجودگی میں خریداری کی تو یہ خریداری مؤکل اول پر نافذ ہو جائے گی۔ کیونکہ اس صورت میں خریداری کرتے وقت وکیل اول کی رائے تحقق ہوگئی ہے اور جب وکیل اول کی رائے تحقق ہوگئی تو وکیل اول اپنے مؤکل کی مخالفت کرنے والا نہ ہوا۔ اور جب وکیل اول اپنے مؤکل کی مخالفت کرنے والا نہیں ہوا تو یہ خریداری اس کے مؤکل پر ہی نافذ ہوگی نہ کہ وکیل اول پر۔

مؤکل نے غیر معین غلام خریدنے پر وکیل بنایا وکیل نے ایک غلام خریدا وہ وکیل کا ہوگا، مؤکل کا کب ہوگا

قَالَ وَإِنْ وَكَّلَهُ بِشِرَاءِ عَبْدٍ بغير عَيْنِهِ فَاشْتَرَى عَبْدًا فَهُوَ لِلْوَكِيلِ إِلَّا أَنْ يَقُولَ نَوَيْتُ الشِّرَاءَ لِلْمُؤْكَلِ أَوْ يَشْتَرِيهِ بِمَالِ الْمُؤْكَلِ قَالَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ هَذِهِ الْمَسْأَلَةُ عَلَى وَجْهِهِ إِنْ أَضَافَ الْعَقْدَ إِلَى دَرَاهِمِ الْأَمْرِ كَانَ لِلْأَمْرِ وَهُوَ الْمُرَادُ عِنْدِي يَقُولُهُ أَوْ يَشْتَرِيهِ بِمَالِ الْمُؤْكَلِ دُونَ النَّقْدِ مِنْ مَالِهِ لِأَنَّ فِيهِ تَفْصِيلًا وَخِلَافًا وَهَذَا بِالْإِجْمَاعِ وَهُوَ مُطْلَقٌ وَإِنْ أَضَافَهُ إِلَى دَرَاهِمِ نَفْسِهِ كَانَ لِنَفْسِهِ حَمَلًا لِحَالِهِ عَلَى مَا يَجِلُّ لَهُ شَرْعًا أَوْ يَفْعَلُهُ عَادَةً إِذَا الشِّرَاءُ لِنَفْسِهِ بِإِضَافَةِ الْعَقْدِ إِلَى دَرَاهِمِ غَيْرِهِ مُسْتَنَكَّرٌ شَرْعًا وَعُرْفًا وَإِنْ أَضَافَهُ إِلَى دَرَاهِمِ مُطْلَقَةٍ فَإِنْ نَوَاهَا لِلْأَمْرِ فَهُوَ لِلْأَمْرِ وَإِنْ نَوَاهَا لِنَفْسِهِ فَلِنَفْسِهِ لِأَنَّ لَهُ أَنْ يَعْمَلَ لِنَفْسِهِ وَيَعْمَلَ لِلْأَمْرِ فِي هَذَا التَّوَكُّلِ. وَإِنْ تَكَادَبَا فِي النِّيَّةِ يُحْكَمُ النَّقْدُ بِالْإِجْمَاعِ لِأَنَّهُ دَلَالَةٌ ظَاهِرَةٌ عَلَى مَا ذَكَرْنَا وَإِنْ تَوَافَقَا عَلَى أَنَّهُ لَمْ تَحْضُرْهُ النِّيَّةُ قَالَ مُحَمَّدٌ هُوَ لِلْعَاقِدِ لِأَنَّ الْأَصْلَ أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ يَعْمَلُ لِنَفْسِهِ إِلَّا إِذَا ثَبَتَ جَعَلَهُ لِغَيْرِهِ وَلَمْ يَثْبُتْ وَعِنْدَ أَبِي يُونُسَ يُحْكَمُ النَّقْدُ فِيهِ لِأَنَّ مَا أَوْقَعَهُ مُطْلَقًا يَحْتَمِلُ الْوَجْهَيْنِ فَيَقْبَلُ مَوْفُوفًا فَمِنْ آيِ الْمَالَيْنِ نَقْدٌ فَقَدْ فَعَلَ ذَلِكَ الْمُحْتَمِلُ لِصَاحِبِهِ وَلِأَنَّ مَعَ تَصَادُقِهِمَا يَحْتَمِلُ النِّيَّةُ لِلْأَمْرِ وَفِيمَا قُلْنَا هُ حَمِلَ حَالَهُ عَلَى الصَّلَاحِ كَمَا فِي حَالَةِ التَّكَادُبِ وَالتَّوَكُّلِ بِإِسْلَامٍ فِي الطَّعَامِ عَلَى هَذِهِ الْوُجُوهِ

ترجمہ..... اور اگر مؤکل نے اس کو کسی عبد غیر معین کے خریدنے کا وکیل کیا پس وکیل نے ایک غلام خریدا تو وہ وکیل کا ہوگا۔ مگر کہ یہ یوں کہے کہ میں

نے مؤکل کے لئے خریدنے کی نیت کی یا اس کو مؤکل کے مال سے خریدے۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ اس مسئلہ کی کئی صورتیں ہیں اگر وکیل نے عقد مؤکل کی طرف دراہم کو منسوب کیا تو یہ عقد مؤکل کے واسطے ہوگا اور میرے نزدیک مصنف کے قول او یشتویہ بمال المؤمنین سے یہی مراد ہے نہ کہ مؤکل کے مال سے ادا کرنا کیونکہ اس میں تفصیل اور اختلاف ہے اور یہ حکم بالا جماع ہے حالانکہ مطلق ہے اور اگر وکیل نے عقد شراء کو اپنے دراہم کی طرف منسوب کیا تو یہ عقد شراء وکیل کے واسطے ہوگا۔ اس کے حال کو ایسی چیز پر محمول کرتے ہوئے جو اس کے لئے شرعاً حلال ہے یا اس کو عادت کرتا ہے۔ اس لئے کہ دوسرے دراہم کی طرف عقد کی نسبت کر کے اپنے واسطے خریدنا شرعاً اور عرفاً برابر ہے اور اگر وکیل نے عقد شراء کو دراہم مطلقہ کی طرف منسوب کیا۔ پس اگر اس نے مؤکل کے لئے اس کی نیت کی تو وہ مؤکل کے لئے ہوگا۔ اور اگر اپنے لئے نیت کی تو وہ اپنے لئے ہوگا۔ اس لئے کہ اس توکیل میں وکیل کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے واسطے عمل کرے یا مؤکل کے واسطے عمل کرے اور اگر وکیل اور مؤکل دونوں نے نیت میں ایک دوسرے کو جھٹلایا تو بالا جماع ادا کرنے کو حکم بنایا جائے گا۔ اس لئے کہ مذکورہ بیان پر ظاہری دلیل ہے۔

اور اگر دونوں نے اتفاق کیا کہ خرید کرتے وقت نیت موجود نہیں تھی۔ تو امام محمدؒ نے فرمایا کہ یہ عقد شراء عاقد (وکیل) کے لئے ہوگا کیونکہ اصل یہی ہے کہ ہر آدمی اپنے واسطے عمل کرتا ہے۔ مگر جبکہ یہ ثابت ہو جائے کہ اس نے اپنا کام دوسرے کے لئے کر دیا ہے۔ حالانکہ یہ ثابت نہیں ہوا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس میں بھی اداء کرنے کو حکم بنایا جائے گا۔ کیونکہ وکیل نے جو کام مطلق واقع کیا ہے وہ دونوں صورتوں کا احتمال رکھتا ہے۔ پس یہ کام موقوف رہے گا۔ پس جس کے مال سے ثمن ادا کیا یہ محتمل کام اسی کے لئے کیا اور اس لئے کہ دونوں کے عدم نیت پر اتفاق کرنے کے ساتھ مؤکل کرنا ہے۔ جیسا کہ ایک دوسرے کو جھٹلانے کی صورت میں اور اناج کی بیع مسلم کے لئے وکیل کرنا بھی انہیں صورتوں پر ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے شخص کو غیر معین غلام خریدنے کا وکیل کیا۔ پھر وکیل نے ایک غلام خرید لیا تو یہ خریداری وکیل کے لئے ہوگی۔ اور وکیل ہی اس غلام کا مالک ہوگا لیکن اگر وکیل یہ کہے کہ میں نے مؤکل کے واسطے خرید کرنے کی نیت کی تھی۔ یا وکیل اس غلام کو مؤکل کے مال سے خریدے تو ان دونوں صورتوں میں یہ غلام مؤکل کا ہوگا۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ اس مسئلہ کی تین صورتیں ہیں اس لئے کہ وکیل عقد شراء کو۔

۱۔ یا تو مؤکل کے دراہم کی طرف منسوب کرے گا۔ مثلاً یہ کہے گا کہ میں نے یہ غلام مؤکل کے دراہم کے عوض خریدا۔

۲۔ یا تو اپنے دراہم کی طرف منسوب کرے گا۔ مثلاً یہ کہے کہ میں نے یہ غلام اپنے دراہم کے عوض خریدا۔

۳۔ اور یا مطلق دراہم کی طرف منسوب کرے گا۔ مثلاً یہ کہے گا کہ میں نے یہ غلام ایک سودراہم کے عوض خریدا اور یہ نہیں کہا کہ اپنے سودراہم یا مؤکل کے سودراہم کے عوض خریدا یعنی دراہم کو اپنی طرف یا مؤکل کی طرف منسوب نہیں کیا ہے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ قدوری کی عبارت او یشتوی بمال المؤمنین میں دو احتمال ہیں،

ایک..... یہ کہ وکیل ثمن مؤکل کے مال سے ادا کرے اور عقد کو اس کی طرف منسوب نہ کرے۔

دوم..... یہ کہ وکیل عقد شراء کو مؤکل کے دراہم کی طرف منسوب کرے۔

یعنی مؤکل کے مال سے خریدنے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ وکیل، مؤکل کے مال سے ثمن ادا کرے اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وکیل عقد کو مؤکل کے دراہم کی طرف منسوب کرے۔

شارح فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ دوسرا احتمال ہی مراد ہے کیونکہ پہلے احتمال میں قدرے تفصیل بھی ہے اور اختلاف بھی ہے جیسا کہ آئندہ آ رہا ہے۔ اور دوسرا احتمال کہ اگر وکیل عقد کو مؤکل کے دراہم کی طرف منسوب کر دے تو یہ عقد مؤکل کے لئے واقع ہوگا۔ مجمع علیہ اور متفق علیہ ہے۔ اور قدوری کی عبارت او یشتویہ بمال المؤمنین مطلق ہے یعنی اس میں کوئی اختلاف مذکور نہیں ہے۔ پس جب اس میں کوئی اختلاف مذکور

نہیں ہے تو اس کو مجمع علیہ اور متفق علیہ صورت پر محمول کیا جائے گا۔ یعنی یہی کہا جائے گا کہ قدوری کی عبارت او یشتریہ بمال المۆکّل سے مراد عقد شراء کو مۆکل کے دراہم کی طرف منسوب کرنا ہے نہ کہ مۆکل کے دراہم کی طرف۔ عقد کو منسوب کیئے بغیر مۆکل کے مال سے ثمن ادا کرنا ہے۔ بہر حال مذکورہ تین صورتوں میں سے،

پہلی صورت یہ ہے کہ اگر وکیل نے عقد شراء کو مۆکل کے دراہم کی طرف منسوب کیا تو یہ عقد مۆکل کے لئے واقع ہوگا اور خرید کردہ غلام مۆکل کا ہوگا نہ کہ وکیل کا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ اگر وکیل نے عقد شراء کو اپنے دراہم کی طرف منسوب کیا تو یہ عقد خود وکیل کے لئے ہوگا اور خرید کردہ غلام وکیل کا ہوگا نہ کہ مۆکل کا۔

صاحب ہدایہؒ نے ان دونوں مسئلوں کے بعد حملاً لحالہ علی ما یحلّ لہ شرعاً او یفعلہ عادۃ سے دو دلیلیں ذکر کی ہیں۔ ایک دلیل عرف ہے اور ایک دلیل شرع ہے۔ دلیل عرف تو یہ دونوں کو شامل ہے کیونکہ اس پر جاری ہے کہ عقد کو اپنے دراہم کی طرف منسوب کرنے والا اپنے لئے خرید کرنے والا ہوتا ہے۔ اور مۆکل کے دراہم کی طرف منسوب کرنے والا مۆکل کے لئے خرید کرنے والا ہوتا ہے۔ پس اس عرف کی وجہ سے پہلی صورت میں عقد شراء مۆکل کے لئے ہوگا اور دوسری صورت میں وکیل کے لئے ہوگا اور دلیل شرع خاص طور پر پہلی صورت کے ساتھ متعلق ہے۔ اس طور پر کہ پہلی صورت یہ ہے کہ اگر وکیل نے عقد شراء کو مۆکل کے دراہم کی طرف منسوب کیا تو عقد شراء مۆکل کے لئے ہوگا کیونکہ اگر عقد شراء دوسرے کے مال کی طرف منسوب ہو اور شراء اپنے لئے ہو تو یہ حرام ہے اس لئے کہ اس صورت میں مۆکل کے دراہم کا غصب کرنا لازم آتا ہے اور غصب کا حرام ہونا واضح ہے اور اگر عقد شراء اپنے مال کی طرف منسوب ہو اور شراء دوسرے کے لئے ہو یہ حرام نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس صورت میں غصب کا مرتکب ہونا لازم نہیں آتا ہے۔

بہر حال مصنفؒ ہدایہ نے حملاً لحالہ علی ما یحلّ لہ شرعاً سے دلیل شرع بیان کی ہے۔ اور او یفعلہ عادۃ سے دلیل عرف کو بیان کیا ہے۔ دلیل شرع تو صرف پہلی صورت پر ہے اور دلیل عرف دونوں صورتوں پر ہے۔ (کفایہ)

تیسری صورت یہ ہے کہ وکیل نے عقد شراء کو دارہم مطلقہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ مثلاً یہ کہا کہ میں نے یہ غلام ایک سودراہم کے عوض خریدا اور یہ نہیں کہا کہ اپنے ایک سودراہم یا مۆکل کے ایک سودراہم کے عوض خریدا۔ پس اس صورت میں اگر وکیل نے دارہم مطلقہ سے مۆکل کے لئے خریدنے کی نیت کی تو یہ عقد شراء مۆکل کے لئے ہوگا اور اگر اپنے خریدنے کی نیت کی تو یہ عقد شراء خود وکیل کے لئے ہوگا۔ کیونکہ غیر معین غلام خرید کرنے کی توکیل کی صورت میں وکیل کو دونوں اختیار ہوتے ہیں وہ اپنے لئے خریدنے کا بھی مجاز ہے اور مۆکل کے لئے بھی خرید کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔ لہذا خرید کرتے وقت جس کی نیت کرے گا غلام اسی کا ہوگا۔ اور اگر دارہم مطلقہ کی صورت میں وکیل اور مۆکل کے درمیان اختلاف ہو گیا یعنی وکیل نے کہا کہ یہ غلام میں نے اپنے لئے خریدا ہے اور مۆکل نے کہا کہ نہیں بلکہ میرے لئے خریدا ہے۔ تو اس صورت میں بالاتفاق ادائیگی ثمن کو فیصل قرار دیا جائے گا یعنی اگر ثمن وکیل کے مال سے ادا کیا گیا ہے تو یہ خریداری وکیل کے لئے ہوگی۔ اور وکیل غلام کا مالک ہوگا۔ اور اگر مۆکل کے مال سے ثمن ادا کیا گیا ہے تو یہ خریداری مۆکل کے لئے ہوگی اور مۆکل اس غلام کا مالک ہوگا۔ کیونکہ ثمن کا اداء کرنا اس بات پر ظاہری دلیل ہے کہ وکیل کے مال کو اس پر محمول کیا جائے۔ جو اس کے لئے شرعاً حلال ہے یا اس کو عادۃ کیا جاتا ہے۔ یعنی اگر وکیل نے اپنے مال سے ثمن ادا کیا ہے تو یہ اپنے مال سے ثمن ادا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ خریداری خود وکیل کے لئے ہے۔ اس لئے کہ عرفاً اور عادۃ ایسا نہیں کیا جاتا ہے کہ مۆکل اپنے مال سے ثمن اداء کرے اور خریداری دوسرے کے لئے ہو اور اگر مۆکل کے مال سے ثمن ادا کیا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ خریداری بھی مۆکل کے لئے ہے۔ اسلئے کہ شرعاً یہ بات حرام ہے کہ آدمی خریداری اپنے لئے کرے اور ثمن دوسرے کے مال سے ادا کرے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ

اس صورت میں وکیل کا غاصب ہونا لازم آئے گا اور اگر وکیل اور موکل اس بات پر متفق ہو گئے کہ غلام کی خریداری کرتے وقت وکیل کی کوئی نیت نہیں تھی۔ تو اس صورت میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے درمیان اختلاف ہے۔ چنانچہ امام محمدؒ نے فرمایا کہ یہ خریداری، عاقد، یعنی وکیل کے لئے ہے کیونکہ اصل یہی ہے کہ آدمی اپنے لئے کام کرتا ہے سوائے اس کے کہ وہ اپنا کام کسی دوسرے کے لئے اس کے مال کی طرف نسبت کر کے یا اس کی نیت کر کے قرار دے دے۔ مگر چونکہ یہاں فرض کیا گیا ہے کہ وکیل نے اپنی اس خریداری کو دوسرے کے لئے قرار نہیں دیا ہے اس لئے یہ خریداری عاقد یعنی وکیل ہی کے لئے ہوگی۔

اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اس صورت میں بھی ادائیگی ثمن کو فیصل بنایا جائے گا۔ یعنی ثمن جس کے مال سے ادا ہوگا خریداری اسی کے لئے ہوگی اور وہی غلام کا مالک ہوگا۔ کیونکہ وکیل نے جو خریداری کی ہے وہ نیت نہ ہونے کی وجہ سے مطلق ہے اور دونوں صورتوں کا احتمال رکھتی ہے۔ یعنی یہ بھی احتمال ہے کہ خریداری موکل کے لئے ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ خریداری خود وکیل کے لئے ہو۔ پس دونوں کا احتمال رکھنے کی وجہ سے یہ خریداری موقوف رہے گی۔ یعنی نہ وکیل کے لئے ہوگی اور نہ موکل کے لئے ہوگی۔ بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ ثمن کس کے مال سے ادا کیا گیا ہوگا۔ یہ محتمل خریداری اسی کے لئے ہوگی۔

دوسری دلیل..... یہ ہے کہ جب وکیل اور موکل نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ خرید کرتے وقت وکیل کی کوئی نیت نہیں تھی تو اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ وکیل نے موکل کے لئے نیت کی مگر بھول گیا ہو۔ اور جب یہ بھی احتمال ہے تو خریداری یقینی طور سے عاقد یعنی وکیل کے لئے کیسے ہو سکتی ہے اور جوہم نے ابو یوسفؒ کی طرف سے کہا ہے اس میں وکیل کا حال صلاح پر محمول ہے اس طور پر کہ اگر ثمن موکل کے مال سے ادا کیا گیا ہو اور خریداری وکیل کے لئے ہو۔ جیسا کہ امام محمدؒ نے کہا ہے تو وکیل غاصب ہوگا اور اگر خریداری بھی موکل کے لئے ہو تو وکیل غاصب نہ ہوگا۔ بہر حال ادائیگی ثمن کو فیصل قرار دینے کی صورت میں چونکہ وکیل کا حال صلاح پر محمول ہوتا ہے اس لئے خرید کرتے وقت نیت موجود نہ ہونے پر اتفاق کر لینے کی صورت میں ادائیگی ثمن کو فیصل قرار دینا مناسب ہوگا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ اناج کی بیع سلم کے سلسلہ میں وکیل کرنے کی بھی یہی صورتیں ہیں جو اوپر مذکور ہیں۔ کیونکہ بیع سلم میں اناج بھی غیر معین ہوتا ہے۔ پس جب وکیل نے بیع سلم کی تو دیکھا جائے گا کہ اس نے عقد کو اپنے مال کی طرف منسوب کیا ہے یا موکل کے مال کی طرف یا مطلق دراهم کی طرف پھر مطلق دراهم کی صورت میں اس کی کچھ نیت ہے یا نہیں۔ اگر نیت ہے تو اپنے واسطے ہے یا موکل کے واسطے ہے۔ یا دونوں نے نیت میں اختلاف کیا ہے۔ اور اگر وکیل اور موکل کا اتفاق ہے کہ نیت نہیں تھی تو امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے درمیان اختلاف ہے۔

موکل نے وکیل کو ایک غلام ہزار روپے کے عوض خریدنے کا حکم دیا وکیل نے کہا میں نے خرید اور وہ میرے

پاس فوت ہو گیا اور موکل نے کہا تو نے اسے اپنے لئے خریدا تھا تو موکل کا قول قابل قبول ہوگا

قَالَ وَمَنْ أَمَرَ رَجُلًا بِشِرَاءِ عَبْدٍ بِالْفِ فَقَالَ قَدْ فَعَلْتُ وَمَاتَ عِنْدِي وَقَالَ الْأَمِيرُ اشْتَرَيْتَهُ لِنَفْسِكَ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْأَمِيرِ فَإِنْ كَانَ دَفَعَ إِلَيْهِ الْأَلْفَ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمَأْمُورِ لِأَنَّ فِي الْوَجْهِ الْأَوَّلِ أَخْبَرَ عَمَّا لَا يَمْلِكُ اسْتِيفَافَهُ وَهُوَ الرُّجُوعُ بِالثَّمَنِ عَلَى الْأَمِيرِ وَهُوَ يُنْكِرُ وَالْقَوْلُ لِلْمُنْكَرِ وَفِي الْوَجْهِ الثَّانِي هُوَ أَمِينٌ يُرِيدُ الْخُرُوجَ عَنْ عَهْدَةِ الْأَمَانَةِ فَيُقْبَلُ قَوْلُهُ وَلَوْ كَانَ الْعَبْدُ حَيًّا حِينَ اخْتَلَفَا إِنْ كَانَ الثَّمَنُ مَنْقُودًا فَالْقَوْلُ لِلْمَأْمُورِ لِأَنَّهُ أَمِينٌ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ مَنْقُودًا فَكَذَلِكَ عِنْدَ أَبِي يُونُسَ وَمُحَمَّدٍ لِأَنَّهُ يَمْلِكُ اسْتِيفَافَ الشِّرَاءِ فَلَا يَتَّهِمُ فِي الْإِخْبَارِ عَنْهُ وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ الْقَوْلُ لِلْأَمِيرِ لِأَنَّهُ مَوْضِعُ تُّهْمَةٍ بَأَنِ اشْتَرَاهُ لِنَفْسِهِ فَإِذَا رَأَى الصَّفَقَةَ خَاسِرَةً أَلْزَمَهَا الْأَمِيرُ بِخِلَافِ

مَا إِذَا كَانَ الثَّمَنُ مَنقُودًا لِأَنَّهُ أَمِينٌ فِيهِ فَيَقْبَلُ قَوْلُهُ تَبَعًا لِّذَلِكَ وَلَا ثَمَنَ فِي يَدِهِ هَهُنَا

ترجمہ..... ایک شخص نے ایک شخص کو ایک ہزار روپیہ کے عوض ایک غلام خریدنے کا حکم دیا۔ پس وکیل نے کہا کہ میں نے کیا ہے لیکن وہ غلام میرے پاس مر گیا ہے اور مؤکل نے کہا کہ تو نے اس غلام کو اپنے واسطے خریدا تھا تو مؤکل کا قول قبول ہوگا۔ پس اگر مؤکل نے وکیل کو ایک ہزار روپیہ دے دیے ہوں تو وکیل کا قول قبول ہوگا۔ اس لئے کہ پہلی صورت میں وکیل نے ایسی چیز کی خریدی ہے جس کو ایجاد کرنے کا وہ مالک نہیں ہے اور وہ مؤکل سے ثمن واپس لینا ہے حالانکہ مؤکل اس کا منکر ہے اور قول منکر ہی کا معتبر ہوتا ہے اور دوسری صورت میں وکیل امین ہے وہ امانت کی ذمہ داری سے نکلنا چاہتا ہے۔ لہذا اسی کا قول قبول ہوگا اور اگر جس وقت ان دونوں نے اختلاف کیا ہے اس وقت غلام زندہ ہو (پس) اگر ثمن (وکیل کو) دے دیا گیا ہو تو وکیل کا قول قبول ہوگا۔ اس لئے کہ وہ امین ہے اور اگر ثمن نہیں دیا گیا تو بھی صاحبین کے نزدیک ایسا ہی ہے کیونکہ وہ از سر نو خریدنے کا مالک ہے تو وہ خرید کرنے کی خبر دینے میں متہم نہ ہوگا۔ اور ابو حنیفہ کے نزدیک مؤکل کا قول معتبر ہے کیونکہ یہ تہمت کا مقام ہے بایں طور کہ اس کو اپنے لئے خریدا ہو پھر جب دیکھا کہ یہ گھائے کا معاملہ ہے تو اس کو مؤکل کے ذمہ ڈال دیا۔ برخلاف اس قول کے جب ثمن دے دیا گیا ہو۔ کیونکہ اس میں وکیل امین ہے۔ لہذا اس کی طبیعت میں اسی کا قول قبول ہوگا۔ اور یہاں وکیل کے قبضہ میں ثمن نہیں ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے شخص کو ایک ہزار روپیہ کے عوض ایک غلام خریدنے کا وکیل کیا۔ وکیل نے کہا کہ میں نے وہ غلام خریدا تھا مگر میرے پاس مر گیا اور مؤکل نے کہا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ وہ غلام تو نے اپنے واسطے خریدا تھا اور مؤکل نے ابھی تک وکیل کو ایک ہزار روپیہ نہیں دیا ہے۔ تو اس صورت میں مؤکل کا قول معتبر ہوگا۔ اور یہ خریداری وکیل کے لئے ہوگی نہ کہ مؤکل کے لئے یہی ایک روایت امام شافعی اور امام احمدی ہے اور اگر مؤکل، وکیل کو ایک ہزار روپیہ دے چکا ہے اور پھر یہ اختلاف ہوا ہے تو بالاتفاق وکیل کا قول معتبر ہوگا۔

ان دونوں صورتوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں یعنی جس صورت میں مؤکل نے وکیل کو ثمن نہیں دیا ہے اس صورت میں وکیل نے ایسی چیز کی خریدی ہے جس کے سبب کو وہ از سر نو موجود کرنا چاہے تو موجود نہیں کر سکتا ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ وکیل کا یہ کہنا کہ میں نے آپ کے حکم کے مطابق غلام خریدا تھا مگر وہ غلام میرے پاس مر گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وکیل، مؤکل سے اس مردہ غلام کا ثمن لینا چاہتا ہے اور مؤکل سے ثمن لینے کا سبب عقد ہے۔ حالانکہ وکیل فی الحال اس غلام کے عقد پر قادر نہیں ہے کیونکہ جس غلام میں کلام ہے وہ غلام مردہ ہے اور مردہ غلام محل عقد نہیں ہوتا ہے۔ لہذا یہ وکیل اس مردہ غلام کے عقد شرائ پر قادر نہیں ہے۔ اور جو شخص فی الحال کسی چیز کے موجود کرنے پر قادر نہ ہو اس چیز کے سلسلہ میں اس کا قول معتبر نہیں ہوتا۔ لہذا یہ وکیل کا قول کہ میں نے یہ غلام مؤکل کے لئے خریدا تھا اور یہ میرے پاس مر گیا ہے تو بھی معتبر نہ ہوگا۔ جیسے اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی اور پھر یہ کہا کہ میں نے رجوع کر لیا تھا اور عورت نے کہا کہ تو نے رجوع نہیں کیا ہے تو اس صورت میں اگر عورت کی عدت باقی ہے تو شوہر کا قول معتبر ہے کیونکہ اس صورت میں شوہر از سر نو رجعت کرنے پر قادر ہے اور اگر عدت گزرنے کے بعد یہ اختلاف ہوا تو شوہر کا قول معتبر نہیں ہوتا۔ کیونکہ شوہر از سر نو فی الحال رجعت کرنے پر قادر نہیں ہے، پس یہاں بھی چونکہ وکیل غلام کے مرجعے کی وجہ سے فی الحال از سر نو عقد کرنے پر قادر نہیں ہے۔ اس لئے وکیل کا قول معتبر نہ ہوگا۔

اسی دلیل کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ وکیل کا مؤکل سے ثمن کا مطالبہ نہ کرنا اس بات کے ساتھ خاص ہے کہ وکیل نے غلام مؤکل کے لئے خریدا ہے یعنی وکیل اس کا مدعی ہے کہ میں نے یہ غلام مؤکل کے لئے خریدا ہے اور خود مؤکل اس کا منکر ہے اور وکیل کے پاس اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے بینہ بھی موجود نہ ہونے کی صورت میں چونکہ منکر کا قول معتبر ہوتا ہے اس لئے یہاں مؤکل کا قول معتبر ہوگا۔

علامہ بدرالدین عینی نے اس دلیل کی عبارت پر ایک لفظی اعتراض کر کے اس کا جواب دیا ہے۔

اعتراض..... یہ ہے کہ عبارت میں استینافہ کی ضمیر سے سبب رجوع یعنی عقد شرائ مراد ہے جیسا کہ تقریر دلیل میں اس کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ پس جب

عقد مراد ہے تو صاحب ہدایہ نے استینافہ کی ضمیر کا مرجع ظاہر کرتے ہوئے وهو الرجوع بالثمن کیوں فرمایا ہے وهو العقد کیوں نہیں فرمایا؟ جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ از سر نو عقد شراء کرنے سے وکیل کا مقصود، مؤکل سے ثمن لینا ہے نہ کہ مؤکل کے لئے عقد شراء۔ لہذا صاحب ہدایہ نے واسطۃ یعنی عقد کو چھوڑ کر جو مقصود تھا اس کی صراحت فرمادی ہے۔ پس یہ سبب (رجوع بالثمن علی المؤمن) کو ذکر کر کے سبب (عقد شراء) مراد لینے کی قبیل سے ہوگا۔ اور یہ جائز ہے اور دوسری صورت میں یعنی جس صورت میں مؤکل، وکیل کو ثمن ادا کر چکا ہے اس صورت میں وکیل امین ہے اور وہ یہ کہہ کر کہ میں نے آپ کے لئے غلام خریدا تھا مگر وہ میرے پاس مر گیا ہے اپنے آپ کو امانت کی ذمہ داری سے سبکدوش کرنا چاہتا ہے اور امانت کے سلسلہ میں مالک اور امین کے درمیان اگر یہ اختلاف ہو جائے کہ امین، امانت سے عہدہ براہوئے کا مدعی ہو اور مالک اس کا منکر ہو تو امین کا قول معتبر ہوتا ہے۔ پس یہاں بھی چونکہ مؤکل جو روپیہ کا مالک ہے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ تو نے غلام میرے لئے نہیں خریدا ہے بلکہ اپنے لئے خریدا ہے۔ لہذا تو نے عہدہ امانت ادا نہیں کیا ہے اور وکیل جو امین ہے وہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں نے یہ غلام تیرے لئے خریدا تھا۔ لہذا امین امانت کی ذمہ داری ادا کر چکا۔ اس لئے یہاں بھی امین یعنی وکیل کا قول معتبر ہوگا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ جس وقت مؤکل اور وکیل میں اختلاف ہو یعنی وکیل نے کہا کہ میں نے یہ غلام تیرے لئے خریدا ہے اور مؤکل نے کہا کہ نہیں بلکہ تو نے اپنے لئے خریدا ہے اس وقت اگر یہ غلام زندہ ہو اور مؤکل وکیل کو ثمن دے چکا ہے تو وکیل کا قول معتبر ہوگا۔ کیونکہ وکیل امین ہے عہدہ امانت سے نکلنا چاہتا ہے اور پہلے گزر چکا کہ امین کا قول معتبر ہوتا ہے۔ لہذا اس صورت میں بھی وکیل کا قول معتبر ہوگا۔ اور اگر مؤکل نے وکیل کو ثمن نہیں دیا ہے تو صاحبین کے نزدیک اس صورت میں بھی وکیل ہی کا قول معتبر ہوگا۔ مگر امام اعظم کے نزدیک مؤکل کا قول معتبر ہوگا۔

صاحبین کی دلیل..... یہ ہے کہ اس صورت میں وکیل مؤکل کے لئے از سر نو عقد شراء کرنے پر قادر ہے کیونکہ غلام زندہ ہے اور زندہ غلام محل شراء ہوتا ہے۔ لہذا وکیل فی الحال اس غلام کو مؤکل کے لئے خریدنے پر قادر ہے اور جب وکیل اس غلام کو فی الحال مؤکل کے لئے خریدنے پر قادر ہے تو وکیل اپنی اس خبر میں کہ میں نے یہ غلام مؤکل کے لئے خریدا ہے متہم نہ ہوگا۔ جب وکیل اپنی اس خبر میں متہم نہیں ہے تو اس کا قول بالیقین معتبر ہوگا۔ اعتراض..... لیکن اگر اس پر اعتراض کرے کہ اگر خریداری اولاً وکیل کے لئے ہو جیسا کہ مؤکل کہتا ہے تو اس کے بعد از سر نو مؤکل کے لئے خریداری کیسے ہو سکتی ہے۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ وکیل اپنے بائع کے ساتھ عقد شراء فسخ کر دے پھر اس کو مؤکل کے لئے خرید لے اس طرح کوئی اعتراض واقع نہ ہوگا۔ حضرت امام اعظم کی دلیل..... یہ ہے کہ وکیل کا یہ خریدنا کہ میں نے یہ غلام مؤکل کے لئے خریدا ہے محل تہمت ہے اس طور پر کہ وکیل نے اس غلام کو اصلاً تو اپنے لئے ہی خریدا ہو مگر جب اس میں خسارہ محسوس ہوا ہو تو اس کو مؤکل کے ذمہ ڈالنے کا ارادہ کر لیا ہو۔ پس اس تہمت کی وجہ سے وکیل کا قول معتبر نہ ہوگا۔ بلکہ مؤکل کا قول معتبر ہوگا۔ اس کے برخلاف جب مؤکل، وکیل کو ثمن ادا کر چکا اور پھر وکیل میں اختلاف ہو تو وکیل کا قول اس لئے معتبر ہوگا کہ اس صورت میں وکیل امین ہے اور عہدہ امانت سے سبکدوش ہونے میں امین ہی کا قول معتبر ہوتا ہے۔ لہذا یہاں بھی وکیل جو امین ہے امانت سے عہدہ براہوئے میں اسی کا قول معتبر ہوگا اور اس کے ضمن اور جمعیت میں وکیل کا یہ قول بھی معتبر اور قبول ہوگا کہ غلام کی خریداری مؤکل کے لئے ہے اور جو چیز ضمناً تبعا ثابت ہوتی ہے اس کے وصف کی طرف نظر نہیں کی جاتی۔ لہذا اس صورت میں وکیل کے متہم یا غیر متہم ہونے کی طرف نظر نہ کی جائے گی۔ بلکہ وکیل کا قول قبول کر لیا جائے گا۔ اور یہاں یعنی جس صورت میں مؤکل نے وکیل کو ثمن نہیں دیا ہے اور غلام زندہ ہے اس صورت میں وکیل کے قبضہ میں چونکہ ثمن نہیں ہے اس لئے وکیل امین بھی نہ ہوگا۔ اور جب اس صورت میں وکیل امین نہیں ہے تو اس کا قول بھی معتبر نہ ہوگا۔

موکل نے وکیل کو معین غلام خریدنے کا حکم دیا دونوں نے اختلاف کیا

حالانکہ وہ غلام زندہ ہے تو وکیل کا قول قبول ہوگا

وَإِنْ كَانَ أَمْرُهُ بِشِرَاءِ عَبْدٍ بَعِيْنِهِ ثُمَّ اخْتَلَفَا وَالْعَبْدُ حَتَّى فَاْلَقَوْلُ لِلْمَأْمُورِ سَوَاءٌ كَانَ الثَّمَنُ مَنْقُودًا أَوْ غَيْرَ مَنْقُودٍ وَهَذَا بِالْإِجْمَاعِ لِأَنَّهُ أَخْبَرَ عَمَّا يَمْلِكُ اسْتِثْنَاءَهُ وَلَا تَهْمَةٌ فِيهِ لِأَنَّ الْوَكِيلَ بِشِرَاءِ شَيْءٍ بَعِيْنِهِ لَا يَمْلِكُ شِرَاءَهُ لِنَفْسِهِ بِمِثْلِ ذَلِكَ الثَّمَنِ فِي حَالِ غَيْبَتِهِ عَلَى مَا مَرَّ بِخِلَافٍ غَيْرِ الْمُعَيَّنِ عَلَى مَا ذَكَرْنَاهُ لِأَبِي حَنِيفَةَ

ترجمہ..... اور اگر موکل نے وکیل کو کسی معین غلام کے خریدنے کا حکم دیا پھر دونوں نے اختلاف کیا حالانکہ غلام زندہ ہے تو وکیل کا قول قبول ہوگا۔ خواہ ثمن ادا کیا گیا ہو یا اداء نہ کیا گیا ہو اور یہ حکم بالا جماع ہے کیونکہ وکیل نے ایسی چیز کی خریدی ہے جس کو از سر نو کرنے پر قادر ہے اور اس میں کوئی تہمت نہیں ہے اس لئے کہ کسی معین چیز کو خریدنے کا وکیل موکل کی عدم موجودگی میں اسی ثمن کے عوض کے مثل اپنے لئے خریدنے کا مالک نہیں ہوتا ہے جیسا کہ گذر چکا ہے۔ برخلاف غیر معین غلام کے جیسا کہ ہم نے ابو حنیفہ کی دلیل میں بیان کیا ہے۔

تشریح..... گذشتہ مسئلہ کی ایک صورت یہ ہے کہ موکل نے وکیل کو ایک متعین غلام خریدنے کا حکم دیا۔ پھر دونوں میں اختلاف ہوا یعنی موکل نے کہا کہ یہ غلام تو نے اپنے لئے خریدا ہے۔ اور وکیل نے کہا کہ نہیں بلکہ میں نے آپ کے لئے خریدا ہے اور اس اختلاف کے وقت غلام زندہ ہے تو حضرات امام صاحب اور ان کے دونوں شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد اس پر متفق ہیں کہ اس صورت میں وکیل کا قول معتبر ہوگا۔ موکل نے وکیل کو ثمن دیا ہو یا نہ دیا ہو۔

دلیل..... یہ ہے کہ وکیل نے یہ کہہ کر کہ میں نے یہ غلام موکل کے لئے خریدا ہے ایسی چیز کی خریدی ہے جو اس کو وہ از سر نو کر سکتا ہے یعنی اختلاف کے بعد وکیل اس غلام کو موکل کے لئے از سر نو خرید کر سکتا ہے اور وکیل اس خبر دینے میں متہم بھی نہ ہوگا۔ اور وکیل اس لئے متہم نہ ہوگا کہ جو شخص کسی متعین چیز کو خریدنے کا وکیل ہو وہ موکل کی عدم موجودگی میں اسی ثمن کے بقدر کے عوض اس شے کو اپنے لئے خریدنے کا مجاز نہیں ہوتا۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ پس جب وکیل اس متعین غلام کو اپنے لئے خریدنے کا مجاز نہیں ہے تو وہ اپنی اس خبر میں کہ میں نے یہ غلام موکل کے لئے خریدا ہے قطعاً متہم نہ ہوگا۔

اس کے برخلاف اگر غیر معین غلام خریدنے کا وکیل کیا ہو اور پھر وکیل یہ کہے کہ میں نے یہ غلام موکل کے لئے خریدا ہے تو وکیل اپنی اس خبر میں متہم ہو سکتا ہے جیسا کہ گذشتہ مسئلہ کے تحت امام ابو حنیفہ کی دلیل میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

ایک شخص نے دوسرے سے کہا تو فلاں کے واسطے یہ غلام میرے ہاتھ فروخت کر دے تو اس

نے فروخت کر دیا پھر قاتل نے اس کا انکار کیا پھر وہ دوسرا شخص آگیا اور اس نے کہا کہ میں

نے اسے حکم کیا تھا تو کس کا قول معتبر ہوگا

وَمَنْ قَالَ لِأَخْرَجَ بَعِيْنِي هَذَا الْعَبْدَ لِفُلَانٍ فَبَاعَهُ ثُمَّ أَنْكَرَ أَنْ يَكُونَ فُلَانٌ أَمْرَهُ ثُمَّ جَاءَ فُلَانٌ وَقَالَ أَنَا أَمْرُهُ بِذَلِكَ فَإِنْ فُلَانًا يَأْخُذْهُ لِأَنَّ قَوْلَهُ السَّابِقَ إِقْرَارٌ مِنْهُ بِالْوُكَالَةِ عَنْهُ فَلَا يَنْفَعُهُ الْإِنْكَارُ إِلَّا الْحَقُّ فَإِنْ قَالَ فُلَانٌ لَمْ أَمْرَهُ لَمْ يَكُنْ ذَلِكَ لَهُ لِأَنَّ الْإِقْرَارَ إِزْتِدَادُ بَرْدِهِ قَالَ إِلَّا أَنْ يُسَلِّمَهُ الْمُشْتَرِي لَهُ فَيَكُونُ بَيْعًا عَنْهُ وَعَلَيْهِ الْعَهْدَةُ لِأَنَّهُ صَارَ مُشْتَرِيًا بِالتَّعَاطِي كَمَنْ اشْتَرَى لِعَبْدِهِ غَيْرَ أَمْرِهِ حَتَّى لَزِمَهُ ثُمَّ سَلَّمَهُ الْمُشْتَرِي لَهُ وَدَلَّتِ الْمَسْأَلَةُ عَلَى أَنَّ التَّسْلِيمَ عَلَى وَجْهِ الْبَيْعِ يَكْفِي لِلتَّعَاطِي وَإِنْ لَمْ يَوْجَدْ نَقْدُ الثَّمَنِ وَهُوَ يَتَحَقَّقُ فِي النَّفْسِ وَالْخَسِيسِ

لَا سِتْمَامَ التَّرَاضِي وَهُوَ الْمُعْتَبَرُ فِي الْبَابِ

ترجمہ..... اگر ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ تو فلاں کے واسطے یہ غلام میرے ہاتھ فروخت کر دے۔ پس اس نے اس کو فروخت کر دیا پھر قائل نے اس بات سے انکار کیا کہ فلاں نے اس کو حکم دیا ہے پھر فلاں شخص آگیا اور اس نے کہا کہ میں نے اس کو اس غلام کے خریدنے کا حکم دیا تھا تو فلاں شخص اس کو لے لگا۔ کیونکہ قائل کا قول سابق قائل کی طرف سے وکالت عن فلاں کا اقرار ہے۔ لہذا اس کا انکار لاحق اس کے لئے کارآمد نہ ہوگا۔ پس اگر فلاں نے کہا کہ میں نے اس کو حکم کیا تھا تو اس کے لئے خریدہا وہ غلام نہ ہوگا کیونکہ اقرار اس کے رد کرنے سے رد ہو گیا۔ کہا ہے یہ کہ فلاں کے لئے غلام کو خریدنے والا غلام فلاں کے سپرد کر دے۔ تو یہ مشتری کی طرف سے بیع ہوگی اور اس فلاں پر ذمہ داری ہوگی۔ کیونکہ وہ فلاں تعاطی کے ذریعہ مشتری ہو گیا۔ جیسے وہ شخص جس نے اپنے غیر کے لئے بغیر اس کے حکم کے خریداجی کہ وہ خریدار کے ذمہ لازم ہوگئی۔ پھر جس کے واسطے خریدی تھی اس کو سپرد کردی اور یہ مسئلہ اس پر دلالت کرتا ہے کہ بیع کے طور پر سپرد کرنا تعاطی کے لئے کافی ہے اگرچہ ثمن کا ادا کرنا نہ پایا جائے اور بیع تعاطی، نفیس اور خسیس دونوں میں متحقق ہو جاتی ہے کیونکہ باہمی رضا مندی پوری ہے اور بیع میں یہی معتبر ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے مثلاً خالد نے دوسرے شخص مثلاً حامد سے کہا کہ میں فلاں مثلاً شاہد کی طرف سے تیرے اس غلام کو خریدنے کا وکیل ہوں۔ لہذا تو یہ اپنا غلام میرے ہاتھ فلاں یعنی شاہد کے لئے فروخت کر دے حامد نے وہ غلام خالد کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ پھر خالد نے کہا کہ شاہد نے مجھ کو اس غلام کے خریدنے کا حکم نہیں دیا تھا یعنی میں شاہد کا وکیل نہیں ہوں بلکہ میں نے یہ غلام اپنی ذات کے لئے خریدا ہے پھر فلاں یعنی شاہد نے آکر کہا کہ میں نے خالد کو اس غلام کے خریدنے کا حکم دیا تھا اور خالد نے یہ غلام میرے لئے خریدا ہے تو اس صورت میں فلاں یعنی شاہد کو یہ حق ہوگا کہ وہ مشتری یعنی خالد سے اس غلام کو لے لے اور ثمن اداء کر دے۔

اس کی دلیل..... یہ ہے کہ خالد کا پہلا قول کہ یہ غلام میرے ہاتھ شاہد کے واسطے فروخت کر دے۔ خالد کی طرف سے اس بات کا اقرار ہے کہ وہ شاہد کی طرف سے اس غلام کے خریدنے کا وکیل ہے۔ پھر خریداری کے بعد خالد نے شاہد کی طرف سے وکیل ہونے کا انکار کیا ہے۔ حالانکہ اقرار سابق انکار لاحق کی وجہ سے باطل نہیں ہوتا ہے۔ یعنی اقرار کرنے کے بعد اگر انکار کیا تو اس انکار سے اس کا اقرار سابق باطل نہیں ہوگا۔ لہذا یہاں بھی خالد کا اقرار سابق اس کے بعد والے انکار سے باطل نہ ہوگا۔ اور جب خالد کا اقرار بالوکالت باطل نہیں ہوا تو اس کا خریدہا وہ غلام مؤکل یعنی شاہد کے لئے ہوگا نہ کہ وکیل یعنی خالد کے لئے۔

اور اگر فلاں یعنی شاہد نے یہ کہا کہ میں نے خالد کو مذکورہ غلام خریدنے کا حکم نہیں دیا تھا تو اس صورت میں شاہد کو مذکورہ غلام لینے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ کیونکہ مشتری یعنی خالد نے اپنے وکیل ہونے کا جو اقرار کیا تھا وہ مؤکل یعنی شاہد کے رد کرنے سے رد ہو گیا ہے اور جب خالد کا اقرار بالوکالت رد ہو گیا تو مذکورہ خریدہا وہ غلام خود خالد (مشتری) کے لئے ہوگا نہ کہ شاہد کے لئے۔ اس کے بعد اگر شاہد، خالد کے اقرار کی تصدیق بھی کرے تو یہ تصدیق کرنا اس کے لئے کارآمد نہ ہوگا۔ کیونکہ شاہد کے رد کرنے کی وجہ سے جب خالد کا اقرار منقہ ہو گیا تو اب شاہد کی تصدیق درست نہ ہوگی۔

امام محمد کا قول الا ان یسلمہ المَشْتَرٰی لہ سابقہ عبارت لہ یکن ذٰلِک لہ سے مستثنیٰ ہے۔ یعنی اگر فلاں یعنی شاہد نے یہ کہا کہ میں نے خالد کو مذکورہ غلام خریدنے کا حکم نہیں دیا تھا تو اس صورت میں شاہد کے لئے مذکورہ غلام لینے کا کوئی حق نہ ہوگا۔ مگر ایک صورت ایسی ہے۔ جس میں یہ کہنے کے باوجود شاہد کو غلام لینے کا حق حاصل ہے اور وہ صورت یہ ہے کہ جس کو ان یسلمہ المشتري لہ سے بیان کیا گیا ہے۔

صاحب فتح القدیر نے تحریر کیا ہے کہ یہاں لفظ مشتری دو روایتوں کے ساتھ مروی ہے۔ ایک را کے سرہ کے ساتھ، دوم را کے فتح کے ساتھ۔ سرہ کی صرت میں لفظ مشتری، ان یسلم کا فاعل ہوگا اور لہ کا لام اجل کے لئے ہوگا اور اس کی ضمیر فلاں (شاہد) کی طرف راجع ہوگی اور یسلمہ کی ضمیر منصوب مفعول اول ہوگی اور اس کا مرجع عبد مذکور ہوگا۔ اور مفعول ثانی یعنی الیہ محذوف ہوگا اور الیہ کی ضمیر کا مرجع فلاں (شاہد) ہوگا۔ اب

مطلب یہ ہوگا کہ اگر فلاں (شاہد) کے لئے خریدنے والا شخص (خالد) اس غلام کو فلاں (شاہد) کے سپرد کر دے تو فلاں یعنی شاہد کو یہ حق ہوگا کہ وہ اس غلام کو لے لے اور اس کا شمن خالد کو دے دے۔

اور فتح را کی صورت میں ان یسلمہ کی ضمیر منصوب مفعول اول ہے اور مرجع عبد ہے اور المشتري لہ بغیر حروف جر کے مفعول ثانی ہے اور مشتری لہ سے مراد وہ فلاں (شاہد) ہے اور ان یسلمہ کا فاعل ضمیر مرجوع ہے جو مشتری (خالد) کی طرف راجع ہے۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ اگر خریدنے والا (خالد) اس غلام کو مشتری لہ یعنی فلاں (شاہد) کے سپرد کر دے تو شاہد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس غلام کو لے لے اور اس کا شمن ادا کر دے۔ اب پوری عبارت کا خلاصہ یہ ہوگا کہ اگر شاہد نے یہ کہا کہ میں نے خالد کو مذکورہ غلام خریدنے کا حکم نہیں دیا تھا تو شاہد مذکورہ غلام لینے کا حقدار نہ ہوگا۔ ہاں اگر خالد یہ غلام شاہد کے سپرد کر دے تو اس صورت میں شاہد یہ غلام لینے کا حقدار ہے۔ مگر یہ لینے کا حقدار ہونا اس وجہ سے نہیں کہ خالد، شاہد کی طرف سے وکیل بالشراء ہے بلکہ اس وجہ سے ہے کہ خالد کا شاہد کی طرف غلام سپرد کرنا خالد کی طرف سے بیع ہے اور شاہد کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ شمن دے کر اس غلام کو لے لے۔

صاحب ہدایہ نے دلیل دیتے ہوئے فرمایا کہ خالد اور شاہد کے درمیان یہ لین دین بیع تعاطی کے طور پر ہوگا۔ یعنی خالد بیع تعاطی کے طور پر فروخت کرنے والا ہوگا۔ اور شاہد خریدنے والا ہوگا اور بیع تعاطی جائز ہے جیسا کہ کتاب البیوع کے آغاز میں گذر چکا ہے۔ لہذا خالد اور شاہد کا لین دین بھی جائز ہوگا۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک فضولی آدمی مثلاً واصف نے اپنے غیر مثلاً عارف کے لئے بغیر عارف کے حکم کے کوئی چیز خریدی تو یہ عقد شرائ مشتری یعنی واصف پر لازم ہوگا۔ مگر پھر مشتری (واصف) نے اس چیز کو عارف کے سپرد کر دیا تو یہ بیع تعاطی ہوگی۔ یعنی بیع تعاطی کے طور پر واصف بیچنے والا ہوگا۔ اور عارف خریدنے والا ہوگا۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ بیع تعاطی کے لئے اتنا کافی ہے کہ علی وجہ البیع کسی چیز کو کسی کے سپرد کر دیا جائے اگرچہ قبضہ کرنے والے کی طرف سے ادائے شمن نہ پایا جائے یعنی بیع تعاطی جس طرح اخذ اور اعطاء یعنی بیع لے کر شمن ادا کرنے سے منعقد ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اخذ بلا اعطاء یعنی بغیر شمن ادا کیے محض بیع لینے سے بھی منعقد ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ لوگوں کی عادت ہے۔ چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جن لوگوں کا دوکانوں پر حساب کتاب چلتا رہتا ہے وہ دوکان سے بغیر ایجاب و قبول کے سامان لے کر آ جاتے ہیں اور فوری طور پر شمن ادا نہیں کرتے اور بغیر ایجاب و قبول کے لین دین کا نام ہی بیع تعاطی ہے۔ پس لوگوں کے تعامل سے ثابت ہوا کہ بغیر شمن ادا کے بھی بیع تعاطی منعقد ہو جاتی ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ بیع تعاطی، اشیائے نفیسہ اور اشیائے خسیہ دونوں میں متحقق ہوتی ہے۔ یعنی بیع تعاطی جس طرح اشیائے خسیہ میں جائز ہے۔ اسی طرح اشیائے نفیسہ میں بھی جائز ہے کیونکہ بیع درست ہونے کے لئے عاقدین کی باہمی رضامندی شرط ہے (جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے الا ان تكون تجارة عن تواضع) اور باہمی رضامندی اشیائے نفیسہ اور اشیائے خسیہ دونوں میں سے ہر ایک کی بیع تعاطی میں پورے طور پر موجود ہے لہذا ہر ایک کی بیع تعاطی جائز ہوگی۔

امام کرخیؒ نے فرمایا کہ بیع تعاطی صرف اشیائے خسیہ میں جائز ہے اس کی پوری تفصیل کتاب البیوع کے اول میں گذر چکی ہے۔

ایک شخص نے دوسرے کو دو معین غلام خریدنے کا حکم کیا اور شمن اس کے سامنے بیان نہیں

کئے پھر وکیل نے دو میں سے ایک غلام موکل کے لئے خرید لیا تو جائز ہے

قَالَ وَمَنْ أَمَرَ رَجُلًا بِأَنْ يَشْتَرِيَ لَهُ عَبْدَيْنِ بِأَعْيَانِهِمَا وَلَمْ يُسَمِّ لَهُ ثَمَنًا فَاشْتَرَى لَهُ أَحَدَهُمَا جَازٍ لِأَنَّ التَّوَكُّلَ مُطْلَقٌ فَيَجْرِي عَلَى إِطْلَاقِهِ وَقَدْ لَا يَتَّفِقُ الْجَمْعُ بَيْنَهُمَا فِي الْبَيْعِ إِلَّا فِيمَا لَا يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيهِ لِأَنَّهُ تَوَكُّلٌ

بِالشَّرَاءِ وَهَذَا كُلُّهُ بِالْإِجْمَاعِ

ترجمہ..... اور اگر ایک شخص نے کسی آدمی کو اس بات کا حکم دیا کہ وہ اس کے واسطے دو معین غلام خریدے اور اس آدمی کے سامنے ثمن بیان نہیں کیا پھر اس آدمی نے مؤکل کے لئے ان دونوں میں سے ایک غلام خریدا تو جائز ہے۔ کیونکہ توکیل مطلق ہے۔ لہذا وہ اپنے اطلاق پر جاری ہوگی اور کبھی بیع میں دونوں غلاموں کا جمع کرنا ممکن نہیں ہوتا ہے۔ مگر اس صورت میں جس میں لوگ دھوکہ نہ کھاتے ہوں۔ اس لئے کہ یہ توکیل بالشراء ہے اور یہ تمام کا تمام بالا جماع ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص مثلاً خالد نے دوسرے شخص مثلاً شاہد سے کہا کہ تو میرے لئے یہ دو معین غلام خرید کر لا دے اور مؤکل (خالد) نے غلاموں میں سے ایک غلام مؤکل کے لئے خریدا تو یہ خریداری جائز ہے۔ کیونکہ اس صورت میں توکیل مطلق ہے یعنی مؤکل نے ان دونوں غلاموں کو نہ تو علیحدہ علیحدہ خریدنے کی قید کے ساتھ مقید کیا ہے اور نہ دونوں کو ایک ساتھ خریدنے کی قید کے ساتھ مقید کیا ہے بلکہ مطلق رکھا ہے اور مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے۔ لہذا اوکیل ان دونوں غلاموں کو علیحدہ علیحدہ خریدے یا ایک ساتھ خریدے دونوں صورتیں جائز ہیں۔ یعنی دونوں صورتوں میں خریداری مؤکل کے لئے ہوگی۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ کبھی دونوں غلاموں کو ایک ساتھ خریدنا ممکن نہیں ہوتا ہے۔ اس لئے بھی اگر اوکیل نے ایک غلام خریدا تو یہ خریداری مؤکل پر ہی نافذ ہوگی۔ ہاں اگر اوکیل نے ایک غلام غبن فاحش کے ساتھ خریدا تو یہ خریداری جائز نہ ہوگی۔ یعنی اس کا ذمہ دار اوکیل ہوگا اور مؤکل ذمہ دار نہ ہوگا۔

دلیل..... یہ ہے کہ یہ توکیل بالشراء ہے یعنی مؤکل نے اس کو خریداری کا وکیل کیا ہے اور توکیل بالاجماع غبن فاحش کی متحمل نہیں ہوتی ہے۔ یعنی مؤکل کی طرف سے وکیل بالشراء کو غبن فاحش کے ساتھ خریداری کرنے کی اجازت نہیں ہوتی ہے۔ پس جب وکیل بالشراء کو غبن فاحش کے ساتھ خریداری کرنے کی اجازت نہیں ہوتی تو اگر وکیل بالشراء نے غبن فاحش کے ساتھ خریداری کی تو مؤکل کے حکم کے خلاف ہونے کی وجہ سے یہ خریداری مؤکل پر نافذ نہ ہوگی۔ بلکہ وکیل پر نافذ ہوگی۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ یہ پورا مسئلہ بالا جماع ہے۔ علامہ ابن الہمامؒ نے کہا کہ صاحب ہدایہ نے توکیل بالشراء کی قید کے ساتھ اس لئے عقد کیا ہے کہ توکیل بالبیع کی صورت میں اگر وکیل نے غبن فاحش کے ساتھ فروخت کیا تو امام صاحب کے نزدیک یہ فروخت کرنا جائز ہے۔ یعنی اگر ایک غلام فروخت کرنے کا کسی کو وکیل کیا اور غلام کی قیمت دو سو روپیہ تھی مگر وکیل نے اس کو تین سو روپیہ میں فروخت کیا تو امام صاحب کے نزدیک یہ جائز ہے اور یہ بیع مؤکل کے لئے ہے نہ کہ وکیل کے لئے۔

مؤکل نے وکیل کو کہا دونوں کو ایک ہزار کے عوض خرید لے اور دونوں کی قیمت برابر ہے ان میں ایک کو پانچ سو یا اس سے کم یا زیادہ میں خریدا تو مؤکل کو خریداری لازم ہوگی یا نہیں

وَلَوْ أَمَرَهُ بَأَن يَشْتَرِيَهُمَا بِالْأَلْفِ وَقِيمَتُهُمَا سَوَاءٌ فَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِنْ اشْتَرَى أَحَدَهُمَا بِخَمْسِ مِائَةٍ أَوْ أَقَلَّ جَازَ فَإِنْ اشْتَرَى بِأَكْثَرٍ لَمْ يَلْزَمْ الْأَمْرُ لِأَنَّهُ قَابِلُ الْأَلْفِ بِهِمَا وَقِيمَتُهُمَا سَوَاءٌ فَيُقْسَمُ بَيْنَهُمَا نِصْفَيْنِ دَلَالَةً فَكَانَ أَمْرًا بَشَرِيًّا كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِخَمْسِ مِائَةٍ ثُمَّ الشِّرَاءُ بِهَا مُوَافَقَةٌ وَبِأَقَلِّ مِنْهَا مُخَالَفَةٌ إِلَى خَيْرٍ وَبِالزِّيَادَةِ إِلَى شَرٍّ فَلَمَّا زِيَادَةٌ أَوْ كَثُرَتْ فَلَا يَجُوزُ إِلَّا أَنْ يَشْتَرِيَ الْبَاقِيَ بِقِيَّةِ الْأَلْفِ قَبْلَ أَنْ يَخْتَصِمَا اسْتِحْسَانًا لِأَنَّ شَرِي الْأَوَّلِ قَائِمٌ وَقَدْ حَصَلَ غَرَضُهُ الْمَصْرُوحُ بِهِ وَهُوَ تَحْصِيلُ الْعَبْدَيْنِ بِالْأَلْفِ وَمَا ثَبَتَ الْأَنْقِسَامُ إِلَّا دَلَالَةً

ترجمہ..... اور اگر مَوَکَل نے وکیل کو حکم دیا کہ ان دونوں غلاموں کو ایک ہزار روپیہ کے عوض خرید لے اور ان دونوں کی قیمت برابر ہے۔ پس امام ابو حنیفہ کے نزدیک اگر ان دونوں میں سے ایک کو پانچ سو روپیہ یا کم کے عوض خریدا تو جائز ہے۔ اور اگر زیادہ کے عوض خریدا تو یہ خریداری مَوَکَل کے ذمہ لازم نہ ہوگی۔ اس لئے کہ مَوَکَل نے دونوں کے مقابلہ میں ایک ہزار بیان کیا ہے اور ان دونوں کی قیمت برابر ہے۔ تو ایک ہزار روپیہ دونوں کے درمیان دلالت آدھا آدھا تقسیم ہوگا۔ پس گویا مَوَکَل ان دونوں میں سے ہر ایک کو پانچ سو روپیہ کے عوض خریدنے کا حکم کرنے والا ہے۔ پھر پانچ سو کے عوض خریدنا تو موافقت ہے اور پانچ سو روپیہ سے کم کے عوض خریدنا بہترائی کی طرف مخالفت ہے اور پانچ سو سے زائد کے عوض خریدنا برائی کی طرف مخالفت ہے۔ زیادتی کم ہو یا زیادہ ہو جائز نہیں ہے مگر یہ کہ باقی غلام کو ہزار میں سے باقی کے عوض خصوصیت پیش آنے سے پہلے خرید لے تو یہ استحساناً جائز ہوگا۔ اس لئے کہ اول غلام کا خریدنا قائم ہے اور مَوَکَل کی غرض جس کی صراحت کی گئی تھی یعنی ایک ہزار کے عوض دونوں کو خریدنا وہ حاصل ہوگئی ہے اور ہزارہ نہیں ثابت ہوا مگر دلالت سے اور صریح دلالت سے بڑھ کر ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے شخص کو ایک ہزار روپیہ کے عوض ایسے دو غلام خریدنے کا وکیل کیا جن کی قیمت بھی برابر ہے۔ تو حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ اگر وکیل نے ان دونوں غلاموں میں سے ایک غلام کو پانچ سو روپیہ یا پانچ سو روپیہ سے کم کے عوض خریدا تو یہ خریداری جائز ہوگی۔ اور مَوَکَل پر نافذ ہوگی۔ لیکن اگر پانچ سو روپیہ سے زائد کے عوض خریدا تو یہ خریداری مَوَکَل پر لازم نہ ہوگی۔ بلکہ وکیل پر لازم ہوگی۔ پانچ سو روپیہ سے زائد کی مقدار کم ہو یا زیادہ ہو۔

دلیل..... اس کی یہ ہے کہ مَوَکَل نے ایک ہزار روپیہ دونوں غلاموں کا مقابل قرار دیا ہے۔ اور دونوں غلاموں کی قیمت برابر ہے۔ لہذا دلالت یہ بات ثابت ہوگئی کہ ایک ہزار روپیہ دونوں غلاموں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم ہوگا گویا مَوَکَل نے دونوں غلاموں میں سے ہر ایک غلام کو پانچ سو روپیہ کے عوض خرید کرنے کا وکیل کیا ہے۔ پس اگر وکیل نے ایک غلام پانچ سو روپیہ کے عوض خریدا تو یہ خریداری مَوَکَل کے حکم کے عین موافق ہوگی اور جب یہ خریداری مَوَکَل کے حکم کے موافق ہے تو یہ خریداری جائز ہوگی اور مَوَکَل پر نافذ ہوگی اور اگر وکیل نے ایک غلام پانچ سو روپیہ سے کم کے عوض خریدا تو اس میں بلاشبہ مَوَکَل کے حکم کی مخالفت ہے لیکن اس مخالفت میں مَوَکَل کا فائدہ اور مَوَکَل کی بھلائی ہے۔ لہذا یہ خریداری بھی جائز ہوگی اور مَوَکَل پر نافذ ہوگی۔ ہاں اگر وکیل نے ایک غلام پانچ سو روپیہ سے زائد کے عوض خریدا وہ زائد مقدار خواہ کم ہو یا زیادہ ہو تو اس میں مَوَکَل کے حکم کی مخالفت ہے اور مَوَکَل کا نقصان ہے اور جب مَوَکَل کے حکم کی مخالفت ہے اور اس کا نقصان ہے تو یہ خریداری مَوَکَل کے لئے جائز نہ ہوگی۔ یعنی اس خریداری کا ذمہ دار وکیل ہوگا۔ مَوَکَل ہرگز ذمہ دار نہ ہوگا۔ لیکن اگر وکیل نے ایک غلام پانچ سو روپیہ سے زائد مثلاً چھ سو روپیہ کے عوض خریدا اور پھر وکیل اور مَوَکَل کے درمیان خصوصیت پیش آنے سے پہلے پہلے وکیل نے دوسرا غلام ایک ہزار میں سے باقی رقم یعنی چار سو روپیہ کے عوض خرید لیا تو یہ خریداری بھی استحساناً جائز ہوگی اور مَوَکَل پر لازم اور نافذ ہوگی۔ اگرچہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس صورت میں بھی مذکورہ خریداری مَوَکَل پر لازم نہ ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں بھی مَوَکَل کی مخالفت موجود ہے۔ اور جب مَوَکَل کی مخالفت موجود ہے تو مذکورہ خریداری مَوَکَل پر نافذ نہ ہوگی۔ قیاس ہی کے مطابق امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ کا قول ہے۔

وجہ استحسان یہ ہے کہ پہلا غلام جس کو چھ سو روپیہ کے عوض خریدا تھا اس کا خریدنا ابھی تک قائم ہے خصوصیت کی وجہ۔ اس کا حال متغیر نہیں ہوا۔ پھر جب وکیل نے دوسرا غلام چار سو روپیہ کے عوض خریدا تو مَوَکَل وہ غرض جس کو اس نے صراحۃً بیان کیا تھا کہ دونوں غلام ایک ہزار روپیہ کے عوض خریدے جائیں حاصل ہوگئی اور ایک ہزار روپیہ کا دونوں غلاموں پر برابر منقسم ہونا مَوَکَل کے کلام سے دلالت ثابت ہے۔

حاصل..... یہ کہ مَوَکَل کا صریح کلام تو یہ ہے کہ دونوں غلام ایک ہزار روپیہ کے عوض حاصل ہوں اور دلالت اس کے کلام سے معلوم ہوتا ہے اس نے

ہر غلام کا عوض پانچ سو روپیہ قرار دیا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر کلام صریح پر عمل کرنا ممکن ہو تو صریح، دلالت سے بڑھ کر ہوتا ہے یعنی جب صراحت موجود ہو اور اس پر عمل کرنا بھی ممکن ہو تو دلالت باطل ہو جاتی ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جاتا ہے۔ پس چونکہ یہاں دونوں غلاموں کی خریداری موکل کی غرض کے موافق ہے اس لئے یہ خریداری جائز ہوگی۔ اور موکل پر نافذ ہوگی۔

صاحبین کا نقطہ نظر

وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ وَمُحَمَّدٌ إِنْ اشْتَرَى أَحَدُهُمَا بِأَكْثَرِ مِنْ نِصْفِ الْأَلْفِ بِمَا يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيهِ وَقَدْ بَقِيَ مِنَ الْأَلْفِ مَا يَشْتَرَى بِمِثْلِهِ الْبَاقِي جَازٌ لِأَنَّ التَّوَكُّلَ مُطْلَقٌ لِكِنَّهُ يَتَّقِدُ بِالْمُتَعَارَفِ وَهُوَ فِيمَا قُلْنَا وَلَكِنْ لَا بُدَّ أَنْ يَبْقَى مِنَ الْأَلْفِ بَاقِيَةٌ يَشْتَرَى بِمِثْلِهَا الْبَاقِي لِيُمْكِنَهُ تَحْصِيلُ غَرَضِ الْأَمْرِ

ترجمہ..... اور صاحبین نے فرمایا کہ اگر وکیل نے ان دونوں غلاموں میں سے ایک غلام کو ایک ہزار کے آدھے سے اس قدر زائد کے عوض خریدا جس میں عام طور سے لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں اور ایک ہزار روپیہ میں سے اس قدر باقی ہے جس کے مثل کے عوض دوسرا غلام خریدا جاسکتا ہے تو یہ جائز ہے اس لئے کہ توکیل مطلق ہے لیکن وہ متعارف کے ساتھ مقید ہے اور متعارف اس میں ہے جو ہم نے کہا لیکن یہ ضروری ہے کہ ایک ہزار میں سے اس قدر باقی ہو جس کے مثل کے عوض باقی غلام کو خریدا جاسکتا ہو تاکہ وکیل کے لئے موکل کی غرض کا حاصل کرنا ممکن ہو۔

تشریح..... گذشتہ مسئلہ میں صاحبین کا قول یہ ہے کہ اگر وکیل نے ایک غلام پانچ سو روپیہ سے اس قدر زائد کے عوض خریدا جس میں عام طور سے لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں یعنی غبن بیسر کے ساتھ خریدا مثلاً پانچ سو روپیہ کی مالیت کا غلام سو پانچ سو روپیہ کے عوض خریدا اور ایک ہزار روپیہ میں سے اس قدر رقم باقی ہے (مثلاً پونے پانچ سو روپیہ) جس کے عوض دوسرا غلام خریدا جاسکتا ہے تو یہ خریداری جائز ہے اور اس کا نفاذ موکل پر ہوگا یعنی یہ خریداری موکل کے لئے ہوگی۔

دلیل..... یہ ہے کہ موکل کی طرف سے یہ توکیل مطلق ہے یعنی پانچ سو روپیہ کے ساتھ مقید نہیں ہے البتہ متعارف اور مروج کے ساتھ مقید ہے اور رواج اس میں ہے جو ہم نے کہا یعنی غبن بیسر۔ مطلب یہ ہے کہ موکل نے دو غلام جن کی قیمت تقریباً برابر، برابر ہے۔ ایک ہزار روپیہ کے عوض خریدنے کا حکم دیا، گویا یوں کہا کہ ایک غلام لگ بھگ پانچ سو روپیہ کا ہو عرف اور رواج میں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر پانچ سو روپیہ سے اس قدر زائد رقم کے عوض خریدا گیا جس میں عام طور سے لوگوں کو دھوکہ ہو جاتا ہے (اسی کو غبن بیسر کہتے ہیں) تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے یعنی غبن بیسر کی مقدار زائد رقم، موکل کے حکم کے تحت داخل ہوگی۔ اس کو موکل کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کہا جائے گا۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ ایک ہزار روپیہ میں سے باقی ماندہ رقم اس قدر ہو کہ اس کے عوض دوسرا غلام خریدا جاسکے تاکہ موکل کی غرض کا حاصل کرنا یعنی ایک ہزار روپیہ کے عوض دو غلاموں کا مالک ہونا ممکن ہو سکے۔

حضرت امام صاحب اور صاحبین کے مذاہب کے درمیان فرق یہ ہوا کہ صاحبین کے نزدیک اگر ایک غلام کو پانچ سو روپیہ سے اس قدر زائد رقم کے عوض خریدا جس کو غبن بیسر کہا جاتا ہے تو یہ خریداری موکل پر لازم ہوگی اور اگر اس قدر زائد رقم کے عوض خریدا جس کو غبن فاحش کہا جاتا ہے تو یہ خریداری موکل پر لازم نہ ہوگی بلکہ وکیل پر لازم ہوگی۔

اور امام صاحب کے نزدیک پانچ سو روپیہ سے زائد رقم غبن فاحش کی صورت میں ہو یا غبن بیسر کی صورت میں ہو دونوں صورتوں میں یہ خریداری موکل پر لازم نہ ہوگی بلکہ وکیل پر لازم ہوگی۔

قرضخواہ نے مقروض کو حکم دیا کہ ایک ہزار کے عوض یہ غلام خرید لے چنانچہ قرضدار نے وہ معین غلام خرید لیا تو یہ خریداری موکل پر لازم ہوگی

قَالَ وَمَنْ لَهُ عَلَى آخَرَ أَلْفٍ دِرْهَمٍ فَأَمَرَهُ بِأَنْ يَشْتَرِيَ بِهَا هَذَا الْعَبْدَ فَاشْتَرَاهُ جَارَ لَأَنَّ فِي تَعْيِينِ الْمَبِيعِ تَعْيِينَ الْبَائِعِ وَلَوْ عَيْنَ الْبَائِعِ يَجُوزُ عَلَى مَا نَذَرْنَاهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى

ترجمہ..... اور اگر اس شخص نے جس کا دوسرے پر ایک ہزار روپیہ قرض ہو، قرضدار کو حکم دیا کہ وہ ایک ہزار روپیہ کے عوض یہ غلام خرید لے پس قرضدار نے اس کو خرید لیا تو یہ جائز ہے۔ اس لئے کہ بیع متعین کرنے میں بائع کی بھی تعین ہو جاتی ہے اور اگر بائع کو متعین کرتا تو جائز ہو جاتا۔ چنانچہ ہم اس کو انشاء اللہ ذکر کریں گے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص کا دوسرے پر ایک ہزار روپیہ قرضہ ہے۔ پس قرضخواہ نے قرضدار کو حکم دیا کہ اس ایک ہزار روپیہ کے عوض فلاں معین غلام کو خرید لے۔ چنانچہ قرضدار نے اس معینہ غلام کو خرید لیا تو یہ خریداری موکل پر لازم ہوگی۔ خواہ موکل اس غلام پر قبضہ کرے خواہ وہ غلام موکل کے قبضہ کرنے سے پہلے وکیل کے قبضہ میں مر جائے۔

دلیل..... یہ ہے کہ یہاں موکل نے بیع یعنی غلام کو متعین کیا ہے اور بیع کو متعین کرنے سے بائع بھی متعین ہو جاتا ہے اور موکل اگر بائع کو متعین کر دے تو یہ جائز ہے جیسا کہ آئندہ مذکور ہوگا۔ پس اسی طرح بیع کو متعین کرنے کی صورت میں بھی بالاتفاق جائز ہوگا۔

اگر غیر معین غلام خریدنے کا حکم دیا اس نے خرید احکم کرنے والے کے قبضہ سے پہلے اس کے ہاتھ میں غلام ہلاک ہو گیا تو مشتری کے مال سے ہلاک ہوگا اور حکم کرنے والے نے قبضہ کر لیا پھر فوت ہوا تو.....

وَأَمْرُهُ أَنْ يَشْتَرِيَ بِهَا عَبْدًا بِغَيْرِ عَيْنِهِ فَاشْتَرَاهُ فَمَاتَ فِي يَدِهِ قَبْلَ أَنْ يَقْبِضَهُ الْأَمْرُ مَاتَ مِنْ مَالِ الْمُشْتَرِي وَإِنْ قَبِضَهُ الْأَمْرُ فَهُوَ لَهُ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ وَقَالَ لَا هُوَ لَا يَمُورُ إِذَا قَبِضَهُ الْمَأْمُورُ وَعَلَى هَذَا إِذَا أَمَرَهُ أَنْ يُسَلِّمَ مَا عَلَيْهِ أَوْ يُصَرِّفَ مَا عَلَيْهِ لَهَا مَاتَ الدَّرَاهِمُ وَالْذَنَانِيرُ لَا تَتَعَيَّنَانِ فِي الْمَعَاوَضَاتِ دَيْنًا كَانَتْ أَوْ عَيْنًا أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ تَبَايَعَا عَيْنًا بِدَيْنٍ ثُمَّ تَصَادَقَا أَنْ لَا دَيْنَ لَا يَبْطُلُ الْعَقْدُ فَصَارَ الْإِطْلَاقُ وَالْتِقِيدُ فِيهِ سَوَاءً فَيَصِحُّ التَّوَكُّيلُ وَيَلْزَمُ الْأَمْرُ لِأَنَّ يَدَ الْوَكِيلِ كَيْدُهُ وَلَا يَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهَا تَتَعَيَّنُ فِي الْوَكَالَاتِ أَلَا تَرَى أَنَّهُ لَوْ قَيْدَ الْوَكَالَةِ بِالْعَيْنِ مِنْهَا أَوْ بِالذَّيْنِ مِنْهَا ثُمَّ اسْتَهْلَكَ الْعَيْنُ أَوْ اسْقَطَ الذَّيْنُ بَطَلَتْ الْوَكَالَةُ فَإِذَا تَعَيَّنَتْ كَانَ هَذَا تَمْلِيكَ الذَّيْنِ مِنْ غَيْرِ مَنْ عَلَيْهِ الذَّيْنُ مِنْ غَيْرِ أَنْ يُوَكَّلَهُ بِقَبْضِهِ وَذَلِكَ لَا يَجُوزُ كَمَا إِذَا اشْتَرَى بِدَيْنٍ عَلَى غَيْرِ الْمُشْتَرِي أَوْ يَكُونُ أَمْرًا بِصَرَفٍ مَا لَا يَمْلِكُهُ إِلَّا بِالْقَبْضِ قَبْلَهُ وَذَلِكَ بَاطِلٌ كَمَا إِذَا قَالَ أَعْطُ مَالِي عَلَيْكَ مِنْ شَيْءٍ بِخِلَافِ مَا إِذَا عَيَّنَ الْبَائِعُ لِأَنَّهُ يَصِيرُ وَكِيلًا عَنْهُ فِي الْقَبْضِ ثُمَّ يَتَمَلَّكُهُ وَبِخِلَافِ مَا إِذَا أَمَرَهُ بِالتَّصَدُّقِ لِأَنَّهُ جَعَلَ الْمَالَ لِلَّهِ تَعَالَى وَهُوَ مَعْلُومٌ وَإِذَا لَمْ يَصِحَّ التَّوَكُّيلُ نَفَذَ الشَّرِي عَلَى الْمَأْمُورِ فَيَهْلِكُ مَنْ مَالِهِ إِلَّا إِذَا قَبِضَهُ الْأَمْرُ مِنْهُ لِيَنْعَقِدَ الْبَيْعُ تَعَاطِيًا

ترجمہ..... اور اگر قرضخواہ نے قرضدار کو حکم دیا کہ وہ قرضہ کے عوض غیر معین غلام کو خرید لے۔ پس قرضدار نے اس کو خرید لیا اور قرضخواہ (موکل) کے

قبضہ کرنے سے پہلے وہ غلام قرضدار (وکیل) کے قبضہ میں مر گیا تو وہ مشتری (قرضدار) کے مال سے مرا ہے۔ اور اگر مؤکل نے اس پر قبضہ کر لیا ہو تو وہ مؤکل کے لئے ہے اور یہ حکم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ مؤکل کے ذمہ لازم ہوگا۔ جبکہ وکیل نے اس پر قبضہ کر لیا ہو اور اسی اختلاف پر یہ ہے کہ جب قرضخواہ نے قرضدار کو حکم دیا کہ جو کچھ تجھ پر ہے اس کی بیع مسلم کر لے یا بیع صرف کر لے۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ معاوضات میں دراہم و دنانیر متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے ہیں۔ خواہ عین ہو یا دین ہو۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ اگر دو شخصوں نے ایک مال عین کو قرضہ کے عوض بیع کیا پھر دونوں نے اتفاق کیا کہ کوئی قرضہ نہیں تھا تو عقد باطل نہیں ہوگا۔ پس اس معاملہ میں اطلاق اور تنقید دونوں برابر ہو گئے۔ لہذا تو کیل صحیح ہوگی۔ اور عقد مؤکل کے ذمہ لازم ہوگا کیونکہ وکیل کا قبضہ مؤکل کے قبضہ کے مانند ہے اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ دراہم و دنانیر وکالتوں میں متعین ہوتے ہیں۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ اگر دراہم و دنانیر میں سے عین کے ساتھ متعین کیا ہے یا دراہم و دنانیر میں سے قرضہ کے ساتھ متعین کیا ہے پھر عین کو ہلاک کر دیا یا قرضہ ساقط کر دیا تو وکالت باطل ہو جاتی ہے پس جب دراہم و دنانیر (وکالت) میں متعین ہوئے تو یہ قرضدار کے علاوہ قرضہ کا مالک کرنا ہوا بغیر اس کے کہ اس کو قبضہ کرنے کا وکیل کرے حالانکہ یہ بات جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ ایک شخص نے ایسے قرضہ کے عوض خریداری کی جو قرضہ مشتری کے علاوہ پر ہے یا ایسے مال کے صرف کرنے کا حکم ہوگا۔ جس کا وہ مالک نہیں ہے مگر یہ کہ حکم کرنے سے پہلے قبضہ کرے حالانکہ وہ باطل ہے۔ جیسا کہ جب کہا میرا مال جو تجھ پر ہے تو جس کو چاہے دے دے اس کے برخلاف جب مؤکل نے بائع کو تعین کر دیا ہو۔ کیونکہ بائع (اولا) مؤکل کی طرف سے قبضہ کرنے کا وکیل ہو جائے گا۔ پھر وہ اس کا مالک ہو جائے گا اور اس کے برخلاف جب مؤکل نے قرضدار کو یہ مال صدقہ کرنے کا حکم دیا ہو۔ اس لئے کہ اس نے مال اللہ تعالیٰ کے واسطے کر دیا اور وہ معلوم ہے اور جب تو کیل صحیح نہیں ہوتی تو خریداری وکیل پر نافذ ہوگی اور غلام اسی کے مال سے ہلاک ہوگا۔ مگر جبکہ مؤکل، وکیل کی طرف سے قبضہ کرے کیونکہ بیع تعاطی منعقد ہو گئی ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر قرضخواہ نے قرضدار کو حکم دیا کہ وہ ایک ہزار روپیہ جو میرا تجھ پر ہے۔ اس کے عوض ایک غلام خرید کر دے اور غلام متعین نہیں کیا یعنی قرضخواہ نے قرضدار کو اپنے قرضہ کے عوض ایک غیر معین غلام خریدنے کا وکیل کیا اور جب غلام (بیع) غیر معین ہے تو بائع بھی غیر معین ہوگا۔ پس قرضدار نے ایک غلام خرید اگر اس غلام پر ابھی قرضخواہ (مؤکل) نے قبضہ نہیں کیا تھا کہ قرضدار (وکیل) ہی کے قبضہ میں وہ غلام مر گیا تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ غلام مشتری (وکیل) کے مال سے مرے گا اور قرضخواہ یعنی مؤکل کا ایک ہزار روپیہ وکیل یعنی قرضدار پر علیٰ حالہ واجب رہے گا اور اگر مؤکل یعنی قرضخواہ نے اس غلام پر قبضہ کر لیا اور پھر وہ غلام مرے گا تو یہ مؤکل کے مال سے مرے گا۔ یعنی وکیل (قرضدار) پر جو قرضہ تھا وہ اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا اور اس نقصان کا ذمہ دار مؤکل ہوگا۔ مگر یہ اس لئے نہیں کہ یہ وکالت درست ہے بلکہ اس لئے کہ مؤکل کے قبضہ کرنے سے مؤکل اور وکیل کے درمیان بیع تعاطی منعقد ہو گئی ہے اور بیع تعاطی جائز ہے۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک حکم یہ ہے کہ اگر وکیل (قرضدار) نے غلام پر قبضہ کر لیا تو یہ غلام مؤکل پر لازم ہوگا۔ یعنی مؤکل (قرضخواہ) ہی اس کا مالک ہوگا۔ خواہ مؤکل اس پر قبضہ کرے۔ خواہ وکیل کے قبضہ میں مر جائے یعنی دونوں صورتوں میں وکیل (قرضدار) کے ذمہ سے قرضہ ساقط ہو جائے گا۔ اسی کے قائل امام شافعیؒ اور امام احمدؒ ہیں۔ حاصل یہ کہ امام صاحبؒ کے نزدیک یہ تو کیل درست نہیں ہے اور صاحبینؒ کے نزدیک درست ہے۔

یہی اختلاف اس صورت میں ہے جب قرض خواہ، قرضدار کو یہ حکم دے کہ میرا ایک ہزار درہم جو تجھ پر ہے تو اس کے عوض کسی شخص سے دس من گندم کی بیع مسلم کر لے یا ان ایک ہزار درہم کے عوض بیع صرف کر لے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مسلم فیہ اور بدل صرف پر قرض خواہ (مؤکل) نے قبضہ نہ کیا ہو بلکہ قرضدار (وکیل) کے قبضہ میں ہلاک ہو گئے ہوں تو یہ وکیل (قرضدار) کا مال ہلاک ہوگا اور مؤکل (قرض خواہ) نے مسلم فیہ اور بدل صرف پر قبضہ کر لیا ہو تو یہ مؤکل (قرض خواہ) کا مال ہو گیا اب اگر یہ ہلاک ہوا تو مؤکل کا مال ہلاک ہوگا۔ اور وکیل قرضہ سے سبکدوش ہو جائے گا۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک مسلم فیہ اور بدل صرف پر اگر وکیل (قرضدار) نے قبضہ کر لیا ہو تو وہ مؤکل کے ذمہ لازم ہوگا خواہ مؤکل کے قبضہ کرنے

سے پہلے وکیل (قرضدار) کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے۔ لیکن یہ اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ قرض خواہ نے مسلم الیہ کو اور اس شخص کو جس کے ساتھ عقد صرف کرنے کا حکم دیا ہے متعین نہ کیا ہو۔ چنانچہ اگر قرض خواہ نے ان کو متعین کر دیا ہو تو یہ توکیل بالاتفاق صحیح ہے اور قرضدار (وکیل) کی خریداری، مؤکل (قرض خواہ) پر لازم ہوگی۔ خواہ مؤکل مسلم فیہ اور بدل صرف پر قبضہ کرے یا مؤکل کے قبضہ کرنے سے پہلے وکیل (قرضدار) کے قبضہ میں ہلاک ہو جائے۔

صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ دراہم ودنانیر، بیع وغیرہ عقد معاوضہ میں متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے، دراہم ودنانیر خواہ دین یعنی کسی کے ذمہ میں ثابت ہوں خواہ عین ہوں یعنی کسی کے ذمہ میں ثابت نہ ہوں بلکہ عقد کرنے والے کے پاس موجود ہوں۔ چنانچہ اگر شاہد نے کہا کہ میرے ایک ہزار درہم، خالد کے ذمہ قرضہ ہیں۔ پس خالد قرضدار نے قرضہ کے عوض اپنا مال عین مثلاً ایک سودینا قرض خواہ کے ہاتھ فروخت کر دیئے۔ پھر دونوں میں اتفاق ہو گیا کہ شاہد کا خالد پر کوئی قرضہ نہیں تھا تو شاہد اور خالد کے درمیان مذکورہ عقد باطل نہیں ہوگا۔ بلکہ شاہد پر قرضہ کا مثل یعنی ایک ہزار دراہم واجب ہوں گے۔

ملاحظہ فرمائیے اگر دراہم ودنانیر متعین کرنے سے متعین ہو جائے تو خالد کے ذمہ دین نہ ہونے پر اتفاق کرنے کی صورت میں مذکورہ عقد باطل ہو جاتا کیونکہ عقد میں جن دراہم کو بصورت دین متعین کیا تھا وہ باقی نہیں رہے حالانکہ یہاں عقد باطل نہیں ہوتا۔ پس ثابت ہوا کہ دراہم ودنانیر دین ہوں یا عین ہوں۔ عقد معاوضہ میں متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے ہیں۔ اور جو چیز متعین کرنے سے متعین نہ ہوتی ہو اس میں اطلاق اور تقیید دونوں برابر ہیں اطلاق کی صورت تو یہ ہے کہ قرض خواہ قرضدار سے یہ کہے کہ میرے واسطے ایک ہزار درہم کے عوض ایک غلام خرید کر لا اور اس ایک ہزار کو اس قرضہ کی طرف منسوب نہ کرے جو قرضہ قرضدار پر واجب ہے۔

اور تقیید کی صورت یہ ہے کہ اس ایک ہزار کو قرضہ کی طرف منسوب کرے مثلاً قرض خواہ یہ کہے کہ میرے لئے ایک غلام اس ایک ہزار کے عوض خرید کر لا۔ جو ایک ہزار میرا تجھ پر واجب ہے۔ پس جب دراہم ودنانیر متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے۔ اور جو چیز متعین کرنے سے متعین نہ ہوتی ہو اس میں اطلاق اور تقیید دونوں برابر ہیں تو قرض خواہ کا اپنے قرضدار کو یہ کہنا کہ تو میرے واسطے ایک غلام اس ایک ہزار درہم کے عوض خرید کر لا جو میرا تجھ پر ہے اور یہ کہنا کہ ایک ہزار درہم کے عوض خرید کر لا۔ دونوں برابر ہیں اور قرض خواہ اگر یہ کہے کہ تو میرے لئے ایک ہزار درہم کے عوض ایک غلام خرید کر لا اور اس ایک ہزار کو قرضہ کی طرف منسوب نہ کرے تو یہ توکیل بالاتفاق درست ہے۔ لہذا اگر ایک ہزار کو قرضہ کی طرف منسوب کر دیا تو اس صورت میں بھی توکیل درست ہوگی۔ اور جب اس صورت میں توکیل درست ہے تو وکیل یعنی قرضدار کی خریداری مؤکل یعنی قرض خواہ پر لازم ہوگی۔ پس اگر غلام، قرض خواہ (مؤکل) کے قبضہ کرنے سے پہلے وکیل (قرضدار) کے قبضہ میں مر گیا تو یہ مؤکل کے مال سے مرے گا۔ یعنی اس غلام کا مرنا مؤکل (قرض خواہ) کا نقصان شمار ہوگا نہ کہ وکیل کا کیونکہ وکیل کا قبضہ، مؤکل کے قبضہ کے مرتبہ میں ہوتا ہے یعنی وکیل کے قبضہ میں غلام کا مرنا ایسا ہے۔ جیسا کہ مؤکل کے قبضہ میں مرنا ہو اور مؤکل کے قبضہ میں مرنے کی صورت میں مؤکل ہی کا نقصان شمار ہوگا نہ کہ وکیل کا اور یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ قرض خواہ قرضدار سے یہ کہے کہ میرا قرضہ جو تجھ پر ہے تو اسے مساکین پر صدقہ کر دے تو یہ جائز ہے اسی طرح اگر اس قرضہ کے عوض غلام خریدنے کا حکم دیا تو یہ بھی جائز ہوگا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل سے پہلے یہ ذہن نشین فرمائیے کہ وکالت میں دراہم ودنانیر جب تک مؤکل، وکیل کے سپرد نہیں کرتا اس وقت تک دراہم ودنانیر متعین کرنے کے باوجود بالا جماع متعین نہیں ہوتے مثلاً شاہد نے حامد کو وکیل مقرر کرتے ہوئے کہا کہ تو میرے لئے ان ایک ہزار دراہم کے عوض ایک باندی خرید کر لا۔ اور مؤکل (شاہد) نے وہ ایک ہزار دراہم وکیل (خالد) کو دکھلا کر متعین بھی کر دیئے لیکن وکیل کے سپرد نہیں کئے تو اب اگر یہ دراہم مؤکل کے قبضہ سے چوری ہو گئے اور وکیل نے ایک ہزار دراہم کے عوض باندی خرید لی تو یہ خریداری مؤکل پر لازم ہوگی۔ اور مؤکل،

دوسرے ایک ہزار درہم وکیل کو ادا کرے گا۔ اس مسئلہ سے ثابت ہوا کہ وکالت میں وکیل کے حوالہ کرنے سے پہلے درہم و دنیا پر متعین کرنے کے باوجود متعین نہیں ہوتے۔ کیونکہ اس صورت میں اگر درہم و دنیا پر متعین کرنے سے متعین ہو جاتے تو درہم و دنیا پر متعین چوری ہونے کے بعد وکالت باطل جاتی۔ حالانکہ اس صورت میں وکالت باطل نہیں ہوتی۔ پس درہم و دنیا پر متعین کے چوری ہونے کے بعد دوسرے درہم کے عوض وکالت کا باقی رہنا اور باطل نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ تسلیم الی الوکیل سے پہلے وکالت کے اندر درہم و دنیا پر متعین کرنے کے باوجود متعین نہیں ہوتے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ وکالت چونکہ عقد شراء کا وسیلہ اور ذریعہ ہے اس لئے وکالت کو عقد شراء پر قیاس کیا جائے گا اور عقد شراء میں مشتری کی طرف سپرد کرنے سے پہلے درہم و دنیا پر متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے ہیں۔ لہذا وکالت جو عقد شراء کا وسیلہ ہے اس میں بھی تسلیم الی الوکیل سے پہلے درہم و دنیا پر متعین کرنے سے متعین نہ ہوں گے۔

اور اگر موقوف نے درہم و دنیا پر وکیل کے سپرد کر دیئے تو اس صورت میں اختلاف ہے۔ چنانچہ بعض حضرات مشائخؒ نے فرمایا کہ اس صورت میں درہم و دنیا پر متعین ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ اگر وکیل نے ان درہم و دنیا کو ہلاک کر دیا یا وہ ہلاک ہو گئے تو وکالت باطل ہو جائے گی۔

ان حضرات کی ایک دلیل یہ ہے کہ وکالت شراء کا وسیلہ ہے اور مشتری کی طرف سپرد کرنے کے بعد عقد شراء میں درہم و دنیا پر متعین ہو جاتے ہیں۔ لہذا وکالت جو شراء کا وسیلہ ہے تسلیم الی الوکیل کے بعد درہم و دنیا پر اس میں بھی متعین ہو جائیں گے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ درہم و دنیا پر وکیل کا قبضہ قبضہ امانت ہے اور امانتوں میں درہم و دنیا پر متعین ہوتے ہیں۔ لہذا تسلیم الی الوکیل کے بعد وکالت میں بھی درہم و دنیا پر متعین ہو جائیں گے۔ اور علامۃ المشائخ کا قول یہ ہے کہ وکیل کے سپرد کرنے کے بعد بھی درہم و دنیا پر متعین نہیں ہوتے۔

دوسری بات یہ ذہن نشین فرمائیں کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دلیل کی بنیاد بعض مشائخ کے قول پر ہے نہ کہ علامۃ المشائخ کے قول پر۔ لیکن اس پر یہ سوال ہوگا کہ حضرت امام صاحبؒ کے قول کو ان بعض مشائخ کے قول سے ثابت کیا گیا ہے جو امام صاحبؒ کے دو سو سال بعد پیدا ہوئے ہیں۔ حالانکہ یہ قطعاً ممکن نہیں ہے۔ جیسا کہ یہود کہتے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ یہودی تھے اور نصاریٰ کہتے تھے کہ حضرت ابراہیمؑ نصرانی تھے۔ مگر قرآن مجید میں کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کا زمانہ یہودیت اور نصرانیت کے وجود سے ہزاروں سال پہلے ہے۔ پس یہودیت اور نصرانیت کے وجود سے ہزاروں سال پہلے پیدا ہونے والے انسان (ابراہیم) کو یہودی اور نصرانی قرار دینا اعلیٰ درجہ کی حماقت ہے۔ اسی طرح امام صاحبؒ کے قول کو ان بعض مشائخ کے قول سے ثابت کرنا جو امام صاحبؒ سے دو سو سال بعد پیدا ہوئے ہیں بہت بڑی حماقت ہے۔

جواب اس کا جواب یہ ہے صاحب ہدایہ ان بعض مشائخ کے قول کے درپے نہیں ہیں۔ بلکہ صاحب ہدایہ نے اس پر اعتماد کیا ہے جو امام محمدؒ سے زیادات میں منقول ہے کہ درہم و دنیا پر تسلیم الی الوکیل کے بعد متعین ہو جاتے ہیں۔ اور امام محمدؒ سے جو کچھ منقول ہے وہ سب حضرت امام صاحبؒ ہی کا فرمودہ ہے۔ یہ اتفاقی امر ہے کہ امام محمدؒ سے جو منقول ہے وہ بعض مشائخ کا بھی قول ہے اس جواب کے بعد یہ کہنا درست نہ ہوگا کہ امام صاحبؒ کے قول کی دلیل کی بنیاد بعض مشائخ کا قول ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ وکالت میں تسلیم الی الوکیل کے بعد درہم و دنیا پر متعین ہونا یہ ان بعض مشائخ کا قول نہیں ہے۔ جو حضرت امام صاحبؒ کے دو سو سال بعد پیدا ہوئے ہیں بلکہ ان بعض مشائخ نے امام ابو حنیفہؒ کی اصل سے اس کی تخریج کی ہے۔ اب مطلب یہ ہوگا کہ صاحب ہدایہ نے امام صاحبؒ کے قول کو امام صاحبؒ کی اصل سے بعض مشائخ کی تخریج پر ثابت کیا ہے۔ یعنی امام صاحبؒ کے قول کی دلیل کی بنیاد خود امام صاحبؒ کی بیان کردہ اصل ہے لیکن اس کی تخریج بعض مشائخ نے کی ہے۔ اس جواب کے بعد بھی سابقہ اشکال واقع نہ ہوگا۔ (فتح القدیر)

اب اصل مسئلہ پر امام ابو حنیفہؒ کی دلیل کا حاصل یہ ہے کہ وکالتوں میں درہم و دنیا پر وکیل کی طرف سپرد کرنے کے بعد متعین ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر موقوف نے درہم و دنیا پر عین درہم کے ساتھ وکالت کو مقید کر دیا۔ یعنی موقوف کے ہاتھ میں درہم لے کر وکیل کو

دکھلا دیئے اور اس کے سپرد کر دیئے یا وکالت کو دراہم و دنانیر میں سے دین کے ساتھ مقید کیا یعنی یہ کہا کہ جو دراہم یا دنانیر میرے تجھ پر ہیں ان کے عوض غلام خرید کر دے جیسا کہ متن کا مسئلہ ہے پھر عین دراہم کو مؤکل یا وکیل نے ہلاک کر دیا، یا مؤکل نے وکیل کو دین اور قرضہ سے بری کر دیا تو یہ وکالت باطل ہو جائیگی۔ پس دراہم و دنانیر کو ہلاک کرنے کی وجہ سے وکالت کا باطل ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وکالت میں دراہم و دنانیر متعین ہوتے ہیں۔ کیونکہ اگر دراہم و دنانیر متعین نہ ہوتے تو وکالت باطل نہ ہوتی مگر مؤکل کے ہلاک کرنے کی صورت میں مؤکل پر دوسرے دراہم ادا کرنا لازم ہوتا اور وکیل کے ہلاک کرنے کی صورت میں وکیل ذمہ دار ہوتا۔

بہر حال یہ ثابت ہو گیا کہ تسلیم الی الوکیل کے بعد دراہم و دنانیر متعین ہو جاتے ہیں۔ پس جب وکالت میں دراہم و دنانیر متعین ہو جاتے ہیں تو متن کے مسئلہ کے مطابق قرض خواہ کا قرضہ اگر کو یہ حکم دینا کہ میرا جو تجھ پر قرضہ ہے اس کے عوض ایک غلام خرید کر دے اس کا مطلب یہ ہے کہ قرض خواہ نے قرضہ دار کے علاوہ کو یعنی غلام کے مالک کو قرضہ کی اس رقم کا مالک کر دیا ہے۔ حالانکہ قرض خواہ نے غلام کے مالک کو اس قرضہ پر قبضہ کرنے کا وکیل مقرر نہیں کیا ہے۔ اور اس طور پر کہ غلام کے مالک کو قرضہ کی رقم کا مالک بنانا جائز ہے اور یہ اس لئے ناجائز ہے کہ قرض خواہ جس نے غلام کے مالک کو قرضہ دار کے ذمہ واجب شدہ رقم کا مالک کیا ہے۔ وہ قرضہ کی اس رقم کو غلام کے مالک کی طرف سپرد کرنے پر قاصر نہیں ہے اور انسان جو سپرد کرنے پر قادر نہ ہو وہ اس چیز کو دوسرے کی ملکیت میں دینے کا مجاز بھی نہیں ہوتا ہے۔ لہذا قرض خواہ کا غلام کے مالک کو قرضہ کی رقم کا مالک بنانا بھی جائز نہ ہوگا۔ اور جب یہ جائز نہیں ہے تو قرض خواہ کا قرضہ دار کو اس قرضہ کے عوض غلام خریدنے کا وکیل بنانا بھی جائز نہ ہوگا۔ اور جب یہ تو وکیل (وکیل بنانا) جائز نہیں ہے تو وکیل کے غلام خریدنے کے بعد اگر وہ غلام وکیل کے قبضہ میں مر گیا اور مؤکل نے ابھی تک قبضہ نہیں کیا تو یہ غلام وکیل کے مال سے مرے گا۔ کیونکہ وکیل کے درست نہ ہونے کی وجہ سے خریداری مؤکل کے لئے نہیں ہوئی بلکہ وکیل کے لئے ہوئی۔ اور جب خریداری وکیل کے لئے ہوئی تو وکیل ہی نفع، نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔ نہ کہ مؤکل لیکن جب مؤکل اس غلام پر قبضہ کرے گا تو مؤکل کا مالک ہو جائے گا۔ مگر اس لئے نہیں کہ وکیل درست ہے اور قرضہ دار کی خریداری، قرضہ خواہ (مؤکل) کے لئے ہے بلکہ اس لئے کہ جب وکیل (قرضہ دار) نے غلام قرض خواہ (مؤکل) کے سپرد کیا اور قرض خواہ نے اس پر قبضہ کر لیا تو یہ قرض خواہ اور قرضہ دار کے درمیان بیع تعاطی ہو گئی اور بیع تعاطی کے نتیجے میں قرض خواہ اس غلام کا مالک ہو گیا ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ تسلیک الدین من غیر من علیہ الدین من غیر ان یو کله بقبضہ کہ نظیر یہ ہے کہ ایک شخص نے ایسے قرضہ کے عوض کوئی چیز خریدی جو قرضہ مشتری کے علاوہ پر ہے۔

صاحب عنایہ نے اس کی صورت یہ بیان کی ہے کہ زید کا عمرو کے ذمہ قرض ہے۔ پھر زید نے بکر کو اپنا وکیل بالشراء مقرر کرتے ہوئے کہا کہ تو میرے اس قرضہ کے عوض جو عمرو پر ہے۔ عمرو کے علاوہ دوسرے کسی آدمی سے ایک کتاب خرید کر لادے تو یہ ناجائز ہے کیونکہ اس صورت میں وکیل نے کتاب کی خریداری ایسے قرضہ کے عوض کی ہے جو قرضہ مشتری (وکیل) کے علاوہ عمرو پر ہے اور اس صورت میں یہ لازم آتا ہے کہ قرض خواہ یعنی زید نے قرضہ کا مالک قرضہ دار یعنی عمرو کے علاوہ یعنی بکر (وکیل) کو بنایا ہے اور یہ ناجائز ہے جیسا کہ گذشتہ سطروں میں اس کی دلیل مذکور ہے۔

اور صاحب کفایہ نے اس کی صورت یہ بیان کی ہے کہ زید کا عمرو پر قرضہ ہے۔ پس زید نے بکر سے اس قرضہ کے عوض جو عمرو پر ہے۔ ایک کتاب خریدی تو گویا زید قرض خواہ نے قرضہ کا مالک قرضہ دار کے علاوہ یعنی بکر کو بنایا ہے اور یہ سابقہ دلیل کی وجہ سے ناجائز ہے۔

صاحب کفایہ کے بیان کے مطابق علی غیر المشتري کی عبارت وضع الظاهر موضع المضمور کے قبیلہ سے ہوگی یعنی اصل عبارت یوں ہونی چاہئے تھی۔ علی غیر نفسہ اور مطلب یہی ہوتا کہ زید نے بکر سے ایک کتاب ایسے قرضہ کے عوض خریدی جو قرضہ خود مشتری (زید) کے علاوہ یعنی عمرو پر ہے۔ علی غیر المشتري اور علی غیر نفسہ دونوں کا مطلب ایک ہی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل..... کے ذیل میں صاحب ہدایہؒ نے کہا کہ متن کے مسئلہ میں مذکور توکیل سے یا تو تملیک الدین من غیر من علیہ الدین من غیر ان یوکلہ بقبضہ لازم آتا ہے جو ناجائز ہے اور یا یہ لازم آئے گا کہ قرض خواہ نے ابھی تک قرضہ کی رقم پر قبضہ نہیں کیا ہے۔ مگر قرض خواہ قرضدار کو حکم دیتا ہے کہ وہ قرضہ کی رقم غلام کے بائع کو دے دے۔ حالانکہ قرض خواہ کا قرضدار کو یہ حکم دینا کہ وہ قرضہ کی رقم بائع کو دے دے ایسی چیز کا حکم کرنا ہے۔ جس کا قرض خواہ مالک نہیں ہے اس لئے کہ قرض خواہ قرضہ کی رقم کا مالک قبضہ کے بعد ہوتا ہے نہ کہ قبضہ سے پہلے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ قرضہ کی ادائیگی بائعین کی جاتی ہے نہ کہ باعینانہا، یعنی قرضدار بعینہ وہ دراہم واپس نہیں کرتا ہے جو دراہم اس نے لئے تھے۔ بلکہ ان کے مثل دوسرے دراہم واپس کرتا ہے اور وہ دوسرے دراہم جب تک قرض خواہ ان پر قبضہ نہ کرے قرضدار کے مملوک ہوتے ہیں نہ کہ قرض خواہ کے پس قرضدار جو دراہم بائع کو نہ دے گا وہ خود اس کے مملوک ہوں گے۔ قرض خواہ ان کا مالک نہ ہوگا۔ پس متن کے مسئلہ کے مطابق قرض خواہ کا قرضدار کو یہ حکم دینا کہ قرضہ کے عوض ایک غلام خرید کر لادے بائع کو ایسے دراہم دینے کا حکم کرنا ہے جن کا مالک خود قرض خواہ نہیں ہے۔ حالانکہ انسان کا ایسے دراہم دینے کا حکم کرنا جن کا وہ خود مالک نہیں ہے باطل ہے۔

جیسے قرض خواہ نے اگر قرضدار کو یہ کہا کہ میرا مال جو تجھ پر ہے تو جس کو چاہے دے دے باطل ہے کیونکہ یہاں بھی ایسا مال دینے کا حکم کرنا ہے۔ جس مال کا خود امر کرنے والا یعنی قرض خواہ مالک نہیں ہے۔ بہر حال جب قرض خواہ کا قرضدار کو یہ امر کرنا باطل ہے تو توکیل مذکور باطل ہے اور جب توکیل باطل ہے تو خریداری وکیل کے لئے ہوگی نہ کہ مؤکل کے لئے اور جب خریداری وکیل کے لئے ہے تو خریدار غلام اگر وکیل کے قبضہ میں مر گیا اور مؤکل نے تاہنوز قبضہ نہیں کیا تو یہ غلام وکیل کا مرے گا نہ کہ مؤکل کا لیکن اگر وکیل نے غلام کو مؤکل کے سپرد کر دیا اور مؤکل نے اس پر قبضہ کر لیا تو غلام مؤکل کا ہوگا مگر مؤکل کا اس لئے نہیں ہوگا کہ یہ توکیل درست ہے۔ اور وکیل کی خریداری مؤکل کے لئے ہے بلکہ اس لئے ہوگا کہ غلام کو وکیل کا سپرد کرنا اور مؤکل کا اس پر قبضہ کرنا بیع تعاطی ہے۔ اور بیع تعاطی جائز ہے اور مفید ملک ہے لہذا مؤکل قبضہ کرنے کے بعد اس کا مالک ہو جائے گا۔

بِخِلَافِ مَا إِذَا عَيَّنَ الْبَائِعُ..... الخ سے مصنف ہدایہؒ نے کہا کہ اگر مؤکل یعنی قرض خواہ نے بائع کو متعین کر دیا۔ مثلاً قرض خواہ نے قرضدار سے یہ کہا کہ تو اس قرضہ کے عوض فلاں آدمی سے غلام خرید کر لادے تو یہ توکیل امام صاحبؒ کے نزدیک بھی صحیح ہے اور مؤکل کے لئے لازم ہے۔ خواہ مؤکل اس پر قبضہ کرے یا نہ کرے کیونکہ اس صورت میں بائع قرض خواہ کی طرف سے اولاً قرضہ پر قبضہ کرنے کا وکیل ہوگا پھر بائع ہونے کی وجہ سے اس کا مالک ہو جائے گا۔ اور جب ایسا ہے تو مذکورہ دو خرابیوں (تملیک الدین من غیر علیہ الدین اور امر ابصر مالاً یملکہ) میں سے کوئی خرابی لازم نہ آئے گی اور جب اس صورت میں مذکورہ دو خرابیوں میں سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی تو توکیل بھی درست ہوگی اور جب توکیل درست ہے تو خریداری مؤکل پر نافذ ہوگی۔ خواہ مؤکل پر قبضہ کرے یا نہ کرے۔

و بِخِلَافِ مَا إِذَا امْرَهُ بِالتَّصَدُّقِ..... سے صاحبینؒ کے قیاس کا جواب..... ہے۔ صاحبینؒ کا قیاس اگرچہ ہدایہؒ میں مذکور نہیں ہے لیکن خادم نے صاحبینؒ کی دلیل کے آخر میں ذکر کیا ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ جب قرض خواہ نے قرضدار سے یہ کہا کہ میرا مال جو تجھ پر ہے تو اسے مساکین پر صدقہ کر دے تو گویا اس نے مال اللہ کے لئے مقرر کیا اور مسکین اس کا نائب ہے اور اللہ معلوم بھی ہے تو یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ قرض خواہ (مؤکل) نے بائع کو متعین کر دیا ہو اور بائع کو متعین کرنے کی صورت میں توکیل درست ہوتی ہے۔ لہذا صدقہ کرنے کے لئے توکیل بھی درست ہوگی۔

صاحب ہدایہؒ واذا لم یصح التَّوَكُّيلُ..... الخ سے امام صاحبؒ کی دلیل کا تتمہ ذکر فرما رہے ہیں۔ یعنی جب قرضدار کو قرضہ کے عوض عبد غیر معین خرید کر لانے کا حکم کرنے سے مذکورہ دو خرابیوں (تملیک الدین..... الخ اور امر ابصر مالاً یملکہ) میں سے کوئی خرابی لازم آتی ہے تو یہ توکیل یعنی قرض خواہ کا قرضدار کو قرضہ کے عوض عبد غیر معین خریدنے کا وکیل کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اور جب یہ توکیل صحیح نہیں ہے تو وکیل یعنی قرضدار کی خریداری خود وکیل پر نافذ ہوگی اور غلام ہلاک ہونے کی صورت میں وکیل یعنی قرضدار کا مال ضائع ہوگا۔ نہ

مؤکل یعنی قرضخواہ کا۔ ہاں اگر مؤکل یعنی قرضخواہ نے اس غلام پر وکیل یعنی قرضدار کی طرف سے قبضہ کر لیا تو یہ قرضخواہ اور قرضدار کے درمیان بیع تعاطی منعقد ہو جائے گی اور بیع تعاطی کی وجہ سے قرض خواہ (مؤکل) اس غلام کا مالک ہوگا اور نفع نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔

ایک شخص نے دوسرے کو ایک ہزار درہم دے کر حکم دیا کہ وہ ان کے عوض ایک باندی خریدے وکیل نے باندی خریدی پھر مؤکل نے کہا کہ تو نے اس کو پانچ سو کے عوض خریدا ہے وکیل نے کہا ایک ہزار کے عوض خریدا ہے تو وکیل کا قول قبول ہوگا

قَالَ وَمَنْ دَفَعَ إِلَى الْآخَرِ الْفَاءَ وَأَمَرَهُ أَنْ يَشْتَرِيَ بِهَا جَارِيَةً فَاشْتَرَاهَا فَقَالَ الْأَمْرُ اشْتَرَيْتُهَا بِخَمْسِمِائَةٍ وَقَالَ الْمَأْمُورُ اشْتَرَيْتُهَا بِالْفِ قَالَ قَوْلُ الْمَأْمُورِ وَمُرَادُهُ إِذَا كَانَتْ تُسَاوِي الْفَاءَ لِأَنَّهُ أَمِينٌ فِيهِ وَقَدْ ادَّعَى الْخُرُوجَ عَنْ عَهْدَةِ الْأَمَانَةِ وَالْأَمْرُ يَدَّعِي عَلَيْهِ ضَمَانَ خَمْسِمِائَةٍ وَهُوَ يُنْكِرُ فَإِنْ كَانَتْ تُسَاوِي خَمْسِمِائَةٍ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْأَمْرِ لِأَنَّهُ خَالَفَ حَيْثُ اشْتَرَى جَارِيَةً تُسَاوِي خَمْسِمِائَةٍ وَالْأَمْرُ تَنَاوَلُ مَا يُسَاوِي الْفَاءَ فَيُضْمَنُ

ترجمہ..... اور اگر ایک شخص نے دوسرے کو ایک ہزار درہم دے کر اس کو حکم دیا کہ وہ ان کے عوض ایک باندی خریدے۔ پس وکیل نے باندی خریدی پھر مؤکل نے کہا کہ تو نے اس کو پانچ سو روپیہ کے عوض خریدا ہے اور وکیل نے کہا کہ میں نے اس کو ایک ہزار کے عوض خریدا ہے تو وکیل کا قول قبول ہو گا اور امام محمدؒ کی مراد یہ ہے کہ جب باندی ایک ہزار کی مالیت کے برابر ہو اس لئے وکیل اس میں امین ہے اور اس نے عہدہ امانت سے نکلنے کا دعویٰ کیا ہے اور مؤکل اس پر پانچ سو درہم ضمان کا دعویٰ کرتا ہے اور وکیل اس کا منکر ہے۔ پس اگر باندی پانچ سو درہم مالیت کے برابر ہو تو مؤکل کا قول معتبر ہو گا اس لئے کہ وکیل نے مؤکل کے حکم کی مخالفت کی ہے کیونکہ وکیل نے پانچ سو درہم کی مالیت کے برابر باندی خریدی ہے اور مؤکل کا حکم اس کو شامل ہے جو ایک ہزار کی مالیت کے برابر ہو پس وکیل ضامن ہوگا۔

تشریح..... ذکر کردہ متن جامع صغیر کا ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کو ایک ہزار درہم دے کر حکم دیا کہ وہ ان درہم کے عوض ایک باندی خرید لے۔ چنانچہ وکیل نے باندی خریدی۔ پھر مؤکل نے کہا کہ تو نے یہ باندی پانچ سو درہم کے عوض خریدی ہے اور وکیل نے کہا کہ میں نے یہ باندی ایک ہزار درہم کے عوض خریدی ہے تو اس صورت میں وکیل کا قول معتبر ہوگا۔

مصنف ہدایہ نے کہا کہ متن میں امام محمدؒ کی مراد یہ ہے کہ مذکورہ حکم اس وقت ہے جبکہ خرید کردہ باندی کی مالیت ایک ہزار درہم کے مساوی اور برابر ہو یعنی اگر باندی کی قیمت بھی ایک ہزار درہم ہے اور وکیل کا کہنا یہی ہے کہ میں نے ایک ہزار درہم کے عوض خریدی ہے تو وکیل کا قول معتبر ہوگا۔

دلیل..... یہ ہے کہ اس معاملہ میں وکیل امین ہے اور عہدہ امانت سے نکلنے اور سبکدوش ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور عہدہ امانت سے نکلنے میں چونکہ امین کا قول معتبر ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں بھی امین یعنی وکیل کا قول معتبر ہوگا۔ نیز اس مسئلہ میں مؤکل، وکیل پر پانچ سو درہم کے ضمان کا دعویٰ کرتا ہے۔ یعنی دعویٰ کرتا ہے کہ تو نے پانچ سو درہم کے عوض باندی خریدی ہے اور باقی پانچ سو درہم تیرے ذمہ واجب ہیں اور وکیل اس ضمان کا منکر ہے اور مدعی کے پاس بیہینہ ہونے کی صورت میں چونکہ منکر کا قول معتبر ہوتا ہے اور یہاں بھی یہی فرض کیا گیا ہے کہ مدعی یعنی مؤکل کے پاس بیہینہ موجود نہیں ہے۔ اس لئے منکر یعنی وکیل کا قول مع الیسین معتبر ہوگا۔ اور اگر وکیل کی خرید کردہ باندی پانچ سو درہم کی مالیت کے برابر ہو اور پھر یہ اختلاف ہو کہ مؤکل کہتا ہے کہ تو نے پانچ سو درہم میں خریدی ہے اور وکیل کہتا ہے کہ میں نے ایک ہزار درہم کے عوض خریدی ہے تو اس صورت میں مؤکل کا قول معتبر ہوگا۔

اس پر ایک دلیل..... تو یہ ہے کہ وکیل نے مؤکل کے حکم کی مخالفت کی ہے اس طور پر کہ مؤکل نے اس کو حکم دیا تھا کہ ایک ہزار درہم کے عوض

ایسی باندی خریدی جائے جس کی مالیت اور قیمت بھی ایک ہزار درہم کے برابر ہو۔ مگر وکیل نے ایک ہزار درہم کے عوض مالیت اور قیمت بھی ایک ہزار درہم کے برابر ہو۔ مگر وکیل نے ایک ہزار درہم کے عوض ایسی باندی خریدی ہے جس کی مالیت پانچ سو درہم کے برابر ہے پس وکیل نے اپنے مؤکل کی ایسی مخالفت کی ہے جس میں مؤکل کا نقصان ہے اور جس خریداری میں وکیل کی طرف سے مؤکل کے حکم کی مخالفت پائی جائے اور اس مخالفت میں مؤکل کا نقصان بھی ہو تو وہ خریداری خود وکیل کے لئے ہوتی نہ کہ مؤکل کے لئے۔ لہذا باندی کی یہ خریداری وکیل کے لئے ہوگی اور وکیل مؤکل کے لئے ضامن ہوگا۔

دوسری دلیل..... یہ ہے کہ جب وکیل نے پانچ سو درہم کی مالیت کی باندی ایک ہزار درہم کے عوض خریدی تو یہ خریداری غبن فاحش کے ساتھ ہوئی اور غبن فاحش کے ساتھ خریدنے کی صورت میں خریداری وکیل کے لئے ہوتی ہے نہ کہ مؤکل کے لئے اور جب یہ خریداری وکیل کے لئے ہے تو وکیل، مؤکل کے لئے ضامن ہوگا۔

اور اگر آمر نے ہزار روپے نہیں دیئے تو قول امر کا معتبر ہوگا

قَالَ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ دَفَعَ إِلَيْهِ الْأَلْفَ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْأَمْرِ إِذَا كَانَتْ قِيمَتُهَا خَمْسِمِائَةً فَالْمُخَالَفَةُ وَإِنْ كَانَتْ قِيمَتُهَا أَلْفًا فَمَعْنَاهُ أَنَّهُمَا يَتَخَالَفَانِ لِأَنَّ الْمُؤَكَّلَ وَالْوَكِيلَ فِي هَذَا يَنْزِلَانِ مَنْزِلَةَ الْبَائِعِ وَالْمُشْتَرِي وَقَدْ وَقَعَ الْإِخْتِلَافُ فِي الشَّمَنِ وَمُوجِبُهُ التَّخَالَفُ ثُمَّ يَفْسُخُ الْعَقْدُ الَّذِي جَرَى بَيْنَهُمَا فَيُلْزَمُ الْجَارِيَةُ الْمَأْمُورَ

ترجمہ..... اور اگر مؤکل نے وکیل کو ایک ہزار درہم نہ دیئے ہوں تو مؤکل کا قول قبول ہوگا۔ بہر حال جب باندی کی قیمت پانچ سو درہم ہوں تو مخالفت کی وجہ سے اور اگر اس کی قیمت ایک ہزار درہم ہوں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وکیل اور مؤکل دونوں قسم کھائیں گے۔ کیونکہ مؤکل اور وکیل دونوں اس صورت میں بائع اور مشتری کے مرتبہ میں ہیں۔ اور غبن میں اختلاف واقع ہوا ہے اور اس کا حکم باہمی قسم لینا ہے پھر وہ عقد جو ان دونوں کے درمیان جاری ہوا ہے فسخ ہو جائے گا اور باندی وکیل کے ذمہ لازم ہوگی۔

تشریح..... گذشتہ مسئلہ کی صورت ثانی یہ ہے کہ مؤکل نے وکیل کو ایک ہزار درہم نہیں دیئے اور وکیل نے باندی خرید لی۔ پھر دونوں میں اختلاف ہوا۔ چنانچہ مؤکل نے کہا کہ تو نے یہ باندی پانچ سو درہم کے عوض خریدی ہے اور وکیل نے کہا کہ میں نے ایک ہزار درہم کے عوض خریدی ہے تو مؤکل کا قول معتبر ہوگا۔ خواہ باندی کی قیمت پانچ سو درہم ہوں، خواہ ایک ہزار درہم ہوں۔ اگر باندی کی قیمت پانچ سو درہم ہوں تو مؤکل کا قول اس لئے معتبر ہوگا کہ وکیل کی طرف سے مؤکل کے حکم کی مخالفت پائی گئی۔ کیونکہ مؤکل نے ایک ہزار درہم کے عوض ایسی باندی خریدنے کا حکم دیا تھا جس کی مالیت اور قیمت ایک ہزار درہم ہوں اور اس نے ایسی باندی خریدی ہے جس کی مالیت پانچ سو درہم ہیں۔ اور وکیل کی طرف سے غبن فاحش بھی متحقق ہو گیا کہ پانچ سو درہم کا مال ایک ہزار درہم میں خریدا ہے اور ان دونوں صورتوں میں خریداری وکیل پر نافذ ہوتی ہے نہ کہ مؤکل پر۔ لہذا مؤکل کا قول معتبر ہوگا۔ اور باندی کی خریداری وکیل کے لئے ہوگی نہ کہ مؤکل کے لئے۔

اور اگر باندی کی مالیت اور قیمت ایک ہزار درہم ہوں تو مؤکل کے قول کے معتبر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مؤکل اور وکیل دونوں قسمیں کھائیں گے۔ کیونکہ مؤکل اور وکیل کے درمیان حکماً مبادلہ ہوتا ہے۔ اس طور پر کہ وکیل، مؤکل کو بیع دیتا ہے اور مؤکل، وکیل کو شمن دیتا ہے۔ لہذا مؤکل اور وکیل دونوں بائع اور مشتری کے مرتبہ میں ہوں گے۔ یعنی وکیل بائع کے مرتبہ میں ہوگا اور مؤکل مشتری کے مرتبہ میں ہوگا۔ اور دونوں کے درمیان شمن میں اختلاف ہوگا کہ وکیل یعنی مشتری نے کہا کہ باندی کا شمن پانچ سو درہم ہیں اور وکیل یعنی بائع نے کہا کہ باندی کا شمن ایک ہزار درہم ہیں اور بائع اور مشتری کے درمیان شمن میں اختلاف کا حکم یہ ہے کہ دونوں سے قسم لی جائے۔ اگر دونوں قسم کھالیں تو اس عقد کو فسخ کر دیا جائے۔ پس یہاں

کتاب الوکالة اشرف الہدایہ جلد - دہم
بھی مَوَکَل اور وکیل اگر دونوں قسمیں کھالیں تو وہ عقد حکمی جو مَوَکَل اور وکیل کے درمیان منعقد ہوا ہے اس کو فسخ کر دیا جائے گا۔ اور جب مَوَکَل اور وکیل کے درمیان عقد حکمی فسخ ہو گیا تو وہ باندی وکیل کے سر پڑے گی۔ یعنی وکیل اس کا مالک ہو گا نہ کہ مَوَکَل۔ پس نتیجہ کے طور پر اس صورت میں بھی مَوَکَل ہی کا قول معتبر ہوا۔

مَوَکَل نے وکیل کو معین غلام خریدنے کا حکم دیا اور ثمن بیان نہیں کیا وکیل نے غلام کو خرید لیا مَوَکَل نے کہا کہ تو نے پانچ سو کے عوض خریدا ہے اور وکیل نے کہا کہ ایک ہزار کے عوض خریدا ہے اور بائع نے وکیل کی تصدیق کی تو وکیل کا قول مع الیمین معتبر ہوگا

قَالَ وَلَوْ أَمَرَهُ أَنْ يَشْتَرِيَ لَهُ هَذَا الْعَبْدَ وَلَمْ يُسَمِّ لَهُ ثَمَنًا فَاشْتَرَاهُ فَقَالَ الْأَمِيرُ اشْتَرَيْتُهُ خَمْسَمِائَةٍ وَقَالَ الْمَأْمُورُ بِأَلْفٍ وَصَدَّقَ الْبَائِعُ الْمَأْمُورَ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمَأْمُورِ مَعَ يَمِينِهِ قِيلَ لَا تَحَالَفْ هَهُنَا لِأَنَّهُ ارْتَفَعَ الْخِلَافُ بِتَصْدِيقِ الْبَائِعِ إِذْ هُوَ حَاضِرٌ وَفِي الْمَسْأَلَةِ الْأُولَى هُوَ غَائِبٌ فَاعْتَبِرَ الْإِخْتِلَافُ وَقِيلَ يَتَحَالَفَانِ لِمَا ذَكَرْنَا وَقَدْ ذَكَرَ مُعْظَمُ يَمِينِ التَّحَالَفِ وَهُوَ يَمِينُ الْبَائِعِ وَالْبَائِعُ بَعْدَ اسْتِيفَاءِ الثَّمَنِ اجْتَنَبَى عَنْهُمَا وَقَبْلَهُ اجْتَنَبَى عَنِ الْمَوَکَلِ إِذْ لَمْ يَجِرْ بَيْنَهُمَا بَيْعٌ فَلَا يُصَدَّقُ عَلَيْهِ فَبَقِيَ الْخِلَافُ وَهَذَا قَوْلُ الْإِمَامِ أَبِي مَنْصُورٍ وَهُوَ أَظْهَرُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالْصَّوَابِ

ترجمہ..... اور اگر مَوَکَل نے وکیل کو حکم دیا کہ اس کے واسطے یہ غلام خرید لے اور اس کا ثمن بیان نہیں کیا۔ پس وکیل نے اس غلام کو خرید لیا پھر مَوَکَل نے کہا کہ تو نے اس کو پانچ سو درہم کے عوض خریدا ہے اور وکیل نے کہا کہ ایک ہزار درہم کے عوض اور بائع نے وکیل کی تصدیق کی تو مع الیمین وکیل کا قول قبول ہوگا۔ کہا گیا ہے کہ اس جگہ باہمی قسم نہیں ہے کیونکہ بائع کی تصدیق سے اختلاف اٹھ گیا۔ اس لئے کہ بائع حاضر ہے اور پہلے مسئلہ میں بائع غائب تھا۔ اس وجہ سے اختلاف معتبر ہوا۔ اور کہا گیا ہے کہ دونوں قسم کھائیں گے۔ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی ہے۔ اور امام محمدؒ نے تحالف میں سب سے بڑی قسم جو ذکر فرمائی وہ بائع کی قسم ہے اور بائع ثمن حاصل کرنے کے بعد دونوں سے اجنبی ہے اور ثمن حاصل کرنے سے پہلے مَوَکَل سے اجنبی ہے۔ کیونکہ مَوَکَل اور اس بائع کے درمیان کوئی بیع واقع نہیں ہوئی لہذا مَوَکَل پر بائع کے قول کی تصدیق نہ ہوگی۔ پس اختلاف باقی رہا اور یہ امام ابو منصورؒ ماتریدی کا قول ہے اور یہی اظہر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ مَوَکَل نے وکیل کو ایک معین غلام خریدنے کا حکم دیا مگر اس غلام کا ثمن بیان نہیں کیا۔ پس وکیل نے اس غلام کو خریدا لیا۔ پھر مَوَکَل اور وکیل کے درمیان مقدار ثمن میں اختلاف واقع ہوا۔ چنانچہ مَوَکَل نے اپنے وکیل سے کہا کہ تو نے یہ غلام پانچ سو روپیہ میں خریدا ہے۔ اور وکیل نے کہا کہ حضور ایسا نہیں ہے۔ بلکہ میں نے یہ غلام ایک ہزار روپیہ میں خریدا ہے اور غلام کے بائع نے بھی وکیل کے قول کی تصدیق کی تو وکیل کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔

مصنف ہدایہ نے کہا کہ بعض مشائخ مثلاً فقیہ ابو جعفر ہندوانی کا قول یہ ہے کہ اس مسئلہ میں تحالف نہیں ہے۔ یعنی مَوَکَل اور وکیل دونوں سے قسمیں لے کر ان دونوں کے درمیان واقع ہونے والے عقد حکمی کو فسخ نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ گذشتہ مسئلہ میں تحالف کے بعد عقد حکمی کو فسخ کر دیا گیا تھا۔

اس قول کی دلیل..... یہ ہے کہ غلام کے بائع نے وکیل کے قول کی تصدیق کی ہے اور مسئلہ میں بائع چونکہ موجود ہے۔ اس لئے اس کا تصدیق کرنا معتبر بھی ہوگا اور جب بائع کا تصدیق کرنا معتبر ہے تو اس کے تصدیق کرنے کی وجہ سے مَوَکَل اور وکیل کے درمیان واقع شدہ اختلاف دور ہو جائے گا پس جب اختلاف دور ہو گیا تو غلام کے بائع اور وکیل دونوں کا مقدار ثمن یعنی ایک ہزار پر اتفاق کرنا، انشاء عقد کے مرتبہ میں ہوگا۔ یعنی ایسا

ہوگا گویا غلام کے بائع اور وکیل کے درمیان ابھی ابھی ایک ہزار روپیہ کے عوض از سر نو بیع منعقد ہوئی ہے اور اگر غلام کے درمیان ایک ہزار روپیہ کے عوض انشاء عقد ہوتا یعنی از سر نو بیع منعقد ہوتی تو یہ بیع مؤکل پر لازم ہوتی۔ پس اسی طرح یہاں بھی اختلاف کی صورت میں وکیل کا قول معتبر ہوگا۔ اور غلام کی بیع مؤکل پر لازم اور نافذ ہوگی۔

اور گذشتہ مسئلہ میں بائع چونکہ موجود نہیں تھا۔ اس لئے اس کے تصدیق کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور جب بائع کی طرف سے وکیل کے قول کی تصدیق نہیں پائی گئی تو وکیل اور مؤکل کے درمیان مقدار ثمن میں اختلاف معتبر ہوگا اور تحالف واجب ہوگا کیونکہ مقدار ثمن میں اختلاف کا حکم یہی ہے کہ دونوں سے قسمیں لے کر عقد کو فسخ کر دیا جائے جیسا کہ اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

اور بعض مشائخ مثلاً شیخ ابو منصور ماتریدیؒ نے فرمایا ہے کہ گذشتہ مسئلہ کی طرح اس مسئلہ میں بھی تحالف واجب ہوگا۔ دلیل سابق میں گذر چکی ہے کہ وکیل اور مؤکل دونوں بائع اور مشتری کے مرتبہ میں ہیں۔ اور دونوں کے درمیان مقدار ثمن میں اختلاف کا حکم تحالف ہے لہذا اس مسئلہ میں بھی وکیل اور مؤکل دونوں سے قسمیں لے کر ان دونوں کے درمیان واقع شدہ عقد حکمی کو فسخ کر دیا جائے گا اور اس فسخ کا نتیجہ یہ ہوگا کہ خریدار ہوا غلام مؤکل کے لئے نہ ہوگا۔ بلکہ وکیل کے لئے ہوگا۔

و قد ذکر معظم یمن التحالف الخ سے ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال یہ ہے کہ جامع صغیر کے متن ولو امره ان يشتري هذا العبد ولم یسم له ثمنًا الخ میں امام محمدؒ نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ وکیل کا قول مع الیمین معتبر ہوگا اور شیخ ابو منصورؒ نے فرمایا کہ تحالف واجب ہوگا۔ حالانکہ تحالف امام محمدؒ کی بیان کردہ تصریح کے مخالف ہے۔ اس لئے کہ تحالف میں وکیل اور مؤکل دونوں سے قسمیں لے کر ان دونوں کے درمیان واقع شدہ عقد حکمی کو فسخ کر دیا جاتا ہے اور امام محمدؒ نے تصریح کی ہے کہ وکیل سے قسم لے کر اس کا قول معتبر مانا جائے گا۔

جواب اس کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ مسئلہ میں وکیل تو بائع کے مرتبہ میں ہے اور مؤکل مشتری کے مرتبہ میں ہے اور تحالف میں اگرچہ بائع اور مشتری دونوں پر قسم واجب ہوتی ہے۔ لیکن بائع کی قسم اہم اور اعظم ہے اور بائع کی قسم اس لئے اعظم ہوتی ہے کہ مقدار ثمن کے اختلاف میں بائع مدعی ہوتا ہے اور مشتری منکر ہوتا ہے اور مدعی پر صرف تحالف کی صورت میں قسم واجب ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ میں اس پر قسم واجب نہیں ہوتی اور ہا منکر تو اس پر ہر حال میں قسم واجب ہوتی ہے۔ یعنی تحالف کی صورت میں بھی اور تحالف کے علاوہ بھی۔ بہر حال بائع یعنی وکیل کی قسم تحالف کے ساتھ خاص ہے اور جب وکیل کی قسم تحالف کے ساتھ خاص ہے تو اس کی قسم مؤکل کی قسم کے مقابلہ میں اہم اور اعظم ہوگی۔ پس جب وکیل جو مدعی ہے اس پر قسم واجب ہے تو مؤکل جو منکر ہے اس پر بدرجہ اولیٰ قسم واجب ہوگی۔

حاصل یہ کہ امام محمدؒ نے معظم یمین یعنی بائع وکیل کی قسم کے ذکر پر اکتفا کیا ہے اور اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جب وکیل (جو مدعی ہے) پر قسم واجب ہے تو مؤکل (جو منکر ہے) پر بدرجہ اولیٰ قسم واجب ہوگی۔ یعنی امام محمدؒ نے اگرچہ صرف وکیل کی قسم کو ذکر کیا ہے۔ لیکن مراد مؤکل کی قسم بھی ہے اور جب دونوں کی قسم مراد ہے تو امام محمدؒ کی ذکر کردہ تصریح اور شیخ ابو منصور ماتریدیؒ کے قول میں کوئی تعارض واقع نہ ہوگا۔

لیکن اس جواب پر بھی اشکال ہے۔ وہ یہ کہ امام محمدؒ کا قول فالقول قول المأمور مع یمینہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وکیل نے جو کچھ کہا کہ میں نے ایک ہزار میں خریدا ہے۔ اس میں وکیل کی تصدیق کی جائے گی۔ حالانکہ تحالف میں کسی کے قول کی تصدیق نہیں کی جاتی ہے بلکہ عقد کو فسخ کر دیا جاتا ہے۔ پس امام محمدؒ کی مراد تحالف ہوتا تو امام محمدؒ فالقول قول المأمور مع یمینہ نہ فرماتے۔ حاصل یہ کہ شیخ ابو منصور ماتریدیؒ کا تحالف کا قول امام محمدؒ کی تصریح کے خلاف ہے۔

و البائع بعد استيفاء الثمن اجنبی عنها الخ سے صاحب ہدایہؒ نے شیخ ابو منصور ماتریدیؒ کی طرف سے قول اول کی دلیل لانہ ارتفاع

الخلاف بتصدیق البائع کا جواب دیا ہے۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ غلام کا بائع ثمن وصول کرنے کے بعد مؤکل اور وکیل دونوں سے اجنبی ہو گیا اور ثمن وصول کرنے سے پہلے مؤکل سے اجنبی تھا کیونکہ بائع اور مؤکل کے درمیان کوئی عقد منعقد نہیں ہوا ہے۔ الغرض بائع دونوں صورتوں میں مؤکل سے اجنبی ہے اور جب بائع مؤکل سے اجنبی ہے تو بائع کا کلام، مؤکل کے خلاف معتبر نہ ہوگا اور اس کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اور جب بائع کا کلام معتبر نہ رہا اور اس کی تصدیق نہ کی گئی تو مقدار ثمن میں مؤکل اور وکیل کے درمیان اختلاف باقی رہا اور جب مقدار ثمن میں اختلاف باقی رہا تو ان دونوں کے درمیان تحالف واجب ہوگا۔ اور ان دونوں کے درمیان واقع شدہ عقد حکمی فسخ کر دیا جائے گا۔ واللہ اعلم بالصواب

جلیل احمد غفرلہ

فَصْلٌ فِي التَّوَكُّلِ بِشِرَاءِ نَفْسِ الْعَبْدِ

ترجمہ فصل نفس عبد کو خریدنے کے لئے وکیل کرنے کے بیان میں ہے۔

تشریح توکیل بشرأ نفس العبد کی دو صورتیں ہیں۔ اس طور پر کہ التوکیل پر الف لام، مضاف الیہ کے عوض میں ہے اور توکیل مصدر مضاف ہے۔ پہلی صورت پس ایک صورت تو یہ ہے کہ توکیل مصدر فاعل کی طرف مضاف ہو اور تقدیری عبارت یہ ہو توکیل العبد رجلا لیشر من مولاه یعنی غلام کسی آدمی کو وکیل کرے تاکہ وہ آدمی اس غلام کو اس کے مولیٰ سے خریدے۔ اس فصل میں پہلا مسئلہ یہی ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ توکیل مصدر مفعول کی طرف مضاف ہو اور تقدیری عبارت یہ ہو۔ فصل فی توکیل العبد رجل یعنی ایک آدمی وکیل کرے غلام کو تاکہ وہ غلام اپنی ذات کو اپنے مولیٰ سے اس آدمی کے لئے خریدے۔ اس فصل میں دوسرا مسئلہ یہی ہے پہلے مسئلہ میں غلام مؤکل ہے اور دوسرے مسئلہ میں غلام وکیل ہے اور مصنف کی عبارت فی التَّوَكُّلِ بِشِرَاءِ نَفْسِ الْعَبْدِ دونوں کو شامل ہے۔

غلام نے ایک آدمی کو کہا کہ تو مجھ کو میرے لئے مولیٰ سے ایک ہزار کے عوض خرید اور غلام نے اسے ایک ہزار دیدیے اگر وکیل نے اس کے مولیٰ سے کہا کہ میں نے اس کو اس کی ذات کے لئے خریدا ہے پس مولیٰ نے غلام کو اس شرط پر بیچ دیا غلام آزاد ہوگا اور ولاء اس کے مولیٰ کے لئے ہوگی

قَالَ وَإِذَا قَالَ الْعَبْدُ لِرَجُلٍ اشْتَرِ لِي نَفْسِي مِنْ مَوْلَايَ بِالْفِ بَالْفِ وَدَفَعَهَا إِلَيْهِ فَإِنْ قَالَ الرَّجُلُ لِلْمَوْلَى اشْتَرَيْتُهُ لِنَفْسِهِ فَبَاعَهُ عَلَى هَذَا فَهُوَ حُرٌّ وَالْوَلَاءُ لِلْمَوْلَى لِأَنَّ بَيْعَ نَفْسِ الْعَبْدِ مِنْهُ اِعْتِاقٌ وَشِرَاءُ الْعَبْدِ نَفْسَهُ قَبُولُ اِلْعِتِاقِ بِسَدَلٍ وَالْمَأْمُورُ سَفِيرٌ عَنْهُ إِذَا لَا يَرْجِعُ عَلَيْهِ الْحُقُوقُ فَصَارَ كَأَنَّهُ اشْتَرَى بِنَفْسِهِ وَإِذَا كَانَ اِعْتِاقًا اَعْقَبَ الْوَلَاءُ

ترجمہ امام محمدؒ نے کہا کہ اگر غلام نے کسی آدمی سے کہا کہ تو مجھ کو میرے لئے مولیٰ سے ایک ہزار کے عوض خرید اور غلام نے اس آدمی کو ایک ہزار دے دیے۔ پس اگر اس آدمی (وکیل) نے اس کے مولیٰ سے کہا کہ میں نے اس غلام کو اس کی ذات کے واسطے خریدا ہے۔ پس مولیٰ نے اس غلام کو اس شرط پر فروخت کیا تو وہ غلام آزاد ہے اور اس کی ولاء اس کے مالک کے لئے ہوگی۔ کیونکہ غلام کی ذات کو غلام کے ہاتھ فروخت کرنا اعتاق ہے اور غلام کا اپنی ذات کو خریدنا اس اعتاق کو بالعوض قبول کرنا ہے اور وکیل غلام کی طرف سے محض سفیر ہے کیونکہ وکیل پر حقوق راجع نہیں ہوتے ہیں۔

پس ایسا ہو گیا جیسے غلام نے اپنی ذات کو بذات خود خریدا ہے اور جب یہ بیع اعتاق ہوئی تو اس کے بعد ولاء ثابت ہوگی۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک غلام نے کسی آدمی سے کہا کہ تو مجھ کو میرے لئے میرے مولیٰ سے ایک ہزار روپیہ کے عوض خرید اور غلام نے اس وکیل کو ایک ہزار روپیہ دے دیئے۔ پس اگر وکیل نے اس غلام کے مولیٰ سے یہ کہا کہ میں نے اس غلام کو اسی کے واسطے خریدا ہے اور مولیٰ نے اس غلام کو اسی طریقہ پر فروخت بھی کر دیا تو یہ غلام آزاد ہو جائے گا۔ اور اس غلام کی ولاء مولیٰ کے لئے ہوگی۔

دلیل..... یہ ہے کہ مولیٰ کا غلام کی ذات کو غلام کے ہاتھ فروخت کرنا مولیٰ کی طرف سے اعتاق علی مال ہے۔ یعنی جب مولیٰ نے اپنے غلام سے کہا کہ میں نے تیرے ہاتھ تیری ذات کو ایک ہزار روپیہ کے عوض فروخت کیا تو اس کا مطالبہ ہے کہ میں نے تجھ کو ایک ہزار روپیہ کے عوض آزاد کر دیا ہے۔ بہر حال مولیٰ کی طرف سے یہ بیع اعتاق علی مال ہے۔ اور اعتاق علی مال، غلام کے قبول کرنے پر متوقف ہوتا ہے مگر جب غلام نے اپنی ذات کو ایک ہزار روپیہ کے عوض خرید لیا تو یہ خریداری غلام کی طرف سے ایک ہزار روپیہ کے عوض اعتاق کو قبول کرنا ہوگا۔ اور رہا وکیل تو وہ غلام (مؤکل) کی طرف سے محض سفیر ہے اسی وجہ سے اس عقد میں وکیل کی طرف حقوق عقد رائج نہیں ہوتے۔

لہذا وجہ یہ ہے کہ وکیل نے عقد کو اپنے مؤکل یعنی غلام کی طرف منسوب کیا ہے، پس جب وکیل نے عقد کو اپنے مؤکل یعنی غلام کی طرف منسوب کر دیا ہے تو اس نے اپنے آپ کو محض سفیر اور اپنی قرار دیا۔ اور جب ایسا ہے تو گویا غلام نے اپنی ذات کو بذات خود بغیر کسی واسطہ کے خریدا ہے۔ بہر حال جب مولیٰ کا غلام کی ذات کو غلام کے ہاتھ فروخت کرنا اعتاق ہے تو اس کے بعد ولاء معتق (آزاد کرنے والا) یعنی مولیٰ کے لئے ثابت ہوگی۔ پس ثابت ہو گیا کہ اس صورت میں غلام آزاد ہے اور اس کی ولاء اس کے مولیٰ کے لئے ثابت ہوگی۔

اگر مولیٰ کو یہ صورت بیان نہیں کی تو غلام مشتری کا ہوگا

وَإِنْ لَمْ يَبَيِّنْ لِلْمَوْلَىٰ فَهُوَ عَبْدٌ لِلْمُشْتَرِي لِأَنَّ اللَّفْظَ حَقِيقَةً لِلْمُعَاوَضَةِ وَامْكَنَ الْعَمَلُ بِهَا إِذَا لَمْ يَبَيِّنْ فَيَحَافِظُ عَلَيْهَا بِخِلَافِ بَشَرِي الْعَبْدِ نَفْسَهُ لِأَنَّ الْمَجَازَ فِيهِ مُتَعَيَّنٌ وَإِذَا كَانَ مُعَاوَضَةً يَثْبُتُ الْمَلِكُ لَهُ وَالْأَلْفُ لِلْمَوْلَىٰ لِأَنَّهُ كَسَبَ عَبْدَهُ وَعَلَى الْمُشْتَرِي أَلْفٌ مِثْلُهُ ثَمَنًا لِلْعَبْدِ فَإِنَّهُ فِي ذِمَّتِهِ حَيْثُ لَمْ يَصِحَّ الْأَدَاءُ بِخِلَافِ الْوَكِيلِ بِبَشَرِي الْعَبْدِ مِنْ غَيْرِهِ حَيْثُ لَا يُشْتَرَطُ بَيَانُهُ لِأَنَّ الْعُقْدَيْنِ هُنَا لَكَ عَلَى نَمِطٍ وَاحِدٍ وَفِي الْحَالَيْنِ الْمُطَابَقَةُ يَتَوَجَّهُ نَحْوَ الْعَاقِدِ أَمَّا هَهُنَا فَاحْذَرُهَا إعتاق مُعَقَّبٍ لِلْوَلَاءِ وَلَا مُطَابَقَةً عَلَى الْوَكِيلِ وَالْمَوْلَىٰ عَسَاهُ لَا يَرْضَاهُ وَيَرْغُبُ فِي الْمُعَاوَضَةِ الْمَحْضَةِ فَلَا بُدَّ مِنَ الْبَيَانِ

ترجمہ..... اور اگر وکیل نے مولیٰ سے یہ بیان نہیں کیا کہ میں نے اس غلام کو اسی غلام کے واسطے خریدا ہے تو یہ غلام مشتری کے لئے ہوگا۔ اس لئے کہ لفظ معاوضہ کے لئے حقیقت ہے اور اس پر عمل کرنا ممکن ہے جب کہ مشتری نے بیان نہیں کیا ہے پس معاوضہ پر اس کی مخالفت کی جائے گی۔ اس کے برخلاف غلام کا اپنی ذات کو خریدا ہے۔ کیونکہ اس میں مجاز متعین ہے اور جب یہ خریدنا معاوضہ ہے تو ملک مشتری کے لئے ثابت ہوگی اور ایک ہزار روپیہ اس کے مثل غلام کا ثمن لازم ہوگا۔ اس لئے کہ ثمن مشتری کے ذمہ میں باقی ہے۔ چنانچہ مشتری کا ادا کرنا صحیح نہیں ہوا۔ برخلاف غلام کے علاوہ کی طرف سے غلام خریدنے کے وکیل کے چنانچہ (وکیل پر) اس کا بیان کرنا شرط نہیں ہے۔ کیونکہ یہاں دونوں عقد ایک ہی طرز پر ہیں اور دونوں حالتوں میں مطالبہ عائد کی طرف متوجہ ہوگا۔ بہر حال یہاں ان دونوں عقدوں میں سے ایک متعلق ہے۔ جس کے بعد ولاء ثابت ہوگی اور وکیل پر کوئی مطالبہ نہ ہوگا۔ اور شاید اس پر مولیٰ راضی نہ ہو اور محض معاوضہ کی طرف راغب ہو۔ پس اس کا بیان کرنا ضروری ہے۔

تشریح..... گذشتہ مسئلہ کی دوسری صورت یہ ہے کہ اگر وکیل نے غلام کو اس کے مولیٰ سے خریدا مگر مولیٰ سے یہ نہیں کہا کہ میں نے اس غلام کو اس کی

ذات کے واسطے خریدا ہے بلکہ صرف کہا کہ میں نے تیرا یہ غلام ایک ہزار روپے کے عوض خریدا ہے تو اس صورت میں یہ غلام مشتری (وکیل) کی ملک ہوگا۔ اور وہ ایک ہزار روپیہ جو غلام (مؤکل) نے اپنے وکیل کو دیا تھا۔ مولیٰ کے لئے ہوگا اس کے مثل دوسرا ایک ہزار روپیہ یعنی غلام کا شمن مشتری (وکیل) پر واجب ہوگا۔

پہلے جزء (یعنی غلام مشتری کی ملک ہوگا) کی دلیل یہ ہے کہ وکیل (مشتری) کا قول اشتريت عبدك بالف میں نے تیرا غلام ایک ہزار روپیہ کے عوض خریدا۔ معاوضہ کے معنی میں حقیقت ہے یعنی اشتريت عبدك بالف عقد معاوضہ کے لئے وضع کیا گیا ہے نہ کہ غلام کو آزاد کرنے کے لئے اور یہ قاعدہ ہے کہ جب تک حقیقت پر عمل کرنا ممکن ہو۔ حقیقت ہی پر عمل کرنا واجب ہوتا ہے مجاز کی طرف رجوع کرنا جائز نہیں ہوتا اور یہاں چونکہ وکیل نے یہ نہیں کہا کہ میں نے تیرا یہ غلام خود اس غلام کے واسطے خریدا ہے اس لئے وکیل کے کلام اشتريت عبدك بالف کی حقیقت پر عمل کرنا ممکن ہے اور جب اس کلام کی حقیقت پر عمل کرنا ممکن ہے تو اس کی حقیقت یعنی معاوضہ کے معنی کی پوری پوری حفاظت کی جائے گی۔ اور جب وکیل کی مذکورہ خریداری، معاوضہ ہے اور معاوضہ پر عمل بھی کیا گیا تو اس وکیل کے لئے غلام پر ملک ثابت ہو جائے گی اور وکیل ہی اس غلام کا مالک ہوگا۔ کیونکہ یہ عقد معاوضہ وکیل اور غلام کے بائع کے درمیان ہی منعقد ہوا ہے اور اس عقد معاوضہ میں وکیل چونکہ مشتری ہے اور مشتری بیع کا مالک ہوتا ہے۔ اس لئے وکیل بیع یعنی غلام کا مالک ہوگا۔

اس کے برخلاف اگر غلام نے اپنے مولیٰ سے خود اپنی ذات کو خریدا تو اس صورت میں چونکہ حقیقت پر عمل کرنا معذور ہے۔ اس لئے اس کو مجاز یعنی اعتناق کے معنی پر محمول کیا جائے گا۔ اور حقیقت پر عمل کرنا اس لئے معذور ہے کہ غلام اس بات کا اہل نہیں ہے کہ وہ کسی مال کا مالک ہو۔ پس غلام کا اپنی ذات کو خریدنا مالک نہ ہونے کا سبب نہ ہوگا۔ بلکہ مجاز اعتناق ہوگا یا اس لئے کہ غلام خود اپنے حق میں مال نہیں ہوتا ہے۔ اور جب غلام اپنے حق میں مال نہیں ہوتا تو وہ اپنی ذات کا مالک بھی نہیں ہو سکتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ غلام اپنی ذات کے حق میں آدمی ہے۔ چنانچہ اس پر حد اور قصاص واجب ہوتے ہیں اور مال آدمی کا غیر ہے جس کو آدمی کی مصالح کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ پس جب غلام اپنے حق میں مال نہیں ہے تو اس کو اپنی ذات کو خریدنا معاوضہ نہیں ہو سکتا ہے اور جب معاوضہ نہیں ہو سکتا تو معاوضہ کے معنی پر عمل کرنا بھی ممکن نہ ہوگا۔ اور جب معاوضہ یعنی حقیقت پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے تو اس شراء کو مجاز اعتناق علی مال قرار دیا جائے گا اور مناسبت یہ ہے کہ عقد معاوضہ یعنی بیع اور اعتناق دونوں ملک زائل کر دیتے ہیں۔ صرف یہ فرق ہے کہ بیع ملک زائل کرتی ہے۔ مگر عوض کے ساتھ اور اعتناق ملک زائل کرتا ہے۔ مگر اس میں عوض ضروری نہیں ہے۔

اور دوسرا فرق یہ ہے کہ بیع، ملک بائع کو زائل کرتی ہے۔ مگر مشتری کو مالک کر دیتی ہے اور اعتناق مولیٰ کی ملک زائل کرتا ہے۔ بہر حال خلاصہ یہ ہوا کہ اگر غلام نے خود اپنی ذات کو خریدا تو یہ مجاز اعتناق ہوگا۔ اور اگر وکیل نے غلام کو اس کے مولیٰ سے خریدا اور یہ نہیں کہا کہ میں نے یہ غلام خود غلام کے واسطے خریدا ہے تو یہ عقد معاوضہ ہوگا۔ یعنی وکیل (مشتری) اس غلام کا مالک ہوگا۔

اعتراض صاحب ہدایہ کے قول وامکن العمل بها پر ایک اعتراض ہے وہ یہ کہ آپ کا یہ فرمانا کہ اگر وکیل نے اشتريت عبدك بالف کہا اور یہ نہیں کہا کہ میں نے اسی غلام کے واسطے اس کو خریدا ہے تو اس صورت میں حقیقت پر عمل کرنا ممکن ہے۔

ہمیں یہ بات تسلیم نہیں ہے کیونکہ غلام نے اپنے مولیٰ سے اپنی ذات کو خریدنے کا وکیل کیا ہے۔ اور اپنی ذات کو خریدنے کا وکیل کرنا عبد معین کو خریدنے کا وکیل کرنا ہے اور جب مؤکل عبد معین یا کسی شیء معین کے خریدنے کا وکیل کرتا ہے تو وکیل اس معین کو اپنے واسطے خریدنے کا مجاز نہیں ہوتا ہے۔ پس یہاں بھی وکیل اس غلام معین کو اپنے واسطے خریدنے کا مجاز نہ ہوگا۔ اور جب وکیل اس غلام کو اپنے واسطے خریدنے کا مجاز نہیں ہے تو اس غلام کی خریداری مؤکل یعنی خود اس غلام کے لئے ہوگی اور جب اس غلام کی خریداری خود اسی غلام کے واسطے ہے تو یہ عقد معاوضہ نہیں ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔ پس ثابت ہو گیا کہ یہاں حقیقت یعنی معاوضہ کے معنی پر عمل کرنا ممکن نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ مَوَکَل یعنی غلام نے وکیل کو جس تصرف کا وکیل کیا تھا وکیل نے اس کے مطابق تصرف نہیں کیا ہے بلکہ دوسرا تصرف کیا ہے۔ اس لئے کہ غلام نے وکیل سے یہ کہا تھا کہ تو مجھ کو میرے مولیٰ سے میری ذات کے واسطے ایک ہزار روپیہ کے عوض خرید اور یہ اعتاق مال کی جنس ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا۔ مگر جب وکیل نے مولیٰ کے سامنے صرف یہ کہا کہ میں نے تیرا غلام ایک ہزار روپیہ کے عوض خرید لیا اور یہ نہیں کہا کہ اسی غلام کے واسطے خریدا ہے تو یہ محض شراء اور خریداری ہوئی۔ یعنی وکیل کیا گیا تھا اعتاق علی مال کا اور ارتکاب کیا ہے محض شراء کو تو یہ عمل، مَوَکَل (غلام) کے حکم کے خلاف ہوا اور وکیل جب مَوَکَل کے حکم کے خلاف عمل کرتا ہے تو اس علم کو وکیل پر نافذ کیا جاتا ہے نہ کہ مَوَکَل پر۔ پس جب غلام کی خریداری کا یہ عمل وکیل پر نافذ کیا گیا تو وکیل اس غلام کا مالک ہو جائے گا۔

اور دوسرے جزء (وہ ایک ہزار روپیہ جو غلام نے اپنے وکیل کو دیا تھا مولیٰ کے لئے ہوگا) کی دلیل یہ ہے کہ یہ ایک ہزار روپیہ مولیٰ کے غلام کی کمائی ہے اور غلام کی جملہ کمائی مولیٰ کے لئے ہوتی ہے۔ لہذا یہ ایک ہزار روپیہ بھی مولیٰ کے لئے ہوگا۔

اور تیسرے جزء کی دلیل یعنی اس بات کی دلیل کہ مشتری (وکیل) پر دوسرا ایک ہزار روپیہ واجب ہوگا یہ ہے کہ مشتری کے ذمہ میں ثمن واجب ہے اور مشتری نے جو ایک ہزار روپیہ مولیٰ کو دیا ہے وہ چونکہ اس کے غلام کی کمائی ہے۔ اور غلام کی کمائی مولیٰ کی ملک ہوتی ہے اس لئے یہ ایک ہزار روپیہ غلام کا ثمن واقع نہ ہوگا۔ اور بطور ثمن اس کا اداء کرنا درست نہ ہوگا۔ پس جب مشتری (وکیل) پر ثمن واجب ہے اور جو ایک ہزار روپیہ مشتری نے مولیٰ کو دیا ہے اس کا اداء کرنا بطور ثمن درست نہیں ہے تو مشتری پر اس کے مثل دوسرا ایک ہزار روپیہ غلام کا ثمن واجب ہوگا۔

صاحب فتح القدیر، عنایہ، کفایہ نے فرمایا کہ دوسرے ایک ہزار روپیہ کا مشتری پر واجب ہونا اس صورت میں تو ظاہر ہے جبکہ خریداری مشتری کے لئے ہو۔ لیکن جب خریداری خود غلام کے واسطے ہو۔ حتیٰ کہ غلام آزاد ہو جائے تو کیا اس صورت میں بھی غلام پر دوسرا ایک ہزار روپیہ واجب ہوگا۔

جامع صغیر میں قاضی خان نے کہا یہ بات اگرچہ کتاب میں مذکور نہیں ہے لیکن مناسب ہے کہ غلام پر دوسرا ایک ہزار روپیہ مولیٰ کے لئے واجب ہو۔ کیونکہ جو ایک ہزار روپیہ غلام نے اپنے وکیل کو۔ اور وکیل نے غلام کے مولیٰ کو دیا تھا وہ تو غلام کی کمائی ہونے کی وجہ سے وہ پہلے ہی سے مولیٰ کی ملک ہے۔ لہذا وہ ایک ہزار روپیہ اعتاق کا بدل اور عوض نہ ہو سکے گا اور جب وہ ایک ہزار روپیہ اعتاق کا بدل اور عوض نہیں ہو سکتا تو غلام پر دوسرا ایک ہزار روپیہ جو اعتاق کا بدل اور عوض نہیں ہو سکتا تو غلام پر دوسرا ایک ہزار روپیہ جو اعتاق کا بدل ہوگا ضرور واجب ہوگا۔

صاحب عنایہ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ صاحب ہدایہ کی عبارت میں غلام کے ذمہ دوسرا ایک ہزار روپیہ واجب ہونے پر اشارہ موجود ہے اس طور پر کہ مصنف ہدایہ نے فرمایا کہ شراء العبد نفسه غلام کی خریداری خود غلام کے واسطے اعتاق کو بدل قبول کرنا ہے لہذا اگر غلام پر دوسرا ایک ہزار روپیہ واجب نہ کیا گیا تو یہ اعتاق بدل نہ ہوگا بلکہ اعتاق بلا بدل ہوگا۔ حالانکہ شراء العبد نفسه کو اعتاق بدل قرار دیا گیا ہے نہ کہ اعتاق بلا بدل۔ پس مصنف ہدایہ کا شراء العبد نفسه کو اعتاق بدل قرار دینا اس بات کی دلیل ہے کہ غلام پر دوسرا ایک ہزار روپیہ واجب ہے۔

اس کے برخلاف اگر غلام کے علاوہ کسی شخص نے کسی شخص کو غلام خریدنے کا وکیل کیا مثلاً واصف نے شاہد کو وکیل کیا کہ عارف سے اس کا غلام میرے واسطے ایک ہزار روپیہ کے عوض خرید لے تو وکیل پر خرید کرتے وقت یہ بیان کرنا شرط نہیں ہے کہ میں نے یہ غلام اپنے مَوَکَل کے واسطے خریدا ہے۔ کیونکہ وکیل یہ کہے یا نہ کہے دونوں صورتوں میں عقد شراء مَوَکَل کے لئے واقع ہوگا اور یہ دونوں عقد یعنی جس کو وکیل نے اپنی طرف منسوب کیا ہے اور جس کو مَوَکَل کی طرف منسوب کیا ہے۔ بائع کے حق میں ایک ہی انداز پر ہوں گے یعنی دونوں صورتوں میں یہ عقد بائع کے حق میں بیع ہی ہوگی اور بائع کی طرف سے غلام کا اعتاق نہ ہوگا اور ان دونوں صورتوں میں مطالبہ، عاقد یعنی وکیل کی طرف متوجہ ہوگا۔ پس جب دونوں صورتوں میں عقد ایک ہی انداز پر ہے اور دونوں صورتوں میں مطالبہ اور حقوق عقد وکیل پر عائد ہوتے ہیں تو خرید کرتے وقت یہ بیان کرنا کہ میں نے یہ غلام اپنے مَوَکَل کے واسطے خریدا ہے۔ قطعاً ضروری نہیں ہے۔

اور ہاتھن کا مسئلہ یعنی جب غلام نے اپنی ذات کو اپنے واسطے خریدنے کا وکیل کیا تو اس صورت میں وکیل پر یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ میں نے اس غلام کو خود اس کی ذات کے واسطے خریدا ہے۔ کیونکہ اس مسئلہ میں بائع یعنی مولیٰ کے حق میں دونوں عقد مختلف ہیں۔ اس لئے اس مسئلہ میں اگر وکیل نے شراء (خریداری) کو اپنے مؤکل (غلام) کی طرف منسوب کیا تو یہ مولیٰ (بائع) کے حق میں اعتناق علی مال ہوگا اور مولیٰ (بائع) کے لئے ولاء ثابت ہوگی۔ اور وکیل پر ثمن (مال) وغیرہ کا مطالبہ نہ ہوگا۔ کیونکہ پہلے گزر چکا ہے کہ اس صورت میں وکیل سفیر محض ہوتا ہے۔ حقوق عقد اس کی طرف راجع نہیں ہوتے ہیں اور اگر وکیل نے عقد شراء کو اپنے مؤکل کی طرف منسوب نہ کیا تو یہ عقد بائع (مولیٰ) کے حق میں بیع ہوگا۔ یعنی مولیٰ غلام کو فروخت کرنے والا ہوگا اور وکیل اپنے واسطے خریدنے والا ہوگا۔ اور وکیل پر ثمن وغیرہ کا مطالبہ واجب ہوگا اور کبھی مولیٰ اعتناق علی مال کو پسند نہیں کرتا ہے۔ بلکہ اس معاوضہ محضہ کو پسند کرتا ہے جس میں مطالبہ ثمن وکیل سے ہوتا ہے۔

اور اعتناق علی مال کو پسند کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اعتناق کی وجہ سے اگرچہ مولیٰ کے لئے ولاء ثابت ہوتی ہے۔ مگر مولیٰ اعتنا قہ چونکہ اپنے آزاد شدہ غلام کا عاقلہ بھی ہے۔ اس لئے اگر اس آزاد کردہ غلام نے کوئی جنایت کی تو اس کا تاوان وغیرہ بھی مولیٰ پر واجب ہوتا ہے۔ پس جب مولیٰ بسا اوقات اعتناق علی مال کو پسند نہیں کرتا اور معاوضہ کو پسند کرتا ہے تو وکیل پر واجب ہے کہ وہ اس صورت میں یہ وضاحت کر دے کہ میں نے اس غلام کو خود اس غلام کے واسطے خریدا ہے تاکہ مولیٰ سوچ سمجھ کر جواب دے۔ چنانچہ اگر وکیل نے یہ وضاحت نہ کی تو یہ خریداری مؤکل یعنی غلام کے واسطے نہ ہوگی۔ بلکہ خود وکیل کے واسطے ہوگی۔

فوائد..... علامہ ابن الہمام اور صاحب کفایہ اور علامہ بدر الدین عینیؒ نے فرمایا کہ مصنف ہدایہ کا قول ولا مطالبۃ علی الوکیل مبسوط کی کتاب الوکالت میں باب الوکالۃ بالعتق کی روایت ہے اور کتاب الوکالت کے باب وکالۃ المازون والکاتب کی روایت یہ ہے کہ ثمن کا مطالبہ وکیل پر ہوگا یعنی ثمن وکیل پر لازم ہوگا۔ مزید تفصیل اور دلائل فتح القدیر اور کفایہ میں مذکور ہیں۔

آزاد نے غلام سے کہا تو اپنے مولیٰ سے اپنی ذات کو میرے واسطے خرید غلام نے اپنے مولیٰ سے کہا میری ذات کو فلاں کے لئے میرے ہاتھ اس قدر ثمن کے عوض فروخت کر مولیٰ نے ایسے کر دیا تو غلام مؤکل کے لئے ہوگا

وَمَنْ قَالَ لِعَبْدٍ اشْتَرَيْتَنِي نَفْسَكَ مِنْ مَوْلَاكَ فَقَالَ لِمَوْلَاهُ بِعْنِي نَفْسِي لِفُلَانٍ بَكْدًا فَقَعَلَ فَهُوَ لِلْأَمْرِ لِأَنَّ الْعَبْدَ يَصْلُحُ وَكَيْلًا عَنْ غَيْرِهِ فِي شِرَاءِ نَفْسِهِ لِأَنَّهُ أَجْنَبِيٌّ عَنْ مَالِيَّتِهِ وَالْبَيْعُ يُرَدُّ عَلَيْهِ مِنْ حَيْثُ أَنَّهُ مَالٌ إِلَّا أَنَّ مَالِيَّتَهُ فِي يَدِهِ حَتَّى لَا يَمْلِكَ الْبَائِعُ الْحَبْسَ بَعْدَ الْبَيْعِ لِاسْتِيفَاءِ الثَّمَنِ فَإِذَا أَصَافَهُ إِلَى الْأَمْرِ صَلَحَ فِعْلُهُ إِمْتِثَالًا لَا فِقْعُ الْعَقْدِ لِلْأَمْرِ

ترجمہ..... اور اگر کسی آزاد آدمی نے ایک غلام سے کہا کہ تو اپنے مولیٰ سے اپنی ذات کو میرے واسطے خرید کر۔ پس غلام نے اپنے مولیٰ سے کہا کہ میری ذات کو فلاں کے لئے میرے ہاتھ اس قدر ثمن کے عوض فروخت کر دے۔ پس مولیٰ نے کیا تو یہ غلام مؤکل کے لئے ہوگا۔ کیونکہ غلام اپنے علاوہ کی طرف سے اپنی ذات کو خریدنے میں وکیل ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ غلام اپنی مالیت سے اجنبی ہے۔ اور بیع غلام پر مال ہونے کی حیثیت سے وارد ہوتی ہے۔ مگر یہ کہ غلام کی مالیت غلام کے قبضہ میں ہے حتیٰ کہ بائع فروخت کرنے کے بعد ثمن وصول کرنے کے لئے اس کو روکنے کا مالک نہیں ہے۔ پس جب غلام نے عقد کو ملک کی طرف منسوب کیا تو اس کا فعل تعیل حکم کی صلاحیت رکھتا ہے۔ لہذا یہ عقد مؤکل کے لئے واقع ہوگا۔

تشریح..... مذکورہ فصل جن دو مسئلوں پر مشتمل ہے ان میں سے دوسرا مسئلہ اس عبارت میں مذکور ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ایک آزاد آدمی نے

ایک غلام سے کہا کہ تو اپنی ذات کو اپنے مولیٰ سے میرے واسطے اس قدر ثمن کے عوض خرید کر اب وکیل (غلام) عقد شراء کو اپنے مؤکل کی طرف منسوب کرے گا یا اپنی ذات کی طرف منسوب کرے گا یا اس کو مطلق رکھے گا یعنی نہ اس کو مؤکل کی طرف منسوب کرے گا اور نہ اپنی طرف منسوب کرے گا۔ پس اگر وکیل (غلام) نے عقد شراء کو اپنے مؤکل کی طرف منسوب کیا۔ یعنی وکیل (غلام) نے اپنے مولیٰ سے یہ کہا کہ تو میری ذات کو میرے ہاتھ میرے فلاں مؤکل کے لئے اس قدر ثمن کے عوض کے فروخت کر دے۔ پس مولیٰ نے فروخت کر دیا۔ اور غلام، وکیل نے اس عقد کو قبول کر لیا تو یہ غلام مؤکل کے لئے ہوگا۔

دلیل..... یہ ہے کہ غلام، اپنی ذات کو خریدنے کے سلسلہ میں دوسرے آدمی کی طرف سے وکیل ہو سکتا ہے۔ اس لئے کہ غلام کی دو حیثیتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ آدمی ہے۔ دوم یہ کہ وہ مال ہے اور اس کی مالیت اس کے مولیٰ کے لئے ہوتی ہے۔ مگر آدمی ہونے کی حیثیت سے غلام پر مولیٰ کا کوئی حق نہیں ہوتا۔ پس ان دونوں حیثیتوں میں تغایر ہے۔ اور غلام کے آدمی ہونے کی حیثیت، اس کے مال ہونے کی حیثیت سے بالکل اجنبی اور الگ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اگر غلام نے اپنی مالیت کا اپنے مولیٰ کے علاوہ کسی دوسرے کے لئے اقرار کیا اور یہ کہا کہ میں فلاں کا غلام ہوں تو یہ اقرار درست نہیں ہوگا۔ کیونکہ کسی شخص کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ دوسرے کے مال کا کسی کے لئے اقرار کرے۔ اور بیع، غلام پر اس کے مال ہونے کی حیثیت سے وارد ہوتی ہے نہ کہ اس کے آدمی ہونے کی حیثیت سے۔ یعنی غلام کی خرید و فروخت اس لئے ہوتی ہے کہ وہ مال ہے اور اس لئے نہیں ہوتی کہ وہ آدمی ہے۔ پس جب غلام کی آدمیت اور مالیت الگ الگ دو چیزیں ہیں تو غلام کو خود اس کی ذات خریدنے کا وکیل کرنا ایسا ہے۔ جیسا کہ مولیٰ کے اموال میں سے کسی دوسرے مال کو خریدنے کا وکیل کرنا یا غلام کے علاوہ دوسرے آدمی کو غلام خریدنے کا وکیل کرنا دونوں جائز ہیں۔ تو غلام کو خود اس کی ذات خریدنے کا وکیل کرنا بھی جائز ہوگا۔ بہر حال یہ بات ثابت ہوگئی کہ غلام دوسرے آدمی کی طرف سے اپنی ذات کو خریدنے کا وکیل ہو سکتا ہے۔

الا ان مالیته فی یدہ سے صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ غلام کی آدمیت اور مالیت میں اگر تغایر ہے اور یہ الگ الگ دو چیزیں ہیں۔ مگر چونکہ غلام مازون لہ فی التجارت ہے۔ اس لئے اس کی مالیت خود اس کے قبضہ میں ہے۔ اور غلام کی مالیت خود غلام کے قبضہ میں ہونے کا اثر یہ ہوگا کہ مولیٰ اور غلام کے درمیان عقد بیع واقع ہونے کے بعد اگر مولیٰ (بائع) ثمن وصول کرنے کے لئے غلام کو روکنا چاہے تو اس کو یہ اختیار ہرگز حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ جب بائع، بیع کو سپرد کر دیتا ہے تو پھر اس کو ثمن وصول کرنے کی وجہ سے بیع روکنے کا اختیار نہیں ہوتا ہے۔ جیسا کہ مودع (جس کے پاس امانت رکھی گئی ہے) نے اگر مالک سے ودیعت کو خرید لیا اور ودیعت، مودع کے پاس موجود ہے تو بائع (مالک کو ثمن وصول کرنے کی خاطر ودیعت کا سامان روکنے کا حق نہیں ہوگا۔ کیونکہ ودیعت کا سامان مودع کے سپرد کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح مذکورہ مسئلہ میں غلام کی مالیت چونکہ خود غلام (مشتري) کے قبضہ میں موجود ہے۔ اس لئے مولیٰ (بائع) کو ثمن وصول کرنے کے لئے غلام کو روکنے کا کوئی حق حاصل نہ ہوگا۔

فاذا اضافہ الی الامر صلح..... الخ سے دلیل کا نتیجہ ذکر کیا گیا ہے یعنی سابق میں یہ بات ثابت ہو چکی کہ غلام اپنے علاوہ کی طرف سے اپنی ذات کو خریدے کا وکیل ہو سکتا ہے۔ پس جب غلام (وکیل) نے عقد کو اپنے مؤکل کی طرف منسوب کیا اور اپنے مولیٰ (بائع) سے یہ کہا کہ تو میری ذات کو میرے ہاتھ میرے فلاں مؤکل کے لئے اس قدر ثمن کے عوض فروخت کر دے۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ غلام کا یہ فعل اپنی ذات کو خریدنا اس کے مؤکل کے حکم کی تعمیل بھی ہو سکتا ہے اور جس صورت میں وکیل عقد کو اپنے مؤکل کی طرف منسوب کرے اور وکیل کا فعل، مؤکل کے حکم کی تعمیل بھی ہو تو اس صورت میں عقد، مؤکل کے لئے واقع ہوتا ہے۔ نہ کہ وکیل کے لئے لہذا یہاں بھی عقد شراء مؤکل کے لئے واقع ہوگا نہ کہ وکیل (غلام) کے لئے۔

اگر غلام نے اپنے واسطے عقد کیا تو آزاد ہوگا

وَإِنْ عَقَدَ لِنَفْسِهِ فَهُوَ حُرٌّ لَّانَّهُ اِعْتَاقٌ وَقَدْ رَضِيَ بِهِ الْمَوْلَى دُونَ الْمُعَاوَضَةِ وَالْعَبْدُ وَإِنْ كَانَ وَكِيلًا بِشِرَاءِ

مَعِينٍ وَلَكِنَّهُ أَتَى بِجِنْسٍ تَصَرَّفَ آخِرَ وَفِي مِثْلِهِ يَنْفُذُ عَلَى الْوَكِيلِ

ترجمہ..... اور اگر غلام نے اپنے واسطے عقد کیا تو وہ آزاد ہے کیونکہ یہ اعتاق ہے اور مولیٰ اس پر راضی ہو گیا نہ کہ عقد معاوضہ پر اور غلام اگرچہ معین غلام خریدنے کا وکیل ہے لیکن وہ جنس آخر کا تصرف لایا اور ایسی صورت میں تصرف وکیل پر نافذ ہوتا ہے۔

تشریح..... اس عبارت میں مذکورہ تین صورتوں میں سے دوسری صورت مذکور ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے غلام کو اس بات کا وکیل کیا کہ تو اپنی ذات کو اپنے مولیٰ سے میرے لئے خرید لے، پس غلام نے عقد شراء اپنے مولیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا بلکہ اپنی ذات کی طرف منسوب کیا اور اپنے مولیٰ سے یہ کہا کہ تو مجھے میرے ہاتھ اس قدر مال کے عوض فروخت کر دے۔ پس مولیٰ نے کہا کہ میں نے فروخت کر دیا تو یہ غلام آزاد ہو جائے گا کیونکہ غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا ہے اور جب غلام کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا ہے تو اس کے عوض اپنی ذات کو خریدنے کا سوال بھی پیدا نہیں ہوتا ہے اور جب ایسا ہے تو یہ عقد غلام کے واسطے خریداری نہ ہوگا۔ بلکہ مولیٰ کا غلام کی ذات کو خود اس کے ہاتھ فروخت کرنا مولیٰ کی طرف سے اعتاق (آزاد کرنا) ہوگا اور غلام کا اپنی ذات کو خریدنا، اعتاق کو قبول کرنا ہوگا۔ بہر حال یہ عقد اعتاق ہے اور مولیٰ اعتاق پر راضی بھی ہے۔ اس لئے کہ مولیٰ کو یہ بات معلوم ہے کہ میرا غلام کی ذات کو اس کے ہاتھ فروخت کرنا اعتاق ہے اور مولیٰ عقد معاوضہ پر راضی نہیں ہے اور جب مولیٰ عقد معاوضہ پر راضی نہیں ہے تو یہ عقد مولیٰ کے لئے بھی واقع نہ ہوگا۔ بہر حال جب یہ عقد اعتاق ہے اور عقد معاوضہ نہیں ہے تو غلام آزاد ہو جائے گا۔

والعبد و ان كان و كيل بشراء معين..... الخ سے ایک اشکال کا جواب ہے۔

اشکال..... یہ ہے کہ اس مسئلہ میں غلام شیء معین یعنی اپنی ذات کو خریدنے کا وکیل ہے اور جب کوئی شخص شیء معین خریدنے کا وکیل ہو تو وہ اس کو اپنے واسطے خریدنے کا مجاز نہیں ہوتا۔ لہذا یہاں بھی غلام اپنی ذات کو اپنے واسطے خریدنے کا مجاز نہ ہونا چاہئے تھا بلکہ یہ خریداری مولیٰ کے لئے ہونی چاہئے تھی اور اس صورت میں غلام کا آزاد ہونا ظاہر ہے۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ اس مسئلہ میں وکیل نے مولیٰ کے حکم کی مخالفت کی ہے اس طور پر کہ غلام کو اس بات کا وکیل کیا گیا تھا کہ وہ اپنی ذات کو مال کے عوض خرید کر مولیٰ کا مملوک بنادے مگر غلام نے ایسا نہیں کیا۔ بلکہ اس نے اعتاق علی مال کا تصرف کیا ہے۔ یعنی اپنے مولیٰ سے یہ کہا کہ آج مجھے مال کے عوض آزاد کر دیں۔ اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اگر وکیل نے مولیٰ کے حکم کی مخالفت کی ہو تو خریداری خود وکیل پر نافذ ہوتی ہے۔ لہذا اس مسئلہ میں خریداری وکیل یعنی غلام پر نافذ ہوگی اور غلام چونکہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ خریداری اعتاق علی مال ہوگی۔ اور غلام آزاد ہو جائے گا۔

غلام نے کہا تو میرے ہاتھ میری ذات فروخت کر دے اور یہ نہیں کہا کہ

فلاں کے واسطے آزاد کر تو یہ غلام آزاد ہے

وَكَذَا لَوْ قَالَ بَعْنِي نَفْسِي وَلَمْ يَقُلْ لِفُلَانٍ فَهُوَ حُرٌّ لِأَنَّ الْمُطْلَقَ يَحْتَمِلُ الْوَجْهَيْنِ فَلَا يَقَعُ امْتِنَانًا بِالشَّكِّ فَيَبْقَى التَّصَرُّفُ وَاقِعًا لِنَفْسِهِ

ترجمہ..... اور اسی طرح اگر غلام نے کہا کہ تو میرے ہاتھ میری ذات فروخت کر دے اور یوں نہیں کہا کہ فلاں کے واسطے تو یہ آزاد ہے۔ اس لئے کہ مطلق کلام دونوں صورتوں کا احتمال رکھتا ہے۔ لہذا شک کی وجہ سے یہ قیاس حکم نہ ہوگا۔ اور تصرف اپنی ذات کے واسطے باقی رہ جائے گا۔

تشریح..... اس عبارت میں مذکورہ تین صورتوں میں سے تیسری صورت مذکور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ غلام نے عقد کو مطلق رکھا۔ یعنی نہ اپنی

طرف منسوب کیا اور نہ اپنے مؤکل کی طرف منسوب کیا بلکہ غلام نے اپنے مولیٰ سے یوں کہا کہ تو میری ذات کو میرے ہاتھ فروخت کر دے اور اس پر کوئی اضافہ نہیں کیا تو اس صورت میں بھی غلام آزاد ہو جائے گا۔

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ غلام کا یہ کلام یعنی نفسی مطلق ہے۔ دونوں صورتوں کا احتمال ہے یعنی یہ بھی احتمال ہے کہ غلام نے اپنی ذات کو اپنے واسطے خرید ایا اور یہ بھی احتمال ہے کہ اپنے مؤکل کے واسطے خرید ایا ہو۔ پس جب دونوں احتمال ہیں تو غلام کا یہ کلام مشکوک ہوگا۔ اور کلام مشکوک چونکہ حکم کی تعمیل قرار نہیں دیا جاسکتا ہے۔ اس لئے شک کی وجہ سے غلام کا یہ کلام مؤکل کے حکم کی تعمیل واقع نہ ہوگا۔ یعنی یہ نہیں کہا جائے گا کہ غلام نے مؤکل کے حکم کی تعمیل کی ہے اور اپنی ذات کو مؤکل کے واسطے خرید ایا ہے۔ اور جب غلام کا یہ کلام مؤکل کے حکم کی تعمیل واقع نہیں ہوا تو غلام کا یہ تصرف یعنی اپنی ذات کو خریدنا خود غلام کی واسطے واقع ہوگا۔ اور اس تصرف سے غلام آزاد ہو جائے گا۔

جیسا کہ سابق میں گذر چکا ہے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ انسان اپنے واسطے تصرف کرے۔ خاص طور پر ایسا تصرف جس سے اعتاق حاصل ہوتا ہے۔ بہر حال ثابت ہو گیا کہ غلام اس تیسری صورت میں بھی آزاد ہو جائے گا۔

فصل فی البیع

ترجمہ (یہ) فصل تو کیل بالبیع کے بیان میں ہے۔

تشریح تو کیل بالشراء کی تمام انواع کے بیان سے فراغت کے بعد مصنف اس فصل میں تو کیل بالبیع کے احکام ذکر فرما رہے ہیں۔ اور تو کیل بالشراء کو تو کیل بالبیع پر مقدم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تو کیل بالشراء اثبات کے معنی کو متضمن ہے بایں طور کہ شراء کے ذریعہ بیع کو حاصل کیا جاتا ہے اور تو کیل بالبیع ازالہ کے معنی کو متضمن ہے بایں طور کہ تو کیل بالبیع کے ذریعہ بیع کو اپنے سے زائل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اور ازالہ چونکہ وجود اثبات کے بعد ہوتا ہے۔ اس لئے وصفاً بھی ازالہ یعنی تو کیل بالبیع کو اثبات یعنی تو کیل بالشراء سے بعد میں ذکر کیا گیا ہے۔

وکیل بالبیع والشراء کن لوگوں کیساتھ عقد کر سکتا ہے کن کیساتھ نہیں

قَالَ وَالْوَكِيلُ بِالْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ لَا يَجُوزُ لَهُ أَنْ يَفْقِدَ مَعَ أَبِيهِ وَجَدَهُ وَمَنْ لَا يَقْبَلُ شَهَادَتَهُ لَهُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ لَا يَجُوزُ بَيْعُهُ مِنْهُمْ بِمِثْلِ الْقِيَمَةِ إِلَّا مِنْ عَبْدِهِ أَوْ مَكَاتِبِهِ لِأَنَّ التَّوَكِيلَ مُطْلَقٌ وَلَا تَهْمَةُ إِذَا أَمْلَكَ مُتَبَايِنَةً وَالْمَنَافِعُ مُنْقَطِعَةٌ بِخِلَافِ الْعَبْدِ لِأَنَّهُ يَبْعُ مِنْ نَفْسِهِ لِأَنَّ مَا فِي يَدِ الْعَبْدِ لِلْمَوْلَى وَكَذَا لِلْمَوْلَى حَقٌّ فِي كَسْبِ الْمَكَاتِبِ وَيَنْقَلِبُ حَقِيقَةً بِالْعَجْزِ وَلَهُ أَنْ مَوَاضِعَ التَّهْمَةِ مُسْتَشْنَاءٌ عَنِ الْوَكَالَاتِ وَهَذَا مَوْضِعُ التَّهْمَةِ بِدَلِيلِ عَدَمِ قُبُولِ الشَّهَادَةِ وَلِأَنَّ الْمَنَافِعَ بَيْنَهُمْ مُتَّصِلَةٌ فَصَارَ بَيْعًا مِنْ نَفْسِهِ مِنْ وَجْهِ الْإِجَارَةِ وَالصَّرْفِ عَلَى هَذَا الْخِلَافِ

ترجمہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وکیل بالبیع اور وکیل بالشراء کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے باپ دادا کے ساتھ عقد کرے یا اس شخص کے ساتھ کرے جس کی گواہی اس کے حق میں قبول نہ کی جائے۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ ان لوگوں کے ہاتھ وکیل کا پوری قیمت پر بیچنا جائز ہے۔ مگر اپنے غلام یا مکاتب کے ہاتھ بیچنا جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ تو کیل مطلق ہے اور کوئی تمت نہیں ہے۔ کیونکہ املاک جدا ہیں اور منافع منقطع ہیں۔ برخلاف غلام کے کیونکہ یہ اپنے ہاتھ فروخت کرنا ہے۔ اس لئے کہ جو کچھ غلام کے قبضہ میں ہے وہ مولیٰ کی ملک ہے۔ اسی طرح مکاتب کی گمائی میں مولیٰ کا حق ہوتا ہے۔ اور وہ حق مکاتب کے بدل کتابت اداء کرنے سے عاجز ہونے کی وجہ سے حقیقت ملک ہو جاتا ہے۔ اور امام صاحبؒ کی دلیل

یہ ہے کہ مواضع تہمت وکالتوں سے مستثنیٰ ہوتے ہیں اور یہ بھی موضع تہمت ہے۔ اس دلیل سے کہ ان لوگوں کی گواہی قبول نہیں ہوتی ہے اور اس لئے کہ ان میں منافع باہم متصل ہیں پس یہ من وجہ اپنے ہاتھ بیچ ہوگئی اور عقد اجارہ اور عقد صرف بھی اسی اختلاف پر ہیں۔

تشریح..... صاحب قدروئی نے فرمایا کہ اگر ایک شخص نے کسی کو بیچنے یا خریدنے یا دونوں کا وکیل کیا تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وکیل نہ اپنے باپ کے ساتھ عقد کرنے کا مجاز ہوگا۔ نہ دادا کے ساتھ اور نہ قرابت داروں کے ساتھ جن کے حق میں قبول نہ کی جاتی ہو۔ جیسے اس کا بیٹا، پوتا، اور اس کی بیوی اور اس کا غلام اور مکاتب یہی امام شافعیؒ کا ایک قول ہے اور ایک روایت میں امام مالکؒ اور امام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔

اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ وکیل کے لئے مثل قیمت پر ان لوگوں کے ساتھ خرید و فروخت کرنا جائز ہے۔ البتہ اپنے غلام اور اپنے مکاتب کے ساتھ مثل قیمت پر خرید و فروخت کرنا صاحبینؒ کے نزدیک بھی ناجائز ہے۔ ہدایہ کی عبارت اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ وکیل کا اپنے مذکورہ قرابتداروں کے ساتھ مثل قیمت پر خرید و فروخت کرنا تو جائز ہے لیکن غبن بیسر یعنی تھوڑے سے نقصان کے ساتھ خرید و فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ مگر صاحب کفایہ نے ذخیرہ کے حوالہ سے تحریر کیا ہے کہ غبن بیسر بھی مثل قیمت کے ساتھ ملحق ہے۔ یعنی صاحبینؒ کے نزدیک جس طرح مثل قیمت پر ان لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنا جائز ہے۔ اسی طرح غبن بیسر کی صورت میں بھی ان لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنا جائز ہے۔

یہ واضح رہے کہ امام صاحبؒ اور صاحبینؒ کے درمیان یہ اختلاف اس وقت ہے جبکہ وکالت مطلق ہو اور اگر مؤکل نے عموم مشیت کے ساتھ وکالت کو مقید کر دیا۔ مثلاً مؤکل نے کہا بع مومن شئت جس کے ہاتھ چاہو فروخت کرو تو اس صورت میں مذکورہ لوگوں کے ساتھ وکیل کی خرید و فروخت بالاتفاق جائز ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ اس جگہ تو وکیل مطلق ہے یعنی مؤکل نے مطلقاً بیچنے یا خریدنے کا وکیل کیا ہے اور اس کا پابند نہیں کیا ہے کہ فلاں کے ساتھ عقد کرنے کی اجازت ہے اور فلاں کے ساتھ اجازت نہیں ہے۔ پس جب تو وکیل مطلق ہے اور مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے تو یہ تو وکیل ہر شخص کو شامل ہوگی۔ یعنی وکیل کو اپنے باپ، دادا اور ان قرابتداروں کے ساتھ بھی عقد کرنے کی اجازت ہوگی جن کی گواہی اس کے حق میں قبول نہیں کی جاتی ہے اور ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی عقد کرنے کی اجازت ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ باپ، دادا، اور ان جیسے دوسرے لوگوں کے ساتھ عقد کرنے کی صورت میں وکیل کے حق میں یہ تہمت ہے کہ وکیل خود کوئی نفع اٹھانا چاہتا ہے پس اس تہمت کی وجہ سے ان لوگوں کے ساتھ عقد کرنا جائز نہ ہونا چاہئے۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں کسی طرح کوئی تہمت نہیں ہے۔ کیونکہ وکیل اور اس کے باپ، دادا اور وکیل اور اس کے بیٹے، پوتے کی املاک باہم جدا ہیں۔ یعنی ہر ایک کی ملکیت علیحدہ علیحدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بیٹے کے لئے اپنی باندی کے ساتھ وکلی کرنا حلال ہے۔ مگر اپنے باپ کی باندی کے ساتھ وکلی کرنا حلال نہیں ہے۔ اگر بیٹے کی ملک۔ اس کے باپ کی ملک سے جدا نہ ہوتی تو بیٹے کی باندی اس کے اور اس کے باپ کے درمیان مشترک ہوتی اور بیٹے کے لئے اس مشترکہ باندی سے وکلی کرنا حلال نہ ہوتا جیسا کہ اس کے لئے اپنے باپ کی باندی کے ساتھ وکلی کرنا حلال نہیں ہے۔

بہر حال باپ، بیٹے کی املاک باہم جدا ہیں اور منافع بھی باہم متباہن ہیں۔ کیونکہ تباہن املاک، انقطاع منافع کو ثابت کرتا ہے۔ یعنی جب ہر ایک کی ملکیت علیحدہ ہے تو ایک کو دوسرے کی ملک سے بغیر شرعی طریقہ کے نفع حاصل کرنے کا حق بھی نہیں ہے۔ اور جب یہ بات ہے تو وکیل کا اپنے باپ، دادا اور اسی طرح کے دوسرے قرابتداروں کے ساتھ معاملہ کرنے میں کوئی نفع بھی نہ ہوگا اور جب وکیل کا کوئی نفع نہیں ہے تو ان لوگوں کے ساتھ عقد کرنے میں وکیل متہم بھی نہ ہوگا اور جب تو وکیل مطلق ہے اور ان لوگوں کے ساتھ عقد کرنے میں وکیل متہم بھی نہیں ہے تو ان لوگوں کے ساتھ عقد کرنے میں کوئی منشا نفعہ بھی نہ ہوگا۔

ہاں وکیل کا اپنے اس غیر مدیون غلام کے ہاتھ فروخت کرنا جس کے ذمہ کوئی قرضہ نہ ہو جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ وکیل کا اپنے غیر مدیون غلام

کے ہاتھ فروخت کرنا خود اپنے ہاتھ فروخت کرنا ہے۔ کیونکہ غلام اور جو کچھ غلام کے قبضہ میں ہوتا ہے وہ سب مولیٰ کی ملک ہوتا ہے اس میں دوسرے کا کوئی حق نہیں ہوا۔ پس جب غلام اور غلام کے قبضہ کی تمام چیزیں مولیٰ (وکیل) کی ملک ہیں تو وکیل کا اپنے غلام کے ہاتھ کسی چیز کو فروخت کرنا ایسا ہے جیسا کہ وکیل کا خود اپنے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ اس صورت میں وکیل عقد بیع کی دونوں طرفوں یعنی ایجاب و قبول کا متولی ہو جائے گا۔ حالانکہ ایک شخص عقد بیع کی دونوں طرفوں کا متولی نہیں ہو سکتا ہے۔ اس کی تفصیل کتاب الزکاح کے اول میں گذر چکی ہے۔

اسی طرح وکیل کا اپنے مکاتب کے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ مولیٰ کا اپنے مکاتب کی کمائی میں حق ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ مکاتب اپنی کمائی میں سے نہ کسی پر تبرع کرنے کا مجاز ہوتا ہے اور نہ اپنے غلام کا نکاح کر سکتا ہے اور جب مکاتب بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو جاتا ہے تو مولیٰ کا یہ حق، حقیقت ملک سے بدل جاتا ہے یعنی کاتب کے بدل کتابت اداء کرنے سے عاجز ہونے کی صورت میں کاتب کو بدستور مولیٰ کا غلام کر دیا جاتا ہے۔ اور جو کچھ اس کے پاس کمائی ہوتی ہے وہ سب مولیٰ کی ملک ہو جاتی ہے۔ بہر حال جب مکاتب کی کمائی میں مولیٰ کا حق ہے تو مولیٰ (وکیل) کا اپنے مکاتب کے ہاتھ فروخت کرنا بھی خود اپنے ہاتھ فروخت کرنا ہے اور پہلے گذر چکا ہے کہ اپنے ہاتھ فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ لہذا وکیل کا اپنے مکاتب کے ہاتھ فروخت کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ بات تو تسلیم ہے کہ توکیل مطلق ہے۔ لیکن تہمت کی جگہیں وکالتوں سے متشبیہ ہوتی ہیں یعنی وکیل جس شخص کے ساتھ معاملہ کرنے سے متہم ہوتا ہے۔ مؤکل کی جانب سے اس کے ساتھ معاملہ کرنے کی اس کو اجازت نہیں ہوتی۔ اور مسئلہ مذکورہ میں بھی یہ مقام تہمت کا ہے یعنی باپ دادا کے ساتھ معاملہ کرنے میں وکیل متہم ہے۔

ایک تو اس لئے کہ باپ، دادا، اور بیٹے کے درمیان ایک کی دوسرے کے حق میں گواہی قبول نہیں ہوتی ہے۔

دوم اس لئے کہ ان کے درمیان منافع باہمہ متصل ہیں۔ کیونکہ عاۃ باپ، بیٹے کے مال سے اور بیٹا، باپ کے مال سے نفع اٹھاتا ہے۔

پس باپ کا مال من وجہ بیٹے کا مال ہوا اور بیٹے کا مال من وجہ باپ کا مال ہوا۔ اور جب ایسا ہے تو وکیل کا اپنے باپ دادا وغیرہ کے ہاتھ فروخت کرنا من وجہ اپنے ہاتھ فروخت کرنا ہوگا اور پہلے گذر چکا ہے کہ اپنے ہاتھ فروخت کرنا ناجائز ہے۔ لہذا وکیل کا اپنے باپ، دادا وغیرہ کے ہاتھ فروخت کرنا بھی ناجائز ہوگا۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ عقد اجارہ اور عقد صرف میں بھی یہی اختلاف ہے اور یہی اختلاف عقد سلم میں ہے۔ یعنی اگر کسی شخص نے اجارہ کے لئے کسی کو وکیل کیا۔ مثلاً یہ کہا کہ تو میرا یہ مکان کرایہ پر دے دے یا میرا یہ سونا، سونے کے عوض فروخت کر دے۔ پس اگر وکیل نے اپنے باپ دادا یا ایسے شخص کے ساتھ عقد اجارہ کیا یا عقد صرف یا عقد سلم کیا جس کی گواہی اس کے حق میں جائز نہیں ہے تو صاحبین کے نزدیک یہ عقد جائز ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

وکیل بالبیع قلیل وکثیر اور سامان کے ساتھ بیع کر سکتا ہے یا نہیں، اقوال فقہاء

قَالَ وَالْوَكِيلُ بِالْبَيْعِ يَجُوزُ بَيْعُهُ بِالْقَلِيلِ وَالْكَثِيرِ وَالْعَرْضِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ لَا يَجُوزُ بَيْعُهُ بِنُقْصَانٍ لَا يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيهِ وَلَا يَجُوزُ إِلَّا بِالْذَّرَاهِمِ وَالْذَّنَانِيرِ لِأَنَّ مُطْلَقَ الْأَمْرِ يَتَقَيَّدُ بِالْمُتَعَارَفِ لِأَنَّ التَّصَرُّفَاتِ لِدَفْعِ الْحَاجَاتِ فَيَتَقَيَّدُ بِمَوَاقِعِهَا وَالْمُتَعَارَفُ الْبَيْعُ بِشَمَنِ الْمِثْلِ وَبِالنَّقْدِ وَلِهَذَا يَتَقَيَّدُ التَّوَكِيلُ بِشُرَاءِ الْفَحْمِ وَالْجَمْدِ وَالْأُضْحِيَّةِ بِزَمَانِ الْحَاجَةِ وَلِأَنَّ الْبَيْعَ بِغَبْنٍ فَاحِشٍ بَيْعٌ مِنْ وَجْهِ وَهَبَةٍ مِنْ وَجْهِ وَكَذَا الْمُقَايَضَةُ بَيْعٌ مِنْ وَجْهِ وَشُرَاءٌ مِنْ وَجْهِ فَلَا يَتَنَاءَلُهُ مُطْلَقُ اسْمِ الْبَيْعِ وَلِهَذَا لَا يَمْلِكُهُ الْآبُ وَالْوَصِيُّ وَلَهُ أَنَّ التَّوَكِيلَ بِالْبَيْعِ

مُطْلَقٌ فَيَجْرِي عَلَى إِطْلَاقِهِ فِي غَيْرِ مَوْضِعِ التُّهْمَةِ وَالْبَيْعِ بِالْغَيْنِ أَوْ بِالْغَيْنِ مُتَعَارِفٌ عِنْدَ شِدَّةِ الْحَاجَةِ إِلَى الثَّمَنِ وَالتَّبَرُّمِ مِنَ الْغَيْنِ وَالْمَسَائِلِ مَمْنُوعَةٌ عَلَى قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ عَلَى مَا هُوَ الْمَرُوءِيُّ عَنْهُ وَأَنَّهُ بَيْعٌ مِنْ كُلِّ وَجْهِ حَتَّى أَكَّ مَنْ حَلَفَ لَا يَبِيعُ يَحْنُثُ بِهِ غَيْرَ أَنَّ الْآبَ وَالْوَصِيَّ لَا يَمْلِكَانِهِ مَعَ أَنَّهُ بَيْعٌ لِأَنَّ وَلَا يَتَّهَمَانِ نَظَرِيَّةً وَلَا نَظَرَ فِيهِ وَالْمُقَايَصَةُ بَشْرَاءٍ مِنْ كُلِّ وَجْهِ وَيَبِيعُ مِنْ كُلِّ وَجْهِ لَوْ جُودَ حَدُّ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا

ترجمہ..... شیخ ابوالحسن قدوریؒ نے کہا کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وکیل بالبيع کا ثمن قلیل، ثمن کثیر اور سامان کے عوض فروخت کرنا جائز ہے۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اس کا ایسے نقصان کے ساتھ بیچنا جس کو لوگ نہ اٹھاتے ہوں جائز نہیں ہے۔ اور دراہم و دنیا نیر کے عوض کے علاوہ بیچنا بھی جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ وکالت کا مطلق امر، متعارف کے ساتھ مقید ہوتا ہے۔ کیونکہ تصرفات حاجتوں کے لئے ہوتے ہیں۔ لہذا حاجتوں کے مواقع کے ساتھ مقید ہوں گے اور متعارف، بیع، ثمن المثل اور بیع بالقود ہے۔ اور اسی وجہ سے کوئلہ، برف اور قربانی کا جانور خریدنے کی توکیل ضرورت کے زمانہ کے ساتھ مقید ہوگی۔ اور اس لئے کہ غبن فاحش کے ساتھ بیع من وجہ بیع ہے اور من وجہ ہبہ ہے اور اسی طرح سامان کی بیع سامان کے عوض من وجہ بیع ہے۔ اور من وجہ شراء ہے۔ لہذا مطلقاً لفظ بیع اس کو شامل نہ ہوگا اور اسی وجہ سے غبن فاحش کے ساتھ بیع کا باپ اور وصی مالک نہیں ہوتا ہے۔ حضرت امام صاحبؒ کی دلیل یہ ہے کہ توکیل بالبيع مطلق ہے۔ پس وہ موضع تہمت کے علاوہ میں اپنے اطلاق پر جاری ہوگی۔ اور غبن فاحش کے ساتھ یا سامان کے عوض بیع کرنا اس وقت متعارف ہے۔ جب ثمن کی حاجت شدید ہو اور اس سامان سے اکتا جائے اور مسائل امام ابو حنیفہؒ کے قول پر ممنوع ہیں۔ جیسا کہ امام صاحبؒ سے مروی ہے اور غبن فاحش کے ساتھ بیع کرنا پورے طور پر بیع ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں بیع نہیں کروں گا۔ تو وہ غبن فاحش کے ساتھ بیع کرنے سے حائث ہو جائے گا مگر یہ کہ باپ اور وصی اس کے مالک نہیں ہیں۔ باوجودیکہ وہ من کل وجہ بیع ہے کیونکہ ان دونوں کی ولایت نظری ہے اور غبن فاحش کے ساتھ بیع کرنے میں کوئی نظر نہیں ہے۔ اور سامان کی بیع سامان کے عوض پورے طور پر خریدار بھی ہے اور پورے طور پر بیع بھی ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کی تعریف موجود ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے کو وکیل بالبيع مقرر کیا۔ مثلاً اپنا غلام فروخت کرنے کا وکیل کیا تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وکیل کے لئے جائز ہے کہ وہ اس غلام کو تھوڑے ثمن کے عوض فروخت کرے۔ یا زیادہ ثمن کے عوض فروخت کرے اور یا کسی سامان مثلاً اناج یا جانور کے عوض فروخت کرے۔

اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ وکیل کے لئے نہ تو غبن فاحش کے ساتھ بیچنا جائز ہے اور نہ دراہم و دنیا نیر کے علاوہ کسی سامان کے عوض بیچنا جائز ہے۔ غبن فاحش یہ ہے کہ جس میں عام طور پر لوگ دھوکا نہ کھاتے ہوں اور جسمیں عام طور پر لوگ دھوکا کھاتے ہوں۔ وہ غبن یسیر ہے پس صاحبینؒ کے نزدیک اس قدر کم دام میں بیچنا جس کے عوض عام لوگ نہ بیچتے ہوں جائز نہیں ہے۔ البتہ غبن یسیر یعنی تھوڑے سے نقصان کے ساتھ بیچنا جائز ہے۔ صاحبینؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ مؤکل کی طرف سے وکیل بالبيع کے لئے بیچنے کا امر مطلق ہے اور امر مطلق متعارف کے ساتھ مقید ہوتا ہے۔ یعنی جو طریقہ لوگوں میں متعارف ہوتا ہے امر مطلق اسی کے ساتھ مقید ہوتا ہے۔ کیونکہ تصرفات ضرورتوں اور حاجتوں کو دور کرنے کے لئے مشروع کیئے گئے ہیں اور جب تصرفات، ضرورتوں اور حاجتوں کو دور کرنے کے لئے مشروع ہیں تو تصرفات انہیں ضرورتوں کے مواقع کے ساتھ مقید ہوں گے اور متعارف یعنی مروج یہ ہے کہ بیع میں ثمن برابر کا ہو اور بیع، نقد، یعنی دراہم و دنیا نیر کے عوض ہو۔ پس مؤکل کا امر مطلق کے ساتھ بیچنے کا امر کرنا متعارف طریقہ پر یعنی ثمن مثل اور نقد کے عوض بیچنے کا امر کرنا ہے اور جب مؤکل کا یہ امر ثمن مثل اور نقد کے عوض بیچنے کا امر کرنا ہوا تو وکیل کے لئے اس امر کے خلاف غبن فاحش کے ساتھ یا سامان کے عوض بیچنا جائز نہ ہوگا۔ چونکہ تصرفات ضرورتوں کے مواقع کے ساتھ مقید ہوتے ہیں۔ اس لئے اگر کسی شخص نے کسی کو کوئلہ یا برف یا قربانی کا جانور خریدنے کا وکیل کیا تو یہ توکیل ضرورت کے زمانہ کے ساتھ مقید ہوگی۔ یعنی کوئلہ خریدنے کی توکیل

اسی سال کے سردی کے زمانہ کے ساتھ مقید ہوگی اور برف خریدنے کی توکیل اسی سال کے گرمی کے زمانہ کے ساتھ مقید ہوگی اور قربانی کا جانور خریدنے کی توکیل اسی سال کے ایامِ اخیر کے ساتھ یا اس سے پہلے ایام کے ساتھ مقید ہوگی۔ حتیٰ کہ اگر وکیل نے ان چیزوں کو آئندہ سال خریدا تو مؤکل کے حکم کی مخالفت کی وجہ سے یہ خریداری مؤکل پر لازم نہ ہوگی۔ بلکہ خود وکیل پر لازم ہوگی۔

دوسری دلیل..... یہ ہے کہ غبنِ فاحش کے ساتھ بیع من وجہ تو بیع ہے مگر من وجہ بہہ ہے۔ کیونکہ جب ایک ہزار روپیہ کی چیز کو پانچ سو روپیہ کے عوض بیچا گیا تو گویا بائع نے آدھی چیز کو فروخت کیا اور آدھی کو بہہ کیا یہی وجہ ہے کہ اگر مرضِ وفات میں مبتلا بیمار نے غبنِ فاحش کے ساتھ کوئی چیز فروخت کی تو اس کا اعتبار ثلث مال سے ہوگا۔ یعنی اگر بیعتی اس کے مال کا ثلث یا ثلث سے کم ہو تو اس بیع کو نافذ کر دیا جائے گا ورنہ نہیں۔

غبنِ فاحش کے ساتھ من وجہ بیع ہے اور من وجہ بہہ ہے۔ اسی لئے صغیر کا باپ صغیر کے سامان کو اور میت کا وصی میت کی نابالغ اولاد کے سامان کو غبنِ فاحش کے ساتھ فروخت کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ کیونکہ باپ اور وصی، نابالغ کے سامان کو بہہ کرنے کے مجاز نہیں ہوتے ہیں۔ بہر حال غبنِ فاحش کے ساتھ فروخت کرنا من وجہ بہہ ہے اور وکیل بالبیع فروخت کرنے کا وکیل ہوتا ہے اور بہہ کرنے کا وکیل نہیں ہوتا تو لفظ بیع، بیع بغبن الفاحش کو شامل نہ ہوگا اور وکیل کا غبنِ فاحش کے ساتھ فروخت کرنا مؤکل کے حکم کی مخالفت ہوگا اور وکیل کے لئے مؤکل کے حکم کی مخالفت چونکہ جائز نہیں ہے۔ اس لئے غبنِ فاحش کے ساتھ وکیل بالبیع کا فروخت کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔

اسی طرح مقایضہ یعنی سامان کو سامان کے عوض فروخت کرنا من وجہ بیع ہے۔ اور من وجہ شراء ہے۔ بیع تو اس لئے ہے کہ بائع نے اپنے ملک سے سامان خارج کیا ہے اور شراء اس لئے ہے کہ سامان اس کی ملک میں داخل ہوا ہے۔ پس جب مقایضہ من وجہ بیع ہے اور من وجہ شراء ہے تو لفظ بیع، بیع مقایضہ کو شامل نہ ہوگا۔ اور جب لفظ بیع، بیع مقایضہ کو شامل نہیں ہے تو وکیل کا مقایضہ کے طور پر مؤکل کے سامان کو سامان کے عوض فروخت کرنا مؤکل کے لئے حکم کی مخالفت ہوگا اور مؤکل کے حکم کی مخالفت چونکہ وکیل کے لئے جائز نہیں ہے۔ اس لئے وکیل کے واسطے مؤکل کیس امان کو سامان کے عوض فروخت کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے دلیل..... یہ ہے کہ توکیل بالبیع مطلق ہے۔ یعنی کسی چیز کے ساتھ مقید نہیں ہے اور مطلق موضع تہمت کے علاوہ میں اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے۔ لہذا یہاں بھی توکیل بالبیع اپنے اطلاق پر جاری ہوگی۔ یعنی جس پر بھی بیع کا اطلاق درست ہوگا یہ توکیل اس کو شامل ہوگی۔ پس غبنِ فاحش کے ساتھ بیع اور سامان کے عوض بیع بھی ایک گونہ بیع ہے یہ توکیل ان بیوع کو بھی شامل ہوگی۔ اور جب توکیل ان بیوع کو شامل ہے تو غبنِ فاحش کے ساتھ بیع کرنا اور سامان کے عوض بیع کرنا وکیل کا اپنے مؤکل کی مخالفت کرنا نہیں ہوگا اور جب غبنِ فاحش کے ساتھ بیع کرنے اور سامان کے عوض بیع کرنے سے مؤکل کے حکم کی مخالفت نہیں ہوتی تو وکیل کے لئے غبنِ فاحش کے ساتھ بیع کرنا بھی جائز ہوگا۔ اور سامان کے عوض بیع کرنا بھی جائز ہوگا۔

والبیع بالغبن او بالغبن متعارف..... الخ سے صاحبینؒ کی دلیل کا جواب..... ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ تو تسلیم ہے کہ مطلق متعارف کیساتھ مقید ہوتا ہے لیکن صاحبینؒ کا یہ کہنا ہے کہ بیع میں متعارف یہ ہے کہ شمن مثل کے عوض ہو اور نقود (راہم و دنانیر) کے عوض ہو غلط ہے کیونکہ اگر شمن کی شدید ضرورت ہو تو غبنِ فاحش کے ساتھ بیع کرنا بھی متعارف ہے۔

اسی طرح اگر آدمی کسی سامان سے اکتا جائے تو وہ اس کو بہر صورت بیچنا چاہتا ہے خواہ سامان کے لئے ہی کیوں نہ فروخت ہو۔ بہر حال اس صورت میں سامان کے عوض بیچنا بھی متعارف ہے۔

والمسائل ممنوعة..... الخ سے صاحبینؒ کی طرف سے پیش کردہ استشہاد کا جواب دیا گیا ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ کوئلہ، برف اور قربانی کا جانور خریدنے کی توکیل حاجت کے زمانہ کے ساتھ مقید ہونا حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول کی بناء پر تسلیم نہیں ہے۔ یعنی حضرت امام صاحبؒ

کے نزدیک ان چیزوں کی توکیل بھی مطلق ہے۔ زمانہ حاجت کے ساتھ مقید نہیں ہے۔ وکیل ہر زمانہ میں خریدنے کا مجاز ہے پس جب امام صاحبؒ کے نزدیک ان چیزوں کو خریدنے کی توکیل بھی مطلق ہے اور کسی زمانہ کے ساتھ مقید نہیں ہے تو ان مسائل کے ذریعہ حضرت امام صاحبؒ کے خلاف استنبہا کرنا کس طرح درست ہوگا۔

وانہ بیع من کل وجہ..... الخ سے صاحبینؒ کی دوسری دلیل کا جواب..... ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ صاحبینؒ کی یہ بات کہ غبن فاحش کے ساتھ بیع اور سامان کے عوض بیع من وجہ بیع ہے اور من وجہ بیع نہیں ہے۔ ہمیں تسلیم نہیں ہے بلکہ یہ دونوں من کل وجہ بیع ہیں۔

اور دلیل یہ ہے کہ اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں بیع نہیں کروں گا۔ اور یوں کہا واللہ لا ابیع اور پھر اس نے غبن فاحش کے ساتھ کوئی چیز فروخت کی یا سامان کے عوض کوئی چیز فروخت کی تو یہ شخص حاث ہو جاتا ہے۔ پس اگر غبن فاحش کے ساتھ فروخت کرنا اور سامان کے عوض فروخت کرنا من کل وجہ بیع نہ ہوتا تو یہ شخص حاث نہ ہوتا۔ اس شخص کا اپنی قسم میں حاث ہو جانا اس بات کی دلیل ہے کہ یہ دونوں من کل وجہ بیع ہیں اور جب یہ دونوں یعنی غبن فاحش کیساتھ فروخت کرنا اور سامان کے عوض فروخت کرنا باہم میں من کل وجہ بیع ہیں تو باہم وکالت میں بھی من کل وجہ بیع ہوں گے۔

غیر ان الاب والوصی..... الخ سے سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال..... یہ ہے کہ غبن فاحش کے ساتھ بیع اگر من کل وجہ بیع ہے تو باہم اور وصی کو صغیر کا مال غبن فاحش کے ساتھ فروخت کرنے کا اختیار ہونا چاہئے حالانکہ ان کو یہ اختیار نہیں ہے۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ صغیر پر باپ اور وصی کی ولایت نظری ہے۔ یعنی صغیر پر ولایت حاصل ہونے کی شرط یہ ہے کہ ولی صغیر پر شفقت کرے اور اس کے حق میں خیر اندیش ہو مگر غبن فاحش کے ساتھ بیع کرنے میں باپ اور وصی کی طرف سے چونکہ صغیر کے حق میں کوئی شفقت کا مظاہرہ نہیں ہوا۔ اس لئے باپ اور وصی کو صغیر کا مال غبن فاحش کے ساتھ فروخت کرنے کی قطعاً ولایت حاصل نہ ہوگی۔

والمقايضة شراء من کل وجہ..... الخ سے صاحبینؒ کی دوسری دلیل کے دوسرے جزء کا جواب ہے۔ حاصل یہ ہے کہ صاحبینؒ کا یہ فرمانا کہ مقایضہ یعنی سامان کے عوض بیچنا من وجہ بیع ہے اور من وجہ شراء ہے۔ ہمیں تسلیم نہیں ہے بلکہ یہ من کل وجہ بیع بھی ہے اور من کل وجہ شراء بھی ہے کیونکہ اس پر بیع اور شراء دونوں میں سے ہر ایک کی تعریف صادق آتی ہے۔ اس لئے کہ بیع کہتے ہیں اپنی ملک سے کسی چیز کو نکال کر دوسرے کی چیز کو اپنی ملک میں داخل کرنا۔

اور شراء کہتے ہیں دوسرے کی چیز اپنی ملک میں داخل کرنے کے لئے اپنی ملک سے کسی چیز کو نکالنا۔ بیع مقایضہ پر چونکہ یہ دونوں تعریفیں صادق آتی ہیں۔ اس لئے بیع مقایضہ من کل وجہ بیع بھی ہے اور من کل وجہ شراء بھی ہے۔

اور جب بیع مقایضہ من کل وجہ بیع ہے تو وکیل بالمیع کو مؤکل کی طرف سے بیع مقایضہ کرنے کا پورا پورا حق ہوگا۔ اور جب وکیل بالمیع کو بیع مقایضہ کرنے کا حق ہے تو وکیل بالمیع کے لئے مؤکل کے مال کو سامان کے عوض فروخت کرنا بھی جائز ہوگا۔

وکیل بالشراء کا مثل قیمت کیساتھ اتنے ثمن کے ساتھ جس کے مثل لوگ دھوکہ کھا جاتے ہیں

عقد کرنا جائز ہے

قَالَ وَالْوَكِيلُ بِالشَّرَاءِ يَجُوزُ عَقْدُهُ بِمِثْلِ الْقِيَمَةِ وَ زِيَادَةِ يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِي مِثْلِهَا وَلَا يَجُوزُ بِمَا لَا يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِي مِثْلِهَا لِأَنَّ التَّهْمَةَ فِيهِ مُتَحَقِّقَةٌ فَلَعَلَّهُ اشْتَرَاهُ لِنَفْسِهِ فَإِذَا لَمْ يُوَافِقْهُ الْحَقُّ بغيرِهِ عَلَى مَآرٍ حَتَّى لَوْ كَانَ وَكِيلًا بِشَرَاءِ شَيْءٍ بَعِيْنِهِ قَالُوا يَنْفُذُ عَلَى الْأَمْرِ لِأَنَّهُ لَا يَمْلِكُ شِرَاؤَهُ لِنَفْسِهِ وَكَذَا الْوَكِيلُ بِالْبَيْعِ إِذَا رَوَّجَهُ امْرَأَةً

بَاكْتَرٍ مِنْ مَهْرٍ مِثْلِهَا جَازَ عِنْدَهُ لِأَنَّهُ لَا بُدَّ مِنَ الْإِضَافَةِ إِلَى الْمُوَكَّلِ فِي الْعَقْدِ فَلَا تَتِمَّ كُنْ هَذِهِ التَّهْمَةُ وَلَا كَذَلِكَ وَالْوَكِيلُ بِالْإِشْرَاءِ لِأَنَّهُ يُطْلَقُ الْعَقْدُ

ترجمہ..... اور وکیل بالشراء کا مثل قیمت کے عوض اور ایسی زیادتی کے عوض جس کے مثل میں لوگ دھوکا کھا جاتے ہوں عقد کرنا جائز ہے۔ اور ایسی زیادتی کے عوض جس کے مثل میں لوگ دھوکا نہ کھاتے ہوں جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ غبن فاحش کے ساتھ خریدنے میں تہمت متحقق ہے۔ چنانچہ ممکن ہے کہ وکیل نے اس کو اپنے واسطے خریدا ہو۔ مگر جب اس کے موافق نہ ہوئی تو اس نے اس کو دوسرے کے ذمہ ڈال دیا۔ چنانچہ سابق میں گذر چکا ہے۔ حتیٰ کہ اگر شیء معین خریدنے کا وکیل ہو تو مشائخ نے کہا کہ اس کو مؤکل پر نافذ کیا جائے گا۔ کیونکہ وکیل نے اس کو اپنے واسطے خریدنے کا مالک نہیں کیا ہے۔ اسی طرح وکیل بال نکاح نے جب مہر مثل سے زیادہ کے عوض کسی عورت کے ساتھ اپنے مؤکل کا نکاح کیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے اس لئے کہ عقد نکاح میں مؤکل کی طرف نسبت کرنا ضروری ہے۔ لہذا یہ تہمت متمکن نہ ہوگی۔ اور وکیل بالشراء ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ وہ عقد شراء کو مطلق رکھتا ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے ایک شخص کو کوئی چیز خریدنے کا وکیل کیا۔ مثلاً یہ کہا کہ میرے لئے ایک غلام خرید کر دے تو اس وکیل بالشراء کے لئے مثل قیمت کے عوض یعنی اس قدر شن کے عوض جو قیمت کے برابر ہو خریدنا جائز ہے اور غبن لیسیر کی زیادتی کے ساتھ خریدنا بھی جائز ہے۔ البتہ غبن فاحش کی زیادتی کے ساتھ خریدنا ناجائز ہے۔ یعنی غبن لیسیر کے ساتھ خریدنے کی صورت میں خریداری مؤکل پر لازم ہوگی اور غبن فاحش کے ساتھ خریدنے کی صورت میں خریداری وکیل پر لازم ہوگی۔ مگر یہ حکم اس وقت ہے جبکہ اہل شہر کے یہاں اس خرید کردہ چیز کی کوئی قیمت معلوم نہ ہو۔ لیکن اگر قیمت معلوم ہو تو وکیل کے لئے نہ غبن فاحش کے ساتھ خریدنا جائز ہے اور نہ غبن لیسیر کے ساتھ خریدنا جائز ہے۔ بہر حال قیمت معلوم نہ ہونے کی صورت میں غبن فاحش کے ساتھ خریدنا ناجائز اس لئے ہے کہ اس میں تہمت متحقق ہے۔ اس طور پر کہ وکیل نے اس چیز کو اپنے واسطے خریدا ہو مگر جب اس میں خسارہ محسوس ہوا ہو تو اس کو مؤکل پر ڈال دیا ہو یعنی یہ کہہ دیا ہو کہ میں نے یہ چیز مؤکل کے لئے خریدی ہے۔ اور ایسی تہمت کی صورت میں عقد وکیل پر نافذ ہوتا ہے نہ کہ مؤکل پر۔ پس ثابت ہو گیا کہ غبن فاحش کیساتھ عقد شراء کرنا وکیل کے لئے ناجائز ہے لیکن اس کے باوجود اگر وکیل بالشراء نے خرید لیا تو یہ خریداری خود وکیل کے لئے ہوگی۔ مؤکل کے لئے نہ ہوگی اسی دلیل کی وجہ سے۔

علامۃ المشائخ نے کہا کہ اگر کوئی شخص شیء معین خریدنے کا وکیل ہو اور اس نے اس شیء معین کو غبن فاحش کیساتھ خرید لیا تو یہ خریداری مؤکل پر ہی نافذ ہوگی اور وکیل پر نافذ نہ ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں وکیل کو تہمت نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس لئے کہ وکیل اس شیء کو اپنے واسطے خریدنے کا مجاز نہیں ہوتا ہے۔ پس اس صورت میں یہ احتمال پیدا نہیں ہو سکتا کہ وکیل نے اپنے لئے خرید لیا تھا پھر خسارہ کی وجہ سے مؤکل کی طرف منسوب کر دیا بہر حال جب اس صورت میں وکیل بالشراء متہم نہیں ہے تو اس صورت میں غبن فاحش کے باوجود خریداری جائز ہوگی۔ یعنی مؤکل پر لازم اور نافذ ہوگی۔

اسی طرح اگر وکیل بال نکاح نے کسی عورت کے ساتھ اپنے مؤکل کا نکاح مہر مثل سے زائد کے عوض کیا تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ نکاح جائز ہے۔ اس لئے کہ عقد نکاح میں نکاح کی نسبت مؤکل کی طرف کرنا ضروری ہے۔ لہذا اس تہمت کی کوئی گنجائش نہیں ہے کہ وکیل نے اولاً اپنے ساتھ نکاح کیا ہو اور پھر مؤکل پر ڈال دیا ہو اس کے برخلاف وکیل بالشراء کہ وہ عقد شراء کو مطلق رکھتا ہے۔ چنانچہ صرف اشتريت کہتا ہے اور اشتريت لفلان نہیں کہتا ہے یعنی وکیل بالشراء پر عقد شراء کو مؤکل کی طرف منسوب کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ وہ اس کو مطلق بھی رکھ سکتا ہے۔ لہذا یہ تہمت متمکن ہو سکتی ہے کہ اس نے اپنے واسطے خریداری کی ہو۔ پھر جب خسارہ معلوم ہوا تو اس کو مؤکل کے سر تھوپ دیا ہو۔ پس اس فرق کی وجہ سے وکیل بال نکاح کے لئے مہر مثل سے زائد کے عوض مؤکل کا نکاح کرنا جائز ہے۔ مگر وکیل بالشراء کے لئے غبن فاحش کے ساتھ خریداری کرنا جائز نہیں ہے۔

غبن فاحش کی تعریف

قَالَ وَالَّذِي لَا يَتَغَابَنُ النَّاسُ فِيهِ مَا لَا يَدْخُلُ تَحْتَ تَقْوِيمِ الْمُقَوِّمِينَ وَقِيلَ فِي الْعُرُوضِ دَهْنِيمَ وَفِي الْحَيَوَانَاتِ دَهْ يَارْدَهُ وَفِي الْعَقَارَاتِ دَهْ دَوَازُ دَهْ لِأَنَّ النَّصْرَفَ يَكْثُرُ وَجُودُهُ فِي الْأَوَّلِ وَيَقِلُّ فِي الْآخِرِ وَ يَتَوَسَّطُ فِي الْأَوْسَطِ وَكَثْرَةُ الْغَبْنِ لِقَلَّةِ النَّصْرَفِ

ترجمہ..... اور وہ خسارہ جس کو لوگ نہیں اٹھاتے ہیں وہ ہے جو اندازہ لگانے والوں کے اندر کے تحت داخل نہ ہو۔ اور کہا گیا کہ سامان میں دس کی چیز ساڑھے دس میں ہو اور جانوروں میں دس کا جانور گیارہ کا ہو اور زمین وغیرہ، غیر منقول جائیداد میں دس کے بارہ ہوں۔ کیونکہ نصرف کا وجود اول میں زیادہ ہے اور اخیر میں کم ہے اور اوسط میں درمیانی ہے اور غبن کی زیادتی قلت نصرف کی وجہ سے ہوتی ہے۔

تشریح..... صاحب قدریؒ نے لا یتغابن الناس فیہ سے غبن فاحش کو تعبیر کیا ہے اور غبن فاحش کی تعریف کی ہے کہ غبن فاحش ایسے خسارہ کا نام ہے جو ماہرین تجارت کے اندازے میں داخل نہ ہو یعنی جو لوگ تجارت کے مالک ہیں ان میں سے کوئی شخص اس قدر مال کے عوض اندازہ نہ کرے۔ بہر حال جب لا یتغابن الناس فیہ غبن فاحش ہے تو اس کا مقابل ما یتغابن الناس فیہ غبن بیسیر ہوگا اور جب غبن فاحش کی تعریف مالا بدخل تحت تقویم المقومین ہے تو غبن بیسیر کی تعریف ما یدخل تحت تقویم المقومین ہوگی۔ یعنی ایسا خسارہ جو ماہرین تجارت کے اندازے میں نہ آئے اور وہ غبن بیسیر ہے۔

مصنف قدوری کا ظاہر کلام و قیل فی العرض دہ نیم..... الخ اس پر دال ہے کہ یہ غبن فاحش تفسیر ہے یعنی سامان میں غبن فاحش یہ ہے کہ دس درہم کی چیز ساڑھے دس درہم میں ہو جانوروں میں غبن فاحش یہ ہے کہ دس درہم کا جانور گیارہ درہم میں ہو اور غیر منقولہ جائیداد میں، مکان وغیرہ میں غبن فاحش یہ ہے کہ دس درہم کی زمین بارہ درہم میں ہو۔ مگر صاحب فتح القدیر نے کہا کہ میرے نزدیک حق یہ ہے کہ یہ غبن بیسیر کی تفسیر ہے۔ کیونکہ یہ بات جمہور فقہاء اور عامۃ المشائخ کے ذکر کردہ بیان کے مطابق ہے۔ اور یہی صاحب نہایہ نے تحریر فرمایا ہے۔ پس غبن اگر مذکورہ مقدار کے مطابق ہو تو وہ غبن بیسیر کہلائے گا۔ اور عقد شراء موکل پر لازم اور نافذ ہوگا اور اگر اس مقدار سے زائد وہ تو وہ غبن فاحش کہلائے گا۔ اور عقد شراء موکل پر لازم اور نافذ ہوگا۔

دلیل..... اس کی دلیل کہ مذکورہ مقدار غبن بیسیر اور اس سے زائد غبن فاحش ہے یہ ہے کہ غبن اس وقت زیادہ ہوتا ہے جب آدمی کو تجربہ کم ہو اور جب تجربہ زیادہ ہو غبن کم ہوتا ہے اور تجربہ کی قلت اور کثرت نصرف کی قلت اور کثرت سے ہوتی ہے۔ یعنی نصرف اور وقوع تجارت کی زیادتی سے تجربہ زیادہ ہوگا۔ اور نصرف اور وقوع تجارت کی کمی سے تجربہ کم ہوگا اور یہ بات ظاہر ہے کہ سامان میں تجارت کا وقوع زیادہ ہوتا ہے اور زمین وغیرہ غیر منقول جائیداد میں تجارت کا وقوع کم ہوتا ہے۔ اور جانوروں میں تجارت کا وقوع اوسط درجہ کا ہوتا ہے۔ پھر چونکہ دس درہم ایسا نصاب ہے جس کے سرقہ سے قطعید ہو جاتا ہے۔ اس لئے غبن بیسیر کی تفسیر میں دس درہم کو اصل قرار دیا گیا ہے۔ اور ایک درہم ایسا مال ہے جس کی وجہ سے انسان کو قید خانہ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تنگی اور بخل کے مواقع (تجارت) میں ایک درہم کے ساتھ چشم پوشی نہیں کی جاتی ہے۔ یعنی بائع شمن ٹھہر جانے کے بعد ایک درہم چھوڑنے کا روادار نہیں ہوتا ہے اور نہ ہی مشتری ایک درہم زائد دینے کا روادار ہوتا ہے۔

بہر حال جب ایسا ہے تو سامان جس میں تجارت کا وقوع کثیر ہے اس میں ایک درہم کو غبن بیسیر نہیں سمجھا جائے گا۔ ہاں نصف درہم چونکہ اس درجہ اہم نہیں ہے۔ اسلئے سامان کی تجارت میں نصف درہم غبن بیسیر شمار ہوگا اور جانوروں کی تجارت چونکہ سامان کی تجارت کے وقوع سے کم ہے۔ اس لئے جانوروں کی تجارت میں نصف درہم کا دوچند یعنی ایک درہم غبن بیسیر شمار ہوگا۔ اور زمین وغیرہ کی تجارت کا وقوع چونکہ جانوروں کی

تجارت کے وقوع سے بھی کم ہے۔ اس لئے زمین کی تجارت میں ایک درہم کا دو چند یعنی دو درہم غنیمت سیر شمار ہوں گے۔

اپنا غلام بیچنے کا وکیل کیا پورے یا آدھے کو فروخت کرنے کی قید نہیں لگائی
وکیل آدھا غلام فروخت کرے تو کیا حکم ہے

قَالَ وَإِذَا وَكَّلَهُ بِبَيْعِ عَبْدٍ لَهُ فَبَاعَ نِصْفَهُ جَازَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لِأَنَّ اللَّفْظَ مُطْلَقٌ مِنْ قَيْدِ الْإِفْتِرَاقِ وَالْإِجْتِمَاعِ
الْآتِي أَنَّهُ لَوْ بَاعَ الْكُلَّ بِغَمَنِ النِّصْفِ يَجُوزُ عِنْدَهُ فَإِذَا بَاعَ النِّصْفَ بِهِ أَوْلَى وَقَالَا لَا يَجُوزُ لِأَنَّهُ غَيْرُ مُتَعَارَفٍ
وَلَمَّا فِيهِ مِنْ ضَرَرِ الشَّرَكَةِ إِلَّا أَنْ يَبِيعَ النِّصْفَ الْآخِرَ قَبْلَ أَنْ يَخْتَصِمَا لِأَنَّ بَيْعَ النِّصْفِ قَدْ يَقَعُ وَسِيلَةً إِلَى
الْإِمْتِثَالِ بِأَنْ لَا يَجِدَ مَنْ يَشْتَرِيهِ جُمْلَةً فَيَحْتَاجُ إِلَى أَنْ يُفَرِّقَ فَإِذَا بَاعَ الْبَاقِيَ قَبْلَ نَقْضِ الْبَيْعِ الْأَوَّلِ تَبَيَّنَ أَنَّهُ
وَقَعَ وَسِيلَةً وَإِذَا لَمْ يَبِيعْ ظَهَرَ أَنَّهُ لَمْ يَقَعْ وَسِيلَةً فَلَا يَجُوزُ وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ عِنْدَهُمَا

ترجمہ..... اور جب اپنا غلام بیچنے کا وکیل کیا۔ پس وکیل نے آدھا غلام فروخت کیا تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اس لئے کہ لفظ کل یا بعض کی قید سے مطلق ہے کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ اگر اس نے پورے غلام کو نصف عوض فروخت کر دیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔ پس جب نصف ثمن کے عوض نصف غلام بیچا تو بدرجہ اولیٰ جائز ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے کیونکہ یہ متعارف نہیں ہے اور اس وجہ سے کہ اس میں شرکت کا ضرر ہے۔ مگر یہ کہ نصف آخر کو وکیل اور موکل کے محاصمہ سے پہلے فروخت کر دے۔ اس لئے نصف فروخت کرنا کبھی موکل کے حکم کی تعمیل کا ذریعہ ہو جاتا ہے۔ بایں طور کہ وکیل کو ایسا شخص نہ مل جائے جو پورے غلام کو یکبارگی خریدے پس وہ متفرق کر کے فروخت کرنے کا محتاج ہوگا۔ پس جب نصف اول کی بیع ٹوٹنے سے پہلے باقی نصف کو فروخت کر دیا تو ظاہر ہو گیا کہ نصف اول فروخت کرنا تعمیل حکم کا ذریعہ واقع ہوا تھا اور جب وکیل نے باقی نصف فروخت نہیں کیا تو ظاہر ہو گیا کہ وہ تعمیل حکم کے ذریعہ واقع نہیں ہوا تھا۔ لہذا جائز نہ ہوگا اور یہ صاحبینؒ کے نزدیک استحسان ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو اپنا غلام فروخت کرنے کا وکیل کیا۔ اور پورے یا آدھے کو فروخت کرنے کی قید کے ساتھ مقید نہیں کیا۔ پس وکیل نے آدھا غلام فروخت کر دیا تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ بیع جائز ہے اور اس کا نفاذ موکل پر ہوگا۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ یہ بیع جائز نہیں ہے یعنی اس بیع کا نفاذ موکل پر نہیں ہوگا۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ موکل کا کلام یعنی غلام فروخت کرنے کا حکم مطلق ہے نہ اس میں پورے غلام کی قید ہے اور نہ آدھے غلام کی قید ہے اور المطلق یجوز علیٰ اطلاقہ کے تحت مطلق اپنے اطلاق پر جاری ہوتا ہے۔ لہذا اس اطلاق کے پیش نظر وکیل پورے غلام کو بیچنے کا بھی مجاز ہے۔ اور آدھے غلام کو بیچنے کا بھی مجاز ہے۔ اور جب وکیل آدھے غلام کو فروخت کرنے کا مجاز ہے تو اس کا آدھے غلام کو فروخت کرنا جائز ہوگا۔ اور اس کا نفاذ موکل پر ہوگا۔

اس دلیل کو مزید واضح کرنے کے لئے صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ اگر مذکورہ وکیل پورے غلام کو نصف ثمن کے بقدر کے عوض فروخت کر دے۔ مثلاً ایک ہزار روپیہ کے غلام کو پانچ سو روپیہ کے عوض فروخت کر دے تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔ پس جب امام صاحب کے نزدیک پورے غلام کو نصف ثمن کے بقدر کے عوض بیچنا جائز ہے تو آدھے غلام کو نصف ثمن کے عوض بیچنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔ کیونکہ آدھے غلام کو آدھے ثمن کے عوض بیچنے اور آدھے غلام کو روک لینے میں موکل کا زیادہ نفع ہے۔ یہ نسبت اس کے کہ پورے غلام کو آدھے ثمن کے عوض فروخت کیا جائے۔ اس لئے کہ پہلی صورت میں موکل کو نصف ثمن بھی حاصل ہوگا اور آدھا غلام بھی اس کے پاس رہے گا اور دوسری صورت میں نصف ثمن تو حاصل ہو جاتا ہے۔ مگر غلام کا کوئی حصہ اس کے پاس باقی نہیں رہتا۔ لہذا پہلی صورت موکل کے لئے نفع (زیادہ نفع بخش) ہوگی اور دوسری صورت غیر نفع ہوگی۔ پس

جب غیر نفع صورت (پورے غلام کو نصف ثمن کے عوض) میں بیع جائز ہے تو نفع صورت (نصف ثمن کے عوض) میں بیع بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی۔ لیکن اگر آپ یہ اعتراض کریں کہ پورے غلام کو نصف ثمن کے عوض بیچنا اس لئے جائز ہے کہ یہ بیع عیب شرکت کو متضمن نہیں ہے اور نصف غلام کو نصف ثمن کے عوض بیچنا اس لئے ناجائز ہے کہ اس میں عیب شرکت ہے یعنی غلام میں مؤکل اور مشتری دونوں شریک ہو جائیں گے۔ حالانکہ شرکت عیب ہے پس نصف غلام کو نصف ثمن کے عوض بیچنے میں چونکہ عیب شرکت ہے۔ اس لئے یہ بیع، وکیل کی طرف سے اپنے مؤکل کی مخالفت الیٰ شر ہے اور وکیل کے لئے اپنے مؤکل کی مخالفت الیٰ شر چونکہ جائز نہیں ہے اس لئے وکیل کی یہ بیع جائز نہ ہوگی۔ اور اس کا نفاذ مؤکل پر نہ ہوگا۔ اور پورے غلام کو نصف ثمن کے عوض بیچنے میں چونکہ عیب شرکت نہیں پایا جاتا۔ اس لئے اس بیع میں مؤکل کی مخالفت الیٰ شر بھی لازم نہ آئے گی اور جب اس بیع میں مؤکل کی مخالفت الیٰ شر لازم نہیں آتی تو یہ بھی جائز ہوگی اور مؤکل پر نفاذ ہوگی۔

ہماری طرف سے اس کا جواب..... یہ ہے کہ آدھے غلام کو آدھے ثمن کے عوض فروخت کرنے میں اگرچہ عیب شرکت لازم آتا ہے۔ اور پورے غلام کو آدھے ثمن کے عوض فروخت کرنے میں عیب شرکت لازم نہیں ہے۔ مگر پورے غلام کو نصف ثمن کے عوض بیچنے میں مؤکل کا نقصان زیادہ ہے اور آدھے غلام کو آدھے ثمن کے عوض بیچنا یعنی زیادہ نقصان برداشت کرنا جائز ہے۔ تو نصف غلام کو نصف ثمن کے عوض بیچنا یعنی کم نقصان برداشت کرنا بدرجہ اولیٰ جائز ہوگا۔

یہ خیال رہے کہ پورے غلام کو آدھے ثمن کے عوض بیچنا صرف امام صاحبؒ کے نزدیک جائز ہے۔ اسی وجہ سے یُخَوِّزُ عَنْدَهُ کہا گیا ہے ورنہ صاحبین کے نزدیک ناجائز ہے کیونکہ پورے غلام کو نصف ثمن کے عوض بیچنے میں غبن فاحش ہے اور غبن فاحش کے ساتھ بیچنا صاحبین کے نزدیک ناجائز ہے۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

صاحبین کی دلیل..... یہ ہے کہ مؤکل کا اپنے غلام کو فروخت کرنے کا وکیل کرنا مطلق ہے جیسا کہ امام صاحبؒ کی دلیل میں گزرا ہے۔ ان اللفظ مطلق اور مطلق متعارف کی طرف راجع ہوتا ہے۔ یعنی مطلق سے متعارف مراد ہوتا ہے اور آدھے غلام کو فروخت کرنا غیر متعارف ہے۔ بہر حال جب توکیل بیع العبد مطلق ہے اور مطلق سے متعارف مراد ہوتا ہے اور آدھے غلام کو فروخت کرنا غیر متعارف ہے تو یہ توکیل آدھے غلام کے فروخت کرنے کو شامل نہ ہوگی۔ اور جب یہ توکیل آدھے غلام کو فروخت کرنے کو شامل نہیں ہے تو وکیل کا آدھے غلام کو فروخت کرنا، مؤکل کے حکم کی مخالفت کرنا ہوگا اور وکیل کا اپنے مؤکل کے حکم کی مخالفت کرنا چونکہ جائز نہیں ہے اس لئے وکیل کا آدھے غلام کو فروخت کرنا بھی جائز نہ ہوگا۔

دوسری دلیل..... یہ ہے کہ آدھا غلام فروخت کرنے کی صورت میں مؤکل اور مشتری چونکہ دونوں غلام میں شریک ہو جائیں گے اور شرکت عیب ہے اس لئے اس شرکت کی وجہ سے مؤکل کو ضرر ہوگا۔ اور وکیل ایسا تصرف کرنے کا ہرگز مجاز نہیں ہوتا۔ جس میں مؤکل کو ضرر لاحق ہوتا ہو۔ پس جب اس تصرف میں یعنی آدھا غلام فروخت کرنے میں مؤکل کو ضرر لاحق ہوتا ہے تو وکیل آدھا غلام فروخت کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔ لیکن اس کے باوجود اگر وکیل آدھا غلام فروخت کر دے تو یہ فروخت کرنا جائز نہ ہوگا۔

ولمافیہ من ضرر الشریکۃ، دوسری دلیل..... اس وقت ہے جبکہ لمافیہ..... الخ کو واو کے ساتھ پڑھا جائے اور بغیر واو کے لمافیہ..... الخ پڑھا جائے جیسا کہ ہدایہ کے بعض نسخوں میں ہے تو یہ عبارت اصل مسئلہ پر صاحبین کی طرف سے دوسری دلیل واقع نہ ہوگی۔ بلکہ اس صورت میں یہ عبارت آدھے غلام کی بیع کے غیر متعارف ہونے پر دلیل ہوگی اور یوں کہا جائے گا کہ آدھے غلام کی بیع غیر متعارف اس لئے ہے کہ اس میں شرکت کا ضرر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

بہر حال آدھے غلام کی بیع صاحبین کے نزدیک جائز نہیں ہے۔ ہاں اگر وکیل نے دوسرا آدھا حصہ مؤکل اور وکیل کے جھگڑے سے پہلے فروخت کر دیا تو آدھے غلام کا بیچنا صاحبین کے نزدیک بھی جائز ہے کیونکہ آدھے غلام کا بیچنا کبھی مؤکل کے حکم کی تعمیل کا ذریعہ ہو جاتا ہے۔ اس طور

پر کہ وکیل کو ایسا شخص نہیں ملا جو یکبارگی پورا غلام خریدے تو اس کو آدھا آدھا کر کے فروخت کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ پس جب نصف اول کی بیع ٹوٹنے سے پہلے وکیل نے باقی نصف بھی فروخت کر دیا تو ظاہر ہو گیا کہ نصف اول کا فروخت کرنا مؤکل کے حکم کی تعمیل کا ذریعہ واقع ہوا تھا اور جب نصف اول کا فروخت کرنا مؤکل کے حکم کی تعمیل کا ذریعہ واقع ہوا تو وکیل کے لئے نصف اول کا بیچنا بھی جائز ہوگا اور جب وکیل نے نصف آخر کو فروخت نہیں کیا تو ظاہر ہو گیا کہ نصف اول کا بیچنا مؤکل کے حکم کی تعمیل کا ذریعہ نہیں تھا۔ اور جب اس صورت میں نصف اول کا بیچنا مؤکل کے حکم کی تعمیل کا ذریعہ نہیں ہوا تو اس صورت میں وکیل کے لئے نصف اول کا بیچنا بھی جائز نہ ہوگا۔

حاصل یہ ہے کہ مؤکل کا اصلی مقصود یہ ہے کہ پورا غلام فروخت کر دے اور اس حکم کی تعمیل دو طرح سے ہو سکتی ہے:-

ایک یہ کہ پورا غلام لینے والا لے گیا تو وکیل نے پورا غلام بیچ ڈالا۔ دوم یہ کہ اس نے نصف نصف کر کے فروخت کیا۔

پس اگر اس نے دونوں نصف فروخت کیئے خواہ یکبارگی یا آگے پیچھے تو مؤکل کا مقصود حاصل ہو گیا اور اگر اس نے آدھا غلام فروخت کیا پھر اس کی بیع ٹوٹ گئی پھر اس نے باقی نصف فروخت کیا تو جائز نہیں ہے یا وکیل نے آدھا غلام فروخت کیا اور دوسرا آدھا فروخت نہ کر سکا تو یہ بھی جائز نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں مؤکل کا مقصود حاصل نہیں ہوا ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ صاحبینؒ کے نزدیک یہ حکم استحسانی ہے۔ ورنہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ نصف غلام کی بیع جائز نہ ہو۔ خواہ دوسرا آدھا فروخت کرے یا فروخت نہ کرے۔

غلام خریدنے کا وکیل بنایا وکیل نے آدھا غلام خرید اتو خریدی موقوف

رہے گی اور اگر بقیہ غلام بھی خرید لیا تو خریداری مؤکل پر لازم ہوگی

وَإِنْ وَكَّلَهُ بِشِرَاءِ عَبْدٍ فَأَشْتَرَى نِصْفَهُ فَالشِّرَاءُ مَوْقُوفٌ فَإِنْ اشْتَرَى بَاقِيَهُ لَزِمَ الْمُوَكَّلُ لِأَنَّ شِرَاءَ الْبَعْضِ قَدْ يَقَعُ وَسِيلَةً إِلَى الْإِمْتِنَالِ بَأَنَّ كَانَ مَوْزُونًا بَيْنَ جَمَاعَةٍ فَيَحْتَاجُ إِلَى شِرَائِهِ شِقْصًا شِقْصًا فَإِذَا اشْتَرَى الْبَاقِيَ قَبْلَ رَدِّ الْأَمْرِ الْبَيْعُ تَبَيَّنَ أَنَّهُ وَقَعَ وَسِيلَةً فَيَنْفَذُ عَلَى الْأَمْرِ وَهَذَا بِالْإِتِّفَاقِ وَالْفَرْقُ لِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ فِي الشِّرَاءِ يَتَحَقَّقُ التَّهْمَةُ عَلَى مَامَرٍ وَآخَرُ أَنَّ الْأَمْرَ بِالْبَيْعِ يُصَادِفُ مِلْكَهُ فَيَصَحُّ فَيُعْتَبَرُ فِيهِ إِطْلَاقُهُ وَالْأَمْرُ بِالشِّرَاءِ صَادِفٌ مِلْكَ الْغَيْرِ فَلَمْ يَصَحَّ فَلَمْ يُعْتَبَرُ فِيهِ التَّقْيِيدُ وَالْإِطْلَاقُ

ترجمہ اور اگر اس کو ایک غلام خریدنے کا وکیل کیا پس وکیل نے آدھا غلام خرید اتو یہ خریداری موقوف رہے گی۔ پھر اگر وکیل نے باقی غلام بھی خرید لیا ہو تو یہ خریداری مؤکل پر لازم ہوگی کیونکہ غلام کے ایک حصہ کا خریدنا کبھی مؤکل کے حکم کی تعمیل کا ذریعہ واقع ہوتا ہے بایں طور کہ وہ غلام ایک جماعت کے درمیان موروث ہو تو وکیل اس کو حصہ حصہ کر کے خریدنے کا محتاج نہ ہوگا۔ پس جب وکیل نے باقی غلام کو مؤکل کے بیع رد کرنے سے پہلے خرید لیا تو ظاہر ہو گیا کہ آدھے غلام کو خریدنا ذریعہ واقع ہوا تھا۔ لہذا مؤکل پر (بیع) نافذ ہوگی اور یہ حکم بالاتفاق ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے قول کی بناء پر فرق یہ ہے کہ شرائ کی صورت میں تہمت منتزعت ہوتی ہے۔ چنانچہ گذر چکا ہے اور دوسرا فرق یہ ہے کہ امر بالمعصیہ مؤکل کی ملک کو پالیتا ہے۔ لہذا صحیح ہوگا اور اس میں حکم کا مطلق ہونا معتبر نہ ہوگا۔ اور امر بالشراء نے غیر کی ملک کو پایا ہے۔ لہذا یہ حکم صحیح نہ ہوگا۔ اور اس میں تہمید اور اطلاق معتبر نہ ہوگا۔

تشریح صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے کسی کو غلام خریدنے کا وکیل کیا۔ پس وکیل نے آدھا غلام خرید اتو یہ خریداری بالاتفاق موقوف رہے گی۔ یعنی اگر وکیل نے غلام کا باقی حصہ بھی خرید لیا تو یہ خریداری مؤکل پر لازم اور نافذ ہوگی اور اگر غلام کا باقی حصہ نہیں خرید اتو یہ خریداری مؤکل پر لازم نہ ہوگی۔

دلیل..... یہ ہے کہ غلام کے ایک حصہ کو خریدنا کبھی مؤکل کے حکم کی تعمیل کا ذریعہ واقع ہو جاتا ہے۔ مثلاً ایک غلام چند آدمیوں کو میراث میں ملا ہو تو وہ چند آدمی اس غلام کے مالک ہوں گے۔

اب اگر وکیل اس غلام کو خریدنا چاہتا ہے تو وکیل کو حصہ حصہ کر کے تمام مالکوں سے خریدنا پڑے گا۔ بہر حال جب وکیل نے مؤکل کے آدھے غلام کی بیع رد کرنے سے پہلے غلام کا باقی حصہ بھی خرید لیا تو ظاہر ہو گیا کہ نصف اول کا خریدنا مؤکل کے حکم کی تعمیل کا ذریعہ واقع ہوا تھا اور پہلے گزر چکا ہے کہ جس صورت میں آدھے غلام کا بیع مؤکل کے حکم کی تعمیل کا ذریعہ واقع ہوتا ہے، اس صورت میں بیع کا نفاذ مؤکل پر ہوتا ہے، لہذا اشراء کی صورت میں بھی جب نصف اول کا خریدنا مؤکل کے حکم کی تعمیل کا ذریعہ واقع ہوا تو یہ شراء مؤکل پر نافذ ہوگی۔ کیونکہ یہ ایسا ہو گیا گویا وکیل نے پورا غلام خریدا ہے۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا اس بات پر کہ نصف اول کی شراء موقوف ہے۔ امام صاحب اور صاحبین متفق ہیں۔ لیکن امام صاحب کے قول پر یہ اعتراض ہوگا کہ امام صاحب نے اوپر والے مسئلہ بیع میں نصف غلام کی بیع کو بغیر توقف کے جائز قرار دیا ہے۔ اور یہاں مسئلہ شراء میں نصف غلام کی شراء کو موقوف رکھا ہے۔ لہذا ان دونوں کے درمیان وجہ فرق کیا ہے۔ صاحب ہدایہ نے اس کے جواب میں دو وجہیں فرق ذکر کی ہیں۔

پہلی وجہ فرق..... یہ ہے کہ مسئلہ شراء میں وکیل کے حق میں تہمت متحقق ہے۔ اس طور پر کہ وکیل نے نصف غلام اپنے واسطے خریدا ہو۔ مگر جب اس میں خسارہ محسوس ہوا ہو تو اس خریداری کو مؤکل کے ذمہ ڈال دیا ہو پس اس تہمت کی وجہ سے نصف غلام کی خریداری کو موقوف رکھا گیا اور کہا گیا کہ اگر وکیل نے باقی غلام کو بھی خرید لیا تو یہ خریداری مؤکل پر نافذ ہو جائے گی اور اگر نہ خرید اتنا نافذ نہ ہوگی۔ لیکن مسئلہ بیع میں یہ تہمت متحقق نہیں ہے۔ اس لئے نصف غلام کی بیع مؤکل ہی کے لئے ہو سکتی ہے وکیل کے لئے نہیں۔ پس اس فرق کی وجہ سے مسئلہ بیع میں نصف غلام کی بیع کو بغیر توقف کے جائز قرار دیا گیا ہے۔ اور مسئلہ شراء میں نصف غلام کی شراء کو موقوف رکھا گیا ہے۔

دوسری وجہ فرق..... یہ ہے کہ وکیل بالبیع کی صورت میں مؤکل کا امر بالبیع مؤکل کی ملک سے ملاتی ہوا ہے۔ یعنی مؤکل نے اپنی مملوکہ چیز فروخت کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور مؤکل کو چونکہ اپنی ملک پر ولایت حاصل ہے۔ اس لئے اس کا امر بالبیع درست ہوگا اور جب مؤکل کا امر بالبیع درست ہے تو اس میں اطلاق امر معتبر ہوگا۔ اور جب مؤکل کے امر بالبیع میں اطلاق معتبر ہے تو وکیل پورے غلام کو فروخت کرنے کا بھی مجاز ہوگا۔ اور آدھے غلام کو فروخت کرنے کا بھی مجاز ہوگا اور جب وکیل آدھے غلام کو فروخت کرنے کا مجاز ہے تو اس کا آدھا غلام فروخت کرنا بھی جائز ہوگا۔ اور تو وکیل بالشراء کی صورت میں مؤکل کا امر غیر کی ملک کے ساتھ ملاتی ہوا ہے یعنی مؤکل نے جس چیز کے خریدنے کا حکم کیا ہے، وہ چیز مؤکل کی ملک نہیں ہے بلکہ بائع کی ملک ہے اور غیر کی ملک خریدنے کا حکم کرنا صحیح نہیں ہے محض ضرورت کے پیش نظر جائز قرار دیا ہے۔ پس جب امر بالشراء صحیح نہیں ہے تو اس میں اطلاق یا تنقید معتبر نہ ہوگی۔ بلکہ عرف معتبر ہوگا۔ اور عرف یہ ہے کہ پورا غلام خریداجائے۔ لہذا غلام خریدنے کا حکم کرنا عرف کے پیش نظر پورا غلام خریدنے کا امر کرنا ہوگا اور جب ایسا ہے تو وکیل جس صورت میں پورا غلام خریدے گا (خواہ ایک بارگی خواہ متفرق کر کے) اس صورت میں یہ خریداری چونکہ مؤکل کے حکم کے مطابق ہے۔ اس لئے مؤکل پر لازم ہوگی اور جس صورت میں آدھا غلام خریدے گا اس صورت میں مؤکل کے حکم کی موافقت نہ ہونے کی وجہ سے مؤکل پر لازم نہ ہوگی۔ بلکہ وکیل پر لازم ہوگی۔

ایک شخص نے کسی کو اپنا غلام فروخت کرنے کا حکم دیا وکیل نے اس کو بیچ دیا شمن پر قبضہ کیا یا نہیں کیا

پھر غلام کو ایسے عیب کی وجہ سے جس کے مثل پیدا نہیں ہو سکتا مشتری نے قضاء قاضی سے وکیل کی

طرف واپس کیا تو وکیل مؤکل کو واپس کر سکتا ہے یا نہیں

قَالَ وَمَنْ أَمَرَ رَجُلًا بِبَيْعِ عَبْدِهِ فَبَاعَهُ وَقَبِضَ الثَّمَنَ أَوْ لَمْ يَقْبِضْ فَرَدَّهُ الْمُشْتَرِي عَلَيْهِ بِعَيْبٍ لَا يَحْدُثُ مِثْلَهُ.

بِقَضَائِ الْقَاضِي بَيِّنَةً أَوْ بَابَاءَ يَمِينٍ أَوْ بِإِقْرَارِهِ فَإِنَّهُ يَرُدُّهُ عَلَى الْأَمْرِ لِأَنَّ الْقَاضِيَّ تَيَقَّنَ بِحُدُوثِ الْعَيْبِ فِي يَدِ الْبَائِعِ فَلَمْ يَكُنْ قَضَاؤُهُ مُسْتَنْدًا إِلَى هَذِهِ الْحُجَجِ وَتَاوِيلُ اشْتِرَاطِهَا فِي الْكِتَابِ أَنَّ الْقَاضِيَّ يَعْلَمُ أَنَّهُ لَا يَحْدُثُ مِثْلُهُ فِي مُدَّةٍ شَهْرٍ مَثَلًا لَكِنَّهُ اشْتَبَهَ عَلَيْهِ تَارِيخُ النَّبْعِ فَيَحْتَاجُ إِلَى هَذِهِ الْحُجَجِ لظُهُورِ التَّارِيخِ أَوْ كَانَ عَيْبًا لَا يَعْرِفُهُ إِلَّا النِّسَاءُ أَوْ الْأَطِبَّاءُ وَقَوْلُهُنَّ وَقَوْلُ الطَّبِيبِ حُجَّةٌ فِي تَوَجُّهِ الْخُصُومَةِ لَا فِي الرَّدِّ فَيَفْتَقِرُ إِلَيْهَا فِي الرَّدِّ حَتَّى لَوْ كَانَ الْقَاضِي عَايِنَ النَّبْعِ وَالْعَيْبِ ظَاهِرًا لَا يَحْتَاجُ إِلَى شَيْءٍ مِنْهَا وَهُوَ رَدٌّ عَلَى الْمُؤَكِّلِ فَلَا يَحْتَاجُ الْمُؤَكِّلُ إِلَى رَدِّ وَخُصُومَةٍ

ترجمہ..... اور اگر ایک شخص نے کسی آدمی کو اپنا غلام فروخت کرنے کا حکم دیا۔ پس وکیل نے اس کو بیچ دیا اور ثمن پر قبضہ کیا یا قبضہ نہیں کیا۔ پھر اس غلام کو ایسے عیب کی وجہ سے جس کے مثل پیدا نہیں ہو سکتا ہے۔ مشتری نے قضاء قاضی کے ساتھ وکیل کی طرف واپس کیا (قاضی کا یہ فیصلہ) بینہ کی وجہ سے ہو یا قسم کا انکار کرنے کی وجہ سے یا وکیل کے اقرار کی وجہ سے ہو تو وکیل اس غلام کو مؤکل کی طرف واپس کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ قاضی کو بائع کے قبضہ میں عیب پیدا ہونے کا یقین ہے۔ لہذا قاضی کا فیصلہ ان جتوں کی طرف منسوب نہ ہوگا اور کتاب میں ان جتوں کے شرط لگانے کی تاویل یہ ہے کہ قاضی کو علم ہے کہ اس طرح کا عیب مثلاً ایک ماہ کی مدت میں پیدا نہیں ہو سکتا ہے لیکن قاضی پر بیع کی تاریخ مشتبہ ہوگئی تو وہ تاریخ ظاہر ہونے کے واسطے ان جتوں کی طرف محتاج ہوگا۔ یا ایسا عیب تھا جس کو صرف عورتیں اور طبیب ہی پہچانتے ہیں۔ اور عورتوں اور طبیب کا قول جھوٹا متوجہ ہونے میں حجت ہے اور بائع کی طرف واپس کرنے میں حجت نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اگر قاضی نے بیع کا مشاہدہ کیا ہو اور عیب ظاہر ہو تو قاضی ان میں سے کسی حجت کا محتاج نہیں ہوگا۔ اور یہی مؤکل پر واپسی ہے۔ پس وکیل واپس کرنے اور خصومت کرنے کا محتاج نہ ہوگا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کو اپنا غلام فروخت کرنے کا وکیل کیا پس وکیل نے اس غلام کو فروخت کر دیا اور مشتری کے حوالہ کر دیا، وکیل نے ثمن قبضہ کیا ہو یا نہ کیا ہو دونوں صورتوں میں اگر مشتری نے اس غلام کو وکیل کی طرف ایسے عیب کی وجہ سے واپس کیا جس عیب کے مثل مشتری کی قبضہ میں پیدا نہیں ہو سکتا ہے۔ مثلاً غلام کے ہاتھ میں زائد انگلی کا ہونا، یا ایسے عیب کی وجہ سے واپس کیا جس کے مثل اس مدت میں پیدا نہیں ہو سکتا ہے جو مدت مشتری کے قبضہ کی ہے اور مشتری کا اس معیب غلام کو واپس کرنا قاضی کے حکم سے ہوا ہو اور قاضی کا یہ حکم مشتری کے پیش کردہ بینہ کی وجہ سے ہو یا بینہ پیش نہ کرنے کی صورت میں وکیل کے قسم کھانے سے انکار کی وجہ سے ہو۔ یا بینہ پیش نہ کرنے کی صورت میں وکیل کے قسم کھانے سے انکار کی وجہ سے ہو یا وکیل کے عیب کا اقرار کرنے کی وجہ سے ہو تینوں صورتوں میں وکیل اس معیب غلام کو بغیر خصومت کے مؤکل کی طرف واپس کر سکتا ہے۔ یعنی وکیل اس معیب غلام کو مؤکل کی طرف واپس کرنے کے لئے خصومت اور قضائے قاضی کا محتاج نہ ہوگا کیونکہ قضائے قاضی کی وجہ سے مشتری کا غلام کو وکیل کی طرف واپس کرنا یہی مؤکل کی طرف واپس کرنا ہے، مؤکل کی طرف واپس کرنے کے لئے علیحدہ خصومت اور جھگڑے کی ضرورت نہیں ہے۔

دلیل..... اس کی یہ ہے کہ کلام چونکہ اس عیب کے بارے میں ہے جس کے مثل پیدا نہیں ہو سکتا ہے۔ اس لئے قاضی کو پورے طور پر یقین ہے کہ یہ عیب بائع کے قبضہ میں موجود تھا اور جب قاضی کو بائع کے قبضہ میں مذکورہ عیب کے ہونے کا یقین ہے تو قاضی اپنے علم و یقین کی روشنی میں اس معیب غلام کو بائع کی طرف واپس کرنے کا فیصلہ کر سکتا ہے اور اس فیصلہ کے تحت م کی واپسی جس طرح وکیل کی طرف ہوگی۔ اسی طرح مؤکل کی طرف بھی ہوگی۔

اعتراض..... لیکن اس پر یہ اعتراض ہوگا کہ جب عیب ایسا ہے جس کے مثل مشتری کے قبضہ میں پیدا نہیں ہو سکتا ہے تو پھر قاضی کے فیصلہ کو مذکورہ جتوں یعنی بینہ وغیرہ پر کوئی موقوف رکھا گیا ہے۔ قاضی اپنے علم و یقین کی وجہ سے بغیر ان جتوں کے بھی فیصلہ صادر کر سکتا ہے۔

جواب..... صاحب ہدایہ نے اسی کا جواب دیتے ہوئے فرمایا فلم یکن قضاءہ مستنداً الى هذه الحجج..... الخ یعنی قاضی کا معیب غلام کو واپس کرنے کا فیصلہ ان حجتوں پر موقوف نہیں ہے، یہاں عبارت میں اگر فلم یکن کی جگہ ولم یکن یعنی فاء کی جگہ واو ہوتا تو عبارت زیادہ واضح ہو جاتی۔

سوال..... لیکن اب یہ سوال پیدا ہوگا کہ جب قاضی کو اس بات کا یقین ہے کہ یہ عیب بائع کے قبضہ میں تھا اور مشتری کے قبضہ میں آکر پیدا نہیں ہوا ہے اور قاضی کا فیصلہ مذکورہ حجتوں پر موقوف نہیں ہے تو متن (جامع صغیر) میں ان حجتوں کو ذکر کرنے اور ان کی شرط لگانے سے کیا فائدہ ہے۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ قاضی کو یہ بات تو معلوم ہے کہ اس طرح کا عیب مثلاً ایک ماہ کی مدت میں پیدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن قاضی پر بیع کی تاریخ مشتبہ ہو گئی کہ بیع کب منعقد ہوئی تھی کیونکہ بیع اگر دو چار ماہ پہلے منعقد ہوئی ہو تو یہ عیب مشتری کے قبضہ میں پیدا شدہ ہو سکتا ہے اور اس عیب کی وجہ سے مشتری غلام کو واپس کرنے کا مجاز نہیں ہوگا۔ اور اگر بیع کو منعقد ہوئے ایک ماہ کا عرصہ بھی نہیں گزرا تو یہ عیب بائع کے قبضہ میں پیدا شدہ ہوگا۔ اور مشتری اس عیب کی وجہ سے غلام واپس کرنے کا مجاز ہوگا۔ پس مشتری بیع کی تاریخ متعین کرنے کے لئے مذکورہ تین حجتوں میں سے ایک حجت کا محتاج ہوگا۔ یعنی یا تو مشتری اس بات پر بینہ پیش کرے کہ بیع کے انعقاد پر زیادہ عرصہ نہیں گزرا ہے۔ لہذا یہ عیب بائع کے قبضہ میں پیدا شدہ ہے اور یا بائع قسم کھانے سے انکار کرے اور یا بائع (دکیل) اس عیب کا اقرار کرے۔ پس چونکہ بیع کی تاریخ ظاہر کرنے کے لئے ان حجتوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لئے جامع صغیر میں ان حجتوں کا شرط ہونا ذکر کر دیا گیا۔

دوسرا جواب..... یہ ہے کہ بعض مرتبہ وہ عیب جس کی وجہ سے مشتری بیع کو واپس کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ ایسا ہوتا ہے جس کو صرف عورتیں ہی جانتی ہیں۔ مثلاً بیع باندی ہو اور اس کی شرمگاہ میں کوئی بیماری ہو نا وہ عیب ایسا ہو جس کو صرف طبیب لوگ جانتے ہیں۔ مثلاً پرانی کھانسی، اور عورتوں اور طبیب کا قول اس بارے میں تو حجت ہو سکتا ہے کہ مشتری اپنے بائع کے ساتھ خصومت اور جھگڑا کرے لیکن عورتوں اور طبیب کے قول کی وجہ سے بیع، بائع کی طرف واپس نہیں کی جاسکتی ہے۔ لہذا بیع واپس کرنے کے لئے مذکورہ حجتوں کی ضرورت پیش آئے گی۔ اسی وجہ سے جامع صغیر میں مذکورہ حجتوں کا شرط ہونا ذکر کیا گیا ہے۔ لیکن اگر قاضی نے بیع کا مشاہدہ کیا۔ یعنی بیع کا انعقاد اس کے سامنے ہوا اور اس کو اس کی تاریخ بھی معلوم ہے اور عیب بالکل ظاہر ہے تو اس صورت میں قاضی مذکورہ حجتوں میں سے کسی حجت کا محتاج نہ ہوگا۔ بلکہ کسی حجت کے بغیر غلام واپس کرنے کا فیصلہ صادر کر دے گا۔ اور قاضی کے اس فیصلہ کی وجہ سے مشتری کا دکیل کی طرف غلام واپس کرنا یہی مؤکل کی طرف واپس کرنا ہوگا۔ یعنی دکیل اپنے مؤکل کے ساتھ نہ کسی خصومت کا محتاج ہوگا اور نہ غلام کو مؤکل کی طرف واپس کرنے ہی سے غلام مؤکل کی طرف واپس ہو جائے گا۔

اعتراض..... یہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ جب دکیل نے عیب کا اقرار کیا تو اس صورت میں قضائے قاضی کی کیا ضرورت ہے۔ اقرار کرنے کی وجہ سے دکیل معیب غلام کو قبول کر ہی لے گا۔ حالانکہ متن میں اقرار کے ساتھ بھی قضائے قاضی کا ذکر کیا ہے۔ یعنی اقرار کی صورت میں بھی قاضی کا فیصلہ کرنا ضروری ہے۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا ہو سکتا ہے کہ دکیل، عیب کا اقرار تو کر لے لیکن اس کے بعد وہ معیب غلام کو قبول کرنے سے رک جائے تو اس صورت میں قاضی کا فیصلہ اس کو قبول کرنے پر مجبور کرنا ہوگا۔ یعنی اس صورت میں دکیل کو قبول کرنے پر مجبور کرنے کے لئے قضائے قاضی کی ضرورت پیش آئے گی۔

جس عیب کی مثل عیب پیدا ہو سکتا ہے اس کا بھی یہی حکم ہے

قَالَ وَكَذَلِكَ إِنْ رَدَّهُ عَلَيْهِ بِعَيْبٍ يَحْدُثُ مِثْلَهُ بَيِّنَةً أَوْ بِإِبَاءِ يَمِينٍ لِأَنَّ الْبَيِّنَةَ حُجَّةٌ مُطْلَقَةٌ وَالْوَكِيلُ مُضْطَرٌّ فِي الْكُفُولِ لِبُعْدِ الْعَيْبِ عَنْ عِلْمِهِ بِإِعْتِبَارِ عَدَمِ مُمَارَسَةِ الْمَيْعِ فَلَزِمَ الْأَمْرُ

ترجمہ..... اور اسی طرح اگر مشتری نے غلام کو وکیل پر ایسے عیب کی وجہ سے واپس کیا جس کے مثل پیدا ہو سکتا ہے۔ بینہ کی وجہ سے یا انکار قسم کی وجہ سے۔ اس لئے کہ بینہ حجت کاملہ ہے۔ اور وکیل قسم سے انکار کرنے میں مجبور ہے کیونکہ بیع کے ساتھ عدم ممارست کی وجہ سے عیب وکیل کے علم سے دور ہے۔ لہذا غلام موکل پر لازم ہوگا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مشتری نے وکیل کی طرف غلام کو ایسے عیب کی وجہ سے واپس کیا جس کے مثل پیدا ہو سکتا ہے اور غلام واپس کرنے کا فیصلہ بینہ کی وجہ سے ہوا ہو۔ یا وکیل کے قسم سے انکار کرنے کی وجہ سے ہوا ہو۔ دونوں صورتوں میں یہی واپسی موکل کی طرف ہوگی۔ موکل کی طرف واپس کرنے کے لئے وکیل خصوصت کا محتاج نہ ہوگا۔

دلیل..... یہ ہے کہ اگر مشتری نے اس بات پر بینہ قائم کیا کہ یہ عیب بائع کے قبضہ کے وقت بھی موجود تھا۔ اور قاضی نے اس بینہ کی وجہ سے غلام واپس کرنے کا حکم دیا تو یہ واپسی موکل پر ہوگی۔ اس لئے کہ بینہ حجت کاملہ ہوتا ہے۔ پس بینہ کی وجہ سے عیب کا قیام موکل کے پاس ثابت ہو جائے گا۔ اور جب عیب کا قیام موکل کے پاس ثابت ہو گیا تو غلام کی واپسی بھی موکل ہی کی طرف ہوگی اور وکیل کے انکار عن الیمین کرنے کی صورت میں واپسی موکل کی طرف اس لئے ہوگی کہ وکیل قسم سے انکار کرنے پر مجبور ہے اور مجبور اس لئے ہے کہ اس وکیل کو بیع یعنی غلام کے احوال سے زیادہ سابقہ نہیں پڑا ہے۔ لہذا اس کے عیوب سے بھی زیادہ واقف نہ ہوگا۔ اور جب وکیل غلام کے عیوب سے زیادہ واقف نہیں ہے تو وہ جھوٹی قسم کھانے سے ڈرے گا اور اس کے نتیجہ میں وہ قسم کھانے سے انکار کر دے گا اور وکیل کو اس مصیبت میں موکل ہی نے ڈالا ہے۔ لہذا اس کو چھٹکارا دلانا بھی موکل پر واجب ہوگا یعنی وکیل پر جو ذمہ داری عائد ہوگی وہ موکل کی طرف لوٹ جائے گی۔ پس انکار عن الیمین کا حکم موکل پر لازم ہوگا۔ یعنی انکار عن الیمین کی وجہ سے غلام کی واپسی موکل پر ہوگی۔ اور وکیل کو غلام واپس کرنے کے لئے موکل سے خصوصت کرنے کی چنداں ضرورت نہ ہوگی۔

اگر واپسی وکیل کے اقرار سے ہو تو غلام وکیل پر لازم ہوگا

قَالَ فَإِنْ كَانَ ذَلِكَ بِإِقْرَارِ لَزِمَ الْمَأْمُورَ لِأَنَّ الْإِقْرَارَ حُجَّةَ قَاصِرَةٍ وَهُوَ غَيْرُ مُضْطَرٍّ إِلَيْهِ لَا مَكَانَهُ السُّكُوتُ وَالسُّكُوتُ إِلَّا أَنْ لَهُ أَنْ يُخَاصِمَ الْمُوَكَّلَ فَيَلْزِمُهُ بَيِّنَةً أَوْ بِنُكُولِهِ بِخِلَافِ مَا إِذَا كَانَ الرَّدُّ بِغَيْرِ قَضَاءٍ بِإِقْرَارٍ وَالْعَيْبُ يَحْدُثُ مِثْلَهُ حَيْثُ لَا يَكُونُ لَهُ أَنْ يُخَاصِمَ بَائِعَهُ لِأَنَّهُ بَيْعٌ جَدِيدٌ فِي حَقِّ ثَالِثٍ وَالْبَائِعُ ثَالِثُهُمَا وَالرَّدُّ بِالْقَضَاءِ فَسُخِّ لِعُمُومٍ وَلَايَةِ الْقَاضِي غَيْرَ أَنَّ الْحُجَّةَ قَاصِرَةٌ وَهِيَ الْإِقْرَارُ فَمِنْ حَيْثُ الْفُسْخُ كَانَ لَهُ أَنْ يُخَاصِمَهُ وَمِنْ حَيْثُ الْقُصُورُ فِي الْحُجَّةِ لَا يَلْزِمُ الْمُوَكَّلَ إِلَّا بِحُجَّةٍ وَلَوْ كَانَ الْعَيْبُ لَا يَحْدُثُ مِثْلَهُ وَالرَّدُّ بِغَيْرِ قَضَاءٍ بِإِقْرَارِهِ يَلْزِمُ الْمُوَكَّلَ مِنْ غَيْرِ خُصُومَةٍ فِي رَوَايَةٍ لِأَنَّ الرَّدَّ مُتَعَيَّنٌ وَفِي عَامَةِ الرِّوَايَاتِ لَيْسَ لَهُ أَنْ يُخَاصِمَهُ لِمَا ذَكَرْنَا وَالْحَقُّ فِي وَصْفِ السَّلَامَةِ ثُمَّ يَنْتَقِلُ إِلَى الرَّدِّ ثُمَّ إِلَى الرَّجُوعِ بِالنَّقْصَانِ فَلَمْ يَتَّعَيَّنِ الرَّدُّ وَقَدْ بَيَّنَّاهُ فِي الْكِفَايَةِ بِأَطْوَلٍ مِنْ هَذَا

ترجمہ..... پس اگر یہ واپسی وکیل کے اقرار سے ہو تو غلام وکیل پر لازم ہوگا۔ اس لئے کہ اقرار حجت قاصرہ ہے اور وکیل کرنے میں مجبور بھی نہیں تھا۔ کیونکہ اس کے لئے خاموشی اختیار کرنا اور قسم سے انکار کرنا ممکن تھا۔ مگر وکیل کے لئے اس کی اجازت ہے کہ وہ موکل سے خاصہ کرے پھر غلام کو بینہ کے ذریعہ یا اس کے انکار عن الیمین کے ذریعہ اس پر لازم کر دے۔ برخلاف اس صورت کے جب واپسی وکیل کے اقرار سے بغیر قضاء کے ہو اور عیب ایسا ہوگا۔ اس لئے کہ یہ تیسرے کے حق میں بیع جدید ہے اور بائع ان کا تیسرا ہے اور قضاے قاضی کی وجہ سے واپسی فسخ ہے۔ قاضی کی عموم ولایت کی وجہ سے مگر یہ کہ حجت قاصرہ یعنی اقرار پس فسخ ہونے کی وجہ سے وکیل کے لئے جائز ہے کہ وہ موکل سے خاصہ کرے اور حجت کے قاصر

ہونے کی وجہ سے یہ واپسی مؤکل پر لازم نہ ہوگی مگر حجت سے اور اگر یہ عیب ایسا ہو جس کے مثل پیدا نہیں ہو سکتا ہے اور واپسی وکیل کے اقرار سے بغیر حکم قاضی کے ہو تو ایک روایت میں بغیر خصومت کے واپسی مؤکل پر لازم نہ ہوگی۔ اس لئے کہ واپسی متعین ہے۔ اور عام روایات میں ہے کہ وکیل کو مؤکل سے مخاصمہ کرنے کا حق نہیں ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ذکر کی ہے اور حق تو وصف سلامت میں ہے پھر واپسی کی طرف منتقل ہوگا۔ پھر رجوع بالتقصان کی طرف منتقل ہوگا۔ پس واپسی متعین نہیں ہوتی اور ہم نے کفایہ میں اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر وکیل نے غلام بیع کے عیب کا اقرار کر لیا اور اس اقرار کی وجہ سے قاضی کے فیصلہ سے مشتری نے معیب غلام، وکیل کی طرف واپس کیا تو یہ غلام، وکیل کے ذمہ لازم ہوگا یعنی غلام کی یہ واپسی وکیل پر شمار ہوگی مؤکل پر شمار نہ ہوگی۔

دلیل..... یہ ہے کہ اقرار حجت قاصرہ ہے۔ لہذا اس کا اثر اقرار کرنے والے کے حق میں ظاہر ہوگا اور اس کے علاوہ کسی دوسرے کے حق میں ظاہر نہ ہوگا یعنی اقرار کرنے کی وجہ سے غلام کی واپسی مقر (وکیل) کی طرف ہوگی۔ اور مؤکل کی طرف نہ ہوگی۔ اور وکیل اقرار کرنے کے لئے مجبور بھی نہیں تھا۔ کیونکہ اس کے لئے خاموش رہنا بھی ممکن تھا اور یمین کا مطالبہ کرنے کی صورت میں یمین سے انکار کرنا بھی ممکن تھا پس اگر اقرار نہ کرتا بلکہ خاموش رہنا یا مطالبہ یمین کے وقت قسم کھانے سے انکار کر دیتا تو سکوت یا انکار عن الیمین کی وجہ سے فیصلہ کیا جاتا اور اقرار کی وجہ سے فیصلہ نہ کیا جاتا۔ بہر حال وکیل عیب کا اقرار کرنے میں مجبور نہیں تھا۔ بلکہ مختار تھا اور جب وکیل عیب کا اقرار کرنے میں مجبور نہیں تھا لیکن خود اسی کے حق میں اثر انداز ہوگا۔ یعنی معیب غلام کی واپسی اسی کی طرف ہوگی۔ اور اس کا اقرار مؤکل پر نہیں تھوپا جائے گا یعنی یہ واپسی مؤکل کے ذمہ لازم نہ ہوگی۔ البتہ وکیل کو اپنے مؤکل کے ساتھ خصومت کرنے کا پورا پورا اختیار ہوگا۔ یعنی وکیل، قاضی کی عدالت میں دعویٰ پیش کرنے کے بعد اس بات پر بینہ پیش کرے گا کہ غلام کا یہ عیب مؤکل کے پاس بھی موجود تھا۔ اگر وکیل نے بینہ پیش کر دیا تو یہ غلام مؤکل پر لازم ہوگا۔ یعنی وکیل اس غلام کو مؤکل کی طرف واپس کر دے گا۔ اور اگر وکیل بینہ پیش نہ کرے گا تو مؤکل سے قسم لی جائے گی۔ اگر مؤکل نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو بھی غلام مؤکل کی طرف واپس کر دیا جائے گا۔

اس کے برخلاف اگر وکیل نے عیب کا اقرار کیا اور بغیر قضائے قاضی محض وکیل کے اقرار کی وجہ سے غلام وکیل کی طرف واپس کر دیا گیا۔ اور عیب ایسا ہے جس کے مثل پیدا ہو سکتا ہے تو اس صورت میں وکیل کو اپنے بائع یعنی اپنے مؤکل سے مخاصمہ کرنے کا اختیار بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ بغیر قضائے قاضی کے محض وکیل کے اقرار کی وجہ سے غلام کی وکیل کی طرف واپسی وکیل اور مشتری کے حق میں اگرچہ فسخ بیع ہے لیکن تیسرے کے حق میں بیع جدید ہے یعنی مؤکل کے حق میں ایسا ہے گویا مشتری نے یہ غلام وکیل کو فروخت کیا ہے تو وکیل کو اپنے مؤکل سے اس غلام کے سلسلہ میں خصومت کا کوئی حق نہ ہوگا۔ اور قضائے قاضی کی وجہ سے معیب غلام کو وکیل کی طرف واپس کرنا فسخ بیع ہے۔ اس لئے قاضی کو ولایت عامہ حاصل ہوتی ہے۔ لیکن یہ فسخ حجت قاصرہ یعنی اقرار کی وجہ سے ہے پس حجت کے قاصر ہونے کی وجہ سے غلام معین کو وکیل کی طرف واپس کرنا مؤکل کی طرف واپس کرنا نہیں ہوگا۔ یعنی وکیل کی طرف سے واپس کرنے سے یہ غلام مؤکل کی طرف واپس نہ ہوگا۔ الا یہ کہ وکیل بینہ پیش کرے یا مؤکل قسم سے انکار کرے اور یہ واپسی چونکہ فسخ بیع ہے۔ اس لئے وکیل کو اپنے مؤکل کے ساتھ خصومت کا پورا پورا حق ہوگا کیونکہ فسخ بیع کی صورت میں وکیل اپنے مؤکل کے ساتھ خصومت کا مجاز ہوتا ہے۔ اور اگر غلام کے اندر ایسا عیب پایا گیا جس کے مثل پیدا نہیں ہو سکتا ہے اور مشتری نے غلام وکیل کی طرف محض اسکے اقرار سے بغیر قضائے قاضی کے واپس کیا تو مبسوط کے کتاب البیوع کی ایک روایت کے مطابق یہ واپسی بغیر خصومت کے مؤکل پر لازم ہو جائے گی۔ یعنی مشتری کے ذمہ غلام معیب کو وکیل کی طرف واپس کرنے سے مؤکل کی طرف واپس ہو جائے گا۔ اور اس کے لئے وکیل کو خصومت وغیرہ کی ضرورت بھی پیش نہ آئے گی۔ کیونکہ عیب جب ایسا ہے جس کے مثل مشتری کے قبضہ میں پیدا نہیں ہو سکتا ہے تو اس عیب کی وجہ سے غلام واپس کرنا متعین ہے یعنی وکیل اور مشتری دونوں نے یعینہ وہ کام کیا جو قاضی کرتا یعنی اگر وکیل اور مشتری قاضی کی عدالت میں ایسے عیب کے بارے میں مرافعہ کرتے جس کے مثل عیب پیدا نہیں ہو سکتا ہے تو قاضی اس غلام کو وکیل کی طرف واپس کر دیتا اور اسی فیصلہ کے تحت مؤکل کی طرف واپسی ہو جاتی، وکیل کو خصومت کی زحمت نہ اٹھانا پڑتی، بہر حال جب وکیل اور مشتری نے وہی کام کیا ہے جو قاضی کرتا تو جس طرح قاضی

کے غلام کو وکیل کی طرف واپس کرنے سے مؤکل کی طرف واپسی ہوتی ہے۔ اسی طرح بغیر قضاء کے محض وکیل کے اقرار سے غلام وکیل کی طرف واپس کیئے جانے سے مؤکل کی طرف بھی واپس ہو جائے گا۔ مؤکل کی طرف واپس کرنے کے لئے وکیل خصوصیت کا محتاج نہ ہوگا۔

اور بمسوط کی عام روایات میں یہ ہے کہ اس صورت میں غلام صرف وکیل کی طرف واپس ہوگا اور مؤکل کی طرف واپس نہ ہوگا اور وکیل کو اپنے مؤکل سے مخصوصہ کرنے کا بھی حق نہ ہوگا یعنی یہ واپسی وکیل پر لازم ہوگی۔ وکیل ہی مشتری کو ثمن واپس کرے گا اور وکیل ہی اس غلام کا مالک ہوگا اور وکیل کو یہ حق بھی نہ ہوگا کہ وہ اپنے مؤکل کی طرف غلام واپس کرنے کے لئے قاضی کی عدالت میں خصوصیت پیش کرے۔

اس کی دلیل سابق میں گذر چکی ہے کہ اقرار کی وجہ سے بغیر قضاء کے غلام کی واپسی وکیل اور مشتری کے حق میں اگر چہ منع ہے لیکن ان کے علاوہ کے حق میں بیع جدید ہے۔ اور مؤکل ان دونوں کا غیر ہے۔ پس ان دونوں کے درمیان منعقدہ بیع ان کے غیر یعنی مؤکل پر کیوں لازم ہوگی یعنی مؤکل پر یہ غلام لازم نہ ہوگا۔

صاحب ہدایہ نے لِأَنَّ الرَّدَّ مَتَعِينَ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ کا یہ کہنا کہ غلام کا رد اور واپس کیا جانا متعین ہے۔ غلط ہے۔ اس لئے کہ مشتری کا حق اولاً وصف سلام میں ثابت ہوتا ہے۔ یعنی مشتری صحیح سالم بیع کا مستحق ہوتا ہے۔ لیکن جب بیع صحیح سالم نہ ہو بلکہ اس میں عیب ہو تو اس کا حق بیع کو واپس کرنے کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ یعنی مشتری کے لئے بیع واپس کرنے کا حق ثابت ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر سابق عیب کے علاوہ بیع کے اندر مشتری کے پاس نیا عیب بھی پیدا ہو گیا یا سابقہ عیب میں اضافہ ہو گیا تو اس صورت میں مشتری کے لئے بیع واپس کرنے کا حق نہیں ہوتا۔ بلکہ مشتری اپنے نقصان کے بقدر ثمن واپس لے سکتا ہے۔ یعنی جو عیب بائع کے پاس پیدا ہوا تھا۔ اس کی وجہ سے غلام کی قیمت میں جو کمی واقع ہوگی۔ مشتری اس مقدار کو بائع سے لینے کا مجاز ہوگا۔ بہر حال یہ بات ثابت ہوگئی کہ عیب کی وجہ سے بیع واپس کرنا متعین نہیں ہے اور جب واپس کرنا متعین نہیں ہے تو آپ کی بیان کردہ دلیل لِأَنَّ الرَّدَّ مَتَعِينَ بھی درست نہ ہوگی۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ اس مسئلہ کو کفایہ میں اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

ایک آدمی نے دوسرے سے کہا میں نے تجھ کو اپنا غلام نقد کے عوض فروخت کرنے کا حکم کیا لیکن تم نے اس کو ادھار کے عوض بیچا اور وکیل نے کہا کہ تو نے مجھ کو اس کے بیچنے کا حکم کیا تھا اور کچھ نہیں کہا تو مؤکل کا قول معتبر ہوگا

قَالَ وَمَنْ قَالَ لِأَخْرَ أَمْرُكَ بَبَيْعِ عَبْدِي بِنَقْدٍ فَبَيْعَتْهُ بِنَيْسِنَةٍ وَقَالَ الْمَأْمُورُ أَمَرْتَنِي بِبَيْعِهِ وَلَمْ تَقُلْ شَيْئًا فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْأَمْرِ لِأَنَّ الْأَمْرَ يُسْتَفَادُ مِنْ جِهَتِهِ وَلَا دَلَالَةَ عَلَى الْإِطْلَاقِ

ترجمہ..... اگر ایک آدمی نے دوسرے سے کہا کہ میں نے تجھ کو اپنا غلام نقد کے عوض فروخت کرنے کا حکم کیا تھا۔ لیکن تو نے اس کو ادھار کے عوض بیچا ہے اور وکیل نے کہا کہ تو نے مجھ کو اس کے بیچنے کا حکم کیا تھا اور کچھ نہیں کہا تھا تو مؤکل کا قول معتبر ہوگا۔ اس لئے کہ حکم اسی کی طرف سے مستفاد ہے اور اطلاق پر کوئی دلالت نہیں ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مؤکل اور وکیل کے درمیان اختلاف ہوا اور مؤکل نے کہا کہ میں نے تجھ کو نقد کے عوض بیچنے کا وکیل کیا تھا۔ لیکن تو نے غلام کو ادھار کے عوض فروخت کیا ہے۔ اور وکیل نے کہا کہ ایسا نہیں بلکہ آپ نے تصرف کو مطلق رکھا تھا۔ یعنی صرف غلام بیچنے کا وکیل کیا تھا اور اس سے زائد کچھ نہیں کہا تھا۔ نقد کے عوض بیچنے کے لئے کہا تھا اور نہ ادھار کے عوض تو اس صورت میں مؤکل کا قول معتبر ہوگا کیونکہ امر مؤکل کی

طرف سے مستفاد ہوتا ہے اور جس کی طرف سے امر مستفاد ہوتا ہے وہ اپنے قول سے خوب واقف ہوتا ہے۔ لہذا اسی کا قول معتبر ہوگا۔ اور یہاں امر بالبیع کے مطلق ہونے پر چونکہ کوئی دلیل اور قرینہ بھی موجود نہیں ہے۔ اس لئے بھی اس امر بالبیع کے طلاق پر محمول نہیں کیا جائے گا۔

مضارب اور رب المال کا اختلاف ہو جائے تو مضارب کا قول معتبر ہوگا

قَالَ وَإِنْ اِخْتَلَفَ فِي ذَلِكَ الْمُضَارِبُ وَرَبُّ الْمَالِ فَقَوْلُ الْمُضَارِبِ لِأَنَّ الْأَصْلَ فِي الْمُضَارَبَةِ الْعُمُومُ
الْأَوَّلَى أَنَّهُ يَمْلِكُ التَّصَرُّفَ بِذِكْرِ لَفْظَةِ الْمُضَارَبَةِ فَقَامَتْ دَلَالَةُ الْإِطْلَاقِ بِخِلَافِ مَا إِذَا أَدْعَى رَبُّ الْمَالِ
الْمُضَارَبَةَ فِي نَوْعٍ وَالْمُضَارِبُ فِي نَوْعٍ آخَرَ حَيْثُ يَكُونُ الْقَوْلُ لِرَبِّ الْمَالِ لِأَنَّهُ سَقَطَ الْإِطْلَاقُ فِيهِ
بِتَصَادُقِهِمَا فَنَزَلَ إِلَى الْوَكَالَةِ الْمُحَصَّةِ ثُمَّ مُطْلَقُ الْأَمْرِ بِالْبَيْعِ يَنْتَظِمُهُ نَقْدًا وَنَسِئَةً إِلَى آخِرِ أَجَلٍ كَانَ عِنْدَ أَبِي
حَنِيفَةَ وَعِنْدَهُمَا يَتَقَيَّدُ بِأَجَلٍ مُتَعَارِفٍ وَالْوَجْهُ قَدْ تَقَدَّمَ

ترجمہ..... اور اگر اس میں مضارب اور رب المال نے اختلاف کیا تو مضارب کا قول معتبر ہوگا کیونکہ مضاربیت میں عموم اصل ہوتا ہے۔ کیا نہیں دیکھتے ہو کہ مضارب لفظ مضاربیت ذکر کرنے سے تصرف کا مالک ہو جاتا ہے۔ پس اطلاق پر دلالت قائم ہے اس کے برخلاف اگر رب المال نے ایک نوع کی مضاربیت کا دعویٰ کیا اور مضارب نے دوسری نوع کی تو رب المال کا قول معتبر ہوگا۔ اس لئے کہ دونوں کے اتفاق سے مضاربیت میں اطلاق ساقط ہو گیا ہے۔ پس اس کو وکالت محضہ کی طرف اتار لیا جائیگا۔ پھر مطلق امر بالبیع، بیع نقد اور بیع ادھار دونوں کو شامل ہوگا۔ ابو حنیفہ کے نزدیک ميعاد کوئی بھی ہو اور صاحبین کے نزدیک متعارف ميعاد کے ساتھ مقید ہوگا۔ اور جب پہلے گزر چکی ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مضاربیت کو مطلق رکھنے اور نقد کے ساتھ مقید کرنے میں رب المال اور مضارب نے اختلاف کیا۔ مثلاً رب المال نے دعویٰ کیا کہ میں نے مضارب کو یہ مال اس شرط پر دیا تھا کہ وہ اس کو نقد فروخت کرے اور مضارب نے کہا کہ نقد کی قید نہیں تھی بلکہ صرف مضاربیت کے لئے دیا تھا تو اس صورت میں مضارب کا قول معتبر ہوگا۔

دلیل..... یہ ہے کہ مضاربیت کا امر اگرچہ رب المال کی طرف سے مستفاد ہے لیکن رب المال کے دعویٰ کے خلاف اطلاق پر یعنی مضاربیت کے مطلق ہونے پر قرینہ اور دلیل موجود ہے اور قرینہ یہ ہے کہ مضاربیت میں اصل یہ ہے کہ وہ عام اور مطلق ہو۔ یہی وجہ ہے کہ رب المال نے اگر یہ کہا کہ میں نے یہ مال مضاربیت کے لئے دے دیا تو صرف اتنا کہنے سے مضاربیت متحقق ہو جائے گی اور مضارب کو تصرف کا اختیار حاصل ہو جائے گا۔ پس مضارب جو اطلاق کا مدعی ہے اس کا قول اصل کے موافق ہوگا اور جس کا قول اصل ہوتا ہے اس کو اصطلاح فقہ میں مدعی علیہ کہتے ہیں۔ لہذا مضارب مدعی علیہ ہوگا اور رب المال مدعی ہوگا اور مسئلہ اس صورت میں ہے جبکہ مدعی کے پاس بینہ موجود نہ ہو اور بینہ موجود نہ ہونے کی صورت میں چونکہ مدعی علیہ کا قول معتبر ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں مضارب (جو مدعی علیہ ہے) کا قول معتبر ہوگا۔

اس کے برخلاف اگر رب المال نے کپڑے کی ایک نوع میں مضاربیت کا دعویٰ کیا اور مضارب نے کپڑے کی دوسری نوع میں مضاربیت کا دعویٰ کیا مثلاً رب المال نے کہا کہ میں نے سوتی کپڑے میں مضاربیت کے لئے رقم دی تھی۔ اور مضارب نے کہا کہ آپ نے اونی کپڑے میں مضاربیت کے لئے فرمایا تھا تو اس صورت میں رب المال کا قول معتبر ہوگا کیونکہ رب المال اور مضارب دونوں اس بات پر متفق ہو گئے کہ مضاربیت مطلق نہیں ہے اس لئے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نے ایک نوع میں مضاربیت کا دعویٰ کیا ہے پس جب مضاربیت کا اطلاق ساقط ہو گیا تو اس عقد مضاربیت کو وکالت محضہ کے مرتبہ میں اتار لیا جائے گا۔ یعنی رب المال مؤکل ہوگا اور مضارب وکیل ہوگا اور پہلے گزر چکا ہے کہ مؤکل اور وکیل کے درمیان اختلاف کی صورت میں مؤکل کا قول معتبر ہوتا ہے۔ لہذا یہاں بھی رب المال جو مؤکل کے مرتبہ میں ہے اس کا قول معتبر ہوگا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ وکالت کی صورت میں مطلق امر بالبیع، بیع نقد اور بیع ادھار دونوں کو شامل ہوتا ہے یعنی مؤکل اگر کسی کو کوئی چیز فروخت کرنے کا وکیل کر دے اور اس امر کو مطلق رکھے۔ یعنی نہ نقد بیچنے کا ذکر کرے اور نہ ادھار بیچنے کا ذکر کرے تو اس صورت میں وکیل نقد اور ادھار دونوں طرح بیچنے کا مجاز ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ادھار کی صورت میں میعاد کچھ بھی ہو متعارف ہو یا غیر متعارف دونوں جائز ہیں۔ البتہ صاحبینؒ کے نزدیک ادھار میں میعاد متعارف کی قید ہوگی۔ یعنی صاحبینؒ کے نزدیک ادھار کی صورت میں وکیل میعاد متعارف پر فروخت کر سکتا ہے۔ چنانچہ اگر وکیل نے میعاد غیر متعارف پر فروخت کیا۔ مثلاً پچاس سال کے ادھار پر فروخت کیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک جائز ہوگا۔ لیکن صاحبینؒ کے نزدیک جائز نہ ہوگا۔

ایک آدمی نے دوسرے کو اپنا غلام بیچنے کا حکم کیا وکیل نے اس غلام کو بیچ دیا اور ثمن کے عوض اسے لے کیا پھر مال رہن وکیل کے قبضے میں ضائع ہو گیا یا وکیل نے ثمن کے بدلے کفیل لے لیا پھر مال اس پر ہلاک ہو گیا تو وکیل پر ضمان واجب نہ ہوگا

قَالَ وَمَنْ أَمَرَ رَجُلًا بِبَيْعِ عَبْدِهِ فَبَاعَهُ وَ أَخَذَ بِالثَّمَنِ رَهْنًا فَضَاعَ فِي يَدِهِ أَوْ أَخَذَ بِهِ كَفِيلًا فَتَوَى الْمَالَ عَلَيْهِ فَلَا ضَمَانَ عَلَيْهِ لِأَنَّ الْوَكِيلَ أَصِيلٌ فِي الْحُقُوقِ وَ قَبْضُ الثَّمَنِ مِنْهَا وَالْكَفَالَةُ تَوَثُّقٌ بِهِ وَالْإِرْتِهَانُ وَثِيقَةٌ لِجَانِبِ الْإِسْتِيفَاءِ فَيَمْلِكُهُمَا بِخِلَافِ الْوَكِيلِ بِقَبْضِ الدَّيْنِ لِأَنَّهُ يَفْعَلُ نِيَابَةً وَقَدْ أَنَابَهُ فِي قَبْضِ الدَّيْنِ ذُونَ الْكَفَالَةِ وَأَخَذَ الرَّهْنِ وَالْوَكِيلُ بِالْبَيْعِ يَقْبِضُ إِصَالَةً وَلِهَذَا لَا يَمْلِكُ الْمُوَكَّلُ الْمُوَكَّلَ حِجْرَهُ عَنْهُ

ترجمہ..... اگر ایک آدمی نے دوسرے کو اپنا غلام بیچنے کا حکم کیا پس وکیل نے اس غلام کو بیچ دیا اور ثمن کے عوض رہن لے لیا پھر مال رہن وکیل کے قبضے میں ضائع ہو گیا۔ یا وکیل نے ثمن کے واسطے کفیل لے لیا پھر مال اس پر ہلاک ہو گیا تو وکیل پر ضمان واجب نہ ہوگا۔ اس لئے کہ حقوق بیع میں وکیل، اصیل ہوتا ہے۔ اور ثمن پر قبضہ کرنا حقوق میں سے ہے اور کفیل لینا ثمن کے ساتھ مضبوطی اور رہن لے لینا بھی وصول کرنے کی جانب میں وثیقہ ہے پس وکیل دونوں کا مالک ہوگا۔ برخلاف قرضہ وصول کرنے کے وکیل کے اس لئے کہ وہ نیابت میں کام کرتا ہے اور مؤکل نے اس کو قرضہ پر قبضہ کرنے کا وکیل کیا ہے نہ کہ کفالت قبول کرنے اور رہن لینے کا اور وکیل بالبیع اصلۃً قبضہ کرتا ہے۔ اسی وجہ سے مؤکل، وکیل کو ثمن پر قبضہ کرنے سے روکنے کا مالک نہیں ہوگا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک آدمی نے دوسرے شخص کو اپنا غلام بیچنے کا وکیل کیا پس وکیل نے اس غلام کو فروخت کر دیا اور ثمن کے عوض وکیل نے مشتری سے رہن لے لیا اور وہ مال رہن وکیل کے قبضہ سے ہلاک ہو گیا یا وکیل نے مشتری سے ثمن پر کفیل لے لیا لیکن کفیل پر مال ہلاک ہو گیا۔ اس طور پر کہ کفیل اور مکفول عنہ یعنی (مشتری) دونوں مفلس ہو کر مر گئے یا کفیل مر گیا اور مکفول عنہ اس طرح غائب ہو گیا کہ اس کا ٹھکانہ معلوم نہ ہو۔ کیا کفیل مر گیا اور مکفول عنہ زندہ ہے مگر جب یہ مقدمہ قاضی کی عدالت میں پیش ہوا تو قاضی یا امام مالکؒ کے مذہب کے مطابق نفس کفالت سے برآۃً اصیل کا قائل ہے۔ پس اس نے اپنے عقیدہ اور مذہب کے مطابق اصیل کی برأت کا حکم کر دیا۔ تو ان تینوں صورتوں میں وہ مال ہلاک ہو گیا جو مشتری پر بطور ثمن واجب تھا۔ یعنی ان تینوں صورتوں میں ثمن کا وصول کرنا محذور ہو گیا۔ بہر حال رہن اور کفالت دونوں صورتوں میں وکیل پر مؤکل کے واسطے کوئی ضمان واجب نہ ہوگا۔ کیونکہ وکیل، حقوق عقد میں اصیل ہوتا ہے یعنی حقوق عقد اصلاً وکیل ہی کی طرف لوٹتے ہیں اور ثمن پر قبضہ کرنا یہ بھی حقوق عقد میں سے ہے اور ثمن وصول کرنے کے لئے مشتری سے کفیل لینا اور رہن لینا ثمن وصول کرنے کی جانب میں ایک وثیقہ اور مضبوطی کی چیز ہے یعنی کفیل لینا اور رہن لینا یہ دونوں ثمن وصول کرنے کے حق کو مضبوط ہی کرتے ہیں۔ پس جب ثمن وصول کرنا وکیل کا حق ہے تو کفیل لینا اور رہن

لینا جو اس حق کو مؤکد کرتے ہیں وہ بھی وکیل کے حقوق ہوں گے۔ اور وکیل ہی ان کا مالک ہوگا اور وکیل کے قبضہ سے اگر شمن ہلاک ہو جاتا تو وکیل پر اس کا ضمان واجب نہ ہوتا۔ کیونکہ شمن پر وکیل کا قبضہ، قبضہ امانت ہوتا ہے اور قبضہ امانت ہلاک ہونے کی وجہ سے ضمان واجب نہیں ہوتا ہے۔ لہذا وکیل پر شمن کا ضمان بھی واجب نہ ہوگا۔ پس رہن چونکہ شمن کا بدل اور اس کا قائم مقام ہے اس لئے اس کے ہلاک ہونے کی وجہ سے بھی وکیل پر ضمان واجب نہ ہوگا اور کفالت کی صورت میں بھی وکیل پر ضمان نہ ہوگا۔ کیونکہ اس صورت میں شمن ہی کا ہلاک ہونا پایا گیا ہے اور شمن ہلاک ہونے کی صورت میں وکیل پر ضمان واجب نہیں ہوتا ہے۔ لہذا اس صورت میں بھی ضمان واجب نہ ہوگا۔

اس کے برخلاف اگر کسی نے اپنا قرضہ وصول کرنے کے لئے کسی کو وکیل کیا اور پھر وکیل نے قرضہ کے عوض قرضدار سے رہن لے لیا تو وکیل کا یہ رہن لیان اور کفیل لینا جائز نہ ہوگا۔ چنانچہ اگر رہن وکیل کے قبضہ میں ہلاک ہو گیا یا کفیل اور مکفول عنہ (قرضدار) دونوں مفلس ہو کر مر گئے تو وکیل ضمان سے بری نہ ہوگا۔ بلکہ وکیل پر قرضہ کا ضمان واجب ہوگا۔ کیونکہ قرضہ وصول کرنے کا وکیل مؤکل کا نائب ہو کر قرضہ وصول کرتا ہے تو وہ صرف مؤکل کا قرضہ وصول کرنے کا مجاز ہوگا کیونکہ مؤکل نے اس کو صرف قرضہ وصول کرنے کا نائب کیا ہے اور کفیل لینے کا اور رہن لینے کا چونکہ اس کو وکیل اور نائب نہیں کیا ہے۔ اس لئے وہ قرضدار سے کفیل لینے اور رہن لینے کا مجاز نہ ہوگا۔ اور وکیل بالبیع چونکہ حقوق بیع میں اکیل ہوتا ہے۔ اس لئے وہ شمن پر اصل قبضہ کرتا ہے۔ نہ کہ نیابتی بھی وجہ ہے کہ مؤکل اس کو شمن پر قبضہ کرنے سے روکنے کا اختیار نہیں رکھتا ہے پس وکیل اس صورت میں مالک کے مرتبہ میں ہوگا اور مالک اگر شمن کے عوض لے لے یا شمن کے واسطے کفیل لے لے تو جائز ہے۔ لہذا وکیل بالبیع بھی رہن لینے اور کفیل لینے کا مجاز ہوگا۔

فصل

ایک شخص نے دو آدمیوں کو وکیل بنایا ایک کے لئے دوسرے کی عدم موجودگی میں تصرف کا اختیار نہیں
وَ اِذَا وُكِّلَ وَ كِلَيْنِ فَلَيْسَ لِأَحَدِهِمَا أَنْ يَتَصَرَّفَ فِيْمَا وَكَّلَا بِهِ دُونَ الْآخَرِ وَ هَذَا فِي تَصَرُّفٍ يَحْتَاجُ فِيهِ إِلَى الرَّأْيِ كَالْبَيْعِ وَ الْخُلْعِ وَ غَيْرِ ذَلِكَ لِأَنَّ الْمُوَكَّلَ رَضِيَ بِرَأْيِهِمَا لَا بِرَأْيِ أَحَدِهِمَا وَ الْبَدَلُ وَ إِنْ كَانَ مُقَدَّرًا وَلَكِنَّ التَّقْدِيرَ لَا يَمْنَعُ اسْتِعْمَالَ الرَّأْيِ فِي الزِّيَادَةِ وَ اخْتِيَارِ الْمُشْتَرَى

ترجمہ..... اور جب اس نے دو وکیل کئے تو ان میں سے ایک کے لئے بغیر دوسرے کے یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اس چیز میں تصرف کرے جس کا دونوں کو وکیل کیا گیا ہے اور نہ حکم ایسے تصرف میں ہے جس میں رائے کی ضرورت پڑتی ہے۔ جیسے بیع اور خلع وغیرہ کیونکہ مؤکل ان دونوں کی رائے پر راضی ہوا ہے نہ کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کی رائے پر اور بدل اگرچہ مقدار ہو لیکن معین کر دینا زیادتی اور مشتری کو پسند کرنے میں نہیں روکتا ہے۔
تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے دونوں آدمیوں کو ایک کلام کے ساتھ وکیل کیا۔ مثلاً یہ کہا کہ میں نے ان دونوں کو اپنا غلام بیچنے یا اپنی بیوی کے ساتھ خلع کا وکیل کیا تو ان دونوں وکیلوں میں سے کسی ایک کو بغیر دوسرے کی رائے کے اس شیء میں تصرف کا اختیار نہ ہوگا۔ جس میں ان دونوں کو وکیل کیا گیا ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم ایسے تصرف میں ہے جس میں رائے کی ضرورت ہوتی ہے۔ جیسے خلع، بیع وغیرہ تاکہ متعدد رائے سے اتفاق ہو کر مضبوطی حاصل ہو۔

دلیل..... یہ ہے کہ مؤکل نے جب دو شخصوں کو وکیل کیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مؤکل ان دونوں کی رائے پر راضی ہوا تھا نہ فقط ایک کی رائے پر اور جب مؤکل دونوں کی رائے پر راضی ہوا تھا تو ایک وکیل کے تصرف کرنے پر مؤکل راضی نہ ہوگا اور جب مؤکل اس پر راضی نہیں ہے تو صرف

ایک وکیل کو تصرف کا اختیار نہ ہوگا۔ بلکہ دونوں کی رائے کا اکٹھا ہونا ضروری ہے۔

والبدل وان كان مقدراً سے ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال یہ ہے کہ اگر عوض اور بدل متعین ہو جائے مثلاً موکل نے ایک ہزار روپیہ کے عوض غلام بیچنے کا وکیل کیا ایک ہزار کے عوض خلع کرنے کا وکیل کیا تو اس میں دونوں وکیلوں کی رائے کی کوئی ضرورت نہیں ہے پس جب اس میں رائے کی ضرورت نہیں ہے تو دونوں وکیلوں میں سے ہر ایک بغیر دوسرے کے اس تصرف کا مجاز ہونا چاہئے تھا۔ حالانکہ آپ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی دونوں کی رائے کا جمع ہونا ضروری ہے۔

جواب اس کا جواب یہ ہے کہ عوض متعین ہونے کی صورت میں اگرچہ متعینہ عوض میں کمی کرنا ممکن نہیں ہے۔ لیکن زیادہ کرنا تو ممکن ہے۔ یعنی عوض کی تعین اگرچہ کم کرنے کے لئے مانع ہے لیکن زیادہ کرنے کے لئے مانع نہیں ہے۔ پس دونوں وکیلوں کی رائے کا جمع ہونے سے بسا اوقات ثمن میں اضافہ ہو سکتا ہے بہر حال ثابت ہو گیا کہ اس صورت میں بھی دونوں کی رائے کا جمع ہونا مفید اور کارآمد ہے۔ نیز مشتری کبھی نادہندہ ہوتا ہے اس سے ثمن وصول کرنا بہت دشوار ہو جاتا ہے۔ پس ایسے مشتری کا انتخاب کرنے میں جو ادائے ثمن میں ٹال مٹول نہ کرتا ہو رائے مشورہ کی ضرورت پڑتی ہے پس اس سے بھی دونوں وکیلوں کی رائے کی ضرورت ثابت ہوگی اور جب دونوں وکیلوں کی رائے کی ضرورت ہے تو صرف ایک وکیل کو تصرف کا اختیار نہ ہوگا۔

اگر دونوں میں سے ہر ایک وکیل خصوصت ہو تو ایک دوسرے کی عدم موجودگی میں تصرف کر سکتا ہے

قَالَ إِلَّا أَنْ يُوكِّلَهُمَا بِالْخُصُومَةِ لِأَنَّ الْاجْتِمَاعَ فِيهَا مُتَعَدِّرٌ لِلْإِفْضَاءِ إِلَى الشَّعْبِ فِي مَجْلِسِ الْقَضَاءِ وَالرَّأْيُ يَحْتَاجُ إِلَيْهِ سَابِقًا لِتَقْوِيمِ الْخُصُومَةِ قَالَ أَوْ بَطْلَانِ زَوْجَتِهِ بِغَيْرِ عَوْضٍ أَوْ بَعْتِ عَبْدَهُ بِغَيْرِ عَوْضٍ أَوْ بَرَدَ وَدِيعَةً عِنْدَهُ أَوْ قَضَاءِ دَيْنٍ عَلَيْهِ لِأَنَّ هَذِهِ الْأَشْيَاءَ لَا يَحْتَاجُ فِيهَا إِلَى الرَّأْيِ بَلْ هُوَ تَغْيِيرٌ مَحْضٌ وَعِبَارَةٌ الْمَثْنَى وَالْوَاحِدِ سَوَاءٌ وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا قَالَ لَهُمَا طَلِّقَا إِنْ شِئْتُمَا أَوْ قَالَ أَمْرُهَا بِإِيْدِيْكُمْمَا لِأَنَّهُ تَفْوِيضٌ إِلَى رَأْيِهِمَا أَلَا تَرَى أَنَّهُ تَمْلِيْكٌ مُّقْتَصَرٌّ عَلَى الْمَجْلِسِ وَلِأَنَّهُ عَلَّقَ الطَّلَاقَ بِفِعْلِهِمَا فَاعْتَبَرَهُ بِدُخُولِهِمَا

ترجمہ مگر یہ کہ ان دونوں کو خصوصت کا وکیل کرے اس واسطے کہ اس میں دونوں کا جمع ہونا معتذر ہے کیونکہ یہ قاضی کی مجلس میں شور و شغب کا باعث ہوگا اور رائے کی ضرورت اس سے پہلے ہے تا کہ مقدمہ کو مضبوطی کے ساتھ قائم کرے۔ یا بغیر عوض اپنی بیوی کو طلاق دینے یا بغیر عوض اپنے غلام کو آزاد کرنے یا اپنے اس سے ودیعت واپس کرنے یا جو قرضہ اس پر ہے اس کو ادا کرنے کے واسطے دونوں کو وکیل اس لئے کہ یہ چیزیں ایسی ہیں جن میں رائے کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ محض موکل کے کلام کو ادا کرنا ہے اور دو اور ایک کا تعبیر کرنا دونوں برابر ہیں۔ اس کے برخلاف جب اس نے دونوں وکیلوں سے یہ کہا کہ اگر تم چاہو تو اس کو طلاق دے دو یا یہ کہا کہ اس کا معاملہ تم دونوں کے ہاتھ میں ہے اس لئے کہ یہ دونوں کی رائے پر سپرد کرنا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ یہ تمہیک مجلس پر منحصر ہے اور اس لئے کہ اس نے طلاق کو دونوں کے فعل پر معلق کیا ہے۔ پس تو اس کو ان دونوں کے دخول پر قیاس کر۔ تشریح صاحب قدوریؒ نے فرمایا تھا کہ اگر کسی شخص نے دو شخصوں کو وکیل کیا ہو تو ان میں سے ایک کو بغیر دوسرے کی رائے کے تصرف کا حق حاصل نہیں ہے لیکن چند صورتیں ایسی ہیں جہاں دو شخصوں کو وکیل کرنے کے باوجود ایک وکیل کا تصرف کرنا جائز اور کافی ہے۔ ان میں سے ایک صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے قاضی کی عدالت میں مقدمہ پیش کرنے کے لئے دو شخصوں کو وکیل کیا۔ لیکن ان میں سے ایک وکیل نے بغیر دوسرے کے مقدمہ پیش کر دیا تو یہ جائز ہے۔

اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مقدمہ پیش کرتے وقت مجلس قاضی میں لوگوں کا اجتماع معتذر ہے کیونکہ زیادہ لوگوں کے اکٹھا ہونے سے شور و شغب ہوگا۔ حالانکہ مجلس قاضی کو شور و شغب سے محفوظ رکھنا ضروری ہے اور مجلس قاضی کو شور و شغب سے محفوظ رکھنا اس لئے ضروری ہے کہ مقدمہ پیش

کرنے سے مقصود اظہار حق ہے اور شور و شغب کی وجہ سے یہ مقصود حاصل نہ ہوگا۔

دوسری وجہ..... یہ ہے کہ شور و شغب کی وجہ سے مجلس قاضی کی ہیبت ختم ہو جائے گی۔ حالانکہ اس کا باقی رہنا ضروری ہے۔ پس جب کسی نے مقدمہ پیش کرنے کے لئے دو شخصوں کو وکیل کیا حالانکہ اس کو معلوم ہے کہ ان دونوں کا جمع کرنا مستعذر ہے گویا وہ ان میں سے ایک کے مقدمہ پیش کرنے پر راضی ہو گیا اور جب مؤکل ایک کے مقدمہ پیش کرنے پر راضی ہو گیا تو ان میں سے صرف ایک وکیل کا عدالت قاضی میں مقدمہ پیش کرنا درست اور کافی ہوگا۔

الراى یتحتاج الیہ سابقا سے امام زمرہ کے قول کی تردید کرنا مقصود ہے۔ امام زمرہ نے فرمایا کہ صرف ایک وکیل کا مقدمہ پیش کرنا درست اور جائز نہیں ہے کیونکہ مقدمہ کو مضبوط کر کے پیش کرنے میں رائے مشورے کی ضرورت پڑی ہے اور مؤکل ان دونوں کی رائے پر راضی ہوا ہے۔ لہذا ان میں سے صرف ایک رائے پر اکتفا کرنا درست نہ ہوگا۔ بلکہ دونوں کی رائے کا جمع ہونا ضروری ہوگا۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں کی رائے کا جمع ہونا مقدمہ پیش کرنے سے پہلے ضروری ہے تاکہ مقدمہ کو مضبوطی سے قائم کیا جاسکے اور جب ایسا ہے تو دونوں وکیل مقدمہ پیش کرنے سے صلاح و مشورہ کر کے مقدمہ کو مضبوط کر دیں اور پھر مجلس قاضی میں ایک وکیل جا کر پیش کر دے۔ بہر حال یہ بات ثابت ہو گئی کہ مجلس قاضی میں مقدمہ پیش کرنے کے لئے ایک وکیل کا ہونا کافی ہے دونوں کا جمع ہونا ضروری نہیں ہے۔

دوسری صورت..... یہ ہے کہ دو شخصوں کو اس بات کا وکیل کرے کہ وہ دونوں بغیر عوض اس کی نیوی کو طلاق دے دیں اس صورت میں بھی ان میں سے تہا ایک وکیل کو طلاق دینے کا اختیار ہوگا۔

تیسری صورت..... یہ ہے کہ اگر اپنے غلام کو بغیر عوض آزاد کرنے کا دو شخصوں کو وکیل کیا تو بھی ان میں سے ایک وکیل آزاد کرنے کا مجاز ہے۔ چوتھی صورت..... یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس کسی کی ودیعت ہو اور یہ شخص دو شخصوں کو بس ودیعت کے واپس کرنے کا وکیل کرے تو صرف ایک وکیل اس ودیعت کو واپس کر سکتا ہے۔

پانچویں صورت..... یہ ہے کہ مؤکل پر جو قرضہ ہے اس کا ادا کرنے کے لئے مؤکل نے دو شخصوں کو وکیل کیا تو ان دونوں میں سے صرف ایک وکیل قرضہ ادا کر سکتا ہے۔

آخر کی چاروں صورتوں کی دلیل..... یہ ہے کہ ان چاروں صورتوں میں رائے مشورہ کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ توکیل صرف مؤکل کے کلام کو ادا کرنا ہے۔ یعنی طلاق، عتاق، ادائے ودیعت اور ادائے قرض میں وکیل کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ مؤکل کے کلام کو ادا کر دے اور کلام ادا کرنے میں ایک اور دو دونوں برابر ہیں کیونکہ معنی میں کوئی اختلاف نہیں۔ پس جس طرح دو آدمی مؤکل کے کلام کی ترجمانی کریں گے۔ اسی طرح ایک آدمی بھی کرے گا۔ ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ہاں اگر کسی شخص نے دو وکیلوں سے کہا کہ میری عورت کو اگر چاہو تو طلاق دے دو یا یہ کہا کہ اس عورت کا طلاق کا معاملہ تم دونوں کے اختیار میں ہے تو ان دونوں صورتوں میں صرف ایک وکیل کا تصرف کافی اور جائز نہ ہوگا۔ بلکہ دونوں کا تصرف ضروری ہے کیونکہ مؤکل نے طلاق کا معاملہ ان دونوں کی رائے کے سپرد کیا ہے۔ لہذا ان دونوں کی رائے کا جمع ہونا ضروری ہے۔ نیز مؤکل کا طلاقاھا ان شستما کہنا اور امرھا بایدی کہنا درحقیقت ان دونوں کو طلاق کا مالک بنانا ہے اور تملیک چونکہ مجلس پر منحصر ہوتی ہے۔ اس لئے یہ بھی مجلس پر منحصر ہے اور دونوں وکیل مجلس کے اندر اندر طلاق دینے کا مجاز ہیں۔

بہر حال جب دونوں صورتوں میں وکیلوں کو طلاق کا مالک کر دیا گیا ہے تو طلاق دینا دونوں کا ملوک ہو گیا اور جب طلاق دینا دونوں کا ملوک ہے تو ان دونوں میں سے ایک دوسرے کی ملک میں تصرف پر قادر نہ ہوگا۔ بلکہ دونوں کا تصرف کرنا ضروری ہوگا۔

دوسری دلیل..... یہ ہے کہ مؤکل نے طلاق کو دونوں وکیلوں کے فعل پر معلق کیا ہے۔ پس طلاق اسی وقت واقع ہوگی۔ جب دونوں وکیلوں کی

طرف سے طلاق دینے کا فعل متحقق ہو اور یہ ایسا ہے جیسے کوئی شخص دو آدمیوں کو مخاطب بنا کر یہ کہے ان دخلتما الدار فہی طلاق اگر تم دونوں مکان میں داخل ہو گئے تو میری اس بیوی کو طلاق ہے پس اس صورت میں اسی وقت طلاق واقع ہوگی۔ جب دونوں آدمی مکان میں داخل ہوں گے۔ اسی طرح اس پر قیاس کرتے ہوئے مذکورہ صورت میں اس وقت طلاق واقع ہوگی جب دونوں وکیل طلاق دیں گے۔

وکیل کسی دوسرے کو وکیل بنانے کا مجاز ہے یا نہیں

قَالَ وَلَيْسَ لِلْمُوكِّلِ أَنْ يُوكِّلَ فِيمَا وَكَّلَ بِهِ لِأَنَّهُ قُوَصَّ إِلَيْهِ التَّصَرُّفُ ذُوْنُ التَّوَكُّلِ بِهِ وَهَذَا لِأَنَّهُ رَضِيَ بِرَأْيِهِ وَالنَّاسُ مُتَّفَاقُونَ فِي الْأَرَاءِ قَالَ إِلَّا أَنْ يَأْذَنَ لَهُ الْمُوَكَّلُ لَوْجُودِ الرِّضَا أَوْ يَقُولَ لَهُ اعْمَلْ بِرَأْيِكَ لِإِطْلَاقِ التَّفْوِیْضِ إِلَى رَأْيِهِ وَإِذَا جَازَ فِي هَذَا الْوَجْهِ يَكُونُ الثَّانِي وَكَيْلًا عَنِ الْمُوَكِّلِ حَتَّى لَا يَمْلِكَ الْأَوَّلُ عَزْلَهُ وَلَا يَنْعَزِلُ بِمَوْتِهِ وَيَنْعَزِلُ لَأَنْ بِمَوْتِ الْأَوَّلِ وَقَدْ مَرَّ نَظِيرُهُ فِي آدَبِ الْقَاضِي

ترجمہ..... اور وکیل کو یہ حق نہیں ہے کہ جس کام میں اس کو وکیل کیا گیا ہے اس میں دوسرے کو وکیل کرے کیونکہ موکل نے وکیل کو اس کام میں تصرف کا اختیار دیا ہے اور اس کام میں وکیل کرنے کا اختیار نہیں دیا ہے اور یہ اس لئے کہ موکل اس کی رائے پر راضی ہوا ہے اور لوگوں کی رائیں مختلف ہیں مگر یہ کہ موکل اس کو اجازت دے دے کیونکہ رضامندی پائی گئی یا موکل وکیل سے کہہ دے کہ اپنی رائے پر عمل کر۔ کیونکہ اس کی رائے کے سپرد کرنا مطلق ہے اور جب اس صورت میں جائز ہے تو دوسرا موکل کی طرف سے وکیل ہوگا حتیٰ کہ وکیل اول اس کو معزول کرنے کا مالک نہیں ہے اور وکیل اول کی موت سے بھی وہ معزول نہ ہوگا اور موکل کی موت سے دونوں معزول ہو جائیں گے اور اس کی نظیر آدب القاضی میں گذر چکی ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ وکیل کو جس کام میں وکیل کیا گیا ہے وہ وکیل اس کام میں کسی دوسرے کو وکیل کرنے کا مجاز نہیں ہے۔ کیونکہ موکل نے وکیل کے سپرد اس کام میں تصرف کیا ہے جس کا اس کو وکیل کیا گیا ہے اور اس تصرف کے لئے کسی دوسرے کو وکیل کرنا اس کے سپرد نہیں کیا گیا تو وہ دوسرے آدمی کو وکیل کرنے کا مجاز بھی نہ ہوگا اور یہ عدم جواز تو وکیل اس لئے ہے کہ موکل صرف وکیل کی رائے پر راضی ہوا ہے اور لوگوں کی رائیں مختلف ہوتی ہیں۔ لہذا اس کی رائے پر راضی ہونے سے دوسرے کی رائے پر راضی ہونا لازم نہیں آتا اور جب ایسا ہے تو وکیل کو اپنے علاوہ کسی دوسرے کو اسی کام کے لئے وکیل کرنا موکل کے حکم کی خلاف ورزی ہے اور موکل کے حکم کی خلاف ورزی ناجائز ہے لہذا وکیل کے لئے کسی دوسرے کو وکیل کرنا بھی ناجائز ہے۔ لیکن اگر موکل اپنے وکیل کو اس بات کی اجازت دے دے تو وکیل کے لئے وکیل کرنا جائز ہوگا کیونکہ اس وقت تو وکیل وکیل پر موکل کی رضامندی موجود ہے یا موکل اپنے وکیل سے یہ کہہ دے کہ تو اپنی رائے پر عمل کر تو اس صورت میں بھی اس کے لئے وکیل کرنے کی اجازت ہوگی۔ کیونکہ اس صورت میں تصرف علی الاطلاق وکیل کی رائے کے سپرد کیا گیا ہے۔ لہذا موکل کی اجازت اور حکم کے تحت وکیل کا اپنے علاوہ کو وکیل کرنا بھی داخل ہوگا تو جب تو وکیل وکیل موکل کی اجازت کے تحت داخل ہے تو وکیل کا اپنے علاوہ کو وکیل کرنا بھی درست ہوگا۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ جب مذکورہ دو صورتوں میں تو وکیل وکیل جائز ہے تو وکیل ثانی، موکل کی طرف سے وکیل ہوگا نہ کہ وکیل اول کی طرف سے چنانچہ وکیل اول، وکیل ثانی کو معزول کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔ اور وکیل اول کی موت سے وکیل ثانی معزول نہ ہوگا۔ البتہ موکل کی موت سے دونوں معزول ہو جائیں گے۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ اس مسئلہ کی نظیر آدب القاضی میں باب الحکم سے پہلے فصل آخر کے تحت گذر چکی ہے۔

موکل کی اجازت کے بغیر وکیل نے آگے وکیل بنایا وکیل ثانی نے وکیل اول کی

موجودگی میں تصرف کیا جائز ہے

قَالَ فَإِنْ وَكَّلَ بِغَيْرِ إِذْنِ مُوَكِّلِهِ فَعَقَدَ وَكَيْلُهُ بِحَضْرَتِهِ جَازٌ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ حُضُورَ رَأْيِ الْأَوَّلِ وَقَدْ حَضَرَ

وَتَكَلَّمُوا فِي حُقُوقِهِ وَإِنْ عَقَدَ فِي حَالِ غَيْبَتِهِ لَمْ يَجْزِ لَأَنَّهُ قَاتَ رَأْيَهُ إِلَّا أَنْ يَبْلُغَهُ فَيُجْزِيَهُ وَكَذَا لَوْ بَاعَ غَيْرُ الْوَكِيلِ قَبْلَهُ فَاجَازَهُ لِأَنَّهُ حَصَرَ رَأْيَهُ وَلَوْ قَدَّرَ الْأَوَّلُ الثَّمَنَ لِلثَّانِي فَقَعَدَ بِغَيْبَتِهِ يَجُوزُ لِأَنَّ الرَّأْيَ يُحْتَاجُ إِلَيْهِ فِيهِ لِتَقْدِيرِ الثَّمَنِ ظَاهِرًا وَقَدْ حَصَلَ وَهَذَا بِخِلَافِ مَا إِذَا وَكَّلَ وَكَلِيلَيْنِ وَقَدَّرَ الثَّمَنَ لِأَنَّهُ لَمَّا فَوَّضَ إِلَيْهِمَا مَعَ تَقْدِيرِ الثَّمَنِ ظَهَرَ أَنَّ غَرَضَهُ اجْتِمَاعُ رَأْيِهِمَا فِي الزِّيَادَةِ وَاخْتِيارِ الْمُشْتَرِي عَلَى مَا بَيَّنَّاهُ أَمَّا إِذَا لَمْ يُقَدِّرِ الثَّمَنَ وَفَوَّضَ إِلَى الْأَوَّلِ كَانَ غَرَضُهُ رَأْيَهُ فِي مُعْظَمِ الْأَمْرِ وَهُوَ التَّقْدِيرُ فِي الثَّمَنِ

ترجمہ..... اور اگر وکیل اول نے مؤکل کی اجازت کے بغیر دوسرا وکیل کیا پس وکیل اول کے وکیل نے وکیل اول کی موجودگی میں عقد کیا تو جائز ہے اس لئے کہ مؤکل کا مقصود وکیل اول کی رائے کا موجود ہونا ہے اور وہ یہاں موجود ہے اور علماء نے اس عقد کے حقوق میں کلام کیا ہے۔

اور اگر وکیل ثانی نے وکیل اول کی عدم موجودگی میں عقد کیا تو جائز نہیں ہے کیونکہ وکیل اول کی رائے فوت ہوگئی مگر یہ کہ وکیل اول کو خبر پہنچے پھر وہ اس کی اجازت دیدے اسی طرح اگر وکیل ثانی کے علاوہ نے بیچا پھر وکیل اول کو خبر پہنچی اور اس نے اجازت دیدی کیونکہ وکیل اول کی رائے موجود ہوگئی اور اگر وکیل اول نے وکیل ثانی کے لئے ثمن کا اندازہ بیان کر دیا پھر وکیل ثانی نے وکیل اول کی عدم موجودگی میں عقد کیا تو جائز ہوگا کیونکہ بظاہر ثمن کا اندازہ کرنے کے لئے عقد میں رائے کی ضرورت ہوتی ہے اور رائے حاصل ہو چکی ہے اور یہ اس کے برخلاف ہے جب مؤکل نے دو وکیل کئے ہوں اور ثمن کا اندازہ بیان کر دیا ہو کیونکہ جب ثمن مقرر کرنے کے باوجود عقد دو وکیلوں کے سپرد کیا تو ظاہر ہو گیا کہ مؤکل کا مقصد ثمن بڑھانے اور مشتری پسند کرنے میں دونوں کی رائے کا جمع ہونا ہے چنانچہ ہم نے بیان کیا ہے لیکن جب ثمن کا اندازہ بیان نہیں کیا اور عقد وکیل اول کے سپرد کیا گیا تو مؤکل کی غرض سب سے بڑی بات یعنی تقدیر ثمن میں اس کی رائے طلب کرنا ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر وکیل نے اپنے مؤکل کی اجازت کے بغیر کسی کو اسی معاملہ میں وکیل کر دیا جس میں خود اس کو وکیل کیا گیا تھا اور وکیل ثانی نے وکیل اول کی موجودگی میں عقد کر لیا تو یہ عقد جائز اور نافذ ہوگا کیونکہ مؤکل کا مقصد یہ تھا کہ وکیل اول کی رائے موجود ہو اور مذکورہ صورت میں وکیل اول کی رائے موجود ہوگئی پس جب وکیل اول کی رائے موجود ہوگئی تو مؤکل کا مقصد حاصل ہو گیا اور جب مؤکل کا مقصد حاصل ہو گیا تو وکیل ثانی کا منعقد کردہ عقد بھی جائز ہوگا۔ البتہ علماء کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ وکیل ثانی کے منعقد کردہ عقد کے حقوق کس کی طرف راجع ہوں گے علماء کے درمیان اس بات میں اختلاف اس لئے پیدا ہوا کہ امام محمدؒ نے جامع صغیر میں اس مسئلہ کا کوئی حکم ذکر نہیں فرمایا ہے بہر حال بعض علماء نے کہا کہ اس عقد کے حقوق وکیل اول کی طرف راجع ہوں گے کیونکہ مؤکل اسی بات پر راضی ہوا ہے کہ ذمہ داریاں اور حقوق عقد وکیل اول کی طرف راجع ہوں۔ اور بعض علماء نے کہا کہ اس عقد کے حقوق وکیل ثانی کی طرف راجع ہوں گے کیونکہ سبب یعنی عقد وکیل ثانی ہی کی طرف سے پایا گیا ہے۔ نہ کہ وکیل اول کی طرف سے اور جس کی طرف سے سبب یعنی عقد موجود ہوتا ہے۔ حقوق اسی کی طرف لوٹتے ہیں اس لئے حقوق وکیل ثانی کی طرف راجع ہوں گے اور اگر وکیل ثانی نے وکیل اول کی عدم موجودگی میں عقد کیا تو یہ عقد جائز اور نافذ نہ ہوگا کیونکہ اس صورت میں وکیل اول کی رائے مفقود ہوگئی ہے اور جب وکیل اول کی رائے فوت ہوگئی تو مؤکل کا مقصد حاصل نہیں ہوا اور جب مؤکل کا مقصد حاصل نہیں ہوا تو عقد بھی جائز نہ ہوگا۔

ہاں اگر وکیل ثانی کے عقد کی خبر وکیل اول کو پہنچ گئی اور وکیل اول نے اس عقد کی اجازت دیدی تو وکیل اول کی رائے کے متحقق ہونے کی وجہ سے یہ عقد جائز اور نافذ ہو جائے گا۔ اسی طرح اگر وکیل کے علاوہ کسی اجنبی آدمی نے عقد کیا اور وکیل کو جب اس عقد کی خبر موصول ہوئی تو اس نے اس کی اجازت دیدی پس جو اس صورت میں بھی یہ عقد جائز ہو جائے گا کیونکہ اس صورت میں بھی وکیل کے اجازت دینے سے اس کی رائے موجود ہوگئی ہے۔ اور اگر وکیل اول نے وکیل ثانی کے سامنے اس چیز کا ثمن متعین کر دیا جس چیز کو بیچنے کا وکیل کیا گیا تھا۔ پھر وکیل ثانی نے وکیل اول کی عدم موجودگی میں اس چیز کو اس متعین کردہ ثمن کے عوض فروخت کر دیا تو یہ فروخت کرنا یعنی عقد کرنا جائز ہوگا۔ کیونکہ بظاہر عقد میں ثمن متعین کرنے کے

لئے رائے کی ضرورت پڑتی ہے اور یہ مقصد یعنی ثمن متعین کرنا حاصل ہو چکا ہے اور جب مقصود حاصل ہو چکا تو وکیل اول کا موجود رہنا ضروری نہ ہوگا۔ لیکن اگر کسی شخص نے سامان بیچنے کے لئے دو وکیل مقرر کئے اور موکل نے اس سامان کا ثمن بھی متعین کر دیا تو متعینہ ثمن کے عوض صرف ایک وکیل کا فروخت کرنا درست نہ ہوگا بلکہ دونوں وکیلوں کی رائے کا جمع ہونا ضروری ہے دلیل یہ ہے کہ موکل کا ثمن متعین کرنے کے باوجود مذکورہ شی کو فروخت کرنے کے لئے دو وکیلوں کو مقرر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ موکل کا مقصد یہ ہے کہ دو وکیلوں کی رائے اکٹھا ہونے سے متعین کردہ ثمن میں اضافہ ہو جائے۔ یا دونوں وکیل مل کر ایسا مشتری منتخب کریں جو ثمن ادا کرنے میں ٹال مٹول نہ کرے بہر حال جب ثمن متعین کرنے کے باوجود وکیل مقرر کرنے سے موکل کا یہ مقصد وابستہ ہے تو صرف ایک وکیل کا فروخت کرنا درست نہ ہوگا بلکہ دونوں کا ملا کر فروخت کرنا ضروری ہوگا۔ لیکن جب موکل نے ثمن متعین نہیں کیا بلکہ عقد بیع وکیل اول کے سپرد کر دیا تو اس صورت میں موکل کا مقصد یہ ہے کہ عقد بیع کے سبب سے انہم معاملہ یعنی ثمن متعین کرنے میں وکیل اول کی رائے موجود ہو پس جب وکیل اول نے بیع کا ثمن متعین کر دیا تو ثمن متعین کرنے میں وکیل کی رائے حاصل ہوگئی اور جب وکیل اول کی رائے حاصل ہوگئی تو اس صورت میں وکیل ثانی کا وکیل اول کی عدم موجودگی میں بیچنا بھی درست ہوگا۔

مکاتب نے یا غلام نے یا ذمی نے اپنی آزاد مسلمان صغیرہ بیٹی کا نکاح کیا یا اس کیلئے بیچا خرید اتو جائز نہیں

قَالَ وَإِذَا زَوَّجَ الْمُكَاتَبَ أَوْ الْعَبْدَ أَوْ الذِّيْ اِبْنَتَهُ وَهِيَ صَغِيرَةٌ حُرَّةٌ مُّسْلِمَةٌ أَوْ بَاعَ أَوْ اشْتَرَى لَهَا لَمْ يَجْزْ مَعْنَاهُ التَّصَرُّفُ فِي مَالِهَا لِأَنَّ الرِّقَّ وَالْكَفْرَ يَقْطَعَانِ الْوِلَايَةَ لَا يَرَى أَنَّ الْمَرْفُوقَ لَا يَمْلِكُ اِنْكَاحَ نَفْسِهِ فَكَيْفَ يَمْلِكُ اِنْكَاحَ غَيْرِهِ وَكَذَا الْكَافِرُ لَا وَِلَايَةَ لَهُ عَلَى الْمُسْلِمِ حَتَّى لَا تُقْبَلَ شَهَادَتُهُ عَلَيْهِ وَلَآئِنْ هَذِهِ وَِلَايَةٌ نَّظَرِيَّةٌ فَلَا بُدَّ مِنَ التَّفْوِيضِ إِلَى الْقَادِرِ الْمُشْفِقِ لِيَتَحَقَّقَ مَعْنَى النَّظَرِ وَالرِّقُّ يُزِيلُ الْقُدْرَةَ وَالْكَفْرُ يَقْطَعُ الشَّفَقَةَ عَلَى الْمُسْلِمِ فَلَا تَفْوُضَ إِلَيْهِمَا

ترجمہ..... اور جب مکاتب نے یا غلام نے یا ذمی نے اپنی آزاد مسلمان صغیرہ بیٹی کا نکاح کیا یا اس کے لئے بیچا خرید اتو جائز نہیں ہے اور اس کے معنی اس کے مال میں تصرف کرنا ہے۔ کیونکہ رقیّت اور کفر دونوں ولایت کو منقطع کر دیتے ہیں کیا نہیں دیکھتے ہو کہ مملوک اپنی ذات کا نکاح نہیں کر سکتا ہے تو غیر کا نکاح کیونکر کر سکے گا اور اسی طرح کافر کو مسلمان پر ولایت نہیں ہے۔ حتیٰ کہ مسلمان کے خلاف کافر کی گواہی قبول نہیں کی جاتی ہے اور اس لئے کہ یہ ولایت نظری ہے لہذا قادر مشفق کے سپرد کرنا ضروری ہے تاکہ نظر اور شفقت کے معنی متحقق ہو سکیں۔ اور رقیّت قدرت کو زائل کر دیتی ہے اور کفر مسلمان پر شفقت کو زائل کر دیتا ہے لہذا یہ ولایت ان دونوں کے سپرد نہ ہوگی۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مکاتب نے یا غلام نے یا ذمی نے اپنی آزاد مسلمان نابالغ بچی کا نکاح کیا یا اس کیلئے اس کا کوئی سامان فروخت کیا یا اس نے مال کے عوض اس کیلئے کچھ خریدا۔ تو یہ تمام تصرفات ناجائز ہوں گے متن میں بیع اور شراء سے مراد مطلق تصرف ہے یعنی ان حضرات کے لئے مذکورہ صغیرہ کے مال میں کسی طرح کے تصرف کا حق نہیں ہے اور دلیل یہ ہے کہ رقیّت اور کفر دونوں ولایت کو منقطع کر دیتے ہیں یعنی مذکورہ تصرفات ولایت کے قبیل سے ہیں۔ اور غلام اور مکاتب میں رقیّت اور ذمی میں کفر ان کی ولایت کو ختم کر دیتے ہیں چنانچہ جب مملوک کو خود اپنا نکاح کرنے کی ولایت حاصل نہیں ہے۔ تو دوسرے کا نکاح کرنے کی ولایت کیسے حاصل ہوگی کیونکہ دوسرے پر ولایت کا حاصل ہونا اس بات کی فرع ہے کہ خود اس کو اپنی ذات پر بھر حاصل ہو پس جب غلام اور مکاتب کو اپنی ذات پر ولایت حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔ اور یہ سب کس طرح حاصل ہوگی جبکہ کافر کو مسلمان پر ولایت حاصل نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کافر کی گواہی مسلمان پر قبول نہیں۔

وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا

تو اس کو مسلمان لڑکی کے نکاح پر ولایت کس طرح حاصل ہوگی۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ بچے اور بچیوں کیلئے جو ولایت ثابت ہے اس کا دار و مدار نظر اور شفقت پر ہے لہذا صغیر اور صغیرہ پر اسی کو ولایت حاصل ہوگی جو قادر بھی ہو اور مشفق بھی ہو حالانکہ رقیہ قدرت کو زائل کر دیتی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبْدًا مَمْلُوكًا لَا يَقْدِرُ عَلَى شَيْءٍ

اور کفر مسلمان پر شفقت کو ختم کر دیتا ہے۔

پس جب غلام اور مکاتب میں قدرت مفقود ہے اور ذمی کافر میں شفقت مفقود ہے تو ان کو ولایت بھی حاصل نہ ہوگی اور جب ان کو ولایت حاصل نہیں ہے تو ان کے تصرفات بھی معتبر نہ ہوں گے۔

مرتد جب اپنی ردت میں قتل کیا گیا تو اس کا تصرف اس نے مال میں نافذ ہے لیکن ولد اور

ولد کے مال میں موقوف ہے یہی حکم حربی کا ہے

وَقَالَ ابْنُ يَوْسُفَ وَمُحَمَّدُ الْمُرْتَدُّ إِذَا قُتِلَ عَلَى رِدَّتِهِ وَالْحَرْبِيُّ كَذَلِكَ لِأَنَّ الْحَرْبِيَّ أَبْعَدُ مِنَ الذِّمِّيِّ فَأَوْلَى بِسَلْبِ الْوِلَايَةِ وَأَمَّا الْمُرْتَدُّ فَتَصَرُّفُهُ فِي مَالِهِ إِنْ كَانَ نَافِذًا عِنْدَهُمَا لِكِنَّهُ مَوْفُوقٌ عَلَى وَلَدِهِ وَمَالٍ وَلَدِهِ بِالْإِجْمَاعِ لِأَنَّهَا وَلايَةٌ نَظَرِيَّةٌ وَذَلِكَ بِاتِّفَاقِ الْمِلَّةِ وَهِيَ مُتَرَدِّدَةٌ ثُمَّ تَسْتَقِرُّ جِهَةً الْإِنْقِطَاعِ إِذَا قُتِلَ عَلَى الرِّدَّةِ فَيَنْطَلُ وَبِالْإِسْلَامِ يُجْعَلُ كَأَنَّهُ لَمْ يَزَلْ كَانَ مُسْلِمًا فَيَصِحُّ

ترجمہ اور ابو یوسف اور امام محمدؒ نے کہا کہ مرتد جب اپنی ردت پر قتل کیا گیا اور حربی اسی طرح کیونکہ حربی، ذمی سے بعید تر ہے تو بدرجہ اولیٰ اس کی ولایت سلب ہوگی اور بہر حال مرتد تو صاحبین کے نزدیک اگرچہ اس کا تصرف اس کے مال میں نافذ ہے لیکن اس کا تصرف اس کے ولد اور اس کے ولد کے مال پر بالا جماع موقوف ہے کیونکہ یہ ولایت نظری ہے اور نظر و شفقت ملت کے متفق ہونے کی صورت میں ہوتی ہے حالانکہ مرتد کی ملت متردد ہے پھر جب وہ اپنی ردت پر قتل کر دیا گیا تو انقطاع کی جہت مستقر ہوگئی۔ پس اس کا تصرف باطل ہو جائے گا اور اسلام کی وجہ سے ایسا اقرار دیا جائے گا گو یا وہ برابر مسلمان رہا لہذا اس کا تصرف درست ہوگا۔

تشریح صاحبینؒ نے کہا کہ مرتد جب اپنی ردت پر قتل کیا گیا ہو اور حربی، ان دونوں کا تصرف ان کی مسلمان اولاد پر اور ان کے مال پر جائز نہیں ہے۔ اس لئے کہ حربی اگرچہ مستامن ہو ذمی سے بعید تر ہے یعنی ذمی، مسلمانوں سے قریب ہے بہ نسبت حربی کے اور پہلے گذر چکا ہے کہ ذمی کو مسلمان پر ولایت نہیں ہوتی لہذا حربی کو بدرجہ اولیٰ مسلمان پر ولایت حاصل نہ ہوگی اور رہا مرتد تو اس کا تصرف اپنے مال میں صاحبین کے نزدیک اگرچہ نافذ ہے لیکن اس کا تصرف اس کی اولاد اور اس کی اولاد کے مال پر بالا جماع موقوف ہے۔

یعنی مرتد اگر مسلمان ہو گیا تو اس کا تصرف جائز ہوگا اور اگر مسلمان نہ ہوا بلکہ قتل کر دیا گیا یا مر گیا یا دار الحرب میں چلا گیا تو اس کا تصرف نافذ نہ ہوگا کیونکہ باپ کی ولایت اولاد اور مال اولاد پر نظری ہے یعنی باپ کو اپنی اولاد اور اولاد کے مال پر ولایت اس لئے حاصل ہوتی ہے کہ باپ اولاد کے حق میں مشفق ہوتا ہے لیکن باپ بیٹے کے درمیان نظر و شفقت اسی وقت متحقق ہوتی ہے جبکہ ان دونوں کا مذہب اور ملت ایک ہو حالانکہ یہاں مرتد کی ملت متردد ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دوبارہ اسلام قبول کرے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کو اسلام کی توفیق نہ ہو۔

بہر حال جب مرتد کو بحالت ردت قتل کر دیا گیا تو باپ اور اولاد کے درمیان اتحاد ملت نہ ہونے کی وجہ سے اس کی ولایت کا منقطع ہونا متحقق

اشرف الہدایہ جلد دوم..... ۲۳۵ کتاب الوکالۃ
 ہو گیا اور جب اس کی ولایت کا منقطع ہونا تحقق ہو گیا تو اس کا تصرف بھی باطل ہو جائے گا اور اگر مرتد نے اسلام قبول کر لیا تو اسلام قبول کرنے کی وجہ سے ایسا ہو گیا۔ گویا وہ برابر مسلمان چلا آ رہا ہے اور جب اس صورت میں مسلمان چلا آ رہا ہے تو اتحاد ملت کی وجہ سے اس کی ولایت منقطع نہ ہوگی اور جب ولایت منقطع نہیں ہوتی تو اس کا تصرف بھی جائز اور نافذ ہوگا۔

بَابُ الْوَكَالَةِ بِالْخُصُومَةِ وَالْقَبْضِ

ترجمہ..... یہ باب خصومت کرنے اور قبضہ کرنے کی وکالت کے بیان میں ہے

وکیل بالخصومت وکیل بالقبض ہے یا نہیں

قَالَ الْوَكِيلُ بِالْخُصُومَةِ وَكَيْلٌ بِالْقَبْضِ عِنْدَنَا خِلَافًا لِزُفَرٍ هُوَ يَقُولُ إِنَّهُ رَضِيَ بِخُصُومَةٍ وَالْقَبْضِ غَيْرِ الْخُصُومَةِ وَلَمْ يَرْضَ بِهِ وَلَنَا أَنَّ مَنْ مَلَكَ شَيْئًا مَلَكَ اِتِمَامَهُ وَتَمَامَ الْخُصُومَةِ وَانْتِهَازَهَا بِالْقَبْضِ وَالْفَتْوَى الْيَوْمَ عَلَى قَوْلِ زُفَرٍ لَظْهُورُ الْحَيَاةِ فِي الْوَكَلَاءِ وَقَدْ يُؤْتَمَنُ عَلَى الْخُصُومَةِ مَنْ لَا يُؤْتَمَنُ عَلَى الْمَالِ وَنَظِيرُهُ الْوَكِيلُ بِالتَّقَابُضِ يَمْلِكُ الْقَبْضَ عَلَى أَصْلِ الرِّوَايَةِ لِأَنَّهُ فِي مَعْنَاهُ وَضْعًا إِلَّا أَنَّ الْعُرْفَ بِخِلَافِهِ وَهُوَ قَاضٍ عَلَى الْوَضْعِ فَالْفَتْوَى عَلَى أَنَّ لَا يَمْلِكُ

ترجمہ..... صاحب قدوری نے کہا کہ ہمارے نزدیک وکیل بالخصومت وکیل بالقبض بھی ہوتا ہے امام زفرؒ کا اختلاف ہے امام زفرؒ کہتے ہیں کہ مَوَکَل خصومت پر راضی ہوا ہے اور قبضہ، خصومت کے علاوہ ہے اور مَوَکَل اس پر راضی نہیں ہوا اور ہماری دلیل یہ ہے کہ جو شخص کسی چیز کا مالک ہو وہ اس کو پورا کرنے کا مالک ہو گیا۔

اور خصومت کو پورا کرنا اور اس کو انتہا تک پہنچنا قبضہ سے ہوتا ہے اور آج کل امام زفرؒ کے قول پر فتویٰ ہے۔ کیونکہ وکیلوں میں خیانت ظاہر ہو گئی اور کبھی اس شخص کی خصومت پر اطمینان ہوتا ہے جس کے مال وصول کرنے پر اطمینان نہیں ہوتا اس کی نظیر قرضہ طلب کرنے کا وکیل اصل روایت کے مطابق قبضہ کرنے کا مالک بھی ہوتا ہے کیونکہ لغت میں تقاضی قبضہ کے معنی میں ہے مگر یہ کہ عرف اس کی خلاف ہے اور عرف، وضع پر حاکم ہوتا ہے لیکن فتویٰ اس پر ہے کہ تقاضی کا وکیل قبضہ کا مالک نہ ہوگا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے ایک شخص نے دوسرے شخص پر قرضہ کا دعویٰ کیا اور مدعی نے خصومت اور مقدمہ کی پیروی کے لئے کسی کو وکیل کیا پس اگر مدعی علیہ پر قرضہ ثابت ہو گیا تو وکیل بالخصومت اس قرضہ کو وصول کرنے اور اس پر قبضہ کرنے کا وکیل ہوگا یا نہیں اس بارے میں اختلاف ہے احناف میں سے امام زفرؒ کے نزدیک وکیل بالخصومت وکیل بالقبض نہیں ہوگا امام شافعیؒ کا ظاہری قول بھی یہی ہے۔ امام مالک اور امام احمد کا مذہب بھی یہی ہے۔ اور امام شافعیؒ کا ایک قول وہ ہے جو امام صاحب اور صاحبین کا ہے۔

امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ خصومت اور قبضہ میں تغایر ہے کیونکہ خصومت وہ قول ہے جو اظہار حقوق کے لئے بولا جاتا ہے اور قبضہ فعل حسی ہے اور مَوَکَل وکیل کے خصومت کرے پر راضی ہوا ہے اس کے قبضہ کرنے پر راضی نہیں ہوا کیونکہ خصومت کے لئے ایسا آدمی منتخب کیا جاتا ہے جو تیز طراز اور چالاک ہو اور قبضہ کے لئے امانت آدمی کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

پس جو آدمی خصومت کی صلاحیت رکھتا ہے لوگ عادیۃً اس کی امانت و دیانت پر راضی نہیں ہوتے لہذا اثابت ہوا کہ مَوَکَل وکیل کی خصومت پر تو

راضی ہے لیکن اس کے قبضہ کرنے پر راضی نہیں اور جب مؤکل، وکیل بالخصوص کے قبضہ پر راضی نہیں ہے تو وکیل بالقض بھی نہ ہوگا۔ ہماری دلیل..... یہ ہے کہ اگر کسی شخص کو کسی چیز کا مالک بنایا گیا تو وہ اس کو مکمل کرنے اور اس کو انتہاء تک پہنچانے کا مالک ہوگا لہذا خصوصیت کا وکیل خصوصیت کو مکمل کرنے اور اس کو انتہاء تک پہنچانے کا وکیل ہوگا اور خصوصیت کی تکمیل قبضہ سے ہوتی ہے یعنی قرضہ کے سلسلہ میں خصوصیت کا وکیل جب تک قرضہ پر قبضہ نہیں کرے گا اس وقت تک اس کی خصوصیت مکمل نہ ہوگی اور جب قرضہ کی خصوصیت بغیر قبضہ کے مکمل نہیں ہوتی تو جو شخص خصوصیت کا وکیل ہوگا وہ قرضہ پر قبضہ کرنے کا وکیل بھی ضرور ہوگا خواہ مؤکل نے اس کو قبضہ کا وکیل کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ آج کل فتویٰ امام زفرؒ کے قول پر ہی دیا جائے گا کیونکہ آج کل وکیلوں میں خیانت زیادہ ہو گئی۔ اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک وکیل کی خصوصیت پر تو اعتماد و اطمینان ہوتا ہے لیکن اس کے مال وصول کرنے پر اطمینان نہیں ہوتا پس ایسی صورت میں اس کو خصوصیت کا وکیل تو کیا جاسکتا ہے لیکن قبضہ کا وکیل نہیں کیا جاسکتا بہر حال جب یہ بات ہے تو فتویٰ یہی ہوگا کہ خصوصیت کا وکیل خصوصیت ہی کا وکیل رہے گا اور قرضہ پر قبضہ کرنے کا وکیل نہ ہوگا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ اس مسئلہ کی نظیر یہ ہے کہ تقاضی یعنی قرضہ کی ادائیگی کے مطالبہ کا وکیل بمسوط کی روایت کے مطابق اس پر قبضہ کا وکیل بھی ہوگا یعنی جس شخص کو قرضہ دار کے قرضہ کے مطالبہ کرنے کا وکیل کیا گیا ہے وہی اس قرضہ پر قبضہ کرنے کا وکیل بھی ہوگا یعنی یہ وکیل مطالبہ بھی کرے گا اور اس پر قبضہ بھی کرے گا کیونکہ لفظ تقاضی لغت کے اعتبار سے قبضہ کے ہم معنی ہے پس جب یہ لفظ قبضہ کے ہم معنی ہے تو اس لفظ تقاضی کے ذریعہ وہ شخص مطالبہ اور قبضہ دونوں کا وکیل ہوگا۔ لیکن عرف لغت کے برخلاف ہے کیونکہ عرف میں لفظ تقاضی سے صرف مطالبہ کے معنی سمجھے جاتے ہیں اور قبضہ کے معنی نہیں سمجھے جاتے اور قاعدہ یہ ہے کہ عرف لغت سے رائج ہوتا ہے یعنی عرف اور لغت میں تعارض کے وقت عرف کو ترجیح دی جائے گی اور جب یہاں عرف رائج ہے تو فتویٰ اسی پر ہوگا کہ تقاضی اور مطالبہ کا وکیل، دین پر قبضہ کرنے کا وکیل نہیں ہوگا اور اس وکیل کو قرضہ پر قبضہ کا اختیار حاصل نہیں ہوتا۔

خصوصیت کے دو وکیل ہوں تو قرضہ پر دونوں ایک ساتھ قبضہ کر سکتے ہیں

قَالَ فَإِنْ كَانَا وَكَيْلَيْنِ بِالْخُصُومَةِ لَا يَقْبِضَانِ إِلَّا مَعًا لِأَنَّهُ رَضِيَ بِأَمَانَتِهِمَا لَا بِأَمَانَةِ أَحَدِهِمَا وَاجْتِمَاعُهُمَا مُمَكِّنٌ بِخِلَافِ الْخُصُومَةِ عَلَى مَأْمَرٍ

ترجمہ..... اور اگر خصوصیت کے دو وکیل ہوں تو قرضہ پر دونوں ایک ساتھ قبضہ کر سکتے ہیں اس لئے کہ مؤکل ان دونوں کی امانت پر راضی ہوا ہے نہ کہ ان دونوں میں سے ایک کی امانت پر اور ان دونوں کا جمع ہونا ممکن بھی ہے برخلاف خصوصیت کے چنانچہ گذر چکا۔ تشریح..... مسئلہ: اگر دو آدمی خصوصیت کے وکیل ہوں اور مال پر قبضہ کرنے کی نوبت آجائے تو یہ دونوں ملکر قبضہ کر سکتے ہیں صرف ایک قبضہ معتبر نہ ہوگا۔

دلیل..... یہ ہے کہ مؤکل دونوں وکیلوں کی امانت پر راضی ہوا ہے نہ کہ ان دونوں میں سے ایک کی امانت پر۔ لہذا دونوں کا قبضہ کرنا ضروری ہے اور ان دونوں کا اجتماع شرعاً ممکن بھی ہے۔

اس طور پر کہ دونوں وکیل ایک ساتھ جمع ہو کر قبضہ کر لیں۔ اس کے برخلاف خصوصیت کے دو وکیل کہ ان دونوں کا اجتماع چونکہ شرعاً ناممکن اور معذور ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

اس لئے خصوصیت کے لئے وکیلوں کے لئے مجلس قاضی میں اجتماع ضروری نہیں ہے بلکہ اگر ایک وکیل بھی مقدمہ پیش کر دے گا تو درست ہوگا۔

امام ابو حنیفہؒ کے نقطہ نظر میں قرضہ پر قبضہ کرنے کا وکیل خصومت کا بھی وکیل ہے

قَالَ وَالْوَكِيلُ بِقَبْضِ الدَّيْنِ يَكُونُ وَكَيْلًا بِالْخُصُومَةِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ لَوْ أُقِيمَتْ عَلَيْهِ الْبَيِّنَةُ عَلَى اسْتِيفَاءِ الْمُوَكَّلِ أَوْ إِبْرَائِيهِ تُقْبَلُ عَنْهُ وَقَالَ لَا يَكُونُ خَصْمًا وَهُوَ رَوَايَةُ الْحَسَنِ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ لِأَنَّ الْقَبْضَ غَيْرُ الْخُصُومَةِ وَلَيْسَ كُلُّ مَنْ يُؤْتَمَنُ عَلَى الْمَالِ يَهْتَدِي فِي الْخُصُومَاتِ فَلَمْ يَكُنِ الرِّضَاءُ بِالْقَبْضِ رِضَابَهَا وَلَا بَنَى حَنِيفَةَ أَنَّهُ وَكَلَهُ بِالتَّمْلِكِ لِأَنَّ الدَّيْنَ تَقْضَى بِأَمْثَالِهَا إِذَا قَبِضَ الدَّيْنُ نَفْسَهُ لَا يَتَصَوَّرُ إِلَّا أَنَّهُ جُعِلَ اسْتِيفَاءً لِعَيْنِ حَقِّهِ مِنْ وَجْهِ فَاشْتَبَهَ الْوَكِيلُ بِأَخِذِ الشُّفْعَةِ وَالرُّجُوعُ فِي الْهَبَةِ وَالْوَكِيلُ بِالْإِشْرَاءِ وَالْقِسْمَةِ وَالرَّدِّ بِالْعَيْبِ وَهَذِهِ أَشْبَهَ بِأَخِذِ الشُّفْعَةِ حَتَّى يَكُونُ خَصْمًا قَبْلَ الْقَبْضِ كَمَا يَكُونُ خَصْمًا قَبْلَ الْإِخْذِ هُنَاكَ وَالْوَكِيلُ بِالْإِشْرَاءِ لَا يَكُونُ خَصْمًا قَبْلَ مَبَاشَرَةِ الْإِشْرَاءِ هَذَا لِأَنَّ الْمُبَادَلَةَ تَقْتَضِي حُقُوقًا وَهُوَ أَصِيلٌ فِيهَا فَيَكُونُ خَصْمًا فِيهَا

ترجمہ..... اور قرضہ پر قبضہ کرنے کا وکیل امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خصومت کا وکیل بھی ہوگا حتیٰ کہ اگر وکیل پر بینہ کیا گیا کہ موکل قرضہ وصول کر چکا ہے یا موکل نے قرضدار کو بری کر دیا ہے تو امام صاحبؒ کے نزدیک یہ بینہ قبول کر لیا جائے گا۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ وکیل مدعی علیہ نہیں ہوگا یہی ایک روایت امام ابو حنیفہؒ سے حسن کی ہے اس لئے کہ قبضہ، خصومت کا غیر ہے اور یہ بات ضروری نہیں کہ جو شخص مال کے سلسلہ میں قابل اطمینان ہو وہ مقدمات کی پیروی بھی کر سکے لہذا موکل کا وکیل کے قبضہ پر راضی ہونا، اس کی خصومت راضی ہونا نہیں ہوگا اور ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ موکل نے اس کو مالک بننے کا وکیل کیا ہے اس لئے کہ دیون یا مثالیہ اداء کئے جائے ہیں کیونکہ عین دین پر قبضہ کرنا متصور نہیں ہے مگر اس کو من وجہ عین حق کا وصول کرنا قرار دیا گیا ہے پس قبضہ کا وکیل اس وکیل کے مشابہ ہو گیا جو شفعہ لینے، ہبہ واپس لینے، خریدنے کے واسطے، ہزارہ کے واسطے اور عیب کی وجہ سے واپس کرنے کے واسطے وکیل کیا گیا ہو اور وکالت بالقبض، شفعہ لینے کی وکالت سے زیادہ مشابہ ہے حتیٰ کہ وکیل بالقبض قبضہ کرنے سے پہلے قرضدار کے مقابلہ میں خصم ہوگا جیسا کہ وکیل شفعہ، شفعہ لینے سے پہلے ہی خصم ہو جاتا ہے اور وکیل بالشراء خریداری کرنے سے پہلے خصم نہیں ہوتا ہے یہ اس لئے کہ مبادلہ حقوق کو چاہتا ہے اور وکیل مبادلہ کے حقوق میں اصیل ہوتا ہے لہذا وہ ان حقوق کے بارے میں خصم ہوگا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ قرضہ پر قبضہ کرنے کا جو شخص وکیل ہوگا۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ شخص خصومت کا وکیل بھی ہوگا حتیٰ کہ اگر قرض دار نے اس وکیل کا بالقبض کے خلاف اس بات پر بینہ قائم کر دیا کہ موکل قرضہ وصول کر چکا ہے یا موکل نے قرضدار کو قرضہ سے بری کر دیا ہے تو امام صاحبؒ کے نزدیک یہ بینہ قبول کر لیا جائے گا۔

اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ قرضہ پر قبضہ کرنے کا وکیل خصومت کا وکیل نہیں ہوتا اور جب وکیل بالقبض خصومت کا وکیل نہیں ہوتا تو یہ وکیل قرضدار کا خصم اور مدعی علیہ بھی نہ ہوگا۔ اور جب یہ وکیل خصم اور مدعی علیہ نہیں ہوگا تو اس کے خلاف قرضدار کی طرف سے پیش کردہ بینہ بھی قبول نہ ہوگا۔ امام ابو حنیفہؒ سے حسن بن زیادؒ بھی ایک روایت یہی ہے اور امام شافعیؒ کا صحیح قول بھی یہی ہے اور ظاہر الروایہ کے مطابق امام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ صاحبینؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ قبضہ دین اور خصومت کے درمیان تغایر ہے۔ اور جب ان دونوں کے درمیان تغایر ہے تو وکیل بالقبض وکیل بالخصومت نہ ہوگا۔

دوسری دلیل..... یہ ہے کہ جس شخص کی دیانت اور امانت قابل اعتماد ہو اس کے لئے یہ ضروری نہیں کہ وہ مقدمہ کی پیروی بھی کر سکتا ہو یعنی بہت سے لوگ امانت و دیانت میں قابل اطمینان ہوتے ہیں لیکن مقدمات کی پیروی میں بالکل چوہٹ ہوتے ہیں پس ایسی صورت میں اگر موکل وکیل

کے قبضہ دین پر راضی ہو گیا تو اس سے وکیل کی خصوصیت اور مقدمہ کی پیروی کرنے پر راضی ہونا لازم نہیں آتا اور جب ایسا ہے تو وکیل بالقبض، وکیل بالخصوصیت نہ ہوگا۔

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مؤکل نے وکیل کو اس بات کا وکیل کیا ہے کہ قرضدار کے ذمہ جو قرضہ ہے اس کے مقابلہ میں وکیل جس پر قبضہ کرے گا اس مقبوض کا مالک ہو جائے اور یہ اس لئے کہا کہ دیون اور قرضے بالمشابہ اداء کئے جاتے ہیں اور باعیا نہ اداء نہیں کئے جاتے کیونکہ وہ وصف ہے جو قرضدار کے ذمہ ثابت ہو اور وصف پر قبضہ کرنا ناممکن ہے لہذا بعینہ دین اور قرضہ پر قبضہ کرنا بھی ناممکن ہوگا اس کی مثال یہ ہے کہ خالہ نے شاہد کو ایک سو روپیہ قرض دیا پس شاہد قرضدار نے اس روپیہ کو خرچ کر لیا تو اب قرضہ میں بعینہ یہ روپیہ وصول نہیں ہو سکتا اور جب یہ روپیہ وصول نہیں ہو سکتا تو لامحالہ قرضدار اس کے مثل اداء کرے گا اور جب قرضدار قرضہ کا مثل اداء کرے گا تو معلوم ہوا کہ وکیل اصل قرضہ کی بجائے اس کے مثل پر ملکیت حاصل کرے گا پس گویا مؤکل نے اس کو ملک حاصل کرنے کے واسطے وکیل کیا ہے لیکن اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ جب عین قرضہ وصول نہیں ہو سکتا تو یہ کہنا کیسے درست ہوگا کہ قرض خواہ نے اپنا قرضہ وصول کر لیا ہے حالانکہ یہ کہا جاتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قرضہ کے مثل جو چیز دی گئی ہے وہ مثل ہونے کی وجہ سے عین حق کے مساوی اور برابر ہے۔

اور جب وصول کردہ چیز عین حق کے مساوی ہے تو اس کو من وجہ عین حق کا وصول کرنا قرار دیا گیا اور جب اس کو من وجہ عین حق کا وصول کرنا قرار دیا گیا تو یہ کہنا بھی درست ہوگا کہ قرض خواہ نے اپنا قرضہ وصول کر لیا ہے۔

اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ قرضہ پر قبضہ کرنے کے وکیل کو اصل قرضہ کی مثل چیز پر مالک ہونے کا حق حاصل ہو جاتا ہے تو اس وکیل کو خصوصیت کا بھی حق حاصل ہے تو وہ قرضدار کے مقابلہ میں خصم اور مدعی علیہ بھی ہوگا اور جب وکیل بالقبض قرضدار کے مقابلہ میں خصم اور مدعی علیہ ہے تو قرضدار کی طرف سے پیش کردہ بیئہ بھی قبول ہوگا جیسے شفعہ لینے کا وکیل ہے کہ شفعہ لینے کا وکیل مشتری کے مقابلہ میں خصم ہو سکتا ہے چنانچہ اگر مشتری، شفعہ لینے کے وکیل کے مقابلہ میں اس بات پر بیئہ پیش کر دے کہ مؤکل نے مشتری کو شفعہ سپرد کر دیا ہے یعنی مؤکل مشتری کے حق میں حق شفعہ سے دستبردار ہو گیا ہے تو یہ بیئہ قبول ہوگا اسی طرح وکیل بالقبض، خصوصیت کا وکیل ہو سکتا ہے۔ اور جیسے ہبہ واپس لینے کا وکیل خصوصیت کا وکیل ہو سکتا ہے مثلاً مؤکل نے کسی کو کچھ ہبہ کیا پھر ایک وکیل کو بھیجا تا کہ موہوب لے سے ہبہ واپس لے پس موہوب لے نے وکیل پر بیئہ قائم کیا کہ واہب نے مجھ سے غنی موہوب کا عوض لے لیا ہے تو موہوب لے کا یہ بیئہ قبول ہوگا اور جیسے وکیل بالشراء کہ وہ خصم ہوتا ہے۔ چنانچہ حقوق عقد کا اس سے مطالبہ کیا جاتا ہے نہ کہ مؤکل سے۔

حتیٰ کہ اگر بائع نے بیئہ قائم کیا کہ وکیل بالشراء نے ثمن اداء نہیں کیا تو یہ بیئہ قبول ہوگا۔ اور جیسے مشترک چیز میں بٹوارہ کیلئے کسی نے کسی کو وکیل بنا کر بھیجا پس شریک نے بیئہ قائم کیا کہ اس کے مؤکل نے اپنا حصہ وصول کر لیا ہے تو یہ بیئہ قبول ہوگا اور جیسے مشتری نے عیب کی وجہ سے بیع واپس کرنے کا وکیل کیا اور بائع نے بیئہ قائم کیا کہ اس کا مؤکل اس عیب پر راضی ہو چکا ہے تو یہ بیئہ قبول ہوگا یہی حال قرضہ پر قبضہ کرنے کے وکیل کا ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ وکیل بقبض الدین وکیل باخذ الشفعہ سے زیادہ مشابہ ہے نہ نسبت وکیل بالشراء کے۔ کیونکہ قرضہ پر قبضہ کرنے کا وکیل قبضہ سے پہلے ہی قرضدار کے مقابلہ میں خصم قرار دیا جاتا ہے۔ اور رہا وکیل بالشراء تو وہ خریداری کرنے سے پہلے بائع کے مقابلہ میں خصم نہیں ہوتا بلکہ شراء اور خریداری کے بعد خصم ہوگا۔

هذا لأن المبادلة تقتضى الخ سے امام ابوحنیفہؒ کی طرف سے اصل مسئلہ پر ایک نکتہ بیان کیا گیا ہے نکتہ یہ ہے کہ مؤکل نے جب کسی کو مالک بناتے ہوئے قرضہ پر قبضہ کرنے کا وکیل کیا اور قرضہ میں وکیل کو اصل قرضہ کی مثل پر مالک ہونے کا حق حاصل ہوتا ہے تو قرضہ کی مثل کا وصول کرنا مبادلہ ہوا اور مبادلہ کچھ حقوق کا تقاضہ کرتا ہے یعنی تسلیم اور تسلیم کا۔

اور مبادلہ کا وکیل حقوق مبادلہ میں اصیل ہوتا ہے یعنی حقوق مبادلہ اسی کی طرف راجع ہوتے ہیں اور جب مبادلہ کا وکیل حقوق مبادلہ میں اصیل ہے تو وہ وکیل ان حقوق کے بارے میں خصم بھی ہوگا پس ثابت ہو گیا قرضہ پر قبضہ کرنے کا وکیل قرضدار کا خصم بھی ہوگا یعنی وہ خصومت کا وکیل بھی ہوگا۔

عین پر قبضہ کا وکیل خصومت کا وکیل نہیں

قَالَ وَالْوَكِيلُ بِقَبْضِ الْعَيْنِ لَا يَكُونُ وَكِيلاً بِالْخُصُومَةِ لِأَنَّهُ أَمِينٌ مَحْضٌ وَالْقَبْضُ لَيْسَ بِمُبَادَلَةٍ فَاشْبَهَ الرَّسُولَ حَتَّى أَنْ مَنْ وَكَّلَ وَكِيلاً بِقَبْضِ عَبْدِهِ فَأَقَامَ الَّذِي هُوَ فِي يَدَيْهِ الْبَيِّنَةَ عَلَى أَنَّ الْمُوَكَّلَ بَاعَهُ إِيَّاهُ وَقَفَّ الْأَمْرَ حَتَّى يَحْضَرَ الْغَائِبُ فِي هَذَا اسْتِحْسَانٌ وَالْقِيَاسُ أَنْ يَدْفَعَ إِلَى الْوَكِيلِ لِأَنَّ الْبَيِّنَةَ قَامَتْ لِأَعْلَى خَصْمٍ فَلَمْ تُعْتَبَرْ وَجْهُ الْإِسْتِحْسَانِ أَنَّهُ خَصَّمُ فِي قَصْرِ يَدِهِ لِقِيَامِ الْمُوَكَّلِ فِي الْقَبْضِ فَيَقْتَصِرُ يَدُهُ وَإِنْ لَمْ يَثْبُتِ الْبَيْعُ حَتَّى لَوْ حَضَرَ الْغَائِبُ تَعَادَ الْبَيِّنَةُ عَلَى الْبَيْعِ فَصَارَ كَمَا إِذَا أَقَامَ الْبَيِّنَةَ عَلَى أَنَّ الْمُوَكَّلَ عَزَلَهُ عَنْ ذَلِكَ فَإِنَّهَا تُقْبَلُ فِي قَصْرِ يَدِهِ كَذَارِهَا

ترجمہ..... اور عین شی پر قبضہ کرنے کا وکیل خصومت کا وکیل نہیں ہوگا اس لئے کہ وہ محض امین ہے اور قبضہ مبادلہ نہیں ہے پس وہ قاصد کے مشابہ ہو گیا۔ حتیٰ کہ اگر کسی نے کسی کو اپنا غلام وصول کرنے کا وکیل کیا پس وہ شخص جس کے قبضہ میں غلام ہے۔ اس نے اس بات پر بینہ قائم کیا کہ موکل نے وہ غلام اس کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے تو یہ معاملہ موقوف رہے گا یہاں تک کہ غائب حاضر ہو جائے اس میں استحسان ہے اور قیاس یہ ہے کہ غلام وکیل کو دیا جائے کیونکہ گواہی قائم ہوئی لیکن خصم پر نہیں لہذا یہ گواہی معتبر نہ ہوگی وجہ استحسان یہ ہے کہ وکیل اپنا قبضہ کوتاہ ہونے میں خصم ہے اس لئے کہ قبضہ کرنے میں وہ موکل کا قائم مقام ہے۔ پس اس کا قبضہ کوتاہ کیا جائے گا اگر بیع ثابت نہ ہو۔

حتیٰ کہ اگر غائب حاضر ہو گیا تو بیع پر بینہ کا اعادہ کیا جائے گا پس ایسا ہو گیا جیسا کہ جب قابض نے اس بات پر بینہ قائم کیا ہو کہ موکل نے اس وکیل کو قبضہ کرنے سے معزول کر دیا۔ لہذا بینہ اس کے قبضہ کے کوتاہ ہونے میں قبول کیا جائے گا ایسا ہی اس مقام پر گواہی قبول ہوگی۔

تشریح..... صورت مسئلہ ہے کہ اگر کسی کو عین شی پر قبضہ کرنے کا وکیل کیا تو یہ وکیل خصومت کا وکیل نہ ہوگا دلیل یہ ہے کہ اس صورت میں وکیل محض امین ہے اور اس صورت میں وکیل چونکہ موکل کے عین حق پر قبضہ کرے گا اس لئے یہ قبضہ مبادلہ نہ ہوگا۔

جیسا کہ اوپر والے مسئلہ میں قبضہ عین مبادلہ نہیں ہے۔ تو یہ قبضہ حقوق مبادلہ کا مقتضی بھی نہ ہوگا اور جب اس قبضہ سے حقوق ثابت نہیں ہوتے تو وکیل خصم بھی نہ ہوگا بلکہ اس مسئلہ میں وکیل کی حیثیت محض امین اور اپیلٹی کی ہوگی۔

چنانچہ اگر کسی نے کسی کو اپنے غلام پر قبضہ کرنے کا وکیل کیا اور غلام پر جس کا قبضہ ہے اس نے اس بات پر بینہ قائم کر دیا کہ موکل نے اپنا یہ غلام میرے ہاتھ فروخت کر دیا ہے تو یہ معاملہ موکل جو غائب ہے اس کے آنے تک موقوف رہے گا۔ یعنی نہ وکیل کو قبضہ دیا جائیگا اور نہ قبضہ دینے سے انکار کیا جائیگا۔

اور یہ حکم استحسان ہے لیکن قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ غلام وکیل کو دیدیا جائے۔ اور قابض کے بینہ کی طرف التفات نہ کیا جائے وجہ یہ ہے کہ وکیل بقبض العین چونکہ وکیل بالخصومت نہیں ہوتا اس لئے یہاں وکیل خصم نہ ہوگا اور جب وکیل خصم نہیں ہے تو قابض کا پیش کردہ بینہ کسی خصم اور مدعی علیہ کے خلاف نہ ہوگا اور جو بینہ خصم پر قائم نہ ہو اس کا اعتبار نہیں ہوتا لہذا قابض کے اس بینہ کا اعتبار نہیں کیا گیا تو غلام پر وکیل کے قبضہ کو نہیں روکا جاسکتا ہے بلکہ وکیل کو غلام پر قبضہ دیدیا جائے گا وجہ استحسان یہ ہے کہ قابض کا پیش کردہ بینہ دو چیزوں پر ہے ایک تو اس بات پر کہ موکل نے اپنا یہ غلام قابض کو فروخت کر دیا ہے لہذا غلام سے موکل کی ملک زائل ہوگئی دوم اس بات پر کہ وکیل کا قبضہ کوتاہ ہو گیا ہے۔ یعنی

وکیل اس غلام پر قبضہ کرنے کا مجاز نہیں ہے پہلی چیز میں تو وکیل بلاشبہ قابض کا خصم نہیں ہے لیکن دوسری چیز میں وکیل قابض کا خصم ہے۔ پس پہلی چیز جس میں وکیل خصم نہیں ہے اس میں قابض کا بیہ قبول نہ ہوگا یعنی قابض کا موکل سے اس غلام کو خریدنا ثابت نہ ہوگا اور اس غلام سے موکل کی ملک زائل نہ ہوگی لیکن دوسری چیز جس میں وکیل خصم ہے اس میں قابض کا پیش کردہ بیہ قبول ہوگا اور اس کے نتیجے میں وکیل کا قبضہ کوتاہ ہو جائے گا۔

یعنی وکیل غلام پر قبضہ کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر موکل جو غائب تھا آگیا تو قابض کے لئے موکل کی موجودگی میں بیع پر دوبارہ بیہ قائم کرنا ضروری ہوگا کہ بیع نے موکل سے اس غلام کو خرید لیا ہے۔ اور بیع ثابت کرنے کے لئے سابقہ بیہ جو موکل کی عدم موجودگی میں قائم کیا تھا قبول نہ ہوگا کیونکہ وکیل اس سلسلہ میں قابض کا خصم نہیں تھا لہذا اس سلسلہ میں قابض کی طرف سے وکیل پر پیش کردہ بیہ معتبر نہ ہوگا اور جب سابقہ بیہ معتبر نہیں ہے تو قابض کے لئے بیع ثابت کرنے کے واسطے دوبارہ بیہ پیش کرنا ضروری ہوگا۔

یہ مسئلہ ایسا ہو گیا جیسا کہ قابض نے اس بات پر بیہ قائم کیا کہ موکل نے وکیل کو غلام پر قبضہ کرنے سے معزول کر دیا ہے تو یہ بیہ وکیل کا قبضہ کوتاہ کرنے کے حق میں قبول کر لیا جائے گا اسی طرح مذکورہ مسئلہ میں قابض کا بیہ صرف وکیل کا قبضہ کوتاہ کرنے کے حق میں قبول ہوگا اور بیع ثابت کرنے کے حق میں قبول نہ ہوگا۔

مذکورہ بالا حکم طلاق اور عتاق کا بھی ہے

قَالَ وَكَذَلِكَ الْعِتَاقُ وَالطَّلَاقُ وَغَيْرُ ذَلِكَ مَعْنَاهُ إِذَا أَقَامَتِ الْمَرْأَةُ الْبَيِّنَةَ عَلَى الطَّلَاقِ وَالْعِتَاقِ عَلَى الْعِتَاقِ عَلَى الْوَكِيلِ بِسُقْلِهِمْ تُقْبَلُ فِي قَصْرِ يَدِهِ حَتَّى يَحْضُرَ الْغَائِبُ اسْتِحْسَانًا دُونَ الْعِتَاقِ وَالطَّلَاقِ

ترجمہ..... اور یہی حکم عتاق اور طلاق وغیرہ کا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر عورت نے طلاق پر بیہ قائم کیا اور غلام اور باندی نے عتاق پر اس وکیل کے سامنے جو ان کو لینے آیا تھا تو استحساناً وکیل کا قبضہ کوتاہ کرنے میں یہ بیہ قبول کیا جائے گا یہاں تک کہ غائب حاضر ہو نہ کہ عتق اور طلاق میں۔

تشریح..... صاحب جامع صغیر نے کہا اگر کسی شخص نے اپنی بیوی لانے کے واسطے کسی کو وکیل بنا کر بھیجا۔ یا کسی نے اپنا غلام یا باندی لانے کے واسطے کسی کو وکیل بنا کر بھیجا پس جب وکیل نے اپنے موکل کی بیوی کو لانے کا ارادہ کیا تو اس نے بیہ قائم کیا کہ میرا شوہر یعنی اس کا موکل مجھ کو طلاق دے چکا ہے یا غلام یا باندی نے بیہ قائم کیا کہ میرا آقا یعنی اس کا موکل مجھ کو آزاد کر چکا ہے تو استحساناً یہ بیہ وکیل کے قبضہ کو کوتاہ کرنے میں قبول کر لیا جائے گا یعنی اس بیہ کی وجہ سے وکیل موکل کی بیوی یا غلام یا باندی پر قبضہ کرنے کا مجاز نہ ہوگا لیکن یہ بیہ طلاق اور عتاق کے حق میں قبول نہ ہوگا یعنی اس بیہ کی وجہ سے نہ عورت پر طلاق واقع ہوگی اور نہ غلام اور باندی آزاد ہوں گے ہاں اگر موکل جو غائب تھا حاضر ہو گیا تو طلاق اور عتاق ثابت کرنے کے لئے اس کی موجودگی میں دوبارہ بیہ پیش کرنا ضروری ہوگا۔ سابقہ بیہ کافی نہ ہوگا۔

وکیل بالخصوص مت نے قاضی کے پاس اپنے موکل پر کچھ اقرار کیا تو وکیل کا اقرار موکل پر جائز ہوگا

قَالَ وَإِذَا أَقَرَّ الْوَكِيلُ بِالْخُصُومَةِ عَلَى مُوَكَّلِهِ عِنْدَ الْقَاضِي جَازَ إِفْرَارُهُ عَلَيْهِ وَلَا يَجُوزُ عِنْدَ غَيْرِ الْقَاضِي عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ اسْتِحْسَانًا إِلَّا أَنَّهُ يَخْرُجُ مِنَ الْوَكَالَةِ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ يَجُوزُ إِفْرَارُهُ عَلَيْهِ وَإِنْ أَقَرَّ فِي غَيْرِ مَجْلِسِ الْقَضَاءِ وَقَالَ زُفَرٌ وَالشَّافِعِيُّ لَا يَجُوزُ فِي الْوَجْهَيْنِ وَهُوَ قَوْلُ أَبِي يُوسُفَ أَوْلَاوَهُو الْقِيَاسُ لِأَنَّهُ مَأْمُورٌ بِالْخُصُومَةِ وَهِيَ مُنَازَعَةٌ وَالْإِفْرَارُ يُضَادُّهُ لِأَنَّهُ مُسَالَمَةٌ وَالْأَمْرُ بِالشَّيْءِ لَا يَتَنَوَّلُ صِدَّهِ وَلِهَذَا لَا يَمْلِكُ الصُّلْحَ وَالْإِبْرَاءَ وَيَصِحُّ إِذَا اسْتَشْنَى الْإِفْرَارَ وَكَذَلِكَ لَوْ وَكَّلَهُ بِالْجَوَابِ مُطْلَقًا يَتَقَيَّدُ بِجَوَابِ هُوَ خُصُومَةُ

لَجَرَيَانَ الْعَادَةِ بِذَلِكَ وَلِهَذَا يُخْتَارُ فِيهِ الْاَهْدَىٰ فَلَا هُدَىٰ وَجْهَ الْاِسْتِحْسَانِ اَنَّ التَّوَكُّلَ صَحِيحٌ قَطْعًا وَصَحَّتْهُ يَتَنَاوَلُهُ مَا يَمْلِكُهُ قَطْعًا وَذَلِكَ مُطْلَقُ الْجَوَابِ دُونَ أَحَدِهِمَا عَيْنًا وَطَرِيقُ الْمَجَازِ مَوْجُودٌ عَلَىٰ مَا نُبَيِّنُهُ اِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَىٰ فَيُصَرَّفُ اِلَيْهِ تَحْرِيًا لِلصَّحَّةِ قَطْعًا

ترجمہ..... اور اگر وکیل بالخصوص نے اپنے موکل پر قاضی کے پاس کچھ اقرار کیا تو وکیل کا اقرار موکل پر جائز ہوگا اور قاضی کے علاوہ کے پاس امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک استحساناً جائز نہیں ہے مگر وکیل وکالت سے خارج ہو جائے گا اور ابو یوسف نے کہا موکل پر وکیل کا اقرار جائز ہے اگر چہ مجلس قضاء میں اقرار کیا ہو اور امام شافعیؒ اور امام زفرؒ نے کہا کہ دونوں صورتوں میں جائز نہیں ہے اور یہی ابو یوسف کا پہلا قول ہے اور یہی قیاس ہے اس لئے کہ یہ وکیل خصوصت پر مامور ہے اور خصوصت جھگڑا ہے اور اقرار اس کی ضد ہے کیونکہ اقرار مصالحت ہے اور امر بالشی اس کی ضد کو شامل نہیں ہوتا ہے اسی لئے وکیل صلح کرنے اور بری کرنے کا مالک نہیں ہوتا ہے۔ اور توکیل صحیح ہے جبکہ اقرار کا استثناء کیا ہو اسی طرح اگر اس کو مطلقاً جواب کا وکیل کیا تو یہ توکیل، جواب یعنی خصوصت کے ساتھ مقید ہوگی کیونکہ اس پر عادت جاری ہے اسی وجہ سے اس میں ایسے شخص کو اختیار کرے گا جو خصوصت میں ہوشیار ہو پھر اس کے بعد جو ہوشیار ہو اور وجہ استحسان یہ ہے کہ توکیل قطعاً صحیح ہے۔ اور اس کی صحت اس کو شامل ہے جس کا موکل قطعاً مالک ہے اور وہ مطلق جواب ہے۔ نہ کہ ان دونوں میں سے کوئی ایک متعین طریقہ پر مجاز کا طریقہ موجود ہے چنانچہ ہم انشاء اللہ اس کو بیان کریں گے تو قطعاً طلب صحت کے لئے وکالت کو اسی مجاز کی طرف پھیرا جائے گا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر خصوصت کے وکیل نے اپنے موکل کے خلاف قاضی کی عدالت میں اقرار کیا تو وکیل کا یہ اقرار موکل کے خلاف جائز ہے۔ وکیل اگر مدعی کا ہو تو وکیل کے اقرار کا مطلب یہ ہے کہ مدعی یعنی موکل نے اپنے مال پر قبضہ کر لیا ہے اور اگر مدعی علیہ کا وکیل ہو تو اقرار کا مطلب یہ ہے کہ وکیل اپنے موکل یعنی مدعی علیہ پر وجوب مال کا اقرار کرے۔ اور اگر قاضی کی عدالت کے علاوہ کسی دوسری جگہ اقرار کیا تو یہ اقرار ناجائز ہے اور یہ حکم یعنی قاضی کی مجلس میں جواز اور غیر قاضی کی مجلس میں عدم جواز کا حکم طرفین کے نزدیک استحسان ہے لیکن وکیل جب غیر قاضی کے پاس اقرار کرے گا تو وہ وکالت سے نکل جائے گا اور وکیل کو مال نہیں دیا جائے گا یعنی اگر وکیل مدعی کی طرف سے ہو اور غیر قاضی کے پاس اس بات کا اقرار کرے کہ مدعی نے مال پر قبضہ کر لیا تو طرفین کے نزدیک استحساناً اگرچہ یہ اقرار جائز نہیں ہے لیکن وکیل وکالت سے خارج ہو جائے گا اور مدعی علیہ پر مال ثابت ہونے کی صورت میں وکیل کو یہ مال نہیں دیا جائے گا کیونکہ وکیل کے خیال کے مطابق مدعی اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے پس جب مدعی کے بارے میں وکیل کا یہ خیال ہے تو یہ مدعی کا وکیل کیسے ہو سکتا ہے اور جب مدعی کا وکیل نہیں رہا تو یہ مال پر قبضہ کرنے کا مجاز بھی نہ ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ وکیل کا اقرار اس کے موکل پر جائز ہے۔ اگرچہ وکیل غیر مجلس قاضی میں اقرار کرے یعنی مجلس قاضی اور غیر قاضی دونوں صورتوں میں وکیل کا اقرار اس کے موکل کے خلاف جائز نہیں ہے اسی کے قائل امام مالکؒ، امام احمدؒ اور ابن ابی لیلیٰ ہیں یہی امام ابو یوسفؒ کا پہلا قول ہے اور یہی قیاس کا مقتضی ہے قیاس کی وجہ اور امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ خصوصت کا وکیل خصوصت جھگڑے کرنے کا وکیل ہے اور اقرار جھگڑے کی ضد ہے اس لئے کہ خصوصت ایسے کلام کا نام ہے جو دو آدمیوں کے درمیان مشاجرۃ اور منازعت (جھگڑے) کے طور پر واقع ہو اور اقرار ایسے کلام کا نام ہے جو مصالحت اور موافقت کے طور پر واقع ہو اور ان دونوں کا باہم متضاد ہونا ظاہر ہے بہر حال اقرار، خصوصت کی ضد ہے اور امر بالشی کی ضد میں شامل نہیں ہوتا لہذا وہ وکیل جس کو خصوصت کرنے پر مامور کیا گیا ہے وہ فقط خصوصت (جھگڑا) کرنے کا مجاز ہوگا اور اس کی ضد یعنی اقرار کرنے کا مجاز نہ ہوگا اور جب وکیل بالخصوصت اقرار کا مجاز نہیں ہے تو اس کا اقرار مجلس قاضی اور غیر مجلس قاضی دونوں میں جائز اور معتبر نہ ہوگا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ امر بالشی چونکہ اس کی ضد کو شامل نہیں ہوتا ہے اس لیے وکیل بالخصوصت صلح کرنے اور بری کرنے کا مالک نہ ہوگا۔ یعنی مدعی کا وکیل بالخصوصت اگر مدعی علیہ سے صلح کرنا چاہے یا اس کو قرض سے بری کرنا چاہے تو اس کو یہ اختیار نہ ہوگا کیونکہ خصوصت صلح اور ابراء دونوں کی

ضد ہے اس طور پر کہ صلح کے لئے ضروری ہے کہ وکیل مدعی کا مدعی علیہ سے کچھ حق چھوڑ کر باقی کو وصول کر لے حالانکہ وکیل بالخصوص مت پر احق وصول کرنے پر مامور ہے اور ابراء میں مدعی کا پورا حق ساقط کیا جائے گا حالانکہ وکیل بالخصوص مت اس کو وصول کرنے پر مامور ہے۔

بہر حال صلح اور ابراء چونکہ خصومت کی ضد ہیں اس لئے وکیل بالخصوص مت مدعی علیہ سے صلح کرنے اور اس کو بری کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ وکیل کے اقرار کے جائز نہ ہونے کی یہ بھی دلیل ہے کہ اگر توکیل بالخصوص مت سے اقرار کا استثناء کر دیا جائے تو توکیل بالخصوص مت درست ہوگی مثلاً مؤکل نے کہا کہ میں نے تجھ کو خصومت کا وکیل بنانا اس شرط کے ساتھ کہ تو مجھ پر اقرار نہیں کرے گا تو اس استثناء کے باوجود توکیل بالخصوص مت درست ہے پس اقرار کا استثناء کرنے کے باوجود توکیل بالخصوص مت کا درست ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ توکیل بالخصوص مت، اقرار کو شامل نہیں ہے اور اقرار توکیل بالخصوص مت کے حقوق میں سے نہیں ہے چنانچہ اگرچہ اقرار، توکیل بالخصوص مت کے حقوق میں سے ہوتا ہے اور توکیل بالخصوص مت اقرار کو شامل نہیں ہوتی تو اقرار کا استثناء صحیح نہ ہوتا جیسے توکیل بالخصوص مت سے انکار کا استثناء صحیح نہیں ہے یعنی اگر کسی نے کہا کہ میں نے تجھ کو خصومت وکیل اس شرط کے ساتھ کیا کہ تو مجھ پر انکار نہیں کرے گا یعنی تیرا انکار کرنا مجھ پر جائز نہ ہوگا تو یہ توکیل باطل ہوگی کیونکہ انکار توکیل بالخصوص مت کے حقوق میں سے ہے اور توکیل بالخصوص مت انکار کو شامل ہے امام زفر اور امام شافعیؒ نے اپنے مذہب کی تائید میں یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ اگر ایک شخص نے کسی کو مطلقاً جواب دہی کا وکیل کیا تو توکیل خصومت یعنی انکار کے ساتھ مقید ہوگی یعنی مطلق جواب اگرچہ اقرار اور انکار دونوں کو شامل ہے لیکن عرف اور عادت جاری ہونے کی وجہ سے یہ وکالت مطلقہ فقط انکار کے ساتھ مقید ہوگی یعنی اس صورت میں وکیل بالخصوص مت فقط انکار کرنے کا مجاز ہوگا اور اقرار کا مجاز نہ ہوگا اسی وجہ سے وکیل بالخصوص مت کے لئے ایسے شخص کو اختیار کیا جائے گا جو خصومت اور جھگڑا کرنے میں ہوشیار ہو یہاں ہوشیار آدمی کا انتخاب کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ توکیل مطلقہ خصومت اور انکار کے ساتھ مقید ہوگی ورنہ اقرار کرنے کیلئے کسی ہوشیار آدمی کی ضرورت نہیں ہوتی۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ یہ مسئلہ امام زفرؒ اور دوسرے احناف کے درمیان خود مختلف فیہ ہے لہذا اس مسئلے کو استثنیٰ میں پیش کرنا درست نہیں ہے وجہ امتحان یہ ہے کہ توکیل بالخصوص مت بالا جماع قطعی طور پر صحیح اور درست ہے اور توکیل بالخصوص مت اس لئے درست ہے کہ یہ توکیل ہر اس چیز کو شامل ہے جس کا بلاشبہ مؤکل مالک ہے یعنی اگر مؤکل کو کسی فعل کا اختیار نہ ہو تو اس کام کے واسطے وکالت جائز نہیں ہوتی پس یہاں اس وکالت میں ہر ایسا فعل داخل ہے جس کا مؤکل مجاز ہے اور مؤکل مطلق جواب کا مجاز ہے یعنی مؤکل اقرار بھی کر سکتا ہے اور انکار بھی کر سکتا ہے متعین طور سے اقرار یا انکار کا مجاز نہیں ہے بلکہ ہر ایک کا مجاز ہے بہر حال جب مؤکل اقرار اور انکار دونوں کا مجاز ہے تو وکیل بالخصوص مت کو بھی مؤکل کا نائب ہونے کی وجہ سے اقرار و انکار ہر ایک کا اختیار حاصل ہوگا۔ اور توکیل بالخصوص مت سے مطلقاً جواب مراد لینا جائز ہے اور خصومت اور مطلق جواب کے درمیان طریق مجاز موجود بھی ہے اس طور کہ خصومت سبب ہے جواب کا اور سبب بول کر مسبب مراد لینا یہ بھی مجاز کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے اس کو آئندہ بیان کریں گے پس اس توکیل بالخصوص مت کو مجازاً مطلق جواب کی توکیل کی طرف پھیرا جائے گا تاکہ مؤکل کا کلام قطعی طور سے صحیح اور درست ہو سکے۔

مؤکل نے اقرار کا استثناء کیا تو یہ استثناء درست ہے یا نہیں

وَلَوْ اسْتَشْنَى الْاِقْرَارَ فَقَنْ اَبَى يُوسُفُ اَنَّهُ لَا يَصِحُّ لِاَنَّهُ لَا يَمْلِكُهُ وَعَنْ مُحَمَّدٍ اَنَّهُ يَصِحُّ لِاَنَّ لِلتَّصْنِصِ زِيَادَةً دَلَالَةً عَلَىٰ مِلْكِهِ اِيَّاهُ وَعِنْدَ الْاِطْلَاقِ يُحْمَلُ عَلَى الْاَوَّلَىٰ وَعَنْهُ اَنَّهُ فَصَلَ بَيْنَ الطَّالِبِ وَالْمَطْلُوبِ وَلَمْ يَصَحِّهِ فِي الثَّانِي لِكَوْنِهِ مَجْبُورًا عَلَيْهِ وَيُخَيَّرُ الطَّالِبُ فِيْهِ فَبَعْدَ ذَلِكَ يَقُولُ أَبُو يُوْسُفَ اِنَّ الْوَكِيْلَ قَائِمٌ مَّقَامَ الْمُوَكَّلِ وَاقْرَارُهُ لَا يَخْتَصُّ بِمَجْلِسِ الْقَضَاءِ فَكَذَا اِقْرَارُ نَائِبِهِ وَهُمَا يَقُولَانِ اِنَّ التَّوَكِيْلَ يَتَنَاوَلُ جَوَابًا يُسَمَّى خُصُومَةً حَقِيْقَةً اَوْ مَجَازًا اَوْ الْاِقْرَارُ فِيْ مَجْلِسِ الْقَضَاءِ خُصُومَةٌ مَجَازًا اِمَّا لِاَنَّهُ خَرَجَ فِيْ مُقَابَلَةِ الْخُصُومَةِ اَوْ لِاَنَّهُ سَبَبٌ لِّهٖ لِاَنَّ الظَّاهِرَ اِتْيَانُهُ بِالْمُسْتَحَقِّ عِنْدَ طَلَبِ الْمُسْتَحَقِّ وَهُوَ الْجَوَابُ فِيْ مَجْلِسِ الْقَضَاءِ فَيَخْتَصُّ بِهِ

لَکِنْ اِذَا اُقِیْمَتِ الْبَیِّنَةُ عَلٰی اِفْرَادِهِ فِیْ غَیْرِ مَجْلِسِ الْقَضَاءِ یَخْرُجُ مِنَ الْوُکَالَةِ حَتّٰی لَا یُؤْمَرُ بِدَفْعِ الْمَالِ اِلَیْهِ لِاَنَّهُ صَارَ مُنَافِضًا وَصَارَ کَاِلَابٍ اَوْ الْوَصِیِّ اِذَا اَقْرَفَ فِیْ مَجْلِسِ الْقَضَاءِ لَا یَصِحُّ وَلَا یُدْفَعُ الْمَالُ اِلَیْهِ

ترجمہ..... اور اگر مؤکل نے اقرار کا استثناء کیا تو ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ استثناء درست نہیں ہے کیونکہ مؤکل استثناء کا مالک نہیں ہے اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ اقرار کا استثناء درست ہے کیونکہ تصریح کرنے کی وجہ سے اس بات پر زیادہ دلالت ہوگئی کہ مؤکل انکار کا مالک ہے اور اطلاق کے وقت اولیٰ پر محمول کیا جائے گا۔

اور امام محمدؒ سے یہ بھی روایت ہے کہ انھوں نے طالب اور مطلوب کے درمیان فرق کیا ہے اور غانی (مطلوب) میں استثناء کو صحیح قرار نہیں دیا کیونکہ مطلوب ترک انکار پر مجبور ہوتا ہے اور طالب اس میں مختار ہوتا ہے پھر اس کے بعد امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ وکیل، مؤکل کا قائم مقام ہوتا ہے اور مؤکل کا اقرار مجلس قضاء کے ساتھ خاص نہیں ہوتا ہے پس اسی طرح اس کے نائب کا اقرار۔ اور طرفینؒ فرماتے ہیں کہ وکیل بالخصوص ایسے جواب کو شامل ہے جو حقیقۃً خصوصیت ہو یا مجازاً خصوصیت ہو اور مجلس قاضی میں اقرار کرنا مجازاً خصوصیت ہے یا اس لئے کہ اقرار خصوصیت کے مقابلہ میں واقع ہوا ہے یا اس لئے کہ خصوصیت اقرار کا سبب ہے۔

اس لئے کہ ظاہر یہی ہے کہ مُسْتَحَقُّ کے مطالبہ کے وقت مستحق ہی کے ساتھ جواب دیا جائے گا اور یہ مستحق وہی جواب ہے جو قاضی کی مجلس میں ہے پس قاضی کی مجلس کیساتھ جواب خصوصیت مختص ہوگا لیکن اگر غیر مجلس قضاء میں وکیل کے اقرار پر بینہ قائم کیا گیا تو وکیل وکالت سے خارج ہو جائے گا حتیٰ کہ اس کو مال دینے کا حکم نہیں دیا جائے گا کیونکہ وہ مناقض ہو گیا جیسے باپ یا وصی جب مجلس قاضی میں اقرار کرے تو یہ اقرار صحیح نہ ہوگا اور اس کو مال نہ دیا جائے گا۔

تشریح..... سابق میں صاحب ہدایہ نے امام زفرؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل کے ذیل میں استثناء کے طور پر فرمایا تھا کہ وکیل بالخصوصیت سے اقرار کا استثناء کرنا درست ہے اور اقرار کے استثناء کا درست ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ اقرار حقوق وکیل میں سے نہیں ہے اور وکیل بالخصوصیت اقرار کو شامل نہیں ہے اور جب وکیل بالخصوصیت اقرار کو شامل نہیں ہے تو وکیل کا اپنے مؤکل پر اقرار کرنا نہ مجلس میں معتبر ہوگا اور نہ غیر مجلس قاضی میں اسی استثناء کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اقرار کے استثناء کا درست ہونا ہمیں تسلیم نہیں ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اقرار کا استثناء درست نہیں ہے۔

جیسا کہ امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے اور اقرار کے استثناء کا درست نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ مؤکل اس کا مالک نہیں ہے اور مؤکل اقرار کے استثناء کا مالک اس وجہ سے نہیں ہے کہ اگر اس کو اقرار کے استثنائی کا مالک بنا دیا گیا تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ مؤکل صرف انکار کا مالک ہو یعنی مؤکل انکار کرتا رہے خواہ حق پر ہو یا باطل پر ہو حالانکہ یہ بات شرعاً جائز نہیں ہے۔ بحر حال جب بقول امام ابو یوسفؒ وکیل بالخصوصیت سے اقرار کا استثناء کرنا درست نہیں ہے تو اس سے استثناء کرنا بھی درست نہ ہوگا اور اگر یہ بات تسلیم کر لیں کہ اقرار کا استثناء درست ہے جیسا کہ امام محمدؒ سے روایت ہے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ اقرار حقوق وکیل میں سے نہیں ہے بلکہ مؤکل کا اقرار کے استثناء کی صراحت کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مؤکل انکار کا مالک ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ مؤکل کا انکار کرنا اس لئے جائز ہے کہ بہت ممکن ہے کہ مؤکل کا خصم حق پر ہو لیکن جب مؤکل نے اقرار کے استثناء کی صراحت فرمادی تو اس سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ مؤکل کو پورا پورا یقین ہے کہ اس کا خصم باطل پر ہے پس جب خصم کے باطل پر ہونے کا یقین ہے تو مؤکل کے لئے انکار متعین ہو گیا ہے۔

اور جب مؤکل کے لئے خصم کی بات کا انکار متعین ہو گیا تو اس کے لئے اقرار کا استثناء کر کے صرف انکار کا وکیل کرنا درست اور جائز ہو گیا۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ اگر تو وکیل بالخصوصیت مطلق ہو یعنی اقرار کا استثناء نہ کیا گیا ہو تو اس کو وکیل کو اس پر محمول کیا جائے گا جو مسلمان کے حال کے مناسب ہو اور مسلمان کے حال کے مناسب مطلق جواب ہے یعنی وکیل کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ اقرار کرے یا انکار کرے اور جھگڑا اور

صرف انکار کرتے رہنا مسلمان کے حال کے مناسب نہیں ہے جس کی یہ ہے کہ مطلق جواب تمام احوال میں جائز ہے اور جھگڑا اور صرف انکار کرتے رہنا حرام ہے اور توکیل بالحرام بھی حرام۔ لہذا مسلمان ظاہر حال کی رعایت کرتے ہوئے اس توکیل کو مجاز یعنی جواب پر محمول کریں گے۔ بہر حال یہ بات ثابت ہوگئی کہ توکیل بالخصوصم کے مطلق ہونے کی صورت میں وکیل مطلقاً جواب کا مالک ہوگا، اقرار اور انکار دونوں کا اختیار ہوگا۔

صاحب ہدایہؒ نے فرمایا کہ امام محمدؒ سے مروی ہے کہ انھوں نے مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان فرق کیا ہے یعنی اگر توکیل بالخصوصم مدعی کی جانب سے ہو تو مدعی کے لئے انکار کا استثناء کرنا درست ہے کیونکہ مدعی کو اصل خصوصم میں اختیار ہے وہ مدعی علیہ کی بات کا اقرار بھی کر سکتا ہے اور اس کا انکار بھی کر سکتا ہے پس جب مدعی کو دونوں باتوں کا اختیار ہے تو اس کے حق میں اقرار کا استثناء کرنا مفید ہوگا یعنی وہ اپنے وکیل کو کہہ سکتا ہے کہ تجھ کو اقرار کا اختیار نہیں ہے۔ اور اگر مدعی علیہ کی جانب سے توکیل بالخصوصم ہو تو مدعی علیہ کے لئے اقرار کا استثناء کرنا درست نہیں ہے کیونکہ اقرار کا استثناء مدعی علیہ کے حق میں مفید نہ ہوگا اس لئے کہ مدعی نے جو دعویٰ کیا ہے وہ اس کو بینہ کے ذریعہ ثابت کرے گا یا مدعی علیہ سے بینہ کا مطالبہ کرے مدعی علیہ کو اقرار کرنے پر مجبور کرے گا مگر چونکہ ایمان اور قسموں میں نیابت جاری نہیں ہوتی ہے اس لئے وکیل بینہ کو اپنے مؤکل پر محمول کرے گا اور جب بینہ مؤکل پر محمول ہوگی تو مؤکل اقرار پر مجبور ہو سکتا ہے اور جب مؤکل اقرار پر مجبور ہو گیا تو اس کے حق میں اقرار کا استثناء درست نہ ہوگا۔

فبعد ذالک سے اختلاف کی طرف رجوع کرتے ہوئے مصنف ہدایہؒ نے فرمایا ہے کہ جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ توکیل بالخصوصم سے مطلق جواب مراد ہوتا ہے یعنی وکیل بالخصوصم کے لئے اپنے مؤکل پر اقرار کرنا بھی جائز ہے تو حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ یہ اقرار مجلس قاضی اور غیر مجلس قاضی دونوں میں برابر ہے یعنی وکیل بالخصوصم اپنے مؤکل پر مجلس قاضی میں اقرار کرے یا غیر مجلس قاضی میں اقرار کرے دونوں صورتوں میں جائز ہے کیونکہ وکیل اپنے مؤکل کا قائم مقام ہوتا ہے لہذا مؤکل جن چیزوں کا مالک ہے وکیل بھی ان چیزوں کا مالک ہوگا اور مؤکل کا اقرار مجلس قاضی کے ساتھ مختص نہیں ہوتا بلکہ مجلس قاضی اور غیر مجلس قاضی دونوں میں اس کا اقرار معتبر ہوتا ہے۔ لہذا اس کے نائب یعنی وکیل کا اقرار بھی مجلس قاضی کے ساتھ مختص نہ ہوگا بلکہ دونوں جگہ معتبر ہوگا۔ رہی یہ بات کہ مؤکل کا اقرار مجلس قاضی کے ساتھ مختص کیوں نہیں ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ مؤکل کا اقرار بنفسہ موجب ہوتا ہے اور مجلس قاضی کے ساتھ وہ چیز مختص ہوتی ہے جو بنفسہ موجب نہ ہو بلکہ بینہ یا انکار عن الیسین کے ساتھ ملکر موجب ہو۔

اور طرفینؒ فرماتے ہیں کہ مجلس قاضی اور غیر مجلس قاضی میں فرق ہے یعنی مجلس قاضی میں وکیل کا اپنے مؤکل پر اقرار معتبر ہے اور غیر مجلس قاضی میں معتبر نہیں ہے اور اس فرق کی دلیل یہ ہے کہ پہلے گزر چکا ہے کہ توکیل بالخصوصم، مطلق جواب کی طرف راجع ہوگی اور مطلق جواب اپنے عموم کی وجہ سے حقیقت یعنی خصوصم (انکار) کو بھی شامل ہوگا اور مجاز یعنی اقرار کو بھی شامل ہوگا۔

خلاصہ یہ کہ وکیل انکار بھی کر سکتا ہے اور اقرار بھی کر سکتا ہے البتہ انکار، حقیقۃً خصوصم ہے اور اقرار مجازاً خصوصم ہے۔ لیکن اقرار صرف مجلس قاضی میں مجازاً خصوصم ہوتا ہے اور غیر مجلس قاضی میں خصوصم نہیں ہوتا نہ حقیقہ اور نہ مجازاً حقیقۃً خصوصم نہ ہونا تو ظاہر ہے اور مجازاً اس لئے خصوصم نہیں ہوگا کہ اقرار مجازاً اس لئے خصوصم ہوتا ہے کہ وہ جواب ہے حالانکہ غیر مجلس قاضی میں جواب معتبر نہیں ہوتا پس جب غیر مجلس قاضی میں جواب معتبر نہیں ہوتا تو غیر مجلس قاضی میں اقرار مجازاً خصوصم بھی نہ ہوگا اور جب غیر مجلس قاضی میں اقرار مجازاً خصوصم نہیں ہے تو اس اقرار کا اعتبار بھی نہ ہوگا۔ کیونکہ وہی اقرار معتبر ہے جو مجازاً خصوصم ہو۔ بہر حال ثابت ہو گیا کہ غیر مجلس قاضی میں وکیل کا اقرار معتبر اور جائز نہیں ہے۔

رہی یہ بات کہ مجلس قاضی میں اقرار مجازاً خصوصم کیسے ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو اس لئے کہ اقرار خصوصم کے مقابلہ میں واقع ہوا ہے یعنی خصوصم اور اقرار کے درمیان تقابل ہے پس یہاں احد المتقابلین یعنی خصوصم بول کر آخر یعنی اقرار مراد لیا گیا ہے اور احد المتقابلین کا اطلاق آخر پر مجازاً جائز ہے جیسے باری تعالیٰ کے قول فاستعدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم میں جزاء عددان کا نام مجازاً عددان رکھ دیا گیا جزاء سینۃ سینۃ مثلاً میں جزاء سینۃ کا نام مجازاً سینۃ رکھ دیا گیا ہے اور یا اقرار مجازاً خصوصم اس لیے ہے کہ خصوصم اقرار کا سبب ہے پس سبب (اقرار) کو سبب۔

(خصوصت) کے نام کے ساتھ موسوم کر دیا گیا ہے بہر حال اقرار مجازاً خصوصت ہے البتہ اقرار مجلس قاضی کے ساتھ مختص ہے یعنی اگر قاضی کی مجلس میں وکیل نے اپنے مؤکل پر اقرار کیا تو یہ اقرار معتبر ہوگا اور اگر غیر مجلس قاضی میں اقرار کیا تو معتبر نہ ہوگا کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ جب مستحق نے مطالبہ کیا تو ایسا ہی جواب دیا جائیگا جس کا وہ مستحق ہے اور یہ وہی جواب ہے جو قاضی کی مجلس میں ہے۔ پس یہ جواب یعنی اقرار قاضی کی مجلس کے ساتھ مختص ہو گیا۔

لیکن اگر اس بات پر بینہ قائم کر دیا گیا کہ وکیل نے غیر مجلس قاضی میں اقرار کیا ہے تو وکیل وکالت سے خارج ہو جائے گا اور اس کو مال دینے کا حکم نہ کیا جائیگا کیونکہ مطلق جواب کا وکیل رہنا ممکن نہ رہا اس طور پر کہ وکیل انکار کا مالک ہو نہیں سکے گا کیونکہ انکار کرنے کی صورت میں وکیل کے کلام میں تناقص ہو جائیگا کہ پہلے اقرار کیا تھا اور اب انکار کرتا ہے پس غیر مجلس قاضی میں اقرار کے بعد اگر اس کو وکیل باقی رکھا گیا تو وہ جواب مقید یعنی صرف اقرار کا وکیل ہوگا حالانکہ مؤکل نے اس کو جواب مقید (اقرار) کا وکیل نہیں کیا تھا بلکہ جواب مطلق کا وکیل کیا تھا گویا وکیل اپنے مؤکل کے حکم کے خلاف ہوا اور مؤکل کی مخالفت کرنے سے وکالت ختم ہو جاتی ہے اس لئے یہ وکیل وکالت سے خارج ہو جائے گا اور جب وکالت سے خارج ہو گیا تو مؤکل کا مال اسے نہیں دیا جائے گا اس اقرار کرنے والے وکیل کی مثال ایسی ہے جیسے باپ یا وصی نے مجلس قاضی میں اقرار کر لیا تو یہ صحیح نہیں ہے اور ان کو صغیر کا مال نہیں دیا جائے گا مثلاً باپ یا وصی نے صغیر کے واسطے کسی چیز کا دعویٰ کیا اور مدعی علیہ نے اس کا انکار کیا پھر باپ یا وصی نے مدعی علیہ کی تصدیق کر دی تو یہ صغیر کے حق میں درست نہیں ہے پھر اگر صغیر کے واسطے مال ثابت ہوا تو وہ مال اس کے باپ یا وصی کو نہیں دیا جائے گا کیونکہ اس کے نزدیک اس کے مال کا لیلنا باطل ہے اور اقرار اس واسطے درست نہیں ہے کہ باپ یا وصی کو یہ ولایت بنظر شفقت حاصل ہے۔ حالانکہ صغیر کے مقابلہ میں مدعی علیہ کی تصدیق کرنے میں کوئی شفقت نہیں ہے اسی طرح وکیل نے اگر غیر مجلس قاضی میں مؤکل پر اقرار کر لیا تو وہ وکالت سے خارج ہو جائے گا اس کے بعد اگر مؤکل کا مال مدعی علیہ پر ثابت ہوا تو وکیل اس مال کو وصول نہیں کر سکتا ہے۔ کیونکہ وہ اقرار کر چکا ہے کہ مؤکل نے یہ مال وصول پایا ہے یا مؤکل کا حق نہیں ہے اور جب ایسا ہے تو وکیل کو یہ مال کس طرح مل سکتا ہے۔

ایک شخص دوسرے کی جانب سے مال کا کفیل ہو گیا پھر صاحب مال نے کفیل کو مدیون سے

مال پر قبضہ کرنے کا وکیل بنایا وکیل بنے گا یا نہیں

قَالَ وَمَنْ كَفَّلَ بِمَالٍ عَنْ رَجُلٍ فَوَگَّلَهُ صَاحِبُ الْمَالِ بِقَبْضِهِ عَنِ الْغَرِيمِ لَمْ يَكُنْ وَكِيلًا فِي ذَلِكَ أَبَدًا لِأَنَّ الْوَكِيلَ مَنْ يَعْمَلُ لِبَعْضِهِ وَلَوْ صَحَّحْنَاهَا صَارَ عَامِلًا لِنَفْسِهِ فِي إِبْرَاءِ ذِمَّتِهِ فَأَنعَدَمَ الرُّكْنُ وَلِأَنَّ قَبُولَ قَوْلِهِ مُلَازِمٌ لِلْوَكَالَةِ لِكُونِهِ أَمِينًا وَلَوْ صَحَّحْنَاهَا لَا يَقْبَلُ لِكُونِهِ مُبْرَأًا نَفْسَهُ فَيَنعَدِمُ بِإِنْعَادِمِ لَازِمِهِ وَهُوَ نَظِيرُ عَبْدٍ مَآذُونٍ مَذْيُونٍ أَعْتَقَهُ مَوْلَاهُ حَتَّى ضَمِنَ فِيمَتَهُ لِلْغَرَمَاءِ وَيُطَالِبُ الْعَبْدَ بِجَمِيعِ الدَّيْنِ فَلَوْ وَگَّلَهُ الطَّالِبُ بِقَبْضِ الْمَالِ عَنِ الْعَبْدِ كَانَ بِاطِلًا لِمَا بَيَّنَّاهُ

ترجمہ..... اور اگر کوئی شخص کسی آدمی کی طرف سے مال کا کفیل ہو گیا پھر صاحب مال نے کفیل کو مدیون سے مال پر قبضہ کرنے کا وکیل کیا تو یہ اس بارے میں کبھی وکیل نہ ہوگا اس لئے کہ وکیل وہ ہوتا ہے جو غیر کے واسطے کام کرے اور اگر ہم وکالت مذکورہ کو صحیح قرار دیں تو وہ اپنا ذمہ کو بری کرنے میں اپنے لئے کام کرنے والا ہوگا لہذا تو وکیل کا رکن معدوم ہو گیا اور اس لئے کہ وکیل کے قول کا قبول ہونا وکالت کے لئے لازم ہے کیونکہ وہ امین ہوتا ہے اور اگر ہم وکالت کو صحیح قرار دیں تو اس کا قول قبول نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ اپنی ذات کو بری کرنے والا ہوگا۔

پس اس کے لازم کے معدوم ہونے سے تو وکیل معدوم ہو جائے گی۔

اور یہ نظیر ہے عبد ماذون مدیون کی جس کو اس کے آقا نے آزاد کر دیا یہاں تک کہ آقا قرض خواہوں کے لئے غلام کی قیمت کا ضامن ہوگا اور غلام سے پورے دین کا مطالبہ کرے گا پس اگر قرض خواہوں نے آقا کو غلام سے مال وصول کرنے کا وکیل کیا تو مذکورہ دلیل کی وجہ سے یہ توکیل باطل ہوگی۔ تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص مثلاً خالد دوسرے شخص مثلاً حامد (مدیون) کی طرف سے مال کا کفیل ہو گیا پھر قرض خواہ یعنی مکفل لہ نے کفیل کو اپنی طرف سے مدیون یعنی حامد سے قرض وصول کرنے کا وکیل کیا تو کفیل، مدیون سے قرض وصول کرنے کے سلسلہ میں کبھی بھی وکیل نہ ہو سکے گا یعنی کفیل نہ بری ہونے سے پہلے وکیل ہوگا اور نہ بری ہونے کے بعد وکیل ہوگا۔

خلاصہ..... یہ کہ کفیل اگر کفالت سے بری ہو گیا تو بھی قرض خواہ کا وکیل نہ ہوگا اور اگر بری نہ ہوا تو بھی وکیل نہ ہوگا۔ حتیٰ کہ وہ مال اگر اس کفیل کے قبضہ میں ہلاک ہو گیا تو موکل پر ہلاک نہ ہوگا۔ بلکہ اس کا ذمہ دار یہ کفیل ہوگا جس کو وکیل بنایا گیا ہے۔ کفیل برأت کے بعد تو اس لئے وکیل نہ ہوگا کہ جس وقت کفیل کو وکیل کو بنایا گیا ہے اس وقت وکالت درست نہیں تھی اور اس وقت وکالت اس لئے درست نہیں تھی کہ وکیل وہ ہوتا ہے جو دوسرے کے لئے کام کرے حالانکہ کفیل اپنے ذمہ کو بری کرنے کے واسطے خود اپنے لئے کام کرتا ہے پس کفیل کا اس مانع کی وجہ سے وکیل بننا درست نہیں تھا۔ البتہ کفیل کے کفالت سے بری ہونے کے بعد مانع وکالت اگرچہ باقی نہیں رہا لیکن جو عقد ابتداً غیر صحیح ہو کر منعقد ہوتا ہے وہ صحیح ہو کر منقلب نہیں ہوتا جیسے ایک شخص کسی غائب آدمی کے لئے کفیل ہوا پھر جب اس غائب آدمی کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس نے اس کفالت کی اجازت دیدی تو یہ کفالت درست نہ ہوگا کیونکہ مکفل لہ یعنی غائب آدمی کے قبول نہ کرنے کی وجہ سے ابتداءً یہ کفالت درست نہیں ہوا تھا لہذا بعد میں اجازت دینے کی وجہ سے صحیح ہو کر منقلب نہ ہوگا۔ اسی طرح کفیل کا وکیل بننا ابتداءً درست نہیں تھا لہذا کفیل کے بری ہونے کے بعد یہ وکالت صحیح ہو کر منقلب نہ ہوگی۔ اور برأت کفالت سے پہلے کفیل کا وکیل ہونا اس لئے جائز نہیں ہے کہ وکیل وہ ہوتا ہے جو دوسرے یعنی موکل کے لئے کام کرتا ہے اور کفیل اپنے ذمہ کو بری کرنے کے لئے اپنے واسطے کام کرتا ہے۔ پس اگر کفیل کو وکیل بنانا درست ہو تو وکیل اپنے واسطے کام کرے گا اور جب وکیل نے اپنے واسطے کام کیا تو وکالت کا رکن یعنی دوسرے کے لئے کام کرنا معدوم ہو گیا اور جب وکالت کا رکن معدوم ہو گیا تو عقد وکالت ہی باطل ہو جائے گا۔ اور جب اس صورت میں عقد وکالت باطل ہو گیا تو کفیل کا وکیل بننا بھی درست نہ ہوگا۔

مذکورہ کفیل کے وکیل نہ بننے پر دوسری دلیل یہ ہے کہ وکالت کے لئے وکیل کے قول کا قبول کرنا لازم ہے یعنی وکالت درست ہونے کے بعد یہ ضروری ہے کہ وکیل کا قول قبول کیا جائے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وکیل امین ہوتا ہے اور اختلاف کی صورت میں امین کا قول معتبر ہوتا ہے پس ثابت ہوا کہ وکیل کے قول کا قبول کرنا وکالت کے لئے لازم ہے اب اگر یہاں وکالت کو درست قرار دیدیا جائے یعنی کفیل کا وکیل ہونا درست ہو تو اس کا قول قبول نہ ہوگا مثلاً اس نے کہا کہ میں نے وصول کر کے مکفل لہ کو دیدیا تو یہ قول قبول نہ ہوگا۔ کیونکہ کفیل اپنی ذات کو بری کرنے والا ہوگا۔ یعنی وہ یہ کہہ کر کہ میں نے وصول کر کے مکفل لہ کو دیدیا ہے اپنی ذات کو بری کرنا چاہتا ہے۔ پس کفیل چونکہ اپنے اس قول میں متہم ہو سکتا ہے اس لئے اس کا یہ قول قبول نہ ہوگا اور جب کفیل کا قول قبول نہ ہوا تو لازم یعنی وکیل کے قول کا قبول ہونا منٹھی ہو گیا اور لازم کا انتفاء چونکہ ملزوم کے انتفاء کو ملزوم ہے اس لئے وکالت جو ملزوم ہے وہ بھی منٹھی ہو جائے گی اور جب لازم یعنی قول وکیل کا قبول ہونا معدوم ہے تو ملزوم یعنی وکالت بھی معدوم ہو جائے گی اور جب وکالت معدوم ہوگئی تو مذکورہ کفیل کا وکیل ہونا بھی درست نہ ہوگا۔ مذکورہ بطلان وکالت کی نظیر یہ مسئلہ ہے کہ ایک غلام جس کو اس کے مولیٰ نے تجارت کی اجازت دی تھی لوگوں کا قرض امداد ہے پس مولیٰ نے اس غلام کو آزاد کر دیا تو یہ مولیٰ غلام کی قیمت کے بقدر قرض خواہوں کے لئے ضامن ہوگا مولیٰ خواہ المادر ہو خواہ متغددست ہو اور مولیٰ غلام سے پورے قرضہ کا غلام سے مطالبہ کرے گا اگر قرض خواہوں نے مولیٰ کو غلام سے قرضہ وصول کرنے پر وکیل کر دیا تو یہ توکیل باطل ہوگی اور مولیٰ وکیل نہ ہوگا کیونکہ وکیل وہ ہوتا ہے جو دوسرے کے لئے کام کرے اور یہاں مولیٰ چونکہ غلام کی قیمت کے بقدر قرض خواہوں کے لئے ضامن ہے اس لئے وہ مقدار قیمت میں اپنے واسطے عمل کرنے والا ہوگا یعنی مقدار قیمت میں

غلام سے مولیٰ کا مطالبہ اپنے آپ کو بری کرنے کے لئے ہوگا اور مولیٰ کا عمل بلاشبہ مولیٰ کے واسطے ہے پس جب مولیٰ کا یہ عمل خود مولیٰ کے واسطے ہے تو توکیل کارکن (دوسرے کے واسطے عمل کرنا) معدوم ہو گیا اور جب رکن توکیل معدوم ہو گیا تو توکیل باطل ہو جائے گی اور جب توکیل باطل ہو گئی تو مولیٰ کا مذکورہ غلام سے قرضہ وصول کرنے کا وکیل ہونا بھی باطل ہوگا۔

کسی شخص نے دعویٰ کیا کہ میں فلاں غائب کی طرف سے اس کا قرضہ وصول کرنے کا وکیل ہوں
قرضدار نے اس کی تصدیق کی تو قرضدار کو حکم دیا جائے گا کہ قرضہ وکیل کے سپرد کرے

قَالَ وَمَنِ ادَّعَىٰ أَنَّهُ وَكَيْلُ الْغَائِبِ فِي قَبْضِ دَيْنِهِ فَصَدَّقَهُ الْغَرِيمُ أَمْرًا بِتَسْلِيمِ الدَّيْنِ إِلَيْهِ لِأَنَّهُ إِفْرَارٌ عَلَىٰ نَفْسِهِ لِأَنَّ مَا يَقْضِيهِ خَالِصٌ مَالِهِ فَإِنْ حَصَرَ الْغَائِبُ فَصَدَّقَهُ وَالْأَدْفَعُ إِلَيْهِ الْغَرِيمُ الدَّيْنُ ثَانِيًا لِأَنَّهُ لَمْ يَثْبُتِ الْإِسْتِيفَاءُ حَيْثُ انْكَرَ الْوَكِيلُ وَالْقَوْلُ فِي ذَلِكَ قَوْلُهُ مَعَ يَمِينِهِ فَيَفْسُدُ الْأَدَاءُ وَيَرْجَعُ بِهِ عَلَى الْوَكِيلِ إِنْ كَانَ بَاقِيًا فِي يَدِهِ لِأَنَّهُ غَرَضُهُ مِنَ الدَّفْعِ بَرَاءَةُ ذِمَّتِهِ وَلَمْ يَحْصِلْ فَلَهُ أَنْ يَنْقُضَ قَبْضَهُ وَإِنْ كَانَ ضَاعَ فِي يَدِهِ لَمْ يَرْجَعْ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ بِتَصَدِيقِهِ اعْتَرَفَ أَنَّهُ مُحِقٌّ فِي الْقَبْضِ وَهُوَ مَظْلُومٌ فِي هَذَا الْأَخْذِ وَالْمَظْلُومُ لَا يَظْلِمُ غَيْرَهُ

ترجمہ..... اگر کسی شخص نے دعویٰ کیا کہ میں فلاں غائب کی طرف سے اس کا قرضہ وصول کرنے کا وکیل ہوں پس قرضدار نے اس کی تصدیق کی تو قرضدار کو حکم دیا جائے گا کہ قرضہ اس وکیل کے سپرد کرے اس لئے کہ یہ اپنی ذات پر اقرار ہے کیونکہ جو کچھ وہ اداء کرے گا خالص اس کا مال ہے پھر اگر موکل غائب نے حاضر ہو کر وکیل کے قول کی تصدیق کی (توفہا) اور نہ قرضدار اس کو دوبارہ قرضہ اداء کرے گا کیونکہ جب اس نے وکالت سے انکار کیا تو اس کا وصول کرنا ثابت نہ ہوا اور اس بارے میں موکل کا قول مع الیمین قبول ہوگا پس قرضدار کا اداء کرنا فاسد ہو جائے گا۔

اور اگر مال وکیل کے قبضہ میں باقی ہو تو قرضدار اس مال کو وکیل سے واپس لے گا۔ کیونکہ قرضدار کی غرض وکیل کو مال دینے سے اپنے ذمہ کو بری کرنا تھا حالانکہ یہ غرض حاصل نہیں ہوئی۔ پس اس وکیل کا قبضہ توڑنا جائز ہوگا اور اگر وکیل کے قبضہ میں وہ مال ضائع ہو گیا تو قرضدار اس سے رجوع نہیں کرے گا کیونکہ قرضدار وکیل کے قول کی تصدیق کر کے یہ اعتراف کر چکا ہے کہ وکیل قرضہ وصول کرنے میں حق پر ہے اور قرضدار قرض خواہ کے دوبارہ وصول کرنے میں مظلوم ہے اور مظلوم دوسرے پر ظلم نہیں کر سکتا ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص مثلاً شاہد نے دعویٰ کیا کہ میں فلاں غائب مثلاً حامد کی طرف سے اس کا قرضہ وصول کرنے کا وکیل ہوں پس قرضدار نے اس مدعی وکالت کے قول کی تصدیق کر دی تو اس قرضدار کو حکم دیا جائے گا کہ وہ مذکورہ قرضہ اس مدعی وکالت کے سپرد کر دے کیونکہ قرضدار جو کچھ اداء کرے گا وہ اس کا ذاتی مال ہے اس لئے کہ دیون کا مثلاً اداء کئے جاتے ہیں نہ کہ باعیا نہا۔ پس جب وہ اس کا ذاتی مال ہے تو اس کا مدعی وکالت کے قول کی تصدیق کرنا گویا اپنی ذات پر اس کے لئے مال کا اقرار کرنا ہے اور جو شخص اپنی ذات پر کسی شخص کے لئے کسی چیز کا اقرار کرتا ہے تو اس کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ شی مقر بہ مقرلہ کے سپرد کر دے لہذا اس قرضدار کو بھی حکم دیا جائے گا کہ قرضہ مدعی وکالت کے سپرد کر دے۔ پھر اگر غائب یعنی قرض خواہ حاضر ہو کر وکیل کے قول کی تصدیق کر دے اور یہ کہہ دے کہ ہاں یہ شخص میرا وکیل ہے تو فہما۔ اور اگر قرض خواہ نے وکیل کے قول کی تصدیق نہ کی تو قرضدار، قرض خواہ کو دوبارہ قرضہ ادا کرے گا کیونکہ جب قرض خواہ نے وکالت کا انکار کر دیا تو قرض خواہ کے حق کا وصول ہونا ثابت نہ ہوا۔ اور وکالت کے انکار میں قرض خواہ کا قول ہی مع الیمین معتبر ہوگا لہذا قرض خواہ کا قول معتبر ہوگا اور جب قرض خواہ کا قول معتبر ہے تو مدعی وکالت کو قرضہ ادا کرنے سے قرض خواہ کے حق کا وصول ہونا ثابت نہ ہوگا اور جب قرض خواہ کے حق کا وصول ہونا ثابت نہیں ہوا تو مدعی وکالت کی طرف ادا کرنا بھی فاسد ہوگا اور قرضدار پر قرضہ ادا کرنا واجب ہوگا اور جب قرضدار پر قرضہ ادا کرنا واجب ہے تو اس پر واجب

ہوگا کہ قرض خواہ کو دوبارہ قرضہ ادا کرے۔

اب وہ مال جو قرضدار نے اولاً مدعی وکالت کو دیا تھا اگر مدعی وکالت کے پاس موجود ہو تو قرضدار اس مال کو مدعی وکالت سے واپس لے گا کیونکہ مدعی وکالت کو مال دینے سے قرضدار کی غرض یہ تھی کہ قرضدار کا ذمہ بری ہو جائے حالانکہ قرضدار کا ذمہ بری نہیں ہوا پس جب قرضدار کا ذمہ بری نہیں ہوا اور مال، مدعی وکالت کے پاس موجود ہے تو قرضدار کو اس بات کا اختیار ہوگا کہ وہ مدعی وکالت کا قبضہ ختم کر دے اور قرضہ کا مال اس سے واپس لے لے۔ اور اگر وہ مال مدعی وکالت کے قبضہ سے ضائع ہو گیا تو قرضدار مدعی وکالت سے مذکورہ مال واپس نہیں لے گا۔ کیونکہ قرضدار نے مدعی وکالت کے قول کی تصدیق کر کے اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ مدعی وکالت قرضہ وصول کرنے میں حق پر ہے اور جو شخص قبضہ کرے اور وصول کرنے میں حق پر ہو اس سے شی مقبوض کو واپس نہیں لیا جاتا ہے اس لئے مدعی وکالت سے مذکورہ مال واپس نہیں لیا جائیگا زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرض خواہ کو دوبارہ دینے کی وجہ سے قرضدار مظلوم ہو گیا ہے تو ہم جواب دیں گے کہ قرضدار بلاشبہ مظلوم ہے لیکن اس کو دوسروں پر ظلم کرنے کا اختیار نہیں ہے لہذا مال ہلاک ہونے کے بعد قرضدار کو مدعی وکالت یعنی شاہد سے مال واپس لینے کا اختیار نہ ہوگا۔

اگر قرضدار مال دیتے وقت وکیل کو ضامن بنا دے

قَالَ إِلَّا أَنْ يَكُونَ ضَمَنَهُ عِنْدَ الدَّفْعِ لِأَنَّ الْمَأْخُذَ ثَانِيًا مَضْمُونٌ عَلَيْهِ فِي زَعْمِهَا وَهَذِهِ كِفَالَةٌ أُضِيفَتْ إِلَى حَالَةِ الْقَبْضِ فَيَصِحُّ بِمَنْزِلَةِ الْكِفَالَةِ بِمَا ذَابَ لَهُ عَلَى فَلَانٍ وَلَوْ كَانَ الْغَرِيمُ لَمْ يُصَدِّقْهُ عَلَى الْوَكَالَةِ وَدَفَعَهُ إِلَيْهِ عَلَى إِدْعَائِهِ فَإِنْ رَجَعَ صَاحِبُ الْمَالِ عَلَى الْغَرِيمِ رَجَعَ الْغَرِيمُ عَلَى الْوَكِيلِ لِأَنَّهُ لَمْ يُصَدِّقْهُ فِي الْوَكَالَةِ وَإِنَّمَا دَفَعَهُ إِلَيْهِ عَلَى رَجَاءِ الْإِجَارَةِ فَإِذَا انْقَطَعَ رَجَاؤُهُ رَجَعَ عَلَيْهِ وَكَذَا إِذَا دَفَعَهُ إِلَيْهِ عَلَى تَكْذِيبِ إِثْبَاتِهِ فِي الْوَكَالَةِ وَهَذَا أَظْهَرَ لِمَا قُلْنَا وَفِي الْوَجْهِ كَيْفَ لَيْسَ لَهُ أَنْ يَسْتَرِدَّ الْمَذْفُوعَ حَتَّى يَحْضَرَ الْغَائِبُ لِأَنَّ الْمُؤَذَى صَارَ حَقًّا لِلْغَائِبِ أَمَّا ظَاهِرًا أَوْ مُحْتَمَلًا فَصَارَ كَمَا إِذَا دَفَعَهُ إِلَى فَضُولِي عَلَى رَجَاءِ الْإِجَارَةِ لَمْ يَمْلِكِ الْإِسْتِرْدَادَ لِاحْتِمَالِ الْإِجَارَةِ وَلِأَنَّ مَنْ بَاشَرَ التَّصَرُّفَ لِعَرَضٍ لَيْسَ لَهُ أَنْ يَنْقُضَهُ مَا لَمْ يَقَعْ الْيَأْسُ عَنْ غَرَضِهِ

ترجمہ..... مگر یہ کہ قرضدار مال دیتے وقت وکیل کو ضامن بنا دے کیونکہ قرضدار سے جو دوبارہ لیا گیا ہے وہ وکیل اور قرضدار دونوں کے زعم میں قرض خواہ پر مضمون ہے اور یہ ایسی کفالت ہے جو قبضہ کی حالت کی طرف مضاف ہوئی ہے پس یہ کفالہ صحیح ہے۔ ما ذاب له علی فلان کے ساتھ کفالہ کے مرتبہ میں اور اگر قرضدار نے وکالت پر وکیل کی تصدیق نہ کی اور وکیل کو مال دیدیا اس کے دعویٰ توکیل پر پھر اگر قرض خواہ نے قرضدار پر رجوع کیا تو قرضدار وکیل سے رجوع کرے گا اس لئے کہ قرضدار نے وکالت میں وکیل کی تصدیق نہیں کی ہے بلکہ صرف اجازت کی امید پر اس کو قرضہ دیدیا۔ پس جب اس کی امید منقطع ہوگی تو قرضدار اس سے رجوع کرے گا اور اسی طرح اگر وکیل وکالت میں جھوٹا بتا کر قرضہ کا مال اس کو دیدیا ہو اور یہ اظہر ہے اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کیا اور ان تمام صورتوں میں قرضدار کو اس بات کا اختیار نہیں کہ وہ دیا ہوا مال واپس لے یہاں تک کہ غائب حاضر ہو جائے کیونکہ ادا کیا ہوا مال غائب کا حق ہو گیا یا تو ظاہر یا محتمل پس یہ ایسا ہو گیا جیسے قرضدار نے کسی فضولی کو اجازت کی امید پر دیدیا تو اجازت کے احتمال کی وجہ سے قرضدار واپس لینے کا مالک نہ ہوگا اور اس لئے کہ جس شخص نے کوئی تصرف کسی غرض سے کیا ہو تو اس کیلئے جائز نہیں کہ وہ اس تصرف کو توڑ دے جب تک کہ اس کو اپنی غرض سے ناامیدی نہ ہو جائے۔

تشریح..... اس عبارت کا تعلق ”لم ير جمع عليه“ عبارت سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر وہ مال جو قرضدار نے وکیل کو دیا تھا وکیل قبضہ سے

ضائع ہو گیا تو قرضدار وکیل سے رجوع نہیں کرے گا یعنی یہ مال واپس نہ لے گا مگر ایک صورت ایسی ہے جس میں قرضدار وکیل سے مال واپس لے سکتا ہے۔ اور وہ صورت یہ ہے کہ اگر وکیل قرضدار کی طرف سے ضامن ہو گیا مثلاً وکیل نے قرضدار سے یہ کہا کہ میں تیرے لئے ضامن ہوں اگر قرض خواہ نے تجھ سے دوبارہ قرض وصول کیا تو میں تمہارا دیا ہوا مال واپس کر دوں گا تو اس صورت میں اگر وہ مال وکیل کے قبضہ میں ضائع ہو گیا تو بھی قرضدار وکیل سے واپس لینے کا مجاز ہے اور دلیل اسکی یہ ہے کہ جو مال قرضدار سے دوبارہ لیا گیا ہے یعنی قرضدار ایک بار تو وکیل کو ادا کر چکا ہے اب دوسری بار جو مال قرض خواہ نے وصول کیا ہے وہ مال وکیل اور قرضدار دونوں کے خیال کے مطابق قرض خواہ پر مضمون ہے کیونکہ قرض خواہ ان دونوں کے حق میں دوبارہ وصول کرنے میں غاصب ہے اور غاصب مضمون علیہ ہوتا ہے لہذا قرض خواہ مضمون علیہ ہوگا۔ اور وکیل قرض خواہ کی طرف سے قرضدار کے لئے ضامن ہوگا گویا وکیل نے قرضدار سے یوں کہا کہ میں تیرے لئے اس مال کا ضامن ہوں جس مال پر تیری طرف سے فلاں یعنی قرض خواہ قبضہ کرے گا اور یہ ضمان اور کفالت صحیح بھی ہے کیونکہ اس ضمان کو جو ب ضمان کے سبب یعنی قرض خواہ کے قبضہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور یہ بالکل ایسا ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ میں اس کا ضامن اور کفیل ہوں جو فلاں آدمی پر واجب ہوگا۔ یعنی جس طرح ما ذاب لعلی فلاں کی صورت میں مستقبل میں واجب ہونے والے مال کا ضامن اور کفیل ہونا درست ہے اسی طرح یہاں وکیل کا قرض خواہ پر مستقل میں واجب ہونے والے مال کا ضامن ہونا بھی درست ہے۔ بہر حال یہ ضمانت درست ہے اور جب یہ ضمان درست ہے تو قرضدار، ضامن یعنی وکیل سے اس مال کو لینے کا مجاز بھی ہے۔ جس کا وہ قرضدار کے لئے ضامن ہوا ہے۔

ولو كان الغريم لم يصدقه الخ سے صاحب ہدایہ نے یہ مسئلہ ذکر کیا ہے کہ اگر کسی شخص نے یہ دعویٰ کیا کہ میں فلاں غائب کے قرضہ پر قبضہ کرنے کا وکیل ہوں اور قرضدار نے وکیل کی تصدیق کی اور نہ تکذیب کی بلکہ سکوت اختیار کیا لیکن قرضدار نے محض دعویٰ تو وکیل کی وجہ سے وکیل کو قرضہ کا مال دیدیا تو اب اگر قرض خواہ نے قرضدار سے قرضہ کا مطالبہ کیا تو قرضدار کو وکیل سے مال قرض واپس لینے کا اختیار ہوگا کیونکہ قرضدار نے وکالت پر وکیل کی تصدیق نہیں کی تھی بلکہ اس کو مال اس امید پر دیا تھا کہ شاید قرض خواہ اس کو وکیل کے مال پر قبضہ کرنے کی اجازت دیدے لیکن جب قرض خواہ کے مطالبہ کرنے کی وجہ سے قرضدار کی یہ امید منقطع ہو گئی تو قرضدار کو وکیل سے رجوع کرنے کا اختیار ہوگا یہی حکم اس وقت ہے جبکہ قرضدار نے دعویٰ تو وکیل میں وکیل کی تکذیب کی ہو مگر اس کے باوجود اس کو مال قرض دیدیا ہو تو اس صورت میں بھی قرضدار کو وکیل سے مال قرض واپس لینے کا اختیار ہوگا۔ بشرطیکہ قرض خواہ نے قرضدار سے قرضہ کا مطالبہ کیا ہو دلیل وہی ہے جو اس سے پہلے گزر چکی کہ قرضدار نے اجازت کی امید پر دیدیا تھا۔ لیکن قرض خواہ کے مطالبہ کرنے سے یہ امید منقطع ہو گئی لہذا قرضدار کو وکیل سے رجوع کا اختیار ہوگا۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ تکذیب کی صورت میں قرضدار کا وکیل سے رجوع کرنے کا جواز اظہر ہے بہ نسبت پہلی دو صورتوں میں جواز رجوع کے۔ یعنی قرضدار نے وکیل کی تصدیق کی اور اس کو ضامن بنادیا یا قرضدار نے سکوت اختیار کیا پس جب ان دونوں صورتوں میں قرضدار کو وکیل سے رجوع کرنے کا اختیار ہے تو تکذیب کی صورت میں بدرجہ اول رجوع کرنے کا اختیار ہوگا۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ مذکورہ چاروں صورتوں

- ۱۔ تصدیق بلا تضمین
- ۲۔ تصدیق مع التضمین
- ۳۔ سکوت
- ۴۔ تکذیب

میں جب قرضدار نے وکیل کو مال دیدیا تو غائب (قرض خواہ) کے حاضر ہونے سے پہلے قرضدار کو مذکورہ مال وکیل سے واپس لینے کا اختیار نہ ہوگا۔ کیونکہ قرضدار نے جو مال وکیل کو دیا ہے وہ غائب کا حق ہو گیا ہے اگر قرضدار نے دعویٰ تو وکیل میں وکیل کی تصدیق کی ہو تو یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ وہ مال غائب کا حق ہو گیا اور اگر قرضدار نے سکوت اختیار کیا یا وکیل کی تکذیب کی تو ان دونوں صورتوں میں اس بات کا احتمال ضرور ہے کہ غائب اس مال کا حقدار ہو گیا بہر حال جب یہ مال غائب کا حق ہو گیا تو غائب (قرض خواہ) کی حاضری سے پہلے قرضدار کو وکیل سے واپس لینے کا

اختیار نہ ہوگا اور یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ قرضدار نے کسی فضولی کو اس امید پر مال دیدیا ہو کہ شاید قرض خواہ اجازت دیدے پس احتمال اجازت کی وجہ سے قرضدار کو مذکورہ مال واپس لینے کا اختیار نہیں ہے اسی طرح یہاں بھی مال واپس لینے کا اختیار نہ ہوگا۔

دوسری دلیل..... یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی کام کسی غرض سے کیا ہو تو اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اس تصرف کو توڑ دے جب تک کہ اس کو اپنی غرض سے ناامیدی ہو جائے پس قرضدار نے وکیل کو قرضہ کی رقم دے کر جو کام کیا ہے اس کی غرض یہ ہے کہ قرضدار کا ذمہ بری ہو جائے اور قرض خواہ کو مطالبہ کا حق نہ رہے پس جب تک اس غرض کے پورا ہونے سے ناامیدی نہیں ہو جائے اس وقت اس کو قرضہ لینے کا اختیار نہ ہوگا۔

کسی شخص نے کہا کہ میں ودیعت پر قبضہ کرنے کا وکیل ہوں، مودع نے اس کی تصدیق کی تو مودع کو حکم نہیں دیا جائے گا کہ وہ اس وکیل کو ودیعت سپرد کرے

وَمَنْ قَالَ إِنِّي وَكَيْلٌ بِقَبْضِ الْوَدِيعَةِ فَصَدَّقَهُ الْمُدْعَى لَمْ يُؤْمَرْ بِالتَّسْلِيمِ إِلَيْهِ لِأَنَّهُ إِقْرَارٌ بِمَالِ الْغَيْرِ بِخِلَافِ الدَّيْنِ وَمَنْ ادَّعَى أَنَّهُ مَاتَ أَبُوهُ وَتَرَكَ الْوَدِيعَةَ مِيرَاثًا لَهُ لَا وَارِثَ لَهُ غَيْرَهُ وَصَدَّقَهُ الْمُدْعَى أَمْرًا بِالْإِدْفَاعِ إِلَيْهِ لِأَنَّهُ لَا يَبْقَى مَالُهُ بَعْدَ مَوْتِهِ فَقَدْ اتَّفَقَا عَلَى أَنَّهُ مَالُ الْوَارِثِ وَلَوْ ادَّعَى أَنَّهُ اشْتَرَى الْوَدِيعَةَ مِنْ صَاحِبِهَا فَصَدَّقَهُ الْمُدْعَى لَمْ يُؤْمَرْ بِالْإِدْفَاعِ إِلَيْهِ لِأَنَّهُ مَا دَامَ حَيًّا كَانَ إِقْرَارًا بِمِلْكِ الْغَيْرِ لِأَنَّهُ مِنْ أَهْلِهِ فَلَا يُصَدِّقَانِ فِي دَعْوَى الْبَيْعِ عَلَيْهِ

ترجمہ..... اگر کسی شخص نے کہا کہ میں ودیعت پر قبضہ کرنے کا وکیل ہوں اور مودع نے اس کی تصدیق کی تو مودع کو حکم نہیں دیا جائے گا کہ وہ اس وکیل کو ودیعت سپرد کرے۔ کیونکہ یہ غیر کے مال کا اقرار ہے برخلاف قرضہ کے۔

اور اگر کسی نے دعویٰ کیا کہ اس کا باپ مر گیا اور اس نے اس کے (میرے) لئے ودیعت کو میراث چھوڑا ہے اور اس کے علاوہ اس کا کوئی وارث بھی نہیں ہے اور مودع نے اس کی تصدیق کر دی۔ تو مودع کو اس کے سپرد کرنے کا حکم دیا جائے گا۔ کیونکہ مودع کی موت کے بعد وہ اس کا مال نہیں رہا اور مودع اور مدعی دونوں نے اتفاق کر لیا کہ یہ وارث کا مال ہے اور اگر دعویٰ کیا کہ اس نے مودع سے ودیعت خرید لی ہے پھر مودع نے اس کی تصدیق کر دی۔ تو مودع کو اس مدعی کے سپرد کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ اس لئے کہ مودع جب تک زندہ ہے تو یہ ملک غیر کا اقرار ہوگا کیونکہ مودع ملک کی اہلیت رکھتا ہے پس مودع اور مدعی کی دعویٰ بیع میں مودع پر تصدیق نہیں کی جائے گی۔

تشریح..... مودع بفتح الدال وہ آدمی جس کے پاس ودیعت کا مال رکھا گیا ہو یعنی امین اور مودع بکسر الدال مال ودیعت رکھنے والا یعنی مال کا مالک۔ مسئلہ کی صورت یہ ہے کہ ایک شخص مثلاً عبداللہ، نے اپنا مال عبدالرحمن کے پاس ودیعت کے طور پر رکھا پھر ایک تیسرے شخص مثلاً شاہد نے مودع (فتح الدال) پر دعویٰ کیا کہ میں مودع (بکسر الدال) کی طرف سے اس مال ودیعت پر قبضہ کرنے کا وکیل ہوں اور مودع (فتح الدال) نے اس کی تصدیق بھی کر دی تو مودع کو یہ حکم نہیں دیا جائے گا کہ وہ مدعی کو مال ودیعت سپرد کر دے۔ کیونکہ مودع (فتح الدال) کے پاس جو مال ودیعت ہے وہ مودع (بکسر الدال) کی ملک ہے اور مودع (فتح الدال) اس کا معترف بھی ہے پس مودع (فتح الدال) کا مدعی وکالت کی تصدیق کرنا درحقیقت غیر یعنی مودع (بکسر الدال) کے مال پر مدعی وکالت کے لئے قبضہ کے حق کا اقرار کرنا ہے اور غیر کے مال پر قبضہ کے حق کا اقرار کرنا درست نہ ہوگا اور جب یہ اقرار درست نہیں ہے تو مودع (فتح الدال) کو یہ حکم بھی نہیں دیا جائے گا کہ وہ مال ودیعت مدعی وکالت کے حوالہ کر دے تو قرضدار کو حکم دیا جائے گا کہ مال قرض مدعی وکالت کو دیدے کیونکہ دیون اور قرضے بامثالہا ادا کئے جاتے ہیں نہ کہ باعیاہا۔ لہذا قرضدار کا مدعی وکالت کے لئے قرضہ پر قبضہ کرنے کے حق کا اقرار کرنا ہوگا نہ کہ غیر یعنی قرض خواہ پر۔

پس جب قرضدار کا اقرار خود اس کی ذات پر ہے تو یہ اقرار درست ہوگا اور جب اس صورت میں اقرار درست ہے تو قرضدار کو یہ حکم دینا بھی

درست ہوگا کہ وہ قرضہ کا مال مدعی وکالت کے سپرد کر دے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ اگر ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ میرا باپ مر گیا ہے اور ودیعت کا مال جو فلاں مودع (فتح الدال) کے پاس ہے اس کو میرے باپ نے میرے لئے میراث چھوڑا ہے اور حال یہ کہ میت کا اس مدعی کے علاوہ دوسرا کوئی وارث نہیں ہے اور مودع (فتح الدال) نے مدعی میراث کے قول کی تصدیق بھی کر دی تو مودع (فتح الدال) کو حکم دیا جائے گا کہ وہ مال ودیعت اس مدعی کو دیدے کیونکہ مودع (بکسر الدال) کی وفات کے بعد مال ودیعت اس کا مال نہ رہا یعنی مرتے ہی اس کی ملک ختم ہو گئی۔

اور مدعی میراث اور مودع (فتح الدال) دونوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ یہ مال ودیعت وارث کا مال ہے پس جب دونوں نے اس پر اتفاق کر لیا تو وہ مال، مدعی میراث کو دینا ضروری ہو گیا۔ صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ اگر ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ میں نے مودع (بکسر الدال) سے مال ودیعت خرید لیا ہے اور مودع (فتح الدال) نے مدعی شراء کی تصدیق بھی کر دی تو مودع (فتح الدال) کو یہ حکم نہ دیا جائے گا کہ مال ودیعت کو مدعی شراء کے سپرد کر دے کیونکہ مودع (بکسر الدال) جب تک زندہ ہے تب تک وہ مالک ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے لہذا مال ودیعت کا مودع (بکسر الدال) ہی مالک ہے۔ اور جب مودع (بکسر الدال) مال ودیعت کا مالک ہے تو مودع (فتح الدال) کا مدعی شراء کے قول کی تصدیق کرنا غیر یعنی مودع (بکسر الدال) کے مال کا مدعی شراء کے لئے اقرار کرنا ہوا اور غیر کے مال کا کسی دوسرے کیلئے اقرار کرنا چونکہ مودع (بکسر الدال) کے خلاف مودع (فتح الدال) اور مدعی شراء کے قول کی تصدیق نہ کی جائے گی۔ اور جب ان دونوں کے قول کی تصدیق نہیں کی گئی تو مودع (فتح الدال) کو یہ حکم بھی نہ دیا جائیگا کہ وہ مدعی شراء کو مال ودیعت دیدے۔

قرضدار نے کسی آدمی کو قرضہ وصول کرنے کا وکیل کیا پھر قرضدار نے دعویٰ کیا کہ قرض خواہ

اپنا مال وصول کر چکا ہے قرضدار قرضہ وکیل کو دے دے

قَالَ فَإِنْ وَكَّلَ وَكِيلاً بِقَبْضِ مَالِهِ فَأَدَّعَى الْغَرِيمُ أَنَّ صَاحِبَ الْمَالِ قَدْ اسْتَوْفَاهُ فَإِنَّهُ يَذْفَعُ الْمَالَ إِلَيْهِ لِأَنَّ الْوَكَالَهَ قَدْ يَثْبُتُ بِالتَّصَادُقِ وَالْإِسْتِيفَاءِ لَمْ يَثْبُتْ بِمَجْرَدِ دَعْوَاهُ فَلَا يُؤْخَرُ الْحَقُّ قَالَ وَتَتَّبِعُ رَبَّ الْمَالِ فَيَسْتَحْلِفُهُ رِعَايَةً لِحَاجَتِهِ وَلَا يَسْتَحْلِفُ الْوَكِيلُ لِأَنَّهُ نَائِبُهُ

ترجمہ..... اگر کسی نے اپنا مال وصول کرنے کیلئے کسی کو وکیل کیا پھر قرضدار نے کہا کہ صاحب مال نے اپنا مال وصول کر لیا ہے تو مال، وکیل کو دیدیا جائے گا اس لئے کہ وکالت ان دونوں کے اتفاق سے ثابت ہو گئی اور مال کو وصول کرنا محض اس کے دعویٰ سے ثابت نہیں ہوا لہذا حق کو موخر نہ کیا جائیگا۔ اور قرضدار، قرض خواہ کے پیچھے پڑ کر اس سے قسم لے گا تا کہ قرضدار کی جانب کا لحاظ رہے اور وکیل سے قسم نہیں لی جائے گی اس لئے کہ وہ اپنے مؤکل کا نائب ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر قرض خواہ نے کسی آدمی کو اس بات پر وکیل کیا کہ قرضدار سے میرے قرضہ کا مال وصول کر لے پھر قرضدار نے دعویٰ کیا کہ قرض خواہ اپنا مال وصول کر چکا ہے تو اس صورت میں قرضدار اس کا مکلف ہوگا کہ مال قرض وکیل کو دے دے۔

دلیل..... یہ ہے کہ وکالت وکیل اور قرضدار دونوں کے اتفاق کر لینے سے ثابت ہو گئی ہے۔ بعض نسخوں میں بالتصادق کا لفظ نہیں ہے لہذا ان نسخوں کے مطابق بقول صاحب عنایہ یہ مطلب ہوگا کہ وکالت، بینہ سے ثابت ہو گئی ہے اس لئے کہ مسئلہ اس صورت میں فرض کیا گیا ہے کہ وکیل نے اپنی وکالت کو بینہ کے ذریعہ ثابت کر دیا ہو بہر حال وکیل کی وکالت ثابت ہو گئی اور قرض خواہ کا مال قرض وصول کرنا محض قرضدار کے دعویٰ سے قرض وصول کرنا ثابت نہیں ہوا تو وکیل کو مال قرض پر قبضہ کرنے کا جوتق تھا اس کو قرض خواہ سے قسم کھلانے تک موخر نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ وکیل کو مال قرض

دیکر اس حق کو فوراً اداء کیا جائے گا البتہ قرضدار قرض خواہ کا دامن گیر ہو کر قرض خواہ سے قسم لے گا کیونکہ قرضدار کی رعایت کرنا بھی ضروری ہے اور اس قسم دلانے میں بلاشبہ قرضدار کی رعایت ہے بہر حال قرض خواہ اگر یہ قسم کھا گیا کہ میں نے قرضہ کامل وصول نہیں کیا ہے تو قرضدار سے جو مال وکیل کو دلایا گیا ہے اس سے قرضہ کی ادائیگی ہو جائے گی اور یہ اداء کرنا نافذ ہو جائیگا۔ اور اگر قرض خواہ نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو قرضدار کا بعض یعنی وکیل کا دامن گیر ہوگا اور دیا ہوا مال واپس لے گا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ قرض خواہ کے بدلے وکیل سے قسم نہیں لی جائے گی اس لئے کہ وکیل اسکا نائب ہے اور ایمان میں نیابت جاری نہیں ہوتی۔

خریدی ہوئی باندی میں عیب کی وجہ سے رد کرنے کا کسی کو وکیل بنایا اور بائع نے دعویٰ کیا کہ مشتری اس عیب پر راضی ہو گیا تھا تو مشتری کی قسم کے بغیر وکیل معیب باندی کو بائع کی طرف واپس نہیں کر سکتا

قَالَ وَمَنْ وَكَّلَهُ بِعَيْبٍ فِي جَارِيَةٍ فَأَدَّعَى الْبَائِعُ رِضَا الْمُشْتَرِي لَمْ يَرُدَّ عَلَيْهِ حَتَّى يَخْلِفَ الْمُشْتَرِي بِخِلَافِ مَسْأَلَةِ الدَّيْنِ لِأَنَّ التَّدَارُكَ مُمَكِّنٌ هُنَالِكَ بِاسْتِرْدَادِ مَا قَبِضَهُ الْوَكِيلُ إِذَا ظَهَرَ الْخَطَأُ عِنْدَ نَكُولِهِ وَفِي الثَّانِيَةِ غَيْرُ مُمَكِّنٍ لِأَنَّ الْقَضَاءَ بِالْفَسْخِ مَاضٍ عَلَى الصَّحَّةِ وَإِنْ ظَهَرَ الْخَطَأُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ كَمَا هُوَ مَذْهَبُهُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ الْمُشْتَرِي عِنْدَهُ بَعْدَ ذَلِكَ لِأَنَّهُ لَا يُفِيدُ وَأَمَّا عِنْدَهُمَا قَالُوا يَجِبُ أَنْ يَتَّحِدَ الْجَوَابُ عَلَى هَذَا فِي الْفَصْلَيْنِ وَلَا يُؤَخَّرُ لِأَنَّ التَّدَارُكَ مُمَكِّنٌ عِنْدَهُمَا لِطُلَانِ الْقَضَاءِ وَقِيلَ الْأَصَحُّ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ أَنْ يُؤَخَّرَ فِي الْفَصْلَيْنِ لِأَنَّهُ يُعْتَبَرُ النَّظَرُ حَتَّى يُسْتَحْلَفَ الْمُشْتَرِي لَوْ كَانَ حَاضِرًا مِنْ غَيْرِ دَعْوَى الْبَائِعِ فَيَنْتَظِرُ لِلنَّظَرِ

ترجمہ..... اگر کسی شخص کو باندی میں عیب کی وجہ سے (باندی) کو واپس کرنے کا وکیل کیا پھر بائع نے دعویٰ کیا مشتری کے راضی ہونے کا تو وکیل بائع پر واپس نہیں کر سکتا یہاں تک کہ مشتری سے قسم لی جائے۔ برخلاف مسئلہ قرض کے اس لئے کہ قرض کے مسئلہ میں تدارک ممکن ہے اس کو واپس لے کر جس پر وکیل نے قبضہ کیا ہے جبکہ قرض خواہ کے قسم سے انکار کے وقت خطا ظاہر ہوگی ہو اور دوسرے مسئلہ میں تدارک ممکن نہیں ہے کیونکہ ابو حنیفہ کے نزدیک فسخ پر فیصلہ کرنا صحت پر جاری ہوگا۔ جیسا کہ ان کا مذہب ہے اور اس کے بعد امام صاحب کے نزدیک مشتری سے قسم نہیں لی جائے گی کیونکہ یہ مفید نہیں ہے اور صاحبین کے نزدیک مشائخ نے کہا دونوں صورتوں میں حکم یکساں ہونا چاہئے۔ اور واپس کرنے کے حکم میں تاخیر نہ کی جائے۔ کیونکہ صاحبین کے نزدیک تدارک ممکن ہے اس لئے حکم قضاء باطل ہے اور کہا گیا کہ ابو یوسف کے نزدیک دونوں صورتوں میں مؤخر کیا جائے گا۔ کیونکہ انتظار معتبر ہے یہاں تک کہ مشتری سے قسم لی جائے۔ بشرطیکہ بائع کے دعویٰ کے بغیر وہ حاضر ہو تو غور کرنے کے لئے انتظار کیا جائے گا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی نے خریدی ہوئی باندی میں عیب پا کر ایک شخص کو بائع کی طرف باندی واپس کرنے کا وکیل کیا اور بائع نے دعویٰ کیا کہ مشتری اس عیب پر راضی ہو گیا تھا تو بحکم قضاء وکیل اس معیب باندی کو بائع کی طرف واپس نہیں کر سکتا یعنی قاضی اس باندی کو واپس کرنے کا حکم صادر نہیں کرے گا الا یہ کہ مشتری اس بات کی قسم کھائے کہ میں اس عیب پر راضی نہیں ہوا تھا اس کے برخلاف قرضہ کا مسئلہ ہے کہ اگر قرضدار یہ دعویٰ کر دے کہ قرض خواہ اپنا قرضہ وصول کر چکا ہے تو قرض خواہ سے قسم لئے بغیر قرضدار کو حکم دیا جائے گا کہ مال قرض وکیل کو دے دے ان دونوں مسئلوں میں وجہ فرق یہ ہے کہ مسئلہ قرض میں اگر قرض خواہ کے قسم کھانے سے انکار کرنے کی وجہ سے وکیل کو مال قرض دینے کا غلط ہونا ظاہر ہو گیا تو اس کا تدارک ممکن ہے اس طور پر کہ جو مال وکیل کو دیا گیا تھا قرضدار اس سے اس مال کو واپس لے لیا اس لئے کہ قاضی کا یہ حکم کہ مال قرض وکیل کو دیدیا جائے۔ صرف ظاہر نافذ ہوگا نہ کہ باطناً کیونکہ قاضی کا وکیل کو مال دینے کا حکم ایسا ہے جیسا کہ املاک مرسلہ میں قاضی کا حکم اور کتاب

الزکاح اور کتاب القضاء میں گزر چکا ہے کہ اندک مرسلہ میں قاضی کا حکم ظاہر انافذ ہوتا ہے نہ کہ باطلنا۔ پس جب یہاں قاضی کا حکم صرف ظاہر انافذ ہے اور باطلنا نافذ نہیں ہے تو وکیل سے اس مال کو واپس لینے میں کوئی دشواری پیش نہ آئے گی۔

اور دوسرے مسئلہ میں قاضی کی غلطی ظاہر ہونے کے بعد تدارک ممکن نہیں ہے اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اگر قاضی نے بیع فسخ کر دی اور مشتری سے قسم لئے بغیر معیب باندی بائع کو دیدی تو یہ بیع فسخ ہی رہے گی اگرچہ ظاہر ہو جائے کہ فسخ کرنا غلط تھا کیونکہ امام صاحبؒ کے نزدیک قضائے قاضی عقود و منسوخ میں ظاہر اور باطل دونوں طرح نافذ ہوتا ہے اور جب قاضی کا فیصلہ دونوں طرح نافذ ہو گیا تو قاضی کے ایک مرتبہ فسخ کرنے کے بعد اس فسخ کو ختم نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ مشتری قسم کھانے سے انکار کر دے اور یہ بات ثابت ہو جائے کہ مشتری عیب پر راضی ہو چکا تھا بلکہ قاضی کے فسخ کا حکم کرنے کے بعد مشتری سے قسم نہیں لی جائیگی کیونکہ اب قسم لینا بے فائدہ ہے اور بے فائدہ اس لئے کہ جب قاضی نے بیع کو فسخ کر چکا تو مشتری اگر قسم کھانے سے انکار بھی کر دے اور عیب پر اس کی رضامندی ثابت بھی ہو جائے تو بھی اس فسخ کو ختم نہیں کیا جاسکتا ہے کیونکہ یہ فسخ ظاہر اور باطل دونوں طرح نافذ ہو چکا۔

یہ خیال رہے کہ ان دونوں صورتوں میں مذکورہ فرق صرف امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے ورنہ صاحبینؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں ایک ہی حکم ہے یعنی مسئلہ قرض میں قرض خواہ سے قسم لئے بغیر مال قرض وکیل کو دلوادیا جائے گا اور مسئلہ رد بالعیب میں مشتری سے قسم لئے بغیر باندی بائع کو دیدی جائے گی۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں تدارک ممکن ہے کیونکہ صاحبینؒ کے نزدیک قاضی کا حکم صرف ظاہر انافذ ہوتا ہے اور باطلنا نافذ نہیں ہوتا۔ لہذا اگر مشتری سے قسم لئے بغیر معیب باندی بائع کو دیدی گئی اور پھر مشتری نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو قضائے قاضی کی خطا ظاہر ہونے سے یہ معیب باندی بائع سے لے کر مشتری کو دیدی جائے گی اور قاضی کا فسخ بیع کا فیصلہ منسوخ کر دیا جائیگا اس لئے کہ قاضی کا حکم اگر ظاہر انافذ ہو تو اس کو منسوخ کیا جاسکتا ہے۔

اور بعض مشائخؒ نے کہا کہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اصح یہ ہے کہ دونوں صورتوں میں تاخیر کی جائے گی۔ یعنی مسئلہ قرض میں قرض خواہ سے قسم لئے بغیر وکیل کو قرضہ کا مال نہ دیا جائے اور مسئلہ بیع میں مشتری سے قسم لئے بغیر معیب باندی بائع کو واپس نہ کی جائے۔ کیونکہ امام ابو یوسفؒ قرضدار اور بائع پر شفقت ملحوظ رکھتے ہیں اور شفقت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر مشتری موجود ہو اور معیب باندی، بائع کی طرف واپس کرنا چاہے تو مشتری سے قسم لئے بغیر معیب باندی بائع کی طرف واپس نہیں کی جائے گی اگرچہ بائع نے مشتری کے عیب پر راضی ہونے کا دعویٰ بھی نہ کیا ہو اسی طرح اگر مشتری غائب ہو تو بھی قسم لئے بغیر معیب باندی بائع کی طرف واپس نہیں کی جائے گی تاکہ قاضی کا فیصلہ بھی باطل ہونے سے محفوظ رہ سکے اور بائع پر شفقت بھی ملحوظ رہے اسی طرح پہلے مسئلہ میں قرض خواہ سے قسم لئے بغیر مال قرض وکیل کو نہ دیا جائے کیونکہ اس صورت میں قاضی کا فیصلہ بھی باطل ہونے سے محفوظ رہے گا اور قرضدار کے حق میں نظر و شفقت کا معاملہ بھی ملحوظ رہے گا۔

ایک شخص نے دوسرے کو دس درہم دیئے تاکہ وہ اس کے بچوں پر خرچ کرے اس نے اپنے

پاس سے دس درہم ان پر خرچ کیئے تو یہ دس ان دس کے عوض ہو جائیں گے

قَالَ وَمَنْ دَفَعَ إِلَى رَجُلٍ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ لِيُنْفِقَهَا عَلَى أَهْلِهِ فَأَنْفَقَ عَشْرَةً عَلَيْهِمْ مِنْ عِنْدِهِ فَالْعَشْرَةُ بِالْعَشْرَةِ لِأَنَّ الْوَكِيلَ بِالِاتِّفَاقِ وَكَيْلَ بِالشِّرَاءِ وَالْحُكْمُ فِيهِ مَا ذَكَرْنَاهُ وَقَدْ قَدَّرْنَاهُ فَهَذَا كَذَلِكَ وَقِيلَ هَذَا اسْتِحْسَانٌ وَفِي الْقِيَاسِ لَيْسَ لَهُ ذَلِكَ وَبَصِيرٌ مُتَبَرِّعًا وَقِيلَ الْقِيَاسُ وَالِاسْتِحْسَانُ فِي قَضَاءِ الدَّيْنِ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِشِرَاءٍ وَأَمَّا الْإِنْفَاقُ يَتَضَمَّنُ الشِّرَاءَ فَلَا يَدْخُلَانِي وَاللَّهُ أَعْلَمُ.

ترجمہ..... اگر ایک شخص نے دوسرے شخص کو دس درہم دیئے تاکہ وہ ان کو اس کے بچوں پر خرچ کرے۔ پس اس نے اپنے پاس سے دس درہم ان پر خرچ کئے تو یہ دس ان دس کے عوض ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ خرچ کرنے کا وکیل خرید کرنے کا وکیل ہے اور وکیل بالشراء میں حکم وہی ہے جو ہم ذکر کر چکے اور اس کو ثابت کر چکے۔ پس اس کا حکم بھی ایسا ہی ہے اور کہا گیا کہ یہ استحسان ہے اور قیاس یہ ہے کہ اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے اور یہ متبرع ہو جائے گا اور کہا گیا کہ قیاس و استحسان قرض ادا کرنے کی صورت میں ہے کیونکہ یہ خریداری نہیں ہے اور رہا خرچ کرنا تو وہ شراء کو متضمن ہے پس اس میں قیاس و استحسان داخل نہ ہوں گے۔ واللہ اعلم بالصواب

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص مثلاً حامد نے دوسرے شخص مثلاً خالد کو دس درہم اس لئے دیئے تاکہ خالد ان درہم کو حامد (مؤکل) کے اہل و عیال پر خرچ کرے پس خالد (وکیل) نے ان پر اپنے پاس سے خرچ کئے تو یہ دس درہم جن کو وکیل نے اپنے پاس سے خرچ کیا ہے ان دس درہم کے مقابلہ میں ہو جائیں گے جن کو وکیل (خالد) نے مؤکل (حامد) سے لیا تھا حاصل یہ کہ وکیل ان درہم کو خرچ کرنے میں تبرع کرنے والا نہیں ہوگا بلکہ جو درہم اس نے مؤکل سے لئے تھے ان کا مالک ہو جائے گا۔

دلیل..... یہ ہے کہ اس مسئلہ میں اتفاق اور خرچ کرنے کا وکیل درحقیقت شراء اور خرید کرنے کا وکیل ہے کیونکہ مؤکل کے اہل و عیال پر خرچ کرنے کے لئے وکیل ایسی چیز خریدنے پر مجبور ہوگا جو ان کا نفقہ بن سکتی ہو اور کبھی وکیل کے پاس مؤکل کے دیئے ہوئے درہم موجود نہیں ہوتے تو وہ اس بات کا محتاج ہوگا خرید کردہ چیز کا ثمن اپنے مال سے ادا کرے اور مؤکل کے دیئے ہوئے درہم اپنے پاس رکھ لے پس تو وکیل بالشراء میں اس طرح کے استبدال کی اجازت ہوتی ہے بہر حال وکیل بالاتفاق درحقیقت وکیل بالشراء ہے اور وکیل بالشراء کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ ثمن اپنے پاس سے ادا کر دے تو اس کو مؤکل سے رجوع کرنے کی اجازت ہوتی ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ پس اسی طرح وکیل بالاتفاق نے جو درحقیقت وکیل بالشراء ہے اگر مؤکل کے اہل و عیال پر اپنے پاس سے خرچ کیا ہو تو وہ مؤکل کے مال سے وصول کر سکتا ہے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ بعض مشائخ کے قول کے مطابق مذکورہ حکم استحسان ہے ورنہ قیاس یہ ہے کہ وکیل کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ وکیل مؤکل کے دیئے ہوئے دس درہم کے مقابلہ میں اپنے پاس سے دس درہم خرچ کرے بلکہ اگر اس نے اپنے پاس سے دس درہم خرچ کئے تو وہ خرچ کردہ درہم میں تبرع کرنے والا ہوگا اور جو درہم اس نے مؤکل سے لئے ان کو واپس کرنا لازم ہوگا۔

بعض مشائخ نے کہا کہ یہ قیاس و استحسان ادائے قرض کی صورت میں جاری ہیں یعنی اگر قرضاء نے اپنے وکیل کو ہزار درہم دیئے تاکہ اس کے قرض خواہ کو ادا کر دے لیکن وکیل نے ان درہم کی جگہ اپنے پاس سے ہزار درہم ادا کر دیئے تو استحسان یہ ہے کہ وکیل کے لئے ایسا کرنا جائز ہے اور وہ ادا کردہ ہزار درہم، مؤکل کے مال سے وصول کرے گا اور قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ وکیل نے اپنے پاس سے ہزار درہم ادا کر کے تبرع کیا ہے اور وہ مؤکل کے مال سے واپس لینے کا مجاز نہیں ہے کیونکہ ادائے قرض، خرید کرنے کے معنی میں نہیں ہے بلکہ جو درہم مؤکل سے لئے ہیں انہیں کو دینا لازم ہے پس جب وکیل کا اپنے پاس سے ادا کرنا مؤکل کی منشاء کے مطابق نہ ہوگا اور جب یہ ادائیگی مؤکل کی منشاء کے مطابق نہیں ہے تو وکیل اس ادا کرنے میں متبرع ہوگا اور جب وکیل اس ادائیگی میں متبرع ہے تو وہ مؤکل کے مال سے وصول کرنے کا مجاز بھی نہ ہوگا۔ اور اس مسئلہ میں وجہ استحسان یہ ہے کہ ادائیگی قرض کا وکیل اس چیز کو جو مؤکل کے ذمہ میں ہوتی ہے درہم کے عوض خریدنے کا وکیل ہوتا ہے اور وکیل بالشراء جب خریداری کرے اور ثمن اپنے پاس سے ادا کر دے تو وہ مؤکل سے رجوع باثمن کرنے کا مجاز ہے لہذا ادائے قرض کا وکیل بھی ادا کردہ مال مؤکل کے مال سے وصول کرنے کا مجاز ہوگا۔

اور ہاں بال بچوں پر خرچ کرنا تو وہ خرید کرنے کو متضمن ہوتا ہے یعنی مؤکل کی طرف سے خرچ کرنے کا امر درحقیقت خرید کرنے کا امر ہوتا ہے اور خریداری بعینہ ان درہم کے ساتھ متعلق نہیں ہوتی جو درہم مؤکل نے وکیل کو دیئے ہیں بلکہ خرید کرنے کی وجہ سے وکیل کے ذمہ ان درہم

کے مثل ثابت ہوتے ہیں پھر وکیل کے لئے ان دراہم کو رجوع کرنے کا اختیار ثابت ہوتا ہے اور جب ایسا ہو تو وکیل قیاساً بھی تبرع کرنے والا نہ ہوگا یعنی مسئلہ انفاق میں قیاس اور استحسان کا حکم یکساں ہوگا یعنی قیاس اور استحسان دونوں کے حکم کے مطابق وکیل بالانفاق اپنے مال کو خرچ کرنے میں متبرع نہ ہوگا اس کو موکل کے مال سے وصول کرنے کا اختیار ہوگا۔ واللہ اعلم بالصواب

جمیل احمد عفاہ اللہ

باب عزل الوکیل

ترجمہ..... یہ باب وکیل کے معزول کرنے کے بیان میں ہے

موکل وکیل کو وکالت سے معزول کر سکتا ہے

قَالَ وَلِلْمُوكِّلِ أَنْ يَعْزِلَ الْوَكِيلَ عَنِ الْوَكَالَةِ لِأَنَّ الْوَكَالَתَ حَقُّهُ فَلَهُ أَنْ يُبْطِلَهُ إِلَّا إِذَا تَعَلَّقَ بِهِ حَقُّ الْغَيْرِ بِأَنْ كَانَ وَكِيلاً بِالْخُصُومَةِ يَطْلُبُ مِنْ جِهَةِ الطَّالِبِ لِمَا فِيهِ مِنْ إِبْطَالِ حَقِّ الْغَيْرِ وَصَارَ كَالْوَكَالَةِ الَّتِي تَصْمَنُهَا عَقْدُ الرِّهْنِ

ترجمہ..... موکل کو اختیار ہے کہ اپنے وکیل کو وکالت سے معزول کر دے کیونکہ وکالت موکل کا حق ہے لہذا اس کو حق باطل کرنے کا اختیار ہوگا مگر جب کہ اس کے ساتھ دوسرے کا حق متعلق ہو یا اس طور کہ مدعی کی درخواست سے وکیل ہو اس لئے کہ اس میں غیر کے حق کو باطل کرنا ہے اور یہ ایسا ہو گیا کہ وہ وکالت جس کو عقد رہن متضمن ہو۔

تشریح..... صاحب قدوریؒ نے فرمایا کہ موکل کو اختیار ہے کہ وہ اپنے وکیل کو وکالت سے معزول کر دے کیونکہ وکالت موکل کا حق ہے اور ہر صاحب حق کو اپنا حق ختم کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔ لہذا موکل کو بھی اپنا حق وکالت ختم اور باطل کرنے کا پورا پورا اختیار ہوگا ہاں وکالت کے ساتھ اگر کسی دوسرے کا حق متعلق ہو تو موکل کو بغیر اس دوسرے آدمی کی رضامندی کے وکالت ختم کرنے کا اختیار نہ ہوگا مثلاً قاضی کی عدالت میں مدعی کی درخواست پر مدعی علیہ نے خصومت کا وکیل دیا ہو تو مدعی کی رضامندی کے بغیر مدعی علیہ اس وکیل کو معزول کرنے کا مجاز نہ ہوگا اس لئے کہ اس وکالت کے ساتھ مدعی کا حق متعلق ہے اس طور پر کہ مدعی۔ مجلس قاضی میں وکیل کو حاضر کر کے اس سے خصمہ کرے گا اور اس پر حق ثابت کرے گا پس اگر مدعی علیہ نے اس وکیل کو معزول کر دیا تو مدعی کا حق باطل ہو جائے گا حالانکہ بغیر صاحب حق کی رضامندی کے اس کے حق کو باطل کرنا جائز نہیں ہے۔ لہذا اس صورت میں مدعی علیہ کا اپنے وکیل کو بغیر مدعی کی رضامندی کے معزول کرنا درست نہیں ہے۔ اور یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ وہ وکالت جس کو عقد رہن متضمن ہوتا ہے مثلاً راشد نے شاہد سے ایک ہزار روپیہ قرض لے کر اپنا باغ اس کے پاس راہن رکھ دیا مگر یہ باغ راہن اور مرہن دونوں کے انفاق سے ایک تیسرے عادل آدمی مثلاً قاسم کے پاس رکھا گیا اس شرط کے ساتھ کہ مرہن کی درخواست پر راہن نے اس عادل (قاسم) آدمی کو وکیل کیا اگر دو سال کے اندر روپے ادا نہ ہوئے ہوں تو تم اس باغ کو فروخت کر کے مرہن کا روپیہ ادا کر دینا پس یہ وکالت عقد رہن کے ضمن میں ہے اور اس سے مرہن کا حق متعلق ہے اب اگر راہن بغیر مرہن کی رضامندی کے اس وکیل کو معزول کرنا چاہے تو یہ وکیل معزول نہ ہوگا اور راہن کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ وہ اپنے وکیل کو معزول کرے۔

وکیل کو معزولی کی خبر نہیں پہنچی تو وکالت پر برقرار رہے گا اور اس کا تصرف جائز ہے یہاں تک کہ اسے معزولی کی خبر مل جائے

قَالَ فَإِنْ لَمْ يَلْعَلْهُ الْعُزْلُ فَهُوَ عَلَى وَكَالَتِهِ وَتَصَرُّفُهُ جَائِزٌ حَتَّى يَعْلَمَ لَأَنَّ فِي الْعُزْلِ إِضْرَارًا بِهِ مِنْ حَيْثُ إِبْطَالُ وَلَايَتِهِ أَوْ مِنْ حَيْثُ رُجُوعُ الْحُقُوقِ إِلَيْهِ فَيَنْقُذُ مِنْ مَالِ الْمُوَكَّلِ وَيُسَلِّمَ الْمَبِيعَ فَيَضْمَنُهُ فَيَتَضَرَّرُ بِهِ وَيَسْتَوِي الْوَكِيلُ بِالنِّكَاحِ وَغَيْرِهِ لِلْوَجْهِ الْأَوَّلِ وَقَدْ ذَكَرْنَا اشْتِرَاطَ الْعَدَدِ أَوْ الْعَدَالَةِ فِي الْمُخْبِرِ فَلَا نَعِيدُهُ

ترجمہ پھر اگر وکیل کو معزول کرنے کی خبر نہیں پہنچی تو وہ اپنی وکالت پر رہے گا اور اس کا تصرف جائز ہوگا یہاں تک کہ اس کو معلوم ہو کہ اس کو معزول کرنے میں وکیل کا ضرر ہے اس اعتبار سے کہ اس کی ولایت باطل ہوگئی ہے یا اس اعتبار سے کہ حقوق اس کی طرف راجع ہوں گے پس وکیل مؤکل کے مال سے ثمن ادا کرے گا اور بیع سپرد کرے گا۔ لہذا وہ اس کا ضامن ہو کر اس سے ضرر اٹھائے گا۔ اور دلیل اول کی وجہ سے نکاح کا وکیل اور اس کے علاوہ سب برابر ہوں گے اور خبر دینے والے میں ہم نے عدد یا عدالت کی شرط ہونا ذکر کر دیا ہے اس کا ہم اعادہ نہیں کریں گے۔

تشریح صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مؤکل نے اپنے وکیل کو معزول کیا اور وکیل کو اس کی اطلاع نہیں ہوئی تو یہ معزول شمار نہ ہوگا بلکہ اپنی وکالت پر باقی رہے گا اور اس کا تصرف جائز ہوگا البتہ جب اس کو اپنا معزول ہونا معلوم ہو جائے تو وہ وکیل نہ رہے گا اور اس کے بعد اس کا تصرف جائز نہ ہوگا احناف کا مذہب یہی ہے اور امام شافعی، امام مالک، امام احمدؒ کا ایک قول بھی یہی ہے امام شافعی کے قول اصح کی دلیل یہ ہے کہ وکالت کا نفاذ ہونا مؤکل کا حق ہے اور وکیل کو معزول کر کے مؤکل اپنا حق ساقط کرتا ہے اور انسان اپنا حق ساقط کرنے میں مستقل ہوتا ہے جس پر سے حق ساقط کیا جاتا ہے اس کو مطلع کرنے کا محتاج نہیں ہوتا جیسے شوہر اپنی بیوی کو طلاق دینے میں اور مولیٰ اپنے غلام کو آزاد کرنے میں بیوی اور غلام کو مطلع کرنے کا محتاج نہیں ہوتا۔ ہماری طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ معزول کرنا وکیل کے لئے خطاب ملزم ہے یعنی معزول کرنا ایسا خطاب ہے جو وکیل پر الزام عائد کرتا ہے اس طور پر کہ مؤکل وکیل کو تصرفات سے روکتا ہے اور خطاب کا حکم، مخاطب کے حق میں اسی وقت ثابت ہوتا ہے جب کہ مخاطب کو اس کا علم ہو اور علم سے پہلے مخاطب کے حق میں خطاب کا حکم ثابت نہیں ہوتا جیسے اہل قبۃ تحویل قبلہ کے بعد بھی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے مگر رسول اللہ ﷺ نے اس وقت تک کی تمام نمازوں کو درست قرار دیا جب تک ان کو تحویل کا علم نہیں ہوا اسی طرح تحریم شرب خمر کے بعد معلوم نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے صحابہ شراب پیتے رہے اور اس پر کوئی مواخذہ نہیں ہوا۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے لیس علی الذین امنوا و عملوا الصالحات جناح فیما طعموا۔

اور وجہ اس کی یہ ہے کہ خطاب سے عمل مقصود ہوتا ہے اور عمل بغیر علم کے ممکن نہیں ہے اس لئے بغیر علم و اطلاع کے کوئی انسان عمل کا مکلف نہ ہوگا۔ صاحب ہدایہ نے اپنے مذہب پر دلیل بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ وکیل کو معزول کرنے میں دو وجہوں سے وکیل کا ضرر ہے ایک تو یہ کہ مؤکل جب وکیل کو معزول کرتا ہے تو وہ اس کی ولایت کو باطل کر کے اس کی تکذیب کرتا ہے تو گویا مؤکل وکیل کی اس کے دعویٰ میں تکذیب کرتا ہے اور یوں کہتا ہے کہ میرے معزول کرنے کی وجہ سے اس کی ولایت باطل ہوگئی ہے اور کسی انسان کی اس کے قول میں تکذیب کرنا یہ اس کے حق میں کھلا بوجہ ضرر ہے پس ثابت ہوا کہ وکیل کو بغیر اطلاع دینے معزول کرنا وکیل کو ضرر میں مبتلا کرنا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حقوق عقد وکیل کی طرف لوٹتے ہیں۔ چنانچہ وکیل اگر خریدنے کا وکیل ہو تو وہ مؤکل کے مال سے ثمن ادا کرتا ہے اور اگر وکیل بالبیع ہو تو وکیل، بیع سپرد کرتا ہے اب اگر وکیل کو معزول کر دیا گیا اور اس کو اپنے معزول ہونے کا علم نہ ہوا اور اس معزول کا اعتبار بھی کر لیا گیا تو عزل کے بعد اس کی طرف سے جو بھی تصرف ہوگا وہ خود وکیل ہی کے لئے واقع ہوگا اور ثمن ادا کرنے کی صورت میں ثمن کا ضامن ہوگا اور بیع سپرد کرنے کی صورت میں بیع کا ضامن ہوگا اور اس ضمان کی وجہ

سے وکیل ضرر میں مبتلا ہوگا بہر حال وکیل کو اطلاع دیئے بغیر اگر وکیل کے معزول ہونے کا اعتبار کیا جائے تو وکیل دو جہوں سے ضرر میں مبتلا ہوگا اور شرعاً ضرر کو دور کیا جاتا ہے لہذا وکیل کے مذکورہ ضرر کو دور کرنے کے لئے بغیر وکیل کو اطلاع دیئے اس کو معزول کرنا معتبر نہ ہوگا۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ مذکورہ دو وجہوں میں سے وجہ اول عام ہے جو نکاح، طلاق، بیع، شراء وغیرہ تمام تصرفات کو عام ہے اور وجہ ثانی ان تصرفات کے ساتھ مختص ہے۔ جن میں حقوق، وکیل کی طرف لوٹتے ہیں اور موکل کی طرف نہیں لوٹتے، جیسے بیع، شراء، یعنی وکیل کے بغیر علم، معزول نہ ہونے میں وجہ اول کی وجہ سے نکاح، طلاق، اور بیع وغیرہ کے تمام وکیل برابر ہیں یعنی تمام کا حکم یہ ہے کہ وکیل کو اطلاع دیئے بغیر اگر اس کو معزول کیا گیا تو وہ معزول نہ ہوگا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ اگر وکیل کو معزول کیا گیا اور اس کو علم نہیں ہوا تو اب جو شخص اس کو معزول ہونے کی خبر دے گا حضرت امام صاحب کے نزدیک اس کے لئے عدد یا عدالت شرط ہے یعنی خبر دینے والا اگر ایک ہو تو عادل ہو اور اگر عادل نہ ہو تو پھر دو شخصوں کا ہونا ضروری ہے تفصیل ادب القاضی میں گزر چکی ہے اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

موکل کی موت، جنون اور ردت سے وکالت باطل ہو جاتی ہے

قَالَ وَيَبْطُلُ الْوَكَالَةُ بِمَوْتِ الْمُوَكَّلِ وَجُنُونِهِ جُنُونًا مُطَبَّقًا وَلِحَاقِهِ بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَدًّا لِأَنَّ التَّوَكُّلَ تَصَرُّفٌ غَيْرُ لَازِمٍ فَيَكُونُ لِدَوَامِهِ حُكْمُ ابْتِدَائِهِ فَلَا بُدَّ مِنْ قِيَامِ الْأَمْرِ وَقَدْ بَطَلَ بِهَذِهِ الْعَوَارِضِ وَشَرَطُ أَنْ يَكُونَ الْجُنُونُ مُطَبَّقًا لِأَنَّ قَلِيلَهُ بِمَنْزِلَةِ الْإِعْمَاءِ وَحَدُّ الْمُطَبِّقِ شَهْرٌ عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ إِعْتِبَارًا بِمَا تَسْقُطُ بِهِ الصُّومُ وَعَنْهُ أَكْثَرُ مِنْ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ لِأَنَّهُ يَسْقُطُ بِهِ الصَّلَاةُ الْخَمْسُ فَصَارَ كَالْمَيِّتِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ حَوْلَ كَامِلٍ لِأَنَّهُ يَسْقُطُ بِهِ جَمِيعُ الْعِبَادَاتِ فَقَدَّرَ بِهِ اخْتِطَاطًا قَالُوا الْحُكْمُ الْمَذْكُورُ فِي اللَّحَاقِ قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ لِأَنَّ تَصَرُّفَاتِ الْمُرْتَدِّ مَوْقُوفَةٌ عِنْدَهُ فَكَذَا وَكَأَلْتُهُ فَإِنْ أَسْلَمَ نَفَذَ وَإِنْ قُتِلَ وَلَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ بَطَلَتْ الْوَكَالَةُ فَمَا عِنْدَهُمَا تَصَرُّفَاتُهُ نَافِذَةٌ فَلَا يَبْطُلُ وَكَأَلْتُهُ إِلَّا أَنْ يَمُوتَ أَوْ يُقْتَلَ عَلَى رِدَّتِهِ أَوْ يُحْكَمَ بِلِحَاقِهِ وَقَدْ مَرَّ فِي السِّيَرِ وَإِنْ كَانَ الْمُوَكَّلُ امْرَأَةً فَارْتَدَّتْ فَالْوَكِيلُ عَلَى وَكَأَلْتِهِ حَتَّى تَمُوتَ أَوْ تَلْحَقَ بِدَارِ الْحَرْبِ لِأَنَّ رِدَّتَهَا لَا تُؤَثِّرُ فِي عُقُودِهَا عَلَى مَا عَرِفَ

ترجمہ..... اور وکالت، موکل کی موت، موکل کے دائمی طور پر مجنون ہونے اور مرتد ہو کر دار الحرب میں چلے جانے سے باطل ہو جاتی ہے اس لئے کہ توکیل ایک غیر لازم تصرف ہے پس اس تصرف کے دوام کو اس کی ابتداء کا حکم ہے۔ لہذا امر موکل کا قائم رہنا ضروری ہے۔ حالانکہ ان عوارض کی وجہ سے امر موکل باطل ہو گیا ہے اور شرط لگائی کہ جنون دائمی ہو اس لئے کہ تھوڑا سا جنون بیہوشی کے مرتبہ میں ہے اور جنون مطبق کی حد امام ابو یوسف کے نزدیک ایک ماہ ہے اس پر قیاس کرتے ہوئے جس سے روزہ ساقط ہو جاتا ہے اور امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ ایک دن ایک رات سے زیادہ ہو۔ کیونکہ اس سے پانچ نمازیں ساقط ہو جاتی ہیں لہذا یہ میت کے مثل ہو گیا اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ جنون مطبق پورا ایک سال ہے کیونکہ اس سے تمام عبادات ساقط ہو جاتی ہیں۔ پس اس سے احتیاطاً اندازہ کیا گیا ہے مشائخ نے کہا کہ دار الحرب میں چلے جانے کے سلسلے میں جو حکم ذکر کیا گیا ہے وہ ابو حنیفہ کا قول ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک، مرتد کے تصرفات موقوف رہتے ہیں۔ لہذا اسی طرح اس کی وکالت بھی موقوف رہے گی۔ پس اگر وہ مسلمان ہو گیا تو تصرف نافذ ہو جائیگا اور اگر قتل کر دیا گیا یا دار الحرب میں مل گیا تو وکالت باطل ہو جائے گی۔ بہر حال صاحبین کے نزدیک مرتد کے تصرفات نافذ ہوتے ہیں لہذا اس کی وکالت باطل نہ ہوگی مگر یہ کہ مرتد یا اپنی ردت پر قتل کر دیا جائے یا اس کے دار الحرب میں

لاحق ہونے کا حکم لگا دیا جائے اور یہ اختلاف کتاب السیر میں ذکر ہو چکا ہے اور اگر مؤکل عورت ہو پھر وہ مرتد ہو گئی تو وکیل اپنی وکالت پر رہے گا یہاں تک کہ عورت مرجائے یا دار الحرب میں چلی جائے کیونکہ عورت کا مرتد ہونا اس کے عقد میں مؤثر نہیں ہوتا چنانچہ معلوم ہو چکا۔
تشریح..... صاحب قدوری کہتے ہیں کہ چند صورتوں میں وکالت باطل ہو جاتی ہے۔

ایک..... یہ کہ موت واقع ہو جائے۔

دوم..... یہ کہ مؤکل شب و روز چوبیس گھنٹے مجنون رہنے لگے۔

سوم..... یہ کہ مؤکل مرتد ہو کر دار الحرب میں جا کر رہائش اختیار کرے۔

دلیل..... یہ ہے کہ توکیل ایک غیر لازم تصرف ہے اس لئے کہ لزوم اس چیز کا نام ہے جس کا وجود جانین کی رضامندی پر موقوف ہو حالانکہ توکیل میں ایسا نہیں ہے بلکہ مؤکل اور وکیل دونوں میں سے ہر ایک کو وکالت فسخ کرنے کا اختیار ہے چنانچہ وکیل کے لئے یہ اختیار ہے کہ وہ اپنے آپ کو وکالت سے روک لے اور مؤکل کے لئے یہ اختیار ہے کہ وہ وکیل کو وکالت سے منع کر دے۔ بہر حال توکیل تصرف غیر لازم ہے اور تصرف غیر لازم کی بقاء اور دوام کے لئے وہ سب باتیں ضروری ہوتی ہیں جو اس کی ابتداء کے لئے ضروری ہیں اور وکالت کی ابتداء کے لئے مؤکل کا امر ضروری ہے لہذا اس کی بقاء کے لئے بھی ہمہ وقت مؤکل کے امر کا پایا جانا ضروری ہے اور مذکورہ عوارض موت، جنون مطبق اور ارتداد کی وجہ سے چونکہ مؤکل کا امر باطل ہو جاتا ہے اس لئے ان عوارض کی وجہ سے وکالت بھی باطل ہو جائے گی۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ مصنف قدوری نے جنون کو مطبق کی قید کے ساتھ مقید کیا ہے یعنی ایسا جنون ہو جو شب و روز ہر وقت موجود رہتا ہو۔ کیونکہ جنون قلیل جو کچھ وقت کے لئے رہتا ہو اور ختم ہو جاتا ہو وہ اغماء اور بیہوشی کے مرتبہ میں ہوتا ہے اور مؤکل کے اغما کی وجہ سے وکالت باطل نہ ہوگی۔
صاحب ہدایہ نے کہا کہ جنون مطبق کی حد حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایک ماہ ہے اور اس کو اس پر قیاس کیا ہے اگر کوئی شخص رمضان کا ایک ماہ مجنون رہا تو اس کے ذمہ سے رمضان کا روزہ ساقط ہو جاتا ہے کیونکہ جب وہ عبادات الہی کے خطاب کا اہل نہیں ہے تو دنیاوی معاملات کا اہل بھی نہ ہوگا اور جب اس کی اہلیت ختم ہو گئی تو توکیل بھی باطل ہو جائے گی۔

حضرت امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ جنون مطبق کی حد ایک دن رات ہے ایک روایت یہ ہے کہ جنون مطبق کی حد ایک دن رات سے زائد ہے یعنی اگر مؤکل ایک دن رات سے زیادہ جنون میں مبتلا رہا تو اس کی وکالت باطل ہو جائے گی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مسلسل ایک دن رات مجنون رہنے کی صورت میں پانچوں نمازیں اس کے ذمہ ساقط ہو جاتی ہیں لہذا اس مدت میں مجنون رہنے والا شخص میت کے مانند ہو گیا ہے اور جب یہ مجنون میت کے مانند ہو گیا تو وکالت کا اہل بھی نہ رہے گا اور جب وکالت کا اہل نہ رہا تو اس کی وکالت بھی باطل ہو جائے گی۔

امام محمدؒ نے فرمایا کہ جنون مطبق کی حد ایک سال کی مدت ہے کیونکہ پورے ایک سال مجنون رہنے والے آدمی سے تمام عبادات نماز، روزہ، زکوٰۃ ساقط ہو جاتی ہے۔ لہذا جنون مطبق کی حد احتیاطاً ایک سال کی مدت کے ساتھ مقدر کی گئی ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ مشائخ احناف نے فرمایا ہے کہ مرتد کے دار الحرب میں چلے جانے کا جو حکم متن میں ذکر کیا گیا ہے وہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے کیونکہ حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک مرتد کے تمام تصرفات موقوف رہتے ہیں لہذا اس کی وکالت بھی موقوف رہے گی۔ موقوف رہنے کا مطلب یہ ہے کہ مرتد اگر مسلمان ہو گیا تو اس کا وہ تصرف توکیل جو اس نے روت کے زمانہ میں کیا تھا نافذ ہو جائے گا اور اگر مرتد قتل کر دیا گیا یا دار الحرب میں چلا گیا تو اس کی وکالت باطل ہو جائے گی۔ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ مرتد کے تمام تصرفات نافذ ہیں۔ لہذا مرتد کی وکالت باطل نہ ہوگی۔ ہاں اگر مرتد مر گیا یا اس کو روت پقل کر دیا گیا تو بلاشبہ اس کی وکالت باطل ہو جائے گی۔ اس اختلاف کی تفصیل کتاب السیر میں گزر چکی ہے اور مؤکل عورت ہو اور وہ مرتد ہو گئی تو بالا جماع وکیل اپنی وکالت پر رہے گا یعنی عورت مؤکلہ کے مرتد ہو جانے سے وکالت باطل نہ ہوگی۔

ہاں اگر عورت مرگئی یا دار الحرب میں جا کر مل گئی تو اس کی وکالت بلاشبہ باطل ہو جائے گی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ عورت مرتد ہونے کی وجہ سے چونکہ قتل نہیں کی جاتی اس لئے اس کی ردت اس کے عقود میں مؤثر نہیں ہے تو عورت کے مرتد ہونے سے اس کا تصرف وکالت باطل نہ ہوگا۔ بلکہ اس کی وکالت حسب سابق باقی رہے گی لیکن اگر وہ مرگئی تو مرتد ہونے سے اور اگر دار الحرب میں چلی گئی تو دار الحرب والوں کیساتھ مل جانے سے اس کی وکالت باطل ہو جائے گی۔

مکاتب نے وکیل کیا پھر عاجز آگیا یا ماذون لہ نے وکیل کیا پھر وہ مجبور ہو گیا یا دوشریکوں نے

وکیل کیا پھر وہ جدا ہو گئے تو یہ وجوہ وکالت کو باطل کر دیتی ہیں

قَالَ وَإِذَا وَكَّلَ الْمُكَاتَبُ ثُمَّ عَجَزَ أَوْ الْمَاذُونُ لَهُ ثُمَّ حُجِرَ عَلَيْهِ أَوْ الشَّرِيكَانِ فَافْتَرَقَا فَهَذِهِ أَلْوَجُوهُ تُبْطَلُ الْوَكَالَةُ عَلَى الْوَكِيلِ عِلْمَ أَوْ لَمْ يَعْلَمْ لِمَا ذَكَرْنَا أَنَّ بَقَاءَ الْوَكَالَةِ يَعْتَمِدُ قِيَامُ الْأَمْرِ وَقَدْ بَطَلَ بِالْحَجَرِ وَالْعَجْزِ وَالْإِفْتِرَاقِ وَلَا فَرْقَ بَيْنَ الْعِلْمِ وَعَدَمِهِ لِأَنَّ هَذَا عَزْلٌ حُكْمِيٌّ فَلَا يَتَوَقَّفُ عَلَى الْعِلْمِ كَالْوَكِيلِ بِالْبَيْعِ إِذَا بَاعَهُ الْمُوَكَّلُ

ترجمہ..... اور جب مکاتب نے وکیل کیا پھر وہ عاجز ہو گیا یا ماذون لہ نے وکیل کیا پھر وہ مجبور ہو گیا یا دوشریکوں نے وکیل کیا پھر وہ جدا ہو گئے تو یہ وجوہ وکیل پر وکالت کو باطل کر دیتی ہیں۔ وکیل کو علم ہو یا نہ ہو کیونکہ ہم نے ذکر کیا ہے کہ وکالت کی بقا قیام امر پر موقوف ہے اور موکل کا امر عجز، حجر، اور افتراق سے باطل ہو گیا اور علم اور عدم علم کے درمیان فرق اس لئے نہیں کہ یہ عزل حکمی ہے لہذا یہ وکیل کے جانے پر موقوف نہ ہوگا۔ جیسے وکیل بالبیع جب موکل نے بیع کو فروخت کیا۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مکاتب نے کسی کو وکیل کیا اور پھر مکاتب، بدل کتابت ادا کرنے سے عاجز ہو گیا یعنی پھر رفیق ہو گیا۔ یا عبد ماذون لہ نے کسی کو وکیل کیا پھر موکل نے اس کو تجارت کرنے سے روک دیا یا دوشریکوں میں سے ایک نے کسی تیسرے آدمی کو وکیل کیا پھر وہ دونوں جدا ہو گئے یعنی شرکت باقی نہ رہی تو ان تمام صورتوں میں وکالت باطل ہو جائے گی وکیل کو ان چیزوں کا علم ہو یا نہ ہو کیونکہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ وکالت کی بقا موکل کے حکم کی بنا پر موقوف ہے اور مذکورہ صورتوں میں موکل کا حکم باطل ہو جاتا ہے یعنی عبد ماذون لہ کا حکم حجر کی وجہ سے اور مکاتب کا حکم عجز کی وجہ سے اور شریکین میں سے کسی ایک کا حکم افتراق کی وجہ سے باطل ہو جاتا ہے اور ان صورتوں میں وکیل کے علم اور عدم علم میں فرق اس لئے نہیں کیا گیا کہ ان صورتوں میں وکیل کا معزول ہونا امر حکمی اور غیر اختیاری ہے یعنی ان صورتوں میں معزول کیے بغیر وکیل معزول ہو جاتا ہے اور وکیل کا جاننا عزل قصدی اور ارادی کے لئے شرط ہے نہ کہ عزل حکمی کے لئے یعنی اگر موکل بالقصد اور بالاختیار اپنے وکیل کو معزول کرے تو معزول ہونے کے لئے وکیل کا جاننا ضروری ہے اور اگر موکل کے اختیار ارادہ کے بغیر ہی وکیل معزول ہوا تو وکیل کا جاننا ضروری ہے بہر حال مذکورہ صورتوں میں وکیل کا عزل حکمی اور غیر اختیاری ہے تو یہ معزول ہونا وکیل کے حکم پر موقوف نہ ہوگا بلکہ وکیل بہر حال معزول ہو جائے گا اس کو اس کا علم ہو یا نہ ہو۔

جیسے اگر کوئی شخص وکیل بالبیع ہو اور پھر موکل اس شی کو خود فروخت کر دے جس کو فروخت کرنے کا وکیل کیا تھا تو وکیل معزول ہو جائے گا خواہ اس کو معلوم ہو یا نہ معلوم ہو۔ کیونکہ موکل کے اس شی کو فروخت کرنے کے بعد وکیل کے تصرفات کا محل باقی نہیں رہا تو وکیل کی وکالت بھی باقی نہ رہے گی۔

وکیل فوت ہو جائے یا جنون مطبق ہو جائے تو وکالت باطل ہے

قَالَ وَإِذَا مَاتَ الْوَكِيلُ أَوْ جُنَّ جُنُونًا مُطَبَّقًا بَطَلَتْ الْوَكَالَةُ لِأَنَّهُ لَا يَصِحُّ أَمْرُهُ بَعْدَ جُنُونِهِ وَمَوْتِهِ وَإِنْ لَحِقَ بِدَارِ

الْحَرْبِ مُرْتَدًّا لَمْ يَجْزِ التَّصَرُّفُ إِلَّا أَنْ يُعَوِّدَ مُسْلِمًا قَالَ وَهَذَا عِنْدَ مُحَمَّدٍ فَأَمَّا عِنْدَ أَبِي يُوسُفَ لَا يُعَوِّدُ الْوَكَالَهَ لِمُحَمَّدٍ أَنَّ الْوَكَالَهَ إِطْلَاقٌ لِأَنَّهُ رَفَعَ الْمَنْعَ أَمَّا الْوَكِيلُ يَتَصَرَّفُ بِمَعَانٍ قَائِمَةٍ بِهِ وَإِنَّمَا عَجَزَ بَعَارِضُ اللَّحَاقِ لِتَبَايُنِ الدَّارَيْنِ فَإِذَا زَالَ الْعِجْزُ وَالْإِطْلَاقُ بَاقٍ عَادَ وَكَيْلًا وَلِأَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ إِثْبَاتٌ وَلَايَةِ التَّنْفِيذِ لِأَنَّهُ وَلَايَةُ أَصْلِ التَّصَرُّفِ بِأَهْلِيَّةٍ وَلَوْلَايَةِ التَّنْفِيذِ بِالْمِلْكِ وَبِاللَّحَاقِ لِحَقِّ بِالْأَمْوَاتِ وَبَطَلَتْ الْوَلَايَةُ فَلَا تَعَوُّدُ كَمِلْكِهِ فِي أُمِّ الْوَلَدِ وَالْمُدَبِّرِ وَلَوْ عَادَ الْمُؤَكَّلُ مُسْلِمًا وَقَدْ لَحِقَ بِدَارِ الْحَرْبِ مُرْتَدًّا إِلَّا تَعَوُّدُ الْوَكَالَهَ فِي الظَّاهِرِ وَعَنْ مُحَمَّدٍ أَنَّهَا تَعَوُّدُ كَمَا قَالَ فِي الْوَكِيلِ وَالْفَرْقُ لَهُ عَلَى الظَّاهِرِ أَنَّ مَبْنَى الْوَكَالَهَ فِي حَقِّ الْمُؤَكَّلِ عَلَى الْمِلْكِ وَقَدْ زَالَ فِي حَقِّ الْوَكِيلِ عَلَى مَعْنَى قَائِمٍ بِهِ وَلَمْ يَزَلْ بِاللَّحَاقِ

ترجمہ..... اور جب وکیل مر گیا یا اس کو جنون مطبق ہو گیا تو وکالت باطل ہو گئی اس لئے وکیل کا مامور ہونا اس کے مجنون ہونے اور مر جانے کے بعد صحیح نہیں ہے اور اگر وکیل مرتد ہو کر دار الحرب میں مل گیا تو اس کا تصرف جائز نہیں ہے مگر یہ کہ وہ مسلمان ہو کر واپس آئے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ یہ امام محمدؒ کے نزدیک ہے اور ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کی وکالت عود نہیں کرے گی۔ امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ وکالت تو اطلاق ہے کیونکہ وہ مانع دور کرنا ہے اور رہا وکیل تو وہ ایسے معانی کی وجہ سے تصرف کرتا ہے جو اس کے ساتھ قائم ہوتے ہیں اور وکیل تباین دارین کی وجہ سے عارض طارق کے سبب عاجز ہو گیا پھر جب عجز زائل ہو گیا اور اطلاق باقی ہے تو وہ وکیل ہو کر عود کر آیا اور ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ تو وکیل ولایت تنفیذ کا ثابت ہونا ہے کیونکہ وکیل کو اصل تصرف کی ولایت تو اپنی لیاقت سے حاصل ہے اور نافذ کرنے کی ولایت ملک سے حاصل ہے اور دار الحرب میں جانے سے مردہ لوگوں کے ساتھ مل گیا ہے اور ولایت باطل ہو گئی تو وہ عود نہ کرے گی جیسے ام ولد اور مدبر میں اس کی ملکیت عود نہیں کرتی ہے اور اگر مؤکل مسلمان ہو کر واپس آیا حالانکہ وہ مرتد ہو کر دار الحرب کے ساتھ مل گیا تھا تو ظاہر الروایہ کے مطابق وکالت عود نہیں کرے گی اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ وکالت عود کرے گی جیسا کہ امام محمدؒ نے وکیل کے بارے میں کہا ہے کہ اور ظاہر الروایہ کے مطابق امام محمدؒ کے قول پر فرق یہ ہے کہ وکالت کی بنیاد مؤکل کے حق میں ایسے معنی پر ہے جو اس کے ساتھ قائم ہیں اور دار الحرب میں چلے جانے سے وہ معنی زائل نہیں ہوئے۔

تشریح..... گذشتہ صفحات میں ان عوارض کو بیان کیا گیا ہے جو مؤکل کی جانب سے وکالت کو باطل کرنے والے ہیں۔ اب یہاں ان عوارض کا بیان ہے جو وکیل کی جانب سے وکالت باطل کرنے والے ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ اگر وکیل مر گیا یا اس کو جنون مطبق ہو گیا تو وکالت باطل ہو جائے گی دلیل یہ ہے کہ وکیل کے مجنون ہونے اور مر جانے کے بعد اس کا مامور اور وکیل ہونا درست نہیں ہے حالانکہ صحت وکالت کے لئے یہ بات ضروری ہے کہ وکیل کا مامور ہونا برابر صحیح رہے۔ پس جب جنون مطبق اور مر جانے کے بعد وکیل کا مامور ہونا صحیح نہ رہا تو وکالت بھی باقی نہ رہے گی بلکہ باطل ہو جائے گی تو بحکم وکالت اس کا تصرف کرنا جائز نہ ہوگا۔ الا یہ کہ وہ دار الحرب سے دار الاسلام میں مسلمان ہو کر لوٹے یعنی اگر وکیل مرتد مسلمان ہو کر دار الحرب سے دار الاسلام میں واپس آ گیا تو بحکم وکالت اس کا تصرف جائز ہوگا۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ مسلمان ہو کر واپس ہونے کی صورت میں وکیل کے تصرف کا جائز ہونا حضرت امام محمدؒ کا مذہب ہے ورنہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک باطل شدہ وکالت عود نہ کرے گی اگرچہ وکیل مسلمان ہو کر واپس آئے۔

حضرت امام محمدؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ وکالت تصرف کے اطلاق اور اجازت کا نام ہے کیونکہ وکالت مانع اور رکاوٹ کو دور کرنے کا نام ہے یعنی وکیل کو مؤکل کے معاملات میں تصرف کرنے سے شرعاً ممانعت تھی لیکن جب مؤکل نے وکیل بنا کر ممانعت دور کر دی تو وکیل کے لئے اجازت حاصل ہو گئی اور تصرف کرنے کے لئے وکیل کا ہاتھ کھل گیا۔ اور رہا وکیل تو وہ ایسے معانی کی وجہ سے تصرف کرتا ہے۔ جو معانی اس کی ذات کے ساتھ قائم ہیں یعنی اس کا آزاد، عاقل، بالغ ہونا حاصل یہ کہ بذریعہ وکالت مؤکل کی طرف سے وکیل کو تصرف کرنے کی اجازت بھی حاصل ہو گئی اور

وکیل، حریت عقل اور بلوغ کی وجہ سے تصرف کرنے کا اہل بھی ہے لیکن وکیل ایک عارض کی وجہ سے تصرف کرنے سے عاجز ہو گیا اور وہ عارض وکیل کا دارالحرب میں چلا جانا ہے کیونکہ دارالاسلام اور دارالحرب میں تباہی ہے۔ پس تباہی دار کی وجہ سے وکیل تصرف کرنے سے عاجز ہو گیا لیکن جب مرتد وکیل مسلمان ہو کر دارالاسلام میں واپس آ گیا تو عجز عن التصرف زائل ہو گیا اور مؤکل کی طرف سے اجازت برابر قائم ہے پس جب مؤکل کی طرف سے اجازت قائم ہے اور عجز زائل ہو گیا تو وکیل سابقہ وکالت پر عود کر آئے گا اور بحیثیت مؤکل کے لئے تصرف کرنے کا مجاز ہوگا۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ وکالت، تصرف کا نام نہیں ہے۔ بلکہ تصرف نافذ کرنے کی ولایت کا نام وکالت ہے کیونکہ وکیل کو اصل تصرف کی لیاقت حاصل ہے پس وکیل، مؤکل کے مال میں تصرف کی لیاقت تو رکھتا ہے لیکن اس کو یہ تصرف جائز نہیں ہے اور تصرف نافذ کرنے کی ولایت اس وقت حاصل ہوتی ہے جب وہ اس تصرف کا مالک ہو پس جب مؤکل نے کسی کو وکیل کیا تو وکیل اس تصرف کا مالک ہو گیا پھر جب وکیل دارالحرب میں مل گیا تو وہ مردہ آدمیوں کے ساتھ مل گیا اور جب وکیل مردہ آدمیوں کے ساتھ مل گیا تو اس کی ملک باطل ہو گئی۔ کیونکہ مردہ آدمی، مالک ہونے کی اہلیت نہیں رکھتا ہے اور جب وکیل کی ملک باطل ہو گئی تو اس کی ولایت بھی باطل ہو گئی۔ یعنی تصرف نافذ کرنے کی ولایت نہیں رہی اور باطل شدہ چیز چونکہ عود نہیں کرتی اس لئے تصرف نافذ کرنے کی ولایت عود نہیں کرے گی۔ اور مسلمان ہو کر دارالاسلام میں واپس آنے سے وکیل کی سابقہ وکالت حاصل نہ ہوگی۔ جیسے ام ولد اور مدبر میں اس کی ملکیت عود نہیں کرتی ہے یعنی اگر وکیل مذکور مرتد ہو کر دارالحرب میں مل گیا یعنی قاضی نے اس کے حربی ہونے کا حکم دیدیا تو اس کی ام ولد باندی اور مدبر غلام آزاد ہو گئے کیونکہ مدبر اور ام ولد، مولیٰ کے مرنے سے آزاد ہو جاتے ہیں اور مولیٰ کا دارالحرب میں مل جانا بھی مرنے کے برابر ہے اس لئے یہ دونوں آزاد ہو جائیں گے اب اگر وکیل مذکور مسلمان ہو کر واپس آیا تو اس کی ام ولد اور مدبر دوبارہ اس کی ملکیت میں نہیں آئیں گے اسی طرح اس کی وکالت بھی عود نہ کرے گی یعنی اس کو تصرف نافذ کرنے کی ولایت حاصل نہ ہوگی۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ اگر مؤکل مرتد ہو کر دارالحرب میں مل جائے اور پھر مسلمان ہو کر دارالاسلام میں واپس آ جائے تو ظاہر الروایہ کے مطابق اس کی وکالت عود نہیں کرے گی اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ مؤکل کی توکیل بھی عود کرے گی جیسا کہ وکیل میں ان کا قول ہے یعنی نوادر میں امام محمدؒ سے روایت ہے کہ اگر مؤکل دارالحرب سے مسلمان ہو کر واپس آیا تو اس کی وکالت عود کرے گی یعنی اس کا مقرر کردہ وکیل بدستور وکیل رہے گا جیسے وکیل اگر مرتد ہو کر دارالحرب میں مل گیا پھر مسلمان ہو کر واپس آیا تو امام محمدؒ کے نزدیک وہ بدستور اپنی سابقہ وکالت پر ہو جاتا ہے خلاصہ یہ کہ مؤکل کے بارے میں امام محمدؒ سے دو روایتیں ہیں ایک روایت نوادر کی ہے کہ اس روایت کے مطابق وکیل اور مؤکل کے درمیان کچھ فرق نہیں ہے۔ حتیٰ کہ دارالحرب سے دونوں کے مسلمان ہو کر واپس آنے پر وکالت عود کرتی ہے دوسری روایت ظاہر الروایہ کی ہے کہ اس کے مطابق وکیل اور مؤکل میں فرق ہے چنانچہ امام محمدؒ کے نزدیک اگر وکیل دارالحرب میں مل جانے کے بعد مسلمان ہو کر واپس آیا تو وکالت عود کرتی ہے اور اگر مؤکل واپس آیا تو وکالت عود نہیں کرتی ہے۔ ظاہر الروایہ کے مطابق امام محمدؒ کے واسطے وجہ فرق یہ ہے کہ مؤکل کے حق میں وکالت کی بنیاد ملک پر ہے یعنی مؤکل کو وکیل کرنے کا حق اس لئے ہے کہ مؤکل اسی شے کا مالک ہے جس کے بارے میں وکیل کو وکیل کیا ہے لیکن جب مؤکل مرتد ہو کر دارالحرب میں مل گیا اور قاضی نے اس کے دارالحرب میں ملنے کا حکم بھی کر دیا تو مؤکل کی ملک زائل ہو گئی اور جب مؤکل کی ملک زائل وہ گئی تو وکالت بھی قطعی طور سے باطل ہو گئی اور باطل شدہ چیز چونکہ عود نہیں کرتی اس لئے مؤکل کی یہ وکالت بھی عود نہ کرے گی اور وکیل کے حق میں وکالت کی بنیاد ایسے معنی پر ہے جو وکیل کے ساتھ قائم ہیں یعنی وکیل کا آزاد عاقل بالغ ہونا۔ اور یہ معنی دارالحرب میں مل جانے سے زائل نہیں ہوتے۔ پس جب یہ معنی دارالحرب میں مل جانے سے زائل نہیں ہوئے تو دارالحرب میں مل جانے کے باوجود بھی وکیل کا مکمل تصرف باقی رہا لیکن عارض یعنی لحاق دارالحرب کی وجہ سے تصرف کرنے سے عاجز ہو گیا مگر جب دارالحرب سے واپس آنے پر یہ عارض زائل ہو گیا تو ایسا ہو گیا گویا یہ عارض نہیں تھا۔ بہر حال جب یہ عارض زائل ہو کر کالہم لیکن کے درجہ میں ہو گیا تو وکالت عود کر آئے گی وکیل کو بحیثیت وکیل تصرف کرنے کی اجازت ہوگی۔

کسی شخص نے دوسرے کو وکیل بنایا پھر خود وہی کام کر لیا تو وکالت باطل ہے

قَالَ وَمَنْ وَكَّلَ آخَرَ بِشَيْءٍ ثُمَّ تَصَرَّفَ بِنَفْسِهِ فِيمَا وَكَّلَ بِهِ بَطَلَتِ الْوَكَالَةُ وَهَذَا اللَّفْظُ يَنْطَبُحُ وَجُوهًا مِثْلَ أَنْ يُوَكَّلَهُ بِاعْتِاقِ عَبْدِهِ أَوْ بِكِتَابَتِهِ فَأَعْتَقَهُ أَوْ كَاتَبَهُ الْمُوَكَّلُ بِنَفْسِهِ أَوْ يُوَكَّلَهُ بِتَزْوِيجِ امْرَأَتِهِ أَوْ بِشِرَاءِ شَيْءٍ فَفَعَلَهُ بِنَفْسِهِ أَوْ يُوَكَّلَ بِطَلَاقِ فُطْلَقَهَا الزَّوْجُ ثَلَاثًا أَوْ وَاحِدَةً وَانْقَضَتْ عِدَّتُهَا أَوْ بِالْخُلْعِ فَخَالَعَهَا بِنَفْسِهِ لِأَنَّهُ لَمَّا تَصَرَّفَ بِنَفْسِهِ تَعَدَّى عَلَى الْوَكِيلِ التَّصَرُّفَ فَبَطَلَتِ الْوَكَالَةُ حَتَّى لَوْ تَزَوَّجَهَا بِنَفْسِهِ وَأَبَانَهَا لَمْ يَكُنْ لِلْوَكِيلِ أَنْ يُزَوِّجَهَا مِنْهُ لِأَنَّ الْحَاجَةَ قَدْ انْقَضَتْ بِخِلَافِ مَا إِذَا تَزَوَّجَهَا الْوَكِيلُ وَأَبَانَهَا لَهُ أَنْ يُزَوِّجَ الْمُوَكَّلَ لِبَقَاءِ الْحَاجَةِ وَكَذَا لَوْ وَكَّلَهُ بِبَيْعِ عَبْدِهِ فَبَاعَهُ بِنَفْسِهِ فَلَبَّى رَدُّ عَلَيْهِ بِعَيْبٍ بِقَضَاءِ الْقَاضِي فَعَنْ أَبِي يُوسُفَ أَنَّهُ لَيْسَ لِلْوَكِيلِ أَنْ يَبِيعَهُ مَرَّةً أُخْرَى لِأَنَّ بَيْعَهُ بِنَفْسِهِ مَنَعَ لَهُ مِنَ التَّصَرُّفِ فَصَارَ كَالْعَزْلِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ لَهُ أَنْ يَبِيعَهُ مَرَّةً أُخْرَى لِأَنَّ الْوَكَالََةَ بَاقِيَةٌ لِأَنَّهُ إِطْلَاقٌ وَالْعَجْزُ قَدْ زَالَ بِخِلَافِ مَا إِذَا وَكَّلَهُ بِالْهَبَةِ فَوَهَبَ بِنَفْسِهِ ثُمَّ رَجَعَ لَمْ يَكُنْ لِلْوَكِيلِ أَنْ يَهَبَ ثَانِيًا لِأَنَّهُ مُخْتَارٌ فِي الرُّجُوعِ فَكَانَ دَلِيلُ عَدَمِ الْحَاجَةِ أَمَّا الرَّدُّ بِقَضَاءٍ بغيرِ اخْتِيَارِهِ فَلَمْ يَكُنْ دَلِيلُ زَوَالِ الْحَاجَةِ فَإِذَا عَادَ إِلَيْهِ قَدِيمُ مِلْكِهِ كَانَ لَهُ أَنْ يَبِيعَهُ وَاللَّهُ أَعْلَمُ

ترجمہ..... اگر کسی نے دوسرے کو کسی کام کا وکیل کیا پھر جس کام کا وکیل کیا تھا اس کو خود کر لیا تو وکالت باطل ہوگئی یہ عبارت بہت سی صورتوں کو شامل ہے مثلاً اپنا غلام آزاد کرنے کے واسطے وکیل کیا یا غلام مکاتب کرنے کے واسطے وکیل کیا پھر موکل نے خود اس کو آزاد کر دیا یا اس کو مکاتب کر دیا۔ یا اس کو کسی معینہ عورت کے ساتھ نکاح کرنے کے واسطے یا معینہ چیز خریدنے کے واسطے وکیل کیا پھر موکل نے یہ کام خود کر لیا یا اپنی بیوی کو طلاق دینے کے واسطے وکیل کرے پھر شوہر موکل نے اس کو تین طلاقیں دیدیں یا ایک طلاق دی اور اس کی عدت پوری ہوگئی یا خلع کرنے کا وکیل کرے پھر اس سے موکل نے خود ہی خلع کر لیا اس لئے کہ جب موکل نے بذات خود تصرف کیا تو وکیل پر تصرف کرنا معتذر ہو گیا پس وکالت باطل ہوگئی حتیٰ کہ اگر موکل نے اس عورت سے بذات خود نکاح کیا اور اس کو باندہ کر دیا تو وکیل کو یہ اختیار نہیں کہ موکل کا اس کے ساتھ نکاح کر دے کیونکہ حاجت پوری ہو چکی اس کے برخلاف جب وکیل نے اس عورت کے ساتھ نکاح کیا اور اس کو باندہ کر دیا تو وکیل کو یہ اختیار ہے کہ موکل کے ساتھ اس کا نکاح کر دے کیونکہ حاجت باقی ہے۔ اور اسی طرح اگر اپنا غلام بیچنے کا وکیل کیا پھر اس کو خود فروخت کر دیا۔ پس اگر غلام کسی عیب کی وجہ سے بحکم قاضی موکل پر واپس کیا گیا تو امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ وکیل کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اس کو دوبارہ فروخت کرے کیونکہ موکل کا بذات خود فروخت کرنا وکیل کو تصرف سے روکنا ہے پس یہ معزول کرنے کے مانند ہو گیا اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ وکیل کو دوبارہ فروخت کرنے کا اختیار ہے۔ کیونکہ وکالت باقی ہے اس لئے کہ وکالت اطلاق ہے اور عجز زائل ہو گیا برخلاف اس کے اگر وکیل کو یہ غلام ہبہ کرنے کے واسطے وکیل کیا پھر بذات خود موکل نے اس کو ہبہ کر دیا پھر ہبہ سے رجوع کر لیا تو وکیل کو یہ اختیار نہیں کہ اس کو دوبارہ ہبہ کرے کیونکہ موکل رجوع کرنے میں مختار ہے پس یہ عدم حاجت کی دلیل ہے اور رہا بغیر موکل کے اختیار کے بحکم قاضی بیع واپس کرنا تو یہ زوال حاجت کی دلیل نہیں ہے پس جب وہ غلام اس موکل کے پاس اس کی قدیم ملک سے واپس آیا تو وکیل کے لئے اس کو فروخت کرنے کا اختیار ہے واللہ تعالیٰ اعلم۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے شخص کو کسی کام کا وکیل کیا پھر جس کام کے لئے وکیل کیا تھا موکل نے اس کو خود کر لیا تو وکالت باطل ہوگئی۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ قدوری کا یہ کالم بہت سی صورتوں کو شامل ہے مثلاً:

- (۱) اپنا غلام آزاد کرنے کے واسطے وکیل کیا پھر مؤکل نے اس کو خود آزاد کر دیا۔
- (۲) اپنا غلام مکاتب کرنے کے واسطے وکیل کیا پھر مؤکل نے خود ہی اس کو مکاتب کر دیا۔
- (۳) اس بات کے لئے وکیل کیا کہ وہ ایک متعینہ عورت کے ساتھ مؤکل کا نکاح کر اے مگر مؤکل نے خود ہی اس عورت کے ساتھ نکاح کر لیا۔
- (۴) کوئی صحیح چیز خریدنے کے واسطے وکیل کیا پھر مؤکل نے اس چیز کو خود کر لیا۔
- (۵) اپنی بیوی کو طلاق دینے کے واسطے وکیل کیا پھر مؤکل نے خود اس کو تین طلاقیں دے دیں یا ایک طلاق دی اور اس کی عدت گزر گئی۔
- (۶) اپنی بیوی کو خلع دینے کے واسطے وکیل کیا پھر مؤکل نے بذات خود اس کو خلع دیا ان تمام صورتوں میں وکالت باطل ہو جائے گی اور وکیل کو جگم وکالت اس کام میں تصرف کرنے کا اختیار نہ ہوگا جس کا اس کو وکیل کیا تھا۔ تمام صورتوں میں وکالت باطل ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جب مؤکل نے بذات خود تصرف کر لیا تو وکیل کے لئے تصرف کرنا معذور ہو گیا کیونکہ مؤکل کے تصرف کرنے کے بعد وکیل کا تصرف کرنا تحصیل حاصل کو مستلزم ہے حالانکہ تحصیل حاصل ممتنع ہے۔

بہر حال وکیل پر تصرف کرنا معذور ہو گیا تو وکالت باطل ہوگئی کیونکہ وکیل کے تصرف کرنے کا نام ہی وکالت ہے۔

صاحب ہدایہ نے اس مسئلہ پر مقرر کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر مؤکل نے بذات خود اس عورت کے ساتھ نکاح کیا جس عورت کے ساتھ نکاح کرنے کا وکیل کیا تھا اور پھر مؤکل نے اس عورت کو طلاق دے کر بائنہ کر دیا تو وکیل کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ وہ مؤکل کے ساتھ دوبارہ اس عورت کا نکاح کر دے کیونکہ مؤکل کے بذات خود اس عورت کے ساتھ نکاح کرنے سے اس کی ضرورت پوری ہو چکی اور جب مؤکل کی وہ ضرورت پوری ہو چکی جس کو پورا کرنے کے لئے وکیل کیا گیا تھا تو وکالت باطل ہوگئی اور جب وکالت باطل ہوگئی تو وکیل کو دوبارہ نکاح کرنے کا کوئی اختیار نہ ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر وکیل نے خود اس عورت کے ساتھ نکاح کر کے اس کو بائنہ کر دیا تو وکیل کو اختیار ہے کہ مؤکل کا اس عورت کے ساتھ نکاح کر دے کیونکہ اس عورت کے ساتھ نکاح کرنے کیلئے مؤکل کی ضرورت باقی ہے اور جب مؤکل کی ضرورت باقی ہے تو وکالت بھی باقی ہے۔ اور جب وکالت باقی ہے تو وکیل کو اختیار بھی ہوگا کہ مؤکل کا اس کے ساتھ نکاح کر دے۔

اسی طرح وکالت اس صورت میں باطل ہو جائے گی جبکہ کسی نے دوسرے آدمی کو اپنا غلام فروخت کرنے کا وکیل کیا اور پھر خود ہی اس کو فروخت کر دیا ہو۔ پھر اگر یہ غلام کسی عیب کی وجہ سے جگم قاضی مؤکل کی طرف واپس کر دیا گیا تو حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وکیل کے لئے دوبارہ اس غلام کو فروخت کرنے کا اختیار نہ ہوگا کیونکہ مؤکل کا بذات خود اس غلام کو فروخت کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مؤکل نے وکیل کو تصرف کرنے سے روک دیا ہے۔ اور یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ وکیل کو صراحتہ معزول کر دیا ہو پس جس طرح صراحتہ معزول کرنے کی صورت میں وکیل کو تصرف کا اختیار نہیں ہوتا اسی طرح اس صورت میں بھی وکیل کو دوبارہ غلام فروخت کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

حضرت امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ وکیل کو اس صورت میں دوبارہ فروخت کرنے کا اختیار حاصل ہوگا کیونکہ وکالت اس کام کی مطلق اجازت کا نام ہے جس کام کا اس کو وکیل کیا ہے اور مؤکل کی طرف سے اجازت ناہنوز باقی ہے البتہ مؤکل کے اس غلام کو بذات خود فروخت کرنے کی وجہ سے وکیل تصرف سے عاجز ہو گیا تھا لیکن جب غلام مؤکل کے پاس واپس آ گیا تو یہ عجز زائل ہو گیا۔ بہر حال جب عجز زائل ہو گیا اور وکالت باقی ہے تو وکیل کو اختیار ہوگا کہ وہ اس غلام کو دوبارہ فروخت کر دے۔

اس کے برخلاف اگر کسی نے دوسرے آدمی کو کوئی چیز ہبہ کرنے کا وکیل کیا اور پھر مؤکل نے بذات خود ہبہ کر دیا پھر مؤکل نے ہبہ سے رجوع کر لیا تو وکیل کو بالا جماع دوبارہ ہبہ کرنے کا اختیار نہ ہوگا کیونکہ مؤکل جو بذات خود ہبہ کرنے والا ہے وہ رجوع کرنے میں مختار ہے یعنی اس نے اپنے اختیار سے رجوع کیا ہے۔

اور مؤکل کا اپنے اختیار سے رجوع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کو ہبہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ اگر اس کو ہبہ کی ضرورت ہوتی تو وہ ہرگز رجوع نہ کرتا۔ پس مؤکل کا ہبہ سے رجوع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس نے وکالت کو ختم کر دیا ہے۔ اور جب مؤکل، وکالت کو ختم کر چکا تو وکیل کو ہبہ کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔

اور رہا معیب مبیع کا بحکم قضاء مؤکل کی طرف سے واپس آنا تو یہ مؤکل کے اختیار سے نہیں ہے بلکہ مؤکل کو مجبوراً لینا پڑا۔ اور جب ایسا ہے تو مبیع کا مؤکل کی طرف واپس آنا اس بات کی دلیل نہ ہوگا کہ مؤکل کو غلام فروخت کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ مؤکل کو غلام فروخت کرنے کی ضرورت باقی ہے پس جب غلام معیب مؤکل کی طرف اس کی قدیم ملک کے تحت واپس آیا اور اس کو فروخت کرنے کی ضرورت موجود ہے تو وکیل کو اختیار ہوگا کہ اس کو فروخت کر دے۔ واللہ اعلم بالصواب

جمیل احمد عفی عنہ



کِتَابُ الدَّعْوَى

ترجمہ..... یہ کتاب دعوی کے بیان میں ہے

تشریح..... وکالت کے ابواب میں سبب سے زیادہ مشہور وکالت بالخصوصت ہے اور وکالت بالخصوصت دعوی کا سبب داعی ہے اور دعوی اس کا مسبب ہے اور مسبب چونکہ سبب کے بعد ہوتا ہے اس لئے مصنف ہدایہ نے کتاب الدعوی کو وکالت کے بعد ذکر فرمایا ہے دعوی لغت میں اس قول کا نام ہے جس سے انسان دوسرے آدمی پر حق واجب کرنے کا ارادہ کرے اور فقہاء کی اصلاح میں دعوی اس شخص (قاضی) کی مجلس میں حق کے مطالبہ کا نام ہے جو شخص ثبوت حق کی صورت میں چھکارا دلانے پر قادر ہو۔ دعوی کا سبب وہی ہے جو بیع کا سبب ہے یعنی تعلق البقاء المقدور بتعاطی المعاملات، کیونکہ مدعی کا دعوی یا بقاء نسل کی طرف راجع ہوگا یا بقاء نفس کی طرف یا ان دونوں کے توابع کی طرف اور تینوں صورتوں میں زندگی کو باقی رکھنا مقصود ہوتا ہے۔

دعوی صحیح ہونے کی شرطیں

۱۔ مجلس قاضی ۲۔ مدعی کا دعوی خصم حاضر پر ہو۔ ۳۔ مدعی بشی معلوم ہو۔ ۴۔ اس دعوی کے ساتھ مدعی علیہ پر حکم متعلق ہوتا ہو۔ کیونکہ مجلس غیر قاضی میں دعوی صحیح نہیں ہوتا اور خصم اگر حاضر نہ ہو مدعی بہ مجہول ہو یا دعوی سے مدعی علیہ پر کچھ لازم نہ ہوتا ہو تو ان صورتوں میں دعوی فاسد ہوگا۔ دعوی کا حکم یہ ہے کہ خصم پر نعم یا لا کے ساتھ جواب واجب ہو۔

مدعی پر ترک دعوی سے خصوصت پر جبر نہیں اور مدعی علیہ پر جبر ہے

قَالَ الْمُدَّعِي مَنْ لَا يُجْبَرُ عَلَى الْخُصُومَةِ إِذَا تَرَكَهَا وَالْمُدَّعَى عَلَيْهِ مَنْ يُجْبَرُ عَلَى الْخُصُومَةِ وَمَعْرِفَةُ الْفَرْقِ بَيْنَهُمَا مِنْ أَهَمِّ مَا يُبْتَنَى عَلَيْهِ مَسَائِلُ الدَّعْوَى وَقَدْ اخْتَلَفَ عِبَارَاتُ الْمَشَائِخِ فِيهِ فَمِنْهَا مَا قَالَ فِي الْكِتَابِ وَهُوَ حَدَّثَ عَامَّ صَحِيحٍ وَقِيلَ الْمُدَّعَى مَنْ لَا يَسْتَحِقُّ إِلَّا بَحْجَةً كَالْخَارِجِ وَالْمُدَّعَى عَلَيْهِ مَنْ يَكُونُ مُسْتَحَقًّا بِقَوْلِهِ مِنْ غَيْرِ حُجَّةٍ كَذِي الْيَدِ وَقِيلَ الْمُدَّعَى مَنْ يَتَمَسَّكُ بِغَيْرِ الظَّاهِرِ وَالْمُدَّعَى عَلَيْهِ مَنْ يَتَمَسَّكُ بِالظَّاهِرِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ فِي الْأَصْلِ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ هُوَ الْمُنْكَرُ وَهَذَا صَحِيحٌ لَكِنَّ الشَّانَ فِي مَعْرِفَتِهِ وَالتَّرْجِيحُ بِالْفَقْهَةِ عِنْدَ الْحُدَّاقِ مِنْ أَصْحَابِنَا لِأَنَّ الْإِعْتِبَارَ لِلْمَعَانِي دُونَ الصُّوَرِ فَإِنَّ الْمُوَدَّعَ إِذَا قَالَ رَدَدْتُ الْوَدِيعَةَ فَالْقَوْلُ قَوْلُهُ مَعَ الْيَمِينِ وَإِنْ كَانَ مُدَّعِيًا لِلرَّدِّ صُورَةً لِأَنَّهُ يُنْكَرُ الصَّمَانُ مَعْنَى

ترجمہ..... مدعی وہ شخص ہے کہ اگر وہ دعوی ترک کرے تو اس کو خصوصت پر مجبور نہ کیا جائے اور مدعی علیہ وہ ہے جس کو خصوصت پر مجبور کیا جائے جن امور پر مسائل دعوی مبنی ہیں ان میں سب سے زیادہ اہم ان دونوں کے درمیان فرق کو پہچاننا ہے اس بارے میں مشائخ کی عبارتیں مختلف ہیں۔ منجملہ ان میں سے ایک وہ ہے جس کو قدوری میں بیان کیا ہے یہ تعریف عام ہے صحیح ہے اور کہا گیا کہ مدعی وہ شخص ہے جو بغیر حجت کے مستحق نہ ہو جیسے وہ شخص جو دوسرے کے قبضہ میں کسی عین کا دعوی کرتا ہو اور مدعی علیہ وہ شخص ہے جو صرف اپنے قول سے بغیر حجت کے مستحق ہو جیسے قابض اور کہا گیا کہ مدعی وہ ہے جو خلاف ظاہر سے استدلال کرے اور مدعی علیہ وہ ہے جو ظاہر سے استدلال کرے اور امام محمد نے مبسوط میں کہا کہ مدعی علیہ وہ شخص ہے جو منکر ہو یہ قول اگرچہ صحیح ہے لیکن گفتگو اسی کی شناخت میں ہے اور فقہ کے ذریعہ ترجیح دینے کا حق ہمارے علماء میں ماہرین کو حاصل ہے۔ اس

لئے کہ اعتبار معانی کا ہوتا ہے نہ کہ صورتوں کا چنانچہ اگر مودع (فتح الدال) نے کہا کہ میں ودیعت واپس کر چکا تو مع الیمین اسی کا قول معتبر ہوگا اگرچہ وہ صورت واپس کرنے کا مدعی ہے کیونکہ وہ معنی ضمان کا منکر ہے۔

تشریح..... صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ جن امور پر مسائل دعویٰ مبنی ہیں ان میں سب سے زیادہ اہم بات مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان فرق کی شناخت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے النبیۃ علی المذعی والیمین علی من انکر۔ یعنی مدعی پر بیعت ہے اور مدعی علیہ پر بیعت نہیں ہے لہذا ان دونوں کی معرفت ضروری ہوئی یہی وجہ ہے کہ مدعی اور مدعی علیہ کی تعریف میں مشائخ کا زبردست اختلاف ہے چنانچہ صاحب قدوری نے فرمایا کہ مدعی وہ شخص ہے جس کو خصومت پر مجبور نہ کیا جائے یعنی دعویٰ کرنے کے بعد اگر وہ دعویٰ کو ترک کرنا چاہے تو اس کو ترک کر دے اس پر کسی طرح کا جبر نہیں ہے اور مدعی علیہ وہ شخص ہے جس کو خصومت پر مجبور کیا جائے یعنی مدعی کے دعویٰ کرنے کے بعد اس پر جواب دینا لازم ہے خصومت سے پہلو تہی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ یہ تعریف عام بھی ہے اور صحیح بھی ہے عام تو اس لئے ہے کہ مدعی مدعی علیہ کے سلسلہ میں جس قدر تعریضیں کی گئیں ہیں یہ تعریف ان سب کو شامل ہے اور صحیح اس لئے ہے کہ یہ تعریف اپنے تمام افراد کو جامع اور دخولی غیر سے مانع ہے بعض حضرات مشائخ نے کہا کہ مدعی وہ شخص ہے جو صرف حجت سے مستحق ہو سکتا ہو یعنی یا تو وہ خود بینہ پیش کرے یا مدعی علیہ اقرار کرے اور یا مدعی علیہ قسم کھانے سے انکار کرے۔ جیسے وہ شخص جو ایسے عین کا دعویٰ کرتا ہے جو دوسرے آدمی کے قبضہ میں ہو اس صورت میں مدعی اس عین شی کا مستحق اسی وقت ہوگا جبکہ حجت شرعیہ موجود ہو یعنی مدعی علیہ (قابض) اس دعویٰ کا اقرار کرے یا مدعی بینہ پیش کر دے یا بینہ ہونی کی صورت میں مطالبہ یمین پر مدعی علیہ قسم کھانے سے انکار کر دے اور مدعی علیہ وہ شخص ہے جو صرف اپنے قول سے بغیر حجت کے مستحق ہو جائے جیسے وہ شخص فی الحال عین شی پر قابض ہے چنانچہ اگر قابض نے یہ کہا کہ یہ شی میری ملک ہے تو صرف اتنا کہنے سے اس کا حق ثابت ہو جائے گا جب تک کہ مدعی اپنا استحقاق ثابت نہ کر دے بعض حضرات علماء نے کہا کہ مدعی وہ شخص ہے جو خلاف ظاہر سے استدلال کرے یعنی اس کا قول ظاہر کے خلاف ہو اور مدعی علیہ وہ شخص ہے جس کا قول ظاہر حال کے موافق ہو۔

حضرت امام محمدؒ نے مبسوط میں فرمایا ہے کہ مدعی علیہ منکر کو کہتے ہیں صاحب ہدایہ نے کہا کہ امام محمدؒ کا یہ قول صحیح ہے کیونکہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے الیمین علی من انکر اور ایک حدیث میں ہے الیمین علی المذعی علیہ دونوں حدیثوں کو جمع کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مدعی علیہ اور منکر دونوں ایک ہیں یعنی مدعی علیہ ہی منکر ہوتا ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ امام محمدؒ کے اس قول سے بات صاف نہیں ہوتی کیونکہ ہماری گفتگو اسی منکر کی شناخت میں ہے کہ فریقین میں سے مدعی کون ہے اور منکر (مدعی علیہ) کون ہے اس لئے کہ بعض صورتوں میں ایک آدمی صورتہ مدعی معلوم ہوتا ہے اور معنی منکر معلوم ہوتا ہے اور کبھی ایک شخص صورتہ منکر معلوم ہوتا ہے اور معنی مدعی معلوم ہوتا ہے یعنی ایک شخص میں ایک جہت سے دعویٰ اور ایک جہت سے انکار جمع ہو جاتا ہے اور جب ایک شخص میں دعویٰ اور انکار دونوں جمع ہو جاتے ہیں تو یہ شناخت کرنا لازم ہوگا کہ یہ شخص مدعی ہے یا منکر اور مدعی علیہ ہے۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ ہمارے علماء میں سے جن حضرات کو اللہ تعالیٰ نے حذاقت اور مہارت عطاء فرمائی ہے وہ حضرات معنی کے ذریعہ ترجیح دیتے ہیں۔ یعنی جب دعویٰ کی جہت اور انکار کی جہت متعارض ہو جائیں تو معنی کے ذریعہ ترجیح دی جائے گی یعنی معنی کے اعتبار سے اگر وہ مدعی ہے تو اس کی مدعی قرار دیں گے اور اگر معنی کے اعتبار سے منکر ہے تو اس کو منکر اور مدعی علیہ کہا جائے گا کیونکہ درحقیقت معانی کا اعتبار ہوتا ہے اور ظاہری صورت اور لفظ کا اعتبار نہیں ہوتا چنانچہ اگر مودع (فتح الدال) نے دعویٰ کیا کہ میں ودیعت کا مال مودع (بکسر الدال) کو واپس کر چکا ہوں تو مع الیمین اسی کا قول معتبر ہوگا اگرچہ مودع (فتح الدال) صورتہ واپس کرنے کا مدعی ہے لیکن معنی وجوب ضمان کا منکر ہے یعنی درپردہ وہ کہتا ہے کہ مجھ پر ضمان واجب نہیں ہے پس اس شخص میں چونکہ صورت اور معنی کی دونوں جہتیں متعارض ہو گئیں اس لئے معنی کی جہت کو ترجیح دے کر یہ کہا گیا کہ مودع (فتح الدال)

منکر اور بینہ نہ ہونے کی صورت میں چونکہ منکر کا قول مع الیمین معتبر ہوتا ہے اس لئے یہاں بھی مودع (فتح الدال) کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔

دعویٰ کب قبول کیا جائے گا

قَالَ وَلَا يَقْبَلُ الدَّعْوَى حَتَّى يَذْكُرَ شَيْئًا مَعْلُومًا فِي جَنْبِهِ وَقَدَرَهُ لِأَنَّ فَائِدَةَ الدَّعْوَى الْإِلْزَامُ بِوَاسِطَةِ إِقَامَةِ الْحُجَّةِ وَالْإِلْزَامُ فِي الْمَجْهُولِ لَا يَتَحَقَّقُ فَإِنْ كَانَ عَيْنًا فِي يَدِ الْمُدْعَى عَلَيْهِ كُفْلٌ إِحْضَارُهَا لِيُشِيرَ إِلَيْهَا بِاللَّعْوَى وَكَذَا فِي الشَّهَادَةِ وَالْإِسْتِحْلَافِ لِأَنَّ الْأَعْلَامَ بِأَقْصَى مَا يُمَكِّنُ شَرْطَ وَذَلِكَ بِالْإِشَارَةِ فِي الْمَنْقُولِ لِأَنَّ النَّقْلَ مُمَكِّنٌ وَالْإِشَارَةُ أَبْلَغُ فِي التَّعْرِيفِ وَيَتَعَلَّقُ بِاللَّعْوَى وَجُوبُ الْحُضُورِ وَعَلَى هَذَا الْقَضَاءِ مِنْ آخِرِهِمْ فِي كُلِّ عَصْرِ وَوُجُوبِ الْجَوَابِ إِذَا حَضَرَ لِيُقَيِّدَ حُضُورَهُ وَلِزُومِ إِحْضَارِهِ الْعَيْنِ الْمُدْعَاةَ لِمَا قُلْنَا وَالْيَمِينُ إِذَا أَنْكَرَهُ وَسَنَذْكُرُهُ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى. قَالَ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ حَاضِرَةً ذَكَرَ قِيَمَتَهَا لِيَصِيرَ الْمُدْعَى مَعْلُومًا لِأَنَّ الْعَيْنَ لَا تُعَرَّفُ بِالْوَصْفِ وَالْقِيَمَةُ تُعَرَّفُ بِهِ وَقَدْ تَعَدَّرَ مُشَاهَدَةُ الْعَيْنِ وَقَالَ الْفَقِيهَةُ أَبُو اللَّيْثِ يُشْتَرَطُ مَعَ بَيَانِ الْقِيَمَةِ ذِكْرُ الدُّكُورَةِ وَالْأُنُوثَةِ

ترجمہ..... اور دعویٰ قبول نہیں ہوگا یہاں تک کہ مدعی ایسی شئی بیان کرے جس کی جنس اور مقدار معلوم ہو اس لئے کہ دعویٰ کا فائدہ اقلست حجت کے واسطے سے مدعی علیہ پر مدعی بہ کو لازم کرنا ہے حالانکہ مجہول چیز کا لازم کرنا ناممکن ہے۔ پس اگر مدعی علیہ کے قبضہ میں کوئی مال عین ہو تو مدعی علیہ کو تکلیف دی جائے گی کہ وہ اس مال کو عدالت میں حاضر کرے تاکہ دعویٰ کرنے میں اس کی طرف اشارہ کیا جائے۔ اور اسی طرح گواہی اور قسم لینے میں اس لئے کہ تا وسعت امکاں آگاہ کرنا شرط ہے۔ اور ایسی آگاہی مال منقول میں اشارہ سے ہوتی ہے کیونکہ منقول کرنا ممکن ہے اور تعریف اور شناخت میں اشارہ ابلغ ہوتا ہے اور دعویٰ صحیح کے ساتھ (چند امور) متعلق ہوتے ہیں مدعی کا حاضر ہونا اول سے آخر تک ہر زمانے کے قاضی اسی قول پر چلتے آئے ہیں اور جواب کا واجب ہونا جب مدعی علیہ حاضر ہوتا کہ اس کی حاضری مفید ہو اور مال منقول جس میں دعویٰ واقع ہوا ہے اس کو حاضر کرنا لازم ہے دلیل وہی ہے جس کو ہم بیان کر چکے۔ اور مدعی علیہ جب دعویٰ کا انکار کر دے یمین لازم ہے اس کو انشاء اللہ عنقریب ذکر کریں گے اور اگر وہ مال منقول حاضر نہ ہو تو اس کی قیمت ذکر کر دے تاکہ مدعی (جس کا دعویٰ کیا گیا ہے) معلوم ہو سکے اس لئے کہ مال منقول وصف کے ذریعہ معلوم نہیں ہو سکتا ہے اور قیمت کے ذریعہ شناخت ہو سکتی ہے حالانکہ مال عین کا مشاہدہ کرنا معذرت ہے فقہ ابوالملیت نے کہا کہ قیمت بیان کرنے کے ساتھ مذکر اور مؤنث ہونے کا ذکر کرنا بھی شرط ہے۔

تشریح..... صاحب قدوری نے کہا کہ مدعی کا دعویٰ اس وقت قبول ہوگا جب وہ اس شئی کی جنس اور مقدار ذکر کر دے جس کا دعویٰ کیا گیا ہے مثلاً یہ کہہ کر میرے فلاں آدمی پر ایک سو دینار ہیں ایک سو درہم ہیں ایک کرگندم ہو کیونکہ دعویٰ کا فائدہ یہ ہے کہ حجت قائم کر کے مدعی علیہ پر مدعی کا حق لازم کیا جائے اور مجہول چیز کا لازم کرنا چونکہ ممکن نہیں ہے اس لئے شئی مدعی بہ کی جنس اور مقدار کا بیان کرنا ضروری ہے۔

صاحب قدوری کہتے ہیں کہ اگر مدعی بہ (جس کا دعویٰ کیا گیا ہے) مدعی علیہ کے قبضہ میں مال عین منقول ہو، تو مدعی علیہ کو تکلیف دی جائے گی کہ وہ اس مال کو عدالت قاضی میں حاضر کرے تاکہ مدعی، دعویٰ کرتے وقت اس مال کی طرف اشارہ کر سکے اسی طرح اگر گواہوں نے گواہی دی یا مدعی علیہ سے قسم لی گئی تو مدعی علیہ کو زحمت دی جائے گی کہ وہ مال مدعی بہ کو حاضر کرے تاکہ گواہ ادائے شہادت کے وقت اسکی طرف اشارہ کر سکے اسی طرح اگر گواہوں نے گواہی دی یا مدعی علیہ سے قسم لی گئی تو مدعی علیہ کو زحمت دی جائے گی کہ وہ مال مدعی بہ کو حاضر کرے تاکہ گواہ ادائے شہادت کے وقت اس کی طرف اشارہ کر سکیں اور مدعی علیہ قسم کے وقت اشارہ کر سکے۔

دلیل..... یہ ہے کہ مدعی بہ کے بارے میں جہاں تک ممکن ہو آگاہ کرنا شرط ہے اور ایسی آگاہی مال منقول میں اشارہ سے ہوتی ہے کیونکہ مال

منقول عدالت میں منتقل کرنا بھی ممکن ہے اور اشارہ سے شناخت غایت درجہ کی ہوتی ہے اس لئے کہ اشارہ کرنا تو ایسا ہے جیسے کسی چیز پر ہاتھ رکھ دیا ہو اور ہاتھ رکھنے کے بعد شناخت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ بہر حال اشارہ کرنے کے لئے اس شئی مدعی بہ کا مجلس قاضی میں حاضر کرنا ضروری ہے۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ دعویٰ صحیحہ کے ساتھ چند امور متعلق ہوتے ہیں۔

۱۔ مدعی علیہ پر مجلس قاضی میں حاضر ہونا واجب ہے ہر زمانہ کے قاضیوں کا عمل بھی اسی پر ہے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ اور صحابہ کے بعد تابعین نے اسی پر عمل کیا ہے اور کسی نے نکیر نہیں کی اور ابن ابی لیلیٰ یہی عمل کرتے تھے مگر ابو حنیفہؒ نے نکیر نہیں کی پس یہ اجماع کے قائم مقام ہے اور اس سلسلہ میں اصل باری تعالیٰ کا یہ قول ہے۔

وَإِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُونَ

یعنی جب ان کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جائے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو ایک فریق ان میں سے اعراض کرتا ہے۔

۲۔ جب مدعی علیہ حاضر ہو تو اس پر نعم یا لا کے ساتھ جواب دینا واجب ہے تاکہ اس کی حاضری سود مند ثابت ہو کیونکہ مدعی کی حاضری کا مقصد ہی جواب دہی کرنا ہے۔

۳۔ مال منقول جس میں دعویٰ واقع ہوا ہے سابقہ دلیل کی وجہ سے اس کا مجلس قاضی میں حاضر کرنا لازم ہے۔

۴۔ اور مدعی علیہ اگر دعویٰ کا انکار کر دے اور مدعی بینہ پیش کرنے سے عاجز ہو جائے تو مدعی علیہ پر یحیٰن لازم ہے لزوم یحیٰن کا بیان ان شاء اللہ اس باب کے آخر میں آئے گا۔

صاحب قدوری نے کہا کہ اگر مال منقول جس کا دعویٰ کیا گیا ہے مدعی علیہ کے قبضہ میں موجود نہ ہو بلکہ تلف ہو گیا یا غائب ہو گیا جس کا ٹھکانہ معلوم نہیں ہے تو اس صورت میں مدعی اس مال کی قیمت ذکر کر دے تاکہ مدعی معلوم ہو کر دعویٰ درست ہو جائے اس صورت میں وصف کا بیان کرنا کافی نہ ہوگا۔ کیونکہ وصف کبھی بہت سے اعیان کے درمیان مشترک ہوتا ہے تو اشتراک کی وجہ سے وصف کے ذریعہ عین شئی کی شناخت نہ ہو سکے گی اور جب ایسا ہے تو اس اشتراک کی وجہ سے وصف کا بیان مفید ثابت نہ ہوگا اور رہی قیمت تو اس کے ذریعہ شئی کی شناخت ہو سکتی ہے پس جب قیمت کے ذریعہ شئی کی شناخت ہو سکتی ہے۔ اور عین شئی کا مشاہدہ کرنا مستعذر ہے تو قیمت کا ذکر کرنا مفید ہوگا کیونکہ ایسی صورت میں قیمت کا ذکر ہی آگاہی کا آخری امکانی درجہ ہے۔

فقیرہ ابو الیث نے کہا کہ مذکورہ صورت میں بیان قیمت کے ساتھ یہ بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ وہ چیز جس کا دعویٰ کیا گیا ہے مذکر ہے یا مؤنث ہے۔

زمین کے دعویٰ کے لئے زمین کی حدود اور بے بیان کرے

قَالَ فَإِنِ ادَّعَى عَقَارًا حَدَّدَهُ وَذَكَرَ أَنَّهُ فِي يَدِ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ وَأَنَّهُ يُطَالِبُهُ بِهِ لِأَنَّهُ تَعَدَّرَ التَّعْرِيفُ بِالْإِشَارَةِ لِتَعَدُّرِ النَّقْلِ فَيُصَارُ إِلَى التَّحْدِيدِ فَإِنَّ الْعَقَارَ يُعْرَفُ بِهِ وَيَذَكَّرُ الْحُدُودَ الْأَرْبَعَةَ وَيَذَكَّرُ أَسْمَاءَ أَصْحَابِ الْحُدُودِ وَأَنَسَابَهُمْ وَلَا بُدَّ مِنْ ذِكْرِ الْجَدِّ لِأَنَّ تَمَامَ التَّعْرِيفِ بِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ عَلَى مَا عُرِفَ هُوَ الصَّحِيحُ وَلَوْ كَانَ الرَّجُلُ مَشْهُورًا يُكْتَفَى بِذِكْرِهِ فَإِنَّ ذَكَرَ ثَلَاثَةً مِنَ الْحُدُودِ يَكْتَفَى بِهَا عِنْدَنَا خِلَافًا لِّزُفْرِ لَوْ جُودِ الْأَكْثَرُ بِخِلَافِ مَا إِذَا غَلَطَ فِي الرَّابِعَةِ لِأَنَّهُ يَخْتَلِفُ بِهِ الْمُدَّعَى وَلَا كَذَلِكَ بِتَرْكِهَا وَكَمَا يُشْتَرَطُ التَّحْدِيدُ فِي الدَّعْوَى يُشْتَرَطُ فِي الشَّهَادَةِ وَقَوْلُهُ فِي الْكِتَابِ وَذَكَرَ أَنَّهُ فِي يَدِ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ لَا بُدَّ مِنْهُ لِأَنَّهُ إِنَّمَا يَنْتَصِبُ

خَصْمًا إِذَا كَانَ فِي يَدِهِ وَفِي الْعَقَارِ لَا يَكْتَفِي بِذِكْرِ الْمُدَّعَى وَتَصَدِيقِ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ أَنَّهُ فِي يَدِهِ بَلْ لَا يَثْبُتُ الْيَدُ فِيهِ إِلَّا بِالْبَيِّنَةِ أَوْ عِلْمِ الْقَاضِي هُوَ الصَّحِيحُ نَفْيًا لَتَهْمَةِ الْمَوَاضِعَةِ إِذَا الْعَقَارُ عَسَاهُ فِي يَدِ غَيْرِهِمَا بِخِلَافِ الْمَنْقُولِ لِأَنَّ الْيَدَ فِيهِ مُشَاهَدَةٌ وَقَوْلُهُ وَأَنَّهُ يُطَالِبُهُ بِهِ لِأَنَّ الْمُطَالِبَةَ حَقُّهُ فَلَا بُدَّ مِنْ طَلَبِهِ وَلَا أَنَّهُ يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ مَرهُونًا فِي يَدِهِ أَوْ مَحْبُوسًا بِالثَّمَنِ فِي يَدِهِ وَبِالْمُطَالِبَةِ يَزُولُ هَذَا الْإِحْتِمَالُ وَعَنْ هَذَا قَالُوا فِي الْمَنْقُولِ يَجِبُ أَنْ يَقُولَ فِي يَدِهِ بِغَيْرِ حَقِّ قَالٍ وَإِنْ كَانَ حَقًّا فِي الدِّمَّةِ ذَكَرَ أَنَّهُ يُطَالِبُهُ بِهِ لِمَا قُلْنَا وَهَذَا لِأَنَّ صَاحِبَ الدِّمَّةِ قَدْ حَضَرَ فَلَمْ يَبْقَ إِلَّا الْمُطَالِبَةُ لَكِنْ لَا بُدَّ مِنْ تَعْرِيفِهِ بِالْوَصْفِ لِأَنَّهُ يُعْرِفُ بِهِ

ترجمہ..... اور اگر مدعی نے کسی غیر منقول چیز کا دعویٰ کیا تو مدعی اس کے حدود بیان کرے اور یہ بھی بیان کرے کہ وہ مدعی علیہ کے قبضہ میں ہے اور یہ کہ مدعی نے اس سے اس کا مطالبہ کیا ہے اس لئے کہ مجلس قاضی میں منتقل کرنے کے متعذر ہونے کی وجہ سے اشارہ سے اس کی شناخت کرنا معتذر ہے۔ پس تحدید کی طرف رجوع کیا جائے گا کیونکہ غیر منقول چیز اسی طور پر ہوتی ہے اور چاروں حدود ذکر کرے اور اصحاب حدود کے نام و نسب ذکر کرے اور دادا کا ذکر ضروری ہے اس لئے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دادا کے ذکر سے تعریف پوری ہوتی ہے۔ چنانچہ معلوم ہوا اور یہی روایت صحیح ہے اور اگر آدمی مشہور ہو تو اس کا نام ذکر کرنے پر اکتفاء کیا جائے گا پس اگر مدعی نے تین حدود ذکر کیں تو ہمارے نزدیک ان پر اکتفاء کیا جائے گا۔ امام زفرؒ کا اختلاف ہے اس لئے کہ اکثر حدود پائی گئیں۔ برخلاف اس کے جبکہ چوتھی حد بیان کرنے میں غلطی کی اس لئے کہ اس سے دعویٰ مختلف ہو جاتا ہے اور اس کو ترک کرنے میں یہ بات نہیں ہے اور جیسے دعویٰ میں حدود کا بیان کرنا شرط ہے اسی طرح گواہی میں بھی حدود کا بیان کرنا شرط ہے اور مصنف کا قول قدوری میں و ذکر انہ فی ید المدعی علیہ اس کا بیان ضروری ہے کیونکہ مدعی علیہ اسی وقت خصم قرار پائے گا جبکہ شی مدعی اس کے قبضہ میں ہو اور عقار میں مدعی کے ذکر کرنے اور مدعی علیہ کی تصدیق کرنے پر کہ یہ عقار اس مدعی علیہ کے قبضہ میں ہے اکتفاء نہیں کیا جائے گا بلکہ عقار میں قبضہ ثابت نہیں ہوگا مگر گواہوں سے یا قاضی کو معلوم ہو یہی صحیح ہے تاکہ باہمی ساز باز کی تہمت کی قبی ہو سکے کیونکہ بہت ممکن ہے کہ عقاران دونوں کے علاوہ کے قبضہ میں ہو برخلاف مال منقول کے کیونکہ اس میں قبضہ شاہد ہوتا ہے اور مصنف کا قول و انہ مطالبہ اس لئے ہے کہ مطالبہ اس کا حق ہے لہذا اس کا طلب کرنا ضروری ہوگا اور اس لئے کہ یہ احتمال ہے کہ عقار مذکور کو اس مدعی علیہ کے قبضہ میں بطور رہن ہو یا اس کے قبضہ میں ثمن کی وجہ سے محبوس ہو اور مطالبہ سے یہ احتمال زائل ہو جاتا ہے اور یہیں سے مشائخ نے کہا کہ منقول میں واجب ہے کہ یہ کہے کہ مدعی علیہ کے قبضہ میں یہ چیز ناحق ہے اور اگر مدعی ذمہ میں کوئی حق ہو تو مدعی ذکر کرے کہ وہ مدعی علیہ اس حق کا مطالبہ کرتا ہے اسی دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کی۔

اور یہ اس واسطے کہ صاحب ذمہ تو حاضر ہوا پس سوائے مطالبہ کے کچھ باقی نہ رہا لیکن بیان وصف کے ساتھ اس حق کی شناخت کرنا ضروری ہے کیونکہ وہ حق بیان وصف سے معلوم ہوتا ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر مدعی نے کسی غیر منقول چیز مثلاً زمین یا مکان کا دعویٰ کیا تو اس دعویٰ کے صحیح ہونے کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں۔
۱۔ مدعی، اس شے مدعی بہ کے حدود بیان کرے یعنی یہ بیان کرے کہ مدعی بہ کی مشرقی جانب کا فلاں مالک ہے مغربی جانب کا فلاں، شمالی جانب کا فلاں اور جنوبی جانب کا فلاں مالک ہے۔

۲۔ مدعی یہ بھی بیان کرے کہ شے مدعی بہ مدعی علیہ کے قبضہ میں ہے۔

۳۔ اور یہ بھی بیان کرے کہ میں نے مدعی علیہ سے اس شے مدعی بہ کا مطالبہ بھی کیا ہے۔

اول کی دلیل یہ ہے کہ غیر منقول چیز کو عدالت میں منتقل کرنا چونکہ متعذر ہے اس لئے اشارہ سے اس کا شناخت کرنا ممکن نہ ہوگا اور جب مدعی

کے لئے مدعی بہ کا اشارے سے شناخت کرنا ناممکن نہ ہوگا اور جب مدعی کے لئے مدعی بہ کا اشارے سے شناخت کرنا ناممکن نہ رہا تو اس کی حدود کا بیان کرنا ضروری ہوگا کیونکہ غیر منقول چیز کی شناخت اسی طور پر ہوتی ہے۔ پس مدعی سب سے پہلے اس شہر کو بیان کرے جس شہر میں مدعی بہ واقع ہے پھر شہر میں اس جگہ کو ذکر کرے جہاں وہ واقع ہے اس کے بعد مدعی بہ کے حدود اور بعد ذکر کرے حدود اور بعد ذکر کرے وقت مالکان حدود کے نام اور نسب کا بیان کرنا بھی ضروری ہے مثلاً یوں کہے کہ مدعی بہ کی جانب مشرق کا مالک خالد بن حامد بن ماجد ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مالکان حدود کے نام و نسب میں دادا کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دادا کے ذکر سے تعریف پوری ہوتی ہے۔

جیسا کہ دوسرے موقع پر معلوم ہوا اور یہی قول صحیح ہے صاحب ہدایہ نے کہا کہ مالکان حدود میں سے اگر کوئی شخص معروف و مشہور ہو۔ مثلاً ابن ابی لیلیٰ، امام محمدؒ وغیرہ تو اس کے نام ذکر کرنے پر اکتفاء کیا جائے گا یعنی فقط اس کا نام بغیر نسب کے ذکر کرنا کافی ہوگا اور اگر مدعی نے چار حدود میں سے صرف تین حدود بیان کیں اور چوتھی کا ذکر نہیں کیا تو ہمارے نزدیک اکتفاء کیا جائیگا اور امام زفرؒ کے نزدیک صرف تین حدود کا ذکر کرنا کافی نہ ہوگا۔ امام زفرؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ انھوں نے ترک کی صورت کو غلطی پر قیاس کیا ہے یعنی جس طرح بیان حد میں غلطی کرنے سے دعویٰ باطل ہو جاتا ہے اسی طرح ترک کی صورت میں بھی دعویٰ باطل ہو جائے گا۔

ہماری دلیل..... یہ ہے کہ اس صورت میں اکثر حدود کا ذکر آ گیا اور اکثر کل کے مرتبہ میں ہوتا ہے لہذا اکثر پر کل کا حکم لگا دیا گیا۔ یہاں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ صرف دو حدود کا ذکر کرنا کافی نہ ہوگا۔ ہاں، اگر مدعی نے تین حدود تو صحیح بیان کیں اور چوتھی حد غلط بیان کر دی تو یہ دعویٰ غلط ہوگا کیونکہ مدعی بہ کی حد بیان کرنے میں غلطی کی وجہ سے مدعی بہ مختلف ہو گیا تو دعویٰ درست نہ ہوگا اور چوتھی حد کا بیان چھوڑنے میں یہ بات نہیں ہے کیونکہ وہ حد اپنے موقع پر ہے اگرچہ بیان نہیں ہوئی جیسا کہ اگر دو گواہوں سے بیع اور شمن پر قبضہ کی گواہی دی اور شمن کا ذکر ترک کر دیا تو ان کی گواہی جائز ہوگی اور اگر انھوں نے شمن بیان کرنے میں غلطی کی تو ان کی گواہی جائز نہ ہوگی ترک اور غلطی کے درمیان اس فرق کے بعد امام زفرؒ کا ترک کو غلطی پر قیاس کرنا بھی درست نہ ہوگا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ جس طرح دعویٰ میں حدود کا بیان کرنا شرط ہے اسی طرح گواہی میں بھی حدود کا بیان کرنا شرط ہوگا یعنی جو لوگ اس دعویٰ پر گواہ ہوں گے وہ بھی حدود بیان کریں گے دوسری چیز کی دلیل یہ ہے کہ مدعی علیہ اسی وقت ختم قرار پائے گا جبکشی مدعی بہ اس کے قبضہ میں ہو۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں عقار (غیر منقول چیز) میں مدعی کے بیان کرنے اور مدعی علیہ کی تصدیق کرنے پر کہ یہ عقار میرے قبضہ میں اکتفاء نہیں کیا جائے گا یعنی اگر عقار کا دعویٰ کیا اور ذکر کیا کہ عقار مذکور مدعی علیہ کے قبضہ میں ہے اور مدعی علیہ نے اس امر کا اقرار کر لیا کہ جس عقار پر دعویٰ ہے وہ میرے قبضہ میں ہے تو یہ کافی نہ ہوگا بلکہ بینہ سے مدعی علیہ کے قبضہ کو ثابت کرنا ضروری ہوگا یعنی گواہ اس بات پر گواہی دیں گے کہ ہم نے مذکورہ عقار کو اس مدعی علیہ کے قبضہ میں دیکھا ہے حتیٰ کہ اگر گواہوں نے کہا کہ ہم نے سنا ہے کہ عقار مذکور مدعی علیہ کے قبضہ میں ہے تو یہ گواہی قبول نہ ہوگی۔

یا قاضی کو ذاتی طور پر معلوم ہو کہ عقار مذکور مدعی علیہ کے قبضہ میں ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ مدعی کے یہ بیان کرنے میں کہ عقار مذکور مدعی علیہ کے قبضہ میں ہے اور مدعی علیہ کے اقرار کرنے میں تہمت کا امکان ہے اس طور پر کہ عقار مذکور کو ان دونوں کے علاوہ کسی تیسرے آدمی کے قبضہ میں ہو۔

اور ان دونوں نے اس زمین کو ہتھیا نے کے لئے اس پر اتفاق کر لیا کہ مدعی یہ بیان کریگا کہ عقار مدعی علیہ کے قبضہ میں ہے اور مدعی علیہ اس کی تصدیق کرے گا اور پھر قاضی مدعی کے لئے قبضہ کا فیصلہ کر دے گا پھر دونوں بانٹ کر کھائیں گے پس تہمت کے اس امکان کو دور کرنے کے لئے کہا گیا کہ صرف مدعی کا بیان کرنا اور مدعی علیہ کا اس کی تصدیق کرنا کافی نہ ہوگا بلکہ مدعی علیہ کے قبضہ کو گواہوں کے ذریعہ ثابت کرنا ضروری ہوگا اس کے برخلاف اگر مدعی بہ مال منقول ہو تو اس پر مدعی علیہ کے قبضہ کو ثابت کرنے کے لئے بینہ کا پیش کرنا ضروری نہیں ہے کیونکہ مال منقول میں قبضہ شاہد

ہوتا ہے اور قبضہ دلیل ملکیت ہے لہذا اس صورت میں بغیر بینہ کے مدعی علیہ کا قبضہ ثابت ہو جائے گا اور دعویٰ صحیح ہو جائے گا۔

اور تیسری چیز کی دلیل..... یہ ہے کہ مدعی بہ، مدعی کا حق ہے لہذا مدعی علیہ سے اس کا مطالبہ بھی مدعی کا حق ہوگا اور جب مطالبہ حق کا ہے تو مدعی کیلئے مطالبہ کرنا یعنی مدعی بہ کو طلب کرنا بھی ضروری ہوگا۔

دوسری دلیل..... یہ ہے کہ یہاں یہ احتمال موجود ہے کہ مدعی نے مدعی علیہ سے قرضہ لے کر یہ غفار اس کے پاس بطور ہن رکھ دی ہو۔ یا مدعی نے اس سے اس غفار کو خریدا ہو لیکن ثمن نہ ادا کرنے کی وجہ سے مدعی علیہ نے اس کو روک لیا ہو تو یہ قبضہ دعویٰ صحیح ہونے کی دلیل نہ ہوگا لیکن جب دعویٰ نے اس عقد کا مطالبہ کیا اور مدعی علیہ کے قبضہ سے اس کو نکالنے کا ارادہ کیا تو یہ احتمال زائل ہو جائے گا کیونکہ جو چیز مرہون یا ثمن میں محبوس ہو تو وہ قابض کے قبضہ سے نہیں نکالی جاتی ہے اور اس کا اس طرح مطالبہ نہیں کیا جاتا ہے پس جب مدعی نے مطالبہ کیا تو اس عقار کے مرہون یا محبوس ہونے کا احتمال نہ رہا بہر حال اس احتمال کو رد کرنے کے لئے مطالبہ کرنا ضروری ہے۔

یہیں سے مشائخ نے یہ بات کہی کہ اگر دعویٰ شئی منقول میں ہو تو مدعی کا یہ کہنا ضروری ہوگا کہ یہ شئی مدعی علیہ کے قبضہ میں ناحق طور پر ہے اسلئے کہ ناحق کہنے کے بعد اس شئی کے مرہون یا محبوس بالثمن ہونے کا احتمال نہیں رہے گا کیونکہ شئی مرہون پر مرہون کا قبضہ اور شئی محبوس پر بالغ کا قبضہ بجا اور حق ہوتا ہے۔

صاحب قدوری کہتے ہیں کہ اگر وہ چیز جس کا دعویٰ کیا گیا ہے ذمہ میں کوئی حق یعنی دین ہو تو مدعی کے لئے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ وہ مدعی علیہ سے اس حق کا مطالبہ کرتا ہے دلیل سابق میں گذر چکی ہے کہ مطالبہ مدعی کا حق ہے لہذا اس کا یہ مطالبہ کرنا ضروری ہے اور یہ اس لئے کہ جس کے ذمہ میں حق ہے یعنی مدعی علیہ ہو تو حاضر عدالت ہو گیا پس اب سوائے مطالبہ کے کچھ باقی نہیں رہا۔ مگر چونکہ دین مال معین نہیں ہے اس لئے اس کی طرف اشارہ کرنا تو ناممکن ہے البتہ بیان وصف کے ساتھ اس کی شناخت کرنا ضروری ہوگا کیونکہ جو حق ذمہ میں واجب ہو یعنی غیر معین ہو اس کی شناخت اسی بیان وصف سے ہوئی ہے مثلاً یوں کہے کہ پانچ سو درہم کھرے فلاں وزن کے فلاں بن فلاں بن فلاں کے ذمہ ہیں۔

دعویٰ صحیح ہو جائے تو قاضی مدعی علیہ سے اس کے بارے میں سوال کرے تاکہ جہت حکم کھل

جائے اگر مدعی علیہ نے اقرار کیا تو قاضی مدعی علیہ پر دعویٰ کا حکم کرے گا

قَالَ وَإِذَا صَحَّتِ الدَّعْوَى سَأَلَ الْقَاضِي الْمُدْعَى عَلَيْهِ عَنْهَا لِيُنْكَشِفَ وَجْهَ الْحُكْمِ فَإِنْ اعْتَرَفَ قَضَى عَلَيْهِ بِهَا لِأَنَّ الْإِقْرَارَ مُوجِبٌ بِنَفْسِهِ فَيَأْمُرُ بِالْخُرُوجِ عَنْهُ وَإِنْ أَنْكَرَ سَأَلَ الْمُدْعَى الْبَيِّنَةَ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَلَاكَ بَيِّنَةٌ فَقَالَ لَا فَقَالَ لَكَ يَمِينُهُ سَأَلَ وَرَتَّبَ الْيَمِينَ عَلَى فَقَدِ الْبَيِّنَةِ فَلَا بُدَّ مِنَ السُّؤَالِ لِيُمْكِنَهُ الْإِسْتِحْلَافَ قَالَ وَإِنْ أَحْضَرَهَا قَضَى بِهَا لِإِنْتِفَاءِ التَّهْمَةِ عَنْهَا وَإِنْ عَجَزَ عَنْ ذَلِكَ وَطَلَبَ يَمِينَ خَصْمِهِ اسْتَحْلَفَهُ عَلَيْهَا لِمَا رَوَيْنَا وَلَا بُدَّ مِنْ طَلَبِهِ لِأَنَّ الْيَمِينَ حَقُّهُ أَلَا تَرَى أَنَّهُ كَيْفَ أَصِيفَ إِلَيْهِ بِحَرْفِ اللَّامِ فَلَا بُدَّ مِنْ طَلَبِهِ

ترجمہ..... اور جب دعویٰ ہو گیا تو قاضی مدعی علیہ سے اس دعویٰ کے بارے میں دریافت کرے تاکہ حکم جہت کھل جائے پس اگر مدعی علیہ نے اقرار کیا تو قاضی مدعی علیہ پر اس دعویٰ کا حکم کرے گا۔ کیونکہ اقرار بذات خود موجب ہے پس قاضی اس کو حکم کرے گا کہ وہ اس اقرار کی ذمہ داری سے نکلے اور اگر مدعی علیہ نے دعویٰ کا انکار کیا تو قاضی مدعی سے گواہ طلب کریگا کیونکہ آنحضرت ﷺ نے مدعی سے فرمایا کیا تیرے پاس بینہ ہے۔ اس نے کہا نہیں پھر آپ نے فرمایا اب تیرے واسطے اس مدعی علیہ کی قسم ہے۔ آنحضور ﷺ نے مدعی سے گواہ طلب کئے اور بینہ مفقود ہونے پر قسم کو مرتب

فرمایا لہذا قاضی کا سوال کرنا ضروری ہے تاکہ قاضی کے لئے مدعی علیہ سے لینا ممکن ہو سکے۔ پس اگر مدعی نے بینہ پیش کر دیا تو قاضی بینہ کے مطابق حکم کرے گا کیونکہ اس دعویٰ سے تہمت دور ہوگئی۔ اور اگر وہ اس سے عاجز آ گیا اور اس نے مدعی علیہ سے قسم طلب کی تو قاضی اس دعویٰ پر مدعی علیہ سے قسم لے گا۔ اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی اور مدعی کا قسم طلب کرنا ضروری ہے کیونکہ قسم اسی کا حق ہے کیا تم نہیں دیکھتے ہو کہ قسم مدعی کی طرف حرف لام کے ساتھ کس طرح مضاف کی گئی ہے پس اس کا طلب کرنا ضروری ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب دعویٰ اپنی شرطوں کے ساتھ درست ہو گیا تو قاضی مدعی علیہ سے اس دعویٰ کے بارے میں دریافت کرے گا کہ تو اس دعویٰ کا اقرار کرتا ہے یا انکار کرتا ہے تاکہ قاضی اس دعویٰ کا مدعی علیہ پر حکم کرے گا کیونکہ اقرار بذات خود موجب اور حجت ہوتا ہے قضائے قاضی پر موقوف نہیں ہوتا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ انسان کو چونکہ اپنی ذات پر کمال ولایت حاصل ہے۔ اس لئے محض اس کے اقرار کرنے سے مدعی کا حق اس پر ثابت ہو جائے گا۔ البتہ قاضی مدعی علیہ کو اس بات کا حکم دیگا کہ وہ اس حق کو اداء کر کے بری الذمہ ہو اور اگر مدعی علیہ نے اس دعویٰ کا انکار کیا تو اس دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے قاضی مدعی سے گواہ طلب کرے گا کیونکہ بخاری اور مسلم میں وائل بن حجر کی حدیث ہے کہ حضرت موت سے ایک آدمی آیا اور ایک آدمی کندہ سے آیا۔ حضری نے کہا اے اللہ کے رسول (ﷺ) اس کندی نے میری زمین پر ظلمنا قبضہ کر لیا ہے کندی نے کہا اللہ کے رسول (ﷺ) یہ میری زمین ہے میرے قبضہ میں ہے میں اس میں زراعت کرتا ہوں اس کا اس میں کوئی حق نہیں ہے اللہ کے رسول (ﷺ) نے حضری یعنی مدعی سے کہا کہ کیا تیرے پاس اس دعویٰ پر بینہ موجود ہے حضری نے کہا اللہ کے رسول (ﷺ) بینہ تو موجود نہیں ہے آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ اب تیرے واسطے اس مدعی علیہ کی قسم ہے یعنی تیرے حق کی وجہ سے اس مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی۔

حضری نے کہا اللہ کے رسول (ﷺ) یہ کندی فاجر، فاسق آدمی ہے جھوٹی قسم کھانے میں کوئی پرواہ نہیں کریگا اللہ کے رسول نے کہا تیرے لئے اس کے سوا کوئی حق نہیں ہے

پس وہ کندی یعنی مدعی علیہ جب قسم کھانے کے لئے چلا تو آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ اگر اس شخص نے ناحق طور سے مال کھانے کے لئے جھوٹی قسم کھائی تو قیامت میں اللہ اس سے ناراض ہو کر ملے گا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ (ﷺ) نے مدعی سے اولاً بینہ طلب کیا اور پھر بینہ نہ ہونے کی صورت میں اس پر قسم کو مرتب فرمایا حاصل یہ کہ قسم عدم بینہ پر مرتب ہے اور جب قسم عدم بینہ پر مرتب ہے تو قاضی پہلے مدعی سے بینہ کا سوال کرے گا تاکہ قاضی کے واسطے مدعی علیہ سے قسم لینا ممکن ہو سکے۔

صاحب قدوری نے کہا کہ اگر مدعی نے اپنے دعویٰ پر بینہ پیش کر دیا تو قاضی اس بینہ کے مطابق فیصلہ کرے گا کیونکہ دعویٰ جس میں صدق اور کذب دونوں کا احتمال تھا بینہ کی وجہ سے جانب صدق رائج ہوگئی اور دعویٰ سے تہمت کذب دور ہوگئی اور جب بینہ سے دعویٰ کا صادق ہونا رائج ہو گیا تو قاضی بینہ کے مطابق مدعی کے لئے فیصلہ کر دے گا اور اگر مدعی بینہ پیش کرنے سے عاجز آ گیا اور اس نے مدعی علیہ سے قسم کا مطالبہ کیا تو قاضی اس دعویٰ پر مدعی علیہ سے قسم لے گا۔ دلیل وہی حدیث ہے جو اوپر گذر چکی ہے صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ مدعی علیہ سے قسم لینے کے لئے مدعی کا مطالبہ کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ قسم مدعی علیہ پر مدعی کا ایک حق ہے اور دلیل اس کی یہ ہے کہ حدیث میں یحییٰ بن کوفہ لام کے ساتھ مدعی کی طرف منسوب کیا ہے چنانچہ فرمایا اللہ یمینہ یعنی تیرے واسطے مدعی علیہ کی قسم ہے اس سے معلوم ہوا کہ مدعی علیہ کی قسم مدعی کا حق ہے۔ اور صاحب حق کو اس کا حق اس وقت دلایا جاتا ہے جب وہ طلب کرتا ہے پس اسی طرح جب مدعی اپنا حق یعنی یمین طلب کرے گا تو قاضی، مدعی علیہ سے قسم دلائے گا۔

باب الیمین

ترجمہ..... یہ باب قسم کے بیان میں ہے

تشریح..... پہلے گذر چکا ہے کہ مدعی علیہ جب دعویٰ کا انکار کرے گا اور مدعی بینہ پیش کرنے سے عاجز آ جائے گا اور قسم کا مطالبہ کرے گا تو مدعی علیہ پر قسم واجب ہوگی پس مصنف کتاب نے اس باب میں انھیں احکام کو ذکر کیا ہے جو احکام یمین کے ساتھ متعلق ہوتے ہیں۔

مدعی کے پاس گواہ ہوں اور وہ مدعی علیہ سے قسم کا مطالبہ کرے تو مطالبہ کا حق ہے یا نہیں، اقوال فقہاء

وَإِذَا قَالَ الْمُدْعَى لِي بَيِّنَةٌ حَاضِرَةٌ وَطَلَبَ الْيَمِينَ لَمْ يَسْتَحْلِفْ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ مَعْنَاهُ حَاضِرَةٌ فِي الْمَصْرِ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ يَسْتَحْلِفُ لِأَنَّ الْيَمِينَ حَقُّهُ بِالْحَدِيثِ الْمَعْرُوفِ فَإِذَا طَالَبَهُ بِهِ يَجِيبُهُ وَلَا بِي حَنِيفَةَ أَنَّ ثُبُوتَ الْحَقِّ فِي الْيَمِينَ مُرْتَبِّ عَلَى الْعِجْزِ عَنْ إِقَامَةِ الْبَيِّنَةِ لِمَا رَوَيْنَا فَلَا يَكُونُ حَقُّهُ ذُوْنَهُ كَمَا إِذَا كَانَتْ الْبَيِّنَةُ حَاضِرَةً فِي الْمَجْلِسِ وَمُحَمَّدٌ مَعَ أَبِي يُوسُفَ فِيمَا ذَكَرَهُ الْخَصَافُ وَمَعَ أَبِي حَنِيفَةَ فِيمَا ذَكَرَ الطَّحَاوِيُّ

ترجمہ..... اور جب مدعی نے کہا کہ میرے پاس بینہ موجود ہے اور اس نے مدعی علیہ سے قسم طلب کی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مدعی علیہ سے قسم نہیں لی جائے گی اس کا مطلب یہ ہے کہ گواہ شہر میں موجود ہیں اور امام ابو یوسفؒ نے کہا کہ مدعی علیہ سے قسم لی جائیگی اس لئے کہ یمین مدعی کا حق ہے (اور یہ) حدیث معروف سے ثابت ہے۔

پس جب مدعی، مدعی علیہ سے قسم کا مطالبہ کرے گا تو مدعی علیہ اس کو قبول کرے گا اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ یمین میں حق کا ثبوت اقامت بینہ سے عاجز ہونے پر مرتب ہے اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی ہے پس اقامت بینہ سے عجز کے بغیر قسم مدعی کا حق نہ ہوگی جیسا کہ جب بینہ مجلس قاضی میں موجود ہو اور امام محمدؒ امام خفاف کے بیان کے مطابق ابو یوسفؒ کے ساتھ ہیں اور طحاوی کے بیان کے مطابق ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہیں۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مدعی نے کہا کہ میرے گواہ حاضر ہیں اور اس نے مدعی علیہ سے قسم کا مطالبہ کیا تو حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مدعی علیہ سے قسم نہیں لی جائے گی اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک قسم لی جائے گی۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ حاضرة سے مراد یہ ہے کہ میرے گواہ اس شہر میں حاضر اور موجود ہیں یہ مراد نہیں کہ میرے گواہ عدالت میں حاضر ہیں کیونکہ عدالت پر حاضر ہونے کی صورت میں بالاتفاق مدعی علیہ سے قسم نہیں لی جاتی ہے بلکہ اگر مدعی نے کہا کہ میرے گواہ اس شہر میں حاضر ہیں تو اختلاف ہے۔

امام صاحب فرماتے ہیں کہ قسم نہیں لی جائے گی۔ اور ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ قسم لی جائے گی۔

امام ابو یوسفؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ حدیث مشہور ”الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدْعَى وَالْيَمِينَ عَلَى مَنْ انْكَرَ“ یا سابق میں مذکور لك یمینہ کی وجہ سے یہ بات ثابت ہے کہ قسم مدعی کا حق ہے پس جب مدعی، مدعی علیہ سے اپنے حق یعنی قسم کا مطالبہ کرے گا تو قاضی اس کو قبول کرے گا یعنی مدعی علیہ کو قسم کا حکم دیگا یا یہ کہ مدعی علیہ، مدعی کے اس مطالبہ کو قبول کرے گا یعنی قسم کھائے گا۔

اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ سابقہ حدیث یعنی آپ کا ارشاد مدعی سے لك بينة فقال لا فقال لك بيمينه سے یہ بات ثابت ہے کہ قسم میں مدعی کے حق کا ثابت ہونا گواہ قائم کرنے سے عاجز ہونے پر مرتب ہے لہذا جب تک مدعی گواہ قائم کرنے سے عاجز نہ ہوگا اس وقت تک قسم

مدعی کا حق نہ ہوگی جیسا کہ گواہ اگر قاضی کی مجلس میں موجود ہوں تو بالاتفاق قسم مدعی کا حق نہیں ہے۔

بہر حال جب بینہ کی موجودگی میں قسم مدعی کا حق نہیں ہے تو مدعی اگر بینہ پیش کرنے سے عاجز نہ ہو یعنی بینہ شہر میں موجود ہو تو مدعی کو مدعی علیہ سے قسم طلب کرنے کا کوئی حق نہ ہوگا۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ امام محمدؒ سے دو روایتیں ہیں چنانچہ امام خصاص کی روایت کے مطابق امام محمدؒ امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہیں اور امام طحاویؒ کی روایت کے مطابق امام محمدؒ امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہیں غلیہ الیمان میں صاحب ہدایہ پر اعتراض کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ امام محمدؒ کا قول نہ تو خصاص نے نقل کیا ہے اور نہ طحاویؒ نے نقل کیا ہے لیکن صاحب ہدایہ نے ان دونوں بزرگوں کے حوالہ سے امام محمدؒ کا قول نہ جانے کہاں سے نقل کر دیا ہے واللہ اعلم۔

قسم مدعی پر نہیں لوٹائی جائے گی

قَالَ وَلَا تُرَدُّ الْيَمِينُ عَلَى الْمُدَّعِي لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ الْبَيِّنَةُ عَلَى الْمُدَّعِي وَالْيَمِينُ عَلَى مَنْ أَنْكَرَ قَسَمَ وَالْقِسْمَةُ تَنَافَى الشَّرَكَةِ وَجَعَلَ جِنْسَ الْإِيمَانِ عَلَى الْمُنْكَرِينَ وَلَيْسَ وَرَاءَ الْجِنْسِ شَيْءٌ وَفِيهِ خِلَافُ الشَّافِعِيِّ

ترجمہ..... امام قدوری نے کہا کہ یمن، مدعی پر نہیں لوٹائی جائے گی کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے مدعی پر بینہ ہے اور منکر پر یمن ہے اللہ کے رسول نے تقسیم فرمائی ہے اور تقسیم، شرکت کے منافی ہے اور جنس ایمان کو منکر پر مقرر کیا اور جنس کے علاوہ کوئی چیز باقی نہیں ہے اور اس حکم میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔

تشریح..... صاحب قدوری نے کہا کہ مدعی پر کسی بھی حال میں قسم نہیں ہے یعنی ایسا کبھی نہیں ہوگا کہ مدعی کے محض قسم کھانے پر قاضی اس کے حق میں حکم صادر کر دے اور دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مدعی اور مدعی علیہ کے درمیان دو چیزوں کو تقسیم فرمایا ہے یعنی مدعی پر بینہ مقرر کیا ہے اور مدعی علیہ پر قسم مقرر کی ہے اور تقسیم، شرکت کے منافی ہے۔ پس رسول اکرم ﷺ نے الیمان کو الف لام جنس کے ساتھ ذکر فرما کر جنس قسم، منکر یعنی مدعی علیہ پر لاگو کی ہے اور جنس کے علاوہ کوئی اور چیز باقی نہیں ہے۔ لہذا جب جس قسم مدعی علیہ کے ساتھ مختص ہوگی تو اب قسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں رہا جو مدعی کے واسطے ہو۔ اور جب مدعی کے واسطے قسم کا کوئی حصہ نہیں رہا تو مدعی پر قسم بھی نہ آئے گی۔ صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ اس حکم میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جب مدعی کے پاس بالکل گواہ نہ ہوں اور قاضی نے مدعی علیہ کو قسم دلائی لیکن اس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو قسم مدعی کی طرف عود کرے گی۔ پس اگر مدعی نے قسم کھائی تو قاضی اس کی قسم پر اس کے حق میں فیصلہ صادر کر دے گا۔ اسی طرح اگر مدعی نے ایک گواہ پیش کیا اور دوسرے گواہ سے عاجز ہوا تو بھی مدعی کی طرف قسم عود کرے گی۔ چنانچہ اس گواہ کے ساتھ اگر مدعی قسم کھا گیا تو قاضی اس کے حق میں فیصلہ صادر کر دے گا۔ اور اگر مدعی نے قسم سے انکار کر دیا تو مدعی کے حق میں فیصلہ نہ ہوگا یہی ایک روایت امام مالک اور امام احمد کی ہے۔

ملک مطلق میں قابض کے بینہ قبول نہ ہوں گے اور غیر قابض کے بینہ اولیٰ ہیں

قَالَ وَلَا تُقْبَلُ بَيِّنَةُ صَاحِبِ الْيَدِ فِي الْمَمْلُوكِ الْمُطْلَقِ وَبَيِّنَةُ الْخَارِجِ أَوْلَى وَقَالَ الشَّافِعِيُّ يُقْضَى بِبَيِّنَةِ ذِي الْيَدِ لَا عِصَادَهَا بِالْيَدِ فَيَقْوَى الظُّهُورُ وَصَارَ كَالنِّتَاجِ وَالنِّكَاحِ وَدَعْوَى الْمَمْلُوكِ مَعَ الْإِعْتِقَاقِ أَوْ الْإِسْتِبْلَادِ أَوْ التَّدْبِيرِ وَلَنَا أَنَّ بَيِّنَةَ الْخَارِجِ أَكْثَرُ إِبْتَاتٍ أَوْ إِظْهَارًا لِأَنَّ قَدْرَ مَا أَثْبَتَهُ الْيَدُ لَا يَثْبُتُهُ بَيِّنَةُ ذِي الْيَدِ إِذَا الْيَدُ دَلِيلُ مُطْلَقِ الْمَمْلُوكِ بِخِلَافِ النِّتَاجِ لِأَنَّ الْيَدَ لَا تَدُلُّ عَلَيْهِ وَكَذَا عَلَى الْإِعْتِقَاقِ وَأَخْتِيهِ وَعَلَى الْوَلَاءِ الثَّابِتِ بِهَا

ترجمہ..... صاحب قدوری نے کہا کہ ملک مطلق میں قابض کا بینہ قبول نہ ہوگا اور غیر قابض کا بینہ اولیٰ ہے امام شافعیؒ نے فرمایا کہ قابض کے بینہ پر

فیصلہ ہوگا کیونکہ قبضہ کی وجہ سے بینہ قوی ہو گیا لہذا ظہور بھی قوی ہوگا اور یہ نتائج اور نکاح اور دعویٰ ملک مع الاعتراف یا مع التذہیر کے مانند ہو گیا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ غیر قابض کا بینہ زیادہ مثبت یا زیادہ مظہر ہے کیونکہ جس قدر قبضہ نے ثابت کیا ہے قابض کے بینہ نے اس کو بھی ثابت نہیں کیا ہے اس لئے کہ قبضہ تو مطلق ملک کی دلیل ہے برخلاف نتائج پر دلالت نہیں کرتا ہے اسی طرح اعتناق اور استیلا دو تذہیر اور اس دلاء پر جو ان سے ثابت ہوتی ہے قبضہ دلالت نہیں کرتا ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص مال معین پر قابض ہے اور اس پر ایک غیر قابض نے دعویٰ کیا تو اس کی دو صورتیں ہیں،

۱۔ ایک تو یہ کہ اس نے ملک مقید کا دعویٰ کیا یعنی ملک کا دعویٰ کیا اور مالک ہونے کا سبب بھی ذکر کیا مثلاً یہ کہا کہ یہ غلام جس پر یہ شخص قابض ہے میرا ہے اور میرا اس وجہ سے ہے کہ یہ میری ملک میں میری باندی سے پیدا ہوا ہے یا یہ بیل میرا ہے کیونکہ یہ میری مملوکہ گائے سے میری ملک میں پیدا ہوا ہے۔

۲۔ دوم یہ کہ اس نے ملک مطلق کا دعویٰ کیا یعنی ملک کا دعویٰ تو کیا لیکن مالک ہونے کا سبب بیان نہیں کیا مثلاً یہ کہا کہ یہ چیز میری ملک ہے اور اس قابض کے قبضہ میں ناحق طور پر ہے پس ملک مطلق کی صورت میں اگر قابض نے اپنے مالک ہونے پر بینہ پیش کیا تو ہمارے نزدیک غیر قابض کا بینہ اولیٰ ہوگا لہذا وہی قبول ہوگا اور غیر قابض کا بینہ قبول نہ ہوگا۔

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ قابض کے گواہ قبول ہوں گے اور اسی کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا کیونکہ قابض کی گواہی اس کے قبضہ کی وجہ سے قوی ہوگئی ہے۔ اور جب قابض کی گواہی قوی ہوگئی تو اس سے حق کا ظہور بھی قوی ہوگا اور جس گواہی سے حق کا ظہور زیادہ قوی اور واضح ہو اسی پر فیصلہ کرنا واجب ہے لہذا قابض کے گواہوں کی گواہی کے مطابق قابض کے حق میں فیصلہ صادر کیا جائیگا اور یہ ایسا ہو گیا جیسے نتائج اور نکاح مثلاً خالد کے قبضہ میں ایک بکری ہے اس پر حامد نے دعویٰ کیا اور ہر ایک نے بینہ پیش کیا کہ یہ بکری میری ملک میں میری مملوکہ بکری سے پیدا ہوئی ہے تو اس صورت میں قابض کا بینہ قبول ہوتا ہے اسی طرح ایک عورت پر دو مردوں نے نکاح کا دعویٰ کیا اور یہ عورت ان میں سے ایک کے قبضہ میں ہے تو اس صورت میں بھی قابض کے گواہ قبول ہوتے ہیں۔

اسی طرح اگر شاہد کے قبضہ میں اگر ایک غلام ہو اور اس پر زاہد نے دعویٰ کیا کہ یہ میرا غلام ہے میں نے اس کو آزاد کیا ہے تو اس صورت میں بھی قابض کا بینہ قبول ہوتا ہے۔ اسی طرح اگر ایک باندی ایک کے قبضہ میں ہو اور دوسرے غیر قابض نے دعویٰ کیا کہ میں نے اس باندی کو اپنی ملک میں لاکرام ولد بنایا ہے اور اس پر بینہ قائم کر دیا اور قابض نے کہا کہ میں نے اس کو ام ولد بنایا ہے اور اس پر بینہ قائم کر دیا تو اس صورت میں بھی قابض کا بینہ قبول ہوتا ہے اسی طرح اگر ایک شخص قبضہ میں ایک غلام ہے اور اس نے دعویٰ کیا ہو کہ میں نے اس کو مدبر بنایا ہے اور اس پر بینہ قائم کر دیا اور ایک غیر قابض آدمی نے دعویٰ کیا کہ یہ غلام میرا ہے میں نے اس کو مدبر بنایا ہے اور اس پر بینہ قائم کر دیا۔ تو قابض کا بینہ قبول ہوگا پس جس طرح ان مسائل میں یعنی ملک مقید میں قابض کا بینہ قبول ہوتا ہے اسی طرح ملک مطلق میں قابض کا بینہ قبول ہوگا۔

ہماری دلیل..... یہ ہے کہ غیر قابض کا بینہ اس کے واسطے ملک ثابت کرتا ہے اور قابض کا بینہ قابض کے واسطے ملک ثابت نہیں کرتا ہے کیونکہ قابض کی ملک اس کے قبضہ سے ثابت ہو جاتی ہے پس قابض کا بینہ اس کے واسطے موکد ہوگا جو ملک سے ثابت ہوتی ہے اور تاکید موجود کے لئے وصف کو ثابت کرنے کا نام ہے۔ نہ کہ اصل ملک کو ثابت کرنے کا نام۔ بہر حال جب قابض کا بینہ ثابت شدہ ملک کے لئے موکد ہے اور غیر قابض کا بینہ سے ملک کا اثبات یا اظہار زیادہ ہے تو قابض کے قبضہ کی وجہ سے ظاہری ملک پر غیر قابض کے بینہ کو ترجیح ہوگی اور اس ترجیح کی وجہ سے اسی کا بینہ قبول ہوگا۔ اس کے برخلاف نتائج اس پر قبضہ دلالت نہیں کرتا ہے اسی طرح اعتناق، استیلا اور تذہیر اور وہ دلاء جو ان سے ثابت ہے ان پر قبضہ دلالت نہیں کرتا ہے بلکہ قبضہ سے صرف ملکیت ثابت ہوتی ہے اور نتائج وغیرہ قبضہ سے ثابت نہیں ہوتے حاصل یہ کہ نتائج وغیرہ کو قابض اور

کتاب الدعوی..... ۲۷۶ اشرف الہدایہ جلد - دہم
غیر قابض دونوں کے گواہوں نے یکساں طور پر ثابت کیا ہے۔ لہذا اب ترجیح کی ضرورت پیش آئی تو ہم نے قابض کے گواہوں کو اس کے قبضہ کی وجہ سے ترجیح دی اور ملک مقید کی صورت میں قابض کے گواہوں کو قبول کرنے کا فیصلہ کیا۔

مدعی علیہ قسم سے انکار کر دے تو اس کے خلاف قاضی فیصلہ دیدے

قَالَ وَإِذَا نَكَلَ الْمُدْعَى عَلَيْهِ عَنِ الْيَمِينِ قَضَى عَلَيْهِ بِالنُّكُولِ وَالزَّمَهُ مَا ادَّعَى عَلَيْهِ وَقَالَ الشَّافِعِيُّ لَا يَقْضَى بِهِ بَلْ يَرُدُّ الْيَمِينَ عَلَى الْمُدْعَى فَإِذَا حَلَفَ يَقْضَى بِهِ لِأَنَّ النُّكُولَ يَحْتَمِلُ التَّنَوُّعَ عَنِ الْيَمِينِ الْكَاذِبَةِ وَالتَّرَفُّعَ عَنِ الصَّادِقَةِ وَاشْتِبَاهَ الْحَالِ فَلَا يَنْتَصِبُ حُجَّةٌ مَعَ الْإِحْتِمَالِ وَيَمِينُ الْمُدْعَى دَلِيلُ الظُّهُورِ فَيَصَارُ إِلَيْهِ وَلَنَا أَنَّ النُّكُولَ دَلٌّ عَلَى كَوْنِهِ بَازِلًا أَوْ مُقَرًّا إِذْ لَوْ لَا ذَلِكَ لَأَقْدَمَ عَلَى الْيَمِينِ إِقَامَةً لِلْوَجِبِ وَدَفْعًا لِلضَّرَرِ عَنْ نَفْسِهِ فَيُتَرَجَّحُ هَذَا التَّجَانِبُ وَلَا وَجْهَ لِرَدِّ الْيَمِينِ عَلَى الْمُدْعَى لِمَا قَدَّمَ نَاهُ

ترجمہ..... اور جب مدعی علیہ نے قسم سے انکار کیا تو قاضی انکار کی وجہ سے اس کے خلاف فیصلہ کرے گا اور جو کچھ مدعی نے اس پر دعویٰ کیا ہے وہ اس کے ذمہ لازم کرے گا اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ قاضی انکار کی وجہ سے مدعی علیہ پر حکم نہ دے گا بلکہ قسم کو مدعی پر لوٹائے گا پس اگر مدعی قسم کھا گیا تو قاضی اس کے واسطے حکم دیدے گا کیونکہ مدعی علیہ کا قسم سے انکار کرنا اس بات کا احتمال رکھتا ہے کہ مدعی علیہ جھوٹی قسم سے پرہیز کرنا چاہتا ہے اور سچی قسم سے احتیاط کرنا چاہتا ہے۔ (بہر حال) مدعی علیہ کا انکار اشتباہ حال کا احتمال رکھتا ہے لہذا یہ انکار اس احتمال کے ساتھ حجت نہیں ہو سکتا ہے اور مدعی کا قسم کھانا ظہور حق کی دلیل ہے۔ لہذا اسی کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اور ہماری دلیل یہ ہے مدعی علیہ کا قسم سے انکار اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مدعی علیہ مدعی بہ کو دلیری کے ساتھ دینا چاہتا ہے یا وہ مدعی کے دعویٰ کا معترف ہے۔

اس لئے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ قسم کھانے پر اقدام کرتا کہ جو کچھ شریعت نے واجب کیا ہے وہ اداء کرے اور اپنے اوپر سے ضرر کو دور کرے۔ لہذا یہ جانب راجح ہوگی اور مدعی پر قسم لوٹانے کی کوئی وجہ نہیں ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے۔

تشریح..... صاحب قدوری نے کہا کہ مدعی کے بینہ پیش نہ کرنے کی صورت میں اگر مدعی علیہ نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو مدعی علیہ کے انکار قسم کی وجہ سے قاضی مدعی علیہ کے خلاف حکم دے گا اور مدعی نے جو کچھ اس پر دعویٰ کیا ہے قاضی اس کو مدعی علیہ کے ذمہ لازم کرے گا۔

حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مدعی علیہ کے انکار کرنے پر قاضی فیصلہ دینے کا مجاز نہیں ہے بلکہ قسم مدعی پر لوٹائی جائے گی۔ چنانچہ اگر مدعی قسم کھا گیا تو قاضی اس کے حق میں حکم صادر کر دے گا۔ اور اگر مدعی نے بھی انکار کر دیا تو مقدمہ خارج ہو جائے گا۔ بہر حال مدعی کے قسم کھانے کی صورت میں اس کے حق میں فیصلہ اس لئے صادر کیا جائے گا کہ مدعی علیہ کا قسم سے انکار کرنا اس بات کا احتمال رکھتا ہے کہ شاید مدعی علیہ جھوٹی قسم سے پرہیز کرنا چاہتا ہو یا سچی قسم سے احتیاط کرنا چاہتا ہو بالغرض مدعی علیہ کا حال مشتبہ ہو گیا اور اس احتمال اور اشتباہ حال کے ساتھ مدعی علیہ کا انکار مدعی کے حق میں حجت واقع نہیں ہو سکتا ہے اور مدعی کا قسم کھانا مدعی کے حق پر ہونے کی بین دلیل ہے لہذا مدعی کی قسم کی طرف رجوع کیا جائے گا اور قاضی مدعی سے قسم کا مطالبہ کرے گا۔

ہماری دلیل..... یہ ہے مدعی علیہ کا قسم کھانے سے انکار کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مدعی علیہ مدعی بہ کو دلیری اور جرأت کے ساتھ دینا چاہتا ہے یعنی یہ کہتا ہے کہ مدعی کا دعویٰ تو غلط ہے لیکن میں قسم نہ کھا کر مدعی بہ اداء کر دوں گا یعنی ناحق طور پر اداء کرنا گوارا ہے لیکن قسم کھانا منظور نہیں ہے۔ یا مدعی علیہ اس کے دعویٰ کا اقرار کرتا ہے یعنی یہ کہتا ہے کہ مدعی کا دعویٰ درست ہے لہذا میں جھوٹی قسم نہ کھاؤں گا۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر ان میں سے کوئی بات نہ ہوئی تو وہ شریعت کی واجب کردہ قسم کو اداء کرنے کے لئے اور اپنے اوپر سے ضرر کو دور کرنے کے لئے قسم کھانے کا اقدام ضرور کرتا۔ پس اس کا قسم کھانے سے انکار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مدعی کے دعویٰ کا اقرار کرتا ہے یا قسم کو چھوڑ کر دلیری سے مدعی بہ اداء کرنا چاہتا ہے۔ لہذا امام

شافعی کے بیان کردہ افعال کے مقابلہ میں اسی احتمال کو ترجیح حاصل ہوگی اور مدعی علیہ پر مدعی کا حکم کر دیا جائے گا اور جب اس احتمال کو ترجیح حاصل ہے تو سابقہ دلیل (کہ بینہ مدعی پر ہے اور یمین منکر پر) کی وجہ سے مدعی کی طرف قسم، پھیرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

قاضی مدعی علیہ سے کہے کہ میں تین دفعہ قسم پیش کرتا ہوں اگر وہ رد کر

دے تو اس کے خلاف فیصلہ صادر کر دے

قَالَ وَيَسْبَعِي لِلْقَاضِي أَنْ يَقُولَ لَهُ إِنِّي أَعْرِضُ عَلَيْكَ الِیْمِیْنَ ثَلَاثًا فَإِنْ حَلَفْتَ وَالْأَقْضَيْتُ عَلَيْكَ بِمَا أَدْعَاہُ وَهَذَا لِإِنْذَارٍ لِإِعْلَامِهِ بِالْحُكْمِ إِذْ هُوَ مَوْضِعُ الْخِفَاءِ. قَالَ فَإِذَا كَرَّرَ الْعَرَضَ عَلَيْهِ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَضَى عَلَيْهِ بِالنُّكُولِ وَهَذَا التَّكْرَارُ ذِكْرُهُ الْخَصَّافَ لِزِيَادَةِ الْإِحْطَاءِ وَالْمُبَالَغَةِ فِي إِيْلَاءِ الْعُذْرِ فَأَمَّا الْمَذْهَبُ أَنَّهُ لَوْ قَضَى بِالنُّكُولِ بَعْدَ الْعَرَضِ مَرَّةً جَازَ لِمَا قَدَّمَاهُ هُوَ الصَّحِيحُ وَالْأَوَّلُ أَوَّلِي ثُمَّ النُّكُولُ قَدْ يَكُونُ حَقِيقًا كَقَوْلِهِ لَا أَحْلِفُ وَقَدْ يَكُونُ حُكْمِيًّا بَانَ يَسْكُتَ وَحُكْمُهُ حُكْمُ الْأَوَّلِ إِذَا عَلِمَ أَنَّهُ لَا آفَةَ بِهِ مِنْ طَرَشٍ أَوْ خَرَسٍ هُوَ الصَّحِيحُ

ترجمہ..... اور قاضی کے لئے مناسب ہے کہ وہ مدعی علیہ سے یوں کہے کہ میں تجھ پر تین بار قسم پیش کرتا ہوں پس اگر تو نے قسم کھائی تو فیہا ورنہ تو میں تجھ پر اس چیز کا فیصلہ کروں گا جس کا مدعی نے دعویٰ کیا ہے اور یہ ڈرانا اس کو انکار قسم کے حکم کی خبر دینے کے لئے ہے کیونکہ یہ پوشیدگی کا مقام ہے۔ پس جب قاضی نے مدعی علیہ پر تین بار قسم پیش کی تو انکار کی وجہ سے اس کے خلاف حکم کرے گا اور تین بار قسم کا پیش کرنا خصاف نے ذکر کیا ہے کیونکہ اس میں زیادہ احتیاط اور اظہار عذر میں مبالغہ ہے۔ بہر حال مذہب تو یہ ہے کہ اگر ایک بار پیش کرنے کے بعد انکار کی وجہ سے قاضی نے حکم دیدیا تو بھی جائز ہے، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے پہلے بیان کی ہے اور وہ صحیح ہے اور اولیٰ ہے پھر انکار کبھی حقیقی ہوتا ہے جیسے اس کا قول میں قسم نہیں کھاؤں گا اور کبھی حکمی ہوتا ہے بایں طور کہ وہ سکوت کرے اور اس کا حکم بھی اول کے حکم کے مانند ہے بشرطیکہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ مدعی علیہ کو بہرے یا گونگے ہونے کی کوئی آفت نہیں تھی۔ یہی قول صحیح ہے۔

تشریح..... صاحب قدوری کہتے ہیں کہ اگر مدعی کے پاس بینہ نہ ہو اور مدعی علیہ قسم کے لئے تیار ہو گیا تو قاضی مدعی علیہ سے یہ کہے کہ میں تجھ پر تین بار قسم پیش کروں گا اگر تو نے قسم کھائی تو فیہا یعنی تو دعویٰ مدعی سے چھٹکارا پالے گا اور اگر تو نے قسم نہ کھائی بلکہ قسم کھانے سے انکار کر دیا تو میں تیرے خلاف مدعی کے دعویٰ کا حکم کر دوں گا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ قاضی کا یہ ڈرانا یعنی مدعی علیہ سے یہ کہنا کہ انکار کی صورت میں تیرے خلاف فیصلہ کروں گا اس غرض سے ہے کہ اس کو قسم سے انکار کا حکم بتلادیا جائے کیونکہ یہ پوشیدگی کا مقام ہے یعنی ممکن ہے کہ مدعی علیہ کو امام شافعی کا مذہب معلوم ہو کہ انکار قسم سے مدعی علیہ پر حکم نہیں ہوتا ہے بلکہ مدعی پر قسم لوٹائی جاتی ہے پس قاضی اس کو اپنے مذہب سے (کہ مدعی علیہ کے انکار کے بعد اس کے خلاف حکم کر دیا جائے گا) باخبر کرو تا کہ مدعی علیہ پر یہ بات مخفی نہ رہے۔

صاحب قدوری نے کہا کہ جب قاضی مدعی علیہ پر تین بار قسم پیش کر چکا اور مدعی علیہ ہر بار انکار کر چکا تو اب قاضی اس..... کے خلاف حکم کرے گا صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ یہ تکرار یعنی تین بار قسم کو پیش کرنا امام صاحب کے بیان کے مطابق استحباب کے درجہ میں ہے۔ شرط اور واجب کے درجہ میں نہیں ہے اور اس کا مقصد زیادہ احتیاط اور اظہار عذر میں مبالغہ ہے جیسا کہ مرتد کو تین دن کی مہلت دی جاتی ہے۔ پس یہ تین دن کی مہلت مستحب ہے نہ کہ واجب بہر حال تین بار قسم کا پیش کرنا احتیاط کی وجہ سے ہے۔ ورنہ تو مذہب مفتی بہ حکم یہ ہے کہ اگر قاضی نے ایک بار قسم پیش کرنے کے بعد

مدعی علیہ کے انکار کی بنیاد پر حکم دیدیا تو بھی جائز ہے۔ اور دلیل سابق میں گذر چکی کہ مدعی علیہ انکار کر کے مدعی بیکو دلیری کے ساتھ دینا چاہتا ہے یا مدعی کے دعویٰ کا انکار کرتا ہے اور ان دونوں میں سے کسی میں تکرار شرط نہیں ہے لہذا قسم پیش کرنے میں بھی تکرار شرط نہ ہوگا صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہی قول صحیح ہے یعنی مدعی علیہ کے ایک بار انکار کے بعد اگر قاضی نے فیصلہ کر دیا تو یہ فیصلہ نافذ ہو جائے گا۔

اگرچہ بعض لوگوں نے کہا کہ ایک بار انکار کے بعد اگر قاضی نے حکم کیا تو یہ حکم نافذ ہوگا۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ اول اولیٰ ہے یعنی ایک بار انکار کے بعد فیصلہ کرنا اگرچہ جائز ہے لیکن بہتر یہ ہے کہ تین بار قسم پیش کرنے کے بعد قاضی حکم صادر کرے۔

شرح ہدایہ فرماتے ہیں کہ انکار کبھی تو حقیقی ہوتا ہے مثلاً قاضی کے قسم پیش کرنے کے بعد مدعی علیہ نے کہا میں قسم نہیں کھاؤں گا۔ اور کبھی حکمی ہوتا ہے مثلاً قاضی کے قسم پیش کرنے کے بعد مدعی علیہ نے سکوت اختیار کیا۔ مصنف ہدایہ کہتے ہیں کہ حکمی انکار کا حکم وہی ہے جو حکم حقیقی انکار کا ہے۔ بشرطیکہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ مدعی علیہ کسی آسانی آفت کی وجہ سے نہ بہرا ہے اور نہ گونگا ہے یہی صحیح ہے یعنی مدعی علیہ پر قسم پیش کرنے کے بعد اگر مدعی علیہ نے سکوت کیا تو بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس کے بارے میں لوگوں سے دریافت کیا جائے کہ یہ مدعی علیہ بہر یا گونگا تو نہیں ہے اگر لوگوں نے کہا کہ ایسا تو نہیں ہے تو قاضی اس کو منکر قرار دیکر اس کے خلاف فیصلہ دیدے گا لیکن بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کو مجبوس کیا جائے گا یہاں تک کہ وہ جواب دے اور قول صحیح ہے۔

نکاح کا دعویٰ ہو تو منکر سے قسم لی جائے گی یا نہیں..... اقوال فقہاء

قَالَ وَإِنْ كَانَتْ الدَّعْوَى نِكَاحًا لَمْ يُسْتَحْلَفِ الْمُنْكَرُ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَلَا يُسْتَحْلَفُ عِنْدَهُ فِي النِّكَاحِ وَالرَّجْعَةِ وَالْفَيْءِ فِي الْإِبْلَاءِ وَالرَّقِّ وَالْإِسْتِيلَادِ وَالنَّسَبِ وَالْوَلَاءِ وَالْحُدُودِ وَاللِّعَانِ وَقَالَ أَبُو يُونُسَ وَمُحَمَّدٌ يُسْتَحْلَفُ فِي ذَلِكَ كُلِّهِ إِلَّا فِي الْحُدُودِ وَاللِّعَانِ وَصُورَةُ الْإِسْتِيلَادِ أَنْ تَقُولَ الْجَارِيَةُ أَنَا أُمُّ وَلَدِ مَوْلَايَ وَهَذَا ابْنِي مِنْهُ وَأَنْكَرَ الْمَوْلَى لِأَنَّهُ لَوِ ادَّعَى الْمَوْلَى ثَبَتَ الْإِسْتِيلَادُ بِإِقْرَارِهِ وَلَا يُلْتَفَتُ إِلَى أَنْكَارِهَا لَهْمَا أَنَّ النُّكُولَ إِقْرَارٌ لِأَنَّهُ يَدُلُّ عَلَى كَوْنِهِ كَاذِبًا فِي الْإِنْكَارِ عَلَى مَا قَدَّمَاهُ فَكَانَ إِقْرَارًا أَوْ بَدَلًا عَنْهُ وَالْإِقْرَارُ يَجْرِي فِي هَذِهِ الْأَشْيَاءِ لَكِنَّهُ إِقْرَارٌ فِيهِ شُبْهَةٌ وَالْحُدُودُ تَنْدَرِيءُ بِالشُّبْهَاتِ وَاللِّعَانُ فِي مَعْنَى الْحَدِّ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ بَدَلٌ لِأَنَّ مَعَهُ لَا يَبْقَى الْيَمِينُ وَاجِبَةٌ لِحُصُولِ الْمَقْصُودِ وَأَنْزَالِهِ بِإِذْنِ أُولَى كَيْلَا يَصِيرَ كَاذِبًا فِي الْإِنْكَارِ وَالْبَدَلُ لَا يَجْرِي فِي هَذِهِ الْأَشْيَاءِ وَقَائِدَةُ الْإِسْتِحْلَافِ الْقَضَاءُ بِالنُّكُولِ فَلَا يُسْتَحْلَفُ إِلَّا أَنْ هَذَا بَدَلٌ لِدَفْعِ الْخُصُومَةِ فَيَمْلِكُهُ الْمُكَاتَبُ وَالْعَبْدُ الْمَادُونُ بِمَنْزِلَةِ الضَّيَافَةِ الْيَسِيرَةِ وَصَحَّتْهُ فِي الدِّينِ بِنَاءً عَلَى زَعْمِ الْمَدْعَى وَهُوَ يَقْبِضُهُ حَقًّا لِنَفْسِهِ وَالْبَدَلُ مَعْنَاهُ هَهُنَا تَرُكُ الْمَنْعِ وَأَمْرُ الْمَالِ هَبْنِ

ترجمہ..... اور اگر دعویٰ نکاح کا ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک منکر سے قسم نہیں لی جائے گی اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نکاح میں، رجعت میں، ایلاء کے رجوع کرنے میں رقیّت میں، استیلاء میں، نسب میں، ولاء میں، حدود میں، لعان میں قسم نہیں لی جائے گی اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ ان تمام میں قسم لی جائے گی سوائے حدود اور لعان کے۔ اور استیلاء کی صورت یہ ہے کہ باندی کہے کہ میں اپنے مولیٰ کی ام ولد ہوں اور یہ میرا بیٹا اسی سے پیدا ہوا ہے اور مولیٰ اس سے انکار کر دے۔ اس لئے کہ اگر مولیٰ نے دعویٰ کیا تو استیلاء اس کے قرار سے ثابت ہو جائے گا اور باندی کے انکار کی طرف التفات نہ ہوگا۔ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ قسم سے انکار کرنا ایک اقرار ہے کیونکہ مدعی علیہ کا قسم سے انکار کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ مدعی علیہ

دعویٰ کے انکار میں جھوٹا ہے جیسا کہ ہم نے سابق میں بیان کیا پس قسم سے انکار کرنا دعویٰ کا اقرار ہے یا اقرار کا بدل ہے اور ان چیزوں میں اقرار جاری ہوتا ہے۔ لیکن یہ ایسا اقرار ہے جس میں شبہ ہے اور حد و شبہات کی وجہ سے دور ہو جاتی ہیں اور لعان حد کے معنی میں ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ قسم سے انکار کرنا بدل یعنی دلیری کے ساتھ مال دینا ہے اور بدل کے ساتھ قسم واجب نہیں رہی ہے۔ اس لئے کہ مقصود حاصل ہو گیا اور اس کو بدل ٹھہرانا بہتر ہے تاکہ وہ انکار میں جھوٹا نہ ہو اور ان چیزوں میں بدل جاری نہیں ہوتا ہے اور قسم کا فائدہ یہ ہے کہ انکار پر حکم دے دیا جائے۔ پس قسم نہیں لی جائے گی، مگر یہ بدل خصوصت دور کرنے کے لئے ہے۔ لہذا اس کا مالک مکاتب اور عبد مازون بھی خفیف سی ضیافت کے مرتبہ میں ہوگا اور دین میں اس کا صحیح ہونا مدعی کے گمان کی بناء پر ہے اور اس مال پر قبضہ اپنے ذاتی حق کے طور پر کرتا ہے اور اس جگہ بدل کے معنی روک کو دور کرنا ہے اور مال کا معاملہ آسان ہے۔

تشریح..... مصنفؒ نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نو چیزیں ایسی ہیں جن میں منکر یعنی مدعی علیہ سے قسم نہیں لی جاتی ہے اور وہ نو چیزیں یہ ہیں۔

(۱) نکاح یعنی مرد نے کسی عورت پر دعویٰ کیا کہ میں نے اس عورت کے ساتھ نکاح کیا ہے اور عورت اس کا انکار کرتی ہے یا عورت نے نکاح کا دعویٰ کیا اور مرد اس کا منکر ہے۔

(۲) رجعت یعنی مرد نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی اور اس کی عدت پوری ہو گئی اس کے بعد مرد نے دعویٰ کیا کہ میں نے عدت کے زمانہ میں اس نے رجعت کر لی تھی مگر عورت اس کی منکر ہے یا عورت نے دعویٰ کیا کہ عدت کے زمانہ میں اس نے رجعت کر لی تھی مگر مرد اس کا منکر ہے۔

(۳) ایلا رجعت یعنی مدت ایلاء گزرنے کے بعد مرد نے دعویٰ کیا کہ میں مدت ایلاء میں اس کو رجوع کر چکا ہوں اور عورت اس کی منکر ہے یا عورت نے رجوع کرنے کا دعویٰ کیا اور مرد نے اس کا انکار کیا۔

(۴) رقیۃ یعنی ایک شخص نے ایک مجہول النسب آدمی کے بارے میں دعویٰ کیا کہ میرا غلام ہے اور مجہول النسب نے اس کا انکار کیا مجہول النسب نے دعویٰ کیا کہ میں اس کا غلام ہوں اور اس نے اس کا انکار کیا۔

(۵) استیلاء یعنی ایک باندی نے اپنے مولیٰ پر دعویٰ کیا کہ میں نے اس کے نطفہ سے ایک بچہ جنما اور مولیٰ نے اس کا انکار کیا۔ اس صورت میں عکس جاری نہیں ہوگا کیونکہ اگر مولیٰ نے دعویٰ کیا تو مولیٰ کے اقرار سے استیلاء ثابت ہو جائے گا اور باندی کے انکار کی طرف التفات نہ ہوگا۔

(۶) نسب یعنی ایک شخص نے ایک مجہول النسب پر دعویٰ کیا کہ یہ میرا بیٹا ہے یا یہ میرا باپ ہے اور مجہول النسب نے اس کا انکار کیا یا مجہول النسب نے اس بات کا دعویٰ کیا اور اس شخص نے اس کا انکار کیا۔

(۷) ولاء یعنی ایک شخص نے ایک مجہول النسب آدمی کے بارے میں دعویٰ کیا کہ میں نے اس کو آزاد کیا ہے اور میں اس کا مولیٰ ہوں مگر مجہول النسب نے اس کا انکار کیا یا مجہول النسب نے اس بات کا دعویٰ کیا اور اس شخص نے اس کا انکار کیا۔

(۸) حدود یعنی ایک شخص نے دوسرے پر ایسی چیز کا دعویٰ کیا جو حد واجب کرتی ہو مثلاً زنا یا چوری کا دعویٰ کیا اور وہ دوسرا شخص اس کا منکر ہے۔

(۹) لعان یعنی عورت نے اپنے شوہر پر دعویٰ کیا کہ اس نے مجھ پر ایسی تہمت لگائی ہے جو لعان واجب کرتی ہے مگر شوہر نے اس کا انکار کیا۔ سوائے لعان کے تمام چیزیں قدوری میں مذکور ہیں اور لعان اگر قدوری میں مذکور نہیں ہے لیکن جامع صغیر میں مذکور ہے۔

صاحبینؒ نے فرمایا کہ حدود اور لعان کے علاوہ میں منکر یعنی مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی حاصل یہ کہ حدود لعان میں تو بالاتفاق مدعی علیہ یعنی منکر سے قسم نہیں لی جائے گی لیکن باقی سات چیزوں میں اختلاف ہے یعنی امام صاحب کے نزدیک ان سات چیزوں میں قسم نہیں لے جائے گی اور صاحبینؒ کے نزدیک لی جائے گی۔ حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک قسم نہ لینے کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر مدعی کے پاس بینہ نہ ہو تو مقدمہ خارج کر دیا جائے گا اور قاضی مدعی کے حق میں فیصلہ کرنے کا مجاز نہ ہوگا۔

صاحبین کی دلیل..... یہ ہے کہ مدعی علیہ منکر کا قسم کھانے سے انکار کرنا ایک طرح سے مدعی کے دعویٰ کا اقرار ہے کیونکہ قسم کھانے سے انکار کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مدعی علیہ، مدعی کے دعویٰ کا انکار کرنے میں بالکل جھوٹا ہے اس لئے کہ اگر مدعی علیہ انکار دعویٰ میں جھوٹا نہ ہوتا تو وہ قسم کھانے کا اقدام ضرور کرتا کیونکہ قسم کھانے میں تین فائدے ہیں ایک تو یہ کہ مدعی علیہ اپنے اوپر شریعت کے واجب شدہ حق یعنی قسم کو اداء کرنے والا ہوگا دوم یہ کہ اپنے اوپر سے تہمت کذب کے ضرر کو دور کرنے والا ہوتا۔ سوم یہ مال مدعی بہ کو اپنی ملک میں باقی رکھنے والا ہوتا اور چوتھا فائدہ یہ بھی ہے کہ جب قسم کھاتے وقت اللہ کے نام کو بغرض تعظیم اپنی زبان پر جاری کرتا ہو تو اس میں ثواب بھی حاصل ہوتا۔

بہر حال مدعی علیہ اگر اپنی قسم میں کاذب نہ ہوتا تو وہ ان فوائد کو ہر گز ہر گز ترک نہ کرتا لیکن ان فوائد کے باوجود قسم کھانے سے پہلو تہی کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مدعی علیہ انکار دعویٰ میں بالکل کاذب اور جھوٹا ہے الغرض مدعی علیہ کا قسم کھانے سے انکار کرنا مدعی کے دعویٰ کا اقرار ہے یا اقرار کا بدل اور خلیفہ اور اقرار مذکورہ تمام چیزوں میں جاری ہوتا ہے۔ لہذا انکار عن الیسین بھی تمام چیزوں میں جاری ہوگا اور انکار عن الیسین اسی وقت جاری ہوگا جبکہ مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی۔ پس ثابت ہو گیا کہ مذکورہ مسائل میں مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی اس کو شکل اول کے طور پر مختصر ایوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یمین سے انکار، اقرار ہے اور اقرار مذکورہ چیزوں میں جاری ہوتا ہے۔ لہذا انکار مذکورہ چیزوں میں جاری ہوگا اور جب مذکورہ چیزوں میں انکار جاری ہو گیا تو استخلاف یعنی قسم لینا بھی جاری ہوگا کیونکہ استخلاف کا فائدہ یعنی انکار پر قاضی کا مدعی کے حق میں فیصلہ کرنا موجود ہے۔ جیسا کہ دوسرے مسائل میں اسی فائدہ سے کیوجہ سے مدعی علیہ سے قسم لی جاتی ہے۔ پس جب یہ فائدہ ان مسائل میں بھی موجود ہے تو ان مسائل میں بھی مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی۔ لیکن انکار عن الیسین مدعی کے دعویٰ کا ایسا اقرار ہے جس میں شبہ ہے کیونکہ یمین سے انکار کرنا دعویٰ کے بارے میں فی نفسه سکوت ہے اور سکوت اقرار تو ہوتا ہے مگر شبہ کے ساتھ اور شبہات کی وجہ سے حدود دور ہو جاتی ہیں۔ لہذا مدعی علیہ کے اس اقرار مع الشبہ کے ساتھ مدعی علیہ پر حد جاری نہ ہوگی اور جب اس صورت میں مدعی علیہ پر حد جاری نہیں ہوگی۔ تو اس صورت میں انکار بھی جاری نہ ہوگا یعنی اس انکار پر قاضی کے فیصلہ دینے کا فائدہ بھی مرتب نہ ہوگا اور جب اس انکار پر فائدہ مرتب نہیں ہوا تو مدعی علیہ سے قسم بھی نہ لی جائے گی۔ بہر حال حدود میں مدعی علیہ سے قسم نہیں لی جائے گی اور بالعان تو وہ حد کے معنی میں ہے کیونکہ لعان شوہر کے حق میں حد قذف کے قائم مقام ہوتا ہے اور عورت کے حق میں حد زنا کے قائم مقام ہوتا ہے جیسا کہ کتاب اللعان میں گذر چکا ہے پس جب لعان حد کے معنی میں ہے تو لعان میں بھی انکار جاری نہ ہوگا اور مدعی علیہ سے قسم نہ لی جائے گی۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ مدعی علیہ کا قسم سے انکار کرنا بدل یعنی دلیری کے ساتھ دینے کا ارادہ ہے اور بذل کے ساتھ قسم سے مقصود جھگڑے کو دور کرنا ہے اور بذل کی صورت میں بھی جھگڑا دور ہو جاتا ہے لہذا بذل کے ساتھ قسم واجب نہ ہوگی۔

صاحب ہدایہ امام صاحبؒ کی طرف سے کہتے ہیں کہ مدعی علیہ کا قسم سے انکار دو باتوں کا احتمال رکھتا تھا ایک مدعی کے دعویٰ کا اقرار جیسا کہ صاحبینؒ کا کہنا ہے دوسرے بذل یعنی دلیری اور جرأت مندی کے ساتھ مال مدعی بدینے کا ارادہ کرنا جیسا کہ امام صاحبؒ نے کہا ہے پہلی صورت یعنی انکار عن الیسین کو اقرار دعویٰ قرار دینے کی صورت میں اگرچہ جھگڑا ختم ہو جاتا ہے لیکن مدعی علیہ کا انکار دعویٰ میں کاذب ہونا لازم نہیں آتا ہے پس ایک مسلمان (مدعی علیہ) کو تہمت کذب سے بچانے کے لئے مدعی علیہ کے انکار عن الیسین کو بذل پر محمول کرنا زیادہ بہتر ہے الحاصل یہ بات ثابت ہوگئی کہ مدعی علیہ کا قسم سے انکار بذل ہے اور مذکورہ چیزوں میں بذل ہے جاری نہیں ہوتا ہے مثلاً اگر عورت مدعی علیہا نے کہا کہ میرے اور تیرے درمیان کوئی نکاح نہیں ہوا یعنی عورت نے نکاح کا انکار کیا۔ لیکن میں نے تیرے لئے اپنے نفیس کا بذل (ایثار) کیا تو یہ بذل صحیح نہیں ہے۔

پس جب ان چیزوں میں بذل جاری نہیں ہوتا تو مدعی علیہ کے انکار یعنی بذل کی وجہ سے قاضی کا حکم بھی متصور نہ ہوگا اور جب ان چیزوں میں قاضی کا حکم متصور نہیں ہوگا اور جب ان چیزوں میں قاضی کا حکم متصور نہیں ہوگا تو قسم کے بے فائدہ ہونے کی وجہ سے مذکورہ چیزوں میں مدعی علیہ سے

الا ان هذا بذل لدفع الخصومة..... الخ سے ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال..... یہ ہے کہ انکار عن الیمین اگر بذل ہے تو مکاتب اور عبد ماذون لہ کو انکار عن الیمین کے ساتھ بذل کرنے کی اجازت نہ ہونی چاہیے بلکہ جو شخص آزاد اور مختار ہو اسی کو قسم سے انکار کے ساتھ بذل کرنے کی اجازت ہونی چاہیے کیونکہ بذل میں تبرع کے معنی ہیں اور مکاتب اور عبد ماذون لہ تبرع کے مالک نہیں ہوتے حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ مکاتب اور عبد ماذون لہ کو بھی انکار عن الیمین کے ساتھ بذل کرنے کی اجازت ہے۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ تجارت کے لئے جو چیزیں ضروری اور لابدی ہوتی ہیں یہ دونوں ان چیزوں کے مالک ہوتے ہیں جیسا کہ ماذون لہ وغیرہ کو مشتری کی ضیافت بسیرہ کا اختیار حاصل ہے پس یہ بذل چونکہ خصومت اور جھگڑا دور کرنے کے لئے ہے اور جھگڑا دور کرنے کے لئے اس کے بغیر چارہ نہیں اس لئے مکاتب اور عبد ماذون لہ کو اس بدل کا اختیار دیدیا گیا۔

وصحته في الدين بناء..... الخ سے بھی یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال..... یہ ہے کہ انکار عن الیمین اگر بذل ہے جیسا کہ امام صاحبؒ نے کہا ہے تو اس کو دیون میں جاری نہ ہونا چاہیے کیونکہ بذل کا مکمل اعیان ہوتے ہیں نہ کہ دیون اس لئے کہ دین نام ہے ذمہ میں ایک وصف کا اور بذل و اعطاء اوصاف میں جاری نہیں ہوتے لہذا دیون میں بذل جاری نہ ہونا چاہئے حالانکہ آپ کے نزدیک دیون میں بھی بذل جاری ہوتا ہے۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ دیون میں بذل کا صحیح ہونا مدعی کے گمان کی بنا پر ہے اسی کا صحیح ہونا مدعی کے گمان کی بنا پر ہے اس طور پر کہ اس جگہ بذل کے معنی روک کو ترک کرنا ہے یعنی یہاں بذل کا مطلب یہ ہے کہ مدعی علیہ نے مال دین پر قبضہ کرنے سے روکنے کو ترک کر دیا ہے اور قبضہ کرنے کی اجازت دیدی ہے اب گویا مدعی اپنے گمان کے مطابق اس مال پر اپنے ذاتی حق کے طور پر قبضہ کرتا ہے اور اس کے لئے مال پر قبضہ کرنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے اور منع اور روک کو ترک کرنا اموال میں جاری بھی ہے کیونکہ اموال کا معاملہ آسان ہے یہی وجہ ہے کہ اموال میں اباحت جاری ہوتی ہے۔

اعتراض..... یہاں ایک اعتراض یہ ہوگا کہ مذکورسات چیزوں میں مدعی علیہ سے قسم نہ لینا حدیث مشہور الیمین علی من انکر کے خلاف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے بالاتفاق حدود و لغان کو خاص کیا گیا ہے پس جب حدود و لغان کو خاص کیا گیا ہے تو ان دونوں پر قیاس کر کے باقی سات چیزوں کو بھی خاص کر لیا جائے گا۔

چور سے قسم لی جائے گی اگر قسم سے انکار کیا تو ضامن ہوگا

قَالَ وَيُسْتَحْلَفُ السَّارِقُ فَإِنْ نَكَلَ ضَمِنَ وَلَمْ يُقْطَعْ لِأَنَّ الْمُنْوَطَ بِفِعْلِهِ شَيْئَانِ الضَّمَانُ وَيَعْمَلُ فِيهِ النُّكُولُ وَالْقَطْعُ وَلَا يَنْبُتُ بِهِ فَصَارَ كَمَا إِذَا شَهِدَ عَلَيْهِ رَجُلٌ وَأَمْرَاتَانِ

ترجمہ..... اور چور سے قسم لی جائے گی پس اگر اس نے قسم سے انکار کیا تو ضامن ہوگا اور اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا کیونکہ چور کے فعل سے دو باتیں متعلق ہیں ضمان اور اس میں قسم سے انکار کرنا کارآمد ہوتا ہے ہاتھ کا کاٹنا جانا اور یہ انکار قسم سے ثابت نہیں ہوتا ہے پس یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ جب چور کے خلاف ایک مرد اور دو عورتوں نے گواہی دی ہو۔

تشریح..... امام محمدؒ نے جامع صغیر میں فرمایا کہ اگر مسروق منہ سارق سے مال لینا چاہتا ہو اور قطعید کا ارادہ نہ ہو تو چور سے قسم لی جائے اور چوران الفاظ میں قسم کھائے گا کہ بخدا اس مسروق منہ کا مجھ پر یہ مال نہیں ہے پس اگر چور قسم کھا گیا تو چور پر نہ مال واجب ہوگا اور نہ قطعید واجب ہوگا اور اگر

اس نے قسم سے انکار کر دیا تو وہ مال کا ضامن ہوگا لیکن اس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ چور کے فعل مسرقہ سے دو باتیں متعلق ہوتی ہے یعنی انکار قسم سے ضمان واجب ہو جاتا ہے اس لئے چور پر ضمان واجب ہو جائے گا اور انکار قسم سے چونکہ حد واجب نہیں ہوتی اور قطع ید بھی ایک حد ہے اس لئے اس چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے گا۔

اور یہ ایسا ہے جیسا کہ جب چور کے خلاف ایک مرد اور دو عورتوں نے گواہی دی تو اس سے مال ثابت ہو جاتا ہے لیکن قطع ید ثابت نہیں ہوتا پس اسی طرح یہاں بھی مال ثابت ہو جائے گا اور قطع ثابت نہ ہوگا اور یہ ایسا ہو گیا جیسا کہ ایک آدمی نے چوری کا اقرار کیا اور پھر اس سے رجوع کر لیا تو رجوع کرنے سے حد یعنی قطع ید تو ساقط ہو جائے گا لیکن اقرار سے جو مال ثابت ہوا تھا وہ رجوع کرنے سے ساقط نہ ہوگا۔

عورت نے قبل الدخول طلاق کا دعویٰ کیا خاوند سے قسم لی جائے گی اگر قسم

سے انکار کر دے تو نصف مہر کا ضامن ہوگا

قَالَ وَإِذَا ادَّعَتِ الْمَرْأَةُ طَلَاقًا قَبْلَ الدُّخُولِ اسْتُخْلِفَ الرَّوْحُ فَإِنْ نَكَلَ ضَمِنَ نِصْفَ الْمَهْرِ فِي قَوْلِهِمْ جَمِيعًا لِأَنَّ الْإِسْتِخْلَافَ يَجْرِي فِي الطَّلَاقِ عِنْدَهُمْ لَا سِيَّمَا إِذَا كَانَ الْمَقْصُودُ هُوَ الْمَالُ وَكَذَا فِي النِّكَاحِ إِذَا ادَّعَتْ هِيَ الصَّدَاقَ لِأَنَّ ذَلِكَ دَعْوَى الْمَالِ ثُمَّ يَثْبُتُ الْمَالُ بِنُكُولِهِ وَلَا يَثْبُتُ النِّكَاحُ وَكَذَا فِي النَّسَبِ إِذَا ادَّعَى حَقًّا كَالْإِرْثِ وَالْحَجَرِ فِي اللَّقِيطِ وَالنَّفَقَةِ وَامْتِنَاعِ الرَّجُوعِ فِي الْهَبَةِ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ هَلْ هِيَ الْحَقُّقُ وَإِنَّمَا يُسْتَحْلَفُ فِي النَّسَبِ الْمُجَرَّدِ عِنْدَهُمَا إِذَا كَانَ يَثْبُتُ بِإِقْرَارِهِ كَالْأَبِ وَالْإِبْنِ فِي حَقِّ الرَّجُلِ وَالْأَبِ فِي حَقِّ الْمَرْأَةِ لِأَنَّ فِي دَعْوَاهَا الْإِبْنَ تَحْمِيلَ النَّسَبِ عَلَى الْغَيْرِ وَالْمَوْلَى وَالزَّوْجَ فِي حَقِّهِمَا

ترجمہ..... اور جب عورت نے طلاق قبل الدخول کا دعویٰ کیا تو شوہر سے قسم لی جائے گی پس اگر اس نے قسم سے انکار کیا تو وہ بالاتفاق نصف مہر کا ضامن ہوگا اس لئے کہ ائمہ کے نزدیک طلاق میں قسم لینا جاری ہوتا ہے خاص طور پر جبکہ مال ہی مقصود ہو اسی طرح نکاح میں جبکہ عورت مہر کی مدعیہ ہو اس لئے کہ یہ مال کا دعویٰ ہے پھر شوہر کے انکار سے مال ثابت ہو جائے گا اور نکاح ثابت نہ ہوگا۔ اسی طرح نسب میں جب وہ کسی حق کا دعویٰ کرے جیسے میراث کا، لقیط میں گود کا نفقہ کا۔ اور بہہ میں رجوع کے ممنوع ہونے کا کیونکہ مقصود یہ حقوق ہیں اور صاحبین کے نزدیک خالی نسب میں اسی وقت قسم لی جائے گی جبکہ وہ اس کے اقرار سے ثابت ہو جاتا ہو جیسے مرد کے حق میں باپ اور بیٹے کا اقرار اور عورت کے حق میں باپ کا دعویٰ اس لئے کہ اس کے دعویٰ ابن میں غیر پر نسب رکھنا لازم آتا ہے اور مولیٰ اور شوہر کا اقرار مرد و عورت دونوں کے حق میں درست ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر عورت نے طلاق قبل الدخول کا دعویٰ کیا یا طلاق بعد الدخول کا دعویٰ کیا۔ پھر شوہر کے منکر ہونے کی وجہ سے اس سے قسم لی گئی پس اگر وہ قسم کھا گیا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اور اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کیا تو عورت مطلقہ شمار ہوگی اور طلاق قبل الدخول کی صورت میں شوہر نصف مہر کا ضامن ہوگا اور طلاق بعد الدخول کی صورت میں کل مہر کا ضامن ہوگا۔

دلیل..... اس کی یہ ہے کہ سب ہی ائمہ کے نزدیک طلاق میں قسم لینا جاری ہوتا ہے خاص طور پر جب مال ہی مقصود ہو۔ پس جب طلاق میں اختلاف جاری ہوتا ہے تو شوہر جو مدعی علیہ اور طلاق کا منکر ہے اس سے قسم بھی لی جائے گی اور انکار کرنے پر قاضی کا حکم بھی مرتب ہوگا۔ اسی طرح اگر عورت نے دعویٰ کیا کہ فلاں شخص میراثوہر ہے مجھے اس سے مہر دلایا جائے یعنی عورت کا اصل مقصد مہر ہے تو اس صورت میں بھی شوہر سے قسم لی جائے گی۔ کیونکہ اس سے مال کا دعویٰ کرنا مقصود ہے اور مال میں اختلاف جاری ہوتا ہے لہذا یہاں بھی اختلاف جاری ہوگا یعنی شوہر سے قسم لی جائے گی۔

چنانچہ اگر شوہر قسم کھا گیا کہ میں اس کا شوہر نہیں ہوں اور میراث اس سے نکاح نہیں ہوا اور مجھ پر اس کا مہر واجب نہیں ہے تو اس صورت میں شوہر

پر کچھ واجب نہ ہوگا لیکن اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو شوہر پر مہر کا مال تو واجب ہو جائے گا لیکن نکاح ثابت نہ ہوگا کیونکہ قسم کے انکار سے مال تو ثابت ہو جاتا ہے لیکن نکاح ثابت نہیں ہوتا۔

اسی طرح بالاتفاق نسب میں مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی۔ جب اس نے نسب کے ساتھ کسی دوسرے حق کا بھی دعویٰ کیا ہو مثلاً میراث اس طور پر کہ ایک شخص مثلاً حامد نے خالد پر دعویٰ کیا کہ یہ میرا بھائی ہے اور ہم دونوں کے والد کا انتقال ہو گیا اور اس کا سارا متروکہ مال مدعی علیہ یعنی خالد کے قبضہ میں ہے لہذا مجھ کو میراث حق میراث دلایا جائے، مدعی علیہ یعنی خالد نے ان سب باتوں کا انکار کر دیا اور مدعی یعنی حامد بینہ پیش نہ کر سکا تو یہاں بھی بالا جماع مدعی علیہ سے قسم لی جائیگی۔ چنانچہ اگر وہ قسم کھا گیا تو وہ مدعی یعنی حامد کے جملہ حقوق سے بری ہو جائے گا اور اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو مدعی یعنی حامد کے لئے مال میراث کا فیصلہ کر دیا جائے گا لیکن نسب کا فیصلہ نہ ہوگا یعنی مدعی کا مدعی علیہ سے رشتہ اخوت ثابت نہ ہوگا۔ یا مثلاً لقیط میں گود کا دعویٰ کیا اس طور پر کہ ایک بچہ جس کو اپنی ذلت تک تعبیر کرنے کا شعور نہیں ہے اس کو کسی آدمی نے راستہ سے پڑا ہوا اٹھالیا پھر ایک آزاد عورت نے دعویٰ کیا نہ یہ بچہ میرا بھائی ہے۔ اس کی پرورش کا حق مجھ کو ہے ملتقط نے اس کا انکار کیا پھر مدعیہ عورت اگر بینہ پیش نہ کر سکی تو مدعی علیہ سے بالا جماع قسم لی جائے گی اگر مدعی علیہ نے قسم کھائی تو بچہ کو مدعیہ عورت کی طرف منتقل کرنے کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ اور اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو مدعیہ عورت کی طرف بچہ کو منتقل کرنے کا حکم دیدیا جائے گا لیکن نسب ثابت نہ ہوگا۔ یعنی مدعیہ عورت کا اس بچہ سے رشتہ اخوت ثابت نہ ہوگا یا مثلاً نفقہ کا دعویٰ کیا اس طور پر کہ ایک اپانچ نے دعویٰ کیا کہ فلاں یعنی شاہد میرا بھائی ہے اور مالدار ہے لہذا میرا نفقہ اس پر واجب ہے مدعی علیہ یعنی شاہد نے اخوت کا انکار کیا اب اگر مدعی بینہ پیش نہ کر سکا تو مدعی علیہ یعنی شاہد سے بالا جماع قسم لی جائے گی۔

چنانچہ اگر وہ قسم کھا گیا تو نفقہ سے بری ہو جائے گا اور اگر قسم کھانے سے انکار کر دیا تو اپانچ یعنی مدعی کے لئے نفقہ کا فیصلہ تو کر دیا جائے گا لیکن نسب کا فیصلہ نہ ہوگا یعنی رشتہ اخوت ثابت نہ ہوگا۔ یا مثلاً قرابت کی وجہ سے بہہ میں رجوع کے متمنع ہونے کا دعویٰ کیا اس طور پر کہ اگر واہب نے شی موہوب کو رجوع کرنا چاہا اور موہوب لہ نے کہا تو میرا بھائی ہے اور منشاء یہ ہے کہ تجھ کو رجوع کرنے کا حق نہیں رہتا ہے۔ پس اگر مدعی علیہ یعنی واہب نے اس کا انکار کیا اور مدعی یعنی موہوب لہ کے پاس بینہ نہ ہوا تو مدعی علیہ (واہب) سے بالا جماع قسم لی جائے گی پس اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو رجوع فی الہیہ کا متمنع ہونا ثابت ہو جائے گا لیکن نسب یعنی رشتہ اخوت ثابت نہ ہوگا۔

لَاَ الْمَقْصُودُ هَذِهِ الْحَقُوقُ سے صاحب ہدایہ نے مذکورہ تمام مسائل کی دلیل بیان کی ہے یعنی مسائل مذکورہ میں نسب مقصود نہیں ہے بلکہ مذکورہ مالی حقوق مقصود ہیں اور مالی حقوق میں اختلاف جاری ہوتا ہے۔ لہذا مذکورہ مسائل میں بھی اختلاف جاری ہوگا۔

حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک خالی نسب میں اختلاف جاری نہیں ہوتا ہے بلکہ اس نسب میں جاری ہوتا ہے جس میں نسب کے ساتھ کسی دوسرے سے حق کا دعویٰ بھی کیا ہو جیسا کہ اوپر تفصیل سے گزر چکا ہے۔ البتہ صاحبینؒ کے نزدیک خالی نسب میں اختلاف جاری ہوتا ہے یعنی محض دعویٰ نسب کی صورت میں مدعی علیہ سے قسم لی جاتی ہے۔ لیکن صاحبینؒ کے نزدیک خالی نسب میں مدعی علیہ سے اس وقت لی جائے گی۔ جب کہ نسب محض مدعی علیہ کے اقرار سے ثابت ہو جاتا ہو کیونکہ پہلے گزر چکا ہے کہ صاحبینؒ کے نزدیک قسم سے انکار، اقرار ہے۔ لہذا ہر وہ نسب جو مدعی علیہ کے اقرار سے ثابت ہو جات ہو وہ مدعی علیہ کے انکار عن الہمین سے بھی ثابت ہو جائے گا۔ مثلاً مرد کے حق میں باپ اور بیٹے کا اقرار ہے جیسے خالد نے شاہد پر دعویٰ کیا کہ یہ میرا باپ ہے یا میرا بیٹا ہے اور مال وغیرہ کسی دوسری چیز کا دعویٰ نہیں کیا۔ پس اگر مدعی یعنی خالد بینہ پیش نہ کر سکا تو مدعی علیہ یعنی شاہد سے قسم لی جائے گی۔ اگر مدعی علیہ قسم کھا گیا تو نسب ثابت نہ ہوگا اور اگر مدعی علیہ نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو نسب ثابت ہو جائے گا۔ اس لئے کہ اگر مدعی یعنی خالد نسب کا دعویٰ کرتا اور مدعی علیہ یعنی شاہد ابتداءً نسب کا اقرار کر لیتا تو نسب ثابت ہو جاتا۔ پس چونکہ یہ نسب اقرار سے ثابت ہو جاتا ہے اس لئے انکار عن الہمین سے بھی ثابت ہو جائے گا۔

اس کے برخلاف اگر خالد نے دعویٰ کیا کہ شاہد میرا بھائی ہے تو مدعی علیہ یعنی شاہد سے قسم نہیں لی جائے گی کیونکہ اس صورت میں شاہد اگر صریح اقرار کر لیتا کہ خالد میرا بھائی ہے تو نسب ثابت نہ ہوتا کیونکہ اس میں غیہ پر نسب لازم کرنا پڑتا ہے گویا خالد نے یہ کہا کہ شاہد میرے باپ کا بیٹا ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔

حاصل..... یہ کہ جہاں دوسرے پر نسب لازم کرنا نہ ہو وہاں تو خالی نسب کے دعویٰ میں مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی ورنہ نہیں۔ جیسا کہ کسی مرد کے باپ یا بیٹا ہونے کا دعویٰ کیا ہو۔ اور جیسے عورت کے باپ ہونے کا دعویٰ یعنی اگر عارف نے کسی عورت پر دعویٰ کیا کہ میں اس کا باپ ہوں اور عورت اس دعویٰ کی منکر ہوئی اور مدعی کے پاس بیینہ نہ ہو تو مدعی علیہا یعنی عورت سے قسم لی جائے گی۔ پس اگر عورت نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو نسب ثابت ہو جائے گا کیونکہ اگر یہ عورت، اس بات کا اقرار کر لیتی کہ عارف میرا باپ ہے تو اس اقرار سے نسب ثابت ہو جاتا۔

لہذا جب اس نے قسم سے انکار کیا تو اس سے بھی نسب ثابت ہو جائے گا اور اگر عارف نے دعویٰ کیا میں اس عورت کا بیٹا ہوں اور عورت نے انکار کیا اور مدعی بیینہ پیش نہ کرے گا تو اس عورت سے قسم نہ لی جائے گی۔ اس لئے کہ یہ عورت اس بات کا اقرار کرتی ہے کہ عارف میرا بیٹا ہے تو اس اقرار سے نسب ثابت نہ ہوتا کیونکہ اس اقرار میں غیر یعنی شوہر پر نسب رکھنا لازم آتا ہے۔ یعنی عورت کے یہ کہنے کا مطلب کہ عارف میرا بیٹا ہے، یہ ہے کہ عارف میرے شوہر کا بیٹا ہے اور اس سے اس کا نسب ثابت ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ جہاں دوسرے پر نسب لازم کرنا پایا جائے وہاں چونکہ صریح اقرار سے نسب ثابت نہیں ہوتا اس لئے وہاں مدعی علیہ سے قسم بھی نہ لی جائے گی۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ مولیٰ اور شوہر کا عورت اور مرد دونوں کے حق میں اقرار کرنا درست ہے کیونکہ اس میں غیر پر نسب رکھنا لازم نہیں آتا۔ مثلاً عورت نے ایک آدمی کے بارے میں کہا کہ یہ میرا شوہر ہے اور مولیٰ یا شوہر اس کا منکر ہوا اور مدعیہ عورت کے پاس بیینہ نہ ہو تو مولیٰ اور شوہر سے قسم لی جائے گی۔ اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو مولیٰ اور شوہر ہونا ثابت ہو جائے گا جیسا کہ مولیٰ اور شوہر کے اقرار سے مولیٰ اور شوہر ہونا ثابت ہو جاتا ہے۔ اسی طرح اگر مرد نے کہا کہ یہ میرا مولیٰ ہے یا یہ عورت میری بیوی ہے۔ پس اگر مدعی علیہ نے اقرار کر لیا تو مولیٰ ہونا اور بیوی ہونا ثابت ہو جائے گا اسی طرح اگر مدعی علیہ نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو بھی مولیٰ ہونا اور بیوی ہونا ثابت ہو جائے گا۔

کسی نے غیر پر قصاص کا دعویٰ کیا اس نے انکار کیا تو قسم لی جائے اگر قسم سے انکار کر دے تو قصاص لازم ہے اور اگر قصاص نفس میں قسم سے انکار کرے تو قید خانہ میں ڈالا جائے

قَالَ وَمَنْ ادَّعى قِصَاصًا عَلَى غَيْرِهِ فَجَحَدَهُ اُسْتُخْلِفَ بِالْاِجْمَاعِ ثُمَّ اِنْ نَكَلَ عَنِ الِیَمِیْنِ فِیْمَا دُوْنَ النَّفْسِ یَلْزِمُهُ الْقِصَاصُ وَاِنْ نَكَلَ فِی النَّفْسِ حُبْسٌ حَتّٰی یَحْلِفَ اَوْ یَقْرَ وَهَذَا عِنْدَ اَبِی حَنِیْفَةَ وَقَالَ لَزِمَهُ الْاِرْشُ فِیْهِمَا لِاَنَّ النُّكُوْلَ اِقْرَارٌ فِیْهِ شُبْهَةٌ عِنْدَهُمَا فَلَا یَثْبُتُ بِهِ الْقِصَاصُ وَیَجِبُ بِهِ الْمَالُ خُصُوصًا اِذَا كَانَ اِمْتِنَاعُ الْقِصَاصِ لِمَعْنٰی مِنْ جِهَةٍ مَنْ عَلَیْهِ كَمَا اِذَا اَقْرَبَ بِالْخَطَاِ وَالْوَلٰی یَدْعِی الْعَمَدَ وَلَا یَبِی حَنِیْفَةَ اَنَّ الْاَطْرَافَ یُسَلِّكُ بِهَا مَسْلَكَ الْاَمْوَالِ فِیْجَرِیْ فِیْهَا الْبَذْلُ بِخِلَافِ الْاَنْفُسِ فَاِنَّهُ لَوْ قَالَ اِقْطَعْ یَدِیْ فَقَطَّعَهُ لَا یَجِبُ الضَّمَانُ وَهَذَا اَعْمَالٌ لِلْبَذْلِ اِلَّا اَنَّهُ لَا یُبَاحُ لِعَدَمِ الْفَائِدَةِ وَهَذَا الْبَذْلُ مُفِیْدٌ لِانْدِفَاعِ الْخُصُومَةِ بِهِ فَصَارَ كَقَطْعِ الْیَدِ لِلْاَكْلَةِ وَقَلْعِ السِّنِّ لِلْوَجْعِ فَاِذَا اِمْتَنَعَ الْقِصَاصُ فِی النَّفْسِ وَالِیَمِیْنِ حَقٌّ مُسْتَحَقٌّ عَلَیْهِ یُحْبَسُ بِهِ كَمَا فِی الْقَسَامَةِ

ترجمہ..... اور جس شخص نے دوسرے پر قصاص کا دعویٰ کیا پس مدعی علیہ نے اسکا انکار کیا تو بالا اتفاق مدعی علیہ سے قسم لی جائے گی پھر اگر مدعی علیہ

نے نفس سے کم میں قسم سے انکار کیا تو اس پر قصاص لازم ہوگا اور اگر قصاص نفس میں قسم سے انکار کیا تو مدعی علیہ کو قید میں ڈالا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ قسم کھائے اور اقرار کرے اور یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں مدعی علیہ پر دیت لازم ہوگی۔ کیونکہ قسم سے انکار ایسا اقرار ہے جس میں صاحبینؒ کے نزدیک شبہ ہوتا ہے پس انکار قسم سے قصاص ثابت نہ ہوگا۔ اور اس سے مال واجب ہوگا۔

خصوصاً جبکہ قصاص کا متمتع ہونا ایسے متنی کی وجہ سے ہو جو اس شخص کی طرف سے پائے جائیں جس پر قصاص لازم ہے جیسا کہ قاتل نے قتل خطا کا اقرار کیا اور ولی۔ مثل عہد کا مدعی ہے اور ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اطراف میں اموال کا سامعہ ہوتا ہے لہذا اطراف میں بذل جاری ہوگا۔ برخلاف نفوس کے۔ اس لئے کہ اگر اس نے کہا کہ میرا ہاتھ کاٹ دے پس اس نے اس کا ہاتھ کاٹ ڈالا تو ضمان واجب نہ ہوگا اور یہ بذل کا اثر ہے مگر یہ کہ مباح نہیں ہے اور یہ بذل مفید ہے کیونکہ اس بذل سے خصومت دور ہو جاتی ہے پس ایسا ہو گیا جیسا کہ آکلہ زخم کی وجہ سے ہاتھ کا کاٹنا یا درد کی وجہ سے دانت کا اکھاڑنا پس جب نفس میں قصاص متمتع ہو گیا اور قسم مدعی علیہ پر ایک واجب حق ہے تو اس کی وجہ سے اس کو قید خانہ میں رکھا جائے گا جیسے قسامت میں ہوتا ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دوسرے پر قصاص کا دعویٰ کیا مدعی علیہ نے اس کا انکار کر دیا اور مدعی بینہ پیش نہ کر سکا تو مدعی علیہ سے بالاجماع قسم لی جائے گی۔ دعویٰ نفس کے قصاص کا ہو یا نفس سے کم کے قصاص کا ہو پس اگر مدعی علیہ قسم کھا گیا تو وہ قصاص سے بری ہو جائے گا اور اس نے نفس سے کم میں قسم کھانے سے انکار کر دیا تو اس پر قصاص لازم ہوگا۔ بشرطیکہ اس نے عہد جرم کیا ہو۔ اور اگر مدعی علیہ نے قصاص نفس میں قسم کھانے سے انکار کیا تو مدعی علیہ کو قید خانہ میں ڈال دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ وہ قسم کھائے یا قصاص نفس کا اقرار کرے۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ مذکورہ حکم حضرت امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ہے ورنہ صاحبینؒ نے فرمایا کہ انکار قسم سے نفس اور مادون النفس دونوں صورتوں میں مدعی علیہ پر دیت لازم ہوگی یعنی عہد قتل کا دعویٰ ہو تو بھی انکار قسم سے مدعی علیہ پر دیت لازم ہوگی اور کسی عضو کے بارے میں دعویٰ ہو تو بھی مدعی علیہ پر دیت لازم ہوگی۔

صاحبینؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ قسم سے انکار کرنا ان کے نزدیک ایسا اقرار ہے جس میں شبہ ہوتا ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ مدعی علیہ دعویٰ کے انکار میں سچا ہو لیکن تو عہد قسم کھانے سے انکار کر دیا ہو پس مدعی علیہ کا قسم سے انکار کرنا۔ اقرار دعویٰ نہ ہوگا بلکہ اس کی طرف بذل ہوگا۔

بہر حال قسم سے انکار ایسا اقرار ہے جس میں شبہ ہوتا ہے اور شبہ کے ساتھ قصاص ثابت نہیں ہوتا لہذا مدعی علیہ کے اس انکار قسم سے قصاص ثابت نہ ہوگا۔ البتہ دیت کا مال واجب ہو جائے گا کیونکہ مال شبہ کے ساتھ بھی ثابت ہو جاتا ہے خاص طور پر جبکہ قصاص کا متمتع ہونا ایسے سبب سے ہو جو سبب من علیہ القصاص یعنی مدعی علیہ کی طرف سے پایا گیا ہو مثلاً مدعی علیہ یعنی قاتل نے قتل خطا کا اقرار کیا اور ولی مقتول نے قتل عہد کا دعویٰ کیا تو اس صورت میں دیت واجب ہوتی ہے نہ کہ قصاص پس اسی طرح مدعی علیہ کے انکار قسم کی صورت میں اس پر دیت واجب ہوگی اور قصاص واجب نہ ہوگا۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ اطراف اعضاء میں اموال جیسا برتاؤ کیا جاتا ہے کیونکہ جس طرح اموال کو نفوس اور جانوں کی حفاظت کے لئے پیدا کیا گیا ہے اسی طرح اطراف و اعضاء کو بھی نفوس کی حفاظت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ لہذا جس طرح اموال میں بذل جاری ہوتا ہے اسی طرح اطراف و اعضاء میں بھی بذل (دلیری کے ساتھ دینا) جاری ہوگا۔ یعنی اگر کسی نے دوسرے آدمی پر عضو کو عہد قطع کرنے کا دعویٰ کیا اور بینہ نہ دے تو مدعی علیہ نے قسم کا مطالبہ کیا۔ اور مدعی علیہ نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو مدعی علیہ سے اس عضو کا قصاص لیا جائے گا اس کے برخلاف اگر عہد اقرار کیا جائے تو مدعی علیہ نے قسم کا مطالبہ کیا۔ اور مدعی علیہ نے قسم کھانے سے انکار کر دیا تو مدعی علیہ سے اس عضو کا قصاص لیا جائے گا۔ چنانچہ اگر کسی نے دوسرے سے کہا کہ تو میرا ہاتھ کاٹ دے اس نے قاتل کا ہاتھ کاٹ دیا تو قاتل پر ضمان واجب نہ ہوگا اور یہ ضمان کا واجب نہ ہونا اطراف و اعضاء میں بذل کا اثر ہے اور اگر کسی نے دوسرے سے کہا کہ تو مجھ کو قتل کر دے اس نے قاتل کو قتل کر دیا تو قاتل پر ایک روایت کے مطابق قصاص واجب ہوگا اور

ایک روایت کے مطابق دیت واجب ہوگی اور قصاص یا دیت کا واجب ہونا اس بات کی علامت ہے کہ نفس میں بذل جاری نہیں ہوتا لیکن اس پر سوال ہوگا کہ جب اطراف اعضاء کے ساتھ اموال کا سا برتاؤ ہوتا ہے تو اطراف و اعضاء کا قطع مباح ہونا چاہیے یعنی اگر کسی نے دوسرے سے کہا کہ میرا مال لے لے اور اس نے مال لے لیا تو مباح ہے اسی طرح اگر کوئی کہے کہ میرا ہاتھ کاٹ لے تو اس کے لئے ہاتھ کا کاٹنا مباح ہونا چاہیے حالانکہ اطراف و اعضاء کا قطع آپ کے نزدیک مباح نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اطراف و اعضاء کے قطع میں چونکہ کوئی فائدہ نہیں ہے اس لئے قطع کو مباح قرار نہیں دیا گیا جیسا کہ عدم فائدہ کی وجہ سے مال تلف کرنا مباح نہیں ہے مثلاً اگر کسی نے کہا کہ میرا مال دریا میں ڈال دے یا آگ میں جلا دے تو یہ مباح نہیں ہے اور قسم سے انکار کرنے میں جو بذل ہے وہ مفید اور کارآمد ہے کیونکہ اس بذل سے باہمی خصومت دور ہو جاتی ہے پس اس فائدے کے پیش نظر اس بذل کو مباح قرار دیا گیا اور مدعی علیہ پر اطراف میں قصاص واجب کیا گیا۔ اور اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ جراح نے زخم آکلہ کی وجہ سے ہاتھ کاٹ ڈالا یا درہ کی وجہ سے دانت اکھاڑنا مباح ہے اسی طرح خصومت دور کرنے کے لئے مدعی علیہ پر اطراف میں قصاص واجب کیا گیا۔ اور نفوس میں چونکہ بذل جاری نہیں ہوتا اس لئے مدعی علیہ کے انکار قسم یعنی بذل کرنے کے باوجود قصاص ممتنع ہو گیا۔

بہر حال مدعی علیہ سے انکار قسم کی صورت میں قصاص نہیں لیا جائے گا لیکن یہ بات بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ مدعی علیہ پر قسم کھانا ایک واجب حق ہے۔ پس اس حق کی وجہ سے مدعی علیہ کو قید خانہ میں ڈال دیا جائے گا۔ اور اس وقت تک قید خانہ میں رکھا جائے گا جب تک وہ قسم نہ کھالے یا مدعی کے دعویٰ کا اقرار نہ کرے جیسا کہ قسمت میں ہوتا ہے قسمت کی مثال یہ ہے کہ ایک محلہ میں ایک مقتول پایا گیا اور یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس کو کس نے قتل کیا ہے تو مقتول کا ولی اس محلہ میں سے پچاس آدمیوں کو چھانٹ کر قسم لے سکتا ہے کہ بخدا ہم نے اس کو قتل نہیں کیا اور نہ ہم اس کے قاتل کو جاننے ہیں پس اگر ان لوگوں نے قسم سے انکار کر دیا تو سب کو قید خانہ میں ڈال دیا جائے گا یہاں تک کہ وہ قسم کھائیں اور یا اقرار کریں کہ ہم نے قتل کیا ہے یا ہم قاتل کو جانتے ہیں۔ کیونکہ قسم ان پر ایک واجب حق ہے۔ اسی طرح یہاں جب مدعی نے قصاص نفس کا دعویٰ کیا اور مدعی علیہ نے قسم سے انکار کر دیا تو اس کے انکار سے اگرچہ قصاص ثابت نہ ہوگا لیکن قسم سے انکار کرنا بھی جائز نہ تھا لہذا اسے قید خانہ میں ڈالا جائے گا تا کہ وہ قسم کھائے یا اقرار کرے۔

مدعی کے گواہ شہر میں موجود ہوں تو مدعی علیہ اپنی ذات کا تین دن تک کفیل دے

تا کہ مدعی علیہ کے روپوش ہونے سے مدعی کا حق ضائع نہ ہو

قَالَ وَإِذَا قَالَ الْمُدْعَى لِي بَيِّنَةٌ حَاضِرَةٌ قِيلَ لِحُضْمِهِ أَعْطَهُ كَفِيلًا بِنَفْسِكَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ كَيْلَا يَغِيبَ نَفْسُهُ فَيَضِيعَ حَقُّهُ وَالْكَفَالَةُ بِالنَّفْسِ جَائِزَةٌ عِنْدَنَا وَقَدْ مَرَّ مِنْ قَبْلٍ وَأَخَذَ الْكَفِيلُ بِمُجَرَّدِ الدَّعْوَى اسْتِحْسَانًا عِنْدَنَا لِأَنَّ فِيهِ نَظْرًا لِلْمُدْعَى وَلَيْسَ فِيهِ كَثِيرٌ ضَرَرَ بِالْمُدْعَى عَلَيْهِ وَهَذَا لِأَنَّ الْحُضُورَ مُسْتَحَقٌّ عَلَيْهِ بِمُجَرَّدِ الدَّعْوَى حَتَّى يُعْدَى عَلَيْهِ وَيَحَالَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ اشْغَالِهِ فَيَصِحُّ التَّكْفِيلُ بِاحْضَارِهِ وَالتَّقْدِيرُ بِثَلَاثَةِ أَيَّامٍ مَرُورِيٍّ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَهُوَ الصَّحِيحُ وَلَا فَرْقَ فِي الظَّاهِرِ بَيْنَ الْخَامِلِ وَالْوَجِيهِ وَالْحَقِيرِ مِنَ الْمَالِ وَالْخَطِيرِ ثُمَّ لَا بُدَّ مِنْ قَوْلِهِ لِي بَيِّنَةٌ حَاضِرَةٌ لِلتَّكْفِيلِ وَمَعْنَاهُ فِي الْمَضَرِّ حَتَّى لَوْ قَالَ الْمُدْعَى لَابَيِّنَةٌ لِي أَوْ شَهُودِي غِيبَ لَا يَكْفُلُ لِعَدَمِ الْفَائِدَةِ . قَالَ فَإِنْ فَعَلَ وَإِلَّا أَمْرٌ بِمَلَا زِمَتِهِ كَيْلَا يَذْهَبَ حَقُّهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ غَرِيْبًا قَبْلًا زِمٌ مِقْدَارُ مَجْلِسِ الْقَاضِي وَكَذَا لَا يَكْفُلُ إِلَّا إِلَى آخِرِ الْمَجْلِسِ فَإِلَّا اسْتِثْنَاءً مُنْصَرِفَ إِلَيْهِمَا لِأَنَّ فِي أَخْذِ الْكَفِيلِ وَالْمَلَا زِمَةِ زِيَادَةً عَلَى ذَلِكَ اضْطِرَّارٌ بِهِ يَمْنَعُهُ عَنِ السَّفَرِ وَلَا ضَرَرَ فِي هَذَا الْمِقْدَارِ ظَاهِرًا وَكَيْفِيَّةُ الْمَلَا زِمَةِ نَذْرُهَا فِي كِتَابِ الْحَجْرِ إِنْ شَاءَ اللَّهُ تَعَالَى

ترجمہ..... اگر مدعی نے کہا کہ میرے گواہ شہر میں موجود ہیں تو اس کے مدعی علیہ سے کہا جائے گا کہ تو تین دن کے واسطے اس کو اپنی ذات کا کفیل دے تاکہ مدعی علیہ روپوش نہ ہو جائے کہ مدعی کا حق ضائع ہو جائے۔ اور ہمارے نزدیک کفالہ بانفس جائز ہے اور یہ سابق میں گذر چکا ہے اور محض دعویٰ پر کفیل لینا ہمارے نزدیک استحساناً جائز ہے اس لئے کہ اس میں مدعی کے واسطے بھلائی ہے اور اس میں مدعی کے واسطے بھلائی ہے اور اس میں مدعی علیہ کے واسطے زیادہ ضرر نہیں ہے اور یہ اس لئے محض دعویٰ سے مدعی علیہ پر حاضر ہونا واجب ہے حتیٰ کہ مدعی علیہ کی حاضری پر حاکم سے مدد لی جاتی ہے اور مدعی علیہ اور اس کے کاموں کے درمیان حیلوت کر دی جاتی ہے پس اس کی حاضری پر کفیل لینا جائز ہے اور تین دن کے ساتھ اندازہ کرنا ابوحنیفہ کی روایت ہے اور یہی صحیح ہے اور ظاہر الروایۃ کے مطابق بے قدر اور وجہہ آدمی اور حقیر مال اور کثیر مال کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔

پھر کفالت کے واسطے مدعی کا قول ”لنی بیسۃ حاضرۃ“ ضروری ہے اور اس کے معنی ہیں شہر میں۔ حتیٰ کہ اگر مدعی نے کہا کہ میرے پاس بیسہ نہیں ہے یا میرے گواہ غائب ہیں تو کفیل نہیں لیا جائے گا کیونکہ کوئی فائدہ نہیں ہے پس اگر مدعی علیہ نے کفیل دیدیا تو فہماور نہ تو مدعی کو اس کے ساتھ ساتھ رہنے کا حکم دیا جائے گا تاکہ اس کا حق ضائع نہ ہو مگر یہ کہ مدعی علیہ پر دیسی آدمی ہو تو مدعی، مجلس قاضی کی مقدار اس کے ساتھ لگا رہے گا اور اسی طرح اس مسافر سے کفیل نہیں لیا جائے گا مگر قاضی کی آخر مجلس تک پس استثناء دونوں کی طرف راجع ہے اس لئے کہ اس مقدار سے زیادہ کے لئے کفیل لینا اور مدعی علیہ کے دامن گیر ہونا ایسا ضرر ہے جو اس کو سفر سے روکتا ہے اور اس مقدار میں بظاہر کوئی ضرر نہیں ہے اور ساتھ ساتھ رہنے کی کیفیت کو ہم ان شاء اللہ کتاب الحج میں ذکر کریں گے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر مدعی نے مجلس قاضی میں کہا کہ میرے گواہ شہر میں موجود ہیں تو اسکے مدعی علیہ کو حکم دیا جائے گا کہ تین دن کے واسطے اپنی ذات کا کفیل دیدے یعنی کوئی شخص مدعی علیہ کی حاضری کا ضامن ہونا چاہئے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر مدعی علیہ سے کفیل نہ لیا گیا تو مدعی علیہ روپوش ہو سکتا ہے اور مدعی علیہ کے روپوش ہونے کی صورت میں مدعی کا حق ضائع ہو سکتا ہے پس مدعی کے حق کو ضائع ہونے سے بچانے کے لئے مدعی علیہ کو کفیل دینے کا حکم دیا گیا ہے اور کفالہ بانفس اگرچہ امام شافعیؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے لیکن ہمارے نزدیک جائز ہے اس کی تفصیل کتاب الکفالہ کے اول میں گذر چکی ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ مدعی نے اگر صرف دعویٰ کیا اور بیسہ پیش نہ کرے گا تو صرف دعویٰ کی بنیاد پر مدعی علیہ سے کفیل لینا جائز نہیں ہے یہی قتادہ اور امام شافعی سے مروی ہے اور استحسان یہ ہے کہ مدعی علیہ سے کفیل لینا جائز ہے یہی ہمارے علماء کا مذہب ہے قیاس کی وجہ یہ ہے کہ محض دعویٰ استحقاق کا سبب نہیں ہے یعنی محض دعویٰ سے مدعی علیہ پر مدعی کا حق ثابت نہیں ہوتا ہے اور محض دعویٰ استحقاق کا سبب کیسے ہوگا حالانکہ مدعی علیہ کا انکار مدعی کے دعویٰ کے معارض ہے۔ بہر حال جب محض دعویٰ سے مدعی علیہ پر کوئی حق ثابت نہیں ہوا تو مدعی علیہ پر کفیل کا دینا بھی واجب نہ ہوگا اور وجہ استحسان یہ ہے کہ مدعی علیہ سے کفیل لینے میں مدعی پر شفقت ہے اس طور پر کہ کفیل دینے کے بعد مدعی علیہ بھاگ نہیں سکے گا اور جب مدعی علیہ بھاگ نہیں سکے گا تو مدعی اس کے خلاف بیسہ قائم کرنے پر قادر ہو سکے گا بہر حال اس میں مدعی کا فائدہ ہے اور مدعی علیہ کا کوئی نقصان نہیں ہے اور مدعی علیہ کا نقصان اس لئے نہیں ہے کہ محض دعویٰ پر مدعی علیہ کے ذمہ حاضر ہونا واجب ہے حتیٰ کہ مدعی علیہ کی حاضری پر حاکم سے مدد لی جاتی ہے اور مدعی علیہ کو اس کے کاموں سے روک دیا جاتا ہے پس جب محض دعویٰ پر مدعی علیہ کی حاضری ضروری ہے تو اس کی حاضری پر کفیل اور ضامن لینا بھی جائز ہے۔ عبارت میں بعدی، مضارع مجہول اعداء سے ماخوذ ہے جس کے معنی مدد طلب کرنے کے ہیں اسی سے شاعر کا قول ہے۔

ونستدعی الامیر اذا ظلمنا ومن یعدی اذ ظلم الامیرو

جب ہم پر کوئی ظلم کرتا ہے تو ہم امیر سے مدد طلب کرتے ہیں لیکن جب امیر ہی ظالم ہو تو کس سے مدد طلب کی جائے گی۔ شعر میں اعداء اور استعداد دونوں مدد طلب کرنے کے معنی میں مستعمل ہیں۔ اس مضمون کو ایک اردو کے شاعر نے اس طرح پیش کیا ہے :

هَذَا وَلَهُ أَنْ يَنْقُصَ مِنْهُ إِلَّا أَنَّهُ يَحْتَاطُ كَيْلًا يَتَكَرَّرُ عَلَيْهِ الْيَمِينُ لِأَنَّ الْمُسْتَحَقَّ يَمِينٌ وَاحِدَةٌ وَالْقَاضِي بِالْخِيَارِ
إِنْ شَاءَ غَلَطَ وَإِنْ شَاءَ لَمْ يُغْلَطْ فَيَقُولُ قُلْ بِاللَّهِ أَوْ وَاللَّهِ وَقِيلَ لَا يُغْلَطُ عَلَى الْمَعْرُوفِ بِالصَّلَاحِ وَيُغْلَطُ عَلَى
غَيْرِهِ وَقِيلَ يُغْلَطُ فِي الْخَطِيرِ مِنَ الْمَالِ دُونَ الْحَقِيرِ

ترجمہ..... قسم تو اللہ ہی کے نام سے ہوتی ہے نہ کہ اس کے علاوہ کے نام سے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے تم میں سے جو کوئی قسم کھائے تو وہ اللہ کے نام سے قسم کھائے یا اس کو چھوڑ دے اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی قسم کھائی تو اس نے شرک کیا اور کبھی قسم کو اللہ کے ذکر کے اوصاف کے ساتھ موکد کیا جاتا ہے اور ذکر اوصاف زیادہ سختی کے لئے ہے جیسے اس کا قول کہ تو یوں کہہ اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہ حاضر غائب کا جاننے والا ہے وہی رحمن ورحیم ہے جو پوشیدہ اور باطن کو علانیہ اور ظاہر کے مانند جانتا ہے کہ فلاں شخص کا کوئی حق تجھ پر یا تیری جانب سے مال سے جس کا مدعی نے دعویٰ کیا ہے اور وہ اتنا اور اتنا مال ہے نہیں ہے اور اس کو اس عبارت پر زیادہ کر کے تغلیظ کرے اور اس کو اس عبارت سے کم کرنے کا بھی اختیار ہے مگر قاضی اس بات کی احتیاط رکھے کہ مدعی علیہ پر قسم مکرر نہ ہو جائے کیونکہ مدعی علیہ پر صرف ایک قسم واجب ہے اور قاضی کو اختیار ہے جی چاہے تغلیظ کرے اور جی چاہے تو تغلیظ نہ کرے اور یہ کہے کہ کہہ باللہ یا واللہ اور کہا گیا کہ جو شخص صلاح اور تقویٰ میں معروف ہو اس پر تغلیظ نہ کرے اور اس کے علاوہ پر تغلیظ کرے اور کہا گیا کہ مال خطیر میں تغلیظ کرے اور حقیر مال میں تغلیظ نہ کرے۔
تشریح..... مصنف جب قسم اور قسم کے مواقع سے فراغت پا چکے تو اب اس فصل میں قسم کی صفت اور کیفیت کو ذکر فرمائیں گے۔

چنانچہ فرمایا کہ قسم اللہ کے اسماء میں سے کسی اسم کے ساتھ ہوتی ہے اور اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کے نام کے ساتھ قسم نہیں ہوتی ہے کیونکہ بخاری اور مسلم کی ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے اگر کوئی شخص قسم کھائے تو اللہ کی قسم کھائے یا اس کو چھوڑ دے اور ایک حدیث میں اولیدو کی جگہ اولیصمت ہے یعنی یا خاموش رہے اور ترمذی کی حدیث میں ہے کہ جس نے اللہ کے سوا کسی دوسرے کے نام سے قسم کھائی تو اس نے شرک کیا ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ قسم صرف اللہ کے نام کے ساتھ کھائی جاسکتی ہے اس کے سوا کسی دوسرے کے نام کے ساتھ قسم کھانا درست نہیں ہے اگر کھائی بھی گئی تو قسم منعقد نہ ہوگی۔

صاحب قدوری نے فرمایا ہے کہ قسم کو اللہ کے اوصاف ذکر کر کے مؤکد بھی کیا جاسکتا ہے اور ذکر اوصاف کے ساتھ قسم کو مؤکد تغلیظ ہوتا ہے یعنی قسم کو زیادہ سخت کرنا ہوتا ہے مثلاً قاضی یہ الفاظ کہلائے

والله الذى لا اله الا هو عالم الغيب والشهادة هو الرحمن الرحيم الذى يعلم من السر والخفاء ما يعلم من العلانية ما لغلنا هذا عليك ولا قبلك هذا المال الذى ادعاه وهو كذا وكذا ولا شىء منه
اس ذات کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ حاضر و غائب کا جاننے والا ہے وہی رحمن ورحیم ہے جو پوشیدہ اور باطن کو علانیہ اور ظاہر کی طرح جانتا ہے فلاں شخص کا تجھ پر یعنی مجھ پر یا تیری جانب یعنی میری جانب اصل مال میں سے جس کا مدعی نے دعویٰ کیا ہے اور وہ اس قدر مال ہے نہیں ہے اور نہ اس میں سے کچھ ہے۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ تغلیظ کے سلسلہ میں قاضی مذکورہ الفاظ پر اضافہ بھی کر سکتا ہے اور ان میں سے کم بھی کر سکتا ہے کیونکہ قسم دلانے سے مقصود یہ ہے کہ مدعی علیہ قسم سے انکار کر دے تاکہ مدعی کا حق ثابت ہو جائے۔ اور لوگوں کی حالتیں مختلف ہیں بعض لوگ ایسے نیک اور دیندار ہوتے ہیں کہ وہ صرف لفظ اللہ کے ساتھ قسم کھانے کی جسارت نہیں کرتے۔ لہذا ایسے حضرات کے حق میں قسم کو غلیظ کرنے کے لئے لفظ اللہ کے علاوہ دوسرے اوصاف زیادہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور بعض لوگ ادنیٰ درجہ کی تغلیظ سے قسم کھانے سے رک جاتے ہیں اور بعض ایسے بددین اور ناہنجار قسم کے لوگ ہوتے ہیں کہ وہ بغیر زیادتی تغلیظ کے باز نہیں آتے۔ پس قاضی لوگوں کے حالات کی رعایت کر کے الفاظ قسم میں کمی، زیادتی

کرنے کا مجاز ہے اس زیادتی کے سلسلہ میں ابو ہریرہؓ کی حدیث اصل ہے چنانچہ مروی ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ کے سامنے قسم کھائی اور یہ کہا واللہ الذی لا الہ الاہو الرحمن الرحیم الذی انزل علیک الکتاب۔

اس ذات کی قسم جس کے سواء کوئی معبود نہیں ہے وہی الرحمن ورحیم ہے اسی نے تجھ پر کتاب اتاری ہے یہ سن کر اللہ کے رسول نے کوئی کلمہ نہیں فرمائی۔ لہذا اس سے معلوم ہوا کہ الفاظ قسم میں تغلیظ کے لئے زیادتی کی اجازت ہے لیکن الفاظ قسم زیادہ کراتے وقت قاضی بہت محتاط رہے یعنی اللہ کے اسماء اور صفات کو بغیر واؤ کے ذکر کرنے کی ہدایت کرے کیونکہ اگر مدعی علیہ نے واللہ والرحمن والرحیم واؤ کے ساتھ ذکر کیا تو تین قسمیں ہو جائیں گی۔ حالانکہ اس پر واجب ایک ہی قسم ہے بہر حال قاضی کو اختیار ہے جی چاہے تغلیظ کرے اور الفاظ قسم زیادہ کرنے کی ہدایت کرے اور جی چاہے تو تغلیظ نہ کرے اور صرف باللہ یا واللہ کہلانے پر اکتفاء کرے بعض حضرات نے کہا کہ اگر مدعی علیہ، صلاح اور تقویٰ کے ساتھ معروف اور مشہور ہو تو اس پر تغلیظ نہ کرے اور دوسروں پر تغلیظ کرے اور بعض حضرات نے کہا کہ اگر مال دعویٰ کثیر ہو تو قسم میں تغلیظ کرے اور اگر مال دعویٰ حقیر ہو تو تغلیظ نہ کرے۔

طلاق اور عتاق کی قسم نہیں لی جائے گی

قَالَ وَلَا يُسْتَحْلَفُ بِالطَّلَاقِ وَالْعِتَاقِ لِمَا رَوَيْنَا وَقِيلَ فِي زَمَانِنَا إِذَا أَلَحَّ الْخَصْمُ سَاعَ لِلْقَاضِي أَنْ يُحْلِفَ بِذَلِكَ لِقَلَّةِ الْمُبَالَاةِ بِالْيَمِينِ بِاللَّهِ وَكَثْرَةِ الْإِمْتِنَاعِ بِسَبَبِ الْحَلْفِ بِالطَّلَاقِ

ترجمہ..... اور طلاق اور عتاق کی قسم نہ لی جائے اس حدیث کی وجہ سے جو ہم نے روایت کی ہے اور کہا گیا کہ ہمارے زمانے میں اگر مدعی علیہ نے زیادہ مبالغہ کیا تو قاضی کے لئے جائز ہے کہ وہ اس کی قسم دلائے کیونکہ اللہ کی قسم کی پرواہ کم ہے اور حلف بالطلاق سے زیادہ رکھتے ہیں۔

تشریح..... مسئلہ مدعی علیہ سے طلاق یا عتاق کی قسم نہیں لی جائے گی یعنی مدعی علیہ نہ کہے گا کہ اگر مدعی کا دعویٰ صحیح ہو تو میری بیوی پر طلاق یا میرا غلام آزاد اور دلیل وہ حدیث ہے جو شروع فصل میں گزری ہے یعنی من کان حالفا فلیحلف باللہ او لیذر بعض مشائخ نے کہا کہ اگر مدعی علیہ جھگڑا ہو محسوس ہو تو قاضی اس سے طلاق یا عتاق کی قسم لے سکتا ہے کیونکہ اس میں اکثر لوگ فسق کی وجہ سے اللہ سے کم ڈرتے ہیں اور طلاق وغیرہ پڑ جانے سے گھبرا کر جھوٹی قسم کھانے سے رک جاتے ہیں پس جب قاضی محسوس کرے کہ مدعی علیہ جھگڑا لویا ہے یا ک آدمی ہے تو اس سے طلاق یا عتاق کی قسم لے سکتا ہے یہ واضح رہے کہ یہ قسم اگر چہ مفید ہے۔ لیکن نص حدیث من کان حالفا فلیحلف باللہ او لیذر کے مخالف ہے۔

یہودی اور نصرانی سے قسم لینے کا طریقہ

قَالَ وَيُسْتَحْلَفُ الْيَهُودِيُّ بِاللَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَةَ عَلَى مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالنَّصْرَانِيُّ بِاللَّهِ الَّذِي أَنْزَلَ الْإِنْجِيلَ عَلَى عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ لِقَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لَا بِنِ صُورِيَا الْأَعْوَرِ أَنْشَدَكَ اللَّهُ الَّذِي أَنْزَلَ التَّوْرَةَ عَلَى مُوسَى أَنَّ حُكْمَ الزَّيْنَةِ فِي كِتَابِكُمْ هَذَا وَلَا تِ الْيَهُودِيُّ يَعْتَقِدُ نُبُوَّةَ مُوسَى وَالنَّصْرَانِيُّ نُبُوَّةَ عِيسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ فَيُغْلَظُ عَلَى كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بِذِكْرِ الْمَنْزِلِ عَلَى نَبِيِّهِ

ترجمہ..... یہودی سے قسم لی جاتی کہ اس اللہ کی قسم جس نے موسیٰ پر تورات اتاری ہے اور نصرانی سے اس اللہ کی قسم جس نے عیسیٰ پر انجیل اتاری ہے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ابن صوریہؓ سے کہا میں تجھ کو اس اللہ کی قسم دلاتا ہوں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات اتاری کہ زنا کا حکم تمہاری کتاب میں یہی ہے اور اس لئے کہ یہودی موسیٰ کی نبوت کا معتقد ہے اور نصرانی عیسیٰ کی نبوت کا اعتقاد رکھتا ہے پس قاضی ان میں سے ہر ایک پر اس کتاب کا ذکر کر کے تغلیظ کرے جو اسکے نبی پر اتاری ہے۔

تشریح..... شیخ ابوالحسن قدوری نے کہا کہ قاضی یہودی سے قسم اس طرح کھلائے باللہ الذی انزل التوراة علی موسیٰ اس خدا کی قسم جس نے موسیٰ پر تورات اتاری اور نصرانی سے اس طرح قسم کھلائے باللہ الذی انزل الانجیل علی عیسیٰ اس خدا کی قسم جس نے عیسیٰ پر انجیل اتاری ہے۔

دلیل..... یہ ہے کہ ایک بار آنحضرت ﷺ اس یہودی کے پاس سے گذرے جس کا منہ زنا کی سزاء میں کالا کئے ہوئے تھے آپ نے یہودی کو بلا کر دریافت کیا کہ کیا تمہاری کتاب میں زنا کی یہی سزاء ہے سب نے کہا۔ ہاں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے یہودی کے ایک عالم عبداللہ بن صوریہ کو بلایا اور کہا کہ تم کو اس خدا کی قسم جس نے موسیٰ پر تورات اتاری ہے کیا تمہاری کتاب میں حد زنا یہی ہے ابن صوریہ نے کہا نہیں بلکہ ہماری کتاب میں حد زنا رجم ہے اور دیکھو محمد اگر آپ مجھ کو قسم نہ کھلاتے تو میں بھی آپ کو اس کی خبر نہ دیتا۔

ابن صوریہ نے کہا کہ واقعہ اصل یہ ہے کہ جب شرفاء اور غیر شرفاء کے درمیان تقسیم کی کہ اگر کوئی شریف آدمی اس کا مرتکب ہوگا تو اس کا صرف منہ کالا کیا جائے گا اور کسی غیر شریف نے یہ حرکت کی تو اس کو کوڑے لگائے جائیں گے اور رجم کو ہم نے بالکل ترک کر دیا حالانکہ تورات میں رجم ہی کا حکم ہے آپ ﷺ نے پورا واقعہ سن کر اس زانی کا رجم کرنے کا حکم فرمایا اور معصومانہ اور عاشقانہ انداز میں یوں فرمایا اللھم انی اول من احیا امرک اذا ماتوہ اللہ میں پہلا آدمی ہوں جس نے تیرا حکم زندہ کیا حالانکہ یہود اس کو دفن کر چکے تھے۔

اس واقعہ سے بھی معلوم ہوا کہ یہود اور نصرانی سے مذکورہ الفاظ کے ساتھ قسم لی جائے گی۔

دوسری دلیل..... یہ ہے کہ یہود حضرت موسیٰ کی نبوت پر اعتقاد رکھتے ہیں اور نصرانی حضرت عیسیٰ کی نبوت پر اعتقاد رکھتے ہیں پس جھوٹی قسم سے پرہیز کرانے کے لئے قاضی ان میں سے ہر ایک اس کتاب کو ذکر کر کے تغلیظ کرے گا جو کتاب ان کے نبی پر اتاری گئی ہے۔

مجوسی سے قسم لینے کا طریقہ

وَيُسْتَحْلِفُ الْمَجُوسِيُّ بِاللَّهِ الَّذِي خَلَقَ النَّارَ وَهَكَذَا ذَكَرَ مُحَمَّدٌ فِي الْأَصْلِ وَيُرَوَّى عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ أَنَّهُ لَا يَسْتَحْلِفُ أَحَدًا إِلَّا بِاللَّهِ خَالِصًا وَذَكَرَ الْخَصَافُ أَنَّهُ لَا يَسْتَحْلِفُ غَيْرَ الْيَهُودِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ إِلَّا بِاللَّهِ وَهُوَ اخْتِيارُ بَعْضِ مَشَائِخِنَا لِأَنَّ فِي ذِكْرِ النَّارِ مَعَ اسْمِ اللَّهِ تَعَالَى تَعْظِيمُهَا وَمَا يَنْبَغِي أَنْ تُعْظَمَ بِخِلَافِ الْكِتَابَيْنِ لِأَنَّ كُتُبَ اللَّهِ مُعَظَّمَةٌ

ترجمہ..... اور مجوسی سے قسم لے کہ اس اللہ کی قسم جس نے آگ پیدا کی ہے ایسا ہی امام محمدؒ نے مبسوط میں ذکر کیا ہے اور ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ قاضی کسی سے قسم نہیں لے گا مگر صرف اللہ کی اور خصاف نے ذکر کیا ہے کہ یہودی اور نصرانی کے علاوہ سے سوائے اللہ کے قسم نہیں لے گا اور یہی ہمارے بعض مشائخ کا پسند فرمودہ ہے کیونکہ اللہ کے نام کے ساتھ آگ کا ذکر کرنے میں آگ کی تعظیم ہے اور آگ کی تعظیم کرنا مناسب نہیں ہے برخلاف دونوں کتابوں کے کیونکہ اللہ کی تمام کتابیں معظم ہیں۔

تشریح..... صاحب قدوری نے فرمایا کہ قاضی مجوسی (آتش پرست) سے ان الفاظ کے ساتھ قسم لے گا باللہ الذی خلق النار اس خدا کی قسم جس نے آگ کو پیدا کیا ہے ایسا ہی امام محمدؒ نے مبسوط میں ذکر کیا ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ مجوسی آگ کی حرمت اور عظمت کا اعتقاد رکھتا ہے پس وہ بھی جھوٹی قسم کھانے سے باز رہے گا اور قسم کا مقصود حاصل ہو جائیگا۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ سے مروی ہے کہ قاضی صرف اللہ کے نام کے ساتھ قسم لے گا مدعی مسلم ہو یا یہودی یا نصرانی یا مجوسی کیونکہ اللہ کے علاوہ کے نام کے ساتھ قسم کھانے کی اجازت دینے میں اللہ کے ساتھ اس کی تعظیم غیر اللہ کو شریک کرنا لازم آتا ہے جو کسی طرح مناسب نہیں ہے۔

امام خصاف نے ذکر کیا کہ یہودی اور نصرانی اللہ کے علاوہ اپنے مذہب کے مطابق دوسرے اوصاف ذکر کر سکتے ہیں لیکن ان کے علاوہ سے

صرف اللہ کے نام کی قسم لی جائے گی اسی کو ہمارے بعض مشائخ نے پسند کیا ہے۔ دلیل یہ ہے کہ اگر اللہ کے نام کے ساتھ آگ کا ذکر کیا گیا تو آگ کی بھی تعظیم ہوگی حالانکہ آگ کی تعظیم کسی طرح مناسب نہیں ہے اس کے برخلاف تورات و انجیل کہ اللہ کی ساری کتابیں معظم ہیں لہذا اللہ کے نام کے ساتھ ان کو ذکر کرنے میں اگر ان کی تعظیم ہوتی ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

وشی سے صرف اللہ تعالیٰ کے نام سے قسم لی جائے گی

وَالْوَيْسِيُّ لَا يُحْلَفُ إِلَّا بِاللَّهِ لِأَنَّ الْكُفْرَةَ بِأَسْرِهِمْ يَعْتَقِدُونَ اللَّهُ تَعَالَى قَالَ اللَّهُ تَعَالَى وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ

ترجمہ..... اور بت پرست کو سوائے اللہ کے نام کے کسی کی قسم نہیں دلائی جائے گی کیونکہ کفار سب کے سب اللہ کا اعتقاد رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اگر تو ان بت پرستوں سے پوچھے کہ کس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تو وہ ضرور کہیں گے اللہ نے۔
تشریح..... واضح ہے۔

ان سے عبادت خانوں میں قسم نہ لی جائے گی

قَالَ وَلَا يُحْلَفُونَ فِي بُيُوتِ عِبَادَتِهِمْ لِأَنَّ الْقَاضِيَ لَا يَحْضُرُهَا بَلْ هُوَ مَمْنُوعٌ عَنْ ذَلِكَ

ترجمہ..... اور ان سے ان کے عبادت خانوں میں قسم نہ لی جائے گی کیونکہ قاضی وہاں حاضر نہ ہوگا بلکہ قاضی کو وہاں جانے سے روکا گیا ہے۔
تشریح..... واضح ہے۔

مسلمان پر قسم میں زمان و مکان کی تغلیظ واجب نہیں

قَالَ وَلَا يَجِبُ تَغْلِيظُ الْيَمِينِ عَلَى الْمُسْلِمِ بِزَمَانٍ وَلَا مَكَانٍ لِأَنَّ الْمَقْصُودَ تَعْظِيمَ الْمُقْسَمِ بِهِ وَهُوَ حَاصِلُ بَدْوْنِ ذَلِكَ وَفِي إِنْجَابِ ذَلِكَ حَرَجٌ عَلَى الْقَاضِي حَيْثُ يُكَلِّفُ حُضُورَهَا وَهُوَ مَذْفُوعٌ

ترجمہ..... اور مسلم پر قسم کی تغلیظ زمانہ اور مکان کے ساتھ واجب نہیں ہے کیونکہ مقصود اس کی تعظیم ہے جس کی قسم کھائی جاتی ہے اور وہ بغیر اس کے بھی حاصل ہے اور اس کو واجب کرنے میں قاضی پر حرج ہے کیونکہ اس کو وہاں حاضر ہونے کا مکلف کیا جائے گا حالانکہ حرج کو دور کیا گیا ہے۔
تشریح..... صاحب قدوری نے کہا کہ مسلمان کی قسم کو غلیظ کرنے کے لئے کسی تبرک زمان یا مکان کا ذکر کرنا واجب نہیں ہے یعنی یہ ضروری نہیں کہ کسی تبرک زمان یا مکان میں قسم لی جائے۔ کیونکہ قسم سے اس معبود کی تعظیم مقصود ہے جس کے نام کی قسم کھائی ہے اور یہ تعظیم اس زمان اور مکان کو ذکر کر کے بغیر بھی حاصل ہے نیز زمان یا مکان کو متعین کرنے میں قاضی کو حرج میں مبتلا کرنا لازم آتا ہے کیونکہ زمان اور مکان کی تعیین کی صورت میں قاضی پر وہاں حاضر ہونا لازم آئے گا حالانکہ شریعت اسلام نے حرج کو دور کیا ہے پس یہ بات واجب نہیں ہے بلکہ قاضی خود مختار ہے جہاں چاہے قسم لے۔

کسی نے دوسرے کے بارے میں دعویٰ کیا کہ اس نے میرا غلام ایک ہزار کے عوض خریدا،

مدعی علیہ نے اس کا انکار کیا اس سے کن الفاظ میں قسم لی جائے گی

قَالَ وَمَنْ ادَّعى أَنَّهُ ابْتَاعَ مِنْ هَذَا عَبْدَهُ بِالْفِ جَحَدَ اسْتَحْلَفَ بِاللَّهِ مَا بَيْنَكُمَا بَيْعٌ قَائِمٌ فِيهِ وَلَا يُسْتَحْلَفُ بِاللَّهِ مَا

بَعَثَ لِأَنَّهُ قَدْ يَبَاعُ الْعَيْنُ ثُمَّ يَقَالُ فِيهِ وَيُسْتَحْلَفُ فِي الْغَضَبِ بِاللَّهِ مَا يَسْتَحِقُّ عَلَيْكَ رَدُّهُ وَلَا يُحْلَفُ بِاللَّهِ مَا غَضِبْتَ لِأَنَّهُ قَدْ يَغْضَبُ ثُمَّ يَفْسُخُ بِالْهَبَةِ وَالْبَيْعِ وَفِي النِّكَاحِ بِاللَّهِ مَا يَبِينُ كَمَا نِكَاحَ قَائِمٍ فِي الْحَالِ لِأَنَّهُ قَدْ يَطْرُقُ عَلَيْهِ الْخُلْعُ وَفِي الدَّعْوَى الطَّلَاقِ بِاللَّهِ مَا هِيَ بَائِنٌ مِنْكَ السَّاعَةَ بِمَا ذَكَرْتُ وَلَا يُسْتَحْلَفُ بِاللَّهِ مَا طَلَقَهَا لِأَنَّ النِّكَاحَ قَدْ يُجَدِّدُ بَعْدَ الْإِبَانَةِ فَيُحْلَفُ عَلَى الْحَاصِلِ فِي هَذِهِ الْوُجُوهِ لِأَنَّهُ لَوْ حَلَفَ عَلَى السَّبَبِ يَتَضَرَّرُ الْمُدْعَى عَلَيْهِ وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ أَمَّا عَلَى قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ يُحْلَفُ فِي جَمِيعِ ذَلِكَ عَلَى السَّبَبِ إِلَّا إِذَا عَرَضَ الْمُدْعَى عَلَيْهِ بِمَا ذَكَرْنَا فَحِينَئِذٍ يُحْلَفُ عَلَى الْحَاصِلِ وَقِيلَ يُنْظَرُ إِلَى انْكَارِ الْمُدْعَى عَلَيْهِ إِنْ أَنْكَرَ السَّبَبَ يُحْلَفُ عَلَيْهِ وَإِنْ أَنْكَرَ الْحُكْمَ يُحْلَفُ عَلَى الْحَاصِلِ فَالْحَاصِلُ هُوَ الْأَصْلُ عِنْدَهُمَا إِذَا كَانَ سَبَبًا يَرْتَفِعُ بِرَافِعٍ إِلَّا إِذَا كَانَ فِيهِ تَرْكُ النَّظَرِ فِي جَانِبِ الْمُدْعَى فَحِينَئِذٍ يُحْلَفُ عَلَى السَّبَبِ بِالْإِجْمَاعِ وَذَلِكَ مِثْلُ أَنْ تَدْعَى مَبْنُوتَةً نَفَقَةَ الْعِدَّةِ وَالزَّوْجِ مِمَّنْ لَا يَرَاهَا أَوْ ادَّعَى شَفْعَةً بِالْجَوَارِ وَالْمُشْتَرَى لَا يَرَاهَا لِأَنَّهُ لَوْ حَلَفَ عَلَى الْحَاصِلِ يَصُدِّقُ فِي يَمِينِهِ فِي مَعْتَقَدَةِ فَيَقُوتُ النَّظَرُ فِي حَقِّ الْمُدْعَى وَإِنْ كَانَ سَبَبًا لَا يَرْتَفِعُ بِرَافِعٍ فَالتَّحْلِيفُ عَلَى السَّبَبِ بِالْإِجْمَاعِ كَالْعَبْدِ الْمُسْلِمِ إِذَا ادَّعَى الْعِتْقَ عَلَى مَوْلَاهُ بِخِلَافِ الْأَمَةِ وَالْعَبْدِ الْكَافِرِ لِأَنَّهُ يَتَكَرَّرُ الرِّقُّ عَلَيْهَا بِالرَّدِّ وَاللِّحَاقِ وَعَلَيْهِ بِنَقْضِ الْعَهْدِ وَاللِّحَاقِ وَلَا يَتَكَرَّرُ عَلَى الْعَبْدِ الْمُسْلِمِ

ترجمہ..... اگر کسی نے دعویٰ کیا کہ اس نے اس سے اس کا غلام ایک ہزار کے عوض خریدا ہے پس مدعی علیہ نے اس کا انکار کیا تو اس سے قسم لی جائے گی کہ بخدا میرے اور اس کے درمیان غلام میں عقد بیع قائم نہیں ہے اور یہ قسم نہ لی جائے کہ بخدا میں نے فروخت نہیں کیا کیونکہ کبھی عین کو فروخت کیا جاتا ہے پھر اس میں اقالہ کر لیا جاتا ہے اور غضب میں قسم لی جائے گی کہ بخدا یہ شخص تجھ پر منصوب کی واپسی کا مستحق نہیں ہے اور قاضی یوں قسم نہیں لے گا کہ میں نے غضب نہیں کیا ہے اس لئے کہ آدمی کبھی غضب کرتا ہے۔ پھر بہہ یا بیع کے ذریعہ فسخ کر دیتا ہے اور نکاح میں بخدا تم دونوں کے درمیان فی الحال نکاح قائم نہیں ہے کیونکہ کبھی نکاح پر خلع طاری ہوتا ہے اور طلاق کے دعویٰ میں بخدا یہ عورت تجھ پر اس وقت بائنے نہیں ہے۔ اس امر کی وجہ سے جس کا اس عورت نے ذکر کیا ہے اور قسم نہ لی جائے کہ بخدا اس نے اس کو طلاق نہیں دی ہے۔ کیونکہ کبھی بائنے کرنے کے بعد نکاح کی تجدید کی جاتی ہے۔ پس ان تمام صورتوں میں حاصل مراد پر قسم لی جائے گی۔ اس لئے کہ اگر سب پر قسم لی تو مدعی علیہ کو ضرر پہنچے گا۔ اور یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا قول ہے اور بہر حال ابو یوسفؒ کے قول پر ان تمام صورتوں میں سب پر قسم لی جائے گی مگر جبکہ مدعی علیہ ان امور کے ساتھ تعریض کرے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ پس اس وقت حاصل مراد پر قسم لی جائے گی اور کہا گیا کہ مدعی علیہ کے انکار کو دیکھا جائے۔ اگر اس نے سب کا انکار کیا تو سب پر قسم لی جائے اور اگر حکم کا انکار کیا تو حاصل معنی پر قسم لی جائے۔ پس طرفین کے نزدیک اصل یہی ہے کہ حاصل معنی پر قسم لی جائے بشرطیکہ سب کسی دور کرنے والے سے دور ہو سکتا ہو۔ مگر جبکہ اس میں مدعی کی جانب میں ترک رعایت ہو تو اس وقت بالا جماع سب پر قسم لی جائے۔ پس طرفین کے نزدیک اصل یہی ہے کہ حاصل معنی پر قسم لی جائے بشرطیکہ سب کسی دور کرنے والے سے دور ہو سکتا ہو۔ مگر جبکہ اس میں مدعی کی جانب میں ترک رعایت ہو تو اس وقت بالا جماع سب پر قسم لی جائے اور یہ ایسا ہے جیسا کہ ایک مطلقہ ثلاث عدت کے نفقہ کا دعویٰ کرتی ہے اور شوہر ان لوگوں میں سے ہے جو اس کا اعتقاد نہیں رکھتا ہے یا شفعہ جوار کا دعویٰ کیا اور مشتری اس کا اعتقاد نہیں رکھتا ہے۔ اس لئے کہ اگر اس نے حاصل معنی پر قسم کھائی تو وہ اپنے اعتقاد کے موافق اپنی یمین میں سچا ہوگا۔ پس مدعی کے حق میں رعایت فوت ہو جائے گی۔ اور سب ایسا ہو جو کسی دور کرنے والے سے دور نہیں ہو سکتا ہے تو بالا جماع سب پر قسم لی جائے گی جیسے مسلمان غلام نے اپنے مولیٰ پر آزادی کا دعویٰ کیا یا برخلاف باندی اور غلام کافر کے کیونکہ باندی پر مرد ہو کر دار الحرب میں مل جانے سے رقیق مکرر ہوتی ہے اور کافر غلام پر عہد تو ذکر دار الحرب میں مل جانے سے رقیق مقرر ہوتی ہے اور مسلمان غلام

پر مکر نہیں ہوتی ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ میں نے اس سے اس کا غلام ایک ہزار کے عوض خریدار ہے اور مدعی علیہ نے اس کا انکار کر دیا پس تو مدعی کے پاس اگر بینہ موجود نہ ہو تو مدعی علیہ (بالغ) سے اس طرح قسم لی جائے گی بخدا میرے اور اس کے درمیان اس غلام میں بیع موجود نہیں ہے اور قسم یوں نہیں لی جائے گی کہ بخدا میں نے یہ غلام نہیں بیچا ہے یعنی حاصل مراد پر قسم لی جائے گی اور سبب پر قسم نہیں لی جائے گی۔

دلیل..... اس کی یہ ہے کہ کبھی کسی معین مال کو فروخت کر دیا جاتا ہے اور پھر اس میں اقالہ کر لیا جاتا ہے اقالہ کے بعد بیع اپنے حال پر باقی نہیں رہے گی پس اگر مدعی علیہ سے سبب یعنی بیع پر قسم لی گئی تو اس سے مدعی علیہ کو نقصان پہنچے گا لہذا اس سے ضرر کو دور کرنے کے لئے حاصل مراد پر قسم لی جائے گی۔

اور اگر ایک آدمی نے دوسرے پر غصب کا دعویٰ کیا اور مدعی کے پاس بینہ نہ ہو تو مدعی علیہ سے ان الفاظ میں قسم لی جائے گی۔ بخدا یہ مدعی مجھ پر شئی مغضوب کی واپسی کا استحقاق نہیں رکھتا ہے اور ان الفاظ میں قسم نہیں لی جائے گی کہ بخدا میں نے غصب نہیں کیا ہے کیونکہ کبھی آدمی غصب کرتا ہے لیکن مالک، غاصب کو عین مغضوب بہہ کر دیتا ہے یا غاصب کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے یا کبھی غاصب تاوان دے کر شئی مغضوب کا مالک ہو جاتا ہے۔ پس اگر مدعی علیہ (غاصب) سے یہ قسم لی گئی کہ میں نے غصب نہیں کیا تو اس صورت میں مدعی علیہ کا ضرر ہوگا لہذا اس سے ضرر دور کرنے کے لئے یوں قسم لی جائے کہ مدعی، مجھ پر مال غصب کی واپسی کا حق نہیں رکھتا ہے کیونکہ اگر غصب موجود ہو تو اس کو واپسی کا حق ضرور ہوگا۔

اور اگر کسی نے کسی عورت پر نکاح کیا اور عورت نے انکار کر دیا یا اس کا برعکس ہوا اور مدعی بیتہ پیش نہ کر سکا تو مدعی علیہ سے ان الفاظ میں قسم لی جائے گی کہ بخدا ہم دونوں کے درمیان فی الحال نکاح قائم نہیں ہے اور یہ قسم نہ لے کہ بخدا میں نے اس کے ساتھ نکاح نہیں کیا ہے کیونکہ کبھی نکاح کے بعد خلع ہو جاتا ہے اور خلع کے بعد نکاح باقی نہیں رہتا پس یہ قسم لینے میں کہ بخدا میں نے نکاح نہیں کیا ہے مدعی علیہ کا ضرر ہے لہذا اس سے ضرر کو دور کرنے کے لئے ان الفاظ میں قسم نہ لی جائے۔

اور اگر عورت نے مرد پر طلاق کا دعویٰ کیا اور مرد نے اس کا انکار کیا اور مدعیہ کے پاس بینہ نہ ہو تو مدعی علیہ (شوہر) سے ان الفاظ میں قسم لی جائے گی کہ بخدا یہ عورت مجھ سے اس وقت اس وجہ سے بابتہ نہیں ہے۔ جس کا وہ دعویٰ کرتی ہے اور یہ قسم نہ لی جائے کہ بخدا میں نے اس کو طلاق نہیں دی ہے کیونکہ بابتہ کرنے کے بعد کبھی نکاح کی تجدید کر لی جاتی ہے۔ اب اگر اس سے یوں قسم لی گئی کہ بخدا میں نے اس کو طلاق نہیں دی ہے تو اس صورت میں مدعی علیہ کو ضرر پہنچے گا پس اسے ضرر کو دور کرنے کے لئے ان الفاظ میں قسم نہ لے بلکہ یہ کہے کہ بخدا یہ عورت مجھ سے اس وقت بابتہ نہیں ہے۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ مذکورہ تمام صورتوں میں حاصل معنی پر قسم لی جائے گی اور سبب (بیع، غصب، نکاح، طلاق) پر قسم نہیں لی جائے گی اور وجہ اس کی یہ ہے کہ اگر سبب پر قسم لی گئی تو مدعی علیہ کو ضرر پہنچے گا پس مدعی علیہ سے ضرر دور کرنے کے لئے حاصل معنی پر قسم لی جائے گی۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ حاصل معنی پر قسم لینا۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کا مذہب ہے اور امام ابو یوسفؒ کا مذہب یہ ہے کہ مذکورہ تمام صورتوں میں سبب پر قسم لی جائے گی مگر جبکہ مدعی علیہ مذکورہ چیزوں کے ساتھ تعریض کرے مثلاً یوں کہے کبھی بیع ہو کر اقالہ ہو جاتا ہے تو ایسی حالت میں حاصل معنی پر قسم لی جائے گی۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ مدعی علیہ کے انکار کو دیکھا جائے گا اگر اس نے سبب کا انکار کیا تو اس سے سبب پر قسم لی جائے گی اور اگر اس نے حکم کا انکار کیا تو حاصل معنی پر قسم لی جائے گی۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ طرفین کے نزدیک اصل یہ ہے کہ حاصل معنی پر قسم لی جائے بشرطیکہ سبب ایسا ہو تو کسی دور کرنے والے سے دور ہو سکتا ہے مثلاً بیع، اقالہ سے دور ہو جاتی ہے غصب، ہبہ اور بیع سے فسخ ہو جاتا ہے نکاح، خلع سے فسخ ہو جاتا ہے اور طلاق، تجدید نکاح کے بعد دور ہو جاتی ہے بہر حال اگر سبب ایسا ہو جو دور کرنے سے دور ہو جاتا ہو تو اس صورت میں طرفین کے نزدیک حاصل معنی پر قسم لی جائے گی۔ ہاں۔ اگر حاصل معنی

پر قسم لینے میں مدعی کی رعایت نہ ہوتی ہو تو اس وقت بالا جماع سبب پر قسم لی جائے گی۔ مثلاً ایک عورت جس کو اس کے شوہر نے تین طلاقیں دی ہیں اپنے شوہر سے عدت کے نفقہ کا دعویٰ کرتی ہے اور شوہر چونکہ شافعی المسلک ہے۔ اس لئے اس کے اعتقاد میں مطلقہ ثلاثہ کے واسطے نفقہ نہیں ہے یا ایک شخص نے جوار کی وجہ سے شفعہ کا دعویٰ کیا اور مشتری شافعی المسلک ہونے کی وجہ سے شفعہ جوار کا اعتقاد نہیں رکھتا ہے تو اس صورت میں حاصل معنی پر نہیں بلکہ سبب پر قسم لی جائے کیونکہ اگر اس نے حاصل معنی پر قسم کھائی اور یوں کہا بخدا مجھ پر اس کا نفقہ عدت نہیں ہے یا مجھ پر اس کے واسطے شفعہ جوار نہیں ہے تو وہ اپنے اعتقاد کے موافق اپنی قسم میں سچا ہوگا اور مدعی یعنی عورت اور مدعی شفعہ کے حق میں رعایت ترک ہو جائے گی۔ اور سبب ایسا ہو جو دور کرنے سے دور نہ ہوتا ہو تو بالا جماع سبب پر قسم لی جائے گی۔ مثلاً ایک مسلمان غلام نے اپنے مولیٰ پر عتق کا دعویٰ کیا تو مولیٰ سے بالا جماع یہ قسم لی جائے گی کہ بخدا میں نے اس کو آزاد نہیں کیا ہے کیونکہ آزادی یعنی سبب ایسی چیز ہے جو کسی کے دور کرنے سے دور نہیں ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر باندی نے آزادی کا دعویٰ کیا یا کافر غلام نے آزادی کا دعویٰ کیا تو ان دونوں صورتوں میں مدعی علیہ سے حاصل معنی پر قسم لی جائے گی یعنی مدعی علیہ کہے گا۔ بخدا یہ باندی یا یہ کافر غلام فی الحال آزاد نہیں ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ باندی آزاد ہونے کے بعد اگر مرتد ہو کر دار الحرب میں چلی گئی اور کافر غلام نقض عہد کر کے دار الحرب میں چلا گیا تو ان پر رقیۃ دوبارہ طاری ہو جاتی ہے اور جب رقیۃ دوبارہ طاری ہوگئی تو ان کی آزادی ختم ہوگئی۔ گویا ان دونوں کا عتق دور ہو جاتا ہے اور جب سبب یعنی باندی اور کافر غلام کی آزادی دور ہو جاتی ہے تو ان دونوں کے مدعی علیہ سے حاصل معنی پر قسم لی جائے گی اور سبب پر قسم نہیں لی جائے گی اور ہاں مسلمان غلام تو وہ اگر ایک بار آزاد ہو گیا تو اس کی آزادی دور نہیں ہوتی اور نہ اس پر رقیۃ مکرر ہوتی ہے لہذا مسلمان غلام اگر عتق کا دعویٰ کرے گا تو مدعی علیہ سے سبب پر قسم لی جائے گی۔

فوائد..... اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ سبب کی دو صورتیں ہیں حاصل معنی پر قسم لینے سے مدعی کو ضرر ہوگا یا نہیں اگر اول ہے تو بھی سبب پر قسم لی جائے گی اور اگر ثانی ہے تو طریقین کے نزدیک حاصل معنی پر قسم لی جائے گی اور ابو یوسف کے نزدیک سبب پر بشرطیکہ مدعی علیہ رفع سبب کے ساتھ تعریض نہ کرے۔

کسی کو میراث میں غلام ملا، دوسرے شخص نے دعویٰ کیا اور مدعی کے پاس
بینہ نہیں تو وارث سے اس کے علم پر قسم لی جائے گی

قَالَ وَمَنْ وَرَثَ عَبْدًا وَاَدَّعَاهُ اٰخَرَ يُسْتَحْلَفُ عَلٰی عِلْمِهِ لِاَنَّهُ لَا عِلْمَ لَهُ بِمَا صَنَعَ الْمُورِثُ فَلَا يُحْلَفُ عَلٰی الْبَنَاتِ وَاِنْ وَهَبَ لَهُ اَوْ اشْتَرَاهُ يُحْلَفُ عَلٰی الْبَنَاتِ لَوْ جُودَ الْمُطْلَقِ لِلْيَمِيْنِ اِذَا الشَّرَاءُ سَبَبٌ لِثُبُوْتِ الْمِلْكِ وَضَعًا وَكَذَا الْهَبَةُ قَالَ وَمَنْ اَدَّعٰی عَلٰی الْاٰخِرِ مَالًا فَاَفْتَدٰی يَمِيْنَهُ اَوْ صَالَحَهُ مِنْهَا عَلٰی عَشْرَةِ ذَرَاهِمَ فَهُوَ جَائِزٌ وَهُوَ مَأْثُوْرٌ عَنْ عُثْمَانَ وَلَيْسَ لَهُ اَنْ يَسْتَحْلِفَ عَلٰی تِلْكَ الْيَمِيْنِ اَبَدًا لِاَنَّهُ اسْقَطَ حَقَّهُ

ترجمہ..... اگر کسی نے میراث میں ایک غلام پایا اور اس پر دوسرے نے دعویٰ کیا تو وارث سے اس کے علم پر قسم لی جائے گی۔ کیونکہ وارث کو علم نہیں جو اس کے مورث نے کیا تو اس سے قطعی قسم نہیں لی جائے گی۔ اور اگر اس نے اس غلام کو ہبہ میں پایا یا اس کو خرید لیا تو اس سے قطعی قسم لی جائے گی کیونکہ قسم کی اجازت دینے والی چیز موجود ہے کیونکہ شراء تو ثبوت ملک کا وضعی سبب ہے اور اسی طرح ہبہ۔ اور اگر کسی نے دوسرے پر مال کا دعویٰ کیا پھر اس نے اپنی قسم کا فدیہ دیا یا اس سے صلح کر لی تو یہ جائز ہے اور یہ حضرت عثمانؓ سے مروی ہے اور مدعی کو یہ اختیار نہ رہا کہ وہ مدعی علیہ سے یہ قسم لے کیونکہ مدعی نے اپنا حق ساقط کر دیا ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے میراث میں ایک غلام پایا اور اس پر دوسرے شخص نے اپنی ملکیت کا دعویٰ کیا اور مدعی کے پاس بینہ نہیں ہے

تو مدعی علیہ یعنی وارث سے اس کے علم پر قسم لی جائے گی کہ بخدا میں نہیں جانتا کہ یہ غلام یا یہ چیز جو میرے قبضہ میں ہے۔ وہ اس مدعی کی ملک ہے یعنی مدعی علیہ سے قطعی قسم نہیں لی جائے گی کہ بخدا یہ غلام اس مدعی کی ملک نہیں کہ اس کے مورث نے اس غلام کو کہاں سے اور کیسے حاصل کیا ہے اور جب ایسا ہے تو اس سے قطعی قسم کیسے لی جاسکتی ہے۔ اور اگر کسی نے یہ غلام ہبہ میں پایا یا اس کو خریدا اور دوسرے آدمی نے اپنی ملکیت کا دعویٰ کیا اور مدعی کے پاس بینہ نہیں ہے تو اس صورت میں مدعی علیہ یعنی موہب لہ اور مشتری سے قطعی قسم لی جائے گی کہ بخدا یہ غلام اس مدعی کی ملک نہیں ہے۔ کیونکہ مدعی علیہ کے پاس ایسی دلیل (ہبہ شرا) موجود ہے کہ وہ شرعاً اپنی ملک کی قسم کھا سکتا ہے۔ اور جب مدعی علیہ دلیل کی وجہ سے اپنی ملک نہ ہونے کی قسم بھی کھا سکتا ہے اور وہ دلیل جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہبہ یا خرید ہے اس لئے کہ شرا تو ملک ثابت ہونے کا شرعی سبب ہے اور اسی طرح ہبہ بھی ثبوت ملک کا شرعی سبب ہے یعنی جس نے کوئی چیز خریدی تو وہ شرعاً خریدی ہوئی چیز کا مالک ہو گیا اور اسی طرح جب اس کو ہبہ میں ملی تو بھی وہ اس کا شرعاً مالک ہو گیا۔ اس کے برخلاف میراث کہ مدعی علیہ کو میراث میں ملنا تو قطعی معلوم ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ مورث کو یہ چیز کہاں سے اور کیسے ملی، ہو سکتا ہے کہ مورث نے غصب کیا ہو۔ لہذا میراث کی صورت میں مدعی علیہ سے صرف اس کے علم پر قسم لی جائے گی اور قطعی قسم نہ لی جائے گی۔

اور اگر کسی شخص نے دوسرے مال کا دعویٰ کیا اور مدعی کے پاس بینہ موجود نہ ہو اور اس مدعی علیہ نے دس درہم اپنی قسم کا فدیہ مقرر کیا یا مدعی سے دس درہم صلح کر لی تو یہ فدیہ ٹھہرانا اور صلح کرنا جائز ہے اور فدیہ ٹھہرانا حضرت عثمانؓ سے منقول ہے۔ پس فدیہ لے کر یا صلح کر کے جب مدعی نے اپنا حق ساقط کر دیا تو اب اس کے بعد مدعی کو یہ قسم لینے کا کبھی اختیار نہ ہوگا۔

جمیل احمد غنی عنہ

بَابُ التَّحَالُفِ

ترجمہ..... یہ باب دونوں میں سے ہر ایک سے قسم لینے کے بیان میں ہے۔

تشریح..... جب مصنف ایک کی قسم کے حکم سے فارغ ہو گئے تو اب دو کی قسموں کا حکم شروع فرما رہے ہیں اور چونکہ دو، طبعاً ایک کے بعد ہوتے ہیں اس لئے وضعاً بھی دو کا حکم مؤخر کر دیا گیا تاکہ وضع، طبع کے موافق ہو جائے۔

متعاقبین کا بیع میں اختلاف ہوا ایک نے ثمن کا دعویٰ کیا اور بائع نے اس سے زیادہ کا دعویٰ کیا یا بائع نے بیع کی ایک مقدار کا دعویٰ کیا اور مشتری نے اس سے زیادہ کا دعویٰ کیا ایک نے گواہ قائم کر دیئے تو اس کے حق میں فیصلہ کیا جائے گا

قَالَ وَإِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَبَايعَانِ فِي الْبَيْعِ فَأَدَّعَى أَحَدُهُمَا ثَمَنًا وَادَّعَى الْبَائِعُ أَكْثَرَ مِنْهُ أَوْ اعْتَرَفَ الْبَائِعُ بِقَدْرِ مِنَ الْمَبِيعِ وَادَّعَى الْمُشْتَرِي أَكْثَرَ مِنْهُ وَأَقَامَ أَحَدُهُمَا الْبَيِّنَةَ قُضِيَ لَهُ بِهَا لِأَنَّ فِي الْجَانِبِ الْآخِرِ مُجَرَّدَ الدَّعْوَى وَالْبَيِّنَةُ أَقْوَى مِنْهَا وَإِنْ أَقَامَ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بَيِّنَةً كَانَتِ الْبَيِّنَةُ الْمُثْبِتَةُ لِلزِّيَادَةِ أَوْلَى لِأَنَّ الْبَيِّنَاتِ لِلْإِثْبَاتِ وَلَا تَعَارِضُ فِي الزِّيَادَةِ وَلَوْ كَانَ الْإِخْتِلَافُ فِي الثَّمَنِ وَالْمَبِيعِ جَمِيعًا فَيَبِّغُ الْبَائِعُ أَوْلَى فِي الثَّمَنِ وَبَيِّنَةُ الْمُشْتَرِي فِي الْمَبِيعِ نَظَرًا إِلَى زِيَادَةِ الْإِثْبَاتِ وَإِنْ لَمْ يَكُنْ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا بَيِّنَةٌ قِيلَ لِلْمُشْتَرِي إِمَّا أَنْ تَرْضَى بِالثَّمَنِ الَّذِي ادَّعَاهُ الْبَائِعُ وَالْأَفْسَحُ الْبَيْعَ وَقِيلَ لِلْبَائِعِ إِمَّا أَنْ تُسَلِّمَ مَا ادَّعَاهُ الْمُشْتَرِي مِنَ الْمَبِيعِ وَالْأَفْسَحُ الْبَيْعَ

لَا لِلْمَقْصُودِ قَطْعُ الْمُنَازَعَةِ وَهَذَا جَهَةٌ فِيهِ لِأَنَّهُ رُبَّمَا لَا يَرْضِيَانِ بِالْفَسْخِ فَإِذَا عَلِمَا بِهِ يَتَرَاضِيَانِ

ترجمہ..... اگر بائع اور مشتری نے بیع میں اختلاف کیا پس ان دونوں میں سے ایک نے ثمن کا دعویٰ کیا اور بائع نے اس سے زائد کا دعویٰ کیا اور ان دونوں میں سے ایک نے بیعہ قائم کیا تو اس کے بیعہ کے مطابق اس کے لئے حکم کر دیا جائے گا اس لئے کہ دوسری جانب میں صرف دعویٰ ہے حالانکہ بیعہ اس سے قوی ہے اور اگر دونوں میں سے ہر ایک نے بیعہ قائم کیا تو زیادتی کو ثابت کرنے والا بیعہ اولیٰ ہوگا۔ اس لئے کہ گواہیاں ثابت کرنے کے واسطے ہوتی ہیں۔ اور زیادتی میں کوئی تعارض بھی نہیں ہے۔

اور اگر اختلاف ثمن اور بیع دونوں میں ہو تو ثمن میں بائع کا بیعہ اولیٰ ہوگا اور بیع میں مشتری کا بیعہ اولیٰ ہوگا زیادتی اثبات کی طرف نظر کرتے ہوئے۔ اور اگر دونوں میں سے کسی کے پاس بیعہ نہ ہو تو مشتری سے کہا جائے گا یا تو اس ثمن پر راضی ہو جا جس کا بائع مدعی ہے ورنہ ہم بیع کو فسخ کر دیں گے۔ اور بائع سے کہا جائے گا یا تو اس بیع کو سپرد کر دے جس کا مشتری مدعی ہے ورنہ تو ہم بیع کو فسخ کر دیں گے۔ کیونکہ مقصود۔ جھگڑے کو ختم کرنا ہے اور جھگڑا ختم کرنے کا یہ بھی ایک طریقہ ہے اس لئے کہ بسا اوقات بائع اور مشتری فسخ پر راضی نہیں ہوتے ہیں پس جب وہ دونوں فسخ کو جان لیں گے تو باہم راضی ہو جائیں گے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر بائع اور مشتری نے مقدار ثمن یا مقدار بیع میں اختلاف کیا مثلاً مشتری نے دعویٰ کیا کہ ثمن ایک سو درہم ہیں اور بائع نے دعویٰ کیا کہ ثمن دو سو درہم ہیں یا مثلاً بائع نے دعویٰ کیا کہ بیع ایک من گندم ہے اور مشتری نے دعویٰ کیا کہ بیع دو من گندم ہے پس دونوں میں کسی ایک نے اپنے دعویٰ پر بیعہ پیش کیا اور دوسرا عاجز آ گیا تو جس نے بیعہ پیش کیا ہے اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا کیونکہ دوسری جانب میں صرف دعویٰ ہے اور اس جانب میں دعویٰ پر بیعہ بھی موجود ہے اور صرف دعویٰ سے بیعہ قوی ہے کیونکہ بیعہ قاضی پر حکم صادر کرنے کو لازم کرتا ہے اور محض دعویٰ لازم نہیں کرتا ہے بہر حال جب بیعہ قوی ہے تو جس جانب میں بیعہ ہے اسی جانب میں حکم صادر کر دیا جائے گا۔

اور اگر دونوں نے بیعہ قائم کر دیا تو جس کا بیعہ زیادتی کو ثابت کرے گا اس کے پتہ پر حکم دیا جائے گا کیونکہ شریعت میں بینات کو ثابت کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے لہذا جس کا بیعہ زیادہ ثابت ہوگا اسی کا بیعہ زیادہ مثبت ہوگا اور جو بیعہ زیادہ مثبت ہوگا اسی کو قبول کیا جائے گا اور جو بیعہ مثبت لاقبل ہوگا وہ مثبت لئو زیادت کے معارض بھی نہ ہوگا پس جب مثبت لئو زیادت معارضہ سے سالم ہے تو اسی کو قبول کیا جائے گا اور اگر ثمن اور بیع دونوں میں اختلاف ہو مثلاً بائع نے کہا کہ میں نے اس باندی کو تیرے ہاتھ ایک سو دینار کے عوض فروخت کیا ہے اور مشتری نے کہا کہ تو نے اس باندی اور اس غلام کو پچاس دینار کے عوض فروخت کیا ہے اور دونوں نے اپنے اپنے دعویٰ پر بیعہ پیش کر دیا تو ثمن کی مقدار میں بائع کا بیعہ قبول ہوگا اور بیع کی مقدار میں مشتری کا بیعہ قبول ہوگا پس مثال مذکورہ میں باندی اور غلام دونوں ایک سو دینار کے عوض مشتری کے لئے ہوں گے کیونکہ اس میں زیادتی اثبات کی طرف نظر ہے۔

اور اگر دونوں میں سے کسی کے پاس بیعہ نہ ہو تو حاکم مشتری سے کہے گا کہ یا تو اس ثمن پر راضی ہو جا جس کا بائع مدعی ہے ورنہ ہم عقد بیع کو فسخ کر دیں گے اور حاکم بائع سے کہے گا کہ یا تو اس بیع کو سپرد کر دے جس کا مشتری مدعی ہے ورنہ تو ہم عقد بیع کو فسخ کر دیں گے۔ کیونکہ مقصود جھگڑے کو ختم کرنا ہے اور یہ بھی جھگڑا ختم کرنے کا ایک طریقہ ہے کیونکہ بالعموم عاقدین فسخ بیع پر راضی نہیں ہوتے پس جب حاکم کے آگاہ کر دینے سے ان کو فسخ کا علم ہوگا تو وہ دونوں باہمی رضامندی کی کوشش کریں گے اور دونوں کے باہم رضامند ہونے سے بھی چونکہ جھگڑا ختم ہو جاتا ہے اس لئے قاضی یہ طریقہ اختیار کرنے کا بھی مجاز ہوگا۔

بائع اور مشتری دونوں رضامند نہ ہوئے تو قبل القبض پر ایک سے دوسرے کے دعویٰ پر قسم لی جائے گی

فَإِنْ لَمْ يَتَرَاضِيَا اسْتَحْلَفَ الْحَاكِمُ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا عَلَى دَعْوَى الْآخَرِ وَهَذَا التَّحَالُفُ قَبْلَ الْقَبْضِ عَلَى وَفَاقِ

الْقِيَاسِ لِأَنَّ الْبَائِعَ يَدْعُو زِيَادَةَ الثَّمَنِ وَالْمُشْتَرِيَ يُنْكِرُهَا وَالْمُشْتَرِيَ يَدْعُو وَجُوبَ تَسْلِيمِ الْمَبِيعِ بِمَا نَقَدَ وَالْبَائِعَ يُنْكِرُهُ فَكُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مُنْكَرٌ فَيُحْلَفُ فَأَمَّا بَعْدَ الْقَبْضِ فَمُخَالَفٌ لِلْقِيَاسِ لِأَنَّ الْمُشْتَرِيَ لَا يَدْعُو شَيْئًا لِأَنَّ الْمَبِيعَ سَالِمٌ لَهُ فَبَقِيَ دَعْوَى الْبَائِعِ فِي زِيَادَةِ الثَّمَنِ وَالْمُشْتَرِيَ يُنْكِرُهَا فَيَكْتَفِي بِحَلْفِهِ لَكِنَّا عَرَفْنَاهُ بِالنَّصِّ وَهُوَ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَبَايِعَانِ وَالسَّلْعَةُ قَائِمَةٌ بَعَيْنُهَا تَحَالَفَا وَتَرَادَا

ترجمہ..... پھر اگر بائع اور مشتری دونوں راضی نہ ہوئے تو حاکم ان دونوں میں سے ہر ایک سے دوسرے کے دعویٰ پر قسم کا حکم قبضہ سے پہلے قیاس کے موافق ہے اس لئے کہ عوض میں بیع سپرد کرنے کے واجب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور بائع اس کا منکر ہے پس ان میں سے ہر ایک منکر ہے لہذا ہر ایک سے قسم لی جائے گی اور رہا قبضہ کے بعد تو وہ مخالف قیاس ہے اس لئے کہ مشتری تو کچھ دعویٰ نہیں کرتا ہے کیونکہ بیع اس کے لئے سالم ہے پس بائع کا دعویٰ ثمن کی زیادتی میں باقی رہا اور مشتری اس کا منکر ہے لہذا مشتری کی قسم پر اکتفاء کیا جائے گا۔ لیکن ہم نے اس کو نص سے جانا ہے اور وہ حضور ﷺ کا قول ہے جب دونوں بیع کرنے والے اختلاف کریں اور مال بیع بعینہ قائم ہو تو دونوں باہم قسم کھائیں اور بیع پھیر لیں۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر بائع اور مشتری دونوں نے اختلاف کیا اور دونوں باہم رضا مند بھی نہیں ہوئے تو حاکم دونوں میں سے ہر ایک سے دوسرے کے دعویٰ کے خلاف قسم لگا اگر دونوں قسم کھا گئے تو بیع فسخ کر دی جائے گی خواہ مشتری نے بیع پر قبضہ کیا ہو یا قبضہ نہ کیا ہو۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ باہمی قسم کا حکم مشتری کے قبضہ سے پہلے قیاس کے موافق ہے اور قبضہ کے بعد قیاس کے خلاف ہے۔ قبضہ سے پہلے قیاس کے موافق اس لئے ہے کہ بائع ثمن زیادہ ہونے کا مدعی ہے اور مشتری اس کا منکر ہے اور مشتری اس ثمن کے عوض جو اس نے اداء کر دیا ہے تسلیم بیع کے وجوب کا مدعی ہے اور بائع اس کا منکر ہے حاصل یہ کہ دونوں میں سے ہر ایک منکر ہے اور حدیث مشہور و الیمین علی من انکر کی وجہ سے منکر پر قسم عائد ہوتی ہے لہذا دونوں میں سے ہر ایک سے قسم لی جائے گی پس اگر دونوں قسم کھا گئے یا دونوں نے قسم سے انکار کر دیا تو بیع فسخ کر دی جائے گی اور اگر ایک نے انکار کیا اور ایک قسم کھا گیا تو انکار کرنے والے کے خلاف دعویٰ ثابت ہو جائے گا اور مشتری کے قبضہ کے بعد دونوں سے قسم لینا قیاس کے خلاف اس لئے ہے کہ جب بیع مشتری کے قبضہ میں صحیح سلامت آگئی تو وہ کسی چیز کا مدعی نہیں ہوگا بلکہ صرف بائع ثمن زیادہ ہونے کا مدعی ہوگا اور مشتری اس کا منکر ہوگا حاصل یہ کہ قبضہ کے بعد صرف مشتری منکر ہے اور قسم منکر سے لی جاتی ہے لہذا قبضہ کے بعد صرف مشتری سے قسم لی جانی چاہیے لیکن چونکہ دونوں سے قسم لینا نص حدیث سے ثابت ہے اس لئے قبضہ کے بعد بھی دونوں سے قسم لی جائے گی اور نص حدیث یہ ہے: جب بائع اور مشتری اختلاف کریں اور مال بیع موجود ہو تو دونوں قسم کھائیں اور بیع کو رد کر دیں۔

کس کی قسم سے آغاز کیا جائے گا..... اقوال فقہاء

قَالَ وَيَتَّبِعُ بَيْمِينَ الْمُشْتَرِيَ وَهَذَا قَوْلُ مُحَمَّدٍ وَابْنُ يُونُسَ آخِرًا وَهُوَ رَوَاهُ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ وَهُوَ الصَّحِيحُ لِأَنَّ الْمُشْتَرِيَ أَشَدُّهُمَا إِنْكَارًا لِأَنَّهُ يُطَالَبُ أَوَّلًا بِالثَّمَنِ وَلِأَنَّهُ يَتَعَجَّلُ فَائِدَةَ النُّكُولِ وَهُوَ الزَّامُ الثَّمَنِ وَلَوْ بَدَأَ بَيْمِينَ الْبَائِعِ تَأَخَّرَ الْمُطَالَبَةُ بِتَسْلِيمِ الْمَبِيعِ إِلَى زَمَانِ اسْتِيفَاءِ الثَّمَنِ وَكَانَ أَبُو يُونُسَ يَقُولُ أَوَّلًا يَبْدَأُ بَيْمِينَ الْبَائِعِ لِقَوْلِهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ إِذَا اخْتَلَفَ الْمُتَبَايِعَانِ فَالْقَوْلُ مَا قَالَهُ الْبَائِعُ خَصَّهُ بِالذِّكْرِ وَأَقْلُ فَائِدَتِهِ التَّقْدِيمُ

ترجمہ..... اور قاضی مشتری کی قسم سے شروع کرے اور یہ امام محمد کا قول اور امام ابو یوسف کا آخری قول ہے اور امام ابو حنیفہ سے ایک روایت ہے اور یہی صحیح ہے۔ اس لئے کہ ان دونوں میں مشتری کا انکار کرنا زیادہ سخت ہے اس لئے کہ اسی سے ثمن کا مطالبہ اولاً کیا جاتا ہے یا اس لئے کہ انکار کا فائدہ

یعنی ثمن لازم کرنا جلد ظاہر ہوتا ہے اور اگر قاضی نے بائع کی قسم سے آغاز کیا تو بیع سپرد کرنے کا مطالبہ اس کے ثمن وصول کرنے کے زمانہ تک مؤخر ہوگا اور امام ابو یوسفؒ پہلے فرماتے تھے کہ بائع کی قسم سے شروع کرے کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب بائع اور مشتری اختلاف کریں تو بات وہی ہے جو بائع نے کہی ہے پس آپ نے بائع کو خاص کر ذکر فرمایا اور تخصیص کا مکرر فائدہ یہ ہے کہ بائع کو مقدم کیا جائے۔

تشریح..... صاحب قدوری نے کہا کہ جس صورت میں بائع اور مشتری دونوں سے قسم لی جاتی ہے اس صورت میں قاضی مشتری کی قسم سے ابتداء کرے یعنی پہلے مشتری سے قسم لے اور پھر بائع سے قسم لے یہ امام محمد کا قول ہے اور امام ابو یوسفؒ کا دوسرا قول ہے اور امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت ہے اور یہی صحیح ہے کیونکہ مشتری کا انکار سخت ہے۔ اور سخت اس لئے ہے کہ جب مشتری سے ثمن کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو وہ دو چیزوں کا انکار کرتا ہے ایک اصل وجوب ثمن کا... دوم وجوب اداء کا۔ اور جب ایسا ہے تو اس کا انکار سخت ہوا اور اس لئے کہ اولاً مشتری سے ثمن ہی کا مطالبہ ہوتا ہے اور جب پہلے مشتری سے ثمن کا مطالبہ ہوتا ہے تو اس کا انکار بھی پہلے ہوگا۔ اور انکار کا پہلے ہونا یہ بھی اس کے سخت ہونے کی دلیل ہے اور اس لئے بھی کہ مشتری کے انکار قسم کا فائدہ فوراً ظاہر ہوتا ہے کیونکہ جب مشتری قسم سے انکار کرے گا تو اس پر فوراً ثمن لازم کیا جائے گا اور قسم کا فائدہ کول ہی کے لئے مشروع ہوتی ہے بے فائدہ مشروع نہیں ہوتی ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ اگر قاضی پہلے بائع سے قسم لیتا اور بائع انا کر کر دیتا تو اس کے انکار کی وجہ سے بیع سپرد کرنے کا مطالبہ اس وقت تک مؤخر ہو جاتا جب تک کہ وہ ثمن وصول کرتا۔ یعنی بائع کے انکار قسم کا فائدہ فوراً مرتب نہیں ہوتا یعنی بالفعل اس کو یہ حکم نہیں دیا جاسکتا ہے کہ مشتری کے دعویٰ کے موافق بیع سپرد کرے کیونکہ اس کو پہلے ثمن وصول کرنے کا حق ہے لہذا پہلے مشتری ہی سے قسم لی جائے گی۔

امام ابو یوسفؒ پہلے یہ فرماتے تھے کہ قاضی پہلے بائع سے قسم لے اور دلیل میں یہ حدیث پیش کرتے تھے کہ جب بائع اور مشتری نے اختلاف کیا تو بائع ہی کا قول معتبر ہوگا۔ پس آنحضرت ﷺ نے بائع کو خاص کر ذکر فرمایا اور اس تخصیص کا کم از کم فائدہ یہ ہے کہ بائع کو مقدم کیا جائے۔ لہذا ثابت ہوا کہ قسم میں بائع کو مقدم کیا جائے گا۔ لیکن مشتری سے پہلے قسم لینے میں وہ فائدہ ہے جو ہم نے اوپر ذکر کیا ہے لہذا اس فائدہ کے پیش نظر پہلے مشتری سے قسم لی جائے گی۔

عین کی عین کے بدلے یا ثمن کی ثمن کے بدلے بیع کی تو قاضی جس سے بھی پہلے قسم لے اسے اختیار ہے، قسم لینے کا طریقہ

وَإِنْ كَانَ بَيْعٌ عَيْنٍ أَوْ ثَمَنٍ بِثَمَنٍ بَدَأَ الْقَاضِيُ بِمَيْمَنِ آيَهُمَا شَاءَ لِاسْتِوَائِهِمَا وَصِفَةُ الْيَمِينِ أَنْ يُحْلَفَ الْبَائِعُ بِاللَّهِ مَا بَاعَهُ بِالْفِ بِلَيْهِ وَيُحْلَفُ الْمُشْتَرِي بِاللَّهِ مَا اشْتَرَاهُ بِالْفَيْنِ قَالَ فِي الزِّيَادَاتِ يُحْلَفُ بِاللَّهِ مَا بَاعَهُ بِالْفِ وَلَقَدْ بَاعَهُ بِالْفَيْنِ وَيُحْلَفُ الْمُشْتَرِي بِاللَّهِ مَا اشْتَرَاهُ بِالْفَيْنِ وَلَقَدْ اشْتَرَاهُ بِالْفِ يَضُمُّ الْإِثْبَاتُ إِلَى النَّفْيِ تَاكِيدًا وَالْأَصْحَحُ الْإِقْتِصَارُ عَلَى النَّفْيِ لِأَنَّ الْإِيمَانَ عَلَى ذَلِكَ وَضَعَتْ دَلَّ عَلَيْهِ حَدِيثُ الْقِسَامَةِ بِاللَّهِ مَا قَاتَلْتُمْ وَلَا عَلِمْتُمْ لَهُ قَاتِلًا

ترجمہ..... اور اگر مال عین کی بیع مال عین کے عوض ہوئی ہو یا ثمن کی بیع ثمن کے عوض ہوئی ہو تو قاضی جس کی قسم سے چاہے ابتداء کرے کیونکہ دونوں برابر ہیں اور قسم کی صفت یہ ہے کہ بائع سے قسم لے بخدا میں نے یہ مال اس کے ساتھ ایک ہزار کے عوض فروخت نہیں کیا ہے اور مشتری سے قسم لے بخدا میں نے یہ مال دو ہزار کے عوض نہیں خریدا ہے اور امام محمدؒ نے زیادات میں فرمایا ہے کہ اس طرح قسم لے بخدا میں نے یہ مال ایک ہزار کے عوض فروخت نہیں کیا ہے بلکہ دو ہزار کے عوض فروخت کیا ہے اور مشتری یوں قسم لے کہ بخدا میں نے یہ مال دو ہزار کے عوض نہیں خریدا ہے بلکہ

ایک ہزار کے عوض خریدا ہے (یعنی) اثبات کو نفی کے ساتھ بطور تاکید کے ملائے۔ اور اصح نفی پر اکتفاء کرنا ہے کیونکہ قسمیں اسی پر وضع کی گئی ہیں۔ چنانچہ حدیث قسامت اس پر دلالت کرتی ہے کہ (ان لوگوں سے یوں قسم لی جائے) بخدا نہ تم نے قتل کیا اور نہ تم اس کا کوئی قاتل جانتے ہو۔

تشریح..... صاحب قدوریؒ نے کہا کہ اگر بیع مقایضہ ہو یا بیع صرف ہو تو قاضی کو اختیار ہوگا۔ عاقدین میں سے جس سے چاہے پہلے قسم لے۔ کیونکہ انکار دعویٰ اور انکار قسم کے فائدہ میں دونوں برابر ہیں اور مبسوط کے بیان کے مطابق قسم دلانے کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں سے نفی پر قسم دلائی جائے مثلاً بائع یوں کہے بخدا میں نے یہ مال ایک ہزار کے عوض فروخت نہیں کیا ہے اور مشتری سے یوں قسم لے بخدا میں نے یہ مال دو ہزار کے عوض نہیں خریدا ہے۔

اور زیادات کے بیان کے مطابق بطور تاکید اثبات و نفی دونوں پر قسم لی جائے گی مثلاً بائع یوں کہے گا بخدا میں نے یہ مال ایک ہزار کے عوض فروخت نہیں کیا ہے بلکہ دو ہزار کے عوض فروخت کیا ہے اور مشتری یوں کہے گا بخدا میں نے یہ مال دو ہزار کے عوض نہیں خریدا ہے بلکہ ایک ہزار کے عوض خریدا ہے۔ صاحب ہدایہؒ نے فرمایا کہ صحیح بات یہ ہے کہ صرف نفی پر قسم لی جائے اور اثبات پر قسم نہ لی جائے جیسا کہ مبسوط میں ہے کیونکہ قسموں کی وضع اسی طور پر ہے جیسا کہ حدیث قسامت اس پر دلالت کرتی ہے حدیث قسامت کا حاصل یہ ہے اگر کوئی شخص محلہ میں مراہوا پایا گیا اور قاتل کا علم نہ ہو تو اولیاء مقتول محلہ کے پچاس آدمی منتخب کر کے ان سے قسم لے سکتے ہیں اور قسم میں ہر شخص یہ کہے گا۔ بخدا نہ میں نے اس کو قتل کیا اور نہ میں اس کے قاتل کو جانتا ہوں یعنی حدیث قسامت میں صرف نفی پر قسم لی گئی ہے اور اثبات پر قسم نہیں لی گئی اس سے معلوم ہوا کہ ایمان کی وضع نفی کے لئے ہے اور اثبات کے لئے نہیں ہے۔

دونوں نے قسم اٹھائی تو قاضی بیع کو فسخ کر دے

قَالَ فَإِنْ حَلَفَا فَسَخَّ الْقَاضِيُ الْبَيْعَ بَيْنَهُمَا وَهَذَا يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ لَا يَنْفَسِخُ بِنَفْسِ التَّحَالُفِ لِأَنَّهُ لَمْ يَثْبُتْ مَا ادَّعَاهُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فَيَبْقَى بَيْعٌ مَجْهُولٌ فَيَفْسُخُهُ الْقَاضِيُ قَطْعًا لِلْمَنَازَعَةِ أَوْ يُقَالُ إِذَا لَمْ يَثْبُتِ الْبَدَلُ يَبْقَى بَيْعًا بِلَا بَدَلٍ وَهُوَ فَاسِدٌ وَلَا بُدَّ مِنَ الْفَسْخِ فِي الْبَيْعِ الْفَاسِدِ. قَالَ وَإِنْ نَكَلَ أَحَدُهُمَا عَنِ الْيَمِينِ لَزِمَهُ دَعْوَى الْآخَرِ لِأَنَّهُ جُعِلَ بَإِذْلًا فَلَمْ يَبْقَ دَعْوَاهُ مُعَارِضًا لِدَعْوَى الْآخَرِ فَلَزِمَ الْقَوْلُ بِثُبُوتِهِ

ترجمہ..... پس اگر دونوں نے قسم کھائی تو قاضی دونوں نے درمیان بیع فسخ کر دے گا اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ نفس تحالف سے بیع فسخ نہ ہوگی اس لئے کہ ان دونوں میں سے ہر ایک نے جو دعویٰ کیا تھا وہ ثابت نہیں ہوا لہذا بیع مجہول باقی رہی پس قاضی جھگڑا ختم کرنے کے لئے اس کو فسخ کر دے گا یا کہا جائے گا کہ جب بدل ثابت نہیں ہوا تو بیع بلا بدل باقی رہی اور وہ فاسد ہے اور بیع فاسد کو فسخ کرنا ضروری ہے اور اگر ان دونوں میں سے ایک نے قسم سے انکار کیا تو دوسرے کا دعویٰ اس پر لازم ہو جائے گا اس لئے کہ منکر کو باذل قرار دیا گیا۔ پس اس کا دعویٰ دوسرے کے دعویٰ کے معارض نہ رہا۔ لہذا اس کے ثبوت کا قائل ہونا لازم آیا۔

تشریح..... صاحب قدوریؒ کہتے ہیں کہ اگر بائع اور مشتری دونوں نے قسم کھائی تو قاضی دونوں کے درمیان عقد بیع فسخ کر دے گا متن کے اس حکم سے یہ بات معلوم ہوئی کہ محض دونوں کے قسم کھانے سے بیع فسخ نہ ہوگی جب تک کہ قاضی فسخ نہ کرے کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک نے جو دعویٰ کیا تھا دونوں کے قسم کھانے کی وجہ سے وہ ثابت نہیں ہوا لہذا بیع ثمن مجہول یا بیع مجہول یا دونوں کے مجہول ہونے کی وجہ سے مجہول ہوگئی اور جب بیع مجہول ہوگئی تو دونوں کے درمیان جھگڑا ختم کرنے کے لئے قاضی اس بیع کو فسخ کر دے گا۔ یا یوں کہا جائے کہ عاقدین کے اقوال میں تعارض کی وجہ سے بدل ثابت نہیں ہوا اور بیع بلا بدل رہی اور بلا بدل بیع فاسد ہوتی ہے لہذا یہ بیع فاسد ہوئی اور بیع فاسد کا فسخ کرنا ضروری ہے مگر چونکہ ان دونوں نے اس کو فسخ نہیں کیا ہے اس لئے قاضی ان دونوں کے قائم مقام ہو کر اس بیع کو فسخ کر دے گا۔

اگر ان دونوں میں سے کسی ایک نے قسم سے انکار کر دیا تو منکر پر دوسرے کا دعویٰ لازم ہو جائیگا کیونکہ امام ابو حنیفہؒ کے قول کے مطابق منکر باذل (دلیری کے ساتھ اپنا حق دینے کے لئے آمادہ) ہے اور جب ایسا ہے تو اس کا دعویٰ دوسرے کے دعویٰ کے معارض نہ رہا اور جب اس کا دعویٰ دوسرے کے دعویٰ کے معارض نہیں رہا تو گویا منکر دوسرے کے دعویٰ کے ثبوت کا قائل ہو گیا اور جب دوسرے کے دعویٰ کے ثبوت کا منکر قائل ہو گیا تو منکر پر دوسرے کا دعویٰ لازم ہوگا۔

دونوں نے اجل میں یا شرط خیار میں یا بعض ثمن کے وصول کرنے میں اختلاف ہوا تو تحالف نہیں ہوگا

قَالَ وَإِنْ اُخْتَلَفَا فِي الْاَجَلِ اَوْ فِي شَرْطِ الْخِيَارِ اَوْ فِي اِسْتِيفَاءِ بَعْضِ الثَّمَنِ فَلَا تَحَالَفُ بَيْنَهُمَا لِأَنَّ هَذَا اِخْتِلَافٌ فِي غَيْرِ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ وَالْمَعْقُودُ بِهِ فَاشْبَهَ الْاِخْتِلَافُ فِي الْحَطِّ وَالْاِبْرَاءِ وَهَذَا لِأَنَّ بَانِعِدَامَهُ لَا يَخْتَلُ مَا بِهِ قَوَامُ الْعَقْدِ بِخِلَافِ الْاِخْتِلَافِ فِي وَصْفِ الثَّمَنِ اَوْ جَنْسِهِ حَيْثُ يَكُونُ بِمَنْزِلَةِ الْاِخْتِلَافِ فِي الْقَدْرِ فِي جَرِيَانِ التَّحَالِفِ لِأَنَّ ذَلِكَ يَرْجِعُ اِلَى نَفْسِ الثَّمَنِ فَإِنَّ الثَّمَنَ ذَيْنَ وَهُوَ يُعْرَفُ بِالْوَصْفِ وَلَا كَذَلِكَ الْاَجَلُ لِأَنَّهُ لَيْسَ بِوَصْفٍ اَلَا تَرَى أَنَّ الثَّمَنَ مُوجُودٌ بَعْدَ مُضِيِّهِ قَالَ وَالْقَوْلُ قَوْلُ مَنْ يُنْكِرُ الْخِيَارَ وَالْاَجَلَ مَعَ يَمِينِهِ لِأَنَّهُمَا يَثْبُتَانِ بِعَارِضِ الشَّرْطِ وَالْقَوْلُ لِمُنْكَرِ الْعَوَارِضِ

ترجمہ..... اور اگر بائع اور مشتری نے میعاد یا خیار شرط میں یا کچھ ثمن وصول کرنے میں اختلاف کیا تو ان کے درمیان باہمی قسم نہیں ہے اس لئے کہ یہ اختلاف معقودہ علیہ اور معقودہ بہ کے علاوہ میں ہے پس یہ ثمن گھٹانے اور معاف کرنے میں اختلاف کے مشابہ ہو گیا۔ اور یہ اس لئے کہ مذکورہ چیزوں کے معدوم ہونے سے وہ چیز مختل نہیں ہوتی جس کے ساتھ عقد کا قوام ہوتا ہے۔ برخلاف وصف ثمن یا جنس ثمن میں اختلاف کے چنانچہ وہ تحالف جاری ہونے میں مقدار میں اختلاف کے مرتبہ میں ہے اس لئے کہ یہ نفس ثمن کی طرف راجع ہوگا کیونکہ ثمن دین ہے اور وہ وصف سے پہچانا جاتا ہے اور میعاد وصف نہیں ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ثمن، میعاد گزرنے کے بعد بھی موجود رہتا ہے اور قسم کے ساتھ اسی کا قول قبول ہوتا ہے جو خیار اور میعاد کا منکر ہو کیونکہ یہ دونوں چیزیں شرط عارض کی وجہ سے ثابت ہوتی ہیں اور قول منکر عوارض ہی کا معتبر ہوتا ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر بائع اور مشتری نے میعاد میں اختلاف کیا یعنی اصل میعاد میں اختلاف کیا یا میعاد کی مقدار میں اختلاف کیا یا شرط خیار میں اختلاف کیا یعنی شرط خیار ہے یا نہیں یا ثمن میں سے کچھ وصول پانے میں اختلاف کیا یا کل ثمن کو وصول پانے میں اختلاف کیا ہے تو ان تمام مسائل میں ہمارے نزدیک دونوں سے قسم نہیں لی جائے گی اسی کے قائل امام احمد ہیں اور امام زفرؒ، امام مالکؒ اور امام شافعیؒ نے کہا کہ ان مسائل میں دونوں سے قسم لی جائے گی۔ اسی طرح اگر اصل بیع میں اختلاف کیا تو بالا جماع دونوں سے قسم نہیں لی جائے گی بلکہ میعاد کے منکر، شرط خیار کے منکر، ثمن وصول کرنے کے منکر اور عقد کے منکر سے قسم لی جائے گی۔

ہماری دلیل..... یہ ہے کہ مذکورہ چیزوں میں اختلاف نہ ہو تو معقودہ علیہ (بیع) میں اختلاف ہے اور نہ معقودہ بہ (ثمن) میں ہے بلکہ ان دونوں کے علاوہ اختلاف ہے اور ان دونوں کے علاوہ اختلاف تحالف (باہمی قسم) کو واجب نہیں کرتا ہے کیونکہ تحالف نص حدیث اذا اختلف المتبايعان والسلسلة قائمة بعينها تحالفا وترادا سے معلوم ہوا ہے اس طور پر کہ وجوب تحالف اختلاف متبايعين پر معلق کیا گیا ہے جس سے بیع ثابت ہوتی ہے اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ بیع بیع اور ثمن سے ثابت ہوتی ہے میعاد، خیار شرط اور ثمن وصول کرنے سے ثابت نہیں ہوتی گویا حدیث میں یوں کہا گیا جب عاقدین بیع یا ثمن میں اختلاف کریں تو دونوں باہمی قسم کھائیں۔ بہر حال حدیث سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ تحالف بیع یا ثمن میں اختلاف کی وجہ سے واجب ہوتا ہے اور میعاد شرط خیار اور ثمن کا وصول کرنا نہ بیع کے معنی میں ہے اور نہ ثمن کے لہذا مذکورہ چیزوں کو وجوب تحالف میں

مبیع یا شمن کیساتھ لاحق نہیں کیا جائے گا۔ پس مذکورہ چیزوں میں اختلاف ایسا ہو گیا جیسا کہ شمن کم کرنے اور معاف کرنے میں ہوتا ہے اور شمن کم کرنے اور معاف کرنے میں اختلاف سے بالاتفاق تحالف واجب نہیں ہوتا ہے لہذا مذکورہ چیزوں میں اختلاف سے بھی تحالف واجب نہ ہوگا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ مذکورہ چیزوں میں اختلاف، معقود علیہ اور معقود بہ کے غیر میں اختلاف اس لئے ہے کہ مذکورہ چیزوں کے نہ ہونے سے اس چیز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا ہے جس سے عقد بیع کا قوام ہوتا ہے یعنی اگر میعاد شرط اختیار اور شمن کا وصول کرنا کچھ نہ ہو تو عقد بیع میں کوئی خلل واقع نہیں ہوتا ہے اور معقود علیہ اور معقود بہ کے نہ ہونے سے عقد بیع میں خلل واقع ہوتا ہے لہذا اس سے ثابت ہوا کہ مذکورہ چیزیں معقود بہ کے درجہ میں نہیں ہیں۔

اس کے برخلاف اگر شمن کے وصف یعنی کھرا کھوٹا ہونے میں اختلاف کیا یا شمن کی جنس یعنی دراہم اور دنانیر ہونے میں اختلاف کیا تو یہ ایسا ہوگا جیسا کہ شمن کی مقدار میں اختلاف کیا ہو اور شمن کی مقدار میں اختلاف تحالف کو واجب کرتا ہے لہذا شمن کے وصف اور جنس میں اختلاف نفس شمن میں بھی تحالف کو واجب کرے گا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ وصف اور جنس میں اختلاف درحقیقت اصل شمن میں اختلاف ہے کیونکہ شمن تو مال دین ہوتا ہے اس کی شناخت بذریعہ وصف ہوتی ہے کہ کھرا ہے یا کھوٹا ہے پس جب وصف یعنی معرف میں اختلاف ہوگا تو معرف یعنی شمن میں بھی اختلاف ہوگا۔ اور میعاد کا حال ایسا نہیں ہے یعنی میعاد میں اختلاف مقدار شمن میں اختلاف کے مانند نہیں ہے کیونکہ میعاد وصف نہیں ہے۔ ملاحظہ فرمائیے میعاد گذر جانے کے بعد بھی شمن موجود رہتا ہے پس میعاد اگر اس کا وصف ہوتی تو میعاد کے گذر جانے سے شمن میں خلل پیدا ہو جاتا۔

اب رہی یہ بات کہ جب مذکورہ چیزوں میں تحالف نہیں ہے تو کس کا قول معتبر ہوگا سو اس کے بارے میں صاحب قدوری نے فرمایا کہ جو عاقد اختیار اور میعاد کا منکر ہوگا اس کا قول مع الیمین معتبر ہوگا کیونکہ یہ دونوں چیزیں عارض شرط کی وجہ سے پائی جاتی ہیں یعنی جب میعاد یا اختیار کی شرط لگائی جائے گی تب یہ دونوں چیزیں پائی جائیں گی ورنہ نہیں اور منکر عارض کا قول مع الیمین معتبر ہوتا ہے لہذا مذکورہ چیزوں کے منکر کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔

مبیع ہلاک ہوگئی پھر اختلاف ہو تو دونوں سے قسم لی جائے گی یا نہیں، اقوال فقہاء

قَالَ فَإِنْ هَلَكَ الْمَبِيعُ ثُمَّ اخْتَلَفَا لَمْ يَتَحَالَفَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُشْتَرِي وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَتَحَالَفَانِ وَيَفْسُخُ الْبَيْعُ عَلَى قِيمَةِ الْهَالِكِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ وَعَلَى هَذَا إِذَا خَرَجَ الْمَبِيعُ عَنْ مِلْكِهِ أَوْ صَارَ بِحَالٍ لَا يَقْدِرُ عَلَى رَدِّهِ بَعِيبٍ لَهُمَا أَنَّ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا يَدْعِي غَيْرَ الْعَقْدِ الَّذِي يَدْعِيهِ صَاحِبُهُ وَالْآخَرُ يُنْكِرُهُ وَأَنَّهُ يُقَيِّدُ دَفْعَ زِيَادَةِ الثَّمَنِ يَتَحَالَفَانِ كَمَا إِذَا اخْتَلَفَا فِي جَنْسِ الثَّمَنِ بَعْدَ هَلَاكِ السَّلْعَةِ وَلَا بِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ أَنَّ التَّحَالَفَ بَعْدَ الْقَبْضِ عَلَى خِلَافِ الْقِيَاسِ لِمَا أَنَّهُ سَلَّمَ لِلْمُشْتَرِي مَا يَدْعِيهِ وَقَدْ وَرَدَ الشَّرْعُ بِهِ فِي حَالِ قِيَامِ السَّلْعَةِ وَالتَّحَالَفُ فِيهِ يُفْضِي إِلَى الْفُسْخِ وَلَا كَذَلِكَ بَعْدَ هَلَاكِهَا لِارْتِفَاعِ الْعَقْدِ فَلَمْ يَكُنْ فِي مَعْنَاهُ وَلَا أَنَّهُ لَا يُبَالِي بِالْإِخْتِلَافِ فِي السَّبَبِ بَعْدَ حُصُولِ الْمَقْصُودِ وَإِنَّمَا يُرَاعَى مِنَ الْفَائِدَةِ مَا يُؤْجِبُ الْعَقْدَ وَفَائِدَةُ دَفْعِ زِيَادَةِ الثَّمَنِ لَيْسَتْ مِنْ مُوجِبَاتِهِ وَهَذَا إِذَا كَانَ الثَّمَنُ دِينَارًا فَإِنْ كَانَ عَيْنًا يَتَحَالَفَانِ لِأَنَّ الْمَبِيعَ فِي أَحَدِ الْجَانِبَيْنِ قَائِمٌ فَيُوفَّرُ فَائِدَةُ الْفُسْخِ ثُمَّ يَرُدُّ مِثْلَ الْهَالِكِ إِنْ كَانَ لَهُ مِثْلٌ أَوْ قِيمَتُهُ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ مِثْلٌ

ترجمہ..... پس اگر مبیع ہلاک ہوگئی پھر بائع اور مشتری نے مقدار شمن میں اختلاف کیا تو ابوحنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک دونوں قسم نہ کھائیں گے اور قول مشتری کا معتبر ہوگا اور امام محمدؒ نے کہا دونوں قسم کھائیں گے اور ہلاک شدہ کی قیمت پر بیع فسخ کر دی جائے گی اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے اور اسی اختلاف پر جبکہ بیع مشتری کی ملک سے نکل گئی ہو یا ایسی ہوگئی کہ عیب کی وجہ سے اس کو واپس کرنے پر قادر نہ ہو امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل یہ ہے کہ

ان دونوں میں سے ہر ایک اس عقد کے علاوہ کا دعویٰ کرتا ہے جس کا دعویٰ اس کا ساتھی کرتا ہے اور دوسرا اس کا منکر ہے اور یہ شمن کی زیادتی کو دور کرنے کا فائدہ دیتا ہے پس دونوں قسم کھائیں جیسا کہ جب دونوں نے سامان کے ہلاک ہونے کے بعد شمن کی جنس میں اختلاف کیا ہو اور ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ قبضہ کے بعد باہمی قسم خلاف قیاس ہے کیونکہ بائع نے مشتری کو وہ مال سپرد کر دیا ہے جس کا وہ مدعی ہے لیکن شریعت اس پر سامان کے قائم ہونے کی صورت میں وارد ہوئی ہے اور تحالف اس میں مفضی الی الفسخ ہے اور اس کے ہلاک ہونے کے بعد ایسا نہیں ہے کیونکہ عقد مرتفع ہے پس وہ اس کے معنی میں نہیں ہوا اور اس لئے کہ مقصود حاصل ہونے کے بعد سبب اختلاف کی پرواہ نہیں کی جاتی ہے اور فائدہ وہی ملحوظ ہوگا جس کو عقد واجب کرتا ہے اور شمن کی زیادتی کو دور کرنے کا فائدہ عقد کے موجبات میں سے نہیں ہے اور یہ اس وقت ہے جبکہ شمن دین ہو پس اگر شمن عین ہو تو دونوں قسم کھائیں گے کیونکہ احدا لجانہین میں بیع موجود ہے لہذا فسخ کا فائدہ ظاہر ہوگا پھر تلف شدہ کے مثل پھیر دی جائے گی اگر اس کا مثل ہو یا اس کی قیمت اگر اس کا مثل نہ ہو۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر مشتری کے قبضہ کرنے کے بعد بیع ہلاک ہو گئی پھر بائع اور مشتری نے شمن کی مقدار میں اختلاف کیا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دونوں سے قسم نہیں لی جائے گی بلکہ مقدار شمن کے سلسلہ میں مشتری کا قول مع الیمین معتبر ہوگا اور امام محمدؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں سے قسم لی جائے گی چنانچہ اگر دونوں قسم کھا گئے تو بیع فسخ کر دی جائے گی اور مشتری پر تلف شدہ بیع کی قیمت دینا واجب کر دیا جائیگا یہی اختلاف اس وقت ہے جبکہ بیع مشتری کی ملک سے نکل گئی ہو یا عیب کی وجہ سے مشتری بیع واپس کرنے پر قادر نہ رہا ہو۔

امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ بائع اور مشتری دونوں میں سے ہر ایک اس عقد کے علاوہ کا دعویٰ کرتا ہے جس کا اس کا ساتھی مدعی ہے اور دوسرا اس کا منکر ہے مثلاً بائع دو ہزار کے عوض بیع کا دعویٰ کرتا ہے اور مشتری اس کا منکر ہے اور مشتری ایک ہزار کے عوض بیع کا دعویٰ کرتا ہے اور بائع اس کا منکر ہے اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ بیع بالف - بیع بالفین کا غیر ہے یہی وجہ ہے کہ بیع کے دو گواہ اگر مقدار شمن میں اختلاف کریں تو ان کی گواہی قبول نہیں کی جاتی ہے کیونکہ ہر ایک کی گواہی علیحدہ بیع پر ہے اور کسی بیع پر نصاب شہادت پورا نہیں ہوا ہے لہذا کسی کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ اور ہا یہ سوال کہ بیع ہلاک ہونے کے بعد امام محمدؒ کے قول پر تحالف کا فائدہ کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ تحالف کا فائدہ یہ ہے کہ اگر مشتری قسم سے انکار کر دے تو مشتری پر شمن کی وہ زیادتی واجب ہوگی جس کا بائع مدعی ہے اور اگر بائع نے قسم سے انکار کر دیا تو مشتری سے شمن کی وہ زیادتی دور ہو جائے گی جس کا بائع مدعی ہے بہر حال جب تحالف کا فائدہ موجود ہے تو دونوں سے قسم لی جائے گی اور یہ ایسا ہے جیسا کہ سامان بیع کے ہلاک ہونے کے بعد شمن کی جنس میں اختلاف کیا ہو مثلاً ایک نے دعویٰ کیا عقد بالدرابہم کا اور دوسرے نے عقد بالدرابہم کا دعویٰ کیا پس اس صورت میں مشتری پر قیمت کا واپس کرنا لازم ہوتا ہے اسی طرح متن کے مسئلہ میں دونوں سے قسم لی جائے گی اور بیع فسخ کر دیا جائے گا اور مشتری پر تلف شدہ بیع کی قیمت واجب کی جائے گی۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ مشتری کے قبضہ بیع کے بعد تحالف خلاف قیاس ہے کیونکہ بائع نے مشتری کو وہ مال سپرد کر دیا ہے جس کا مشتری مدعی ہے اور شریعت میں تحالف اس مال میں وارد ہوا ہے جبکہ سامان بیع موجود ہو جیسا کہ ارشاد نبوی ہے۔

إذا اختلف المتبايعان والسلعة قائمة بعينها تحالفا وترادا

پس جب قبضہ بیع کے بعد سامان بیع موجود ہونے کی صورت میں تحالف کا دور و خلاف قیاس ہے تو یہ سامان بیع ہلاک ہونے کی صورت کی طرف متعدی نہ ہوگا یعنی سامان بیع ہلاک ہونے کی صورت میں تحالف واجب نہ ہوگا لیکن اگر یہ سوال کیا جائے کہ سامان بیع کے ہلاک ہونے کی حالت کو سامان بیع کے موجود ہونے کی حالت کے ساتھ ملحق کر دیا جائے اور ہلاک ہونے کی حالت کو موجود ہونے کی حالت پر قیاس کر لیا جائے تو والتحالف فيه يفضى..... الخ سے اس کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ سامان بیع موجود ہونے کی حالت میں تحالف مفضی الی الفسخ ہوتا ہے

اور بائع کا مال لعینہ بائع کی طرف عود کر آنے سے ہر ایک ضرر بھی دور ہو جاتا ہے اور سامان بیع کے ہلاک ہونے کے بعد چونکہ عقد بیع مرفوع ہو گیا اس لئے سامان بیع کے ہلاک ہونے کے بعد تحالف ایسا نہیں رہا یعنی مفضی الی الفسخ نہیں رہا۔

پس سامان بیع کے ہلاک ہونے کی حالت، اس کے موجود ہونے کی حالت کے ہم معنی نہیں ہے تو الحاق اور قیاس بھی باطل ہو گیا۔

اور تشخیص کی دوسری دلیل..... اور امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ مقصود حاصل ہونے کے بعد سبب میں اختلاف کا اعتبار نہیں ہوتا ہے یعنی مقصود بیع، بیع کا مشتری کے لئے سلامت ہو جانا ہے پس جب بائع، بیع کو مشتری کے سپرد کر چکا ہے اور وہ مشتری کی ملک میں ہلاک ہو گئی تو مقصود حاصل ہو گیا اور جب مقصود حاصل ہو گیا تو سبب (عقد بیع) کا ذکر لغو ہو گیا اور بائع اور مشتری کا اختلاف ایک ہزار دو ہزار میں ہو گیا بغیر سبب کے یعنی مشتری ایک ہزار کا مدعی ہے اور بائع اس کا منکر ہے اور بائع دو ہزار کا مدعی ہے اور مشتری اس کا منکر ہے پس مشتری جو ایک ہزار زائد کا منکر ہے اسی پر قسم واجب ہوگی اور قسم کھانے کی صورت میں اسی کا قول معتبر ہوگا۔

و انما یراعی من الفائدة ما یوجبہ العقد..... الخ سے امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے قول و انہ یفید رفع زیادة الثمن کا جواب ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ فائدہ وہی معتبر ہے جو موجبات عقد میں سے ہو اور ثمن کی زیادتی کو دور کرنے کا فائدہ موجبات عقد میں سے نہیں ہے بلکہ یہ فائدہ بائع کے قسم سے انکار کرنے کے موجبات میں سے ہے اور چونکہ قسم، موجبات عقد میں سے نہیں ہے۔ لہذا بائع کا انکار قسم بھی موجبات عقد میں سے نہ ہوگا اور جب بائع کا انکار قسم موجبات عقد میں سے نہیں ہے تو اس کا انکار قسم کی وجہ سے اس چیز کو ترک نہیں کیا جائے گا جو چیز موجبات عقد میں سے ہے یعنی بیع پر مشتری کی ملکیت اور اس پر مشتری کا قبضہ اور جب اس کو ترک نہیں کیا جائے گا تو بائع سے قسم نہ لی جائے گی بلکہ صرف مشتری سے قسم لی جائے گی۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ مذکورہ اختلاف اس صورت میں ہے جبکہ ثمن دین (ذمہ میں ثابت) ہو جیسے دراہم و دنانیر اور اگر ثمن مال عین ہو یعنی دونوں عوض مال عین ہوں اور ایک کے تلف ہو جانے کے بعد دونوں نے اختلاف کیا تو بالاتفاق دونوں سے باہم قسم لی جائے گی۔ کیونکہ ایک طرف بیع موجود ہے تو عقد بیع ختم نہیں ہوا اور جب عقد بیع ختم نہیں ہوا تو تحالف کے بعد فتح کا فائدہ ظاہر ہوگا اس طور پر کہ جو عوض موجود ہے اس کو اس کے مالک کی طرف لوٹا دیا جائے گا اور عوض تلف ہو گیا اگر وہ ذوات الامثال میں سے ہے تو اس کا مثل لوٹا دیا جائے گا۔ اگر وہ ذوات القیم میں سے ہے تو اس کی قیمت لوٹائی جائے گی۔

دو غلاموں میں سے ایک غلام ہلاک ہو گیا پھر اختلاف ہوا ثمن میں تو دونوں سے قسم لی جائے گی یا نہیں

قَالَ وَإِنْ هَلَكَ أَحَدُ الْعَبْدَيْنِ ثُمَّ اخْتَلَفَا فِي الثَّمَنِ لَمْ يَتَحَالَفَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِلَّا أَنْ يَرْضَى الْبَائِعُ أَنْ يَتْرَكَ حِصَّةَ الْهَالِكِ وَفِي الْجَمَاعِ الصَّغِيرِ الْقَوْلُ قَوْلُ الْمُشْتَرِي مَعَ بَيْمِنِهِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ الْبَائِعُ أَنْ يَأْخُذَ الْعَبْدَ الْحَيَّ وَلَا شَيْءَ لَهُ مِنْ قِيمَةِ الْهَالِكِ وَقَالَ أَبُو يُونُسَ يَتَحَالَفَانِ فِي الْحَيِّ وَيَفْسُخُ الْعَقْدُ فِي الْحَيِّ وَالْقَوْلُ قَوْلُ الْمُشْتَرِي فِي قِيمَةِ الْهَالِكِ وَقَالَ مُحَمَّدٌ يَتَحَالَفَانِ عَلَيْهِمَا وَيَرُدُّ الْحَيُّ وَقِيمَةُ الْهَالِكِ لِأَنَّ هَلَكَ كُلَّ السَّلْعَةِ لَا يَمْنَعُ التَّحَالَفَ عِنْدَهُ فَهَلَاكَ الْبَعْضُ أَوْلَى وَلِأَبِي يُونُسَ إِمْتِنَاعُ التَّحَالَفِ لِلْهَلَاكِ فَيَقْدَرُ بِقَدْرِهِ وَلِأَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ التَّحَالَفَ عَلَى خِلَافِ الْقِيَاسِ فِي حَالِ قِيَامِ السَّلْعَةِ وَهِيَ اسْمٌ لِجَمِيعِ أَجْزَائِهَا فَلَا تَبْقَى السَّلْعَةُ بِفَوَاتِ بَعْضِهَا وَلَا نَهْ لَا يَمْكِنُ التَّحَالَفُ فِي الْقَائِمِ إِلَّا عَلَى إِعْتِبَارِ حِصَّتِهِ مِنَ الثَّمَنِ فَلَا بُدَّ مِنَ الْقِسْمَةِ عَلَى الْقِيمَةِ وَهُوَ تَعْرِفُ بِالْحِرْزِ وَالظَّنِّ فَيُؤَدَّى إِلَى التَّحَالَفِ مَعَ ~~الْمُشْتَرِي~~ وَذَلِكَ لَا يَجُوزُ إِلَّا أَنْ يَرْضَى الْبَائِعُ

أَنْ يَتْرَكَ حِصَّةَ الْهَالِكِ أَصْلًا لِأَنَّهُ حِينَئِذٍ يَكُونُ الثَّمَنُ كُلُّهُ بِمُقَابَلَةِ الْقَائِمِ وَيَخْرُجُ الْهَالِكُ عَنِ الْعَقْدِ فَيَتَحَالَفَانِ وَهَذَا تَخْرِيجُ بَعْضِ الْمَشَائِخِ وَيُصْرَفُ الْإِسْتِثْنَاءُ عَنْهُمْ إِلَى التَّحَالِفِ كَمَا ذَكَرْنَا وَقَالُوا إِنَّ الْمُرَادَ مِنْ قَوْلِهِ فِي الْجَمَاعِ الصَّغِيرِ يَأْخُذُ الْحَيَّ وَلَا شَيْءَ لَهُ مَعْنَاهُ لَا يَأْخُذُ مِنْ ثَمَنِ الْهَالِكِ شَيْئًا أَصْلًا

ترجمہ..... اگر دو غلام میں سے ایک ہلاک ہو گیا پھر دونوں نے ثمن میں اختلاف کیا تو امام صاحبؒ کے نزدیک دونوں قسمیں نہیں کھائیں گے مگر یہ کہ بائع اس بات پر راضی ہو جائے کہ وہ ہلاک شدہ غلام کا حصہ چھوڑ دے گا اور جامع صغیر نہیں ہے کہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک مشتری کا قول مع الیمین معتبر ہوگا مگر یہ کہ بائع اس بات کو چاہے کہ وہ زندہ غلام کو لے لیا اور تلف شدہ غلام کی قیمت سے اس کے لئے کچھ نہ ہوگا اور ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ زندہ غلام کے بارے میں عقد فسخ کر دیا جائے گا اور تلف شدہ کی قیمت میں مشتری کا قول معتبر ہوگا اور امام محمدؒ نے کہا کہ زندہ اور تلف شدہ دونوں پر دونوں سے قسم لی جائے گی اور زندہ غلام واپس کر دیا جائے گا اور تلف شدہ کی قیمت واپس کر دی جائے گی کیونکہ امام محمدؒ کے نزدیک پورے سامان کا ہلاک ہونا تحالف سے مانع نہیں ہے لہذا بعض کا ہلاک ہونا بدرجہ اولیٰ مانع نہ ہوگا۔

ابو یوسفؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ تحالف کا ممتنع ہونا بیع ہلاک ہونے کی وجہ سے ہے لہذا اسی کے بقدر کے ساتھ مقدر ہوگا اور ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ سامان بیع ہونے کی حالت میں تحالف خلاف قیاس ہے اور سامان بیع اپنے پورے اجزاء کا نام ہے پس بعض کے فوت ہونے سے سامان بیع باقی نہ رہے گا اور دوسری دلیل یہ ہے کہ موجودہ بیع میں تحالف ممکن نہیں ہے مگر اس کے حصہ ثمن کا اعتبار نہ کرتے ہوئے پس دونوں کی قیمت پر ثمن کا بیوہ ضروری ہے حالانکہ قیمت تخمینہ اور انداز سے معلوم ہوتی ہے لہذا یہ ثمن مجہول ہونے کے باوجود تحالف کا سبب ہوگا اور یہ ناجائز ہے مگر یہ کہ بائع تلف شدہ کے حصہ کو بالکل ترک کرنے پر راضی ہو جائے کیونکہ اس وقت پورا ثمن موجود کے مقابلہ میں ہوگا اور تلف شدہ عقد سے خارج ہو جائے گا پس دونوں قسمیں کھائیں گے اور یہ بعض مشائخ کی تخریج ہے اور ان کے نزدیک استثنا تحالف کی طرف پھیرا جائے گا جیسا کہ ہم نے ذکر کیا اور انھوں نے کہا کہ جامع صغیر میں امام محمدؒ کے قول کی مراد یہ ہے کہ زندہ غلام کو لے اور اس کے لئے کچھ نہیں ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ تلف شدہ کے ثمن میں کچھ نہ لے۔

تشریح..... صاحب قدوری نے صورت مسئلہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر کسی شخص نے اپنے دو غلام عقد واحد کے تحت فروخت کئے اور مشتری نے ان دونوں پر قبضہ کر لیا پھر ان دونوں غلاموں میں سے ایک ہلاک ہو گیا اس کے بعد بائع مشتری نے مقدار ثمن میں اختلاف کیا چنانچہ بائع نے کہا کہ میں نے دونوں غلام دو ہزار کے عوض فروخت کئے ہیں اور مشتری نے کہا کہ میں نے تجھ سے ان دونوں کو ایک ہزار کے عوض خریدا ہے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس صورت میں تحالف نہ ہوگا یعنی دونوں سے قسم نہیں لی جائے گی۔ ہاں اگر بائع تلف شدہ غلام کا حصہ ثمن چھوڑنے پر راضی ہو گیا تو اس صورت میں دونوں سے قسم لی جائے گی اور جامع صغیر میں اسی مسئلہ کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ ابوحنیفہؒ کے نزدیک مشتری کا قول مع الیمین معتبر ہوگا مگر یہ کہ بائع اس بات پر راضی ہو جائے کہ وہ زندہ غلام کو لے لیا اور تلف شدہ کی قیمت میں سے اس کے لئے کچھ نہ ہوگا دونوں عبارتوں کا حاصل ایک ہی ہے صرف اتنا فرق ہے کہ قدوری کی عبارت میں مستثنیٰ منہ عدم تحالف (لسم یتحالفنا) ہے اور جامع صغیر کی عبارت میں مستثنیٰ منہ یمین مشتری ہے۔

حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ زندہ غلام کے بارے میں بائع اور مشتری دونوں سے قسم لی جائے گی اور تحالف کے بعد زندہ غلام میں عقد فسخ کر دیا جائے گا اور تلف عقد غلام کے حصہ ثمن میں مشتری کا قول مع الیمین معتبر ہوگا اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ زندہ اور تلف شدہ دو غلاموں پر دونوں سے قسم لی جائے گی اور عقد فسخ کرنے کے بعد زندہ غلام بائع کی طرف واپس کر دیا جائے گا اور تلف شدہ غلام کی قیمت واپس کر دی جائے گی۔

امام محمدؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک کل بیع کا تلف ہونا بھی باہمی قسم سے مانع نہیں ہے تو بعض بیع کا تلف ہونا بدرجہ اولیٰ مانع تحالف نہ ہوگا۔ پس اگر تحالف کے وقت کسی نے قسم سے انکار کیا تو اس پر دوسرے کا دعویٰ ثابت ہو جائے گا اور اگر دونوں قسم کھا گئے تو زندہ غلام اور

تلف شدہ کی قیمت بائع کی طرف واپس کر کے مشتری اپنا ثمن واپس لے لیگا بشرطیکہ اس نے بائع کو ثمن دیا ہو۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ تحالف (بائعی قسم) کا ممتنع ہونا اس وجہ سے ہے کہ ممتنع تلف ہوگئی ہے لہذا جس قدر تلف ہوئی ہے اسی قدر میں تحالف ممتنع ہوگا پس زندہ غلام جو تلف نہیں ہوا اس میں دونوں سے قسم لی جائے گی اور تلف شدہ غلام میں تحالف نہ ہوگا بلکہ اس کے ثمن میں مشتری کا قول مع الیمین معتبر ہوگا حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ قبضہ مشتری کے بعد تحالف خلاف قیاس حدیث سے اس صورت میں ثابت ہے جبکہ ممتنع موجود ہو جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے اور ممتنع اپنے پورے اجزاء کا نام ہے لہذا بعض اجزاء کے فوت ہونے کے بعد ممتنع باقی نہ رہی کیونکہ انشاء جزا انشاء کل کو مستلزم ہے اور ممتنع باقی نہ رہی تو حدیث وارد ہونے کا محل بھی باقی نہ رہا اور جب وارد حدیث کا محل باقی نہیں رہا تو حدیث کے مطابق تحالف بھی نہ ہوگا اور چونکہ ممتنع کی موجودگی میں تحالف خلاف قیاس ثابت ہے اس لئے تلف ہونے کی صورت کو اس پر قیاس کر کے تحالف کو واجب نہیں کیا جائے گا۔ بہر حال اس صورت میں تحالف نہیں ہے۔

دوسری دلیل..... یہ ہے کہ زندہ غلام میں تحالف ممکن نہیں ہے مگر اس طریقہ پر کہ ثمن میں سے اس کے حصہ کا اعتبار کیا جائے اور جب ایسا ہے تو زندہ غلام اور تلف شدہ غلام دونوں کی قیمت پر اس کا ثمن منقسم ہوگا پس تحالف کے بعد بائع کی طرف زندہ غلام واپس جائے گا اور تلف شدہ غلام کے حصہ میں جو ثمن آئے گا وہ اس کو دیا جائے گا لیکن قیمت اندازے اور تخمینہ سے معلوم ہوتی ہے یقینی طور پر معلوم نہیں ہوتی۔ پس قیمت کے تخمینہ ہونے کی وجہ سے تلف شدہ غلام کا حصہ بھی مجہول ہوگا اور ثمن مجہول ہونے کے باوجود تحالف لازم آئے گا حالانکہ یہ ناجائز ہے۔ ہاں... اگر بائع اس بات پر راضی ہو گیا کہ تلف شدہ غلام کا حصہ بالکل چھوڑ دے تو اس وقت پورا ثمن زندہ غلام کے مقابلے میں ہوگا گویا ممتنع یہی غلام تھا اور تلف شدہ غلام عقد سے خارج ہو گیا اور اس طرح بیع بھی موجود ہوگی اور اس کا ثمن بھی معلوم ہوگا اور ممتنع موجود ہونے اور ثمن معلوم ہونے کی صورت میں چونکہ تحالف جائز ہے اس لئے اس صورت میں دونوں سے قسم لی جاسکتی ہے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضرت امام صاحبؒ کے مذہب اور دلیل کی جو تقریر کی ہے وہ بعض مشائخ کی تخریج کے مطابق ہے ان حضرات کے نزدیک استثنیٰ الا ان یرضی البائع..... الخ تحالف کی طرف راجع ہے یعنی مذکورہ مسئلہ میں تحالف نہیں ہوگا مگر اس صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ بائع تلف شدہ کے حصہ ثمن کو چھوڑنے پر راضی ہو جائے۔ اور ان مشائخ نے کہا کہ جامع صغیر کے قول کی مراد یہ ہے کہ بائع زندہ غلام کو لے لے اور اس کے لئے کچھ نہ ہوگا اس کا مطلب یہ ہے کہ تلف شدہ کے ثمن میں سے کچھ نہ لے لے یعنی اس کو چھوڑنے پر راضی ہو گیا۔

بعض مشائخ کا نقطہ نظر

وَقَالَ بَعْضُ الْمَشَائِخِ يَأْخُذُ مِنْ ثَمَنِ الْهَالِكِ بِقَدْرِ مَا أَقْرَبَهُ الْمُشْتَرِي وَإِنَّمَا لَا يَأْخُذُ الزِّيَادَةَ وَعَلَى قَوْلٍ هُوَ لَا يَنْصَرِفُ إِلَّا سِتْنَاءً إِلَى يَمِينِ الْمُشْتَرِي لَا إِلَى التَّحَالِفِ لِأَنَّهُ لَمَّا أَخَذَ الْبَائِعُ بِقَوْلِ الْمُشْتَرِي فَقَدْ صَدَّقَهُ فَلَا يُحْلَفُ الْمُشْتَرِي ثُمَّ تَفْسِيرُ التَّحَالِفِ عَلَى قَوْلِ مُحَمَّدٍ مَا بَيَّنَّاهُ فِي الْقَائِمِ وَإِذَا حَلَفَا وَلَمْ يَتَّفِقَا عَلَى شَيْءٍ فَادَّعَى أَحَدُهُمَا الْفُسْخَ أَوْ كِلَاهُمَا يَفْسُخُ الْعَقْدُ بَيْنَهُمَا وَيَأْمُرُ الْقَاضِي الْمُشْتَرِي بِرَدِّ الْبَاقِي وَقِيمَةِ الْهَالِكِ وَاخْتَلَفُوا فِي تَفْسِيرِهِ عَلَى قَوْلِ أَبِي يُونُسَ وَالصَّحِيحُ أَنَّهُ يُحْلَفُ الْمُشْتَرِي بِاللَّهِ مَا اشْتَرَى مِنْهُمَا بِمَا يَدَّعِيهِ الْبَائِعُ فَإِنْ نَكَلَ لَزِمَهُ دَعْوَى الْبَائِعِ وَإِنْ حَلَفَ يُحْلَفُ الْبَائِعُ بِاللَّهِ مَا بَعْتُهُمَا بِالثَّمَنِ الَّذِي يَدَّعِيهِ الْمُشْتَرِي فَإِنْ نَكَلَ لَزِمَهُ دَعْوَى الْمُشْتَرِي وَإِنْ حَلَفَ يَفْسُخَانِ الْبَيْعَ فِي الْقَائِمِ وَيَسْقُطُ حَصَّتُهُ مِنَ الثَّمَنِ وَيَلْزَمُ الْمُشْتَرِي حِصَّةَ الْهَالِكِ وَيُعْتَبَرُ قِيمَتُهَا فِي الْإِنْقِسَامِ يَوْمَ الْقَبْضِ وَإِنْ اخْتَلَفَا فِي قِيمَةِ الْهَالِكِ يَوْمَ الْقَبْضِ فَالْقَوْلُ الْقَوْلُ

الْبَائِعِ وَائْتَهُمَا أَقَامَ الْبَيْتَةَ يُقْبَلُ بَيْنَتُهُ وَإِنْ أَقَامَاهَا فَبَيْتَةُ الْبَائِعِ أَوْلَى وَهُوَ قِيَاسٌ مَا ذُكِرَ فِي بَيُوعِ الْأَصْلِ اشْتَرَى عَبْدَيْنِ وَقَبَضَهُمَا ثُمَّ رَدَّ أَحَدَهُمَا بِالْعَيْبِ وَهَلَكَ الْأُخْرُ عَنْدَهُ يَجِبُ عَلَيْهِ ثَمَنُ مَا هَلَكَ عَنْدَهُ وَيَسْقُطُ عَنْهُ ثَمَنُ مَا رَدَّهُ وَيَسْقِصُ الثَّمَنُ عَلَى قِيَمَتَيْهِمَا فَإِنْ اخْتَلَفَا فِي قِيَمَةِ الْهَالِكِ فَالْقَوْلُ قَوْلُ الْبَائِعِ لِأَنَّ الثَّمَنَ قَدْ وَجَبَ بِاتِّفَاقِهِمَا ثُمَّ الْمُشْتَرَى يَدْعِي زِيَادَةَ السَّقُوطِ بِنَقْصَانِ قِيَمَةِ الْهَالِكِ وَالْبَائِعُ يُنْكِرُهُ وَالْقَوْلُ لِلْمُنْكَرِ وَإِنْ أَقَامَا الْبَيْتَةَ فَبَيْتَةُ الْبَائِعِ أَوْلَى لِأَنَّهَا أَكْثَرُ اثْبَاتًا ظَاهِرًا لِاثْبَاتِهَا الزِّيَادَةَ فِي قِيَمَةِ الْهَالِكِ وَهَذَا الْفِقْهُ وَهُوَ أَنَّ فِي الْأَيْمَانِ يُعْتَبَرُ الْحَقِيقَةُ لِأَنَّهَا تَتَوَجَّهُ عَلَى أَحَدِ الْعَاقِدَيْنِ وَهُمَا يُعْرِفَانِ حَقِيقَةَ الْحَالِ فَبَيْنَى الْأَمْرِ عَلَيْهَا وَالْبَائِعُ مُنْكَرٌ حَقِيقَةً فَلِهَذَا كَانَ الْقَوْلُ قَوْلُهُ وَفِي الْبَيِّنَاتِ يُعْتَبَرُ الظَّاهِرُ لِأَنَّ الشَّاهِدِينَ لَا يَعْلَمَانِ حَقِيقَةَ الْحَالِ فَاعْتَبِرَ الظَّاهِرُ فِي حَقِّهِمَا وَالْبَائِعُ مُدَّعٍ ظَاهِرًا فَلِهَذَا تُقْبَلُ بَيْنَتُهُ أَيْضًا وَتَتَرَجَّحُ بِالزِّيَادَةِ الظَّاهِرَةِ عَلَى مَا مَرَّ وَهَذَا بَيِّنٌ لَكَ مَعْنَى مَا ذُكِرْنَا مِنْ قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ

ترجمہ..... اور بعض مشائخ نے کہا ہے کہ ہلاک شدہ کے ثمن سے اس قدر لے گا جس قدر کا مشتری نے اقرار کیا ہے اور زیادتی کو نہیں لے گا اور ان مشائخ کے قول کی بناء پر استثنیٰ بعین مشتری کی طرف لوٹے گا نہ کہ تحالف کی طرف کیونکہ جب بائع نے مشتری کے کہنے پر لیا تو اس نے مشتری کے قول کی تصدیق کی لہذا مشتری سے قسم نہیں لی جائے گی پھر امام محمدؒ کے قول پر تحالف کی تفسیر وہ ہے جس کو ہم نے موجود غلام کے بارے میں بیان کیا ہے اور جب بائع اور مشتری دونوں نے قسم کھائی اور ثمن کی کسی مقدار پر متفق نہ ہوئے پھر ان دونوں میں سے کسی ایک نے یادوں نے نسخ کا دعویٰ کیا تو ان دونوں کے درمیان جو عقد ہے نسخ کر دیا جائیگا اور قاضی مشتری کو باقی غلام اور ہلاک شدہ کی قیمت واپس کرنے کا حکم کرے گا اور ابو یوسفؒ کے قول پر تحالف کی تفسیر میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے اور صحیح یہ ہے کہ مشتری کو اس طرح قسم دلائی جائے بخدا میں نے ان دونوں کو اس قدر ثمن کے عوض نہیں خریدا جس کا بائع مدعی ہے پس اگر مشتری نے قسم سے انکار کیا تو اس پر بائع کا دعویٰ لازم ہوگا اور اگر قسم کھالی تو بائع سے قسم لی جائے گی بخدا میں نے ان دونوں کو اس ثمن کے عوض نہیں بیچا ہے جس کا مشتری مدعی ہے، پس اگر بائع نے قسم کھانے سے انکار کیا تو مشتری کا دعویٰ اس پر لازم ہوگا، اور اگر بائع قسم کھا گیا تو وہ دونوں موجودہ غلام میں بیع کو نسخ کریں اور اس کا حصہ ثمن مشتری کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا اور مشتری پر تلف شدہ کا حصہ ثمن لازم ہوگا اور حصہ نکالنے میں ان دونوں کی قیمت قبضہ کے دن کی معتبر ہوگی اور اگر بائع اور مشتری نے قبضہ کے دن کی تلف شدہ کی قیمت میں اختلاف کیا تو بائع کا قول معتبر ہوگا اور ان دونوں میں سے جس نے بیع پیش کر دیا اس کا بیع قبول کیا جائے گا اور اگر دونوں نے بیع قائم کیا تو بائع کا بیع اولیٰ ہوگا اور یہ اس مسئلہ کے قیاس کے مطابق ہے جو مبسوط کے کتاب البیوع میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے دو غلام خرید کر دونوں پر قبضہ کر لیا پھر ان دونوں میں سے ایک کو عیب کی وجہ سے واپس کیا اور دوسرا اس کے پاس تلف ہو گیا تو مشتری پر تلف شدہ کا حصہ ثمن واجب ہوگا اور واپس کردہ کا حصہ ثمن اس سے ساقط ہو جائے گا اور ثمن ان دونوں کی قیمت پر منقسم ہوگا پھر اگر تلف شدہ کی قیمت میں دونوں نے اختلاف کیا تو بائع کا قول معتبر ہوگا اس لئے ثمن ان دونوں کے اتفاق سے واجب ہوا تھا، پس مشتری تلف شدہ کی قیمت کے کم ہونے کی وجہ سے زائد کے ساقط ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور بائع اس کا منکر ہے اور قول منکر ہی کا معتبر ہے اور اگر دونوں نے بیع قائم کیا تو بائع کا بیع اولیٰ ہے کیونکہ بائع کا بیع بظاہر زیادہ کا مثبت ہے کیونکہ وہ تلف شدہ غلام کی قیمت زیادہ ثابت کرتا ہے اور یہ فقہ ہے کہ قسموں میں حقیقت حال کا اعتبار ہوتا ہے کیونکہ قسم احد العاقدین کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور وہ دونوں حقیقت حال کو جانتے ہیں تو قسم کا معاملہ حقیقت حال پر مبنی ہوا اور بائع حقیقت کا منکر ہے لہذا اس کا قول معتبر ہوگا اور بیعت میں ظاہر کا اعتبار کیا جاتا ہے کیونکہ گواہ حقیقت حال کو نہیں جانتے ہیں پس ان دونوں کے حق میں ظاہر معتبر ہوگا اور ظاہر میں بائع مدعی ہے لہذا بیع بھی اسی کا قبول کیا جائے گا اور زیادتی ظاہری کی وجہ سے بائع کا بیع راجح ہوگا جیسا کہ گذر چکا ہے اور یہ تیرے لئے ابو یوسفؒ

کے قول کے وہ معنی جو ہم نے ذکر کئے ظاہر کرتا ہے۔

تشریح..... گذشتہ مسئلہ میں بعض مشائخ کی تخریج کے مطابق سابق میں تقریر کی گئی ہے اور اس تقریر کے مطابق استثنیٰ تحالف کی طرف راجع ہوگا۔ لیکن دوسرے بعض مشائخ نے فرمایا کہ بائع زندہ غلام کو لے لیا اور تلف شدہ غلام کے حصہ ثمن میں سے صرف اتنا لیا گا جس کا مشتری نے اقرار کیا ہے اور اقرار کردہ رقم سے جو زائد ہے بائع اس کو نہ لے گا ان حضرات مشائخ کے قول کی بناء پر استثناء یسین مشتری کی طرف لوٹے گا اور تحالف کی طرف نہیں لوٹے گا اور متن کی عبارت کا مطلب یہ ہوگا کہ ابو حنیفہؒ کے نزدیک بائع اور مشتری دونوں سے قسم نہ لی جائے گی بلکہ مشتری کا قول مع الیسین معتبر ہوگا مگر یہ کہ بائع اس بات کو چاہے کہ زندہ غلام لے لے اور تلف غلام کے حصہ ثمن میں سے مشتری کے اقرار سے زائد چیز نہ لے پس اس وقت مشتری پر یسین واجب نہ ہوگی کیونکہ جب بائع نے مشتری کے قول اور اقرار کے مطابق لیا تو گویا بائع نے مشتری کے قول کی تصدیق کی اور جب بائع نے مشتری کے قول کی تصدیق کر دی تو مشتری سے قسم لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ مشتری سے قسم اس وقت لی جاتی ہے جبکہ وہ بائع کے دعویٰ کا منکر ہوتا ہے حالانکہ یہاں بائع نے مشتری کی تصدیق کر دی ہے لہذا مشتری بائع کے دعویٰ کا منکر نہ رہا۔

متن کے مسئلہ کی پوری تفصیل کرنے کے بعد ثم تفسیر التحالف..... الخ سے صاحب ہدایہ تحالف کی وضاحت فرمانا چاہتے ہیں چنانچہ فرمایا کہ امام محمدؒ کے قول کی بناء پر تحالف کی تفسیر وہی ہے جس کو ہم نے چند صفحات پہلے بیان کیا ہے کہ بائع اس طرح قسم کھائے کہ بخدا میں نے اس بیع کو ایک ہزار کے عوض نہیں بیچا ہے اور مشتری اس طرح قسم کھائے کہ بخدا میں نے اس بیع کو دو ہزار کے عوض نہیں خریدا ہے پس جب مذکورہ مسئلہ میں تحالف ہوگا تو بائع اور مشتری دونوں سے اسی طرح قسم لی جائے گی بہر حال جب ثمن کی مقدار پر دونوں متفق نہ ہوں اور دونوں قسم کھا جائیں تو اگر ان میں سے کسی ایک نے یا دونوں نے فسخ کا دعویٰ کیا تو ان دونوں کے درمیان عقد بیع فسخ کر دیا جائے گا اور قاضی مشتری کو حکم دے گا کہ زندہ غلام کو واپس کرے اور تلف شدہ غلام کی قیمت واپس کرے۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ ابو یوسفؒ کے قول کی بناء پر تحالف کی تفسیر میں اگرچہ مشائخ کا اختلاف ہے لیکن اصح قول یہ ہے کہ مشتری سے اس طرح قسم لی جائے بخدا میں نے ان دونوں غلاموں کو اس قدر ثمن کے عوض نہیں خریدا ہے جس کا بائع مدعی ہے پس اگر مشتری نے قسم سے انکار کر دیا تو مشتری پر لازم ہوگا جس کا بائع دعویٰ کرتا ہے اور اگر مشتری قسم کھا گیا تو پھر بائع سے اس طرح قسم لی جائے گی بخدا میں نے ان دونوں غلاموں کو اس ثمن کے عوض فروخت نہیں کیا ہے جس کا مشتری مدعی ہے پس اگر بائع نے قسم سے انکار کر دیا تو اس پر مشتری کا دعویٰ لازم ہوگا یعنی مشتری نے جس مقدار کا دعویٰ کیا ہے بائع کے لئے وہی مقدار ہوگی اور اگر بائع بھی قسم کھا گیا تو زندہ غلام میں دونوں بیع کو فسخ کریں اور اس کا حصہ ثمن مشتری کے ذمہ سے ساقط ہو جائیگا اور تلف شدہ غلام کا حصہ ثمن مشتری کے ذمہ لازم ہوگا اب رہی یہ بات کہ زندہ غلام اور تلف شدہ غلام کا حصہ ثمن نکالنے کے واسطے دونوں غلاموں کی کس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا تو اس کے بارے میں صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ جس دن مشتری نے غلاموں پر قبضہ کیا تھا اس دن کی قیمت معتبر ہوگی۔ اور اگر تلف شدہ غلام کی قبضہ کے دن کی قیمت میں بائع اور مشتری نے اختلاف کیا اور کسی کے پاس بینہ نہ ہو تو بائع کا قول مع الیسین معتبر ہوگا۔ کیونکہ جس ثمن کا مشتری اقرار کرتا ہے اس پر تو دونوں متفق ہیں۔ لیکن اس کے بعد مشتری تلف شدہ غلام کی قیمت کم تلا کر اس کے حصہ ثمن میں سے اقرار کردہ سے زائد کے ساقط ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور بائع اس دعویٰ کا منکر ہے۔ اور منکر کا قول مع الیسین معتبر ہوتا ہے۔ لہذا بائع کا قول مع الیسین معتبر ہوگا۔ اور اگر دونوں میں سے کسی نے اپنے دعویٰ پر بینہ قائم کر دیا تو اس کا بینہ قبول ہوگا۔ کیونکہ بینہ دعویٰ کو ثابت کرتا ہے اور اگر دونوں نے اپنے اپنے دعویٰ پر بینہ قائم کر دیا تو بائع کا بینہ اولیٰ ہوگا۔ کیونکہ تلف شدہ غلام کی قیمت کو زیادہ ثابت کرنے کی وجہ سے بائع کا بینہ زیادہ مثبت ہے اور جو بینہ زیادہ مثبت ہوتا ہے وہی قبول ہوتا ہے۔ لہذا بائع کے بینہ کو قبول کرنا اولیٰ ہوگا۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ تحالف کی تفسیر کے سلسلہ میں امام ابو یوسفؒ کا قول اور اس پر بیان کردہ تقریعات سب اس مسئلہ کے قیاس کے

مطابق ہے جو مسئلہ مبسوط میں مذکور ہے مبسوط میں مذکور مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص نے دو غلام خریدے اور ان دونوں پر قبضہ کیا پھر ان میں سے ایک کو عیب کی وجہ سے واپس کر دیا اور ایک غلام مشتری کے پاس ہلاک ہو گیا تو مشتری پر تلف شدہ حصہ ثمن واجب ہوگا اور واپس کردہ کا حصہ ثمن اس کے ذمہ سے ساقط ہو جائے گا اور یہ ثمن ان دونوں غلاموں کی اس قیمت پر پھیلا یا جائے گا جو قیمت قبضہ کے روز تھی پھر اگر تلف شدہ غلام کی قیمت میں دونوں نے اختلاف کیا یعنی مشتری نے قیمت کم بتلائی اور بائع نے زیادہ بتلائی اور دونوں کے پاس بیہینہ نہ ہوا تو بائع کا قول مع الیمین معتبر ہوگا، کیونکہ ثمن جو کچھ بھی واجب ہوا تھا دونوں کے اتفاق سے واجب ہوا تھا پھر مشتری قیمت کم بتلا کر اپنے اقرار کردہ ثمن سے زائد کے ساقط ہونے کا مدعی ہے اور بائع اس سقوط کا منکر ہے اور بیہینہ نہ ہونے کی صورت میں منکر کا قول مع الیمین معتبر ہوتا ہے لہذا یہاں بھی منکر یعنی بائع کا قول معتبر ہوگا۔ اور اگر دونوں نے اپنے اپنے دعویٰ پر بیہینہ قائم کر دیا تو بائع کا بیہینہ اولیٰ ہوگا کیونکہ بائع کا بیہینہ تلف شدہ غلام کی قیمت چونکہ زیادہ ثابت کرتا ہے اس لئے بائع کا بیہینہ بظاہر زیادہ مثبت ہوا اور جس کا بیہینہ زیادہ کو ثابت کرتا ہے اسی کا بیہینہ قبول ہوتا ہے، لہذا بائع کا بیہینہ قبول ہوگا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مبسوط کے مذکورہ مسئلہ میں بیہینہ ہونے کی صورت میں قسم بھی بائع کی معتبر ہے اور دونوں کے بیہینہ پیش کرنے کی صورت میں بیہینہ بھی بائع کا معتبر ہے۔ اس میں فقہی بات یعنی بیہینہ ہے کہ قسموں میں حقیقت حال معتبر ہوتی ہے۔ اور دلیل اس کی یہ ہے کہ قسم احد العاقدین کی طرف متوجہ ہوتی ہے نہ وکیل کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور نہ نائب کی طرف اور عاقدین حقیقت حال سے واقف ہوتے ہیں کیونکہ عقد ان دونوں کا اپنا ذاتی فعل ہے اور انسان اپنے فعل سے بخوبی واقف ہوتا ہے اور جب ایسا ہے تو قسم کا معاملہ حقیقت حال پر مبنی ہوگا اور بائع چونکہ زیادتی ثمن کے سقوط کا منکر ہے اس لئے وہ حقیقت کا منکر ہوا اور منکر کا قول مع الیمین چونکہ قبول ہوتا ہے اس لئے بائع کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔ اور گواہوں میں ظاہر حال کا اعتبار ہوتا ہے کیونکہ گواہ حقیقت حال سے واقف نہیں ہوتے اور گواہ حقیقت حال سے واقف اس لئے نہیں ہوتے کہ وہ دوسرے کے فعل کی گواہی دیتے ہیں اپنے فعل کی گواہی نہیں دیتے اور انسان دوسرے کے فعل کی حقیقت سے واقف نہیں ہو سکتا ہے لہذا گواہوں کے حق میں ظاہر حال کا اعتبار ہوگا اور بائع چونکہ ظاہر حال یعنی زیادتی ثمن کا مدعی ہے اس لئے اس کا بیہینہ قبول ہوگا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ سابق میں مذکورہ زیادتی ظاہر ہی کی وجہ سے بائع کا بیہینہ مشتری کے بیہینہ سے راجح ہوگا۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ مبسوط میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے امام ابو یوسفؒ کے قول کی بنیاد اسی پر ہے اور ہدایہ میں مذکور مسئلہ کو اسی مبسوط کے مسئلہ پر قیاس کیا جائے گا۔

ایک شخص نے باندی خریدی اور اس پر قبضہ بھی کر لیا پھر اقالہ کیا اور ثمن میں اختلاف ہو گیا

دونوں قسم اٹھائیں گے اور پہلی بیع لوٹ آئے گی

قَالَ وَمَنْ اشْتَرَى جَارِيَةً وَقَبَضَهَا ثُمَّ تَقَايَلَا ثُمَّ اخْتَلَفَا فِي الثَّمَنِ فَإِنَّهُمَا يَتَحَالَفَانِ وَيَعُودُ الْبَيْعُ الْأَوَّلُ وَنَحْنُ مَا أَثْبَتْنَا التَّحَالَفَ فِيهِ بِالنَّصِّ لِأَنَّهُ وَرَدَ فِي الْبَيْعِ الْمُطْلَقِ وَالْإِقَالَةُ فُسْخٌ فِي حَقِّ الْمُتَعَاقِدِينَ وَإِنَّمَا أَثْبَتْنَاهُ بِالْقِيَاسِ لِأَنَّ الْمَسْئَلَةَ مَفْرُوضَةٌ قَبْلَ الْقَبْضِ وَالْقِيَاسُ يُوَافِقُهُ عَلَى مَا مَرَّ وَلِهَذَا يَقْبَسُ الْإِجَارَةُ عَلَى الْبَيْعِ قَبْلَ الْقَبْضِ وَالْوَارِثُ عَلَى الْعَاقِدِ وَالْقِيمَةُ عَلَى الْعَيْنِ فِيمَا إِذَا اسْتَهْلَكَهُ فِي يَدِ الْبَائِعِ غَيْرِ الْمُشْتَرَى وَلَوْ قَبِضَ الْبَائِعُ الْمَبِيعَ بَعْدَ الْإِقَالَةِ فَلَا تَحَالَفَ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ خِلَافًا لِمُحَمَّدٍ لِأَنَّهُ يَرَى النَّصَّ مَعْلُولًا بَعْدَ الْقَبْضِ أَيْضًا

ترجمہ..... اگر ایک شخص نے ایک باندی خرید کر اس پر قبضہ کر لیا پھر دونوں نے بیع کا اقالہ کیا پھر دونوں نے ثمن میں اختلاف کیا تو وہ دونوں قسم کھائیں گے اور بیع اول عود کرے گی اور اس اقالہ کی صورت میں ہم نے تحالف کو بذریعہ نص ثابت نہیں کیا ہے اس لئے کہ نص بیع مطلق میں وارد

ہوئی ہے اور اقالہ عاقدین کے حق میں فسخ بیع ہے بلکہ ہم نے اقالہ میں تحالف کو قیاس سے ثابت کیا ہے کیونکہ مسئلہ قبضہ سے پہلے فرض کیا گیا ہے اور قیاس اس کے موافق ہے جیسا کہ گذر چکا اسی وجہ سے ہم اجارہ کو قبضہ سے پہلے بیع پر قیاس کرتے ہیں اور وارث کو عاقد پر اور اس صورت میں جبکہ بیع کو مشتری کے علاوہ نے بائع کے قبضہ میں ہلاک کر دیا ہو تو قیمت کو مال عین پر قیاس کرتے ہیں اور اگر اقالہ کے بعد بائع نے بیع پر قبضہ کر لیا تو ابوضیفہ اور ابو یوسفؒ کے نزدیک تحالف نہیں ہوگا امام محمد کا اختلاف ہے کیونکہ امام محمد قبضہ کے بعد بھی نص کو معلول جانتے ہیں۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے ایک باندی خریدی اور ثمن اداء کر کے باندی پر قبضہ کر لیا پھر بائع اور مشتری دونوں نے اقالہ کیا یعنی بیع کو فسخ کر دیا لیکن اقالہ کے بعد بائع نے بیع پر قبضہ نہیں کیا بلکہ ثمن کی مقدار میں اختلاف ہو گیا چنانچہ مشتری نے کہا کہ ثمن ایک ہزار ہے لہذا تجھ پر ایک ہزار واپس کرنا لازم ہے تو ایسی صورت میں بائع اور مشتری دونوں سے قسم لی جائے گی اور تحالف کے بعد اقالہ ختم کر دیا جائے گا اور پہلی بیع عود کر آئے گی۔ حتیٰ کہ بائع کا حق اس ثمن سے متعلق ہو جائے گا جو ثمن مشتری نے بائع کو دیا تھا اور مشتری کا حق اس بیع سے متعلق ہو جائے گا جو بیع مشتری کے قبضہ میں ہے۔

سوال..... لیکن اس پر سوال ہوگا کہ نص یعنی اذا اختلف المتبايعان والسلعة قائمة تحالفا و ترادا تحالف کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہے مگر یہ نص اقالہ کو شامل نہیں ہے بلکہ بیع مطلق کو شامل ہے اور جب ایسا ہے تو اقالہ میں تحالف کیونکر جاری ہوا۔

جواب..... اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے اقالہ کے اندر تحالف نص سے ثابت نہیں کیا کیونکہ نص، تو بیع مطلق یعنی بیع من کل وجہ کے بارے میں وارد ہوئی ہے اور اقالہ من کل وجہ بیع نہیں ہے کیونکہ اقالہ غیر عاقدین کے حق میں اگرچہ بیع جدید ہے لیکن عاقدین کے حق میں فسخ بیع ہے۔ بہر حال اقالہ میں ہم نے نص کے ذریعہ تحالف ثابت کیا ہے کیونکہ مسئلہ یہ فرض کیا گیا ہے کہ اقالہ کے بعد بائع نے بیع پر قبضہ نہیں کیا ہے اول باب میں گذر چکا ہے کہ تحالف قبضہ سے پہلے قیاس کے مطابق ہے پس جب بیع مطلق میں قبضہ سے پہلے تحالف قیاس کے مطابق ہے تو اس پر قیاس کرتے ہوئے اقالہ میں بھی قبضہ سے پہلے تحالف ثابت کر دیا گیا اسی وجہ سے ہم اجارہ قبل القبض کو بیع پر قیاس کرتے ہیں یعنی اگر موجر (اجارہ پر دینے والے) اور مستاجر نے اجرت کی مقدار میں اختلاف کیا اور مستاجر نے معقود علیہ پر قبضہ نہیں کیا تو بیع قبل القبض پر قیاس کرتے ہوئے اس میں بھی تحالف ثابت کر دیا گیا اور وارث کو عاقد پر قیاس کرتے ہیں۔

یعنی جب بائع اور مشتری کے وارثوں نے ثمن میں اختلاف کیا اور بیع پر مشتری کے وارث نے قبضہ نہیں کیا تو ان دونوں کے درمیان بھی قیاس کی وجہ سے تحالف جاری ہوگا۔

اور اسی طرح قیمت کو مال عین پر قیاس کیا گیا ہے یعنی جب بائع کے قبضہ میں بیع کو مشتری کے علاوہ نے ہلاک کر دیا اور غیر مشتری اس کی قیمت کا ضامن ہو گیا تو یہ قیمت، تلف کردہ مال بیع کے قائم مقام ہوگی چنانچہ اگر مشتری کے اس قیمت پر قبضہ کرنے سے پہلے ہلاک کردہ بیع کے ثمن کی مقدار میں اختلاف ہو گیا تو اس میں بھی تحالف جاری ہوگا اور اس کو تحالف پر قیاس کیا گیا ہے جو بیع کی موجودگی میں جاری ہوتا ہے۔

صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ اگر اقالہ کے بعد بائع نے بیع پر قبضہ کر لیا تو شیخینؒ کے نزدیک تحالف جاری نہ ہوگا البتہ امام محمدؒ کے نزدیک جاری ہوگا۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ نص یعنی اذا اختلف المتبايعان والسلعة قائمة تحالفا و ترادا۔ انکار کے ساتھ معلول ہے، یعنی تحالف کی علت عاقدین میں سے ہر ایک کا دوسرے کے عقد کا انکار ہے اور یہ علت دونوں صورتوں میں موجود ہے خواہ بیع پر مشتری نے قبضہ کیا ہو یا قبضہ نہ کیا ہو، پس جب علت دونوں صورتوں میں موجود ہے تو دونوں صورتوں میں تحالف جاری ہوگا۔

ایک شخص نے ایک کرگندم میں دس درہم بیع سلم کے طور پر دیئے پھر دونوں نے اقالہ کیا پھر
 ثمن میں اختلاف کیا مسلم الیہ کا قول قبول ہوگا اور بیع سلم عود نہیں کرے گی

قَالَ وَمَنْ أَسْلَمَ عَشْرَةَ دَرَاهِمَ فِي كَرٍّ حِنْطَةٍ ثُمَّ تَقَايَلَا ثُمَّ اخْتَلَفَا فِي الثَّمَنِ فَقَوْلُ قَوْلِ الْمُسْلِمِ إِلَيْهِ وَلَا يَعُودُ
 السَّلْمُ لِأَنَّ الْإِقَالََةَ فِي بَابِ السَّلْمِ لَا تَحْتَمِلُ النَّقْضَ لِأَنَّهُ إِسْقَاطٌ فَلَا يَعُودُ السَّلْمُ بِخِلَافِ الْإِقَالََةِ فِي الْبَيْعِ إِلَّا
 يَرَى أَنَّ رَأْسَ مَالِ السَّلْمِ لَوْ كَانَ عَرَضًا فَرَدَّهُ بِالْغَيْبِ وَهَلَكَ قَبْلَ التَّسْلِيمِ إِلَى رَبِّ السَّلْمِ لَا يَعُودُ السَّلْمُ
 وَلَوْ كَانَ ذَلِكَ فِي بَيْعِ الْعَيْنِ يَعُودُ الْبَيْعُ ذَلِكَ عَلَى الْفَرْقِ بَيْنَهُمَا

ترجمہ..... اگر ایک شخص نے ایک کرگندم میں دس درہم بیع سلم کے طور پر دیئے پھر دونوں نے اقالہ کیا پھر ثمن میں اختلاف کیا تو مسلم الیہ کا قول
 قبول ہوگا اور بیع سلم عود نہیں کرے گی اس لئے کہ باب سلم میں اقالہ نقض کا احتمال نہیں رکھتا ہے کیونکہ وہ اسقاط کے قیل سے ہے پس سلم عود نہیں
 کرے گی برخلاف بیع میں اقالہ کے کیا نہیں دیکھتے ہو کہ اگر سلم کا رأس المال کوئی سامان ہو پھر اس کو عیب کی وجہ سے واپس کر دیا اور رب السلم کو
 دینے سے پہلے سلم الیہ کے قبضہ میں ہلاک ہو گیا تو سلم عود نہیں کرتی ہے اور اگر یہ معاملہ بیع عین میں ہو تو بیع عود کرتی ہے۔ پس یہ ان دونوں میں
 فرق کی دلیل ہے۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے ایک کرگندم میں دس درہم کے عوض عقد سلم کیا اور رب السلم نے دس درہم مسلم الیہ کو دیدیئے پھر
 اختلاف کیا چنانچہ مسلم الیہ نے کہا کہ اس المال پانچ درہم تھے اور رب السلم نے کہا کہ دس درہم تھے تو اس صورت میں مسلم الیہ کا قول مع الیسین معتبر
 ہوگا کیونکہ رب السلم پانچ درہم زائد کا مدعی ہے اور مسلم الیہ اس کا منکر ہے اور بینہ موجود نہیں ہے لہذا منکر یعنی مسلم الیہ کا قول مع الیسین معتبر ہوگا اور نہ
 یہاں تحالف ہوگا اور نہ بیع سلم عود کرے گی کیونکہ باب سلم میں اقالہ نقض اور ٹوٹنے کا احتمال نہیں رکھتا ہے اس لئے کہ اقالہ اس مسلم فیہ کو ساقط کرنے کا
 نام ہے جو ابھی مسلم الیہ کے ذمہ میں دین ہے پس جب اقالہ کے ذریعہ مسلم فیہ ساقط کر دی گئی تو سلم کیسے عود کر سکتی ہے کیونکہ سلم کے لئے مسلم الیہ
 کے ذمہ مسلم فیہ کا ہونا ضروری ہے اس کے برخلاف بیع میں اقالہ کے کیونکہ بیع میں بیع عین ہوتی ہے لہذا بیع کا اقالہ بیع ہو کر بیع مشتری کی طرف
 واپس آ سکتی ہے اور جب بیع مشتری کی طرف واپس آئے گی تو بیع عود کر آئی اسی کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر سلم کا رأس المال سامان ہو
 اور پھر عیب کی وجہ سے قاضی نے اس کو رب السلم کی طرف واپس کرنے کا فیصلہ کر دیا ہو مگر رب السلم کو دینے سے پہلے وہ سامان مسلم الیہ کے قبضہ میں
 ہلاک ہو گیا تو سلم عود نہیں کرے گی اور یہ معاملہ بیع مطلق میں ہوتا ہے تو بیع عود کر آتی ہے پس سلم اور بیع کے درمیان یہی فرق ہے۔

زوجین کا مہر میں اختلاف ہو ازواج نے دعویٰ کیا کہ ایک ہزار کے عوض نکاح کیا اور عورت

دو ہزار کا کہتی ہے جو بھی بینہ قائم کر دے اس کے بینہ قبول ہوں گے

قَالَ وَإِذَا اخْتَلَفَ الزَّوْجَانِ فِي الْمَهْرِ فَادْعَى الزَّوْجُ أَنَّهُ تَزَوَّجَهَا بِالْفِ وَقَالَتْ تَزَوَّجْتَنِي بِالْفَيْنِ فَإِيَهُمَا أَقَامَ
 الْبَيِّنَةُ تَقْبُلُ بَيِّنَتَهُ لِأَنَّهُ نَوَّرَ دَعْوَاهُ بِالْحُجَّةِ فَإِنْ أَقَامَا الْبَيِّنَةَ فَالْبَيِّنَةُ بَيِّنَةُ الْمَرْأَةِ لِأَنَّهَا تَثْبُتُ الزِّيَادَةُ مَعَهَا إِذَا كَانَ
 مَهْرُ مِثْلِهَا أَقَلَّ مِمَّا ادَّعَتْهُ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُمَا بَيِّنَةٌ تَحَالَفَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَلَا يَفْسُخُ النِّكَاحُ لِأَنَّ اثْرَ التَّحَالِفِ
 فِي انْعِدَامِ التَّسْمِيَةِ وَأَنَّهُ لَا يَخْلُ بَصِحَّةِ النِّكَاحِ لِأَنَّ الْمَهْرَ تَابِعٌ فِيهِ بِخِلَافِ الْبَيْعِ لِأَنَّ عَدَمَ التَّسْمِيَةِ يُفْسِدُ
 عَلَى مَامَرٍّ فَيَفْسُخُ وَلَكِنْ يُحْكَمُ مَهْرُ الْمِثْلِ فَإِنْ كَانَ مِثْلُ مَا اعْتَرَفَ بِهِ الزَّوْجُ أَوْ أَقَلَّ قُضِيَ بِمَا قَالَ الزَّوْجُ

لَاِنَّ الظَّاهِرَ شَاهِدٌ لَهُ وَاِنْ كَانَ مِثْلُ مَا ادَّعَتْهُ الْمَرْأَةُ اَوْ اَكْثَرَ قُضِيَ بِمَا ادَّعَتْهُ الْمَرْأَةُ وَاِنْ كَانَ مَهْرُ الْمِثْلِ اَكْثَرَ مِمَّا اعْتَرَفَ بِهِ الزَّوْجُ وَاَقْلَ مِمَّا ادَّعَتْهُ الْمَرْأَةُ قُضِيَ لَهَا بِمَهْرِ الْمِثْلِ لَا تَنَهَمَا لَمَّا تَحَالَفَا لَمْ يَشِبْتَ الزِّيَادَةُ عَلٰی مَهْرِ الْمِثْلِ وَلَا الْحِطُّ عَنْهُ قَالَ ذَكَرَ التَّحَالَفُ اَوَّلًا ثُمَّ التَّحْكِيمُ وَهَذَا قَوْلُ الْكُرْحِيِّ لَاِنَّ مَهْرَ الْمِثْلِ لَا اِعْتِبَارَ لَهُ مَعَ وُجُودِ التَّسْمِيَةِ وَسُقُوطِ اِعْتِبَارِهَا بِالتَّحَالَفِ فَلِهَذَا يُقَدَّمُ فِي الْوُجُوهِ كُلِّهَا وَيَبْدَأُ بِمِثْلِ الزَّوْجِ عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَمُحَمَّدٍ تَعَجُّلًا لِفَائِدَةِ النُّكُولِ كَمَا فِي الْمُسْتَشْرَى وَتَحْرِيجِ الرَّازِي بِخِلَافِهِ وَقَدْ اسْتَفْصَيْنَاهُ فِي النِّكَاحِ وَذَكَرْنَا خِلَافَ أَبِي يُوسُفَ فَلَا نُعِيذُهُ وَلَوْ ادَّعَى الزَّوْجُ النِّكَاحَ عَلٰی هَذَا الْعَبْدِ وَالْمَرْأَةُ تَدَّعِيَهُ عَلٰی هَذِهِ الْجَارِيَةِ فَهُوَ كَالْمَسْأَلَةِ الْمُتَقَدِّمَةِ اِلَّا اَنَّ قِيَمَةَ الْجَارِيَةِ اِذَا كَانَتْ مِثْلَ مَهْرِ الْمِثْلِ يَكُونُ لَهَا قِيَمَتُهَا مَا دُونَ عَيْنِهَا لَاِنَّ تَمَلُّكَهَا لَا يَكُونُ اِلَّا بِالتَّرَاضِي وَلَمْ يُوْجَدْ فَوَجَبَتِ الْقِيَمَةُ

ترجمہ..... اور اگر میاں بیوی نے مہر میں اختلاف کیا پھر شوہر نے دعویٰ کیا کہ میں نے اس سے ایک ہزار پر نکاح کیا تھا اور عورت نے کہا کہ تو نے مجھ سے دو ہزار پر نکاح کیا ہے پس جس نے بینہ قائم کیا اس کا بینہ قبول ہوگا کیونکہ اس نے اپنے دعویٰ کو دلیل سے منور کر دیا ہے پھر اگر میاں بیوی دونوں نے بینہ قائم کیا تو عورت کا بینہ قبول ہوگا اس لئے کہ عورت کا بینہ زیادتی کو ثابت کرتا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ جب عورت کا مہر مثل عورت کے دعویٰ سے کم ہو اور اگر دونوں کے پاس بینہ نہ ہوں تو ابو حنیفہ کے نزدیک دونوں سے قسم لی جائے گی اور نکاح فسخ نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ تحالف کا اثر تسمیہ کے معدوم ہونے میں ہوگا اور صحت نکاح کے لئے محل نہیں ہے کیونکہ مہر نکاح میں تابع ہوتا ہے برخلاف بیع کے اس لئے کہ عدم تسمیہ اس کو فاسد کر دیتا ہے جیسا کہ گذر چکا ہے پس بیع کو فسخ کر دیا جائے گا۔ لیکن مہر مثل کو حکم ٹھہرایا جائے گا۔ پس اگر مہر مثل اس قدر ہو جس قدر کا شوہر نے اقرار کیا ہے یا اس سے کم ہے تو اس کا فیصلہ کیا جائے گا جو شوہر نے کہا ہے کیونکہ ظاہر اسی کا شاہد ہے اور اگر اس سے کم ہو جس کا عورت نے دعویٰ کیا ہے تو عورت کے لئے مہر مثل کا فیصلہ کیا جائے گا۔

اس لئے کہ جب میاں بیوی نے قسم کھائی تو نہ مہر مثل سے زائد ثابت ہوا اور نہ اس سے کم صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ ماتن نے اولاً تحالف کو ذکر کیا پھر تحکیم (حکم بنانا) ذکر کیا اور یہ امام کرخی کا قول ہے اس لئے کہ مہر مسمیٰ کے ہوتے ہوئے مہر مثل کا کوئی اعتبار نہیں ہے اور اس کے اعتبار کا ساقط ہونا تحالف سے ہوگا اسی وجہ سے تمام صورتوں میں تحالف کو مقدم کیا جائے گا اور امام ابو حنیفہ اور امام محمد نزدیک شوہر کی قسم سے ابتداء کی جائے گی تاکہ انکار کا فائدہ جلدی ظاہر ہو جیسا کہ مشتری میں ہے اور ابو بکر رازی کی تخریج اس کے خلاف ہے اور ہم نے باب النکاح میں پوری تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ہم نے ابو یوسف کا اختلاف بھی ذکر کیا ہم اس کا اعادہ نہیں کریں گے اور اگر شوہر نے دعویٰ کیا کہ اس غلام پر نکاح ہوا ہے اور عورت اس باندی پر دعویٰ کرتی ہے تو یہ مسئلہ پہلے مسئلہ کے مانند ہے مگر جبکہ باندی کی قیمت مہر مثل کے برابر ہو تو اس کے لئے اس کی قیمت ہوگی وہ باندی اس واسطے کہ باندی کا مالک ہونا بغیر باہمی رضا مندی کے نہیں ہوگا اور باہمی رضا مندی پائی نہیں گئی تو قیمت واجب ہوگی۔

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر میاں بیوی نے مہر کی مقدار میں اختلاف کیا چنانچہ شوہر نے دعویٰ کیا کہ میں نے اس عورت کے ساتھ ایک ہزار کے عوض نکاح کیا ہے اور عورت نے دعویٰ کیا کہ اس مرد نے میرے ساتھ دو ہزار کے عوض نکاح کیا ہے پس دونوں میں سے جس نے بینہ قائم کیا اس کا بینہ قبول ہوگا کیونکہ اس نے اپنا دعویٰ بینہ سے ثابت کر دیا۔ اگر عورت نے بینہ قائم کیا تو اس کا قبول ہونا بالکل ظاہر ہے کیونکہ وجہ زیادتی کی مدعی ہے اور مدعی کا بینہ قبول ہوتا ہے۔ لہذا اس کا بینہ قبول ہوگا لیکن شوہر کے بینہ کے قبول ہونے میں قدرے اشکال ہے اس لئے کہ شوہر زیادتی کا منکر ہے لہذا اس پر قسم واجب ہونی چاہیے نہ کہ بینہ۔ مگر اس کے باوجود اگر اس نے بینہ پیش کیا تو اس کے لئے قبول ہوگا کہ وہ صورت مدعی ہے اور بینہ قبول ہونے کے لئے اتنا کافی ہے۔ اور اگر میاں بیوی دونوں نے اپنا بینہ قائم کر دیا تو عورت کا بینہ قبول ہوگا کیونکہ عورت کا بینہ زیادتی مہر کو ثابت کرتا ہے

لیکن عورت کا بینہ اس وقت قبول ہوگا جبکہ مهر مثل اس سے کم ہو جس کا عورت دعویٰ کرتی ہے ورنہ اگر مهر مثل اس کے برابر ہو جس کا عورت دعویٰ کرتی ہے یا اس سے زیادہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں شوہر کا بینہ قبول ہوتا ہے۔

اور اگر عورت و مرد دونوں بینہ قائم کرنے سے عاجز آ گئے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں سے قسم لی جائے گی مگر نکاح فسخ نہیں ہوگا کیونکہ تحالف کا اثر یہ ہوگا کہ مہر کے سلسلہ میں دونوں کا دعویٰ معدوم ہو جائے اور ایسا ہو جائے گا کہ نہیں کیا ہے اور مہر کا ذکر نہ کرنا صحت نکاح کے لئے محل نہیں ہوتا ہے کیونکہ مہر نکاح میں تابع ہوتا ہے پس اس تحالف سے مہر کا تسمیہ تو معدوم ہو جائے گا لیکن نکاح فسخ نہیں ہوگا اس کے برخلاف بیع کہ بیع میں ثمن کا ذکر نہ ہونا بیع کو فاسد کر دیتا ہے۔ جیسا کہ کتاب البیوع میں گذر چکا ہے لہذا ثمن کے سلسلہ میں تحالف کے بعد لامحالہ بیع فسخ ہو جائے گی۔ بہر حال مہر کے سلسلہ میں تحالف کے بعد مہر کا ذکر معدوم ہو گیا اور نکاح فسخ نہیں ہوا۔ اور جب نکاح فسخ نہیں ہوا اور مہر کا ذکر معدوم ہو گیا تو جھگڑا ختم کرنے کے لئے مہر مثل کو حکم بنادیا جائے گا۔

چنانچہ اگر مہر مثل شوہر کے اقرار کردہ مہر کے برابر ہو یا اس سے کم ہو تو جس قدر مہر کا شوہر نے اقرار کیا ہے اسی قدر کا حکم دیا جائے گا کیونکہ ظاہر حال شوہر کے قول کا شاہد ہے اور ظاہر حال جس کا شاہد ہو وہ مدعی علیہ ہوتا ہے اور بینہ نہ ہونے کی صورت میں مدعی علیہ کا قول معتبر ہوتا ہے لہذا اس صورت میں بھی مدعی علیہ یعنی شوہر کا قول معتبر ہوگا اور وہ مہر واجب ہوگا جس کا اقرار شوہر نے کیا ہے۔

اور اگر مہر مثل اس قدر ہو جس قدر کا عورت نے دعویٰ کیا ہے یا اس سے زیادہ ہو تو جس قدر کا عورت نے دعویٰ کیا ہے اسی کا حکم دیا جائے گا کیونکہ اس صورت میں ظاہر حال عورت کا شاہد ہے اور اگر مہر مثل درمیانی ہو یعنی شوہر کے اقراری مہر سے زیادہ ہو اور عورت کے دعویٰ کردہ مہر سے کم ہو تو عورت کے واسطے مہر مثل کا حکم دیا جائے گا۔ کیونکہ جب دونوں قسم کھا گئے تو نہ مہر مثل سے زائد ثابت ہوگا اور نہ اس سے کم ثابت ہوگا یعنی شوہر کے قسم کھانے کی وجہ سے مہر مثل سے زائد ثابت نہ ہوگا اور عورت کے قسم کھانے کی وجہ سے مہر مثل سے کم ثابت نہ ہوگا۔ پس جب نہ مہر مثل سے زیادہ ثابت ہو اور نہ کم ثابت ہو تو مہر مثل کا حکم دیا جائے گا۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ شیخ ابو الحسن قدوری نے اولاً تو تحالف کو ذکر کیا چنانچہ فرمایا وان لم تکن لهما بیئۃ تحالفا پھر تحکیم حکم بنانے کو ذکر کیا چنانچہ فرمایا ولکن یحکم مہر المثل۔ مصنف ہدایہ کہتے ہیں کہ قدوری نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ امام کرخیؒ کا قول ہے کیونکہ مہر سبھی کا اعتبار تحالف سے ساقط ہو جاتا ہے پس پہلے تحالف کے ذریعہ مہر سبھی کا اعتبار ساقط کیا گیا اور پھر مہر مثل کو حکم بنایا گیا اسی وجہ سے تمام صورتوں میں تحالف کو مقدم کیا گیا اور تحکیم کو مؤخر کیا گیا۔ صاحب ہدایہ نے کہا کہ طرفین کے نزدیک اختلاف مہر کی صورت میں پہلے شوہر سے قسم لی جائے گی تاکہ قسم سے انکار کا فائدہ جلدی ظاہر ہو جیسا کہ مقدار ثمن میں بائع اور مشتری کے اختلاف کی صورت میں پہلے مشتری سے قسم لی جاتی ہے نہایہ اور معراج الدرایہ میں فتویٰ ظہیر یہ سے نقل کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ مہر کا سپرد کرنا چونکہ اولاً شوہر پر واجب ہوتا ہے لہذا اولاً قسم بھی اسی پر واجب ہوگی۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ مذکورہ مسئلہ میں ابو بکر رازی کا استنباط اپنے استاذ امام کرخیؒ کے استنباط کے خلاف ہے چنانچہ امام ابو بکر رازی اولاً مہر مثل کو حکم بناتے ہیں پس مہر مثل جس کا شاہد ہوگا اس کا قول معتبر ہوگا اور اگر مہر مثل دونوں کے دعویٰ کے درمیان میں ہو تو اس صورت میں تحالف ہوگا اور مہر مثل واجب ہوگا گویا ابو بکر رازی صرف ایک صورت میں تحالف کے قائل نہیں اور وہ صورت یہ ہے کہ مہر مثل زوجین میں سے کسی کا شاہد نہ ہو یعنی مہر مثل زوج کے اقراری مہر سے زائد ہو اور عورت کے دعویٰ کردہ مہر سے کم ہو صرف اس صورت میں ابو بکر رازی کے نزدیک تحالف واجب ہوگا ورنہ اگر مہر مثل شوہر کے اقراری مہر کے برابر ہو یا اس سے کم ہو تو شوہر کا قول مع الیمین معتبر ہوگا اور اگر مہر مثل عورت کے دعویٰ کردہ مہر کے برابر ہو یا اس سے زائد ہو تو عورت کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔ بہر حال امام کرخیؒ کے نزدیک مذکورہ پانچوں صورتوں میں تحالف ہے اور پھر تحکیم ہے اور ابو بکر رازی کے نزدیک صرف ایک صورت میں تحالف ہے۔

مصنف ہدایہ کہتے ہیں کہ ہم نے ابو بکر رازی کا استنباط پورے طور پر کتاب النکاح میں بیان کیا ہے اور وہاں امام ابو یوسف کا اختلاف بھی ذکر کیا ہے لہذا اس کا اعادہ نہ کریں گے اگر آپ ضرورت محسوس کریں تو اشرف الہدایہ کتاب النکاح میں رجوع فرمائیں خادم نے پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔

صاحب ہدایہ نے کہا کہ اگر شوہر نے دعویٰ کیا کہ مہر یہ غلام ہے اور عورت نے دعویٰ کیا کہ مہر یہ باندی ہے تو یہ مسئلہ بھی پہلے مسئلہ کی طرح ہے یعنی امام کرخی کی تخریج کے مطابق پانچوں صورتوں میں تحالف پھر تحکیم اور ابو بکر رازی کی تخریج کے مطابق اولاً مہر مثل کو حکم بنایا جائے پس مہر مثل جس کے قول کا شاہد ہوگا اس کا قول قبول کر لیا جائے گا اور اگر مہر مثل دونوں کے دعاوی یعنی غلام اور باندی کے درمیان میں ہو تو دونوں سے قسمیں لے کر مہر مثل واجب کر دیا جائے گا لیکن اگر باندی کی قیمت مہر مثل کے برابر ہو تو عورت کے لئے باندی کی قیمت واجب ہوگی عین باندی واجب نہ ہوگی۔ اسلئے کہ باندی پر ملکیت کا حاصل ہونا باہمی رضا مندی کے بغیر ممکن نہیں ہے اور باہمی رضا مندی پائی نہیں گئی لہذا باندی کی قیمت واجب ہوگی اور عین باندی واجب نہ ہوگی۔

معقود علیہ وصول کرنے سے پہلے موجد اور مستاجر نے اختلاف کیا تو دونوں قسم کھائیں گے

وَإِنْ اِخْتَلَفَا فِي الْإِجَارَةِ قَبْلَ اسْتِيفَاءِ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ تَحَالُفًا وَتَرَادًا مَعْنَاهُ اِخْتِلَافًا فِي الْبَدَلِ أَوْ فِي الْمُبْدَلِ لِأَنَّ التَّحَالُفَ فِي الْبَيْعِ قَبْلَ الْقَبْضِ عَلَى وَفَاقِ الْقِيَاسِ عَلَى مَآرٍ وَالْإِجَارَةُ قَبْلَ قَبْضِ الْمَنْفَعَةِ نَظِيرُ الْبَيْعِ قَبْلَ قَبْضِ الْمَبِيعِ وَكَأَنَّ مَقَابِلَ اسْتِيفَاءِ الْمَنْفَعَةِ فَإِنَّ وَقَعَ الْإِخْتِلَافُ فِي الْأَجْرَةِ يَبْدَأُ بِيَمِينِ الْمُسْتَأْجِرِ لِأَنَّهُ مُنَكَّرٌ لَوْ جُوبِ الْأَجْرَةِ وَإِنْ وَقَعَ فِي الْمَنْفَعَةِ يَبْدَأُ بِيَمِينِ الْمُؤْجِرِ فَإِنَّهُمَا نَكَلَ لِرَمَاهُ دَعْوَى صَاحِبِهِ وَإِيْهُمَا أَقَامَ الْبَيِّنَةَ قُبِلَتْ وَلَوْ أَقَامَهَا بَيِّنَةُ الْمُؤْجِرِ أَوْلَى إِنْ كَانَ الْإِخْتِلَافُ فِي الْأَجْرَةِ وَإِنْ كَانَ فِي الْمَنْفَعَةِ فَبَيِّنَةُ الْمُسْتَأْجِرِ أَوْلَى وَإِنْ كَانَ فِيهِمَا قُبِلَتْ بَيِّنَةُ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا فِيمَا يَدْعِيهِ مِنَ الْفَضْلِ نَحْوُ أَنْ يَدْعَى هَذَا شَهْرًا بِعَشْرَةِ وَالْمُسْتَأْجِرُ شَهْرَيْنِ بِخَمْسَةِ يُفْضَى بِشَهْرَيْنِ بِعَشْرَةِ

ترجمہ..... اور اگر معقود علیہ وصول کرنے سے پہلے موجد اور مستاجر نے اختلاف کیا تو دونوں قسم کھائیں اور اجارہ کو پھیر لیں اور اس کے معنی یہ ہیں کہ دونوں نے اجرت یا معقود علیہ میں اختلاف کیا اس لئے کہ بیع میں قبضہ سے پہلے تحالف قیاس کے مطابق ہے جیسا کہ گذر چکا ہے اور اجارہ، منفعت حاصل کرنے سے پہلے بیع پر قبضہ کرنے پہلے بیع کی نظیر ہے اور ہمارا کلام منفعت حاصل کرنے سے پہلے ہے پس اگر اجرت میں اختلاف واقع ہوا تو مستاجر کی قسم سے آغاز کیا جائیگا، کیونکہ وہ وجوب اجرت کا منکر ہے اور اگر اختلاف منفعت میں واقع ہوا تو موجد کی قسم سے ابتداء کی جائے گی۔ پس جس نے بھی قسم سے انکار کیا اس پر اس کے ساتھی کا دعویٰ لازم ہوگا اور جس نے بیئہ قائم کیا اس کا بیئہ قبول کیا جائے گا اور اگر دونوں نے بیئہ قائم کیا تو موجد کا بیئہ اولیٰ ہے اگر اجرت میں اختلاف ہو، اور منافع میں اختلاف ہو تو مستاجر کا بیئہ اولیٰ ہے، اور اگر دونوں میں اختلاف ہو تو ان میں سے ہر ایک کا بیئہ اس زیادتی میں قبول کیا جائے گا جس کا وہ مدعی ہے۔ مثلاً موجد دعویٰ کرتا ہے کہ ایک ماہ کے لئے دس درہم کے عوض دیا ہے اور مستاجر دعویٰ کرتا ہے کہ دو ماہ کے لئے پانچ درہم کے عوض دیا ہے تو وہ دو ماہ کے لئے دس درہم کے عوض فیصلہ کیا جائے گا۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ موجد (اجارہ پر دینے والے، اور مستاجر (اجرت پر لینے والے) نے اجرت کی مقدار میں اختلاف کیا یا معقود علیہ یعنی منفعت کی مقدار میں اختلاف کیا اور یہ اختلاف منافع حاصل کرنے سے پہلے واقع ہوا تو اس صورت میں دونوں سے لے کر عقد اجارہ منسوخ کر دیا جائے گا۔ بدل (اجرت) اور مبدل (معقود علیہ) کے ذکر کرنے سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر اختلاف میعاد کی مقدار میں ہوا تو اس صورت میں

تخالف نہ ہوگا بلکہ زیادتی کے منکر کا قول مع المسمین معتبر ہوگا۔

تخالف کی دلیل یہ ہے کہ پہلے گزر چکا ہے کہ بیع پر قبضہ کرنے سے پہلے بیع یعنی بیع یا بیع میں اختلاف قیاس کے مطابق ہے اور اجارہ منفعت پر قبضہ کرنے سے پہلے قبضہ بیع سے پہلے بیع کی نظیر ہے کیونکہ دونوں میں سے ہر ایک عقد معاوضہ ہے اور ہمارا کلام اسی صورت میں ہے جبکہ معقود علیہ یعنی منفعت پر قبضہ نہ کیا گیا ہو۔ پس منفعت حاصل کرنے سے پہلے اجارہ میں اختلاف ایسا ہو گیا جیسا کہ بیع پر قبضہ کرنے سے پہلے بیع میں اختلاف پس جس طرح بیع میں تخالف جاری ہوتا ہے اسی طرح اجارہ میں بھی تخالف جاری ہوگا۔

اعتراض لیکن یہاں یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ تخالف کے لئے معقود علیہ کا موجود ہونا شرط ہے اور اجارہ معقود علیہ یعنی منفعت معدوم ہے لہذا اجارہ میں تخالف جاری نہ ہونا چاہیے۔

جواب ہم جواب دیں گے کہ معدوم میں بھی تخالف جاری ہوتا ہے جیسا کہ سلم میں مسلم فیہ معدوم ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود اختلاف کی صورت میں تخالف جاری ہوتا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ شی جس کو اجرت پر کیا گیا ہے وہ منفعت کے قائم مقام ہے لہذا ایسا ہو گیا گویا منفعت موجود ہے اور جب منفعت موجود ہے تو تخالف بھی جاری ہوگا۔

صاحب قدوری کہتے ہیں کہ اختلاف اگر اجرت میں واقع ہوا ہو تو مستاجر کی قسم سے ابتداء کی جائے گی کیونکہ مستاجر ہی زیادتی اجرت کے وجہ کا منکر ہے اور اگر منفعت میں اختلاف واقع ہوا ہو تو موجر کی قسم سے ابتداء کی جائے گی کیونکہ زیادتی منفعت کا منکر وہی ہے پس اگر دونوں میں سے کسی نے قسم سے انکار کر دیا تو اس پر اس کے ساتھی کا دعویٰ لازم ہوگا کیونکہ اس کا انکار بذل ہے یا ساتھی کے دعویٰ کا اقرار ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے اور اگر دونوں میں سے کسی نے بیعہ پیش کر دیا تو اس کا بیعہ قبول کیا جائے گا اس لئے کہ اس نے اپنے دعویٰ کو حجت اور دلیل سے منور کر دیا ہے اور اگر دونوں نے بیعہ قائم کیا تو دیکھا جائے گا کہ اختلاف اجرت میں ہے یا منفعت میں ہے اگر اختلاف اجرت میں ہو تو موجر کا بیعہ قبول ہوگا کیونکہ زیادتی اجرت کو اسی کا بیعہ ثابت کرتا ہے اور اگر اختلاف اجرت اور منفعت دونوں میں ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کا بیعہ اس زیادتی میں قبول ہوگا۔ جس کا وہ مدعی ہے مثلاً موجر دعویٰ کرتا ہے کہ یہ مکان دس درہم، ماہ کے کرایہ پر ہے اور مستاجر دعویٰ کرتا ہے کہ یہ مکان پانچ درہم کے عوض دو ماہ کے کرایہ پر تو قاضی دو ماہ کے حق میں مستاجر کا بیعہ اور دس درہم کے حق میں موجر کا بیعہ قبول کرے گا اور یہ فیصلہ کرے گا کہ یہ مکان دس درہم کے عوض دو ماہ کے کرایہ پر ہے۔

اگر استیفاء کے بعد اختلاف ہو تو تخالف صحیح نہیں ہے

قَالَ وَإِنْ اِخْتَلَفَا بَعْدَ اِلسْتِيفَاءِ لَمْ يَتَخَالَفَا وَكَانَ الْقَوْلُ قَوْلَ الْمُسْتَأْجِرِ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ ظَاهِرٌ لِأَنَّ هَلَاكَ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ يَمْنَعُ التَّحَالَفَ عِنْدَهُمَا وَكَذَلِكَ عَلَى أَصْلِ مُحَمَّدٍ لِأَنَّ الْهَلَاكَ إِنَّمَا لَا يَمْنَعُ عِنْدَهُ فِي الْمَبِيعِ لِمَا أَنَّ لَهُ قِيمَةً تَقُومُ مَقَامَهُ فَيَتَخَالَفَانِ عَلَيْهَا وَلَوْ جَرَى التَّحَالَفُ هُنَا وَقُضِيَ الْعَقْدُ فَلَا قِيمَةَ لِأَنَّ الْمَنَافِعَ لَا تَقُومُ بِنَفْسِهَا بَلْ بِالْعَقْدِ وَتَبَيَّنَ أَنَّهُ لَا عَقْدَ وَإِذَا امْتَنَعَ فَالْقَوْلُ لِلْمُسْتَأْجِرِ مَعَ يَمِينِهِ لِأَنَّهُ هُوَ الْمُسْتَحَقُّ عَلَيْهِ

ترجمہ اور اگر منافع وصول کرنے کے بعد دونوں نے اختلاف کیا تو دونوں قسم نہ کھائیں گے اور مستاجر کا قول معتبر ہوگا اور یہ ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک ظاہر ہے کیونکہ معقود علیہ کا تلف ہونا ان کے نزدیک تخالف سے مانع ہے اور ایسے ہی امام محمد کی اصل پر بھی، اس لئے معقود علیہ کے ہلاک ہونے سے امام محمد کے نزدیک بیع میں تخالف کا غیر متنع ہونا اس لئے ہے کہ بیع کی قیمت، بیع کے قائم مقام ہوتی ہے، پس وہ دونوں قیمت پر قسم

کھائیں گے اور اگر اس جگہ تحالف جاری ہو اور عقد فسخ کر دیا گیا تو کوئی قیمت نہیں ہے کیونکہ منافع بذات خود قائم نہیں ہوتے بلکہ عقد کے ساتھ قائم ہوتے ہیں اور یہ بات ظاہر ہوگی کہ عقد نہیں ہے اور جب تحالف ممتنع ہو گیا تو مستاجر کا قول مع الیسین معتبر ہوگا اس لئے کہ مدعی علیہ وہی ہے۔

تشریح..... اگر اجارہ میں منافع حاصل کرنے کے بعد دونوں نے اختلاف کیا ہو تو بالا جماع دونوں سے قسم نہیں لی جائے گی بلکہ مستاجر کا قول مع الیسین معتبر ہوگا۔ تحالف کا واجب نہ ہونا شیخین کے نزدیک تو ظاہر ہے کیونکہ جب معقود علیہ معدوم ہو جاتا ہے تو ان کے نزدیک تحالف بھی ممتنع ہو جاتا ہے اور یہاں معقود علیہ چونکہ منفعت وصول کرنے کے بعد باقی نہیں رہی اس لئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ اجارہ میں معقود علیہ ہلاک اور معدوم ہو گیا اور امام محمدؒ کی اصل پر بھی عدم تحالف ظاہر ہے کیونکہ امام محمدؒ کے نزدیک بیع میں تحالف کا ممتنع نہ ہونا اس وجہ سے ہے کہ بیع کی قیمت ہوتی ہے اور قیمت بیع کے قائم مقام ہوتی ہے لہذا محمدؒ کے نزدیک بائع اور مشتری دونوں قیمت پر تحالف کریں گے۔ اور اگر یہاں اجارہ میں تحالف جاری ہو اور تحالف کے بعد عقد اجارہ فسخ کر دیا گیا تو منافع کی کوئی قیمت نہ ہوگی کیونکہ منافع بذات خود قائم نہیں ہوتے بلکہ عقد کے ساتھ قائم ہوتے ہیں اور فسخ ہونے کے بعد یہ بات ظاہر ہوگی کہ عقد اجارہ باقی نہیں رہا اور جب عقد اجارہ باقی نہیں رہا تو اس وقت منفعت کی کوئی قیمت بھی نہ ہوگی بہر حال اجارہ میں جب نہ منفعت موجود ہے اور نہ اس کی قیمت موجود ہے تو تحالف ممتنع ہوگا اور جب تحالف ممتنع ہو گیا کہ مستاجر کا قول مع الیسین معتبر ہوگا کیونکہ مستاجر ہی مستحق علیہ (مدعی علیہ) ہے یعنی اس پر زائد اجرت کا دعویٰ ہے۔ اور جب استحقاق میں اختلاف ہو تو اسی شخص کا قول معتبر ہوتا ہے جس پر استحقاق ثابت کیا جائے یعنی مدعی علیہ۔

معقود علیہ کا کچھ حصہ وصول کرنے کے بعد اختلاف ہو اور دونوں قسم

اٹھائیں گے اور بقیہ میں عقد فسخ ہوگا

وَإِنْ اِخْتَلَفَا بَعْدَ الْاِسْتِيفَاءِ بَعْضُ الْمَعْقُودِ عَلَيْهِ تَحَالَفًا وَفُسِخَ الْعَقْدُ فِيمَا بَقِيَ وَكَانَ الْقَوْلُ فِي الْمَاضِي قَوْلُ الْمُسْتَأْجِرِ لِأَنَّ الْعَقْدَ يَنْعَقِدُ سَاعَةً فَسَاعَةً فَيَصِيرُ فِي كُلِّ جُزْءٍ مِنَ الْمَنْفَعَةِ كَأَنِ ابْتِدَاءُ الْعَقْدِ عَلَيْهَا بِخِلَافِ الْبَيْعِ لِأَنَّ الْعَقْدَ فِيهِ دَفْعَةٌ وَاحِدَةٌ فَإِذَا تَعَدَّرَ فِي الْبَعْضِ تَعَدَّرَ فِي الْكُلِّ

ترجمہ..... اور بعض معقود علیہ حاصل کرنے کے بعد دونوں نے اختلاف کیا تو دونوں قسم کھائیں اور باقی میں عقد فسخ کیا جائے اور گزشتہ زمانے کے بارے میں مستاجر کا قول معتبر ہوگا کیونکہ اجارہ تھوڑا تھوڑا منعقد ہوتا ہے پس منفعت کی ہر چیز میں ایسا ہو جائے گا گویا اس پر جدید عقد وارد ہوا ہے برخلاف بیع کے اس لئے کہ اس میں عقد یکبارگی ہوتا ہے پس جب بعض میں فسخ متعذر ہو گیا تو کل میں متعذر ہو گیا۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر عقد اجارہ میں کچھ منافع حاصل کرنے کے بعد موجر اور مستاجر نے اجرت میں اختلاف کیا تو دونوں سے قسم لے کر باقی میں عقد اجارہ فسخ کر دیا جائے گا اور گزشتہ زمانہ کے بارے میں مستاجر کا قول معتبر ہوگا۔

دلیل..... یہ ہے کہ عقد اجارہ یکبارگی منعقد ہوتا ہے پس ایسا ہو گیا گویا منفعت کی ہر چیز پر جدید عقد وارد ہوا ہے لہذا وہ منافع جو باقی رہ گئے ان کے اعتبار سے معقود علیہ حاصل کرنے سے پہلے اختلاف ہوگا اور معقود علیہ حاصل کرنے سے پہلے تحالف جاری ہوگا اور جو منافع گزر گئے ان کے اعتبار سے معقود علیہ حاصل کرنے کے بعد اختلاف ہوگا اور معقود علیہ حاصل کرنے کے بعد تحالف جاری نہیں ہوتا ہے بلکہ بالاتفاق مستاجر کا قول قبول ہوتا ہے لہذا اگر رے ہوئے منافع کے حق میں تحالف جاری نہ ہوگا بلکہ مستاجر کا قول قبول ہوگا۔

اس کے برخلاف بیع کہ اس میں عقد یکبارگی منعقد ہوتا ہے پس اگر مشتری نے بعض بیع پر قبضہ کیا اور وہ اس کے پاس سے ہلاک ہوگئی تو اس بعض میں عقد بیع کو فسخ کرنا متعذر ہو گیا اور جب بعض بیع میں عقد بیع کو فسخ کرنا متعذر ہو گیا تو عقد کے ایک ہونے کی وجہ سے کل بیع میں عقد کو فسخ

کرنا بھی معذور ہو جائے گا اور جب اس صورت میں عقد بیع کو فسخ کرنا معتذر ہو گیا تو اس صورت میں تحالف بھی نہ ہوگا کیونکہ تحالف کا نتیجہ فسخ ہو جاتا ہے پس جب فسخ ممکن نہیں رہا تو تحالف بھی ممکن نہ ہوگا۔

مولیٰ اور مکاتب کے درمیان بدل کتابت میں اختلاف ہو گیا تو تحالف ہوگا

قَالَ وَإِذَا اخْتَلَفَ الْمَوْلَى وَالْمُكَاتَبُ فِي مَالِ الْكِتَابَةِ لَمْ يَتَحَالَفاً عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ لَا يَتَحَالَفَانِ وَتَفْسُخُ الْكِتَابَةِ وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ لِأَنَّهُ عَقْدٌ مُعَاوَضَةٌ يَقْبَلُ الْفَسْخُ فَاشْتَبَهَ الْبَيْعَ وَالْجَامِعُ أَنَّ الْمَوْلَى يَدْعِي بَدَلًا زَائِدًا يُنْكِرُهُ الْعَبْدُ وَالْعَبْدُ يَدْعِي اسْتِحْقَاقَ الْعِتْقِ عَلَيْهِ عِنْدَ آدَاءِ الْقَدْرِ الَّذِي يَدْعِيهِ وَالْمَوْلَى يُنْكِرُهُ فَيَتَحَالَفَانِ كَمَا إِذَا اخْتَلَفَا فِي الثَّمَنِ وَلَا يَبِي حَنِيفَةَ أَنَّ الْمُبْدَلَ مُقَابِلَ بَفْلِكَ الْحَجَرِ فِي حَقِّ الْيَدِ وَالتَّصَرُّفِ لِلْحَالِ وَهُوَ سَالِمٌ لِلْعَبْدِ وَإِنَّمَا يَنْقَلِبُ مُقَابِلَ لِلْعِتْقِ عِنْدَ الْآدَاءِ فَقَبْلَهُ لَا مُنَابَلَةَ فَبَقِيَ اخْتِلَافًا فِي قَدْرِ الْبَدَلِ لَا غَيْرَ فَلَا يَتَحَالَفَانِ

ترجمہ..... اور اگر مولیٰ اور مکاتب نے مال کتابت میں اختلاف کیا تو ابو حنیفہؒ کے نزدیک تحالف نہیں ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ دونوں قسم کھائیں گے اور کتابت فسخ کر دی جائے اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے اس لئے کہ کتابت ایسا عقد معاوضہ ہے جو فسخ کو قبول کرتا ہے پس یہ بیع کے مشابہ ہوگا اور علت جامعہ یہ ہے کہ مولیٰ زائد بدل کا دعویٰ کرتا ہے جس کا غلام منکر ہے اور غلام اپنے مولیٰ پر استحقاق عتق کا دعویٰ کرتا ہے اس مقدار کے اداء کرنے پر جس کا وہ مدعی ہے اور مولیٰ اس کا منکر ہے لہذا دونوں قسمیں کھائیں گے جیسا کہ جب دونوں نے ثمن میں اختلاف کیا ہو اور ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ بدل، فی الحال قبضہ اور تصرف کے حق میں فک حجر کے مقابل ہے اور یہ غلام کے لئے سالم ہے اور ادائے بدل کتابت کے وقت آزادی کا مقابل ہو کر منقلب ہو جائے گا۔ پس صرف مقدار بدل میں اختلاف رہا لہذا دونوں قسمیں نہ کھائیں۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر مولیٰ اور مکاتب نے بدل کتابت کی مقدار میں اختلاف کیا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں پر تحالف واجب نہ ہوگا بلکہ مکاتب کا قول مع الیمین معتبر ہوگا اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ تحالف واجب ہوگا اور تحالف کے بعد عقد کتابت کو فسخ کر دیا جائے گا یہی قول امام شافعیؒ کا ہے۔

صاحبینؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ کتابت ایسا عقد معاوضہ ہے جو فسخ کو قبول کرتا ہے پس یہ بیع کے مشابہ ہو گیا یعنی جس طرح بیع ایسا عقد معاوضہ ہے جو فسخ کو قبول کرتا ہے اسی طرح کتابت ایسا عقد معاوضہ ہے جو فسخ کو قبول کرتا ہے اور دونوں کے درمیان علت جامعہ یہ ہے کہ جس طرح بائع اور مشتری مقدار ثمن میں اختلاف کرتے ہیں اور بائع زیادتی ثمن کا مدعی ہوتا ہے اور مشتری اس کا منکر ہوتا ہے اور مشتری اپنے بیان کردہ ثمن کے عوض بیع کے استحقاق کا دعویٰ کرتا ہے اور بائع اس کا منکر ہوتا ہے اسی طرح مولیٰ زائد بدل کتابت کا دعویٰ کرتا ہے اور مکاتب اس کا منکر ہے اور مکاتب اپنے مولیٰ پر اس مقدار کے اداء کرنے پر استحقاق عتق کا دعویٰ کرتا ہے جس کا مکاتب مدعی ہے اور مولیٰ اس کا منکر ہے پس اس علت مشتری کی وجہ سے جس طرح اختلاف ثمن کی صورت میں بائع اور مشتری پر تحالف واجب ہوتا ہے اسی طرح بدل کتابت میں اختلاف کی صورت میں بھی مولیٰ اور مکاتب دونوں پر تحالف واجب ہوگا۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی دلیل..... یہ ہے کہ بدل کتابت فی الحال اس رکاوٹ کو دور کرنے کے مقابل ہے جو تصرف وغیرہ کے سلسلہ میں مکاتب کو حاصل ہوا ہے اور تصرف کی رکاوٹ کا دور ہونا مکاتب کے لئے بدل کتابت میں اختلاف کے باوجود حاصل ہے کیونکہ مولیٰ اور مکاتب ثبوت کتابت پر دونوں متفق ہیں اور بدل کتابت میں آزادی کا مقابل اس وقت ہوا جبکہ بدل کتابت ادا کر دے پس حاصل یہ ہوا کہ اداسے پہلے بدل کتابت آزادی کا مقابل ہوتا تو اداسے پہلے مکاتب آزاد ہو جانا چاہیے تھا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بہر حال جب وہ چیز یعنی تصرف کی ممانعت کا دور

ہونا بدل کتابت کے مقابل ہے اور وہ مکاتب کو حاصل ہے تو اختلاف صرف بدل کتابت کی مقدار میں ہوا کیونکہ اس وقت غلام مولیٰ پر کسی چیز کا دعویٰ نہیں کرتا ہے بلکہ وہ اس زیادتی کا منکر ہے جس کا مولیٰ مدعی ہے پس یہاں مولیٰ مدعی اور مکاتب منکر ہوا اور جس صورت میں ایک مدعی اور ایک منکر ہوا اس صورت میں تحالف واجب نہیں ہوتا بلکہ منکر کا قول مع الیمین قبول ہوتا ہے لہذا یہاں بھی تحالف واجب نہ ہوگا بلکہ مکاتب جو منکر ہے اس کا قول مع الیمین معتبر ہوگا۔ یہ حکم تو اس وقت ہے جب دونوں کے پاس بینہ نہ ہو اور اگر کسی ایک نے بینہ پیش کر دیا تو اس کا بینہ قبول ہوگا اور اگر دونوں نے بینہ قائم کر دیا تو مولیٰ کا بینہ اولیٰ ہوگا۔

زوجین کا گھر کے سامان میں اختلاف ہو جائے تو کیا حکم ہوگا

قَالَ وَإِذَا اخْتَلَفَ الزَّوْجَانِ فِي مَتَاعِ النِّبْتِ فَمَا يَصْلَحُ لِلرِّجَالِ فَهُوَ لِلرِّجَالِ لَأَنَّ الظَّاهِرَ شَاهِدٌ لَهُ وَمَا يَصْلَحُ لِلنِّسَاءِ فَهُوَ لِلْمَرَأَةِ كَالْوَقَايَةِ لِشَهَادَةِ الظَّاهِرِ لَهَا وَمَا يَصْلَحُ لَهُمَا كَالْأَيْنَةِ فَهُوَ لِلرِّجَالِ لَأَنَّ الْمَرَأَةَ وَمَا فِي يَدِهَا فِي يَدِ الزَّوْجِ وَالْقَوْلُ فِي الدُّعَاوَى لِصَاحِبِ الْيَدِ بِخِلَافِ مَا يَخْتَصُّ بِهَا لِأَنَّهُ يُعَارِضُهُ ظَاهِرُ أَقْلَوِي مِنْهُ وَلَا فَرْقَ بَيْنَ مَا إِذَا كَانَ الْإِخْتِلَافُ فِي حَالِ قِيَامِ النِّكَاحِ أَوْ بَعْدَ مَا وَقَعَتِ الْفُرْقَةُ

ترجمہ..... اور اگر میاں بیوی نے گھر کے سامان میں اختلاف کیا تو جو چیزیں مردوں کے لائق ہیں وہ مرد کے لئے ہوں گی جیسے عمامہ کیونکہ ظاہر اس کا شاہد ہے اور جو چیزیں عورتوں کے لائق ہیں وہ عورت کے لئے ہوں گی جیسے اوڑھنی کا سر بند۔ کیونکہ ظاہر حال اس کا شاہد ہے۔ اور جو چیزیں دونوں کے لائق ہیں جیسے برتن تو وہ مرد کے لئے ہے۔ کیونکہ عورت اور جو کچھ اس کے قبضہ میں ہے سب مرد کے قبضہ میں ہے اور دعاوی میں قابض ہی کا قول معتبر ہوتا ہے۔ برخلاف ان چیزوں کے جو عورتوں سے مختص ہیں اس لئے کہ اس کے معارض اس سے زیادہ قوی ظاہر ہے اور یہ اختلاف ان دونوں میں نکاح کے قائم ہونے کی حالت میں ہو یا فرقت واقع ہونے کے بعد ہو حکم میں کچھ فرق نہیں ہے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ اگر میاں بیوی نے گھر کے سامان میں اختلاف کیا کہ یہ سامان میری ملک ہے اور بینہ دونوں کے پاس موجود نہیں ہے تو جو سامان مرد کے لائق ہے وہ سامان قسم لے کر مرد کو دیدیا جائے گا جیسے عمامہ، ٹوپی، کتابیں، قبا، کمان، آلات جہاد۔ کیونکہ اس طرح کے سامان میں ظاہری حال مرد ہی کا شاہد ہے اور دعاوی میں اسی کا قول معتبر ہوتا ہے جس کا ظاہر حال شاہد ہوتا ہے۔ اور جو سامان عورتوں کے لائق ہے وہ سامان قسم لے کر عورت کو دیدیا جائے گا جیسی اوڑھنی اور اوڑھنی کا سر بند، برقعہ اور زیور وغیرہ، کیونکہ اس میں عورت ہی کا شاہد ہے اور جو سامان دونوں کے لائق ہے وہ بھی مرد کو دیدیا جائے گا کیونکہ عورت اور مرد کے قبضہ کی چیزیں سب مرد کے لئے ہوتی ہیں۔ اور دعاوی میں قابض کا قول معتبر ہوتا ہے۔ لہذا مرد جو عورت اور عورت کی مقبوضہ چیزوں پر قابض ہے سب میں مرد کا قول معتبر ہوگا۔ مگر جو سامان عورت کے ساتھ مختص ہوتا ہے وہ عورت کے لئے اس لئے ہوگا کہ ایک طرف تو شوہر کا ظاہری قبضہ ہے اور دوسری طرف عورت کا قبضہ ہے جو اس سے اقویٰ ہے، پس عورت کا قبضہ جو اقویٰ ہے اس کو ترجیح حاصل ہوگی۔ جیسے دو آدمیوں نے ایک کپڑے میں اختلاف کیا اور ایک اس کو پہنے ہوئے ہے اور دوسرا اس کی آستین پکڑے ہوئے ہے تو جو شخص پہنے ہوئے ہے اس کا قول معتبر ہوگا۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ یہ اختلاف نکاح کی موجودگی میں ہو یا فرقت واقع ہونے کے بعد ہو دونوں کے درمیان حکم میں کوئی فرق نہیں ہے۔

زوجین میں سے ایک فوت ہو گیا اور ورثہ نے دوسرے کیساتھ اختلاف کیا جو مردوں اور

عورتوں کے لائق ہے وہ زندہ کے لئے ہوگا

فَإِنْ مَاتَ أَحَدُهُمَا وَاخْتَلَفَتْ وَرَثَتُهُ مَعَ الْآخَرِ فَمَا يَصْلَحُ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ فَهُوَ لِلْبَاقِي مِنْهُمَا لِأَنَّ الْيَدَ لِلْحَيِّ

ذُوْنَ الْمَيْتِ وَهَذَا الَّذِي ذَكَرْنَاهُ قَوْلَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ يَدْفَعُ إِلَى الْمَرْأَةِ مَا يَجْهَزُ بِهِ مِثْلَهَا وَالْبَاقِي لِلزَّوْجِ مَعَ يَمِينِهِ لِأَنَّ الظَّاهِرَ أَنَّ الْمَرْأَةَ تَأْتِي بِالْجِهَازِ وَهَذَا أَقْوَى فَيَسْطَلُ بِهِ ظَاهِرُ يَدِ الزَّوْجِ ثُمَّ فِي الْبَاقِي لِمُعَارِضٍ لِمُظَاهِرِهِ فَيُعْتَبَرُ وَالطَّلَاقُ وَالْمَوْتُ سَوَاءٌ لِقِيَامِ الْوَرِثَةِ مَقَامَ مُورِثِهِمْ وَقَالَ مُحَمَّدٌ مَا كَانَ لِلرَّجُلِ أَنَّهُ فَهُوَ لِلرَّجُلِ وَمَا كَانَ لِلنِّسَاءِ فَهُوَ لِلْمَرْأَةِ وَمَا يَكُونُ لَهُمَا فَهُوَ لِلرَّجُلِ أَوْ لَوْرَثَتِهِ لِمَا قُلْنَا لِأَبِي حَنِيفَةَ وَالطَّلَاقُ وَالْمَوْتُ سَوَاءٌ لِقِيَامِ الْوَارِثِ مَقَامَ الْمُورِثِ وَإِنْ كَانَ أَحَدُهُمَا مَمْلُوكًا فَالْمَتَاعُ لِلْحَرِّ فِي حَالَةِ الْحَيَاةِ لِأَنَّ يَدَ الْحَرِّ أَقْوَى وَلِلْحَيِّ بَعْدَ الْمَمَاتِ لِأَنَّهُ لَا يَدَ لِلْمَيْتِ فَخَلَّتْ يَدُ الْحَيِّ عَنِ الْمُعَارِضِ وَهَذَا عِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ وَقَالَا الْعَبْدُ الْمَأْذُونُ لَهُ فِي التَّجَارَةِ وَالْمُكَاتَبُ بِمَنْزِلَةِ الْحَرِّ لِأَنَّ لَهُمَا يَدًا مُعْتَبَرَةً فِي الْخُصُومَاتِ

ترجمہ..... پس اگر زوجین میں سے ایک مر گیا اور اس میت کے ورثاء نے دوسرے کے ساتھ اختلاف کیا تو جو چیزیں مردوں کے لائق ہیں اور عورتوں کے لائق ہے، وہ سب ان میں سے زندہ کے لئے ہوں گی۔ کیونکہ قبضہ زندہ کا ہوتا ہے نہ مردے کا اور یہ جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے ابو حنیفہ کا قول ہے۔ اور ابو یوسف نے فرمایا کہ وہ سامان عورت کو دیدیا جائے گا جس کو وہ جہیز کے طور پر لائی ہے اور باقی قسم کے ساتھ شوہر کیلئے ہوگا۔ کیونکہ ظاہر یہ ہے کہ عورت جہیز لایا کرتی ہے اور یہ اقوی ہے۔ پس اس سے قبضہ زوج کے ظاہر کا کوئی معارض نہیں ہے۔ لہذا وہ معتبر ہوگا اور اطلاق اور موت برابر ہیں کیونکہ ورثاء اپنے مورث کے قائم مقام ہوتے ہیں۔

اور امام محمدؒ نے کہا کہ جو سامان مردوں کے لائق ہوگا وہ شوہر کے لئے ہوگا اور جو عورتوں کے لائق ہوگا وہ بیوی کے لئے ہوگا اور جو دونوں کے لائق ہو وہ شوہر کا ہوگا یا اس کے وارث کا ہوگا۔ اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے ابو حنیفہ کے حوالہ سے بیان کی ہے۔ اور طلاق اور موت دونوں برابر ہیں کیونکہ وارث مورث کے قائم مقام ہے اور اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک مملوک ہو تو حالت حیات میں سامان زندہ کے لئے ہوگا اس لئے کہ آزاد کا قبضہ نہیں رہا، پس زندہ کا قبضہ معارضہ سے خالی ہو گیا اور یہ ابو حنیفہ کے نزدیک ہے اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ عبد ماذون لہ فی التجارات اور مکاتب آزاد کے مرتبہ میں ہے اس لئے کہ خصوصیات میں ان کا قبضہ معتبر ہوتا ہے۔

تشریح..... اگر زوجین میں سے کوئی ایک مر گیا اور پھر میت کے ورثاء اور زندہ نے سامان کے بارے میں اختلاف کیا تو گھر کا کل سامان اس کے لئے ہوگا جو زندہ ہے خواہ وہ سامان مردوں کے لائق ہو خواہ عورتوں کے لائق ہو۔ کیونکہ قبضہ زندہ آدمی کا معتبر ہوتا ہے نہ کہ مردہ کا۔ صاحب ہدایہؒ نے کہا کہ سابق میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے۔ وہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ عورت جو سامان جہیز کے طور پر لایا کرتی ہے وہ سامان تو عورت کو دیدیا جائے اور باقی سامان شوہر سے قسم لے کر اس کو دے دیا جائے۔ کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ عورت جہیز لایا کرتی ہے اور یہ ظاہر شوہر کے ظاہری قبضہ کی بہ نسبت زیادہ قوی ہے لہذا اس ظاہر کے ذریعہ شوہر کا ظاہری قبضہ باطل ہو جائے گا۔ پھر جو سامان باقی رہا اس میں چونکہ شوہر کے ظاہری قبضہ کا کوئی معارض نہیں ہے لہذا اس کا ظاہری قبضہ معتبر ہوگا۔

اور حضرت امام ابو یوسفؒ کے نزدیک طلاق اور موت دونوں کا حکم یکساں ہے کیونکہ ورثاء اپنے مورث کے قائم مقام ہوتے ہیں، پس جو حکم مورث (میت) کا ہے وہی حکم اس کے وارث کا ہوگا۔

حضرت امام محمدؒ نے فرمایا کہ جو چیزیں مردوں کے لائق ہیں وہ سب شوہر کی ہوں گی اور جو چیزیں عورتوں کے لائق ہیں وہ بیوی کی ہوں گی اور جو چیزیں دونوں کے لائق ہیں وہ شوہر کی ہوں گی اگر شوہر زندہ ہو۔ اور اگر مردہ ہو تو اس کے ورثاء کی ہوں گی۔ اور دلیل وہ ہے جو ہم نے امام ابو حنیفہؒ کی دلیل بیان کی ہے، یعنی عورت اور عورت کی مقبوضہ تمام چیزیں شوہر کے قبضہ میں ہوتی ہیں اور قول قابض کا معتبر ہوتا ہے۔ اس لئے ان چیزوں میں شوہر

یعنی قابض کا قول معتبر ہوگا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک بھی طلاق اور موت دونوں کا حکم یکساں ہے۔ اس لئے کہ وراثت اپنے مورث کے قائم مقام ہے۔ اور اگر زوجین میں سے ایک مملوک ہو تو گھر کا پورا سامان آزاد کے لئے ہوگا بشرطیکہ وہ زندہ ہو کیونکہ آزاد کا قبضہ بہ نسبت مملوک کے زیادہ قوی ہے۔ اور دونوں میں سے ایک کے مرنے کے بعد پورا سامان اس کے لئے ہوگا جو زندہ ہے خواہ آزاد ہو خواہ مملوک مجبور ہو خواہ مازون نہ ہو خواہ مکاتب ہو۔ کیونکہ میت کا قبضہ معتبر نہیں ہوتا۔ لہذا زندہ کا قبضہ معارضہ سے پاک ہو گیا۔ یہ حکم امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔ صاحبینؒ نے فرمایا کہ غلام مازون لہ فی التجارات اور غلام مکاتب آزاد کے مرتبہ میں ہوتے ہیں، کیونکہ خصومات میں ان کا قبضہ معتبر ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ اگر قاضی کے یہاں ایک آزاد اور ایک مکاتب نے اپنی اپنی ملکیت کا دعویٰ ایسی چیز میں دائر کیا جس پر دونوں کا قبضہ ہے۔ اور اگر کسی کے گواہ نہیں ہیں تو دونوں کے واسطے برابر آدھے آدھے کا حکم ہوگا۔ اور اگر وہ چیز کسی ثالث کے قبضہ میں ہو اور ان دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے گواہ قائم کئے تو بھی اسی طرح آدھے آدھے کا حکم ہوگا، پس جب خصومات میں مکاتب اور مازون کا قبضہ معتبر ہے تو گھر کے اسباب میں بھی برابر معتبر ہوگا۔

فَصْلٌ فِيمَنْ لَا يَكُونُ خَصْمًا

ترجمہ..... جو لوگ خصم بننے کی صلاحیت نہیں رکھتے ان کا بیان

مدعی علیہ نے کہا کہ یہ چیزیں فلاں غائب نے میرے پاس ودیعت یا بطور رہن رکھی ہیں یا میں نے انہیں غصب کیا ہے، اور اس پر اس نے گواہ بھی قائم کر دیئے تو اس کے بعد مدعی اور اس کے درمیان خصومت قائم ہوگی یا نہیں

وَإِذَا قَالَ الْمُدَّعَىٰ عَلَيْهِ هَذَا الشَّيْءُ أَوْ دَعَيْنِي فَلَانَ الْغَائِبِ أَوْ رَهْنَهُ عِنْدِي أَوْ غَصَبْتُهُ مِنْهُ وَأَقَامَ بَيْنَهُ عَلَىٰ ذَلِكَ فَلَا خُصُومَةَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمُدَّعَىٰ وَكَذَا إِذَا قَالَ أَجْرِيهِ وَأَقَامَ الْبَيْنَةَ لِأَنَّهُ اثْبَتَ بِالْبَيْنَةِ أَنَّ يَدَهُ لَيْسَتْ بِيَدِ خُصُومَةٍ وَقَالَ ابْنُ شُرْمَةَ لَا تَنْدَفِعُ الْخُصُومَةُ لِأَنَّهُ تَعَدَّرَ اثْبَاتُ الْمَلِكِ لِلْغَائِبِ لِعَدَمِ الْخَصْمِ عَنْهُ وَدَفْعُ الْخُصُومَةِ وَبَنَاءٌ عَلَيْهِ قُلْنَا مُقْتَضَى الْبَيْنَةِ شَيْئَانِ ثُبُوتُ الْمَلِكِ لِلْغَائِبِ وَلَا خَصْمَ فِيهِ فَلَمْ يَثْبُتْ وَدَفْعُ خُصُومَةِ الْمُدَّعَىٰ وَهُوَ خَصْمٌ فِيهِ فَيَثْبُتْ وَهُوَ كَالْوَكِيلِ بِنَقْلِ الْمَرْأَةِ وَأَقَامَتِهَا الْبَيْنَةَ عَلَى الطَّلَاقِ كَمَا بَيَّنَّا مِنْ قَبْلُ وَلَا تَنْدَفِعُ بِدُونِ إِقَامَةِ الْبَيْنَةِ كَمَا قَالَ ابْنُ أَبِي لَيْلَى لِأَنَّهُ صَارَ خَصْمًا بظَاهِرِ يَدِهِ فَهُوَ بِإِقْرَارِهِ يُرِيدُ أَنْ يُحَوَّلَ حَقًّا مُسْتَحَقًّا عَلَى نَفْسِهِ فَلَا يُصَدَّقُ إِلَّا بِحُجَّةٍ كَمَا إِذَا ادَّعَى تَحْوِيلَ الدَّيْنِ عَنْ ذِمَّتِهِ إِلَى ذِمَّةٍ غَيْرِهِ وَقَالَ أَبُو يُوسُفَ أَخْرَأَ إِنْ كَانَ الرَّجُلُ صَالِحًا فَالْجَوَابُ كَمَا قُلْنَا وَإِنْ كَانَ مَعْرُوفًا بِالْحِيلِ لَا تَنْدَفِعُ عَنْهُ الْخُصُومَةُ لِأَنَّ الْمُحْتَالَ مِنَ النَّاسِ قَدْ يَدْفَعُ مَالَهُ إِلَى مُسَافِرٍ يُودَعُهُ إِيَّاهُ وَيَشْهَدُ عَلَيْهِ الشُّهُودُ فَيَحْتَالَ لِإِبْطَالِ حَقِّ غَيْرِهِ فَإِذَا اتَّهَمَهُ الْقَاضِي بِهِ لَا يَقْبَلُهُ. وَلَوْ قَالَ الشُّهُودُ أَوْ دَعَا رَجُلٌ لَا نَعْرِفُهُ لَا تَنْدَفِعُ عَنْهُ الْخُصُومَةُ لِاحْتِمَالِ أَنْ يَكُونَ الْمُودَعُ هُوَ هَذَا الْمُدَّعَى وَلَا أَنَّهُ مَا أَحَالَهُ إِلَى مُعَيَّنٍ لِيُمْكِنَ الْمُدَّعَى اتِّبَاعَهُ فَلَوْ أَنْدَفَعَتْ لِتَضَرُّرِهِ الْمُدَّعَى وَلَوْ قَالُوا نَعْرِفُهُ بِوَجْهِهِ وَلَا نَعْرِفُهُ بِاسْمِهِ وَنَسَبِهِ فَكَذَا الْجَوَابُ عِنْدَ مُحَمَّدٍ لِلْوَجْهِ الثَّانِي وَعِنْدَ أَبِي حَنِيفَةَ تَنْدَفِعُ لِأَنَّهُ اثْبَتَ بَيْنَتَهُ أَنَّ الْعَيْنَ وَصَلَ إِلَيْهِ مِنْ جِهَةٍ غَيْرِهِ حَيْثُ عَرَفَهُ الشُّهُودُ بِوَجْهِهِ بِخِلَافِ الْفَصْلِ

الْأَوَّلَ فَلَمْ يَكُنْ يَدُهُ يَدَ خُصُومَةٍ وَهُوَ الْمَقْصُودُ وَالْمُدَّعَى هُوَ الَّذِي أَصَرَ بِنَفْسِهِ حَيْثُ نَسَى خَصْمَهُ أَوْ أَصَرَهُ شُهُودُهُ دُونَ الْمُدَّعَى عَلَيْهِ وَهَذِهِ الْمَسْأَلَةُ مَحْمَسَةٌ كِتَابِ الدَّعْوَى وَذَكَرْنَا الْأَقْوَالَ الْخَمْسَةَ

ترجمہ..... اور جب مدعی علیہ نے کہا کہ یہ چیزیں فلاں غائب نے میرے پاس ودیعت رکھی ہیں یا اس کو میرے پاس رہن رکھا ہے یا میں نے اس کو اس سے غصب کیا ہے اور اس نے اس پر بیہ قائم کر دیا تو اس کے اور مدعی کے درمیان کوئی خصومت نہیں ہے۔ اور اس طرح جب مدعی علیہ نے کہا کہ یہ چیز مجھے فلاں غائب نے اجارہ پر دی ہے اور بیہ قائم کر دیا اس لئے کہ اس نے بیہ سے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ اس کا قبضہ خصومت کا قبضہ نہیں ہے اور ابن شبرمہ نے کہا کہ خصومت مندفع نہ ہوگی اس لئے کہ غائب کے لئے ملک ثابت کرنا معتذر رہے کیونکہ اس کی جانب سے کوئی خصم نہیں ہے اور خصومت کا دفع ہونا اسی پر مبنی تھا۔ ہم جواب دیں گے کہ بیہ کا مقتضی دو چیزیں ہیں غائب کے لئے ملک کا ثابت ہونا اور اس میں کوئی خصم نہیں ہے، لہذا غائب کی ملک ثابت نہ ہوگی۔ اور مدعی کی خصومت کا دفع ہونا اور ہواس میں خصم ہے لہذا یہ دفعیہ ثابت ہو جائے گا۔

اور یہ ایسا ہے جیسے عورت کو منتقل کرنے کا وکیل اور اس عورت نے طلاق پر بیہ قائم کر دیا جیسا کہ ہم نے اس سے پہلے بیان کیا ہے اور بغیر بیہ قائم کئے خصومت دفع نہ ہوگی جیسا کہ ابن ابی لیلیٰ نے کہا کیونکہ وہ اپنے ظاہری قبضہ کی وجہ سے خصم ہو چکا ہے پس وہ اپنے اقرار سے یہ بات چاہتا ہے کہ جو حق اس پر واجب ہے اس کو وہ پھیر دے پس اس کی تصدیق نہیں کی جائے گی مگر حجت سے۔ جیسا کہ جب اپنے ذمہ سے دوسرے کے ذمہ کی طرف تحویل دین کا دعویٰ کیا۔ اور ابو یوسفؒ نے آخر میں کہا اگر قابض صالح مرد ہو تو حکم وہ ہے۔ جیسا کہ ہم نے کہا اور اگر یہ شخص حیلہ بازی میں معروف ہو تو اس سے خصومت مندفع نہ ہوگی۔ کیونکہ لوگوں میں حیلہ باز کبھی اپنا مال کسی مسافر کو دیدیتا ہے کہ وہ مسافر اس کے پاس اس کو ودیعت رکھ دے اور اس پر گواہ قائم کر دے، پس وہ دوسرے کا حق باطل کرنے کے لئے حیلہ کرتا ہے۔ پس جب اس کو متمتع سمجھے گا تو وہ اسکی حجت قبول نہ کرے گا۔ اور اگر گواہوں نے کہا کہ اس قابض کے پاس ایک ایسے آدمی نے ودیعت رکھی ہے جس کو ہم نہیں پہچانتے ہیں۔ اس سے خصومت دفع نہ ہوگی، کیونکہ احتمال ہے کہ ودیعت رکھنے والا یہی مدعی ہے اور اس لئے کہ قابض نے مدعی کو کسی شخص معین کی طرف حوالہ نہیں کیا ہے تاکہ مدعی کے لئے اس کا پیچھا کرنا ممکن ہو، پس اگر خصومت مندفع ہوگئی تو اس سے مدعی کو ضرر ہوگا۔ اور اگر گواہوں نے کہا کہ ہم اس کو صورت سے پہچانتے ہیں اور نام و نسب سے نہیں پہچانتے تو بھی امام محمدؒ کے نزدیک دوسری علت کی وجہ سے یہی حکم ہے اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خصومت دفع ہو جائے گی کیونکہ اس نے گواہوں سے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ یہ مال عین اس کو دوسرے کی جہت سے پہنچا ہے کیونکہ اس کو صورت سے پہچانتے ہیں۔ برخلاف پہلی صورت کے۔ پس اس کا قبضہ خصومت کا قبضہ نہیں ہوا اور یہی مقصود ہے اور مدعی نے اپنے آپ کو ضرر پہنچایا ہے کہ وہ اپنے مدعی علیہ کو بھول گیا یا اس کے گواہوں نے اس کو ضرر پہنچایا ہے نہ کہ مدعی علیہ نے۔ یہ مسئلہ کتاب الدعویٰ میں خمسہ مشہور ہے، ہم نے پانچ قول ذکر کر دیئے۔

تشریح..... مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص مثلاً عارف نے دعویٰ کیا کہ فلاں غلام جو واصف کے قبضہ میں ہے میری ملک ہے، یعنی میں اس کا مالک ہوں پس مدعی علیہ قابض (واصف) نے کہا کہ یہ غلام فلاں شخص جو غائب ہے اس نے ودیعت رکھا ہے۔ یعنی میں امین ہوں اور مودع (بکسر الدال) جو اصل مالک ہے وہ فی الحال سفر میں گیا ہے۔ یا یہ کہا کہ فلاں شخص غائب نے اس کو میرے پاس رہن رکھا ہے۔ یا یہ کہا کہ یہ غلام میں نے اس سے غصب کیا ہے یا یہ کہا کہ فلاں غائب نے یہ غلام مجھ کو اجارہ پر دیا ہے یا مجھ کو عاریہ دیا ہے۔ یا اس کی حفاظت کا مجھ کو وکیل کیا ہے اور مدعی علیہ یعنی قابض نے اپنے مذکورہ اقوال پر بیہ قائم کر دیا تو اس قابض (مدعی علیہ) اور مدعی (عارف) کے درمیان خصومت نہ ہوگی۔ یعنی قاضی مدعی کے اس دعویٰ کی سماعت نہ کرے گا اور اس سے بیہ وغیرہ کا مطالبہ نہ کرے گا مذکورہ تمام صورتوں کی دلیل یہ ہے کہ مدعی علیہ (قابض) نے بیہ کے ذریعے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ میرا قبضہ خصومت کا نہیں ہے اور جو شخص ایسا ہو یعنی یہ ثابت کر دیتا ہو کہ میرا قبضہ خصومت کا قبضہ نہیں ہے تو وہ خصم نہیں ہوتا ہے لہذا یہ قابض بھی خصم نہیں ہوگا۔

ابن شہر مہ یعنی عبداللہ قاضی کوفہ نے کہا کہ مدعی علیہ (قابلض) کے بینہ قائم کرنے کے باوجود خصومت دور نہ ہوگی بلکہ یہ مدعی کا خصم ہوگا اور قاضی اس کے مقدمہ کی سماعت کرے گا اور دلیل اس کی یہ ہے کہ قابلض نے بینہ کے ذریعہ غائب کی ملک ثابت کی ہے حالانکہ غائب کے لئے ملک ثابت کرنا معتذر ہے۔ اس لئے کہ قابلض غائب کی طرف سے خصم نہیں ہے کیونکہ غائب نے قابلض کو اپنے لئے ملک ثابت کرنے کا وکیل نہیں کیا ہے پس جب غائب نے قابلض کو اپنے لئے ملک ثابت کرنے کا وکیل نہیں کیا تو یہ قابلض غائب کی طرف سے خصم نہ ہوگا۔ اور جب قابلض غائب کی طرف سے خصم نہیں ہے تو غائب کے لئے ملک کا ثبوت بغیر خصم کے ہوا اور بغیر خصم کے غائب کے لئے ملک کا ثبوت معتذر ہے کیونکہ کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ ایک چیز کسی کی ملک میں بغیر اس کی رضا مندی کے داخل کرے بہر حال یہ بات ثابت ہوگی کہ اس جگہ غائب کے لئے ملک ثابت نہیں ہوتی ہے اور مدعی علیہ (قابلض) نے خصومت کا دور ہونا غائب کے لئے ملک ثابت ہونے پر مبنی تھا پس چونکہ معتذر پر جو چیزیں مبنی ہوتی ہیں وہ بھی معتذر ہوتی ہیں اس لئے قابلض سے خصومت کا دور ہونا بھی معتذر ہوگا۔

ہماری طرف سے اس دلیل کا جواب..... یہ ہے کہ قابلض کا پیش کردہ بینہ دو چیزوں کا تقاضہ کرتا ہے:

(۱) غائب کے لئے ملک ثابت ہونا مگر چونکہ اس میں کوئی خصم نہیں ہے اس لئے غائب کے واسطے ملک ثابت نہ ہوگی۔

(۲) دوم یہ کہ مدعی علیہ یعنی قابلض سے مدعی علیہ کی خصومت دور ہو اور اس بات میں مدعی علیہ خود خصم ہے۔ لہذا مدعی علیہ (قابلض) کے حق میں خصومت کا دور ہونا ثابت ہو جائے گا۔

اس کی نظیر یہ ہے کہ ایک عورت کے شوہر کی طرف سے ایک شخص وکیل بن کر آیا کہ وہ اس عورت کو اس کے شوہر کے پاس منتقل کرے گا۔ پس اس عورت نے بینہ پیش کر دیا کہ اس نے مجھے طلاق دیدی ہے تو عورت کے اس بینہ سے اگرچہ طلاق ثابت نہ ہوگی جب تک کہ شوہر جو غائب ہے وہ نہ آجائے لیکن وکیل کا حق ختم کرنے کے لئے یہ گواہی قبول ہوگی چنانچہ اس بینہ کے بعد وکیل اس عورت کو منتقل کرنے کا مجاز نہ ہوگا، اس نظیر کی پوری تفصیل باب الوکالت بالخصومت میں گزر چکی ہے۔

قاضی ابن ابی لیلیٰ نے فرمایا کہ مدعی علیہ (قابلض) کے محض اس اقرار سے کہ یہ غلام فلاں غائب کا ہے خصومت دور ہو جائے گی اگرچہ اس نے بینہ قائم نہ کیا ہو۔ الغرض ہمارے نزدیک بغیر بینہ قائم کئے خصومت دور نہ ہوگی لیکن ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک بغیر بینہ قائم کئے خصومت دور ہو جائے گی۔ ابن ابی لیلیٰ کی دلیل..... یہ ہے کہ مدعی علیہ (قابلض) نے غائب کی ملک کا اقرار کیا ہے اور اقرار بذات خود ثابت کرتا ہے لہذا قابلض کے اقرار سے یہ بات ثابت ہوگی کہ غلام کا مالک تو غائب آدمی ہے لیکن قابلض کا قبضہ حفاظت کو طور پر ہے اور جب محض اقرار سے غائب کی ملک ثابت ہوگئی تو بینہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے بہر حال جب بغیر بینہ کے غائب آدمی کی ملک ثابت ہوگئی تو قابلض سے بغیر بینہ کے خصومت بھی دور ہوگئی۔

صاحب ہدایہ نے اس بات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ قابلض اپنے ظاہری قبضہ کی وجہ سے خصم ہو چکا پس وہ اپنے زبانی اقرار سے یہ چاہتا ہے کہ جو حق مدعی کا بظاہر اس کے ذمہ لازم ہے اس کو اپنی ذات سے پھیر کر غائب کے ذمہ ڈالے لہذا وہ اپنے اس اقرار میں متمم ہوگا اور متمم آدمی کے قول کی تصدیق بغیر حجت کے نہیں ہوتی۔ لہذا اس قابلض کے قول کی تصدیق بھی بغیر حجت کے نہ ہوگی جیسے کسی شخص نے اپنے ذمہ سے قرضہ کی تجویز کر کے دوسرے کے ذمہ ڈالنا چاہا۔ مثلاً لیا کہ میں نے اس قرضہ..... طالبہ کو فلاں شخص پر حوالہ کر دیا تھا تو اس حوالہ کرنے والے کے قول کی تصدیق بغیر حجت کے نہیں ہوتی۔ اب اس طرح یہاں بھی قابلض کے قول کی تصدیق بغیر حجت کے نہیں ہوگی۔

حسنہ سے امام ابو یوسف کا آخری قول..... یہ ہے کہ اگر قابلض کوئی مسالح اور نیک آدمی ہو تو اس کا حکم وہی ہے جو ہم نے بیان کیا ہے یعنی بینہ قائم کرنے پر اس کے ذمہ سے خصومت دور ہو جائے گی اور اگر یہ شخص حیلہ بازی میں مشہور ہو تو اس کے ذمہ سے خصومت دور نہ ہوگی۔ اگرچہ اس نے بینہ قائم کیا ہو جیسا کہ ابن شہر مہ نے کہا۔

کیونکہ جو شخص حیلہ باز ہوتا ہے وہ کبھی چپکے سے اپنا مال کسی مسافر کو دیدیتا ہے کہ مسافر مذکور اس کے پاس علانیہ طور سے ودیعت رکھ کر اس پر گواہ مقرر کر دیتا ہے۔ اور یہ حیلہ اس واسطے کرتا ہوتا ہے کہ دوسرے یعنی مدعی کا حق باطل ہو جائے اور مینہ کے ذریعہ بھی اس کے لئے اپنا حق ثابت کرنا ممکن نہ رہے۔ پس جب قاضی قابض کو حیلہ بازی میں متہم سمجھے گا تو اس کی طرف سے حجت قبول نہیں کرے گا۔ صورت اس کی یہ ہے کہ مثلاً وادصف حیلہ بازی اور مکاری میں معروف ہے اور اس پر دوسروں کے حقوق اور دیوان واجب ہیں۔ پس وہ حقدار اور قرض خواہ لوگ اس کے مال پر دعویٰ کر کے اپنا حق حاصل کریں گے۔ لہذا اس نے یہ حیلہ نکالا کہ اس نے اپنا مال چپکے چپکے کسی مسافر کو دیدیا۔ اور مسافر نے گواہوں کو بلا کر علانیہ یہ مال اس کے پاس ودیعت رکھ دیا یا رہن رکھ دیا تو اس سے یہ فائدہ ہوا کہ مسافر تو چلا گیا۔ مگر جب قرض خواہ اس پر دعویٰ کریں گے تو یہ حیلہ باز انھیں گواہوں کو پیش کر دے گا کہ یہ میرا مال نہیں ہے بلکہ فلاں غائب نے میرے پاس ودیعت رکھا ہے۔ پس وہ قرض خواہوں کی خصومت سے چھوٹ جائے گا۔ حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ جب یہ قابض حیلہ بازی میں معروف و مشہور ہو تو قاضی اس تہمت کی وجہ سے اس کے ذمہ سے خصومت دور نہ کریگا اگر قابض مینہ قائم کر دے یہ واضح رہے کہ مذکورہ حکم اس وقت ہے جبکہ گواہوں نے اس مسافر کی نام و نسب سے شناخت بیان کی ہو۔ اور اگر گواہوں نے یہ کہا کہ اس قابض کے پاس ایسے شخص نے ودیعت رکھی ہے جس کو ہم صورت یا نام و نسب سے نہیں پہچانتے ہیں بالا جماع قابض کے ذمہ سے خصومت دفع نہ ہوگی۔

دلیل یہ ہے کہ بہت ممکن ہے کہ ودیعت رکھنے والا یہی مدعی ہو لیکن گواہوں نے اسے پہچانا نہیں ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ قابض نے مدعی کو کسی شخص معین کی جانب حوالہ نہیں کیا ہے تاکہ مدعی اس کی تلاش یا پیچھا کر سکے پس اگر قابض سے خصومت دور ہوگی تو مدعی کو اس سے ضرر پہنچے گا۔

اور اگر گواہوں نے کہا کہ ہم اس ودیعت رکھنے والے کو صورت سے تو پہچانتے ہیں لیکن اس کو نام و نسب سے نہیں پہچانتے تو بھی امام محمدؒ کے نزدیک دوسری دلیل کی وجہ سے یہی حکم ہوگا کہ خصومت دفع نہ ہوگی۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خصومت دور ہو جائے گی۔ کیونکہ قابض نے گواہوں کے ذریعہ یہ بات ثابت کر دی ہے کہ یہ غلام یعنی مال عین اس کے پاس مدعی کے علاوہ کی جانب سے پہنچا ہے۔ چنانچہ گواہ اس کو صورت سے پہچانتے ہیں برخلاف پہلی صورت کے کہ وہاں مدعی کے علاوہ کی جانب سے ملنا ثابت نہیں ہوا تھا۔ پس دوسری صورت میں قابض یعنی مدعی علیہ کا قبضہ خصومت کا قبضہ نہ ہوا بلکہ حفاظت کا قبضہ ہوا اور یہی مقصود ہے اور رہا مدعی کو ضرر پہنچانا تو اس کا جواب یہ ہے کہ مدعی نے خود اپنے آپ کو ضرر پہنچایا ہے کہ اپنے مدعی علیہ کو بھول گیا یا مدعی علیہ کے گواہوں نے اس کے ضرر پہنچایا ہے بہر حال مدعی علیہ نے ضرر پہنچایا۔

صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ کتاب الدعویٰ میں خمسہ کے لقب سے مشہور ہے اور اس مسئلہ کے تحت پانچ اقوال ذکر کر دیئے ہیں۔ چنانچہ پانچ اقوال یہ ہیں،

(۱) ابن شبرمہک، (۲) ابن ابی لیلیٰ کا (۳) امام ابو یوسفؒ کا، (۴) امام محمدؒ کا (۵) امام ابو حنیفہؒ کا۔

مدعی علیہ نے کہا کہ میں نے اس غلام کو فلاں غائب سے خریدا ہے وہ خصم ہوگا

وَأِنْ قَالَ ابْتِغَتْهُ مِنَ الْغَائِبِ فَهُوَ خَصْمٌ لِأَنَّهُ لَمَّا زَعَمَ أَنَّ يَدَهُ يَدُ مَلِكٍ اعْتَرَفَ بِكُونِهِ خَصْمًا وَإِنْ قَالَ الْمُدْعَى غَصْبَتَهُ مِنِّي أَوْ سَرَقْتَهُ مِنِّي لَا تَنْدَفِعُ الْخُصُومَةُ وَإِنْ أَقَامَ ذُو الْيَدِ الْبَيِّنَةَ عَلَى الْوَدِيعَةِ لِأَنَّهُ إِنَّمَا صَارَ خَصْمًا بِدَعْوَى الْفِعْلِ عَلَيْهِ لَا بَيِّنَةٍ بِخِلَافِ دَعْوَى الْمَلِكِ الْمُطْلَقِ لِأَنَّهُ خَصَّمَ فِيهِ بِاعْتِبَارِ يَدِهِ حَتَّى لَا يَصِحَّ دَعْوَاهُ عَلَى غَيْرِ ذِي الْيَدِ وَيَصِحَّ دَعْوَى الْفِعْلِ

ترجمہ..... اور اگر مدعی علیہ نے کہا کہ میں نے اس غلام کو غائب آدمی سے خریدا ہے تو وہ خصم ہوگا کیونکہ قابض نے اقرار کیا کہ اس کا قبضہ، قبضہ ملک ہے تو اس نے اپنا خصم ہونے کا اقرار کیا۔ اور اگر مدعی نے کہا کہ تو نے اس کو میرے پاس سے غصب کیا ہے یا تو نے اس کو میرے پاس سے چوری کیا ہے تو قابض کے ذمہ سے خصومت دور نہ ہوگی اگرچہ قابض نے ودیعت پر بینہ قائم کر دیا ہو کیونکہ قابض فعل غصب یا فعل سرقت کے دعویٰ ہونے سے خصم ہو گیا نہ کہ اپنے قبضے سے برخلاف ملک مطلق کے دعویٰ کے کہ وہ اس میں اپنے قبضہ کی وجہ سے خصم ہے حتیٰ کہ غیر قابض پر ملک مطلق کا دعویٰ صحیح نہیں ہے اور فعل کا دعویٰ غیر قابض پر صحیح ہے

تشریح..... صورت مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک شخص نے دوسرے پر دعویٰ کیا کہ اس کے قبضہ میں جو غلام ہے وہ میری ملک ہے مدعی علیہ نے یہ سن کر کہا کہ میں نے اس غلام کو فلاں آدمی سے خریدا ہے جو اس وقت سفر میں ہے تو اس صورت میں یہ قابض اس مدعی کا خصم اور مدعی علیہ ہوگا یعنی قاضی اس دعویٰ کی سماعت کا مجاز ہوگا۔

دلیل..... یہ ہے کہ قابض نے جب یہ کہا کہ میرا قبضہ مالکانہ قبضہ ہے تو اس نے اپنے خصم اور مدعی علیہ ہونے کا اقرار کر لیا ہے، اور اگر مدعی نے ابتداء یہ کہا کہ تو نے یہ غلام میرے پاس سے غصب کیا ہے یا میرے پاس سے چوری کیا ہے تو بھی قابض سے خصومت دور نہ ہوگی اگرچہ وہ اس پر بینہ قائم کر دے کہ فلاں غائب نے میرے پاس سے اس کو ودیعت رکھا ہے کیونکہ قابض خصم اس لئے ہوا کہ اس پر فعل غصب یا فعل چوری کا دعویٰ ہے وہ اپنے قبضہ کی وجہ سے خصم اور مدعی علیہ نہیں ہوا ہے اس کے برخلاف ملک مطلق کے دعویٰ کے کہ اس میں قابض اپنے قبضہ کی وجہ سے خصم ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ غیر قابض پر ملک مطلق کا دعویٰ صحیح نہیں ہے اور اگر چوری یا غصب وغیرہ کسی فعل کا دعویٰ ہو تو وہ غیر قابض پر بھی صحیح ہوتا ہے۔

مدعی نے کہا کہ یہ چیز میری چوری ہوئی ہے قابض نے کہا کہ فلاں نے میرے پاس ودیعت رکھی ہے اور بینہ قائم کر دیئے تو خصومت دفع نہ ہوگی

وَأَنَّ قَالَ الْمُدْعَى سَرَقَ مِنِّي وَقَالَ صَاحِبُ الْيَدِ أَوْ دَعِيهِ فَلَانٌ وَأَقَامَ الْبَيِّنَةَ لَمْ تَنْدَفِعِ الْخُصُومَةُ وَهَذَا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَأَبِي يُوسُفَ وَهَذَا اسْتِحْسَانٌ وَقَالَ مُحَمَّدٌ تَنْدَفِعُ لِأَنَّهُ لَمْ يَدْعِ الْفِعْلَ عَلَيْهِ فَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ غَضِبَ مِنِّي عَلَى سَلَمٍ يُسَمِّ فَاعِلُهُ وَلَهُمَا أَنَّ ذِكْرَ الْفِعْلِ يَسْتَدْعِي الْفَاعِلَ لَا مُحَالَةً وَالظَّاهِرُ أَنَّهُ هُوَ الَّذِي فِي يَدِهِ إِلَّا أَنَّهُ لَمْ يَعْنِهِ دَرءُ اللَّحْدِ بَشَفَقَةٍ عَلَيْهِ وَإِقَامَةُ لِحْسَبَةِ السُّتْرِ فَصَارَ كَمَا إِذَا قَالَ سَرَقْتَ بِخِلَافِ الْغَضَبِ لِأَنَّهُ لَا حَدَّ فِيهِ وَلَا يُحْتَرَزُ عَنْ كَشْفِهِ

ترجمہ..... اور اگر مدعی نے کہا یہ چیز میرے پاس سے چوری ہو گئی اور قابض نے کہا کہ فلاں نے میرے پاس اس کو ودیعت رکھا ہے اور بینہ قائم کر دیا تو خصومت دفع نہ ہوگی۔ یہ قول امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کا ہے اور یہ استحسان ہے۔ اور امام محمد نے کہا کہ خصومت دور ہو جائے گی۔ کیونکہ مدعی نے اس پر کسی فعل کا دعویٰ نہیں کیا ہے اور یہ ایسا ہو گیا جیسے مدعی نے کہا کہ میرے پاس سے یہ چیز غصب کی گئی ہے یعنی کوئی غاصب بیان نہیں کیا تو بالا اتفاق قابض اس کا خصم نہیں ہوگا۔ ایسے ہی چوری کی حالت میں بھی قابض مدعی علیہ نہ ہوگا۔

امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کی دلیل..... یہ ہے چوری کا فعل تقاضا کرتا ہے کہ کوئی چوری کرنے والا ہو اور ظاہر یہی ہے کہ چور وہی ہے جس کے قبضہ میں یہ چیز موجود ہے لیکن مدعی نے اس کو معین نہیں کیا ایک تو اس غرض سے کہ ازراہ شفقت اس نے قطع ید کا دفعیہ چاہا دوم یہ کہ اس نے پردہ پوشی کا ثواب ملحوظ رکھا۔ پس یہ قول ایسا ہو گیا کہ گویا اس نے مدعی علیہ سے کہا کہ تو نے چوری کی ہے اور غصب میں یہ بات نہیں ہے اس لئے کہ اس میں کوئی حد نہیں ہے لہذا اس کے اظہار سے احتراز نہیں کرے گا۔

تشریح..... تشریح ترجمہ سے واضح ہے۔

مدعی نے کہا کہ میں نے یہ چیز فلاں سے خریدی ہے اور قابض نے کہا کہ اس نے یہ چیز میرے پاس ودیعت رکھی ہے تو خصومت بغیر بینہ کے ساقط ہو جائے گی

وَإِذَا قَالَ الْمُدَّعِيُ ابْتِغَتْهُ مِنْ فُلَانٍ وَقَالَ صَاحِبُ الْيَدِ أَوْ دَعْنِيهِ فُلَانٌ ذَلِكَ سَقَطَتْ الْخُصُومَةُ بِغَيْرِ بَيِّنَةٍ لَّأَنَّهُمَا لَمَّا تَوَافَقَا عَلَى أَنَّ أَصْلَ الْمُلْكِ فِيهِ لِغَيْرِهِ فَيَكُونُ وَصُولُهَا إِلَى ذِي الْيَدِ مِنْ جِهَتِهِ فَلَمْ يَكُنْ يَدُهُ يَدَ خُصُومَةٍ إِلَّا أَنْ يُقِيمَ الْبَيِّنَةَ أَنَّ فُلَانًا وَكُلَّهُ بِقَبْضِهِ لِأَنَّهُ اثْبَتَ بَيِّنَتَهُ كَوْنُهُ أَحَقُّ بِإِمْسَاكِهَا

ترجمہ..... اور جب مدعی نے کہا کہ میں نے یہ چیز فلاں سے خریدی ہے اور قابض نے کہا کہ اسی نے یہ چیز میرے پاس ودیعت رکھی ہے تو خصومت بغیر بینہ کے ساقط ہو جائے گی۔ یعنی مدعی علیہ کو ودیعت پر بینہ قائم کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ اس لئے کہ جب مدعی اور مدعی علیہ نے اتفاق کیا کہ اس چیز میں اصلی ملک مدعی علیہ کے علاوہ دوسرے شخص کی ہے تو مدعی علیہ کے قبضہ میں پہنچنا اسی کی طرف سے ہوگا پس قابض کا قبضہ خصومت کا قبضہ نہ ہو اگر یہ کہ اس بات پر بینہ قائم کرے کہ فلاں نے مجھ کو اس پر قبضہ کرنے کا وکیل کیا ہے تو اس صورت میں قبضہ کر سکتا ہے کیونکہ اس نے اپنے بینہ سے ثابت کر دیا ہے کہ وہ اس کو روکنے کا زیادہ مستحق ہے۔

تشریح..... تشریح ترجمہ سے ظاہر ہے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ط

جمیل احمد عفی عنہ

۱۹ ذی الحجہ ۱۴۱۰ھ

یوم جمعہ

الحمد للہ..... اشرف الہدایہ جلد دہم مکمل ہوئی



کی مطبوعہ مفتی کتب ایکسپریس میں

خواتین کے مسائل اور ان کا حل ۲ جلد — جمع و ترتیب مفتی ثناء اللہ محمود فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی

کتاب الکفالة والنفقات _____ مولانا عمران الحق کلیانوی

بہشتی زیور ۛدلل مکمل — حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی رح

۱۰۷

۱۰۸

۱۰۹

۱۱۰

۱۱۱

۱۱۲

۱۱۳

۱۱۴

۱۱۵

۱۱۶

۱۱۷

۱۱۸

۱۱۹

۱۲۰

۱۲۱

۱۲۲

۱۲۳

۱۲۴

۱۲۵

۱۲۶

۱۲۷

۱۲۸

۱۲۹

۱۳۰

۱۳۱

۱۳۲

۱۳۳

۱۳۴

۱۳۵

۱۳۶

۱۳۷

۱۳۸

۱۳۹

۱۴۰

۱۴۱

۱۴۲

۱۴۳

۱۴۴

۱۴۵

۱۴۶

۱۴۷

۱۴۸

۱۴۹

۱۵۰

۱۵۱

۱۵۲

۱۵۳

۱۵۴

۱۵۵

۱۵۶

۱۵۷

۱۵۸

۱۵۹

۱۶۰

۱۶۱

۱۶۲

۱۶۳

۱۶۴

۱۶۵

۱۶۶

۱۶۷

۱۶۸

۱۶۹

۱۷۰

۱۷۱

۱۷۲

۱۷۳

۱۷۴

۱۷۵

۱۷۶

۱۷۷

۱۷۸

۱۷۹

۱۸۰

۱۸۱

۱۸۲

۱۸۳

۱۸۴

۱۸۵

۱۸۶

۱۸۷

۱۸۸

۱۸۹

۱۹۰

۱۹۱

۱۹۲

۱۹۳

۱۹۴

۱۹۵

۱۹۶

۱۹۷

۱۹۸

۱۹۹

۲۰۰

۲۰۱

۲۰۲

۲۰۳

۲۰۴

۲۰۵

۲۰۶

۲۰۷

۲۰۸

۲۰۹

۲۱۰

۲۱۱

۲۱۲

۲۱۳

۲۱۴

۲۱۵

۲۱۶

۲۱۷

۲۱۸

۲۱۹

۲۲۰

۲۲۱

۲۲۲

۲۲۳

۲۲۴

۲۲۵

۲۲۶

۲۲۷

۲۲۸

۲۲۹

۲۳۰

۲۳۱

۲۳۲

۲۳۳

۲۳۴

۲۳۵

۲۳۶

۲۳۷

۲۳۸

۲۳۹

۲۴۰

۲۴۱

۲۴۲

۲۴۳

۲۴۴

۲۴۵

۲۴۶

۲۴۷

۲۴۸

۲۴۹

۲۵۰

۲۵۱

۲۵۲

۲۵۳

۲۵۴

۲۵۵

۲۵۶

۲۵۷

۲۵۸

۲۵۹

۲۶۰

۲۶۱

۲۶۲

۲۶۳

۲۶۴

۲۶۵

۲۶۶

۲۶۷

۲۶۸

۲۶۹

۲۷۰

۲۷۱

۲۷۲

۲۷۳

۲۷۴

۲۷۵

۲۷۶

۲۷۷

۲۷۸

۲۷۹

۲۸۰

۲۸۱

۲۸۲

۲۸۳

۲۸۴

۲۸۵

۲۸۶

۲۸۷

۲۸۸

۲۸۹

۲۹۰

۲۹۱

۲۹۲

۲۹۳

۲۹۴

۲۹۵

۲۹۶

۲۹۷

۲۹۸

۲۹۹

۳۰۰

۳۰۱

۳۰۲

۳۰۳

۳۰۴

۳۰۵

۳۰۶

۳۰۷

۳۰۸

۳۰۹

۳۱۰

۳۱۱

۳۱۲

۳۱۳

۳۱۴

۳۱۵

۳۱۶

۳۱۷

۳۱۸

۳۱۹

۳۲۰

۳۲۱

۳۲۲

۳۲۳

۳۲۴

۳۲۵

۳۲۶

۳۲۷

۳۲۸

۳۲۹

۳۳۰

۳۳۱

۳۳۲

۳۳۳

۳۳۴

۳۳۵

۳۳۶

۳۳۷

۳۳۸

۳۳۹

۳۴۰

۳۴۱

۳۴۲

۳۴۳

۳۴۴

۳۴۵

۳۴۶

۳۴۷

۳۴۸

۳۴۹

۳۵۰

۳۵۱

۳۵۲

۳۵۳

۳۵۴

۳۵۵

۳۵۶

۳۵۷

۳۵۸

۳۵۹

۳۶۰

۳۶۱

۳۶۲

۳۶۳

۳۶۴

۳۶۵

۳۶۶

۳۶۷

۳۶۸

۳۶۹

۳۷۰

۳۷۱

۳۷۲

۳۷۳

۳۷۴

۳۷۵

۳۷۶

۳۷۷

۳۷۸

۳۷۹

۳۸۰

۳۸۱

۳۸۲

۳۸۳

۳۸۴

۳۸۵

۳۸۶

۳۸۷

۳۸۸

۳۸۹

۳۹۰

۳۹۱

۳۹۲

۳۹۳

۳۹۴

۳۹۵

۳۹۶

۳۹۷

۳۹۸

۳۹۹

۴۰۰

۴۰۱

۴۰۲

۴۰۳

۴۰۴

۴۰۵

۴۰۶

۴۰۷

۴۰۸

۴۰۹

۴۱۰

۴۱۱

۴۱۲

۴۱۳

۴۱۴

۴۱۵

۴۱۶

۴۱۷

۴۱۸

۴۱۹

۴۲۰

۴۲۱

۴۲۲

۴۲۳

۴۲۴

۴۲۵

۴۲۶

۴۲۷

۴۲۸

۴۲۹

۴۳۰

۴۳۱

۴۳۲

۴۳۳

۴۳۴

۴۳۵

۴۳۶

۴۳۷

۴۳۸

۴۳۹

۴۴۰

۴۴۱

۴۴۲

۴۴۳

۴۴۴

۴۴۵

۴۴۶

۴۴۷

۴۴۸

۴۴۹

۴۵۰

۴۵۱

۴۵۲

۴۵۳

۴۵۴

۴۵۵

۴۵۶

۴۵۷

۴۵۸

۴۵۹

۴۶۰

۴۶۱

۴۶۲

۴۶۳

۴۶۴

۴۶۵

۴۶۶

۴۶۷

۴۶۸

۴۶۹

۴۷۰

۴۷۱

۴۷۲

۴۷۳

۴۷۴

۴۷۵

۴۷۶

۴۷۷

۴۷۸

۴

معاونی دارالعلوم دیوبند ۱۲۰۰ھ ہے۔ ۱۰ جلد۔ مولانا محمد علی گیسوئیہ صاحب۔

وَأَمَّا مَعَادُ الْفَقَاءِ (تَبَعًا لِلْفَقَاءِ بِدُرُكِهِ قَدْ آتَى الْحُكْمَ)

سراوڈنٹ فنڈ

ہمہ زندگی _____ مولانا مفتی محمد شفیع رح

”نسیق سفر سفر کے آداب احکام

رحمی قانون نکاح، طلاق، وراثت۔ فضیل الرحمن لکھلکھانی

مولاانا عبد الشکور صاحب لکھنوی ۲۷

[illegible]

حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب

صنہ النوری شرح قدوری اعلم — مولانا محمد حنیف گنگوہی

بن کی باتیں یعنی مسائلِ بہشتی زبور — مولانا محمد شرف علی تھانوی رح

مآبے عاتلی مسائل _____ مولانا محمد تقی عثمانی صاحب

ریخ فقہ اسلامی ————— شیخ محمد خضریٰ

عبدن الحقائق شرح لنسرة الدقائق — مولانا محمد حنیف کنگوہی

ہم السلام علیٰ لطیفین ————— مولانا محمد شرف علی مصلوی رح

بہارِ برائی کی سورتوں کا معنی سچ بھلا

دارالاساعیہ اردو بازار ۱۵ ایک لے جناح روڈ
کراچی پاکستان ۷۴۶۳۱۸۹۱

تفاسیر و علوم قرآنی اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دارالاشاعت کی مطبوعہ مستند کتب

تفاسیر و علوم قرانی

تفسیر عثمانی بطریق جامع عنوانات باریکات ۱ جلد	مولانا محمد عثمانی، امام متکلم امام جلیل مولانا زکی
تفسیر مظہری اردو	۱۲ جلدیں قاضی محمد عثمانی، قاضی محمد عثمانی
قصص القرآن	۲۷ جلدیں ۲۷ جلدیں مولانا حفص الرحمن سیوہادی
تاریخ ارض القرآن	۱ جلد مولانا عبد الباقی
قرآن اور ماحولیت	۱ جلد انجینئر شعیب حیدر
قرآن سائنس اور تہذیب و تمدن	۱ جلد ڈاکٹر محبت بی بی
لغات القرآن	۱ جلد مولانا عبد الرشید نعمانی
قاموس القرآن	۱ جلد قاضی زین العابدین
قاموس الفاظ القرآن الکریم (عربی انگریزی)	۱ جلد ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی
مناقب الہدیین فی مناقب القرآن (عربی انگریزی)	۱ جلد حبیب الرحمن
اعمال قرآنی	۱ جلد مولانا اشرف علی عثمانی
قرآن کی بات	۱ جلد مولانا احمد سعید صاحب

مطبوعات

تفسیر البخاری مع ترجمہ و شرح اردو	۲۰ جلد مولانا عبد الباقی، مولانا فضل دیوبند
تفسیر المسلم	۲۰ جلد مولانا زکریا اقبال، فاضل دارالعلوم کراچی
جامع ترمذی	۲۰ جلد مولانا فضل احمد صاحب
سنن ابوداؤد و شرح	۲۰ جلد مولانا محمد راجہ صاحب، مولانا محمد رشید عالمی، مولانا فضل دیوبند
سنن نسائی	۲۰ جلد مولانا فضل احمد صاحب
معارف الحدیث ترجمہ و شرح	۲۰ جلد ۲۰ جلد مولانا محمد منظور نعمانی صاحب
مشکوٰۃ شریف مترجم مع عنوانات	۲۰ جلد مولانا عبد الرحمن کاندھلوی، مولانا عبد اللہ صاحب
ریاض البصالحین مترجم	۲۰ جلد مولانا نعیم الرحمن نعمانی صاحب
الادب المفرد کتب ترجمہ و شرح	۲۰ جلد از امام حسن علی
مطابحات جدیدہ شرح مشکوٰۃ شریف	۲۰ جلد ۲۰ جلد مولانا عبد اللہ غازی پوری، فاضل دیوبند
تفسیر بخاری شریف	۲۰ جلد ۲۰ جلد مولانا محمد رشید عالمی، مولانا فضل دیوبند
تجربہ بخاری شریف	۲۰ جلد ۲۰ جلد مولانا محمد رشید عالمی، مولانا فضل دیوبند
تنظیم الارشاد تات	۲۰ جلد ۲۰ جلد مولانا ابو الحسن صاحب
شرح البیہق نووی	۲۰ جلد ۲۰ جلد مولانا نعیم الرحمن نعمانی صاحب
قصص الحدیث	۲۰ جلد ۲۰ جلد مولانا زکریا اقبال، فاضل دارالعلوم کراچی

ناشر:- دارالاشاعت اردو بازار کراچی فون ۲۶۳۱۸۶۱-۲۶۳۱۸۶۲-۲۶۳۱۸۶۳-۲۶۳۱۸۶۴

معیاری اور ارزاں مکتبہ دارالاشاعت کراچی کی مطبوعہ چند درسی کتب و شروحات

اشرف الہدایہ جدید ترجمہ و شرح ہدایہ ۱۶ جلد کامل (مفصل عنوانات و فہرست، تسہیل کے ساتھ پہلی بار) کمپیوٹرنگ	تسہیل جدید عین الہدایہ مع عنوانات پیرا گرافنگ (کمپیوٹرنگ کتابت)	مولانا انوار الحق قاسمی مدظلہ
منظاہر حق جدید شرح مشکوٰۃ شریف ۵ جلد اعلیٰ	(کمپیوٹرنگ کتابت)	مولانا عبد اللہ جاوید غازی پوری
اصح النوری شرح قدوری	(کمپیوٹرنگ کتابت)	مولانا محمد حنیف گنگوہی
معین الحقائق شرح کنز الدقائق		مولانا محمد حنیف گنگوہی
ظفر المحصلین مع قرۃ العیون (حالات مصنفین درس نظامی)		مولانا محمد حنیف گنگوہی
تحفۃ الادب شرح فتح العرب		مولانا محمد حنیف گنگوہی
نبیل الامانی شرح مختصر المعانی		مولانا محمد حنیف گنگوہی
تسہیل الضروی مسائل القدوری عربی مجلد یکجا		حضرت مفتی محمد عاشق الہی الہ فی
تعلیم الاسلام مع اضافہ جوامع الکلم کامل مجلد		حضرت مفتی کفایت اللہ
تاریخ اسلام مع جوامع الکلم		مولانا محمد میاں صاحب
آسان نماز مع چالیس مسنون دعائیں		مولانا مفتی محمد عاشق الہی
سیرت خاتم الانبیاء		حضرت مولانا مفتی محمد شفیع
سیرت الرسول		حضرت شاہ ولی اللہ
رحمت عالم		مولانا سید سلیمان ندوی
سیرت خلفائے راشدین		مولانا عبد الشکور فاروقی
مدلل بہشتی زیور مجلد اول، دوم، سوم	(کمپیوٹرنگ کتابت)	حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی
بہشتی گوہر	(کمپیوٹرنگ کتابت)	حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی
تعلیم الدین	(کمپیوٹرنگ کتابت)	حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی
مسائل بہشتی زیور	(کمپیوٹرنگ کتابت)	حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی
احسن القواعد		امام نووی
ریاض الصالحین عربی مجلد مکمل		مولانا عبد السلام انصاری
اسوۃ صحابیات مع پیر انصاریات		حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی
قصص النبیین اردو مکمل مجلد		نزدیکہ شرح مولانا مفتی عاشق الہی
شرح اربعین نووی اردو		ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی
تذہیب المنطق		

ناشر :- دارالاشاعت اردو بازار کراچی فون ۲۶۳۱۸۶۱-۲۶۳۱۸۶۸-۲۲۱۳۷۶۸-۲۱